إنّ من البیان لسحرا

بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں

جناب شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی

ڈی او ایل ڈپٹی کلکٹر بہادر و ممبر بورڈ آف ریونیو سرکار عالی نظام کے

لکچروں کا مجموعہ

(جلد اول)

جس میں ۱۸۸۸ء سے لے کر ۱۸۹۵ء تک کے بائیس لکچر ہیں

مرتبہ

مولوی بشیر الدین احمد صاحب تعلقہ دار (کلکٹر) بلدہ سرکار عالی نظام

خلف الصدق جناب لکچرار مبرور

سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

محمد قادر علیخان صوفی کے اہتمام سے

فہرست متعلق بہ مجموعہ لکچر جلد اوّل از اکتوبر سنہ ۱۸۸۸ء تا جون سنہ ۱۸۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول

مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب جس طرح پرانے مولوی اور نئے حافظ ہیں اسی طرح وہ پرانے مصنف اور نئے لکچرار بھی ہیں۔ آپ چار برس پہلے اور تو اور خود مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں لکچر دینے کی بھی قدرت ہے۔ جس طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا عالم ہو وہ بڑا معلم بھی ہو اسی طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا منشی یا ادیب ہو وہ بڑا لکچرار بھی ہو۔ لکچر دینے کے لیے بعض ایسی صفتیں بھی درکار ہیں جو صرف وہبی یعنی خداداد ہو سکتی ہیں نہ اکتسابی کہ جو چاہے محنت و مشقت سے حاصل کر لے۔ مثلاً لکچرار چاہیے جہیر الصوت[1] ہو کہ جو کچھ کہے حضار مجلس کو گنتی میں کتنے ہی کیوں نہ ہوں سنا سکے اور سنا سکے بھی تو اس طرز پر کہ قریب متاذی[2] نہ ہوں اور بعید محروم نہ رہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو دلی۔ لاہور۔ علی گڈھ میں لکچر دیتے دیکھا چھ چھ سات سات ہزار آدمیوں کا مجمع اور خدا نے عجیب آواز دی ہے کہ سننے میں پاس کے پاس اور دور سے دور کے لوگ سب یکساں۔ پھر لکچرار چاہیے قوی دل دلیر کہ حاضرین کیسے ہی ذی رتبہ اور مقتدا اور لائق ہوں وہ کسی سے نہ جھینپے۔ اپنے ایوب کو زینت الکرونش میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے گویائی بھی خاصی ہے

---

[1] بلند آواز ۱۲
[2] ایذا نہ پائیں ۱۲

مگر مجمع کو دیکھہ کر کچھ ایسی سٹی گم ہو جاتی ہے کہ ایک بات کہتے نہیں بن پڑتی اور بتکلف کہی بھی تو پسینے پسینے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آواز لڑکھڑاتی جاتی ہے۔ ہاتھ پانوں تھرے کانپ رہے ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب لکچر دینے میں اگر مرعوب ہوتے ہیں تو اسی قدر کہ گرمی کے دنوں میں پانی اور جاڑے میں چائے بار بار پیتے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا تو کہا چیخ کر بولنے میں زور بہت پڑتا اور گلا خشک ہوا چلا جاتا ہے۔ مگر ایسی تو کیا بات ہے کہ آڈینس[1] کا کچھ بھی اثر نہ پڑتا ہو۔ پھر بھی بڑے ہی بے تکان بولنے والے ہیں۔ اور ایک خاص بات یہ ہے۔ کہ اس عمر پر چار چار، پانچ پانچ گھنٹے متصل اسی کڑاکے سے بولتے رہیں اور نہ تھکیں اور نہ آواز بھرّائے۔ مولوی نذیر احمد خاں صاحب لکچر لکھ کر اپنے ساتھ لایا کرتے ہیں اور اتنے بڑے بڑے لکچر جو بجائے خود کتاب نہیں تو رسالے ضرور ہوتے ہیں۔ زبانی یادداشت پر دیتے ہیں بھی مشکل۔ مگر وہ جو کچھ لکھ کر لاتے ہیں اس کو نوٹ سمجھو اچٹتی ہوئی سی ایک نظر ڈال لی اور ایک پورے مطلب کو حاضرین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کر دیا۔ اور اگر سر جھکائے لکھا ہوا دیکھ دیکھ کر بیان کریں جیسے سررشتہ دار پیش حاکم رپورٹ پڑھتا ہے یا بار بار تحریر کو دیکھتے جائیں تو سننے والوں کو وہ ہی کیا مزا ملے۔ اگر بیان میں جادو ہے اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا[2] تو وہ کہنے والے کی آنکھوں سے نکل کر سننے والے کی آنکھوں میں اور پھر اس کے دل میں جگہ کرتا ہے۔ بہت سی باتیں ان کو عین وقت پر سوجھتی جاتی ہیں اور وہی ان کے لکچر کی جان ہوتی ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے معدودے چند کے سوائے اکثر بڑے بڑے مطول لکچر دیئے ہیں اور یہ انہی کی ظرافت اور خوش بیانی کا اثر تھا کہ کبھی کسی کو ملول ہوتے نہ

[1] حاضرین ۱۲ [2] بعض بیان جادو کا سا اثر رکھتے ہیں ۱۲

نہ دیکھا - وہ جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی تحریر کی طرز خاص ہے - اور جو الگ پہچان پڑتی ہے - اس زور سے تو نہیں مگر پھر بھی ان کے لکچروں سے ٹپکی پڑتی ہے ان کو اردو فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہے اور عربی انگریزی کے الفاظ بلکہ جملے کے جملے وہ ایسے بے تکلفی کے ساتھ بولتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان کی اپنی زبان ہے - قوم اور ملک نے صرف طرز بیان اور زور بیان ہی کی وجہ سے ان کے لکچروں کی قدر نہیں کی - بلکہ ان کے مطالب اور مضامین ایسے ضروری اور مفید ہیں کہ ان کے لکچر ان کی تصنیفات پر فائق اور مرجح نہیں تو دلچسپ ہونے میں کسی سے ہیٹے بھی نہیں انہوں نے بہت سے معرکۃ الآرا مضامین پر نہایت آزادی اور متانت اور استواری سے اپنی رائے ظاہر کی ہے اور وہ ایسی محکم اور مدلل ہے کہ چار و ناچار اس سے اتفاق کرنا پڑتا ہے - مذہب اسلام اور تعلیم دونوں کیسے ضروری مضمون ہیں اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے ان پر ایسی موشگافی کے ساتھ بحث کی ہے - کہ کوئی پہلو بچنے نہیں پایا - اسلام کی تائید میں ان کے دلائل ایسے تشفی بخش اور یقین دلانے والے ہیں کہ علم کلام کی کسی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی - نوجوان انگریزی خواں جو سائینس اور مذہب کی کشمکش میں ثابت قدم رہ نہیں سکتے ان کو دین اسلام پر جمے رہنے کے لیئے ان لکچروں سے سہارا لینا ضرور ہے -

سب سے پہلے فضل الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کو جمع کر کے چھپوایا - مگر اس وقت تک خود لکچر تھوڑے سے ہونے تھے اور جو ہوتے وہ بھی ان کو پورے دستیاب نہیں ہوتے یا انھوں نے کسی وجہ سے سب کو لینا نہیں چاہا - چونکہ لکچروں کا سلسلہ جاری ہے اب وہ کتاب ادھوری اور ناتمام

ہے۔ فضل الدین صاحب نے حجم بڑھانے کو یا پڑھنے والوں کی خاطر سے لکچرار کے سوانح عمری
سب نہیں اکثر نہیں۔ تھوڑی برائے نام شروع میں بڑھا دیئے ہیں مگر جو شخص حی و قائم
و زندہ موجود ہو اپنا دل تو اس کے حالات قلمبند کرنے کو گوارا نہیں کرتا اول تو معلوم
نہیں کہ آخر تک اس کے مزاج میں۔ عادات میں۔ حالات میں کیسے کیسے تغیر واقع ہوں
دوسرے کوئی بندہ بشر ایسا ہوا ہے یا اب ہے یا آیندہ ہونا ممکن ہے جو بے عیب ہو ہم اسی کو
بے عیب سمجھتے ہیں جس کے ہنر اس کے عیوب پر غالب ہوں۔ بہرکیف جس طرح ہر تصویر
میں دو رُخ ہوتے ہیں۔ روشن اور تاریک۔ ہر انسان میں دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں
بعض قابل مدح اور بعض مستوجب ملامت۔ اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی اس
کلیے سے کیوں مستثنیٰ ہوں اگر ہم ان کی نری مدح ہی مدح کریں تو وہ بے جا خوشامد کے
علاوہ جھوٹ بھی ہوگا اور اگر ان کے نقصان اور عیب بھی ظاہر کریں تو بیٹھے بٹھائے ان کا
اور ان کے اقارب و احباب کا دل دکھائیں۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اپنے میں کسی نقصان
کے ہونے سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ایسے بہت بلکہ سب ہیں جو ان نقصانات کے ظاہر
کیئے جانے سے ضرور آزردہ ہو جاتے ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے مزاج
میں کوئی نہ کوئی تو خرابی ہے کہ وہ بلا رضامندی نہیں بلکہ خلاف مرضی نوکری سے الگ
ہو کر بیٹھے بے کاری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی خطاب ہے نہ وہ شریک کونسل
ہیں اور نہ کسی سوسائٹی کے ممبر۔ فرض کرو کہ ہم اپنے زعم کے مطابق اس خرابی یا ان
خرابیوں کو بیان کریں تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو برا لگے پر لگے۔ [illegible]
ان کو پیدا ہوئے دلی۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے ان کی [illegible]
سلسلے کے انقطاع یا کمی کے ہم باعث ہوں [illegible] بیٹا [illegible]

ہم اس پہلو ہی پر نہیں آنے دے ورنہ ہم کو تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اتنے ان کے سب لکچر بھی کرنہ ہوتے جتنی ان کی سوانح عمری مگر ہم نے اس کمی کی تلافی اس طرح پر کردی ہی کہ اوّلاً ان کے کُل لکچر شروع سے تا تاریخ امروزہ جمع کردیئے ہیں اب لکچروں کی قسم سے کوئی حرف متروک نہیں ثانیاً ہم نے کُل لکچروں کا ایک انڈکس[1] بنا دیا ہی تاکہ ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ ان لکچروں میں کس کس قسم کے مطالب ہیں اور وہ کس جگہ ملیں گے۔ ثالثاً عربی اور انگریزی عبارتوں کا ترجمہ اور جہاں ضرورت معلوم ہوئی حاشیہ بطور فٹ نوٹ کے بڑھا دیا ہی تا فہم مدعا میں سہولت ہو۔ غرض ہمارا خیال یہ ہی کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا مجموعہ اس سے بہتر کسی نے اس وقت تک ترتیب نہیں دیا۔ رہی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی سوانح عمری[2] ہمارے پاس اس کا اتنا سامان مہیا ہی کہ جب ہم اس کو پبلک کے روبرو کتاب کے پیرایے میں پیش کردیں گے تو لوگ دیکھ لیں گے کہ سوانح ایسے تو ہوں فقط

---

[1] یہ انڈکس وفہرست ۔۔۔ تہ طول اور بے سودگی میں نے خارج کردی اور مختصر سی فہرست لگا دی ہی ۱۲

[2] مولوی سید افتخار عالم صاحب مارہروی نے "حیات النذیر" کے نام سے لکھی ہی ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

جامِ جہاں نما ہے سخنِ آبدار ہے
لطفِ نگار خانۂ چینی شمار ہے

ہر دل کو تازگی ہے وہ رنگ آشکار ہے
مجلس ہے گر چمن تو یہ فصلِ بہار ہے

واللہ اس پہ جا کے اوج سخنور کو بل گئے
مصرع پڑھا تو غنچۂ دل سب کے کھل گئے

کیا کیا بہم ہوئے ہیں ریاضِ سخن کے پھول
اس رنگ کے نہ ہوں گے میسر چمن کے پھول

الفاظ ہیں کہ جھڑتے ہیں گویا دہن سے پھول
گلچیں کہاں ہے آکے چنے انجمن سے پھول

پژمردہ کوئی گل ہے نہ کانٹے کا نام ہے
گر غور کیجیے تو یہ سب گنج کلام ہے

کیا بات ہے سخن کی ثنا کیا کروں بیاں
یہ فیض ہے اسی کا جو ممتاز ہے زباں

ہوتا ہے اس سے نامِ جہاں میں کہاں کہاں
ہر جنس بے بہا جو کریں قدر نکتہ داں

عسرت میں بھی غنی ہیں لبِ شعر گر بہم ہے
صدقے جواہر اس پہ ہوں ایسی رقم ہے

ہے طبع باغ باغ جو اس پر رہے نظر
رہبر ہے یہ تو سامنے ہے لطف بحر و بر

گر یہ نہیں تو خانۂ ظلمت ہے دل کا گھر
اس میں کلام کیا کہو جانِ جہاں اگر

نام اس سے زندہ رہتا ہے ادنیٰ سی بات ہے
ہو کیوں نہ جستجو کہ یہ آبِ حیات ہے

باعث جو آبرو کا ہے وہ کلام ہے یہی
جس کا سرور کم نہ ہو وہ جام ہے یہی

راحت رسان و دافع آلام ہے یہی — دل میں جگہ ہے اس کی دل آرام ہے یہی
پوچھو منجموں سے جو کہتے ہوں ہم غلط — ہوتا ہے فکر میں اسی ہمدم سے غم غلط
خلوت کے وقت ہے سخن اک فد دل ربا — مطلوب ہے کہ پاس سے اک دم نہ ہو جدا
رغبت ادھر ہو جنھیں اُن کا گلہ ہے کیا — میرا سا دل ہو گر تو ہر اک ہو یونہیں فدا
سوئے حسین نگاہ ہو مفتوں کی آنکھ سے — لیلےٰ کو کوئی دیکھے تو مجنوں کی آنکھ سے

میرے باپ جناب مولوی نذیر احمد صاحب برد اللہ مضجعہ کے لکچروں کا مجموعہ دو جلدوں میں نذیر حسین صاحب تاجر کتب دہلی نے شائع کیا۔ پہلی جلد جو سنہ ۱۸۹۲ء میں چھپی اس میں سنہ ۱۸۸۸ء سے لے کر جون سنہ ۱۸۹۲ء تک کے تیرہ لکچر ہیں۔ اس کے بعد ۱۴ تا ۲۲ کے لکچر متفرق طور پر چھاپے گئے اور دوسری جلد میں نمبر ۲۳ سنہ ۱۸۹۵ء سے نمبر ۳۵ جون سنہ ۱۸۹۸ء تک کے لکچر ہیں پھر باقی لکچر نمبر ۳۶ تا ۴۴ متفرق طور پر جدا جدا چھپتے رہے۔ اس طرح لکچروں کا سلسلہ اکتوبر سنہ ۱۸۸۸ء سے دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء تک یعنی اٹھارہ برس جاری رہا۔ نذیر حسین صاحب کے چھپوائے ہوئے دونوں مجموعے اب نایاب ہیں اور متفرق لکچر ان سے زیادہ کمیاب اور لوگوں کا شوق و ذوق اور طلب صادق بدستور ہے۔ لکچرار دنیا سے اُٹھ گئے مگر اُن کے کلام معجز نظام کے شایق و شیدا پہلے سے بھی زیادہ موجود۔ اُن کی زندگی میں لوگوں کے دل ٹھکے ہوتے تھے کہ خود اُن کی زبان سے سن لیتے تھے۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ لیکن جب سے کہ یہ نعمت ہم سے چھن گئی لوگ اُن کے کلام کو ترس گئے اور اب اصل اگر نہیں تو خیر نقل ہی کو دیکھ کر دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب پہلے سے بھی زیادہ اُن کی تصانیف کی مانگ ہے اور یہ ایک کھلی دلیل مقبولیت عام کی ہے۔ کاغذ و سامان کتابت کی گرانی نے میری ہمت

پست کردی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بجائے ارزانی کے گرانی یوماً فیوماً آندھی کی طرح اُمڈی
چلی آرہی ہے آج کا بھاؤ کل نہیں اور کل کا پرسوں نہیں خدا جانے یہ بلائے بے درماں کب
دفع ہو اور خلق اللہ کو اس عالمگیر جنگ کی لپیٹ سے جس کی ہیبت ناک نظیر تاریخ دُنیا
میں ڈھونڈھے نہیں ملتی کب گلو خلاصی ہو۔ ع

تا سالِ دگرے کہ خورد و زندہ کہ ماند

مصارفِ کثیر کا کچھ خیال نہ کرکے محض شایقین اور طالبین کی خاطر عزیز مجموعۂ پیشِ نظر [illegible]
لکچروں کا دوسرا اکمل ایڈیشن میں اپنے خاص اہتمام سے نکال رہا ہوں اور اس میں بتنصیف
لکچروں کی تقسیم کردی ہے۔ بائیس لکچر جلد اوّل میں ہیں اور اسی قدر جلد دوم میں۔ اگر ایک
ہی جلد کی جاتی تو بہت ضخیم اور بوجھل ہو جاتی۔ جو شایق اور طلبگار صادق ہیں [illegible]
کے ہیں اب اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور قیمت کی گرانی وہ بھی ایسی جیسے آٹے میں نمک
دیکھ کر کہیں کہ ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔

اب کچھ ان لکچروں کی نسبت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ان لکچروں کی تدوین و ترتیب
میں جو خونِ جگر معزز و محترم فخرِ قوم لکچرار نے کھایا ہے اس کا صحیح اندازہ ناظرین خود کرسکتے
ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ لکچر علاوہ دلچسپ و دل آویز ہونے
کے مفید خلایق ہوئے یا نہیں۔ آیا اُن کے سُننے کے لیے دُور دراز سے خلقت
رواں دواں جوق جوق آتے تھے یا نہیں۔ آیا اُن سے کوئی عملی نتیجہ قوم کے مُردہ
دلوں میں تازہ روح پھونکنے اور اُن کو خوابِ غفلت سے چونکانے۔ پستی سے [illegible]
تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کا ہوا یا نہیں۔ آیا وہ سحر سامری بیان جو [illegible]
و دل آویز ڈلیوری (طرز ادا) وہ کڑاکے کی آواز وہ دل لبھانے والا لہجہ [illegible]

درد و سوز و گداز سے بھرے ہوئے ناصحانہ مضامین لوگوں کے دلوں کو تڑپا دینے اور مسخر کر لینے اُن کی جیبوں کو خالی کرا دینے میں کامیاب ہوئے یا لکچروں کی تقریریں مجنون کی بڑ اور دیوانے کی بکواس تھیں کہ اِدھر سُنا اور اُدھر لوحِ دل سے محو۔ گویا۔ ع چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل پڑی۔ یہ لوگ کچھ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کی خاطر گداگر بنے اور دیار و امصار میں در بدر مارے مارے مفت کی ٹھوکریں کھاتے پھرے آیا ان بزرگانِ دین کا اس میں کچھ اپنا ذاتی مفاد بھی مضمر تھا یا محض خَالِصَۃً لِوَجْہِ اللّٰہِ یہ سودا سر میں سمایا تھا۔ اور کیا ان سب کی نیت بخیر اور خلوص دلی سے مملو نہ تھی اور کیا ان کا طرزِ عمل کھلے خزانے نہیں بتلا رہا تھا کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ اور کیا یہ برگزیدہ گروہ فرشتہ خصلت و سیرت ان خدمات گران قدر کے معاوضے میں ہم سے کسی تحسین و آفرین و تعریف و ستایش کا متمنی و متوقع و آرزومند تھا یا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا پر ان کا عمل تھا۔ ہم کیا سارا جہان ہانکے پکارے کہتا ہے اور کہتا رہے گا کہ یہی دو چار آدمی دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے۔ ہر طرح اور ہر پہلو اور ہر نہج سے قوم کے فدائی تھے۔ انھوں نے ہزارہا روپیہ خود دیا اور لاکھوں روپیہ اپنی جادو بیانی سے دلوایا۔ اگر یہ لوگ مصداق اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ تھے تو پھر کون تھا؟ مرحوم ہی کے لکچروں نے علی گڈھ کے قومی کالج کے دوالیہ خزانے کو خزانۂ عامرہ کر دیا۔ انھیں لکچروں کی بدولت کالج کے خیالی وجود نے عملی اور وجودی شکل اختیار کی اور اس کی بنیاد جو ہوا پر تھی بنیان مرصوص ہو گئی۔ ایسا لکچروں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کو مالا مال کر دیا۔ انھیں لکچروں نے مدرسہ طبیہ دہلی کو چار چاند لگا دیے جو دائیوں کے مدرسے سے ترقی کر کے ایک گرمینڈ اسکیل کا کالج

بن گیا۔ یہ لکچر نہ تھے بارانِ رحمت تھے کہ جدھر رُخ کیا زر کی بارش ہونے لگی۔ اگر کسی کو ہمارے
بیان میں ذرا سا بھی شک ہو تو علی گڈھ کے کالج کو جا کر دیکھ لے وہاں کی عالی شان سر بفلک
عمارات۔ وہاں کے بورڈنگ۔ وہاں کے ہال۔ کنوئیں۔ غرض کہ ہر در و دیوار اور چپے
چپے سے میرے قول کی تصدیق ہو گی کہ مرحوم کے زرِ عطیۂ ذاتی و صفاتی سے جنگل میں
منگل ہو گیا۔ انجمن حمایت اسلام کے رجسٹر انھیں لکچروں کی بدولت چندوں اور گرانقدر
عطیوں سے لپے پڑے ہیں۔ مدرسہ طبیہ کو یونانی اور آیورویدک کالج کی شکل میں ان
ہی لکچروں نے بدل دیا اور اگر باایں ہمہ تشریح و توضیح کوئی ایمان نکل جائے اور آنکھ پر
ٹھیکری دھر لے اور بداہت سے انکار کرے تو کیا کرے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ است

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ اگر ایسا نہ تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ [illegible] نہایت [illegible]
سے مرحوم اپنے ساتھ [illegible] انجمن حمایت اسلام کے سکریٹری خود [illegible] دہلی آ کر [illegible]
وہ کسی حال میں ہوں منت سماجت اصرار و استبداد سے ان کو لیتے [illegible]
حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم سب کے بل چل کر آتے اور آنکھوں پر بٹھاتے [illegible]
غرض لکچروں کا سلسلہ اس طرح ایک زمانہ دراز تک بلا فصل جاری رہا کوئی [illegible]
کوئی جلسہ حمایت اسلام اور مدرسہ طبیہ کا خالی نہ جاتا تھا مرحوم کا لکچر نہ ہو [illegible]
سب سے اخیر وقت یا آخر دن اس وجہ سے رکھا جاتا تھا کہ لوگ اس شوق میں [illegible]
بھر حاضر باش رہتے تھے اور اگر ان کا لکچر کہیں بیچ میں ہو جاتا تو [illegible]
اور لوگ چل دیتے۔ سرسید کی وجاہت انجمن حمایت اسلام کی حمایت مدرسہ طبیہ کی [illegible]
اتنا ہی [illegible] اور سب سے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کی پاس داری خدا اور [illegible]

کدورتی و کدورت جن سے ان کو کشاں کشاں لیجاتی تھی ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اور جس جگہ یہ نہ گئے چند دل کی ریل پیل ہند۔ مجالس سونی۔ لطف کلام کے ساتھ حصول مرام بھی رخصت کچھ دل کی گرمی بازار تو آپ نے سُن لی اور عجب نہیں کہ آپ نے برای العین دیکھی بھی ہو کیا ابھی کل کی بات ہو کہ یہ طوطیِ شکر مقال اور سحبانِ ہند اپنی زبان فیض ترجمان کے کرشمے دکھا رہا تھا اور اس تجر ذخار زبان دانی نے اپنے لاجواب ولاثانی کلمات طیبات سے ایک ہتلاطم پیدا کر رکھا تھا ؎

تحسین کا شور بزم میں حُسنِ بیاں سے ہی
سارا فروغ شمع کی صورت زباں سے ہی

لیکن واسے برحال ما ہم نے اس ذات مستجمع الصفات کے ساتھ کیا کیا۔ وہ کیا کہ جس کے کہنے سے بھی مجھے شرم آتی ہی یعنی یہ کہ ''فطرت اللہ'' نامی معرکۃ الآرا لکچر نمبر ۵ اکو محرم علی صاحب چشتی نے توہین مذہب قرار دے کر جو نہ کہنا تھا کہا اور جو نہ لکھنا تھا اخبار رفیق ہند میں لکھا اور دل کے جلے پھپولے پھوڑے اسے کاش اسی حد پر اس قضیۂ نامرضیہ کا خاتمہ ہو جاتا۔ نہیں نہیں۔ لاہور میں خود نالش کی اور اپنے ہم خیالوں سے مختلف مقامات میں چارہ جوئی عدالت کرائی یعنی یہ کہ چوطرف آگ لگا دی۔ مرحوم کو کشاکشی عدالت کی نوبت آئی۔ ہزارہا روپئے پر پانی پھر گیا دوادوش۔ کشاکشی زحمت اور ناگفتہ بہ روحانی صدمات اور تکلیفات کا کچھ حد وحساب نہیں۔ جو شخص ساری عمر خود حاکم ذی شان رہا ہو اس کا بحیثیت مدعی علیہ در بار عدالت میں حاضر رہنا کیا کچھ کم کسرشان اور روح کا سوہان تھا۔ جب صدائے اَلْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ بلند ہوئی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونے کی

نوبت آئی تو چشتی صاحب کو دن کو تارے دکھائی دینے لگے اپنے کیے پر عرقِ ندامت میں غرق ہو کر پچھتانے لگے اور کھلی عدالت میں ۱۹ر جون ۱۹۰۳ء کو مولانا جیسے بزرگ کو نا ملائم اور بے جا فقرے اور گالیاں دینے کے قصور کے معترف اور شرمسار ہو کر معافی نامہ پیش کر کے گلو خلاصی حاصل کی اور نہ کرتے تو لینے کے دینے پڑ جاتے اور الٹی آنتیں گلے پڑتیں۔ مرحوم کی صفائی قلب اور دریا دلی دیکھئے کہ معافی نامہ قبول کیا انھیں چھاتی سے لگا لیا اور جیسا کہ چشتی صاحب خود معافی نامہ میں لکھتے ہیں مقدمہ کا خرچہ بھی معاف کر دیا! یہ ہیں وہ پاک نفس جن کی مثال ڈھونڈے نہیں ملتی اور یہ ہیں وہ نفوس قدسی جن کی نظیر ملنا محال ہے

موسیٰ نے کی عرض کہ اے بارِ خدا — مقبول ترا کون ہے بندوں میں بتا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے — جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

اس افسوسناک سانحہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اُن کا دل لکچروں کی طرف سے ملول ہو گیا غم نہ داری بز بخر۔ مگر سر سیّد کی زبردست کشش نے انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم — انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

لکچر دینے جاتے تو تھے مگر با دلِ ناخواستہ۔ پھر بھی جو لکچر دیتے تھے وہ ڈپٹی صاحب پبلک پر اثر پیدا کرتا تھا۔ آڈینس کے کان اور دل اُن کی مٹھی میں ہوتے تھے کبھی اُن کو ہنساتے تھے تو ایسا کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے تھے اور کبھی رلانے پر آتے تھے تو ہچکیاں لگ جاتی تھیں۔ لوگ بے انتہا ہو جاتے اور ڈاڑھیں مار مار کے رونے لگتے

ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہا دیں — شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

اُن کے لکچر کے دن پنڈال ایسا کھچا کھچ بھر جاتا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ جب تک تقریر کرتے تھے لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے اور ایسا عالمِ سکوت طاری رہتا تھا کہ گویا کسی کے منہ میں زبان نہیں۔ تحریر لاجواب تقریر اس سے زیادہ پر از آب و تاب۔ ڈیوڑھی طرزِ بیان ہر کات و سکنات سب ایک ایک سے بڑھ چڑھ کے۔ آواز ایسی خداداد کہ گویا شیر کی ڈنکار۔ صورت شکل جسامت قد و قامت سب باوقار۔

سرسید کی وفات مسلمانوں کی موت تھی جن پر قحط الرجال کی بلا مسلّط ہے۔ یہ سب مسلم مشینری کے کل پرزے تھے اور وہ ٹیم سرسیّد کا دمِ آخریں اس مشین کو مفلوج کر گیا۔

ع - وہ بات کو وہ کن کی گئی کہ وہ کن کے ساتھ۔ میرے والد کی بھی کمر بیٹھ گئی۔ فرماتے تھے

| اب ہم بھی جانے والے ہیں ساماں تو گیا |

دولہا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات تھی۔

سرسید کی وفات کے ساتھ لکچر بازی کا خاتمہ ہوا جیسا کہ مرحوم نے خود کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے ؎

گیا کہیں مشغلۂ لکچر کا ابھی چھوٹ گیا ضعف نے بستر ہوا سنتے ہی تراغوم سفر	ہم سے اک بار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا

اب نواب محسن الملک بہادر کا دَور دورہ شروع ہوا۔ سرسیّد نہ سہی یہ اُن کے ارشد حوارین تھے اور میرے والد کے زمانۂ دراز کے بڑے پکے اور گاڑھے دوست۔ حیدرآباد دکن میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ میرے والد بھی دکن میں سرسیّد کی تحریک اور مولوی مہدی علی کی تائید سے بلائے گئے۔ والد مرحوم اکثر کہا کرتے تھے "مہدی علی ہندوستانیوں کی ناک اور ہندوستانیوں کا سہاگ ہے" پھر ایسے محسن ملک و قوم سے کیوں کر منہ

موڑا جاتا ہے۔ کفارۂ یمین سہل است و آزردن دلِ دوستاں جہل۔ مولوی صاحب پہلے
خطِ طلب لکھتے پھر کسی معتمد کو بھیجتے اور آخر کار خود تشریف لاتے اور پکڑ لیجاتے۔ اب
مسلسل لکچر جا کر گنڈے دار ہو گئے۔ کبھی گئے کبھی نہ گئے ٹال دیا اور لکچروں سے جان
چرانے لگے۔ جب بہت ہی جز بز ہو جاتے تو چار و ناچار بپاسِ خاطر مروت جانے اور
مارے باندھے کا لکچر دیتے پر دیتے۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں ؎

پھر خاموشی تھی مدت سے مرے منھ پر لگی	پھر برس لکچر کے دینے کی [illegible] کرلی

لیکن جب کہنے پہ آتے تھے تو ایسا جذبہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہتے تھے اور جو کچھ
بھی کہتے تھے ایسا کہتے تھے جو کہنے کا حق ہے۔ ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ کی کانفرنس میں مولوی
مہدی علی صاحب کی کوئی بات ناگوار ہوئی۔ مولوی صاحب [illegible]
سکے اور بیچ منھ پھٹ۔ جو دل میں وہی زبان پہ۔ اسی دن سے [illegible]
لکچر دینے سے توبہ کرلی۔ اس کے بعد انھوں نے ہر کہیں کا آنا جانا قطعاً ترک کر دیا اور
لکچر کی بحر بھی نکال ڈالی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسلی۔ [illegible] اور
شمس الدین صاحب سکرٹری انجمن حمایت اسلام نے آکر کیا جادو ڈالا کہ ۱۹۰۸ء میں
تعلیم پر ایک اور لکچر دکھائی دیا اور یہی اخیر لکچر ہے۔ اس کے بعد گو وہ کئی سات برس جیئے
مگر مجامعِ عام میں زبان سے ایک حرف نہ نکالا اور اسی عالمِ سکوت میں اس طوطیِ شکر مقال
نے قفسِ عنصری سے ۴ رمئی ۱۹۱۲ء کو اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ انا للہ و انا الیہ
راجعون۔ اس سکوت کا ایک بڑا سبب اور آخری دباؤ مرحوم کی [illegible] تصنیف
امہات الامہ تھی۔ گورنمنٹ نے ان کو خان بہادر شمس العلماء کے خطاب دیے
خلعت دیئے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی کی ڈگری دے کر ڈاکٹر بنایا۔ پنجاب

یونیورسٹی نے ڈی او ایل کی گراں قدر ایک اور ڈگری دی اور ہماری قوم نے با ایں
ہمہ ایثار و نفس کشی اور فنا فی القوم ہونے اور اپنے بیٹے بہنیں اُن کے لیئے دریوزہ گری
کرنے کا صلہ بعض خود غرض اور ناعاقبت اندیش افراد نے ذاتی عناد کی آڑ میں
کفر کا فتویٰ دے کر کافر ٹھیرایا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر یہ لوگ کافر ہیں تو پھر دین دار
کون ہیں؟ میرے باپ نے دل پر ایسی چوٹ سہی کہ ممکن تھا کہ وہ ابھی کچھ اور
جیتے مگر اس صدمہ جانکاہ نے اُن کا خاتمہ کر دیا وہ اسی رنج میں گھُل گھُل کے
مرے اُن کی ایذا رسانی کی تکمیل اس طریقے سے ہوئی کہ اس شعلۂ ملتہب کو کتاب
کے جلا دینے سے ٹھنڈا کیا۔ میرے باپ نے اُف نہ کی بلکہ منہ سے بھاپ تک نہ
نکالی اور آہ سرد بھر کر رہ گئے اور کہا تو یہی کہ اِنَّ قَوْمِیْ لَا یَعْلَمُوْنَ

کیا پوچھتے ہو کیوں کر سب نکتہ چیں ہوئے سب
سب کچھ کہا انھوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

سرسیّد بھی کافر تھے جو مرنے کے بعد علیہ الرحمہ ہوئے۔ میرے باپ سرسیّد سے اگر کسی
بات میں کم تھے تو بس اسی میں سو خداوند تعالیٰ دانا و بینا و سمیع و بصیر کا لاکھ لاکھ شکر
ہے کہ یہ امتیاز قومی بھی اُن کی حیات میں پورا ہو گیا۔ اس میں بے چارے نذیر احمد
ہی کی کیا خصوصیت تھی۔ علمائے سلف و اکابر دین کفر و الحاد کے فتووں سے کب
محفوظ رہے ہیں جو یہ رہتے بلکہ یہ تو قومی لیڈروں کا تمغہ ہے۔ پچھلے لوگوں میں کس کس
کا نام لوں ایک امام غزالی ہی کو دیکھ لیجئے۔ زمانہ حال میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ
(جن کے جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی مگر جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے)
مولٰینا حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہید شمس العلما مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث

دہلوی (جو ہمارے عزیز قریب تھے) یہ سب کافر بنائے گئے۔ کیوں؟ یہ صرف اس لیے کہ یہ سچے مسلمان تھے اور ایسے مسلمان تھے جیسا کہ ایک مسلمان کو ہونا چاہیے۔ ان کے دل نورِ ایمان سے منور اور دردِ قوم سے متاثر تھے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اگر میرے باپ کا حشر ان کافروں کے زمرے میں ہو جائے تو خوشا نصیب۔ اب ہم کس کس سے ردوکد کریں اب نہ وہ کافر ہی رہا نہ وُہ کافر گر سہ

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

بگڑوں کی بہار کی خزاں سرسید کی وفات ہوئی تصنیف و تالیف کا سدِ باب کفر کا فتویٰ ہوا۔ یوں دنیا اس چشمۂ فیض کی سیرابی سے محروم ہو گئی۔ باقی رہے نام اللہ کا!

برفت و سر آمد بر و روزگار ہمہ رنج او ماند از و یادگار

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ وَاَدْخِلْهُ فِیْ جَنَّةِ الْجِنَانِ وَاَفْرِغْ عَلَیْهِ شَآبِیْبَ الرِّضْوَانِ

کَتَبَہٗ الدِّیْن اَحْمَدُ کَانَ اللّٰهُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ

دہلی۔ جنوری ۱۹۱۸ء

لکچر[1] نمبر (۱)

انڈین[2] نیشنل کانگرس پر

جو ۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ٹون[3] ہال دہلی میں دیا گیا

تمہید

اس کی حقیقت اس طرح پر ہے کہ بمبئی سے کوئی بھیم جی صاحب نیشنل کانگرس کی طرف سے دہلی میں آئے۔ اتفاقات سے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دورے

---

[1] گفتگو وعظ بیان ۱۲ [2] ہندوستانی قومی مجمع۔ یہ ایک جماعت تخمیناً دس برس ہوئے جب قائم ہوتی تھی اور غرض اس کی یہ تھی کہ سرکار انگریزی سے لڑ جھگڑ کر رعایا کے کچھ حقوق دلوائے جائیں ۱۲ [3] لفظی معنی شہر کا کمرہ۔ یہ شہر دہلی میں میونسپل کمیٹی کے اجلاس کی جگہ ہے۔ میونسپلٹی کے علاوہ دیگر مجامع بھی ہوتے رہتے ہیں ۱۲

پر تھے۔ اُنھوں نے کسی میونسپل کمشنر سے بِل بلاکر ٹوُن ہال میں بنا ئیند
کانگرس لکچر دیا۔ اُن کا مقصود یہ تھا کہ کانگرس کی حمایت کو لوگ کھڑے ہوں
اُس کے ممبر بنیں چندہ دیں۔ اُن دنوں سرکاری حکام شاید بہ ایمائے
گورنمنٹ کانگرس کے مخالف تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ کانگرس کو عروج
اور ترقی ہو۔ غرض صاحب ڈپٹی کمشنر نے دورے میں بھیم جی کے لکچر کا
حال سُنا اور دہلی واپس آئے لوگوں پر ملاقاتوں میں ظاہر ہوا ہو گا کہ
بھیم جی نے جو مجمع کیا وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی رائے کے خلاف تھا۔
اُس کی تردید میں دوسرا مجمع ہوا اور بڑے اہتمام و ازدحام کے ساتھ ہوا۔
لکچر دینے والوں میں مولوی **محمد نذیر احمد خاں صاحب** پیش
پیش تھے اور یہ اُن کا لکچر ہے۔

مجھ کو مجامع عام میں شریک ہونے کی عادت نہیں اور شوق و نیت بھی نہیں
اس لیئے کہ میں اپنی زندگی کے اخیر دن ایسے سکون میں بسر کرنے چاہتا ہوں کہ اپنے
اختیار سے ایک گوشۂ عافیت میں پڑا رہوں۔ ع

کہ کس نہ گوید ازیں جا بخیز و آں جا رو

لیکن چند احباب نے اصرار کیا کہ نیشنل کانگرس کی نسبت میں اپنے خیالات علیٰ رؤس الاشہاد
ظاہر کروں۔ اُنھوں نے یہ توقع بھی ظاہر کی کہ تمھارے خیالات معلوم ہونے سے مسلمانوں
کو فائدہ ہوگا۔ مسلمانوں کے فائدے کا نام سُن کر میں نے نقضِ عادت کیا۔

لے مجمع عام میں سب کے روبرو ۱۲

بے تامل آپ لوگوں میں آکھڑا ہوا - میرے کان تو تین تین ساڑھے تین تین برس ہوتے کانگرس کے نام سے آشنا ہیں - مگر کیا تمام حاضرین کا یہی حال ہو ؟ مجھ کو توقع نہیں مسٹر بھیم جی[51] یا بھنیم جی صاحب ، (کیونکہ مجکو اُن کے نام کی بھی اچھی طرح صحت نہیں) غرض جو کچھ ہوں - اُن کے لکچر سے شاید دو یا تین دن پہلے کا مذکور ہو کہ میں اور مولوی محمد کریم بخش صاحب اور ایک صاحب اور قبل المغرب جامع مسجد کے حوض پر منتظر نماز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص مسٹر بھیم جی کا اشتہار دکھا کر پوچھنے لگے کیوں صاحب یہ کیا چیز ہو ؟ چوں کہ اُنھوں نے لفظ نیشنل کانگرس پر اُنگلی رکھ کر پوچھا معلوم ہوا کہ پڑھے لکھے ہیں مگر نہ لفظ نیشنل کانگرس اُن کی زبان سے ادا ہوتا ہو نہ اس کے معنی سمجھتے ہیں ضیق[52] وقت کی وجہ اُن کے ساتھ زیادہ باتیں کرنے کی مہلت تو نہیں ملی تاہم اُن کے طرز استفسار سے ایسا مستنبط[53] ہوتا تھا کہ نیشنل کانگرس کو اندر سبھا کی قسم کا کوئی تماشا سمجھتے ہیں (چیرز[54]) ابھی تھوڑی دیر میں میں آپ صاحبوں پر ثابت کردونگا کہ اندر سبھا کی قسم کا تو نہیں لیکن نیشنل کانگرس تماشا تو ضرور ہو (چیرز) مجکو نیشنل کانگرس کے کسی جلسے میں شریک ہونے کا اتفاق تو نہیں ہوا مگر جہاں تک اخباروں میں پڑھا اور جہاں تک لوگوں سے سنا اس سے نیشنل کانگرس کی اصل حقیقت میں نے اپنے ذہن میں یوں ٹھہرا رکھی ہو - کہ انگریزی تعلیم مدتوں سے چپکے چپکے دلوں میں شورش پیدا کر رہی تھی لوگ نوکری کے واسطے تیاری کرتے اور نوکری ہی کی امید میں سخت سخت زحمتیں اُٹھاتے تھے - سرکار نے تعلیم پر ملکی ضرورتوں سے بہت زیادہ زور دیا

---

۵۱ یہ صاحب بمبئی میں جو مسلمانوں کا بڑا نامی مقتدر خاندان ہو اُس میں کے ایک ممبر ہیں ۱۲ ۵۲ تنگی ۱۲ ۵۳ معلوم ہوتا تھا ۱۲ ۵۴ یہ ایک انگریزی طریقہ ہو کہ جب کسی لکچر پر سامعین خوش ہوتے ہیں تالیاں اظہارِ مسرت کے لیے بجاتے ہیں ۱۲

جس کا ضروری نتیجہ یہ تھا کہ خواستگاران نوکری کا ایک بہت بڑا کثیر الانفار[1] گروہ پیدا ہو گیا بے شک عقلاً محال تھا کہ سرکار جس کی جزرسی اور کفایت شعاری بھی مشہور ہی - اس جم غفیر[2] کو نوکریاں دے سکے - یوں سلسلہ بسلسلہ بڑھنے سے توقعات[3] - توقعات سے حرمان[4] - اور حرمان سے نارضامندی پیدا ہوئی - جس کا مرادف[5] ہی نیشنل کانگرس - پس نیشنل کانگرس اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہ چند ناکام انگریزی خواں اس پیرایے میں اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑ رہے ہیں (چپیرز) ان کے دلوں میں گورمنٹ کی طرف سے ناحق کے بخارات بھرے ہوئے ہیں اور ان کے بخارات نے ان کی چشم انصاف کو اس قدر تیرہ و تار[6] کر دیا ہی کہ گورمنٹ میں سوائے عیب کے ان کو کچھ نہیں سوجھتا - ایک شاعر عرب نے کیا خوب کہا ہی شعر

وَلٰکِنَّ عَیْنَ السَّخْطِ تُبْدِی الْمَسَاوِیَا	وَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ

یعنے خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہی وہ تو غصہ ہی کی ہی جس کو بُرائی ہی بُرائی سوجھتی ہی - میں نے اب تک لفظ نیشنل کانگرس استعمال کیا اور آئندہ بھی کروں گا - صرف اس وجہ سے کہ جو لوگ نیشنل کانگرس کے بانی[7] اور موجد[8] و محرک[9] ہیں انھوں نے اپنے گروہ کا یہی نام رکھا ہی "انڈین نیشنل کانگرس" اپنے منہ میاں مٹھو - لیکن ایک طفل مکتب جس کو ہندوستان کے جغرافیے اور تاریخ سے کچھ بھی مناسبت ہی - ہندوستان کے نام کے ساتھ لفظ نیشنل سُن کر کان کھڑے کرے گا - کہ کجا ہندوستان اور کجا نیشنلٹی -

[1] جس میں کثرت سے آدمی ہوں ۱۲ [2] بھیڑ کی بھیڑ ۱۲ [3] جمع توقع بمعنی اُمید ۱۲ [4] نا امیدی ۱۲ [5] ہم معنی ۱۲
[6] بالکل اندھا ۱۲ [7] بنا کرنے والے ۱۲ [8] ایجاد کرنے والے ۱۲ [9] تحریک کرنے والے ۱۲

من چہ سرایم و طنبورہ من چہ می سراید

تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں کہ جس میں اس کثرت سے مختلف العقائد مختلف المراسم مختلف العادات اور مختلف الاغراض قومیں رہتی ہوں۔ جیسے ہندوستان میں پس ایسے اجزائے متضادہ[1] کو یک جا کرکے ایک معجون[2] مرکب قوم واحد قرار دینا صریح مغالطہ[3] دہی ہے۔ مگر کس کو؟ ان[4] بھی انگریزوں کو جو انڈیا[5] کا اتنا ہی حال جانتے ہیں کہ ایک بڑی زرخیز کالونی[6] ہے اور بس۔ بھلا ان کی تفریقوں کا لحاظ بھی نہ کرو اور ہندو ہندو ایک اور مسلمان مسلمان ایک قوم سمجھو تو خیر یہاں تک بھی مضایقہ نہیں مگر ہندو اور مسلمان کیوں کر ایک قوم میں شامل ہو کر انڈین نیشن کہلا سکتے ہیں (چیرز) گنگا اور سندھ کا سنگم[7] ہو سکتا ہے۔ اور نہیں ہو سکتا تو ہندو اور مسلمان کا جب تک ہندو ہندو ہے اور مسلمان مسلمان بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا[8] (چیرز) قومیت کے بارے میں ہم ہندوؤں کا عمل دیکھتے ہیں کہ ان ہی میں کا کوئی شخص ولایت جا کر واپس آتا ہے تو پھر اس کو اپنے میں شامل نہیں کرتے۔ اس کی مثالیں خود ہمارے اسی شہر میں موجود ہیں۔ لیکن جنم کے بھرشٹ[9] جنم[10] کے ملیکش[11]۔ مسلمانوں کے حال پر ایسی کیا دیا[12] اور کرپا ہے کہ ہم کو کانگرس میں اپنے ساتھ گھسیٹے لیے جاتے ہیں (چیرز بڑے زور سے) ع میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا (چیرز) سیو می فرام مائی فرینڈز[13]

---

[1] ضد کے جوڑے ۱۲ [2] جو دوا کئی مفرد دواؤں سے مل کر بنے ۱۲ [3] فریب ۱۲ [4] تازہ ولایت۔ ناواقف ۱۲ [5] ہندوستان ۱۲ [6] نو آباد بستی جس میں کسی ملک کے آدمی آ کر بسے ہوں ۱۲ [7] جس جگہ دو دریا باہم مل کر بہیں ۱۲ [8] ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے کھلم کھلا دشمنی ہو گئی ۱۲ [9] ناپاک ۱۲ [10] پیدائشی ۱۲ [11] بھوت ۱۲ [12] مہربانی ۱۲ [13] خدا ایسے دوستوں سے پناہ دے ۱۲

آخر تو کچھ دال[1] میں کالا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا ہو چکا ہے کہ کارتوس پہ بگڑے تو ہندو مگر آخر کار ہندوؤں کے آٹے کے ساتھ مسلمانوں کا گھن بھی پس گیا (چیرز)

کانگرس والے جو چاہیں سو کہیں۔ میونسپلٹی کے ممبروں کے انتخاب اور مذہبی تقریبات محرم، ودسہرہ، ہولی، عید وغیرہ میں ہر مرتبہ اس کے شواہد پیش آتے رہتے ہیں کہ ہندو مسلمان دو عناصر ہیں۔ بالطبع ضد یک دگر، ایک دوسرے سے نفور۔ جن کو حاکمانِ وقت نے بہ زور حکومت جمع کر رکھا ہے (چیرز) ہمارے ہندوستان کی ترکیب ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بدون فارن[2] گورنمنٹ کے ہم من حیث القوم چین سے رہ نہیں سکتے۔ ہم نے سیکڑوں برس ہندو اور مسلمان دونوں کی حکومتوں کو آزمایا اور تاریخ میں اس بات کا کافی اور وافی ثبوت موجود ہے کہ کسی ایک گورنمنٹ کو بھی برٹش گورنمنٹ کی سی کامیابی نہیں۔ اس کا ہزارواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا (چیرز) ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں۔ اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی[3] حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ پس ہو نہ ہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو سلاطین یورپ میں سے کون ہے جس نے سلطنت ہندوستان کی طمع نہیں کی۔ فرنچ[4]۔ پورچگیز[5]۔ ڈچ[6] اپنی اپنی جگہ سب نے زور آزمایاں کیں حضرت

[1] یعنی کچھ تو اس میں فریب ہے ۱۲ [2] نفرت کرنے والے ۱۲ [3] ہندوستان کی نہیں بلکہ دوسرے ملک کا الوالعزم بادشاہ ۱۲ [4] اوپری۔ غیر ۱۲ [5] فرانس والے ۱۲ [6] پرتگال والے ۱۲ [7] یہ بھی ایک انگریزوں کی ایک قوم ہے جو ملک ہالینڈ میں رہتی ہے

شہنشاہ روس کے خاندان میں تو پیٹر دی گریٹ[51] کے وقت سے یہ مرض نسلاً بعد نسل متوارث[52] چلا آتا ہے کہ جس طرح بن پڑے ہندوستان پر قبضہ کیجئے۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) انھوں نے سو سوا سو برس حکومت کرکے اپنی قومی بیدار مغزی۔ جفاکشی لیاقت انصاف رعایا پروری اور بہادری کو ایسے آشکارا طور پر ثابت کر دکھایا جیسے روز روشن میں آفتاب۔ تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج دانش مند ملکی خیر خواہ کے دل میں یہ وسوسہ گذر سکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدلی جائے؟ سب بولو؟ نہیں نہیں نہیں۔ (چیرز) میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی کانگرس کا طرفدار بھی اس مجمع میں ہوگا تو اس کو بھی سوائے نہیں کہنے کے اور کچھ کہتے نہیں بن پڑیگا لیکن منہ سے نہیں کہنا کافی نہیں کردار سے گفتار سے ثبوت دو کہ تم تبدل[53] سلطنت نہیں چاہتے۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان کے لینے کا ناخولیا ان دنوں روس کے دماغ میں پر شور ہے۔ روس جو تمہاری کانگرس کی خبر سنے گا اور اس نے ضرور سنی ہوگی (کیونکہ آج کل کا ایسا وقت ہے کہ گھر میں بات کرو تو اخبار کے ذریعے ملکوں ملکوں جا پہونچتی ہے۔ نہ کہ کانگرس جس میں کشاں کشاں سیکڑوں آدمی بلائے جائیں اور اس کا ڈھنڈورا پٹے۔ اس کے لئے بگل بجائے جائیں اس کی منادی اس طرح کی جائے کہ گویا بلاتشبیہ کانگرس انجیل ہے۔ اور منادی کرنے والے پادری اس کے لئے اخباروں میں آرٹیکل[54] لکھے جائیں۔ رسالے تصنیف ہوں اور مشتہر کئے جائیں کیوں کر ممکن ہے کہ روس کے کان میں ایسی کانگرس کی بھنک[55] نہ پڑی ہو (ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

بھلا پھر روس نے کانگرس کی خبر سن کر کیا خیال کیا ہوگا؟ وہی جو ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس

[51] یہ شخص تخت شہنشاہان روس میں سب سے بڑا نامور شخص ہے ۱۲ [52] موروثی ۱۲ [53] بدل جانا ۱۲ [54] مضامین ۱۲

[55] [illegible]

ہیں پیدا ہو پڑی ۔ اور سارا کیا دھرا ملیا[1] میٹ کر دیا ۔ اور پھر وہی بے اعتبار کے بے اعتبار (چیز)

نیشنل کانگرس پر بدگمانی کرنے کی میرے پاس ایک بڑی وجہ اور ہے، وہ یہ کہ ملکی فلاح اور ملکی رفاہ کچھ اسی ایک کانگرس پر تو منحصر نہیں ۔ کانگرس کو بفرضِ محال کامیابی ہو بھی تو یہی نہ کہ نمک کا محصول گھٹ جائے، ہتھیار باندھنے کی عام اجازت ہو جائے، ہندوستانیوں کو والنٹیر[2] فوج میں داخل کر لیں ۔ انکم ٹیکس[3] موقوف ۔ اور "دی لاسٹ دو نوٹ دی لیسٹ"[4] ہندوستانی یعنی بنگالی کمشنر کلکٹر ہونے لگیں ۔ یا اسی طرح کی اور چند باتیں ۔ تو کیا اس سے ہندوستان میں دولت پھٹ پڑے گی ۔ ارے عقل کے دشمنوں ۔ ملک کی دولت مندی کے وہ گر ہی دوسرے ہیں ۔ سب سے پہلے اپنے تئیں تعصبات رسمی کے پھندوں سے چھڑاؤ، پھر علم حاصل کرو ۔ علم سے مراد یہ علم نہیں جس کو پڑھ کر انسان بی اے[5] ۔ ایم اے بن بیٹھتا ۔ اور کانگرس کے خواب پریشاں دیکھنے لگتا ہے (چیرز) بلکہ انجنیری ۔ ڈاکٹری ۔ باٹنی[6] ۔ کیمیا[7] ۔ جرِ ثقیل[8] ۔ طبیعیات ۔ جیالوجی[9] وغیرہ جن کے ذریعے سے صنعت اور دستکاری، اور ایجاد کی قدرت حاصل ہوتی ہے ۔ اور جن کی تفصیل ہمارے دوست شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خوب جامعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں ۔ سب کچھ تمہاری ہی مٹی میں ہے ۔ اور تمہاری ہی مٹھی میں ہے ۔ مگر تم کو اس سے متمتع[10] ہونے کا سلیقہ نہیں ۔ جو کر سکتے ہو اور جو تم کو کرنا چاہیئے ۔ اس کی تم کو ذرا بھی پروا نہیں ۔ اور پروا بھی ہو تو کہاں سے ہو ۔ تم کو گورنمنٹ کے انتظاموں پر جرح اور اعتراض کرنے سے فرصت کب ملتی ہے ۔ اگر بنگالیوں نے یا پارسیوں نے یا جو لوگ کانگرس

---

[1] ضائع ۱۲ [2] وہ رعایا کے لوگ جو فوجی کام سیکھیں بلا تنخواہ اور فوجی احکام اپنے ذمہ لیں ۱۲ [3] جو آمدنی سے خراج لیا جاوے ۱۲ [4] آخر کار ۔ اگرچہ قوت میں پچھلی باتوں سے کم نہیں ۱۲ [5] یہ دو بے [illegible] ڈگریاں [illegible] کی ہیں ۱۲ [6] علم نباتات ۱۲ [7] جس علم سے نباتات وجمادات کی ترکیب معلوم ہو ۱۲ [8] جس علم سے آلات کا بنانا اور بوجھ کا اٹھانا سکھایا جاتا ہے ۱۲ [9] علم طبقات الارض جس کے ذریعے سے کانیں دریافت کرتے ہیں ۱۲ [10] [illegible] لینے کا ۱۲ ۔

کے حامی ہیں۔ اپنے یہ فرائض پورے طور پر ادا کئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ نیشنل کانگرس رفاہ ملک کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر جو شخص فرض کو چھوڑ کر نفل پہ دوڑے، ہم کو تو اُس کی خدا پرستی تسلیم نہیں (ہے)۔ خدا اگر کسی کے دماغ میں اس طرح کا خلل ڈالے کہ وہ انگریزی پڑھ لینے سے اپنے تئیں انڈیا کا بسمارک[۵۱] سمجھنے لگے، اور ملک داری کے امور عظیمہ میں راستے زنی کرنے کو لڑکوں کا کھیل خیال کرے تو اُس کو سمجھنے اور خیال کرنے دو۔ اپنا مسلک تو یہ ہے ؎

رموز مصلحت ملک خسروان دانند	گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

(چیز) یہ سچ ہے کہ جس طرح کا ایجی ٹیشن (تحریک) کانگرس کرنا چاہتا ہے۔ ولایت میں اکثر ہوتا رہتا ہے مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کو ولایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ؎ شعر

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا	پہونچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

ولایت والوں کی سی لیاقت۔ اُن کی سی معلومات۔ اُن کی سی روشن دماغی۔ اُن کی سی تلاش اُن کی سی راستی۔ اُن کی سی بلند حوصلگی۔ اُن کی سی مستقل مزاجی۔ اُن کی سی جفاکشی۔ اُن کا سا ربط و ضبط۔ اُن کی سی جاں نثاری۔ اُن کی سی ٹکسالی خیر خواہی، اور اُن کی سی نہیں۔ بلکہ اُس کا عشر عشیر[۵۲] بھی ہندوستانیوں میں ہوتا تو ایک کانگرس صبح۔ اور ایک کانگرس شام ع

چشم ما روشن و دل ماشاد

کانگرس والے جیسی غلطی اپنے بارے میں کرتے ہیں کہ اپنی وقعت زاید از واجب ٹھہرا لیتے ہیں۔ اسی طرح کی غلطی اُن سے گورنمنٹ کی نسبت بھی ہوتی ہے۔ لارڈ ڈفرن[۵۳] دورہ کرتے کرتے کراچی میں گئے۔ تو وہاں کے عمائد ریل کی ایک سڑک کے لئے اُن کو لپٹے اور اصرار کیا کہ اُس کی

---

[۵۱] یہ شخص شہنشاہ حال جرمن کے دادا کے وقت میں وزیر تھا یہ وہ نامور شخص ہے جس نے سلطنت جرمن کو متحد کیا اور فرانس پر غلبہ دلایا مثل نپولین بوناپارٹ کے اس نے بھی بڑے نمایاں کام کئے ہیں ۱۲ [۵۲] دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی بالکل کم ۱۲

[۵۳] یہ مشہور گورنر جنرل ہندوستان میں حکومت کر گئے ہیں لارڈ لینسڈون صاحب سے پہلے یہی صاحب تھے بڑی کامیابی سے انکا زمانہ ختم ہوا ڈفرن اسپیتال جس قدر ہندوستان میں ہیں وہ لیڈی ڈفرن کی یادگار ہیں ۱۲

منظوری نہ کریں تو دیرایَنڈ دِن (ابھی اسی جگہ) وعدہ تو کرلیں۔ لارڈ صاحب نے یہ کہکر اپنا پنڈ
چھوڑایا کہ میں وعدہ تو کرلوں۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ کلکتہ پہونچ کر اسی طرح کی ادرضرورتیں پیش
ہوں اور میری یہی رائے رہے۔ کراچی کے عمائد[۵۱] کی نظر ایک محدود خطے میں محصور تھی۔ اور لارڈ صاحب
کی نگاہ سارے ہندوستان پر حاوی ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہی حال ہے کانگرس اور گورمنٹ کا۔ میں نے تو کانگرس میں کبھی کوئی انوکھا مسئلہ پیش ہوتے نہیں
دیکھا۔ وہی پُرانی باتیں ہیں جن کو برسوں سے اخبار میں دیکھتے ہیں۔ کانگرس کے ممبر اہل غرض
ہیں۔ وَاَهْلُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ[۵۲] (چیرز) ان کی رائے غرض مندانہ رائے ہے۔ گورنمنٹ کا بالکل دوسرا
حال ہے۔ اُس کو پولیٹیکل[۵۳] اور عام ملکی مصلحتوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ الغرض یہ دو مخالف، دو
مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں۔ اور جب تک حیثیتوں کا اختلاف ہے۔ اختلاف رائے رفع ہو نہیں سکتا۔
مگر اختلاف رائے کو کسی غرض فاسد پر محمول کرنا کیا ضرور ہے۔ اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ گورنمنٹ ہماری
کسی حاجت کے برلانے میں تحمّل اور مضائقہ نہیں کرتی۔ مگر یہ مجبوری۔ اور فرض کیا کہ بعض باتوں
میں گورنمنٹ بہ بسر غلط ہے تو کیا رعایا۔ اور رعایا بھی زیر بار احسانات گوناگوں اور چند در چند ہونے
کی حیثیت سے ہمارا ڈیوٹی[۵۴] نہیں ہے کہ ہم خوشدلی کے ساتھ گورنمنٹ کے حکم کو مانا کریں ؎

	آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے		عذرش بنہ از کند بعمرے ستمے

(چیرز) اب تک میں نے عام طور پر کانگرس کی قباحتوں کی طرف اشارہ کیا وہ بھی بھلا اس خیال
سے کہ میرے بعد اور چند صاحب بھی کچھ کہنے والے ہیں اور وہ یقیناً مجھ سے بہتر کہیں گے۔ بس
اب میں انھیں پر [illegible] طور پر اتنا اور کہنا چاہتا ہوں [illegible] شامت اگر ہندوؤں کے لئے مفید
ہے تو ہم مسلمانوں کے حق میں مہلک (چیرز) ہم [illegible] پہلو سے ہندوؤں کے ساتھ اپنی حالت
کا موازنہ[۵۵] نہ کرتے ہیں۔ ہندوؤں ہی کا پلّہ جھکا ہوا ہے۔ سب سے پہلے وہ شمار میں ہم سے اضعافاً[۵۶]

---

۵۱ رؤسا ۱۲ ۵۲ صاحب غرض ۱۲ ۵۳ متعلق نظم و نسق ملک ۱۲ ۵۴ فرض ۱۲ ۵۵ وزن کرنا ۱۲ ۵۶ چند [illegible]

مضاعف زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ ٹھہرے ملک کے اصل باشندے اور ہم تو ملک گیری کے لیئے گھر سے
نکلے۔ آئے۔ لڑے۔ فتح پائی۔ شامت جو آئی رہ پڑے (چیز) ہم تھوڑے ہی ہندوستان کے
بھاری بیٹھے! مگر بے مقدوری اور تہی دستی نے ہم کو رہا سہا اور بھی پست کر دیا۔ لوگ ہم کو بے مقدوری
کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن میں اس کو بھی اضطراری[1] سمجھتا ہوں۔ ہم لوگوں نے بغرورِ سلطنت ذرائع
معاش کی کچھ قدر نہ کی۔ زوالِ سلطنت کے ساتھ بے معاش رہ گئے۔ اب رہی لیاقت تو پہلے
اس امر کا مفہوم متعین ہونا چاہیئے کہ لیاقت ہے کیا چیز؟ اگر لیاقت سے مراد تعلیم کا سٹینڈرڈ (درجہ)
ہے جس کا امتحان پاس کرنے سے ڈپلومہ[2] ملتا یا ڈگری[3] حاصل ہوتی ہے۔ تو بیشک اس خصوص میں
ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح ہے۔ جب کبھی بی۔ اے۔ ایم اے کی فہرست نظر پڑی۔ بھرے اِلّا
ماشاء اللہ شاذ و نادر اگہ دُکہ[4] مسلمان۔ لیکن میری نظر میں اس لیاقت کی کچھ بہت وقعت نہیں۔ مجھ کو کئی
بی۔ اے۔ ایم اے ڈگری داروں کے ساتھ طبع آزمائی کا اتفاق ہوا ہے۔ باوجودیکہ میں نے کسی
کالج یا اسکول میں انگریزی نہیں پڑھی۔ اور میں انگریزی کا عطائی[5] ہوں نہ کلاونت[6]۔ لیکن میں
اس کو خود ستائی کی راہ سے نہیں کہتا بلکہ حکایتِ نفس الامری ہے کہ استنباطِ مطالب میں میری طبیعت
اُن سے زیادہ لڑتی تھی۔ لیاقت حقیقت میں اس کا نام ہے کہ انسان میں مادۂ قابل ہو اور جس طرف
توجہ کرے کچھ کر نکلے۔ ولایت میں آدمی بی۔ اے۔ ایم۔ اے کے درجے کو پہونچ کر لایق ہو جاتا
ہوگا۔ کیونکہ انگریزی اُن کی مادری زبان ہے اور بڑی معلم تو سوسائٹی ہوتی ہے۔ انگریزی سوسائٹی کا
کیا کہنا۔ مگر ہمارے یہاں ایک تو ملکی زبان کی تیچڑ لگی ہے۔ جس کو انگریزی سے کچھ بھی مناسبت نہیں
اور سوسائٹی کی ردائت ناگفتہ بہ یہ سبب ہے کہ ہمارے ڈگری دار ہم لوگوں کی نظروں میں اپنی
وقعت نہیں بٹھا سکتے۔ اور پھر نرے لکھ پڑھ لینے سے وقعت نہیں ہوتی۔ اس کو چاہیئے مارل کریج[7]
سوشیل پوزیشن[8]۔ ہم اُن ڈگری داروں کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں کہ اُن کو نوکری کا حاصل کرنا

[1] غیر اختیاری ۱۲ [2] سند ۱۲ [3] خطابِ فضیلت ۱۲ [4] یعنی ایک دو ۱۲ [5] عطائی اُس کو کہتے ہیں جس کا پیشہ گانا نہ ہو
اور گانا سیکھے ۱۲ [6] پکا راگ گانے والا ۱۲ [7] اخلاقی جرأت ۱۲ [8] سوسائٹی میں وقعت کا ہونا ۱۲ +

آسمان ہو دگر ہیچ - ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے کہا تھا کہ سرکار کے بہت سے انتظام اصلاح طلب ہیں جن میں سے ایک بڑا ضروری انتظام لیاقت کے سٹینڈرڈ کا ٹھہرانا ہو - انگریزوں نے اپنی ولایت پر قیاس کرکے صرف یونیورسٹی کی ڈگری کا معیار لیاقت ہونا تسلیم کرلیا - جس نے ہماری سوسائٹی کو زیر وزبر کر رکھا ہو - جو لوگ سوشلی ادنیٰ درجہ کے ہیں یونیورسٹی کی ڈگری سے بڑی خدمتوں پر پہونچ جاتے ہیں، اور اُن کے تعزز خدمتی اور سوشیل پوزیشن میں عجب کشمکش واقع ہوتی ہے - ہم بمقابلہ ہنود شمار میں، تمول میں اتنے ہیٹے نہیں جتنے کہ اس زمانے کی لیاقت میں یا یوں کہو کہ انگریزی دانی میں - اس پر مسلمانوں کو دوست اور دشمن ایسا ایسا لتاڑتے ہیں کہ معاذ اللہ - لیکن میں اس خصوص میں بھی مسلمانوں کو کسی قدر معذور سمجھتا ہوں - صد ہا سال کی محکومی نے ہندوؤں کو ایسا گرا دیا کہ اگر سچ پوچھو تو اُن میں سنس آف آنر (حمیت) باقی نہیں - نہ اُن کے پاس مذہب ہی نہ لٹریچر[1] نہ کوئی علم جس پر وہ فخر کرسکیں - میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ہندوؤں میں یہ چیزیں سرے سے تھیں ہی نہیں - تھیں اور بہت عمدگی کے ساتھ تھیں - مگر محکومی ایسی بری بلا ہے کہ سب فضیلتوں کو خاک میں ملا دیتی ہو - لوگ کہتے ہیں "پیری و صد عیب" میں کہتا ہوں "محکومی و ہمہ عیب" (چیرز) مسلمانوں کی عملداری میں ہندو ہماری زبان سیکھتے - ہمارے علوم پڑھتے ہماری تقلید کرتے - ہمارے تہوار مناتے - یہاں تک کہ ہمارے بزرگوں کی پرستش کرتے تھے - جب آئے انگریز تو ہندوؤں کے پاس اپنا تو کچھ اثاثہ نہ تھا لگے انگریزوں ہی کا کلمہ پڑھنے - خرابی اور بڑی خرابی ہم مسلمانوں کی ہو کہ ہم مذہب رکھتے ہیں محکم مضبوط - استوار - أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ[2] (چیرز) کہ انقلاب کی آندھیاں اس کو جنبش بھی تو نہیں دے سکتیں - ہمارے پاس لٹریچر ہو جس نے ایک وقت تمام روئے زمین کو ہلا مارا تھا - (چیرز) وہ ہمارے دلوں کی تسلی ہو - ہماری جانوں کی توانائی - ہماری آنکھوں کا نور - ہماری روحوں کا سرور - ہمارے پاس علوم ہیں - اگرچہ اُن میں سے اکثر انگریزوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کرلئے ہیں - مگر آخر ہیں تو ہمارے - غرض ہماری سلطنت کے

---

[1] علم ادب و انشا پردازی ۱۲ [2] اس درخت کی جڑ جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان میں ۱۲ ۔

نشان ماند پڑ گئے ہیں مگر مٹے نہیں (چیرز) ہم کو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ اگر انگریزی نہ پڑھیں تو تن
کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی نہیں۔ اپنے علوم نہ پڑھیں تو اپنی ہی سوسائٹی میں عزت نہیں وقعت
نہیں۔ دونوں پڑھیں اتنی مہلت نہیں، وقت میں گنجایش نہیں۔ غرض ہم اپنے پُرانے کمالات
کو تھوڑا بہت نباہے چلے جاتے ہیں۔ تو ہم طبیعتوں سے مجبور ہیں۔ لیکن کیا اتنی ہی بات ہے،
کہ ہم نے ہندوؤں کی طرح انگریزی کو اوڑھنا بچھونا نہیں کر لیا۔ ہم نالایق ہو گئے؟ ہیکڑی کا تو
کچھ جواب نہیں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر، مگر میرا ازبلیف یہ ہے۔ اور یہ ازبلیف (دلی یقین)
مبنی ہے ساری عمر کے تجربے پر، کہ کارفرمائی جیسی ایک مسلمان کر سکتا ہے ہندو سے نہیں
ہو سکتی نہیں ہو سکتی!! ہرگز نہیں ہو سکتی! (چیرز) کارفرمائی کی شرط اعظم ہے۔ خودداری ذاتی
تعزز، فورس آف کیریکٹر، (ہمت، جرأت) اور یہ حرارت مُسلمانوں کے خون سے ابھی
تک تو نکلی نہیں۔ الغرض ہمارا کیس ایک اسپیشل[۵۱] کیس ہے اس کی رویداد کسی طرح ہندوؤں
کی روئداد سے نہیں ملتی۔ ہندو جب زور دیں گے کثرت اور انگریزی دانی پر! اور یہی جگہ
ہمارے ہاں پانی کے مرنے کی ہے (چیرز) پس ہم کو ہندوؤں کی رفاقت ضرور نقصان پہونچائیگی
میری صلاح مانو تو نہ روؤ نہ جھینکو۔ متوکلاً علی اللہ[۵۲] چُپ چاپ بیٹھے رہو۔ وہ کارساز
ہمارے لیئے اسباب مہیّا کر رہا ہے ع

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد (چیرز)

اِسی کانگرس نے ضرور گورمنٹ کو چوکنّا کیا ہوگا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ لیاقت کے سٹینڈرڈ میں
ترمیم ہوگی، یہ تو میں نہیں کہتا کہ تعلیم انگریزی کی ٹون[۵۳] مدہم کر دی جائے گی مگر گورمنٹ کو اِس کی
تدبیر تو چار و ناچار کرنی پڑے گی، کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ اُن کے خیالات
سوشیل[۵۴] رفارم۔ لوکل امپروومینٹ[۵۵] کی طرف مصروف ہوں۔ جس سے مُلک کو فائدہ پہونچے۔ اور
ایسے کیڑے اُن کے مغز میں نہ کُلبلانے پائیں کہ بجٹ اسٹمٹ[۵۶] کی دھونی کے بدون اُن کو

---

۵۱ خاص صورت ۱۲ ۵۲ خدا پر بھروسہ کرکے ۱۲ ۵۳ طرز، لہجہ ۱۲ ۵۴ طرز تمدن کی اصلاح ۱۲ ۵۵ ملکی بہبودی ۱۲ ۵۶ موازنے کے داخل

چین نہ پڑے (بڑے زور سے چیرز) ع

چہ دانی تو اے بندہ کار خدائی

نیشنل کانگرس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو - ہماری حمیت تو گوارا نہیں کرتی کہ ہندؤں کے طفیلی بن کر دنیوی مفاد حاصل کریں، گو وہ مفاد کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سه

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

ہم کو جو کچھ فائدہ اس عملداری میں ہونے والا ہے - ہم اُس کو لیں گے - کوئین وکٹوریہ سے - وائسرائے سے لفٹنٹ گورنر سے - کمشنر سے - ڈپٹی کمشنر سے ! اور ان شاء اللہ بے مانگے لیں گے - تم نے نہیں سُنا " بن مانگے موتی ملیں اور مانگی ملے نہ بھیک " (چیرز) ہم کو ان کانگرس والوں کی یہ دبڑ دھکسٹر دکارروائی بالکل پسند نہیں - کہ ہمیں بجٹ دکھا لیا کرو - یہ دن ہماری منظوری کے کوڑی خرچ نہ کرو - وضع قوانین ہم سے متعلق رکھو یعنی ہم کو گورنمنٹ کا ڈکٹیٹر بناؤ سه

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہادیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا
(چیرز)

آخر تو جرأت کی ہی تھی تو طلبیہ و تمہید برطرف ایک دم سے یہی درخواست کیوں نہ کی کہ سلطنت ہمارے حوالہ کرو - اور چلتے پھرتے نظر آؤ (چیرز)

" بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود "

کیوں بھائیو ! ایسی درخواست پر کوئی تم میں سے دستخط کرتا ؟ نہ کرتا ہرگز نہ کرتا ! (چیرز) بس تو کانگرس کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکنا - کہ " ایں ہم بچہ شتر است " (قہقہہ اور بڑے زور سے (چیرز) ؛

لکچر نمبر (۲)

تمہید

۱۸۸۸ء میں دہلی میں مدرسہ طبیہ کے جاری کرنے کی تجویز در پیش تھی ایک مجلس میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی بلائے گئے تھے - اور اُس وقت عائد شہر دہلی ہندو و مسلمان جمع تھے - یہ لکچر اُس وقت دیا گیا۔

اگر کوئی شخص طب یونانی اور ڈاکٹری میں محاکمہ[1] کرنے کا قصد کرے تو اُس کو اس سے قطع نظر کرنا پڑے گا کہ ڈاکٹری طب حکام ہے - اگر ڈاکٹری کو اُس وقعت سے جو انضمامِ حکومت کی وجہ سے اُس کو حاصل ہے مجرد کرکے دیکھا جائے تو موجبات ترجیح طب یونانی کی طرف بہت ہیں اور ڈاکٹری کی جانب کم - ڈاکٹری کا تمام سرمایۂ فخر تین چیزیں ہیں - تشریح - اور آلات - اور علم کیمیا جس کو ادویہ کی تحلیل و ترکیب میں دخل عظیم ہے - لیکن اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے مفاخر کی فہرست اس قدر بڑی ہو کہ بجائے خود کتاب ہو اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری ظنیت کے حضیض سے ترقی کرکے اوج یقینیت پر پہونچ گئی ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے کل علاج حکمی ہیں تیر بر ہدف - تاہم جب اس بات پر نظر کی جاتی ہے کہ ڈاکٹری علاج ہندوستان میں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ[2] اس کی تمام فضیلتیں مرجوح معلوم ہوتی ہیں - ہم ڈاکٹری کی توہین نہیں کرتے وہ عمدہ اور بہت عمدہ اور نہایت عمدہ ہے مگر اہل یورپ کے لئے جہاں کی آب و ہوا جہاں کے موسم جہاں کی پیداوار جہاں کے مراسم و عادات

---

[1] فیصلہ ۱۲ [2] ظلم چیز کو بے جگہ رکھ دینا ۱۲

کے لحاظ سے طبِّ ڈاکٹری مُدّدن ہوئی نہ اہلِ ہند کے لیئے جو کسی بات میں بھی اہلِ یورپ کے مماثل نہیں۔ ایک مضمون کو اپنے خیال کے مطابق ناسخ نے کیا اچھی طرح باندھا ہی ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے	جس چیز کے ناسخ کوئی قابل نظر آیا
بُلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا	غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

مجھ کو یہ قطعہ اِس بات پر یاد آیا کہ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک مخلوق کی حالت کے مطابق نہ صرف مایحتاج زندگی بلکہ آسایش کے سامان مہیّا فرما دیئے ہیں۔ انتظامِ الٰہی کے خلاف ہی کہ ہم رہیں ہندوستان میں اور حفظِ صحت کے لیئے محتاج ہوں اُن چیزوں کے جو یورپ اور امریکہ میں میسّر آتی ہیں۔ مگر یوں کہو کہ ہم غور نہیں کرتے اور خواہ مخواہ پتلون کے شکنجے میں اپنی ٹانگیں پھنسانی چاہتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی طبابت کے بڑے معتقد اکثر وہی لوگ ہیں جن کے سروں میں حسب تقاضائے وقت آزادی کے خیال پڑے اُبل رہے ہیں۔ لیکن اگر آزادی اسی کا نام ہی کہ ادبدا کر اپنی ہر پُرانی چیز کو ترک کیا جائے تو جہاں تک یہ آزادی طبابت سے متعلق ہی ہمارے نزدیک اِن لوگوں کی وُہی کہاوت ہی کہ گڑھے سے نکلے اور کوئے میں گرے سلطنت۔ حکومت۔ دولت۔ دستکاری۔ تجارت۔ سب کچھ جا کر ایک جان بچی تھی وہ بھی دوسروں کے بس میں کردی تو حقیقت میں دنیا سے آزاد ہوئے ؎

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابگل	کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہی آزاد کا

جو دوائیں اطبائے یونانی استعمال کراتے ہیں سب ہمارے ملک کی پیداوار ہیں اور اگر یہ دوائیں دوا کے طور پر کام میں نہ لائی جائیں تو دوسرے کسی مصرف کی نہیں۔ پس ملکی خیر خواہی کب جائز رکھ سکتی ہی کہ اتنی ملکی دولت کو ضائع ہونے دیا جائے۔ خصوصًا اُس صورت میں کہ ہم ملکی خیر خواہی کا بھی دم بھرتے ہوں۔ یونانی طبیبوں کے طرزِ علاج میں ایک بڑا استفادہ یہ ہی کہ اُنھوں نے دوا اور اُس کے بنانے کی ترکیب لکھ کر نسخہ بیمار کے حوالہ کیا۔ اس طریقے سے بیمار کے علاج کے علاوہ من وجہٍ اُس کو علمِ طب سے آگاہی بھی حاصل ہوتی ہی۔ اور یہی وجہ ہی کہ بھلے آدمیوں

کے گھروں میں اکثر بوڑھی عورتیں تک بہت سی دواؤں اور اُن کے خواص سے واقف ہوتی ہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ عام لوگوں کی طبی معلومات کو جمع کیا جائے تو کئی طبیب حاذق بنیں۔ اگر کوئی شدید ضرورت پیش آجائے اور طبیب فی الوقت بہم پہونچ سکے تو کمتر ایسا ہوگا کہ پاس پڑوس والوں میں سے کوئی دوا نہ بتا سکے۔

طبیب بھی بشر ہے اور اُس سے بھی خطا ہونی ممکن ہے۔ مگر اُس کی غلطی عطّار اور بیمار اور بیمار داراتنے لوگوں کی نظروں سے بچ کر جا نہیں سکتی۔ اور یوں علاج یونانی میں احتمالات خطر کم ہیں۔ برخلاف ڈاکٹری علاج کے کہ اَلْمَعْنٰی فِیْ بَطْنِ الشَّاعِر[1] کہ ڈاکٹر صاحب ہی سمجھیں اور کہیں غلطی کی تو بیمار کا خدا حافظ اور طبِ ڈاکٹری کی معلومات کا طبِ یونانی کی طرح عام ہونا تو ڈیڑھ دو سو برس سے ادھر متوقع نہیں۔ جو شخص ڈاکٹری علاج کا التزام کرے اُس کو ایسے اتفاق کے لیئے کوئی انتظام پہلے سے سوچ رکھنا چاہیئے کہ وقت پر ڈاکٹر میسّر نہ آئے تو کیا تدبیر کرے۔ ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ احتمال ڈاکٹری دوا کے ساتھ لگا ہے۔ کیا عقلاً ناممکن ہے کہ کسی دوا کا ذخیرہ تمام ہو جاسے اور وقت پر بہم نہ پہونچ سکے۔

غرض یونانی اور ڈاکٹری علاج تو دونوں ہیں مگر یونانی علاج ہندوستانیوں کے حق میں عَلٰی بَصِیْرَۃٍ[2] قابل مزید اطمینان اور اختیاری ہے اور ڈاکٹری علاج تحرّی[3] عرضۂ خطر اور قابو سے باہر۔ طب یونانی اور ڈاکٹری میں ایک وجہ فرق اور ہے جس سے ہم قطع نظر نہیں کر سکتے وہ یہ کہ امراض جسمانی کے علاوہ ہم سب کے سب اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ افلاس کے مرض میں بھی مبتلا ہیں۔ پس ہمارے امراض جسمانی کا علاج اس مرض کی رعایت سے ہونا چاہیئے۔ یونانی دوائیں چوں کہ ہمارے ملک کی پیداوار ہیں ہم کو بہت ارزاں ملتی ہیں برخلاف انگریزی دواؤں کے کہ دوا کی لاگت اُس کے یہاں تک آنے کا خرچہ۔ اُس پر نفع تجارت۔ اُس پر انگریزی نام ہونے کی قیمت کہ پانی کو آکوا لکھدیا۔ بیمار بیچارہ کیا جانے کہ آکوا کیا بلا ہے دوا فروش نے آکوا

[1] شعر کی مراد شاعر کے پیٹ میں ۱۲ [2] جس کو علاج کرنے والا خود بھی سمجھ سکے ۱۲ [3] اٹکل۔ اندازہ ۱۲ +

کے ایک ڈراپ یعنی ایک بوند کا ایک آنہ لگا لیا دینا ہی پڑتا ہی اور طبیب اور ڈاکٹر کی فیس پر خیال کرو تو یہاں روپئے سے کام چلے تو ڈاکٹر کو کم سے کم گنی (اشرفی) صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ یہ مسئلہ عقلی اور ساری دُنیا کا متفق علیہ ہی کہ طب کسی ملک اور کسی قوم اور کسی زمانے کی ہو ظنی تھی ظنی ہی اور ہمیشہ ہمیشہ کو ظنی رہے گی۔ اُس حکیم مطلق کی طرف سے ہر متنفس کے ساتھ ایک طبیب الٰہی متعیّن ہی طبیعت کو وہی مدبر بدن ہی طبیب کا کام ہی طبیعت کی تقویت اور بس طبیعت کی تقویت کی بہت سی تدبیریں ہیں۔ اُن میں سب سے بڑی دوا اور میرے نزدیک دوا سے بھی بڑی طبیب کی توجہ۔ ہمدردی۔ تسکین۔ تسلی۔ تشفی۔ اور یہی وہ تدبیریں ہیں جن کا ڈاکٹری علاج میں اہتمام نہیں یا ہی تو جیسا ہونا چاہیئے ویسا نہیں۔ پھر کیا ڈاکٹر کیا طبیب مُزدِ علاج تو دونوں لیتے ہیں۔ مگر لینے لینے میں فرق ہی۔ طبیب تو لیتا ہی مگر یہ کہہ کر کہ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ اور ڈاکٹر خود طلب کرتا ہی بلکہ سرکاری قاعدہ کے مطابق بل بھیجدیتا ہی۔ اور اگر بل وقت پر نہ پٹا تو آخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ نالش ان دنوں لوگ معاش کی طرف سے اس قدر تنگ ہیں کہ مخمصے کی نوبت ہی۔ اگر طب یونانی کی طرف توجہ کریں تو ہم خرما و ہم ثواب مگر قومی اور ملکی بدقسمتی اندھا کر دے اور ایسا صریح۔ ایسا تیقن ایسا بے منت فائدہ نہ سوجھ پڑے اور دس دس پندرہ پندرہ روپئے کی نوکری کے لیئے امتحان کی مصیبت اُٹھائیں در بدر ٹھوکریں کھاتے پھریں تو اس کا علاج نہ یونانیوں کے پاس ہی اور نہ ڈاکٹروں کے پاس۔ دُنیاوی قباحتوں کے علاوہ جن کو میں نے مجملاً بیان کیا ہم میں بہتیرے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو بہ تقاضائے احتیاط مذہبی ڈاکٹری علاج سے محترز ہیں اور اُن کا احتراز محض بے جا بھی نہیں۔ ڈاکٹری علاج میں شراب دوا ہی جیسا کسی احمق نے افیون کے حق میں کہا ہی ع

خود مرض و جملہ مرض را دواست

اور ہمارے معتقدات کی رو سے لَا شِفَآءَ فِی الْحَرَامِ انگریزی دوائیں بعض ایسی بھی ہیں

لے ڈہڑا ہی ہوئی زرد جس سے دیکھنے والے پھڑک اُٹھیں ۱۲ ۔ داغ دینا سب سے آخر درجہ کی دوا ہی ۱۲ ۔ حرام چیزوں میں شفا

کہ اگر شراب نہیں ہے تو شراب کی لاگ سے اُن کا ست کھینچا گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ
عموماً ڈاکٹری علاج کے گرویدہ ہیں ہر دوا کی نسبت تحقیقات کر کے مطمئن ہو گئے ہیں کہ
اس میں شراب کا شائبہ نہیں یا مذہباً جواز کی صورت نکال لی ہے۔ ابھی چند روز ہوئے
شہر میں شورش ہوئی تھی کہ قند مُردوں کی ہڈیوں سے صاف کیا جاتا ہے۔ خبر نہیں ہندوؤں نے
قند کو ترک کیا یا پنڈتوں سے اگیا[1] لے لی۔ غرض ایک بات کو دُبدھے میں کیوں رکھو یک سو کیوں
نہیں کرتے کہ دوا میں آمیزش حرام چیز کی ہے یا نہیں اور ہے تو مذہباً اس کا استعمال روا ہے یا نہیں
فتویٰ جواز لینے کے بعد اختیار باقی ہے کہ اُس کا نعم البدل یا بدل دوائے یونانی ہوتے سلتے
جواز سے استفادہ کرو یا شیوۂ احتیاط پر کاربند ہو۔ ان چند باتوں کے سُننے کے بعد جو میں نے
بیان کیں میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ہندوستانی انصافاً ڈاکٹری کو یونانی پر ترجیح دے مگر کیمیا
اور تشریح اور آلات کا کیا جواب۔ سو کیمیا سے جو بڑا کام ڈاکٹروں نے لیا ہے میرے
گمان میں یہی ہے کہ دواؤں کے سَت بننے لگے ہیں صاف۔ قلیل المقدار۔ قوی الاثر۔ اِن
میں سے جو دوا ہماری طبِ یونانی سے خارج ہے لا حاجۃ لنا فیہ[2] اور جو دوا۔ ہماری طب
کی ہے تو ہم اُس کو اپنے قدیم طریقے سے کیوں نہ استعمال کریں۔ جس کا نفع سیکڑوں برس
کے تجربے سے محقق ہو چکا ہے۔ ہندوستانیوں سے عموماً انگریزی دواؤں کی تیزی کی شکایت
سُنی جاتی ہے اور ایک بات سے تو شاید کوئی بھی انکار نہ کرے گا کہ یونانیوں کی طرح ڈاکٹری
مریض زیادہ دن تک نہیں جھولتا۔ چٹ پٹ ادھر یا اُدھر۔ ہم کو مدتوں حیرت رہی کہ آیا اِن
مریضوں کو مرگِ مفاجات کے سوا دوسری طرح مرنا نہیں آتا یا ہم نہیں سُنتے۔ آخر کار یہ
بات ذہن میں آئی کہ دوائیں ہوتی ہیں قوی الاثر اور سریع الاثر اگر مرض پر غالب آئیں تو
مریض جلدی سے چنگا ہو گیا اور اگر اُلٹی پڑیں تو مؤیدِ علت ہو کر مریض کا کام تمام کر دیا۔ یہ ہے
ضررِ عاجل جو دواؤں کی روحوں کے استعمال پر مترتب ہوتا ہے خدا جانے یہ دوائی روحین

---

[1] اجازت ۱۲ [2] ہم کو وہ چیز درکار نہیں ہے ۱۲ +

کتنی انسانی روحوں کے معاوضے میں ہیں۔ دواؤں کے قوی الاثر اور سریع الاثر ہونے کی
وجہ سے مفردات الامراض کو تو ڈاکٹر خیر سنبھال بھی لیتے ہیں۔ مگر مرکبات الامراض اس ملک
کے تو کسی طرح ان کے قابو کے نہیں۔ اب رہی تشریح اور آلات یہ دونوں لازم و ملزوم
اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہی کہ طبِ یونانی میں تشریح نہیں تو وہ بیچارہ طب سے بے خبر ہی
طبِ یونانی میں تشریح ہی اور مکمل ہی اس وقت تک اُس کی غلطی یا فروگذاشت نہیں پکڑی
گئی اور نہ پکڑی جا سکتی ہی کیوں کہ وہ بھی مبنی ہی مشاہدہ اور رای العین[۵۱] پہ۔ مگر ہاں یہ طب
کا نہیں بلکہ طبیبوں کا قصور ہی کہ انھوں نے نہیں معلوم گھن کھا کر یا ڈر کر چیر پھاڑ سے کنارہ کیا۔
کتابوں میں سب کچھ ہی مگر طبیبوں کو اس کی چشم دید تصدیق نہیں اور اُن کے اذہان میں بھی
جسم انسان کی ساخت مرتسم[۵۲] نہیں۔ اطبائے یونانی میں یہ بڑا نقص ہی اور اس نے ڈاکٹروں
کو اُن کے مقابلے میں اور بھی قوی کر دیا۔ لوگوں میں سمجھ کہاں ساری طب کو اس پر قیاس کر کے
ڈاکٹری کی طرف جھک پڑے اور بازارِ طبابت اس قدر مندا ہوا کہ اُجڑا اور اُخل ہی اس کس مپرسی
کے ساتھ تو چالیس پچاس برس بھی چلتا ہوا نہیں دکھائی دیتا سخت افسوس کی بات ہی کہ ہندوستان
سے طب جیسی نعمت جو مدار زندگی ہی سلب ہو جائے صرف اتنی ذرا سی بات سے کہ لوگ
اُس کی قدر نہیں کرتے بے وجہ معقول یا طبیب اس کے ایک حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے بے عذر
مقبول۔ یہ زمانہ قومی و ملکی خیر خواہی کے جوش کا ہی اور لوگ بھی طرح طرح پر اپنے ہموطنوں
کے فائدہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں مگر جس کوشش کا بیڑا حکیم عبد المجید خاں صاحب
نے اُٹھایا ہی خدا اُس کو مشکور کرے۔ بے نظیر و بے مانند ہی۔ اوّل معلوم کرنا چاہئے کہ حکیم
عبد المجید خاں صاحب ہیں کون۔ پھر پوچھنا چاہیئے کہ ان کے اغراض کیا ہیں۔ میں نہیں
سمجھتا کہ ہندوستان میں کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہی جہاں کے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ جناب
حکیم محمود خاں صاحب دہلی میں اوّل درجے کے طبیب حاذق ہیں۔ اور جو شخص

---

[۵۱] آنکھ کے دیکھنے پر ۱۲ [۵۲] منقش ۱۲

حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہو اُس کو یہ بھی معلوم ہو کہ مدتوں سے حکیم صاحب کا مطب اُن کے خلفِ اکبر و ارشد حکیم عبد المجید خاں صاحب کے ہاتھ میں ہو - پس جو شہرہ حکیم محمود خاں صاحب کا ہو حقیقت میں من حیث المطب حکیم عبد المجید خاں صاحب کا حق ہو طب کی حقیقت طب کا بھلا بُرا حکیم عبد المجید خاں صاحب سے بڑھ کر کوئی کیا جانے گا - یہ خیال اُن ہی کے دل میں گزرا کہ طب کا ایک مدرسہ جاری کرنا ضرور ہو - اس مدرسے کے اجرا سے اُن کی یہ غرض ہو کہ بالفعل طبِ یونانی کو سنبھال کر آیندہ اس کو ترقی دی جائے مثل اُن لوگوں کے جو کہتے ہیں کرنے کے لئے نہ صرف کہنے کے لیئے - حکیم عبد المجید خاں صاحب اپنے اغراض کے صاف صاف بیان کرنے میں مضایقہ سا کرتے ہیں - مگر واقع میں اُن کا مطلب یہ ہو کہ طب کے طریقۂ درس کو باقاعدہ کیا جائے وہ اس بے تمیزی کو نہایت حقارت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور وہ حقارت کی چیز ہی بھی - کہ چند روز کسی طبیب کے مطب میں بیٹھنے اور بے سلسلہ دو چار کتابیں پڑھ لینے یا صرف کسی طبیب کا جانشین ہو جانے سے کسی شخص پر طبیب کا اطلاق کیا جائے - پس اُنھوں نے ٹھیک سوچا ہو کہ طب کا مدرسہ ہوگا اور اس میں باقاعدہ درس دیا جائے گا - امتحان ہوگا - سند ملے گی - تو نیم حکیم خطرۂ جان جو حشرات الارض کی طرح اطراف و جوانب میں منتشر ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ معدوم ہو جائیں گے - اس کے علاوہ اُن کے اغراض میں یہ بھی ہو کہ جراحی جس کو اطبائے یونانی نے عملاً ترک کر رکھا ہو شرط طبابت گردانی جائے اور درحالیکہ انگریزی آلات بہم پہونچ سکتے ہیں اور کتابوں میں مسائل تشریح بکمال شرح و بسط لکھے ہوئے موجود ہیں - حکیم صاحب کا یہ ارادہ بادی النظر میں دشوار تو معلوم ہوتا ہو مگر کوئی اس کو محال و ناممکن نہیں کہہ سکتا - حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ اِن کے مدرسے کے طبیب آپ فصد کھول لیا کریں جگہ سے ٹلے ہوئے اعضا کو اُن کے اصلی موقع پر بٹھا دیا کریں - عند الضرورت چیر پھاڑ قطع و برید کر لیا کریں - غرض نہ صرف طبیب ہوں بلکہ جرّاح بھی - حکیم عبد المجید خاں صاحب اس پر بڑا زور ڈالنے کو ہیں کہ ان کے طبیب دواشناس

اور دوا ساز بھی ہوں یعنی بہ قدر تعلق طبابت یونانی کیمیا کے ماہر۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں اور اُن کا دبی زبان سے کہنا اور دوسرے کا ڈھنڈورا پیٹنا برابر ہی کہ جب ہم طبِ یونانی کو تازہ اور مستحکم کر چکیں گے تو وید کی ڈاکٹری کی بکار آمد چیزوں کے لینے اور رواج دینے میں بھی کوشش کریں گے۔ سبحان اللہ اصلی رفارم تو اسی کا نام ہی اور اسی کی ہم کو ضرورت ہی۔ خدا کرے دوسرے رفارمروں کے بھی ایسے ہی خیال ہوں۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا اسی طرح کی بہت تحریکیں سنا کرتا ہوں ابتدا میں غل ہی اور شور ہی اور اہتمام ہی اور ابرام ہی اور آخر میں کچھ نہیں۔ اگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب نرے مجوز اور محرک ہوتے تو میں اس مدرسے کو بھی ہندوستانیوں کی عام تجویزوں کی طرح بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ واقع میں ایک اعتبار سے انھوں نے مدرسہ جاری کر دیا۔ درس طب اور مطب دو چیزیں ہیں اور دہلی میں اس وقت دونوں چیزیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی دونوں مٹھیوں میں ہیں تو جب انھوں نے مدرسے کو کہ وہی بڑا کام تھا اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے متعلق کر لیا تو اب کیا گیا صرف حیثیت کا بدل دینا جو لوگ حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے استفادہ طب کر رہے ہیں اپنی حالت پر قائم رہیں لیکن اس حیثیت سے کہ مدرسہ طبیہ مجوزہ کے طالب علم کہلائے جائیں اور حکیم صاحب اور اُن کے بھائی بے تنخواہ کے مدرس۔ اِس سے زیادہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مدرسۂ جدید کو کیا دیتے اور کیا کرتے کہ تینوں بھائیوں نے اپنی خدمتوں کو بے مزد و بے منت وقفِ مدرسہ کر دیا اب لوگوں کی ہمتوں کو دیکھنا ہی اگر مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ[1] بھی سر میں عقل اور دل میں خیر ہی تو جی کھول کر چندہ دیں کہ کتابیں اور آلات خریدے جائیں۔ جدید طلبہ داخل ہونے شروع ہوں۔ اُن کے رہنے بیٹھنے اور کھانے کا ٹھکانا کیا جائے۔ اور مدرسہ ترقی پکڑے۔ اگر ایسے محل پر بھی لوگوں نے کوتاہی کی تو سمجھ لیں کہ ہندوستان سے طب رخصت ہوئی۔ اور زندگانی سے عافیت وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ[2] دہلی میں تو کوئی ایسا مجنون بھی خیال نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں باہر والے

---

[1] رائی کے ایک دانہ کے برابر ۱۲ [2] اللہ توفیق دینے والا ہی ۱۲

جن کو حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے تفصیلی حالات سے آگہی نہ ہو اس مثل کے مطابق کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک کر پیتا ہے۔ شاید بدگمانی کریں تو ایسی بدگمانی اِنَّ[1] بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ میں داخل ہوگی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب فی حد ذاتہ بڑی مقدرت کے آدمی ہیں۔ اور اُن کی شان ماشاء اللہ اللّٰھُمَّ[2] زِدْ فَزِدْ اس سے بہت ارفع ہے کہ ایسی ادنیٰ اور خسیس منفعت پر نظر کریں۔ تو جو لوگ چندہ دینا چاہیں۔ وہ سمجھ لیں اور بخوبی مطمئن رہیں کہ اُن کا دیا ہرگز اکارت نہیں جا سکتا۔ نہ صرف اس اعتبار سے کہ آپ کو آخرت میں ثواب ملے گا وہ تو ملے ہی گا اور انشاء اللہ تعالیٰ دہ چند ملے گا مَنْ[3] جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اگر دنیا میں بھی اِن کی کوڑی کوڑی کمال احتیاط اور کفایت شعاری کے ساتھ طب یونانی کی اصلاح اور ترقی میں خرچ ہوگی وَ[4] اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

---

[1] بعضے گمان داخل گناہ ہیں ۱۲ [2] خدا زیادہ اور زیادہ کرے ۱۲ [3] جو ایک نیکی کرے گا وہ دس نیکیوں کا ثواب پائے گا ۱۲
[4] جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے ۱۲

لکچر نمبر (۳)

مُسلمانوں کی حالتِ تعلیم پر

محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۲۸- دسمبر ۱۸۸۸ء
کو بمقام لاہور دیا گیا جس کے ساتھ مسدس کے بند بھی پڑھے گئے

تمہید

لاہور میں جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ اُس کا یہ پہلا لکچر ہے اور جس قدر ازدحام اس لکچر میں تھا ویسا سوا لاہور کے دوسری جگہ دیکھا بھی نہیں گیا اسی موقع پر ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب نے اپنے خیمے و شامیانے آنریبل سر سید احمد خاں کو بانگے دیئے تھے۔ تمام پنجاب کے قریب قریب کل زردار آدمی موجود تھے اور خود لاہور پنجاب گورنمنٹ کا سیٹ ہے۔ اُس میں کئی قسم کے کالج ہیں بہت سے دفتر ہیں کے ہیڈ کوارٹر بھی ہیں اور وہاں اس طرح کے مجامع کا چرچا بھی بہت ہے اس لکچر میں ہم نے بہت سے آدمیوں کو کبھی ہنستے اور کبھی روتے دیکھا اور اسی

لکچر سے نے پنجاب میں لکچرار کا سکہ بٹھادیا۔

غالبًا آپ صاحبوں نے اِسی حیثیت سے مجھ کو جانا اور پہچانا ہوگا کہ آنریبل سرسیّد احمد خاں صاحب کے فالورز[1] میں مَیں بھی ہوں۔ اگر فالورز سے وہ لوگ مراد ہوں جو اس کانگرس میں شریک ہونے کے لیے اُن کے ساتھ آئے بلکہ اگر وہ لوگ بھی مراد ہوں جو سرسیّد احمد خاں کو بڑا انلائٹنڈ[2] بڑا عالی خیال، بڑا مآل اندیش، بڑا مدبر، بڑا مستقل مزاج، بڑا متحمل، اور مسلمانوں کا بہت بڑا اور سچّا خیرخواہ باور کرتے ہیں فَاَنَا اَوَّلُهُمْ وَ اَقْدَمُهُمْ (تو میں سب سے اوّل اور سب سے آگے ہوں) لیکن اگر فالورز سے مراد ہوں بلا تحقیقات اُن کے تمام خیالات کے تسلیم کرنے والے، اگرچہ وہ خیالات مذہبی ہی کیوں نہ ہوں تو میں اس بھرے مجمع میں پکار کے کہتا ہوں اِنَّنِیْ بَرَآءٌ (میں بری ہوں) سرسیّد احمد خاں کی طلب کے علاوہ مجھ کو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے ایک وجہ اور بھی داعی ہوئی کہ میرے نزدیک ایسے مجمع کے لیے تمام ہندوستان میں پنجاب سے اور تمام پنجاب میں لاہور سے بہتر کوئی موقع نہیں ہوسکتا اس وقت کیا رعایا کیا سرکار سب کی ہمتیں پنجاب کی طرف مصروف ہیں اور جس زور سے ڈفنیو (ملکی حدود کی حفاظت) کارروائیاں ہورہی ہیں آپ سب صاحبوں کو معلوم ہیں مگر تعلیم سے بڑھ کر کوئی ڈفنس[3] نہیں بشرطیکہ مناسب طور پر ہو۔ یونیورسٹیاں اور کالج تو بجائے خود میں کہتا ہوں ہر ضلع بلکہ ہر تحصیلی اسکول ایک ٹور آف اسٹرنگتھ (قلعۂ مستحکم و استوار) ہی اگر اُس میں تعلیم اچھی ہو۔ رعایا گورمنٹ کی دولت ہی۔ اور اُس کی رضامندی گورمنٹ کی قوت رعایا اور گورمنٹ کے اغراض ایسے وابستہ بہم دگر ہیں کہ اگر رعایا گڈ (اچھی) رعایا ہو اور گورمنٹ گڈ گورمنٹ تو رعایا ہی گورمنٹ ہی اور گورمنٹ ہی رعایا۔ مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہی کہ ہمارے بدنصیب ہندوستان کی رعایا اور گورمنٹ میں وہ گاڑھا اتحاد نہیں ہی اور اُس کے ہونے میں ابھی بہت دیر معلوم ہوتی ہی جس کا ہونا رعایا اور

---

[1] پیرو ۱۲ [2] روشن ضمیر ۱۲ [3] حفاظت ـ حمایت ۱۲

گورمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ ضروری ہے۔ برٹش گورمنٹ کو ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے قرن ہو گئے۔ بھلا پھر کون سی چیز رعایا اور گورمنٹ میں اتحاد کے پیدا ہونے کی مانع ہے۔ کیا گورمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے؟ نہیں نہیں۔ ایسی منقاد اس قدر مطیع کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ[1] کا روکنا مشکل۔ اور ایک نہتے کانسٹبل کو انبوہ رعایا کا سنبھالنا آسان۔ پھر کس کا قصور ہے؟ رعایا کا۔ کیوں کہ اَن ایجوکٹیڈ (ناتعلیم یافتہ ہیں) ان بدبختوں کو گورمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ گورمنٹ کے پرنسپلز (اصول) سے آگہی نہیں۔ اَبًا عَنْ جَدٍّ[2] انہوں نے دیکھی ہیں۔ ڈسپاٹک (شخصی خود مختار) حکومتیں ان کے ذہنوں میں متوارث طور پر یہ بات مرتکز ہو رہی ہے کہ سلطنت اسی واسطے موضوع ہوئی ہے کہ حاکم وقت کی آسایش کے لیئے رعایا مصیبت اُٹھائے۔ رعایا کمائے۔ حاکم اُڑائے۔ رعایا اپنی انتڑیوں کو مسوسے تاکہ بادشاہ کے نوکروں کے چاکروں کے پیشکاروں کو تحفہ ہو۔ رعایا جاڑے میں سکڑے تاکہ شاہی اصطبل کے پرتل کے ٹٹو کشمیری شالوں کی گردنیاں اوڑھیں۔ پس اے ممبران ایجوکیشنل کانگرس میں آپ صاحبوں کو صمیم قلب سے مبارک باد دیتا ہوں وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ عَنِّي (جو شخص حاضر ہے میری طرف سے اس کو اور جو حاضر نہیں ہے یہ پیام پہونچا دے) کہ آپ صاحبوں نے زمانے کی رمز کو خوب سمجھا۔ کوئی شخص جس کو عقل سے ذرا سا بھی بہرہ ہے اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم ہی رعایا ہندوستان کو شائستہ اور مہذب بنائے گی۔ تعلیم ہی ان کو دولت کی کیمیا سکھائے گی۔ تعلیم ہی ان کی نظر میں برٹش گورمنٹ کی قدر بڑھائے گی۔ تعلیم ہی ان کو برٹش گورمنٹ کی برکتوں سے متمتع ہونے کی حرص دلائے گی۔ تعلیم ہی بدگمان رعایا اور ڈری ہوئی گورمنٹ کے دلوں میں صفائی کرائے گی اور جب وہ زمانہ آئے گا (خدا جانے ہم میں سے بھی کسی کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں) کہ رعایا اور گورمنٹ ایک جان دو قالب ہوں گی تو ہندوستان کو جنت نشان کہنا حکایت

---

[1] گلہ ۱۲ [2] متوارث ۱۲

نفس الامری ہوگا۔ نہ ایشیائی شاعروں کا سا مبالغہ۔ اُس وقت ہندوستان کی سلطنت پوری پوری سلطنت سلطنت ہوگی مستحکم کَاَنَّهَا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (رنگ کی ہوئی عمارت) بیرونی دشمنوں روس وغیرہ سے بے خطر اور اندرونی ڈسٹربنس (فسادات) مجامع ناروا و امثالہا سے فارغ۔

تعلیم یعنی ہندوستانیوں کی تعلیم ایک ایسا مضمون ہے جس پر سالہا سال سے غور کیا جارہا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ میں بھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تعلیم کے تعلق میں کوئی نئی انوکھی بات کہہ سکوں گا جو کسی کو نہ سوجھی ہو۔ یا جو کسی کی زبان یا کسی کے قلم سے نہ نکلی ہو۔ میں اسی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھوں گا کہ ان ہی مطالب کو نئے پیرایہ میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کرسکوں۔ میری مثال اس زمانے کے ایک شاعر کی سی ہے کہ بیچارہ کوئی نیا مضمون نہیں پاتا جس طرف ذہن کو دوڑاتا ہے دیکھتا ہے کہ وصل اور ہجر اور انتظار اور واسوخت اور سراپا اور بہار اور خزاں اور استخفافِ مذہب اور بزرگانِ دین کے ساتھ استہزاء وغیرہ وغیرہ کوئی خیال نہیں جس میں " اوور ہانیڈ اوور اگین" (بار بار) سیکڑوں ہزاروں نے طبع آزمائی نہیں کی۔ ناچار ہار کر تھک کر بندش پر قناعت کرتا ہے۔ وہ بھی ہر ایک کو نصیب نہیں۔ جس طرح ایک کسان ہل جوتنے میں اپنے مٹھے بیل کی کبھی دُم مروڑتا ہے کبھی اُس کو ٹٹکاری دیتا کبھی اُس کے گدگدی کرتا۔ اور کبھی سانٹا مارتا اور آر بھی چبھوتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو مسلمانوں کی ریفارم کے درپے ہیں۔ مسلمانوں کو کبھی اِن کے بزرگوں کی شان وشوکت اُن کی عظمت اُن کے فتوحات اُن کے ہر طرح کے کمالات یاد دلاتے کبھی مسلمانوں کی حالت موجودہ کی تباہی۔ اُن کی مفلسی اقوام معاصر کے مقابلے میں اُن کی بے وقعتی کا مرثیہ اُن کو سُناتے اور کبھی اُن کو کاہلی اور تعصب پر ملامت کرتے اِس غرض سے کہ مُسلمانوں کی غیرت کو تازیانہ ہو۔ میں بھی یہی کچھ کروں گا۔ اور اس کے سوائے کر بھی کیا سکتا ہوں۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ مسلمان فِيْ زَمَانِ عُرُوْجِهِمْ (اپنے عروج کے زمانے میں) کسی

قوم سے علوم میں پیچھے نہیں رہے۔ وہ تحصیل علم پر اس قدر حریص تھے کہ جہاں سے اور جس
ڈھب سے جو کچھ ہاتھ لگا لے اڑے جس طرح مسلمانوں کی ملک گیری حیرت انگیز ہے کہ ایک
ہی صدی میں تمام روئے زمین پر لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ (آج کون اور بھی ہمارے سوا سے ملک کا
مالک ہے) ڈنکا بجا پھرے۔ اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اُن کی علمی فتوحات محل استعجاب ہیں
شروع شروع میں بعض متعصبین نے انگریزی کی مثل "گیو دی ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ون
کک ہم آؤٹ" (کتے پر پہلے کچھ الزام لگاؤ۔ پھر اس کو لات مار کر باہر کرو) کے مطابق مسلمانوں
پر بہتان بندی کی تھی کہ انھوں نے اپنے مذہب کے ضعف کی پردہ داری کے لیے علوم کو معدوم
کرنا چاہا۔ مگر فیکٹس (واقعات) کس کے دبانے دبتے ہیں۔ آخر کار ہسٹری (تاریخ) پکار اُٹھی کہ جھوٹ!
اب تمام یورپ میں شاید ایک متنفس بھی اس سے انکار کرنے والا نہیں۔ کہ علم کی روشنی ان میں
ابتداءً مسلمانوں ہی نے پھیلائی۔ ایک منصف ذات اور محقق انگریز کا یہ مقولہ میں آج ایک مضمون
میں نظر پڑا تھا۔ کہ "مسلمانوں کی تعلیم میں کوشش کرنا حقیقت میں اُن کے بزرگوں کا دیا ہوا
قرضہ اتارنا ہے"۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ فلیٹرنگ لینگویج (الفاظ مدح) پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے
میں بھی شیخی میں آگیا تھا۔ مگر اُسی وقت یہ شعر یاد آگیا ؎

إِنَّ الْفَتَى مَنْ يَقُولُ هَا أَنَا ذَا   لَيْسَ الْفَتَى مَنْ يَقُولُ كَانَ أَبِي

(مرد وہ ہے جو کہے میری ذات میں یہ ہنر ہے۔ وہ مرد نہیں ہے جو باپ پر فخر کرے) پھر تو وہ کامپلیمنٹری
(توصیفی) الفاظ ہجو ملیح کی نشتر کی طرح چبھنے لگے۔ ہم اپنے علمائے متقدمین کو اُن کے زمانے
کے لحاظ سے اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن وقتوں میں علم کچھ ایسی بہت بکار آمد
چیز نہ تھی یونانی جو علم کے اعتبار سے سب میں سربرآوردہ تھے اُن کے سارے کمالات کا خلاصہ
تھا حکمت نظری وہ ذہنی احتمالات کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے پھرتے۔ پھرنے کو عقل انسانی کی
معراج جانتے تھے لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِکْمَۃُ (اگر اعتبارات نہ ہوں تو فلسفہ بے کار ہو جائے)
عملیات کی طرف ملتفت ہونا اُن کی چڑھتی اور یہی وجہ تھی کہ اکثر فلاسفہ اہل تجرد ہوتے تھے۔

کہ دنیاوی کوئی سی ضرورت بھی ایسے علم کے بدون اٹکی نہیں رہ سکتی - بااین ہمہ جو علما سے متقدمین اہل اسلام فارغ البالی کے زمانے میں یونانیوں کے علوم کے طالب ہوتے تو اس سے صاف ثابت ہی کہ اُنھوں نے علم کو طلب کیا لَا لِجَلْبِ مَنْفَعَةٍ بَلْ رَغْبَةً اِلَى نَفْسِ الْعِلْمِ (کوئی مفاد حاصل کرنے کے لیئے نہیں - بلکہ نفس علم کے لیئے) اللہ اللہ ان ہی کے اعقاب ہم ہیں فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (اُن کے بعد ایسے لوگ ہوتے) ع

بدنام کنندۂ نکونامے چند

کہ علم شرط زندگی قرار پاگیا ہی اور پھر اس سے گریز کرتے ہیں - ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میں اسی مطلب کو دوسری طرز پر کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں -

سلطنت کے معنی ہیں غلبہ جس کے ذرائع اب سے زیادہ دُور نہیں ڈیڑھ سو برس پہلے تک بہادری اور کا زوری میں منحصر تھے - قومیں آپس میں زور آزمائیاں کرتیں جس قوم کے لوگ پچھڑتے - پچھاڑنے والے اُن پر حکم رانی کرنے لگتے - پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عرب کا قریب قریب ویسا ہی حال تھا جیسا افغانستان کا - اُس جزیرے میں سینکڑوں قومیں رہتی تھیں - وحشی - خودسر - جنگ جو - زشت خو - جن کے کندھے حکومت کے جوئے سے بالکل آشنا نہ تھے - یہ لوگ ذری ذری سی بات پر ایک دوسرے سے بگڑ بیٹھتے - اور جب ایک دفعہ بگڑتے تو جانو کہ اُن کی نسلوں میں بنی آدم اور سانپ کی سی عداوت مستمرہ قائم ہوتی وہ سرزمین ہی کسی طرح سولزیشن (تہذیب) کے مناسب نہ تھی - ریگستان اور جھلسے ہوئے پہاڑوں کے سوائے کوسوں پانی کا نام نہیں - کھیتی کیا خاک ہو - ناچار پانی اور چارے کی تلاش میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرنی پڑتی تھی - وہ تو خدا نے کچھ اپنی قدرت سے اونٹ کو پیدا کر دیا تھا کہ وہ بحساب وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا) مستثنیٰ ہی - ورنہ آدمی کا تو کیا مقدور تھا کہ اُس سرزمین میں ٹھہر سکے اونٹ کیا تھا اہل عرب کے حق میں زنبیل عمرو تھا -

کھانا پینا۔ کپڑا۔ مکان۔ ایندھن۔ باربرداری۔ سواری غرض اُن کی اکثر ضرورتوں کی سربراہی اونٹ سے ہوتی تھی۔ اونٹ کی رسد ان کی ضرورتوں کو کافی نہ ہوتی تو وہ اُس کی تلافی کرتے شکار سے اور ہتّے پر چڑھ گیا تو کسی قافلے کی لوٹ مارتے۔ الغرض سرزمین کی حالت اور اُن کی اپنی عادت دونوں نے اہل عرب کو چست و چالاک جفاکش اور بے باک بنا دیا تھا جن صفتوں کا مجموعہ سپاہی کہلاتا ہے۔ یوں جزیرۂ عرب فِیْ حَدِّ ذَاتِهَا[۵۱] گویا جرّار۔ خوں خوار فوج کی چھاؤنی تھی۔ جیسے افغانستان اگر آپس میں خانہ جنگیاں اُن کو نہ مشغول کیئے رہیں تو اُن کے پڑوس سے پناہ مانگنی چاہیئے ؎

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
رکھے گا ورنہ عقل کے بخیے اُدھیڑ تو

مکینک (علم جرِّ ثقیل) کا یہ مسئلہ بچپن کا پڑھا ہوا ابھی تک میرے خیال میں ہے کہ جب برابر کے دو محرک مقابل کی سمتوں سے ایک جسم کو ہلانا چاہیں تو دونوں کا اثر ضائع۔ یہ قاعدہ کچھ اس طرح کا عام ہے کہ فزکس (جسمانیات) مثل (ذہنیات) مارل (اخلاق) پولیٹکل (نظم ممالک سیاست مدن) غیرہ سبھی جگہ چلتا ہے بِنَاءً عَلٰی ذٰلِكَ[۵۲] عرب کی ساری بہادری اور تمام فوجی قوت اکارت تھی۔ جو چاہے اُس کو بخت و اتفاق سمجھے مگر ہم تو ایسی سرزمین اور ایسی سوسائٹی میں پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کو آیت اللہ اور معجزہ اور خرق عادت ہی مانتے ہیں۔ آنریبل سید احمد خان نے جس رفارم کا بیڑا اٹھایا ہے بھلا وہ بھی اشاعت اسلام کے مقابلے میں کچھ رفارم ہے۔ مسلمان یومًا فیومًا مفلس اور ذلیل وخوار ہوتے چلے جاتے ہیں یہ بیچارے سید آلِ رسول دوسری قوموں کے نمونے دکھا دکھا کر مسلمانوں کو ہر چند سمجھاتے ہیں مگر مسلمان ہیں کہ پٹّھے پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتے جَلَّ شَانُهٗ وہ کیا دل تھا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھول دیا) جس نے عرب کے بگڑے دلوں کو رفارم نہیں بلکہ قلب ماہیت کا ارادہ کیا ہم اُن دقتوں اور مزاحمتوں کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے جو پیغمبر صاحب کو اس ارادے کی تکمیل میں پیش آتی تھیں

[۵۱] اپنی ذات میں ۱۲ [۵۲] بنا برین ۱۲

دستور کی بات ہی کہ کوئی کام کیسا ہی مشکل کیوں نہ ہو، ہو جانے کے بعد لوگوں کو آسان دکھائی دینے لگتا ہی ؎

کُلُّ مَا لَمْ یَکُنْ مِنَ الصَّعْبِ فِي الْأَنْفُسِ ؛ سَهْلٌ فِيهَا إِذَا هُوَ كَانَا

(جو چیز نہیں ہوئی لوگوں کو مشکل معلوم ہوتی ہی اور وہی چیز ہوئے پیچھے آسان دکھائی دینے لگتی ہی) ہرچند ان باتوں کے بیان کرنے میں مجھ کو مزہ ملتا ہی مگر میں اپنی لائن سے باہر ہوا جاتا ہوں ان حالات میں میرے مطلب کی اتنی ہی بات ہی کہ جب تک پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم) نے اس فوجی قوت کو جو عرب کے لوگوں میں تھی اور اعلےٰ درجے کی تھی مگر ضائع اور رائگاں حسنِ تدابیر سے بکار آمد نہیں بنا لیا اُن کو کامیابی نہیں ہوئی اُنھوں نے مذہبی تعلیم کے ذریعے سے پچھلی رنجشوں کو لوگوں کے دلوں سے نکالا۔ یک دلی اور اخوتِ اسلامی کا قائم ہونا تھا۔ کہ اہلِ عرب کی مجموعی شجاعت اور سپہگری کا نزلہ اطراف پر گرنا شروع ہوا۔ پس اگر اسلام کو طائر سے تشبیہ دیں تو اُس کا داہنا بازو مذہب تھا اور بایاں سپہگری۔ اسلام کی ابتدائی حالت ایک اُبال کی سی تھی جس نے دیگچی کی تہ تک کے پانی کو اُچھال ڈالا۔ یہ تو عروجِ اسلام کی حقیقت ہی اب رہا تنزّل لوگ اپنے اپنے پندار کے مطابق اُس کے گوناگوں اسباب قرار دیتے ہیں ؏

ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد

مجھ کو دوسرے خیالات سے اس وقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کو تنزّلِ اسلام میں دخل ہی میں اُس پر چند ریمارکس کروں گا۔ تنزّلِ اسلام سے مراد ہی ضعفِ سلطنت۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ ترقیِ اسلام ہی اُس کے تنزل کا باعث ہوئی۔ اور قوت کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا گیا۔ دنیا کے کارخانے کا بھی عجیب انتظام ہی اضداد میں علاقۂ علیت و معلولیت ؎

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہی　　زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہی

عروسِ سلطنت آئی تو آسایش آرام طلبی کاہلی عیش و عشرت سستی اور غفلت اپنی سہیلیوں کو ساتھ لائی۔ رفتہ رفتہ سلطنت کی صلاحیت سلب اور اُس کے ساتھ سلطنت منتزع ہو گئی۔ اگرچہ

ابھی تک چند اسلامی سلطنتیں باقی ہیں مگر نامنتظم ضعیف۔ محتاج۔ مغلوب۔ اور جو لوگ زمانے کی آلاپ سے اُس کے راگ کو پہچانتے ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ ان سلطنتوں کا ثبات و قیام اب صدیوں اور قرنوں کی نہیں بلکہ برسوں کی بات ہے ؏

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

اہل یورپ کے باہمی محاسدات دفع ہوئے اور یہ نقش باطل کی طرح صفحہ روزگار سے مٹے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جو اسباب عموماً اسلامی سلطنتوں کے انتزاع کے باعث ہوئے وہ سب کے سب تو ان سلطنتوں میں تھے ہی تھے اب گزشتہ صدی کے اندر ہی اندر مجموعہ اسباب کا جد امجد ایک سبب جدید اور پیدا ہوا سائنس (علوم) دیکھیے یہ موذی اہل اسلام کو روئے زمین پر رہنے بھی دیتا ہے یا نہیں۔ سائنس نے ایسا سر اُٹھا رکھا ہے کہ زور جسمانی اور بہادری اور دلاوری کسی کی حقیقت باقی نہ رہی۔ ورزش یا قسما قسم کشتی داؤ پیچ پھکیتی بنوٹ پٹا بانک سپہگری کے جتنے کرتب تھے اب تعزیہ داری کے جلوس کے سوائے اور بھی کسی مصرف کے ہیں؟ کیا زمانے کے انقلاب ہیں وہ ایک وقت وہ تھے کہ یہی کرتب سلطنتوں کے فیصلے (سائیڈ آفینسے) کرتے تھے۔ اب وہی کرتب بازیچہ بازاریاں ہیں۔ دگر ہیچ۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اہل یورپ کے مقابلے میں بہادری کے معنی ہیں خودکشی۔ ہر روز آلات حرب میں ایسی ایسی ایجادیں ہوتی چلی جاتی ہیں کہ اہل یوروپ ہی ایک دوسرے کی مقاومت کریں تو کریں ورنہ دوسری قوموں کا ایسے لایعنی توقعات کو دل میں جگہ دینا ؏

ایں خیال است و محال است و جنوں

اہل یوروپ کی ملکی فتوحات تو سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور ہم کو سارے اہل یوروپ سے کیا غرض کیا مطلب انگریزوں ہی کی فتوحات کو دیکھو ہمیں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے مجھ کو یاد ہیں باعتبار اوسط بیس برس بھی ایسے نہیں گزرے جن میں کوئی نہ کوئی نیا ملک سلطنت انگریزی

---

(۱) ہم لوگ اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں ۱۲

میں شامل نہ ہوا ہو۔ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو ہر طرف سے لیتے چلے جاتے ہیں) ہر چند یہ فتوحات بھی بجائے خود معظمات الامور ہیں۔ مگر ان سے معظم تر انگریزوں کی سائنٹیفک (علمی) فتوحات ہیں۔ ملکی فتوحات کے ذریعے سے انگریز ہم کو اسی قدر مطیع کر سکتے تھے۔ اس سے ایک انچ بھی زیادہ نہیں کہ لٹھو عاگوڑھا[1] ہم اُن کو خراج دیں۔ لیکن سائنٹفک فتوحات کے ذریعے سے اُنھوں نے یہاں تک ہم کو اپنے بس میں کر لیا۔ کہ وہ کپڑا بنیں تو ہم پہنیں۔ وہ ریل چلائیں تو ہم کانگرس میں آئیں۔ وہ تار دیں تو ہم کو خبریں ملیں۔ وہ گھڑی کے کیل پرزے ڈھالیں تو ہم کو وقت کی پہچان ہو۔ وہ دیا سلائی بنائیں تو ہم چراغ جلائیں۔ یا بعض چرٹ یا سگرٹ سلگائیں۔ اُن کے ہاں سے سوئی آئے تو ہماری پوشاک سی جائے میں کہاں تک گھڑ اگنوایا کروں گا جس نے انگریزی وضع اختیار کر لی ہو تو وہ بھلا خیر او بدا کر انگریزی ساز و سامان رکھے ہی گا۔ جن کو انگریزی وضع کی چڑ ہو۔ اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں۔ وہی ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ نماز کے بوریئے اور وضو کے بدھنے اور تانبے کے پرانے باسنوں کے سوا نے اور بھی کوئی چیز ان کے گھروں میں ہو۔ جس کو انگریز کا دست صنعت نہیں لگا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ گر کھاؤں گلگلوں سے پرہیز یہ لوگ اپنے پندار میں انگریزوں سے پرہیز کرتے ہیں اور انگریز ہیں کہ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَمِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (آگے سے اور پیچھے سے۔ دائیں سے اور بائیں سے۔ اوپر سے اور تلے سے) ہر طرف سے اُن کو گھیرے ہوئے ہیں جاؤ تو بچ کر کہاں جاتے ہو اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (اگر تم کو قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو۔ تو چلے جاؤ۔ مگر بے قدرت تو نہیں جا سکو گے) یہ ہی سائنٹفک حکومت جس نے تمام رعایا کو جکڑ بند کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں اس طرح کی اضطراری حکومت انگریزوں سے پہلے اور کسی کو تو نصیب ہوئی نہیں۔ ہو گی بھی نہیں ۱۸۵۷ء کے غدر میں میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز نکلے سے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے سے

[1] چاروناچار ۱۲

دنوں کے لیئے سمندر بین ہورہیں۔ تاکہ باغیوں کو کافرِ نعمتی کا اچھی طرح مزہ مل جاوے۔ باوجودیکہ اُس وقت تک انگریزوں کا سائنٹفک تسلّط ایسا قوی نہ تھا جیسا اب ہو مگر جیسا او جس قدر تھا یہ اس خیال کو کافی تھا کہ جو آسایش ہم کو انگریزی عملداری میں میسّر ہو کسی دوسری قوم میں اس کے مہیّا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ پس یہی باغیان ناعاقبت اندیش پر خود غلط جو عملداری کے تزلزل سے خوش ہیں۔ چند روز میں عاجز آکر منت انگریزوں کو منا کر لاویں تو سہی۔ میں اپنی معلومات کے مطابق اُس وقت کے ہندوستانی والیانِ ملک پر نظر ڈالتا تھا او برہما اور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اس سرے سے اس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھا جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بنا ڈالتا امیدوارانِ سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اُس وقت موجود نہ تھا کہ میں اُس کے استحقاق پر نظر کرتا۔ پس میرا اُس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریزی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں سلطنت ان ہی کا حق ہو ان ہی پر بحال رہنی چاہیئے۔ دعویٰ مدعیان سعہ خرچہ دُمش[۵۱]۔ ہوں تو میں غریب آدمی کسی کا نوکر نہیں چاکر نہیں۔ مگر اپنے جھونپڑے میں پڑا ہوا اب بھی سلطنت کے فیصلے کیا کرتا ہوں۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک ایسا قاعدہ ٹھہرالیا ہو کہ شاید مدتوں تک مجھ کو تجویز کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑے گی۔ وہ قاعدہ یہ ہو کہ فی[۵۲] زمانِنا ھٰذا سلطنت کوئی حق مستقل بالذات نہیں۔ بلکہ سائنٹفک سوپیریاریٹی (علمی برتری) کا تابع اور اُس کی فرع ہو پس جو شخص سائنٹفک سوپیریاریٹی سے بے نصیب ہو اُس کا دعویٰ سماعت نہ کیا جانے ہماری تیرھویں صدی میں دنیا کی تمام حالتیں اس قدر متغیر ہوتیں کہ اگر اب سے سو برس پہلے کے مردے کا جلایا جانا ممکن ہوتا تو وہ دنیا کو دیکھ کر ضرور تعجب کرتا سب سے بڑا عظیم الشان تغیر جس پر تمام دوسرے تغیرات متفرع ہوئے علمی تغیر تھا۔ جب مسلمان ہندوستان پر حکمران ہوئے تو جیسا اقتضائے حکومت ہی رفتہ رفتہ ہندوؤں کے علوم نسیاً منسیاً ہو کر آخر کار مسلمانوں کے علوم

---

۵۱ خارج ۱۲ ۵۲ اس زمانے میں ۱۲

رواج پا گئے متعصب ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے مظالم کی بڑی لمبی فرد بنا رکھی ہی اُس میں یہ بات بھی ضرور ہو گی۔ لیکن میرے نزدیک اُن کو مسلمانوں کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ ای کاش جس طرح مسلمانوں کی عملداری میں ہندو اپنے علوم بھول گئے۔ انگریزی عملداری میں مسلمان اپنے علوم بھول گئے ہوتے۔ تو کیوں سیکڑوں ہزاروں مسلمان اس کانگریس میں حاضر ہونے کی سرگردانی اُٹھاتے۔ اب جو انگریزی سرکار دربار میں ہندو اس قدر پیش پیش ہیں کہ تمام سرکاری خدمتوں کے ٹھیکہ دار ہیں اور یوں بھی اس عملداری میں اُن کو ہر طرح کے بھاگ لگ رہے ہیں؂

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

یہ سب ترقی و خوش حالی اپنے قدیم علموں کے بُھلا دینے کی وجہ سے ہی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تخصیص نہیں روئے زمین کی تمام قوموں کے پُرانے علوم اسی قابل ہیں کہ اُن کو بھلا دیا جاتے کُل قوموں کے پُرانے علوم تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ کہ وہ اختلاف سرزمین وغیرہ کی وجہ سے ہونے ضرور تھے۔ باعتبار مآل کار قریب قریب ایک ہی طرح کے تھے اگر مائی نیوٹلی (شرح وبسط کے ساتھ) علموں کی تفصیل کرنی چاہو تو بڑی بھاری فہرست بن سکتی ہی مگر میرے دیکھنے میں تو پُرانے علم متداول دو ہی طرح کے تھے۔ زبان دانی اور معقولات۔ فن زباندانی ہر زمانے میں ہر سرزمین میں ہر دل عزیز رہا ہی۔ اَب بھی ہی اور آئندہ بھی رہے گا۔ لیکن ہر دلعزیز ہونا اور چیز ہی اور قوم اور ملک کے حق میں مفید ہونا اور چیز۔ بے شک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض اوقات شاعروں کو ایک ایک قصیدے پر لاکھ لاکھ روپیہ ملا ہی۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ اور اتفاقی۔ اِن گئے گزرے وقتوں میں بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دِلّی میں ایسے ایسے شاعر موجود تھے۔ کہ ہر شخص اپنی طرز کا اُستاد تھا۔ مگر بیچارے محتاج مفلس تنگی معاش کی وجہ سے پریشان۔ اور جتنے نامی اور مستند شعراء متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی ہو گزرے ہیں سبھی کے کلام سے تو ظاہر ہوتا ہی کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بددعا ہی کہ ہمیشہ تنگ دست رہیں ہمارے ملک میں کلب علی خاں ایک شاعر تھے اُن کے شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہی وہ فرماتے ہیں؂

لوگ کہتے ہیں کہ فنِ شعر گوئی نحس ہے | شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

خیر بد دعا تو کیا ہوگی مگر اس کا سبب یہ ہے کہ شاعری کی ایسی بُری چاٹ ہے کہ آدمی کو دنیا اور دین دونوں جہاں کے کاموں سے معطل کر دیتی ہے ناچار شاعروں کو امیروں کا بھاٹ بننا پڑتا ہے جو ایک طرح کی گداگری ہے غرض خود شاعروں کے ذاتی فائدے کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو شعر و سخن امیروں کے پیٹ بھرے کا شغل تھا اب نہ پہلے سے امیر رہے نہ اگلی سی ذانتیں۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کس توقع پر کوئی خونِ جگر کھائے نتیجہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے کسی طرف کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا۔ لکھنؤ والوں میں کسی قدر گُدگُدی ہے سو وہ بھی یوماً فیوماً گھٹتی چلی جا رہی ہے جوں جوں لوگوں پر یہ بات منکشف ہوتی چلی جاتی ہے کہ پُرانی تعلیم سے معاش میں مدد نہیں ملتی وہ آپ ہی اس سے دست کش ہوتے جاتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کو اور اُن لوگوں کو جو اُن کا سا خیال رکھتے ہیں صبر نہیں آتا۔ ورنہ [illegible] اور جہاں کا [illegible] ایسی بُری بلا ہے کہ اس کی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے مدتوں سررشتۂ[1] تعلیم میں نوکری کی اُن دنوں "کوالیٹی" (صفت) کو تو کوئی پوچھتا نہ تھا "کوانٹٹی" (مقدار) بڑی کارگزاری سمجھی جاتی تھی یعنی جہاں تک ممکن ہو رپورٹ میں مکتبوں اور طالب علموں کا شمار زیادہ دکھایا جائے وہ گورنمنٹ کی خوشی تھی بس کہ ہر سال مکتبوں اور طالب علموں کا شمار زیادہ ہوتا جاتا تھا گورنمنٹ جانتی تھی کہ لوگ پبلک انسٹرکشن کی قدر کرتے جاتے ہیں ایک مدت دراز تک گورنمنٹ کو یہی غلط خیال رہا یہاں تک کہ نوکری کے لیے مڈل کے امتحان کی قید لگا دی گئی۔ اُس وقت سے البتہ لوگ سرکاری تعلیم کی طرف راغب ہوتے۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ اس تعلیم کو پسند کرتے ہیں بلکہ صرف نوکری کی طمع سے۔ تو میں نے راغب ہونے غلط کہا مجھکو کہنا چاہیے تھا کہ مجبور ہوتے [illegible] یہی تماشہ وکالت اور مختاری کے امتحانوں میں دیکھا۔ اِن باتوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگ معاش کی طرف سے مضطر ہیں۔ جدھر توقع پاتے ہیں بے تامل دوڑے چلے جاتے ہیں۔ یہ تعصب یا غلط فہمی

[1] سررشتۂ تعلیم ۱۲

یا اور کوئی خیال جس نے شروع شروع میں مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے باز رکھا ہو میرے نزدیک جہاں تک مجھکو معلوم ہو اب اُن موانع میں سے کوئی مانع باقی نہیں اب مسلمان سمجھ گئے۔ بٹر لیٹ ڈین نوز (بدیر ہو تو اس سے بہتر ہی کہ کبھی نہ ہو) کہ پچھلے ڈھرّے پر چلنے سے ان کی دنیاوی کاربرآری نہیں ہو سکتی۔ اب سرکاری مدرسوں میں ان کا شمار بہت بڑھ گیا ہی اور اُس حیثیت سے جو مسلمانوں کا خاصہ مذہبی ہی میں تو یقین کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے جب تک نہیں کیا تھا نہیں کیا تھا۔ لیکن اب کرنے پر آئے ہیں تو ایسا کریں گے جو کرنے کا حق ہی۔ خدا ان کو توفیق دے کہ ایسا ہی کریں۔ میں پُرانے علوم کے سلسلے میں یہ بات بیان کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کسی طرف کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا۔ یعنی ہمارے لٹریچر (علم ادب یا انشاپردازی) کی ترقی مسدود ہو گئی آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میں لٹریچر کا نوحہ پڑھ رہا ہوں۔ نہیں نہیں۔ میں تو اس خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو مسلمانوں کی ترقی کا سدِّ راہ جانتا ہوں اور علوم قدیمہ میں سے بھی خاص کر لٹریچر کا سخت مخالف ہوں مسلمانوں میں ایزاسے نیشن (بحیثیتِ قومی) جتنی خرابیاں ہیں کُل تو نہیں اکثر اسی لٹریچر نے پیدا کی ہیں یہ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا۔ یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصلی خوبی کو دباتا اور مٹاتا۔ یہ لٹریچر متوہمات اور مفروضات بے اصل کو فیکٹس (واقعات) بناتا۔ یہ لٹریچر نالائق ولولوں کو شورش دلاتا۔ اگر کسی نے اس زہر کو چکھا ہی تو میں نے پیا ہی اور اگر کسی نے اس سانپ کو کھلایا ہی تو میں نے اپنے تئیں اس سے کٹوایا ہی۔ اگرچہ بڑی عمر میں میں نے بوڑھے طوطے کی طرح آپ ہی آپ تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھ لی تھی۔ لیکن میری طبیعت میں ایشیائی تعلیم کا رنگ رچ چکا تھا۔ انگریزی پڑھنے سے اتنا تو ہوا کہ مجھکو اپنے یہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے مگر مذاق وہی کا وہی رہا۔ اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سُن پاتا ہوں چاہے اُس میں کتنا ہی مبالغہ خلاف قیاس کیوں نہ ہو بے اختیار پھڑک اُٹھتا ہوں۔ یہ ساری خرابی کم بخت فارسی کی پھیلائی ہوئی ہی۔ خیالات اور مضامین کے اعتبار سے تمام دُنیا کے لٹریچروں میں اس زبان کے لٹریچر سے

بدتر اور کوئی لٹریچر نہیں اس نے قومی مذاقوں کو ایسا بگاڑا اور اس قدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات میں مزہ نہیں ملتا۔ اور چوں کہ طبیعتوں سے مناسبت سلب ہو گئی ہی سرکاری تعلیم مسلمانوں کو غذائے نامرغوب کی طرح پچتی نہیں۔ شاید سو طالب علموں میں ایک بھی ایسا نہیں نکلے گا جو تاریخ اور جغرافیے اور طبیعات پر دل لگاتا ہو ایک ڈائرکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائے اور یہی وجہ ہی کہ اکثر مسلمان طالب علم ریاضی میں فیل (ناکامیاب) ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیم کی اصلاح میں مجھکو سب سے زیادہ خدشہ اسی کا ہی کہ اُن کی طبیعتیں کہیں مدتوں میں جاکر تعلیم جدید سے مناسبت پیدا کریں گی۔ لٹریچر جس کی نسبت میں نے چند ریمارکس[1] کیئے۔ مسلمانوں کی تعلیم مروجہ کا جزو اعظم ہی بَعْضُ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ (اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں) جن کو سر پر دستارِ فضیلت کے لادنے کا شوق ہوتا ہی۔ زبان کے علاوہ کچھ علوم بھی پڑھتے ہیں جن کا خلاصہ ہی معقولات۔ سو ہمارے یہاں کا معقول الیسی نامعقول چیز ہو کہ اس کے پڑھنے سے انسان مخبوط العقل ہو جاتا ہی میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک حد تک معقول کا پڑھنا مفید اور بکار آمد[2] ہی اس سے فکر غائر اور ذہن تیز ہوتا مطلب کے تمام کُل اور ما عَلیہا اور اطراف و جوانب پر نظر احاطہ کرنے لگتی۔ مگر اس میں توغل کرنا انسان کو منطقی جھگڑالو۔ اور کٹ حجتی بناتا اور تحقیق حق سے باز رکھتا ہی۔ لٹریچر کی تو خیر ترقی ہی مسدود ہوئی ہی معقولات کو میں دیکھتا ہوں عَلیٰ شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ (معدوم ہونے کے قریب) بڑے بڑے چھاپے خانے والے جن کو اپنا بھاڑ جھونکنے کے لئے خشک و تر سبھی طرح کے ایندھن کی تلاش رہتی ہی اب تو وہ بھی معقولات کی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگاتے کیونکہ اُن کی نکاسی نہیں پاتے غرض کسی کے سکھانے اور نہ کسی کے بتانے سے نہ کسی کے ڈرانے دھمکانے سے بلکہ دیکھنے اور آزمانے سے مسلمانوں پر خود بخود پُرانی تعلیم کا بھنڈا کھل گیا اور انگریزی پڑہیں یا نہ پڑہیں۔ مگر پُرانی تعلیم کو تو خیر باد کہہ چکے۔ غدر کے بعد سے ہم تو برابر یہی دیکھتے چلے آتے ہیں کہ جب کسی فن کا کوئی صاحبِ کمال مرا وہ فن بھی اُسی کے ساتھ رخصت ہوا۔ اب سے زیادہ نہیں بیس برس

[1] کیفیت ۱۲ ✣ [2] مفید و معتبر ۱۲ ✣

پہلے کس کو توقع تھی کہ تعلیم کے متعلق مسلمانوں کے خیالات اس قدر جلد رو براہ ہو جائیں گے جب سر سیّد احمد خاں نے ابتدائً مسلمانوں کے رفارم کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ باستثنائے معدودے چند جن کو سر سیّد احمد خاں کے ساتھ زیادہ اختلاط تھا اور وہ ایماناً اور صداقتہً اُن کے ارادوں کو مسلمانوں کی سچی خیر خواہی کے سوائے دوسرے موثوز (اغراض) کی طرف منسوب کر نہیں سکتے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمان گنفسٍ وَاحِدَۃٍ[1] ان کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور جو نہ کہنا تھا سو کہا اور جو نہ کرنا تھا سو کیا۔ اُن دنوں مسلمانوں کی عام شورش دیکھ کر یہ خیال تو کئی بار میرے دل میں بھی آیا تھا کہ جب مسلمان رفارم کے اس قدر مخالف ہیں تو بہتر ہو گا کہ اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ زمانہ اُن کی اصلاح کرے کَانَ اَلدَّھْرَ اَحْسَنُ الْمُؤدِّبِیْنَ (یعنی زمانہ سب سے اچھا سکھلانے والا ہے) لیکن غور کرنے سے مجھ کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا اور میں نے سوچا کہ زمانہ یا دہر یا وقت ہے کیا چیز نہ تو وہ کوئی موجود منفرد اور مستقل بالذات ہے اور نہ اُس میں تصرّف کی قدرت ہے۔ جو کچھ ہو گا اور جب کبھی ہو گا ہمارے ہی کرنے سے ہو گا۔ چنانچہ سر سیّد احمد خاں اپنی دُھن میں اپنا کام کیے چلے گئے۔ اوّل تو ہمارے یہاں رفارمر ہی ایسے کون سے کوڑیوں ہو گزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ سر سیّد احمد خاں کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جہاں تک مجھ کو رفارمروں کا حال معلوم ہے یہیں کے نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے بھی۔ میں تو سر سیّد احمد خاں کو بڑا خوش نصیب اور کامیاب رفارمر سمجھتا ہوں۔ اُنھوں نے ایسی جگہ ایک بیج بویا جہاں کی سرزمین اور آب و ہوا کسی طرح اس بیج کو سازگار نہ تھی۔ اُن کی آبیاری سے وہ بیج جما اور اُس کو نشو و نما ہوا اور ان شاء اللہ وقت پر پھولے اور پھلے گا بھی کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ (جیسے کھیتی کہ کونپل نکلی۔ پھر اُس میں جان پڑی پھر موٹی پھر کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر خوش ہونے) اور یہ سب کچھ انہی کی زندگی میں عمل گزشتہ میں اس بات کا ثبوت مری موجود ہے محمڈن کالج کہ ایک متنفس کرنے پر آئے تو کیا کچھ کر سکتا ہے

[1] مثل تن واحد ۱۲

اب ہم کو اور ہم ہی کو نہیں - جو اس ہال میں جمع ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ سر سید احمد میں کاہے کی خصوصیت ہے - کیا ان کی لال ٹوپی میں پھندنے کی جگہ سرخاب کا پر لگا ہے؟ نہیں - کیا یہ بڑے عالم متبحر ہیں؟ نہیں - کیا یہ بڑے مال دار ہیں؟ نہیں - کیا ان کو گورمنٹ کی طرف سے کوئی اقتدار خاص عطا ہوا ہے؟ نہیں - پھر ان کے پاس وہ کیا اثر کا ہے جس سے مسلمانان ہند کی کایا پلٹ دی اور ان کی ہسٹری[1] میں ایک نیا ایرا (واقعہ عظیم جس سے برسوں کا شمار کیا جائے جیسے مسلمانوں میں ہجرت) شروع کرا دیا - وہ اُن کا ہے دل جو ان کے سینے میں لٹکا ہوا ہے - کسی کے پاس ایسا دل ہو تو وہ بھی علی گڑھ کے محمڈن کالج کا سا شعبدہ کر سکتا ہے ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید		دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ابھی قوم کو ایسے بہت سے دلوں کی ضرورت ہے مقلب القلوب[2] توفیق عطا کرے - اگرچہ محمڈن علی گڑھ کالج فی حد ذاتہ بڑے فخر و نمود کی چیز ہے اور ابداً[3] مؤبداً فخر و نمود کی چیز رہے گا - اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ تعلق وہ قومی تعلق جو سر سید احمد خاں کو اس کالج کے ساتھ ہے کم سے کم بیس پچیس برس سید احمد خاں کو اگر مرنا چاہیں بھی تو نہیں مرنے دیگا - مگر میری نظر میں علی گڑھ محمڈن کالج سے کئی درجہ زیادہ سر سید احمد خاں کے لئے فخر و نمود کی چیز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ڈوبتا ہوا دیکھ کر غل مچایا اور اُن کو ورطۂ ہلاکت سے نکلنے کا راستہ بتایا بارے شکر ہے کہ مسلمان بھی سمجھے مگر سمجھے ؎

لائے اُس بت کو التجا کر کے		کفر توڑا خدا خدا کر کے

اب مسلمانوں کو انگریزی سے نہ اگلی سی وحشت ہے نہ پہلا سا گریز ہے - الغرض جو کچھ ہوا اور جتنا کچھ ہوا بہت ہوا - اُمید سے زیادہ - توقع سے بڑھ کر - مگر ہائے اب بھی مسلمانوں کے درد کی دوا نہیں - اس وقت تک جتنی انگریزی پڑھی پڑھائی جاتی ہے اُس کی غرض و غایت ہے سرکاری نوکری - انگریزی پڑھنے پر بھی مسلمانوں کو سرکاری نوکری میں سے جو حصہ ملنے والا ہے وہ ایسا ہی

[1] تاریخ ۱۲ [2] دلوں کو پھیر دینے والا ۱۲ [3] ہمیشہ ہمیشہ ۱۲

جیسے اونٹ کے مونہہ میں زیرہ - اوّل تو وہ نوکریاں ہی کتنی ہیں - ایک انار اور پھر اُس کے دعوے دار صد بیمار - کہ نہ ذات کی قید نہ پیشے کا لحاظ نہ مذہب کی خصوصیت نہ ضرورت پر نظر - ایک عالم ہی کہ نوکری کے خبط میں گرفتار ہی - انگریزوں کے سارے انتظام اچھے ہیں مگر وَضعُ الشَّیءِ فِی غَیرِ مَحَلِّہٖ (بے جگہ چیز کو رکھنا) رَوُنڈ بال اِن اے اسکوئر ہول (جو کورسواخ میں مدوّر گولی) اُنھوں نے اپنے ملک پر قیاس کرکے نوکری کو عام کر دیا - اور یہ نہ سمجھا کہ یہاں نوکری ایک پیشہ ہی اور پیشہ داخلِ ذات - پس نوکری کا عام کرنا گویا ذات کے امتیاز کو مٹانا اور سوسائٹی کے قدیم کانسٹیٹیوشن (بناوٹ) کو بگاڑنا ہے - جو اعتراض نوکری کی تعمیم پر ہے وہی مَعَ شَیءٍ زَائِدٍ تعلیم کی تعمیم پر ہی کنجڑے - بھٹیارے - نائی - قصائی - دھوبی - گھسیارے - درزی - خانساماں - خدمت گار بلکہ بھنگی تک پڑھنے پر اُتر پڑے - لکھ پڑھ جانے سے کمینوں کی تو سوسائٹی میں کچھ بھی عزت نہ بڑھی - مگر اِن نااہلوں نے علم کو ذلیل کر دیا ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

میرے والد مرحوم مجھے بچپن میں سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا علم تمغائے شرافت ہی - اُن کے یہ الفاظ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں - اب اُسی تمغائے شرافت کو دیکھتا ہوں چینی کے بٹنوں سے زیادہ بے قدر جس قلی مزدور نے چاہا ایک پیسے کے درجن بھر خریدے - اور کوٹ میں ٹانک پھرا - مِن جملہ چند در چند قباحتوں کے جو تعمیم تعلیم سے پیدا ہوئیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں بڑی قباحت یہ ہی کہ پیشۂ نوکری ہندوستان میں ہمیشہ سے رہا ہی معزز - جو شخص ذرا سی بھی شُد بُد کر لیتا ہی - نوکری کے سوائے دوسری شے کو ہاتھ نہیں لگانا چاہتا - نتیجہ یہ ہی کہ دوسرے پیشوں میں پیشہ وروں کی تعداد برابر گھٹتی چلی جاتی ہی - اور جتنے لوگ دوسرے پیشوں کو چھوڑتے جاتے ہیں وہ سب نوکری میں ہی گھستے جاتے ہیں - پس اگر مسلمانوں نے سرکاری نوکری کی لالچ میں آکر انگریزی پڑھنی شروع کی ہی اور مجھے خوب معلوم ہی کہ جنھوں نے پڑھی اسی غرض سے پڑھی - اور جو پڑھ رہے ہیں اسی غرض سے پڑھ رہے ہیں - اگرچہ کہتے

ہوتے میرا جی کڑھتا ہے مگر بے بس رہا۔ ابھی نہیں جانتا کہ امتحان میں اگر فیل (ناکامیاب) نہ ہوں تو اس موقع پر اکثر ضرور فیل ہوں گے اس واسطے کہ اسٹور (گودام) کچھا کچھ بھرا پڑا ہے اور ڈیمانڈ (مانگ) سپلائی (رسد) کے مقابلے میں گویا کہ نہیں۔ اگرچہ خطرہ ناکامی سبھی کے لیے ہے۔ مگر دیکھنے میں دو آنے ہندو تو چودہ آنے مسلمان۔ کیوں کہ مسلمانوں نے انگریزی کے شروع کرنے میں اس قدر دیر کی کہ ہندو چھوٹی بڑی تمام سرکاری خدمتوں پر قابض ہو چکے تھے۔ علاوہ بریں گورنمنٹ سروس کا بڑا حصہ سب سروس (ادنیٰ درجہ کی نوکری) جس میں تھوڑا بہت ابتذال چار و ناچار انگیز کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم مسلمانوں کا حال جلی ہوئی رسی کا سا ہے کہ راکھ ہو گئی مگر بل نہیں گئے۔ سخت بات کی سہار نہیں سخن شاید قومی شعار نہیں ؎

ہم خستہ جاں ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر		تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں دم نکل گیا

غرض جس طرح پر تعلیم اب ہو رہی ہے اس کا لازمی نتیجہ ہو بیدلی جس کو اُمّ الفاسد (تمام خرابیوں کی ماں) سمجھنا چاہیے۔ بار بار سید علیہ الرحمۃ کا نام لیتے ہوئے میری طبیعت مضائقہ کرتی ہے کہ مبادا کوئی کریم النفس خیال کرے کہ جس طرح لکھنؤ کے مرثیہ خواں بنائے ہوئے بسورنے والوں کو مجلسوں میں ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ کہیں اسی طرح تو سید احمد خاں مجھ کو تو اپنے ساتھ نہیں لاتے۔ لیکن اگر خدا کسی کے دماغ میں ایسی برکت دے کہ ہر مفید چیز کی طرف سب سے پہلے اسی کا ذہن منتقل ہوا کرے تو کیا خدا کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے ؎

حکمتِ محض است اگر لطفِ جہاں آفرین		خاص کند بندہ مصلحت عام را

جس طرح مسلمانوں کے ریفارم کا مضمون سب سے پہلے سر سید احمد خاں کو سوجھا اسی طرح ایجوکیشنل کانگرس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی۔ اگر اس میں کامیابی ہوئی اور امید ہے کہ ہو گی۔ اور ضرور ہو گی تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اقبال کی صبح کے طلوع کا وقت قریب آ لگا کیوں کہ تعلیم ہی ایک چیز ہے جو دنیا اور دین دونوں کی درستی کی متکفل ہو سکتی ہے۔

؎ ضامن ۱۲

اگر تعلیم کو ہم ایک مقدمہ فرض کریں تو اس کی روداد ایسی صاف اور سلیس ہے کہ جو فیصلہ اس پر صادر کیا جائے مختلف فیہ ہو نہیں سکتا۔ ہم کو چاہیئے کہ پہلے اہل یورپ کے ساتھ اپنی حالت کا موازنہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو سامان مبداً فیاض نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی آسایش کے لیئے مہیا کیئے ہیں۔ ہم کو اُن میں سے لائنز شیئر (شیر کا حصّہ) ملا ہے۔ ہماری جیسی سرزمین۔ ہماری جیسی آب وہوا۔ ہمارے جیسے موسم۔ ہماری جیسی پیداوار۔ غلّے۔ میوے درخت۔ پھول۔ پھل۔ ہمارے جیسے حیوانات۔ ہمارے جیسے معاون کوئی چیز بھی تو اہلِ یورپ کو نصیب نہیں۔ اس رو سے چاہیئے تھا کہ ہم خوش حال ہوتے۔ اور اہل یورپ تنگ دست۔ ہم محتاج الیہ ہوں اور اہل یورپ محتاج۔ لیکن معاملہ منعکس ہے۔ سلطنت کو بھاڑ میں ڈالو۔ اور اس کم بخت کا نام نہ لو۔ یوں دیکھو کہ ہندوستان اور یورپ میں باہمی لین دین کا کیا رنگ ہے۔ وہ رنگ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہے نہ زندہ نہ مردہ بلکہ سسکتا ہوا نیم جان ضعیف و ناتوان۔ اس بیچارے کو اس کثرت سے جونکیں۔ لپٹی ہوئی اُس کا خون پی رہی ہیں کہ کوئی مسامِ[1] جونک کے منھ سے خالی نہیں اور جونکیں بھی کاغذی نہیں بلکہ بڑی قسم کی جو بھینسا جونک کہلاتی ہیں۔ آپ سمجھے کہ میری اس تمثیل سے میری کیا مراد ہے؟ وہ نیم جان آدمی ہندوستان ہے۔ خون ملکی دولت۔ اور جونکیں اہلِ یورپ۔ یہ سمجھنا ایک نادان بلکہ بے ایمان آدمی کا کام ہے۔ کہ انگریز بزورِ حکومت ہماری دولت گھسیٹے لیئے چلے جاتے ہیں۔ ذرا ٹریڈ اور کامرس (تجارت) اور امپورٹ اور اکسپورٹ (مال کی درآمد برآمد) کی رپورٹیں پڑھو۔ اور فنانشیل سکرٹیٹ سے سالانہ بجٹ (تخمینہ جمع وخرچ) کے نقشے لے کر دیکھو۔ مگر خبردار نقشے مانگنے جاؤ تو اتنی بات ضرور جتا دینا کہ ہم نیشنل کانگرس والے نہیں ہیں تو معلوم ہو کہ سلطنت کی راہ دولت رِس رہی ہے تو ٹریڈ یا تجارت کی طرف بند ٹوٹا ہوا ہے۔ ہماری اور اہلِ یورپ کی تجارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم خریدنے والے ہیں اور اہلِ یورپ بیچنے والے۔ بے شک ہندوستان سے بہت سا مال یورپ کو

[1] جن باریک سوراخوں کے ذریعہ ہوا جسم کے اندر پہونچتی ہے۔ یہ سوراخ بادی النظر میں معلوم نہیں ہوتے ۱۲

یہ دیکھنی ہی کہ انگریزوں میں یہ ہنرمندی یہ صناعی یہ قوتِ ایجاد آئی تو کہاں سے آئی اور کیوں کر آئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں کے سارے کمالات اس ایک صفت پر متفرع ہیں کہ سب کے سب بڑی سرگرمی کے ساتھ واقعاتِ نفس الامری کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں یعنی ان کی طبائع میں قُوَّۃُ اِسْتِقْرَاءٍ بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی سَائِرِالنَّاسِ (جزئیات سے کلیہ قاعدہ بنا لینے کی قوت بہ نسبت اوروں کے) غالب ہی اور ہو نہ ہو لوکل سرکمسٹانسز یعنی مقامی حالات نے ان کے سنس (حواس) کو تیز کیا ہوگا نسیسٹی از دی مدر آف اِنوِنشن (ضرورت ما در ایجاد ہی) ان کی سرزمین ضروریاتِ زندگانی کے مہیا کرنے کے قابل نہ پہلے تھی اور نہ جیسی چاہیے اب ہی آیندہ کسی تدبیر سے ضروریاتِ زندگانی کیسی اگر خود شجرۃ الحیات (درختِ زندگی) ہی اس سرزمین میں پیدا ہونے لگے تو عجب نہیں۔ کارخانۂ دنیا کا انتظام اسی قاعدے پر مبنی ہی کہ مخلوقات میں جس قدر جس کی ضرورتیں اُسی قدر ڈل (کاہل) اور ضعیف العقل اگر انسان گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھر لیا کرتا اور گرمی سردی برسات سے متاذّی[1] نہ ہوتا تو ایک گدھے جتنی عقل اس کو کفایت کرتی اور اتنی ہی اس کو ملتی بھی۔ مگر نیچر (فطرت) نے ایک طرف انسان کو ساز و سامان زندگی کے عطا کرنے میں مضایقہ کیا تو دوسری طرف عقل سے اس کی تلافی کر دی۔ اگر یہ استدلال صحیح ہی تو ایشیاٹک[2] قومیں خلقۃً اہلِ یورپ کے مقابلے میں کاہل اور کم عقل ہیں۔ میں شاید اپنے بیان کے قصور کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر[3] اچھی طرح آپ صاحبوں کے ذہن نشین نہیں کر سکا۔ ٹو بی۔ مور پلین (زیادہ وضاحت کے ساتھ) میرا مطلب یہ ہی کہ اگر آپ لوگوں کو ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے قوم کی حالت درست ہو ایسی کہ اہلِ یوروپ کی ہوئی تو یہ مشکل آپ کی نصب العین (آنکھ کے سامنے) رہنی چاہیے کہ میری سمجھ کے مطابق قوم کی طبیعت میں اُس کا تقاضا مطلقاً نہیں یا اگر ہی تو اس قدر ضعیف ہی کہ اس کو قوی کرنا ویسا ہی دشوار ہی جیسا کہ نئے تقاضے کا طبیعت میں پیدا کرنا تعلیم مروجہ سے چاہیے دوسر کاری

---

[1] اذیت پانے والا ۱۲ [2] ایشیائی ۱۲ [3] دلی تمہید ۱۲

کالجوں کی ہو یا علی گڈھ محمڈن کالج کی مجکو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اس مشکل کو اس دقت کی نظر
سے نہیں دیکھا گیا ہی جس کی وہ مستحق ہی علی گڈھ محمڈن کالج کو سرکاری کالجوں پر کچھ مزیت ہی تو
بورڈروں[1] کا بڑا اہتمام ہی مسلمانوں کے تالیف قلوب کی بھی کچھ رعایت کی گئی ہو مگر ان باتوں کو نفس
تعلیم میں جس پر میں بحث کر رہا ہوں کچھ مدخل نہیں۔ جہاں تک مجکو علم ہی علی گڈھ محمڈن کالج کی
جماعتوں کا سٹینڈرڈ اور سرکاری کالج کی سٹینڈرڈ نہ صرف یکساں بلکہ متحد ہی غرض تعلیم مروجہ تمام
برٹش انڈیا میں قریب قریب ایک ہی طرز کی ہی اس طرز پر جتنے لوگوں نے آج تک تعلیم پائی ہی
اُن کا مجموعی شمار بھی کچھ ایسا کم نہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ملک کی حالت پر خود تعلیم یافتہ لوگوں کے مائینڈز
(دلوں) پر اِس تعلیم کا کیا اثر مفید مترتب ہوا ایک کا جواب ہی کہ کچھ نہیں، دوسرے کا بھی کچھ نہیں،
برٹش انڈیا ماشاء اللہ اتنا بڑا وسیع اور آباد ملک اور مدتوں سے تعلیم جاری ہی لیکن کوئی صاحب
مہربانی فرما کر بتائیں کہ شروع سے لے کر آج تک کسی پاس شدہ سٹوڈنٹ نے اِس قسم کی کوئی
کل نکالی؟ کسی چیز کی کوئی کان دریافت کی؟ فلاحت کے پرانے دقیانوسی دستوروں میں کسی
دستور کو بدلا؟ حیوانات میں سے کسی حیوان کی نسل کو درست کیا؟ اپنے بھائی بندوں میں
ڈومیسٹک اکانومی (خانہ داری) میں کفایت شعاری پھیلائی؟ لوگوں سے سینیٹری (رولز حفظان
صحت کے قاعدے) کی تعمیل کرائی؟ تجربہ و استقرار کر کے موالید ثلثہ میں سے کسی ایک چیز کا کوئی
نیا خاصہ تحقیق کیا؟ کوئی سی دو چیزوں میں علاقۂ علت و معلولیت ثابت کر دکھایا؟ یہ نہ سہی اپنی
ایجوکیشن (تعلیم) سے کسی اور طور پر پبلک کو نفع پہونچایا ہو تو بتاؤ ازبراے خدا بتاؤ کہ ذرا میرا بھی جی
خوش ہو جاے۔ پبلک کو نفع پہونچانا تو درکنار ابھی سے لوگوں نے جھینکنا شروع کر دیا ہی اور ابھی
جھینکیں گے کہ تعلیم مروجہ سے خود پڑھنے والوں کی کاربرآری نہیں ہوتی اور واقع میں پڑھے
لکھے تعلیم یافتہ اونچی دکان پھیکا پکوان سرکاری نوکری کے علاوہ اور یہ بھی کس مصرف کے۔
اور اگر اِن کو نوکری نہ ملے اور نہ ملنے کے احتمالات زیادہ اور قوی تر ہیں تو یہ بیچارے مصیبت کے ٹٹے

[1] طالب علم ۱۲۔

روٹیوں کو محتاج معاش سے تنگ مرنا کیا نہ کرتا عذاب ہوں گے اپنے حق میں۔ اپنے خاندان کے حق میں سوسائٹی کے حق میں۔ گورمنٹ کے حق میں۔

اَبْ میں اپنے خیال کے مطابق یہ بات دکھانی چاہتا ہوں کہ تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کسر ہی اس میں اتنی ہی کسر ہی کہ ادھوری اور ناتمام ہی میں اس وقت کے تعلیم یافتوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اُن کو ہر طرح کی تحسین و توقیر کا مستحق جانتا ہوں اور ہر چند ساری عمر میں نے بھی یہی پاپڑ بیلے ہیں۔ مگر میں صاف دل سے اِن کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ میری طالب علمی کے زمانے میں تو بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کے کچھ بکھیڑے تھے نہیں اور خدا نے مجکو اس ور دسری سے بچایا ہی کہ اپنے نام کے ساتھ کسی خطاب کا دُم چھلا لگاؤں لیکن میں اس کا معترف ہوں کہ اگر مجھ سے ایسے کڑے کڑے امتحان لیے گئے ہوتے تو میں ضرور فیل (ناکامیاب) ہوتا۔ میری طبیعت ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہی کہ جس زمانے میں ڈفرنشل اینڈ انٹگرل کیلکیولس پڑھتا تھا اقلیدس کے ابتدائی مقالوں کے نئے دعوؤں اور جبر و مقابلے[51] کی مشکل مساواتوں کو حل نہیں کرسکتا تھا۔ کیا یہ بے مناسبتی اس بات کی دلیل نہیں ہی کہ میرا دماغ میرا حافظہ میرا ذہن یعنی میں پورا اور پکّا مسلمان ہوں۔ ہاں تو غرض یہ ہی کہ مجکو تعلیم مروجہ کے نقصان دکھانے منظور ہیں۔ تعلیم یافتوں کی اہانت مقصود نہیں۔ تو کوئی تعلیم یافتہ اِس سے بُرا نہ مانے کہ میں تو آج کل کے بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ کو بھی اس مثل کا مصداق سمجھتا ہوں جیک آف آل ٹریڈز ماسٹر آف نن (سب کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے) انسان کے مائنڈ (دل) کا حال بھی قریب قریب اُس کے معدے کا سا ہی۔ اگر کوئی شخص اوپر تلے اناپ شناپ کھانا ٹھونستا چلا جائے تو نہ معدہ اُس کے ہضم پر قادر ہوگا اور نہ کھانا تغذیۂ بدن کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی طالب العلم پڑھنے میں اُوورکرَیمنگ (طوطے کی طرح سے حفظ کرنا) کرتا جائے جیسا کہ

---

[51] ریاضی میں جبر و مقابلے سے ادنچے شعبے کا نام ہی اور اُس کا ترجمہ کلیات و جزئیات سے کرتے ہیں ۱۲۔

آج کل ہو رہا ہی یقیناً وہ اس کو ڈائیجسٹ (ہضم) نہیں کر سکے گا۔ اور نہیں کر سکتے۔ اور نہ ایسا
پڑھنا اُس کے لیئے مفید ہوگا۔ اور نہیں ہوتا۔ کسی کا کیا اچھا مقولہ کبھی کانوں سے گزرا ہو یا یاد
ہی "سم تھنگ آف ایوری تھنگ اینڈ ایوری تھنگ آف سم تھنگ" یعنی ہر چیز میں سے
تھوڑا تھوڑا اور کوئی چیز ساری بھی۔ بس مجھ سے پوچھتے ہو تو تعلیم میں اس قاعدے کی حرفاً
حرفاً تعمیل ہونی چاہیئے۔ طریقۂ مروجہ میں سم تھنگ آف ایوری تھنگ (ہر چیز میں سے تھوڑا
تھوڑا) کا نباہ تو خوب کیا جاتا ہی مگر ایوری تھنگ آف سم تھنگ (کوئی چیز ساری بھی) کا
مطلق خیال نہیں اور یہی وجہ ہی کہ اس طریقے کے مطابق جتنے لوگوں نے تعلیم پائی ان میں کوئی
شخص کسی شعبے کا کامل فن نہ ہوا جس طرح فی المثل درخت ثمر کی رسیدگی کا ایک وقت
ہوتا ہی کہ اس سے پہلے اُس میں پھل نہیں آتا۔ اسی طرح درخت علم کو بے کمال رسیدگی
نہیں ہوتی۔ اور نہ اس سے کسی فائدے کی اُمید کی جا سکتی ہی علاوہ بریں بعض شعبے اعتبار سے
دیکھو تو ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کی تعلیم بھی خالی از منفعت نہیں مثلاً گروہ [illegible]
لکھنا پڑھنا اور لیکھا[1] کرنا سیکھ لیں کہ پٹواری مغالطہ دہی اور زمیندار زیادہ ستانی نہ کر سکے تو
اِس سے کس کو انکار ہی کہ اتنی ہی استعداد علمی کاشتکار کے لیئے مفید ہوگی اور [illegible]
کاشتکاروں کو اس قدر تعلیم جس کے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دی جائے [illegible]
ہی کہ اگر ہندوستان کو یورپ کی طرح ترقی دینا منظور ہو تو آیا ویسی ترقی اور ویسی ہی [illegible]
ہی اُس کی آدھی پاؤ بھی اس تعلیم کے ذریعے سے ہو سکے گی یا نہیں۔ مجھکو تو [illegible] کامل یقین[2]
ہی کہ جب تک علوم جدیدہ کے ہر شعبے کے کامل فن تیار نہ ہوں گے ہندوستان حضیض[3]
نکبت سے ایک انچ کی قدر بھی تو اوپر کو نہیں اُبھر سکتا۔ اور جب ہمارے طالب العلم اس
فن کی لذتوں سے آشنا ہوں گے تو سمجھیں گے نوکری کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو [illegible]
منفعت ہی جس کی ایک کامل فن توقع کر سکتا ہی جو لوگ اب وقت علوم جدیدہ کے [illegible]

---

۱ حساب ۱۲ ۲ یقین ۱۲ ۳ پستی افلاس ۱۲

میں مصروف ہیں ان کے بزرگ ان کے خیر خواہ ان کے استاد ان کے ممتحن بُہتیری نصیحتیں ان کو کرتے ہوں گے میں ایک اجنبی آدمی ہوں نہ کچھ غرض نہ مطلب حَسْبَةً لِلّٰہِ[1] ایک نصیحت میں بھی کیے دیتا ہوں یاد رکھو گے تو یاد کرو گے ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی	کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

تعلیم مروجہ کا ایک نقصان اور وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ نہیں حُجَّتِیْ[2] (اور میں اپنی محبت تم پر تمام کر چکا) ہندوستانیوں کی طبیعتیں خلقۃً کنسرویٹیو (پرانی باتوں پر قائم رہنے والی) واقع ہوئی ہیں یہ نقال ہیں نہ موجد۔ نواح دہلی میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار برس پہلے کی عمارتیں موجود ہیں۔ اُن پر چھکڑوں اور بہلوں کی تصویریں بنی ہیں وہ حال کے چھکڑوں اور بہلوں سے اس قدر اشبہ ہیں کہ گویا ان ہی کو دیکھ کر بنائی گئی ہیں اس سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ باوجودیکہ چھکڑا اور بہل روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں مگر کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا کہ ان میں ایک کیل یا ایک کانٹا گھٹتا تو بڑھ جاتا۔ پس بدون پریکٹکل سائنس (حکمت عملی) کے ہرگز توقع نہیں کہ ہندوستانی اُپج کی لیں تو ایسے اُدھڑی پیٹے ہیں کہ لاد دو لدا دو لادنے والا ساتھ دو تب کہیں جگہ سے ہلیں تو ہلیں۔ تعلیم ہی کا ضمیمہ بلکہ ایک اعتبار سے اُس کا مقدمہ زبان ہے۔ علوم جدیدہ جن کا ضروری ہونا اب باجماعِ قوم مسلم ہو چکا ہے ولایت میں پیدا ہوئے اور وہیں اُن کا توالد تناسل جاری ہے اُن کی مادری زبان البتہ اُسی ملک کی زبان ہے اور ہونی چاہیے۔ ہم لوگوں کو تو فضول اور لایعنی مباحثات میں بڑا مزہ ملتا ہے۔ مدتوں لوگ اسی بات میں جھگڑتے رہے کہ علوم جدیدہ کو ان کی اصلی زبان میں سیکھنا چاہیے یا ترجمے کے ذریعے سے اپنی بولی میں بہتوں کی یہی رائے تھی اور بعض کی اب بھی ہے کہ انگریزی اجنبی زبان ہے کہ اس کے سیکھنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔ یہ لوگ قومی خیر خواہی کے جوش میں اس قدر مستعجل تھے کہ زبانِ انگریزی کے سیکھنے تک صبر نہیں کر سکتے تھے مارے گھبراہٹ کے انھوں نے ترجمے کی مشکلات پر مطلق نظر نہ کی۔ اُنھوں نے دیکھی تھی

---

[1] خدا کے واسطے ۱۲ [2] مطلب یہ ہے کہ تعلیم مروجہ کا ایک نقصان اور سنو ۱۲

علوم کے سمجھنے کو درکار ہی میرے نزدیک چنداں مشکل نہیں۔ میں نے ترجمے کا کام کیا ہی اور مجکو اُردو کی وسعت معلوم ہی۔ میری ہمت تو قصور کرتی ہی کہ انگریزی کی کسی علمی کتاب کا ترجمہ کروں۔

میر انشا اللہ خاں جہاں اور مسخرا پن کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُن کے سر میں یہ خبط سمایا کہ لاؤ عربی کی منطق کو اُردو کریں تو مصطلحات کے کیسے کیسے ترجمے مغز سے اُتارے ہیں موجبہ کلیہ پورا جوڑ۔ سالبہ کلیہ پورا توڑ عموم و خصوص مطلق اُکہری بیچ نیچ عموم خصوص من وجہ دوہری او بیچ نیچ وقس علیٰ ذالک میں نہیں سمجھتا کہ انگریزی کے مصطلحات العلوم کا کسی سے ایسا بھی ترجمہ ہو سکے۔ بھلا مصطلحات جوں توں کر کے گھڑے بھی تو آلات اور کلوں کے کیل پرزوں اور چیزوں کے ناموں کا کیا علاج۔ آخر اُن کو تو چار و ناچار ہُو بہُو رکھنا ہی پڑے گا۔ پھر طرز کتابت ماشاء اللہ ایسا عمدہ کہ انگریزی پرونسی ایشن (تلفظ) کی کسی طرح اس میں کھپت ہی نہیں۔ الغرض جس شخص نے انگریزی علوم کو اُردو کرنے کا ارادہ کیا ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

میں سمجھتا ہوں کہ ترجمے سے زیادہ تو یہ آسان ہی کہ کہیں سے کوئی میجک وانڈ (جادو کی چھڑی) ہاتھ آجائے تو لنڈن کو ہی یہاں اُٹھا لائیں۔ میں ترجمہ کا کچھ اسی وجہ سے مخالف نہیں ہوں کہ ترجمہ ہو نہیں سکتا تاہم میں انگریزی علوم کا انگریزی ہی زبان میں پڑھنا پسند کرتا ہوں انگریزی ایسی بُری طرح پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے چمٹی ہی کہ اب اس سے تحرز ممکن نہیں۔ ع

درنہ ستانی بہ ستم میرسد

دیا سلائی کے بکس پر۔ چاقو پر۔ مقراض پر۔ پنسل پر۔ قلم کے ہولڈر پر۔ نب پر۔ خط لکھنے کے کاغذ پر

---

(۱) اسی طرح اور دل کو قیاس کرلو ۱۲ (۲) وہی بجنسہ ۱۲ (۳) پرہیز ۱۲ (۴) قلم آہنی ۱۲

لفافے پر۔ کارڈ پر۔ غرض ہر انگریزی چیز پر کسی انگریزی آفس مثلاً ریلوے اسٹیشن
میں جاؤ تو دروازے دروازے پر۔ ریل کی گاڑیوں پر۔ جدھر دیکھو انگریزی منی آرڈر۔
ٹیلیگرام۔ ویلوپے ایبل پارسل بلٹی۔ سب کے فارم انگریزی میں چھپا ہے تو انگریزی کی عملداری
ہے۔ انگریزی جس قدر پاؤں پھیلائے اُس کا گھر ہے تعجب سخت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ روم
اور فارس کے اخباروں میں اس قدر انگریزی الفاظ ہوتے ہیں یہ فرانسیسی کہ وہ بھی
انگریزی کے قریب قریب ہے کہ ہمیں کو انگریزی نہیں آتی ان اخباروں کو نہیں سمجھ سکتے حضرت شاہنشاہ
ایران سیر انگلستان کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت کا روزنامچہ شاید فارسی کے کورس میں بھی
داخل ہے۔ اس کا بھی وہی حال ہے۔ جو خاص طہران کے اخبار فارسی "اختر" اور جو خاص
قسطنطنیہ کے اخبار عربی "الجوائب" کا ہے ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تو جب ہم کو انگریزی چارو ناچار سیکھنی ہے تو کیا فائدہ کہ علوم انگریزی کا اپنی زبان میں ترجمہ
کرنے کا قصد کریں جبکہ اس قصد کا نتیجہ معلوم ہے کہ ٹوٹل فیلیور (= ناکامی محض)

ہر چند میں نے آپ صاحبوں کی سامعہ خراشی بہت کی اور سیکولر ایجوکیشن (دنیوی تعلیم)
کے متعلق جو کچھ مجھکو کہنا تھا کہہ چکا۔ لیکن مجھکو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے
اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مذہبی تعلیم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پروگرام کے میں
داخل ہے تو میں سمجھتا ہوں سکنڈری[1] کو سیکھنے کے طور پر ہوگی۔ جیسے طالب العلموں کے کورس
میں سکنڈ لینگوج[2]۔ یعنی کانگرس کا اصلی مطلب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم کی اصلاح
ہو۔ مگر دیکھتے ہیں کہ دنیاوی تعلیم کا پہیہ مذہبی تعلیم کی نکمنائی کی بدولت آسانی اور تیزی
کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ ناچار مذہبی تعلیم کو بھی اپنے نامۂ اعمال میں جڑ لیا۔ ع

[1] سکنڈری ضمنی ۱۲ [2] دوسری زبان۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً جن لوگوں کو انگریزی زبان میں امتحان دینا منظور ہوتا
ہے وہ مجبور کیے جاتے ہیں کہ کسی ایک دوسری زبان میں امتحان دیں مثلاً عربی یا سنسکرت وغیرہ تو اس صورت میں عربی یا
سنسکرت کو سکنڈ لینگوج کہیں گے ۱۲۔

ایں ہم اندر عاشقی بالاے غمہاے دگر

اگر میرا یہ خیال صحیح ہی تو میرے نزدیک کانگرس کی کارروائی ناقص ہی اور اُس کی تدبیر ناکافی مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم سے کئی درجے بڑھکر ان کی مذہبی تعلیم محتاج اصلاح ہی۔ مذہب اسلام ایبسٹریکٹ ریجن ہی[1] کہ اُس کو دنیاوی امور سے کچھ سروکار نہو۔ شارع اسلام آتاہُ اللہُ الفضیلۃَ والدرجۃَ الرفیعۃَ (اللہ اُن کو بزرگی اور بہت عالی درجہ دے) ہم کو ایک کوڈ (مجموعۂ قوانین) حوالہ کر مرے ہیں کتابُ اللہ مُدوَّنٌ بینَ الدفّتینِ (اللہ کی کتاب دو دفتیوں کے بیچ ہیں) جو مشتمل ہی معاش اور معاد۔ اور اوامر[2] اور نواہی[3] اور معتقدات اور عبادات۔ اور معاملات اور اخلاق اور آداب معاشرت اور سیاست مدن[4] اور سیاست منزل[5]۔ اور تاریخ۔ اور مواعظ سب پر لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ (کوئی تر و خشک نہیں ہی مگر قرآن میں ہی) اب میں سب سے پہلے اُن مُسلمانوں سے جن کا رُواں رُواں فوارۂ حمیت اسلامی ہی پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فِیْ عُمُرِہِمْ[6] ایک بار کتاب اللہ کو شروع سے آخر تک سمجھ کر پڑھا۔ تم کہو سلو میں ایک میں کہوں گا۔ ہرگز نہیں۔ تم کہو ہزار میں ایک میں کہوں گا ہرگز نہیں۔ تم کہو دس ہزار میں ایک میں کہوں گا نہیں۔ اسی طرح تم بڑھتے جاؤ میں نہیں نہیں کہتا جاؤں۔ یہاں تک کہ تم کہو پچاس ہزار میں ایک۔ میں کہوں گا شاید۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ اِس کے بعد بھی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم میں مجھ کو کسی اور نقصان کے بیان کرنے کی ضرورت باقی ہی۔ کیسی تعلیم اور کہاں کی تلقین۔ سرے سے اُن کے مذہب کی بُنیاد ہی درست نہیں۔ ع

دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے

خاص خاص لوگوں کا مذکور نہیں ہی۔ بلکہ ہندوستان کے عام مُسلمانوں کے حالات سے بحث کی جاتی ہی غور سے دیکھو تو اِن کے دین کا ماخذ ہی۔ رسم و رواج باپ دادوں کی تقلید پیشواؤں کا

[1] یعنی جس مذہب کو اعمال سے تعلق نہ ہو صرف معتقدات ۱۲ [2] جمع امر۔ یعنی حکم ۱۲ [3] جمع نہی۔ یعنی منع ۱۲۔
[4] انتظام مُلکی ۱۲ [5] انتظام خانہ داری ۱۲ [6] اپنی عمر میں ۱۲۔

فرمودہ اور یہ وہی عادتیں ہیں جن پر قرآن میں جابجا یہود کو ملامت کی گئی ہے۔ ایک شخص جس کو
واقع میں اپنے اسلام پر ناز ہے وہ مسلمان ہو گئے کیوں؟ اس سبب سے کہ وہ مسلمان کے گھر
پیدا ہوا اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں پڑا۔ باوجودیکہ قرآن جیسی کتاب مسلمانوں کے ہاتھوں
میں ہے اور اس میں فطرت بشری کے لحاظ سے اخلاق کو شائستہ [illegible] بہت ہی بڑی اونچا
رکھا گیا ہے۔ مگر چونکہ عام مسلمان اس کو سمجھتے نہیں اس لیے اس کی ہدایت و نصیحت سے متاثر نہیں ہوتے۔
نتیجہ یہ ہے کہ ان کے معاملات اور عادات بے دین لوگوں سے معاملات اور عادات کی طرح
خراب ہیں۔ اسلام میں بہترین عبادات نماز ہے اور وہ عربی زبان میں ہے [illegible]
سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تکبیر و تہلیل و تسبیح تک کے معنے نہیں سمجھتا۔ کیوں کر دل کو خدا کی طرف
متوجہ کر لیتا ہوگا۔ اپنا حال تو یہ ہے کہ عربی سمجھنے پر حضور قلب نصیب نہیں ہوتا ہے

تو کہ بدولت ایشاں رسی کہ توانی	بجز دولت قرآں بہ چہ پیشانی

علماے دین تو خدا جانے کیا فتویٰ دیں۔ میں ایک دنیا دار آدمی ہوں اور وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ
بِي وَلَا بِكُمْ (میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ) [illegible]
مگر دیکھتا ہوں کہ ادھر قانون مشتہر ہوا اور اسی وقت فرض کیا گیا کہ نزدیک و دور شہری دیہاتی
مقیم و مسافر خواندہ و ناخواندہ سب کو اس سے آگہی ہو گئی۔ اس پر بھی ہم کہتے ہیں کسی کی رائے یہ ہے
کہ کوئی مسلمان فہم قرآن کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں۔ بھلا جب یہ حال ہے تو جو لوگ پڑھے لکھے
ہیں وہی کون سے اس کے اہتمام میں لگے ہیں دنیا کے خسیس اور بے ثبات منفعتوں کی موہوم
توقع پر انگریزی سیکھیں۔ قانون یاد کریں اور ایسی ایسی محنتیں اٹھائیں کہ جب تک جئیں تندرستی کو
روتے رہیں ذرا تو اپنے دل میں انصاف کرو کہ کبھی کلام اللہ کو شغف کے طور پر چند منٹ کے لیے
لے کر بیٹھتے ہو۔ کہ لاؤ بھائی ہمارا دین ایمان ہے زیادہ نہیں تو ایک ہی دفعہ شروع سے آخر تک
دیکھ تو لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے نہیں کی جیسی کرنی
چاہیے تھی اللہ کی قدر۔ نہ کہ مجھ کو مسلمانوں کی بے مبالاتی[1] پر ذرا بھی تعجب نہیں آتا ہے

[1] بے پروائی ۱۲

کس نتواند کہ بجا آورد	ورنہ سزاوار خداوندیش

مگر جیسا میں اُن کو اپنے اسلام پر نازِ بیجا اور دوسرے مسلمانوں کی توہین کرتے سنتا ہوں بیشک سخت تعجب کرتا ہوں۔ بھائیو اس زمانے میں کیسا دین اور کہاں کا اسلام مسلمان در گور مسلمانی در کتاب۔ اب تو امتیازِ قومی رہ گیا ہی۔ اور اتنا بھی ٹھہرا رہے تو غنیمت ورنہ عام انگریزی خوانوں کی طبیعت کا رجحان دہریت اور لامذہبی کی طرف ہی نہ تحقیق و تفتیش کی وجہ سے۔ بلکہ استخفاف[1] و استہزاء[2] کے سبب۔ ہاں تو غرض یہ ہی کہ قرآن جو اصل دین ہی بہت ہی تھوڑے مسلمان اس کو سمجھتے ہیں۔ اس کا بڑا سبب اور سبب نہیں بلکہ حیلہ جو مسلمانوں نے اپنے نزدیک ٹھہرا رکھا ہی یہ ہی کہ اس کی زبان عربی ہی اور وہ آسانی سے آ نہیں سکتی بے شک مسلمان قرآن کو اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ جن کو اور زیادہ علم حاصل کرنا منظور نہیں ہوتا وہ بھی کم سے کم قرآن ناظراں ضرور پڑھ لیتے ہیں اور علی الاکثر[3] قرآن کا ناظراں پڑھنا شرطِ اسلام سمجھا جاتا ہی۔ علاوہ بریں مسلمانوں کو قرآن کے زبانی یاد رکھنے کا اس قدر شوق ہی کہ کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں۔ معتقدات اہلِ اسلام کی رو سے قرآن کا زبانی یاد رکھنا فِیْ نَفْسِہٖ اعلیٰ درجے کی عبادت ہی۔ اے کاش یہ شوق فہم معنی کی طرف متوجہ ہو تو مسلمان پکے رجسٹرڈ مسلمان ہو جائیں۔ دین دار خدا ترس۔ خوش معاملہ راست باز۔ نیک دل۔ خدا کے اچھے بندے۔ حاکم وقت کی اچھی رعایا۔ سوسائٹی کے اچھے ممبر۔ قرآن کا عربی ہونا اس کے نہ سمجھنے والوں کے لیئے عذر ہی مگر سخیف۔ اگر صرف و نحو عربی کے صرف سیدھے سادے کثیر الاستعمال مسائل پڑھلئے جائیں تو میرے نزدیک جتنے دنوں میں ایک متوسط الذہن لڑکا قرآن حفظ کرتا ہی اتنے ہی دنوں میں قرآن کے سلیس جملوں کو بہ تعلقِ عبارت سمجھ لینے پر قادر ہو سکتا ہی بھلا کوئی اس کو اپنی جگہ آزما کر تو دیکھو۔ خدا معقول کو شرمائے۔ آپ تو بگڑے ہی تھے بے موقع بے محل منقولات میں دخل دے کر ان کو بھی غارت کیا منطقیانہ لایعنی کٹھ حجتیوں کے

---

[1] تخفیف سمجھنا ۱۲ [2] تمسخر کرنا ۱۲ [3] کثرت سے ۱۲۔

ڈر کے مارے کوئی صرف و نحو کے پاس نہیں جاتا کہ کون جھمیلے میں پڑے۔ ہر چند علوم قدیمہ کے
مرگ طبعی کا وقت آلگا تھا مگر ہم سمجھے تھے کہ یہ گراں جان کہیں مدتوں میں سسک سسک کر
مرے گا۔ اب اس قدر جلد مر گیا تو اس کی یہ وجہ ہوئی کہ احمق نے
دروازے پر صرف و نحو کے دو پاسبان بٹھائے تھے اُن کی بدرونقی سے کوئی خریدار
تک نہ پہونچ سکا۔ خیر علوم قدیمہ مرے تو از رفتہ تھے۔ غضب تو یہ ہے کہ [illegible] کی بات ہو کہ
انہی دو پاسبانوں کی سختی کی وجہ سے مسلمان کلام الٰہی کے فیضان سے محروم ہیں۔ فہم قرآن کا
ایک آسان طریقہ ہی ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ نے تو فارسی میں قرآن تک کی اجازت دے دی
تھی۔ مگر میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ تک گناہ ہو۔ کیوں کہ ترجمہ میں معجز بیانی نہیں آسکتی۔
اُردو فارسی کے ترجمے دیکھے پھیکے۔ بدمزہ بے رونق۔ ان میں سے اصل قرآن کی سی چستی اور
برجستگی اور متانت اور قوت اور فصاحت اور بلاغت و تاثیر کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا اور بجائے
اس کے کلام الٰہی کی عظمت ذہن نشین ہو۔ ترجموں سے تو بہ تو بہ الٹی سخافت ظاہر ہوتی ہے۔
اس میں بیچارے ترجموں کا کچھ قصور نہیں۔ بلکہ ترجمہ ہی فی نفسہ[1] ادھورا ہے۔ دوسری آسمانی
کتابوں کے ترجموں کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔ اگر باب ترجمہ مفتوح ہوا تو قرآن کا بھی وہی انجام
ہونا ہے کوئی اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے اپنا تو مستحکم عقیدہ ہے کہ اسے معجزہ کہو تسخیر کہو جو کچھ ہے
قرآن کے لفظوں میں ہے جس دن مسلمان ان لفظوں کو کھوئے اور کھونے سے میری مراد ہے
نہ سمجھنا۔ بس جان لینا کہ اسلام کی آب و تاب گئی۔ ایک شخص کی طبیعت تھی ناموزوں اس نے
مولوی الطاف حسین حالی کے ہم پیشہ کسی شاعر سے درخواست کی کہ اگر اصلاح دے دیا
کرو تو میں بھی شعر کہنا شروع کروں۔ شاعر کو اُس کی ناموزونی طبیعت کا حال معلوم تھا۔
کہا پہلے طبع موزوں پیدا کرو۔ اسی طرح جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو پہلے فہم قرآن کی استعداد
پیدا کرے اور نہیں کرسکتا تو لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں دباؤ ڈالنا نہیں) ذرا کبیر پنتھی

[1] ضعف ۱۲۔

اور سکھ بہتیرے گروہ ہیں۔ جن میں ملکی زبان کے ذریعے سے مذہبی تعلیم ہوتی ہے۔ عربی مشکل سہی۔ لیکن مسلمان ہی اگر اس کی روک تھام نہ کریں گے تو اس دیارِ اجنبی میں اس کے قیام کی کیا صورت ہے۔ درس و تدریس کے اعتبار سے علمِ دین کے دو بڑے حصے ہیں۔ فقہ اور حدیث۔ سو فقہ جہاں تک اس کو معاملات سے تعلق ہے اور وہی مہتم بالشان ہے متفرع[1] تھی سلطنت پر کیونکہ فقہ نہیں ہے مگر قانون۔ اور وضعِ قانون اختیارِ لازمی سلطانِ وقت۔ سلطنت گئی تو آگے آگے سلطنت پیچھے فقہ۔ اب معاملات کے بڑے بڑے فتادے عمدہ ویسے ہی بے کار و بے مصرف ہیں جیسے اب سے دو برس پہلے کی جنتریاں۔ ہم نے مانا کہ مسلمانوں کے بعض باہمی معاملات مثلاً نکاح اور طلاق اور میراث اور وصیت میں فقہ کی رعایت کی جاتی ہے مگر جب ساری کتابوں کو دیمک چاٹ گئی تو دو تین ورق بچے تو کیا اُن کو دیکھ کر اور جی کڑھتا ہے۔ اور پھر وہ دو تین ورق بچے بھی تو انگریزوں نے میعاد اور شہادت وغیرہ کے قوانین اور پریوی[2] کونسل اور ہائی کورٹ کے نظائر[3] کنسٹرکشن کے حواشی چڑھا چڑھا کر اصل کو مسخ کر دیا ہے۔ حقیقت فقہ کی۔ وہ انتظامِ دنیا کی تدبیر تھی۔ اب انتظامِ دنیا خدا نے دوسروں کے حوالے کیا۔ وہ تمھاری فقہ کی کچھ پروا کرتے نہیں تم کو انتظامِ دنیا میں دخل نہیں اس پر بھی تم کو فقہ میں کوئی مفاد دکھائی دیتا ہو تو پڑھو۔ اب رہی حدیث۔ مسلمانوں کے سوا سے روے زمین پر کوئی اور قوم نہیں جس نے اپنی مذہبی تاریخ کو ایسی تلاش اور جستجو کے ساتھ جمع کیا ہو۔ وہ بے انتہا فخر اور عزت اور قدر اور وقعت کی چیز ہے جو لوگ احادیث کے اختلاف کو دیکھ کر نفسِ حدیث سے بدعقیدہ ہوتے جاتے ہیں اُن کو منصبِ محدث پر نظر نہیں ہوتی۔ محدث حقیقت میں امانت گزار ہے کہ پیغمبر صاحب کے نام سے جو کچھ اُس کو جس ذریعے سے پہونچا ہے جوں کا توں دوسرے کو پہونچا دے حدیث کی تنقید[4] محدث ہونے کی حیثیت سے اُس کا کام نہیں۔ جمع احادیث میں ہر ایک مصنف نے ایک شانِ خاص اختیار کی ہے۔ جو شخص تنقید کی مشکلات سے آگاہ ہے وہی سمجھ سکتا ہے کہ متقدمین نے

---

[1] موقوف ۱۲۔ [2] جو ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کو فیصلہ خصومات میں مشورہ دے ۱۲ [3] تشریح ۱۲ [4] پرکھ صحیح و غلط کا امتیاز ۱۲۔

اِس کام میں کیسی کیسی زحمتیں اٹھائی ہیں۔ آج کسی مشہور شخص کی لائف لکھنی چاہو تو ایک عمر
صرف کرو تب کہیں بہزار دقت طول طویل سامان و مواد مہیا ہو تو ان لوگوں کو صدہا
مختلف الازمنہ[1] مختلف الامکنہ[2] راویوں کی لائف و حالات کی تحقیق کرنے میں کیسی کچھ
جاں فشانی کرنی پڑی ہوگی اگر فلاح عاقبت کی دھن نہ ہوتی تو میں نہیں سمجھتا کوئی دنیاوی
بڑی سی بڑی ترغیب بھی اس کام کا سرانجام کر سکتی۔ یہ نعمت جو کچھ ہو حق شناس کی نظر میں
بے بہا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ حدیث عہد نبوت کی نہایت معتبر تاریخ ہے میں اس کو اس وجہ
سے اور بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن بمنزلہ متن قانون کے ہے اور حدیث اس کا ضابطہ کارروائی
بایں ہمہ حدیث بیچاری تو ایسی کس مپرسی کی حالت میں ہے کہ مولوی بھی سب نہیں بلکہ معدودے
چند جو دین کا پیشہ کرتے ہیں وہی اس کو پڑھتے پڑھاتے ہیں ورنہ عام مسلمان کو اس سے سروکار
نہیں۔ ذرا مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کو تو دیکھو کلام خدا کے ساتھ وہ بے اعتنائی قول رسول سے
ایسی بے تعلقی سہ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا | جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

پھر ایک بڑی قباحت فن حدیث میں بھی ہے۔ احادیث کے تحقیق نہ ہونے کے میرے نزدیک
دو سبب ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہؓ کو جناب رسالت مآب کے ساتھ محبت نہیں بلکہ عشق تھا
جب تک پیغمبر صاحب زندہ رہے ہر وقت صحابہؓ اُن کی صحبت میں رہتے تھے۔ جب پیغمبر صاحب نے
انتقال فرمایا صحابہ کو ہر وقت اُن ہی کی یاد لگی رہتی تھی۔ دوسرے پیغمبر صاحب کی حیات میں جس
صحابی کو دنیا یا دین کی کوئی ضرورت پیش آتی تھی بے تامل پیغمبر صاحب سے پوچھ آیا۔ جب پیغمبر
صاحب کو خدا نے اپنے پاس بلا لیا صحابہؓ کو بڑی مشکل پڑی یوں تو اپنی ضرورتوں کے علاوہ
اب پیغمبر صاحب کے ذمے کا کام بھی ان ہی کو کرنا پڑا تو بات بات میں ایک سے ایک پوچھتا۔
بھلا کوئی ایسا واقعہ پیغمبر صاحب کے روبرو پیش آیا تھا۔ اور حضرت نے کیا فرمایا تھا۔ سلطنت

[1] مختلف زمانوں میں ۱۲ [2] مختلف مکانوں میں ۱۲

پیغمبر صاحب کے زندگی کے زمانے سے اَضْعَافًا مُضَاعَفَہ بڑھ گئی تھی۔ اور بڑھتی چلی جارہی تھی۔ یوں پہلے اور شدید ضرورت جو جمع احادیث کا باعث ہوئی۔ ملک داری کی ضرورت تھی۔ حدیث کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ اکثر احادیث احکام فقہی سے متعلق ہیں اور ان ہی احکام فقہی کے استنباط کی غرض سے ان کو جمع کیا گیا ہی اور چوں کہ انقلاب زمانہ نے فقہ کو بے کار کر دیا جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی بیان کر چکا ہوں۔ تو جہاں تک احادیث کو احکام فقہی سے تعلق ہی وہ بھی ہم مسلمانانِ ہند کے حق میں بے کار ہیں۔ حدیث پر اگرچہ میری نظر بہت ہی قاصر و محدود ہی مگر جس قدر ہی اس سے مجھے یہ خیال پیدا ہوا ہی کہ حدیث کا ہیڈنگ یا عنوان یا خلاصۂ مضمون جس کو اصطلاح میں ترجمہ کہتے ہیں بدلنے سے بہت سی احادیث جو اس وقت احکام فقہی سے متعلق ہیں ہماری حالت موجودہ کے مطابق بکار آمد کر لی جا سکتی ہیں۔ مگر کس میں اتنی ہمت ہی کہ تراجم الاحادیث[۱] کے بدلنے کا نام لے۔ اور کوئی کرے بھی تو مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے سو مسلمان ایسے شکی اور متشدد ہیں کہ ایسی کتاب کو ہاتھ بھی تو نہ لگائیں۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہی کہ مذہب ایک سانچہ ہی جس میں دل ڈھالے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل اس کے خلاف سمجھتا ہوں میرے نزدیک دلوں کے سانچے میں مذہب ڈھلتا ہی ایک اسلام تو اس شخص کا جس نے درخت بیعۃ الرضوان کو اکھڑوا کر پھکوا دیا تھا جس نے یہ کہہ کر حجر اسود کو ڈانٹا اِنِّي اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ (میں جانتا ہوں کہ ایک پتھر ہی نہ تو نقصان پہونچا سکتا ہی نہ نفع اور اگر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا جس نے کَانَتَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اُحَرِّمُهُمَا (دونوں تھے رسول خدا کے زمانے میں اور میں ان کو حرام کرتا ہوں) کا دعویٰ

---

[۱] حدیثوں کے عنوان اور خلاصے ۱۲ [۲] اس بیعت کا نام ہی جو ایک خاص مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت لی تھی اس کے بعد آیت نازل ہوئی کہ خدا ان لوگوں سے راضی ہوا اس وجہ سے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہوا اور چوں کہ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے واقع ہوئی تھی اس وجہ سے اس درخت کو بھی درخت بیعۃ الرضوان کہنے لگے ۱۲

ڈیڑھ سو برس ۱۵۰ بعد جا کر لکھی جانی شروع ہوئیں۔ اس وقت تک روایت سامعاً عن سامع ہوتی رہی اور اب تک اسی طریقہ کی تقلید ہوتی جا رہی ہے۔ ماخذ تو سمجھ میں آیا مگر طریقہ درس اس وقت تک بچوں کا کھیل ہی معلوم ہوتا ہے

مُسدّس

خود اپنا تصنیف کیا ہوا مشمولہ قصہ مبتلا جس کو مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب نے حسب درخواست جناب خان بہادر سر محمد حیات خاں صاحب صدر انجمن و سر سید احمد خاں صاحب سکرٹری کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس منعقدہ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۸ء میں بمقام لاہور اپنے لیکچر کے بعد پڑھا۔

دنیا عجب مرحلۂ بے ثبات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
جس کو فنا نہیں ہے وہ ہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکان بتاؤ کہ جن گر گرا نہ ہو
پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو

لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو
دیں سے شغف[50] ہو دین میں ہی انہماک[51] ہو

فرقِ نیاز فرشِ زمیں پر پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیال موت کا پیشِ نظر رہے
رہرو ہمیشہ[52] چاہیے باندھے کمر رہے
جب تک جیئے جیے جب اجل آ ہی مر رہے
دنیا وطن نہیں ہو کہ آسے بسر رہے

آئے ہیں ہم جہاں میں تو جانا ضرور ہی
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہی

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں
یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں

ربُّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ خدا سے ہدایت[53] ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورتِ[54] حاجت ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایت[55] ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ[56] سے

غفلت کرا رہی یہ ساری شرارتیں
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں[57]
بنوا رہی ہیں رہنے کو پکی عمارتیں
دنیا کمائیں دین کی کرکے خسارتیں[58]

---

[50] شیفتگی ۱۲ [51] مصروفیت ۱۲ [52] اس میں اشارہ ہے طرف حدیث كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ فِيْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ کے ۱۲ [53] اس میں اشارہ ہے طرف کَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ اور بعثت نبی صلعم اور نزول قرآن مجید کے ۱۲ [54] عقل و فہم ۱۲ [55] آگاہی اور بیداری مغزی ۱۲ [56] جسارت بفتح دلیری ۱۲ [57] خسارہ بمعنی زیان ونقصان ۱۲ -

غفلت کا کر علاج کہ اصلِ مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
انسان شاہ کی صفت دام و دد نہ ہو

غفلت سے اس جہان میں سارا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوقِ ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ
دُنیا کا کاروبار کر اور دیندار رہ
مت مستمند زندگی مستعار رہ
اُمیدوار رحمت پروردگار رہ

کس نے کہا ہے تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا
سرکردہ[1] یا ستے اُمت خیر الانام کا
اصحاب کا ائمہ عالی مقام کا
سکہ بٹھا گئے جو تہ دنیا کے نام کا

ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[2] ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دُنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
روٹی کی ہا ہزار مشقت ہوئی سبیل
گرتم گھروں میں دیکھو تو نہاتے رذیل
کپڑے کے واسطے وہی ستار ہے کفیل

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس ہو معتمد تمہ قہرِ ذی الجلال

[1] سردار ۱۲ [2] نصاریٰ میں جیسے ہندوؤں میں جوگیوں سنیاسیوں کی طرح ترک دنیا کرتے تھے اُن کو راہب کہتے تھے
اس طرح کی ترک دنیا کی اسلام میں سخت ممانعت ہے لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ ۱۲

افلاس کر ہی دیتا ہی انساں کو پائمال ۔۔۔ ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اُس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی ۔۔۔ سمجھا کہ یہ جہاں ہی جہانِ گزشتنی
گر دن کی زندگی کے لیئے اتنی سرتی ۔۔۔ اُس کو نہ دوستی ہی کسی سے نہ دشمنی

ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہی
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہی

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہی ہست سے ۔۔۔ تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے ۔۔۔ کوڑی تو سے اودہار کوئی فاقہ مست سے

کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں تیلی سے بھی ملا ہی کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہی حقیقت میں ہمنشیں ۔۔۔ ایصالِ نفع ہی مرے نزدیک اصل دیں
پر چاہیئے ہی اس کے لیئے نقدِ آستیں ۔۔۔ خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں

دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہی
دنیا نہیں تو دعوی دیں مکر و زور ہی

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو ۔۔۔ اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
ایثار[1] و بذل[2] و جود و تحقق کہاں سے ہو ۔۔۔ مصدر رہی جب نہیں تو مشتق کہاں سے ہو

دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مونھ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ممکن نہیں ہی دین میں دنیا نہ ہو دخیل ۔۔۔ ایسا خیال کر نہیں سکتا ہی کوئی عقیل

[1] دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ [2] خرچ کرنا ۱۲

پروردگار جس کا نہیں ہے کوئی عدیل — کیوں چاہنے لگا کہ مسلماں ہوں ذلیل

عزت ہے سب خدا کی خدا کے رسول کی
پھر اُس کی جس نے دعوتِ ایمان قبول کی

اس واسطے[۱] جو معشرِ خیر القرون تھے — اور گنبدِ عمارتِ دیں کے ستون تھے
اُمت کو کالنجوم[۲] سبھی رہنمون تھے — اور مرجع ضمیر[۳] ھُمُ المُھتَدُون تھے

دنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے
دونوں کے جمع کرنے کا رستہ دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہے جنابِ عمرؓ کا حال — جن روز وہ آپ امیر تھے باہیبت جلال
اپنے ہی دستِ خاص سے[۴] باتھا کیے شال[۵] — تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال

شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس
دُنیا کو جانتے تھے پرِ پشۂ خسیس

پُر ان کا تھا فراغِ عبادت کے واسطے — کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے — القصہ جو وہ کرتے تھے اُمت کے واسطے

اُن کو کسی طرح طمعِ سیم و زر نہ تھی
ہرگز اُنہیں مفاد پہ اپنے نظر نہ تھی

فیضانِ صحبتِ نبوی سے تھے مستفید — دیکھا اُنھوں نے نورِ رسالت کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جیسے اور مرے سعید — تھی اُن سے خواستگاری دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الٰہی ہے مہرباں

---

۱ اس حدیث میں خیر القرون قرنی کی طرف اشارہ ہے معشر یعنی گروہ پس معشر خیر القرون سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی مراد ہیں ۱۲ ۲ یہ مضمون اس حدیث مشہور کا ہے اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّہِمُ اقتَدَیتُم اِهتَدَیتُم ۱۲

۳ وہی لوگ برسرِ ہدایت ہیں یعنی ھُمُ المُھتَدُون کی ضمیر کا مرجع وہی لوگ تھے ۱۲ ۔ ۴ کپڑے ۱۲ ۔

چڑھتا ہی بام پر کوئی بے وضع نردبان[۵]

زاہد تھے اور مُلک ستانی کا اہتمام
دُنیا میں اُن کی دین تھا کاُلمِلحِ فی الطّعام[۵۲]
دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوحِ شام
دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہی
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہی

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رستخیز
تب دیکھتے زمانہ کی کج دار اور مریز[۵۳]

پھر کون پوچھتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جا و دانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُنہیں کا طفیل ہی
اعمالِ شرک جوں خس و خاشاکِ سیل ہی
کم بیش سب کو جانبِ توحید میل ہی
اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہی

مشرک کی کوئی شئے نہیں کرتا خدا قبول
اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوستدار
مونس رفیق موجبِ تسکینِ غمگسار
واعظ ادیب ناصحِ مشفق صلاح کار
ہمدردیے ریا ہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی
دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

۵۱ سیڑھی ۱۲ ۵۲ جیسے کھانے میں نمک ۱۲ ۵۳ کج دار مریز سے مراد ہی تکلیف مالا یُطاق کیوں کہ ٹیڑھا رکھ اور گرنے نہ دے طلب محال ہی ۱۲۔

دیں کے عوض تعصب اوہام رہ گئے
دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار
اور کیوں کہ ہوتے مولوی[1] جنت کا جو بدار
مفلس کہیں مومن و مست طلب یار

دنیا و دیں کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہو سب سے بڑا سبب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہی روز و شب
دنیا میں اور دیں میں عداوت ارے غضب
لازم ہے دین کا بھی حفظ ادب

خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہی دیکھ کے دنیا کا انقلاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب
افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
آپس[2] میں رحم و لطف عدو کے لیے عذاب

مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں جمے ہوئے گھوڑوں کی زین پر

[1] یعنی وہ مولوی جو ریا سے وعظ کہتا ہو اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہو اور خود حصول دنیا میں غرق ہو کبھی تعمیر مسجد کو ذریعہ حصول مال کا کرتا ہو اور کبھی تعمیر مدرسہ کو۔ یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب بھی اور یہی کہ تعمیر خانقاہ و عرس کو ذریعہ حصول مال کا کرتے ہیں۔ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

[2] ترک دنیا بمردم آموزند خویشتن سیم و غلہ اندوزند ۱۲ [illegible]
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ [illegible]
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۱۲

لوگوں کو گر مٹا سبب دینا گناہ ہوں	داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں	اُن[1] کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پر اُن کے تھے گھٹّے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار	بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
وہ[2] پیستا نہیں ہے کبھی دے کے اک بار	شایاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے اُدھار

دنیا بدل گئی ہے یہ نعمت بدل گئی
اِس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت[3] نہیں رہی	ہم میں کسی طرح کی مزیت[4] نہیں رہی
مضبوطیِ ارادہ و نیت نہیں رہی	جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم	اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم	تقصیر فی مُقابلۃ النّاس[5] جائے شرم

تم اور تمھاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال	الفاظ عرب میں نحن رجالٌ[6] وہم رجال
اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال	کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں اختلال[7]

[1] یعنی اصحاب رضؓ کا ۱۲ [2] اشارہ ہے طرف آیت مَا کَانَ اللّٰہُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے ۱۲ [3] ایک دوسرے کی طرف داری وحمایت ۱۲ [4] فضیلت ۱۲ [5] یعنی لوگوں کے مقابلہ میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہے ۱۲ [6] ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ [7] خلل ۱۲۔

اقوامِ روزگار میں ہیٹے ہو کس لیئے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لیئے

کثرت ہے تم میں صاحبِ مقدور کیوں نہیں
منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ جہاں دار چیں رہا
ہم میں کسی کو فکرِ معیشت نہیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالکِ خزائنِ روئے زمین تھے
اہلِ زمانہ قاطبۃً[1] خوشہ چین تھے

ہم کو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ
اس میں بقدرِ ذرہ نہیں شک و اشتباہ
تھی مرجعِ[2] انام کبھی اپنی بارگاہ
تاریخ ہے ترقیِ اسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغِ التفات ہے
ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہلِ جہاں کو خدا پرست
ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست
ہم نے دلایا یاد اُنہیں وعدۂ الست[3]
ہم نے اُتارا نشۂ صہبائیان[4] مست

شائستگی کی بیل ترقی کے ساتھ کی
پودا اِسی کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ ایسی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں
ساری زمیں پہ اپنی دہائی تھی اُن دنوں

[1] کلیۃً ۱۲ [2] جائے رجوعِ خلق ۱۲ [3] اشارہ ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ۱۲؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ [4] شرابی ۱۲۔

گر دوستی تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں
ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں

کیا فضل کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی
اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

تیسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف

گو حُور بعد کور[۱] اَشدُّ العذاب ہے
یاد از قبیل لَیتَ یَعُودُ الشَّبَاب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ماضی کریں
کیوں یاد رفتگاں میں ماتم بپا کریں
بے سود گرچہ تا بہ قیامت بکا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

فرہاد[۲] وار در صدد جوئے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے اک وجہ تسلی بہت بڑی
قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاح خلق ہے منظور ہر گھڑی
لیکن مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی

نا واجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارے فرات پر

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں
نا ممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں
آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

بے جوتے بوئے اب لگے کا اناج کیا

[۱] حدیث نَعُوذُ بِاللہِ مِنَ الحُورِ بَعدَ الکُورِ۔ یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اُس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حور بعد کور بڑا عذاب ہے مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرتا ہے ۱۲ [۲] یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمایش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ [illegible]

ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس قیدِ احمقانہ کو للہ کم کرو
چاہو ہمیں برا کہو یا متّہم کرو
چالوں پر اپنی بہرِ ندامت ستم کرو
پیر روٹیوں کا پتا تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل میں ٹھان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
اتنی سنی ایک بات ہماری بھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر اک شے
تسویف[1] تا بکجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علمِ جدید ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے
یورپ میں سب سے رونقِ کل من مزید[2] ہے
یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے

ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ
داب مناظرات و جواب و سوال ہیچ
منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
تحقیق میر[3] زاہد و ملا جلال ہیچ

ہم نے تو قیل و قال میں کی عمرِ رائگاں
یورپ نے ہائے لوٹ لیا گنجِ شائگاں

ہم میں سے آج جو علمائے فحول[4] ہیں
عابد ہیں با خدا ہیں ثقہ ہیں عدول[5] ہیں
مخدوم ہیں کہ خادمِ شرعِ رسول ہیں
لیکن معاملات میں ایسے جہول ہیں

[1] ٹال مٹول ۱۲ [2] کچھ اور بھی ہے ۱۲ [3] یہ دونوں کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں ۱۲ [4] عالم متبحر [5] راست گو جس کی گواہی مقبول ہو ۱۲

سمجھیں نہ وہ حساب کا ادنیٰ سوال بھی
پھر یار والیسے پڑھنے کا کوئی مآل بھی

اُن کے لیئے تلافیِ مافات[1] ہو چکی
بیمار جاں بلب ہے مداوات[2] ہو چکی

درماندہ سے امیدِ شفاعت ہو چکی
بس لوٹ دو بساط کہ یاں مات ہو چکی

دیں دار مدعی تمھیں دنیا سے کھوئیں گے
یہ ناخدا جہاز تمھارا ڈبوئیں گے

واللہ سارے اپنی خرابی کے ڈھنگ ہیں
بیٹھے ہوئے دلوں پہ تعصب کے زنگ ہیں

کل صنعتیں بہ قبضۂ اہلِ فرنگ ہیں
محتاج ہیں غریب ہیں مفلس ہیں تنگ ہیں

ہم اپنا پیٹ پالتے ہیں پیٹ پیٹ کر
انگریز ساری لے گئے دولت گھسیٹ کر

یورپ اگرچہ لے گیا بازی تو خیر ہے
وہ صاحبِ کتاب ہے ہر چند غیر ہے

ہم کو خدا نخواستہ کچھ اُس سے بیر ہے
مسجد نہ ہو تو صومعہ[3] بہتر نہ دیر[4] ہے

ہنود اٹھائے بیٹھے ہیں سر آسمان کو
ہم تو پیٹتے ہیں روئیں گے کس کس کی جان کو

کوشش کرو تو غیب سے ہوں چارہ جنبش روا
ہم کو توقعات نہ رکھنے کی وجہ کیا

بے جہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہے
ہاں تا کہ ہم سے منزلِ مقصود دور ہے

قسمت کی خوبی دیکھو کہ ایسی بھی خبر نہیں
جس سے بہ فائدہ قوم ہو ایسا ہنر نہیں

سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
کیوں سمجھاتے ہو کسی کی توجہ ادھر نہیں

---

[1] جو چیز فوت ہو گئی لینے ہاتھ سے جاتی رہے ۱۲ [2] علاج ۱۲ [3] معبد نصاریٰ ۱۲ [4] ہندوؤں کا مندر ۱۲

کردار ناصواب پر اصرار کس لیے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لیے

يَارَبِّ قُلُوبُ عُصْبَتِنَا بَيْنَ اِصْبَعَيْكَ[51]
اَلرُّشْدُ وَالْهِدَايَةُ وَالْفَوْزُ فِي يَدَيْكَ
نَسْتَشْفِعُ النَّبِيَّ بِاِكْرَامِهِ لَدَيْكَ[52]
لِمَا قَضَيْتَ سَائِرَهَا حَاجَاتِنَا اِلَيْكَ

ہوں بر سر عروج خیالات قوم کے
شایان شان قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں
ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں
جاری ہے یہ زمین سے لے تا آسماں

یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سبب معتبر نہ تھا
تھا مرد[53] سعی صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہ خدا میں جان تک کا بھی ڈر نہ تھا
مومن نہ تھا کہ جس کا ہتھیلی پہ سر نہ تھا

ان معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں[54] بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا[55]

تھی نار شرک سارے زمانے میں مشتعل
روئے زمیں پہ نور ہدایت تھا مضمحل
اہل کتاب تک اسی آفت میں تھے مبتلا
بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مضل[56]

شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی

۵۱ اے رب ہماری قوم کے دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں سیدھے رستے پر چلانا اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۱۲ ۵۲ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ تیرے نزدیک ان کی عزت ہے شفیع لاتے ہیں ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے متعلق ہیں ضرور پوری کر ۱۲ ۵۳ کوشش کا حملہ ۱۲ ۵۴ یعنی خون گرا ۱۲ ۵۵ تاوان معاوضہ خون ۱۲ ۵۶ یعنی گمراہ یا گمراہ کرنے والے ۱۲

یعنے خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

اہلِ عرب[۵۱] کا حال تھا سب میں بہت خراب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب[۵۲]
جیسے بلا مبالغہ چیونٹی بھر اکباب
گر بات پوچھیئے تو ملے جنبیہ[۵۳] جواب

اتنے سے لفظ پر کہ چلو یا ہٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے حتّٰی کہ کٹ مرے

سفاک کینہ[۵۴] توز ستم گر ستیزہ جو
غارت گروں کو اہلِ قوافل[۵۵] کی جستجو
بے رحم سنگدل متمرّد درشت خو
اِس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چارسو

صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود[۵۷] پر
گھر بار سب لٹا دیں گرا جائیں جود[۵۶] پر
مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر

برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ ہیٹیاں
کم بخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی بعض تو صرف از برائے نام
اِک رنگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام
کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات[۵۸] و انتظام
دادوں کا لیتے پوتوں پڑ و توں سے انتقام

ہر قوم سے طنابِ عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل لیاقت سے بےنصیب
ترکیب اُن کی بولی کی واقع ہوئی عجیب
لیکن ہر ایک باغِ فصاحت کا عندلیب
جادو اگر نہیں ہے تو جادو کے ہے قریب

۵۱ یہ حال اہلِ عرب کا تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ۵۲ افروختہ شدن آتش ۱۲ ۵۳ خنجر کی ایک قسم ہے۔ ۵۴ کینہ کش ۱۲۔
۵۵ جمع قافلہ ۱۲ ۵۶ سخاوت ۱۲ ۵۷ مہمان ۱۲ ۵۸ جمع سیاست ۱۲۔

وہ دل کو موہ لیتے تھے طرزِ بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

یا آن کہ شہرِ مکہ میں تھا کعبۂ خلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بُت ہو گئے دخیل
نالائقوں نے اُس کو کیا اس قدر ذلیل
جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردشِ چرخِ کہن کے ہیں
یہ بت پرست[1] خلف اسی بُت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت[2] بجاہلیت[3]
وہ خانہ داریاں تھیں بجائے خورش بال
اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذرِ سخیف[4] پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضوِ ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہوا اُن کا طریقِ معاشرت
گر[5] ہا تزان بیوہ کی ارث و مقاسمت
شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
دو بہنیں اور حقوقِ زنی میں مشارکت

ظاہر خراب اُس سے زبون تر سریتیں[6]
انسان ہو کے اُن میں بہائم کی سیرتیں

سب اہلِ روزگار تھے گمراہ یک قلم
پر اُس[7] نے عین وقت پر اپنا کیا کرم
مستوجبِ عذابِ الٰہی عرب عجم
پیدا ہوئے نجات[8] دہانندۂ اُمم

[1] یعنی اہلِ عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبے میں بُت رکھ کر بُت پرستی کرنے لگے ١٢ [2] سختی - درشتی ١٢ [3] بہر حال ١٢ [4] بودا کمزور ١٢ [5] عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹیوں پر تقسیم کر دی جاتی تھیں - اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں - ان بُری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ١٢ [6] اعمالِ باطن ١٢ [7] یعنی خدائے تعالیٰ نے ١٢ [8] پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ١٢

بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزلِ مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جنابِ رسالت مآب کی
شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
تدبیر سوچتے تھے مگر فتح باب کی
آخر کو راہ ڈھونڈھ نکالی صواب کی

وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند اُن کو ذات خدا کی پناہ تھی
پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی
جو دوسروں کی راہ ہو وہ اُن کی راہ تھی

تقصیر کب درست ہو تدبیر کار میں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ شرط باندھ کے مردہ دلے سو چکے
خارِ قنوط[۱] راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے
سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

جو لوگ ہیں سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب[۲] پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذِ حیوانی کے پائے بند

میری اگر سنو نہیں سمع قبول کر[۳]
غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار بھول کر

۱؎ نا اُمیدی ۱۲۔ ۲؎ حاصل کرنا ۱۲ ۳؎ بہرا ۱۲

چوتھا لکچر جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے چوتھے سالانہ جلسے میں۔ دسمبر ۱۸۸۸ء کو دیا گیا

تمہید

یہ پہلا لکچر ہی جو انجمن حمایت اسلام میں دیا گیا جس دن مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے لاہور کے ایجوکیشنل کانفرنس میں پہلا لکچر دیا۔ اسی دن ممبران انجمن حمایت اسلام نے اُن کو گھیرا تھا کہ ایک لکچر ہمارے ہاں دیجئے اور اسی طرح ممبران انجمن حمایت اسلام امرت سر اور ممبران محمڈن ایسوسی ایشن نے۔ مگر مولوی محمد نذیر احمد خان صاحب نے عذر کیا کہ میں سر سید کے ساتھ ہوں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بنا سکتا آخر بمشکل انجمن حمایت اسلام سے ان کا پنڈ چھوٹا مگر اس کا پکا وعدہ کرا لیا تھا کہ ان کے اگلے سالانہ جلسے میں ضرور لکچر دینگے چنانچہ یہ لکچر وزیر خان کی مسجد میں ہوا۔ اگرچہ لاہور میں یہ سب سے بڑی وسیع مسجد ہی مگر لکچر کے وقت شروع سے آخر تک اس میں آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ لکچر دن کے دس بجے شروع ہوا اور نماز ظہر تک ختم نہ ہو سکا تو نماز کے بعد بھی لکچر کا بقیہ دیا گیا اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ نماز عصر تک اُس کا تسلسل قایم رہا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ[1] و نصلی علیٰ رسولہ الکریم صلعم

[1] حمد اللہ کی کرتے ہیں اور درود بھیجتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ۱۲۔

ابر و باراں کی وجہ سے پچھلے دو دن موسم نامساعد[1] رہا کہ جس قدر ازدحام کی توقع کی جاسکتی تھی شاید اُس میں کسی قدر کمی ہوئی ہو لیکن یہ کمی ممبران انجمن حمایت اسلام کی دل شکنی کا موجب نہیں ہونی چاہیے

کیا فائدہ ذکر بیش و کم سے ہوگا　　ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے　　جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

حمایت اسلام ایسا دلکش اور پیارا لفظ ہے کہ جس کے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی گدگدی ہو۔ ممکن نہیں کہ یہ آواز اُس کے کان میں پڑے اور اُس کے شوق کو تحریک نہ ہو جانا چاہیے تھا کہ مسلمان اس انجمن پر ایسے گرتے جیسے شہد پر مکھیاں یا شمع پر پروانے۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج انجمن کے ممبروں کی فہرست کتاب ہفت قلزم کے حجم سے کم نہ ہوتی۔ اچھا پھر اس مجلس کی شرکت۔ اعانت سرپرستی میں مسلمانوں کی طرف سے وہ سرگرمی کیوں نہیں ظاہر ہوئی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ کیا لوگوں کو اس انجمن کی خبر نہیں یا اسلام محتاج حمایت نہیں یا جس قدر ہو چکا ہے اسلام کی ضرورتوں کو کافی ہے یا انجمن کی کارروائی اصلاح طلب ہے۔ یہ ہیں چند سوالات جو انجمن کے اس جلسے میں شریک ہونے کے قصد کے ساتھ میرے ذہن میں گزرے۔ ان کے جوابات بہم پہنچانا۔ ان پر غور کرنا۔ سوچنا۔ موانعات کو دفع کرنا میرا نہیں بلکہ انجمن کے اُن ممبروں کا کام ہے جو انتظام کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ میں تو صرف نفس حمایت اسلام پر چند ریمارکس کروں گا۔ مجھ کو صرف اتنی بات کا ظاہر کرنا منظور ہے کہ ہندوستان میں اسلام کو کس طرح کی حمایت درکار ہے۔

شروع میں اسلام کو ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چار و ناچار نبرد آزمائی کرنی پڑی۔ حضرت نے بڑے صبر۔ بڑے تحمل اور بڑے استقلال کے ساتھ بارہ برس تک اس پہلو کو بچایا۔ اور صرف خدا کے واسطے تمام دنیاوی ایذاؤں کو برداشت کیا۔ مگر عرب کے لوگ لاتوں کے بھوت باتوں سے کیوں رو براہ ہونے لگے تھے۔ عرب کے لوگوں کو حضرت کے ساتھ صرف اس وجہ سے عداوت تھی کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک خدا

[1] ناموافق ۱۲ نبرد لڑائی ۱۲۔

کی پرستش کو قایم کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ دینی دشمنی کے سبب طرح طرح پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو زبانی ایذائیں دیتے اور کہتے دیوانہ ہی جھوٹا ہی شاعر ہی۔ ہیں کہیں مرزا ارشد اور الطاف حسین حالی
ان صاحبوں کے واسطے شاعری سرمایۂ ناز ہو۔ مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے یہ خطاب باعث
عزت نہ تھا۔ بلکہ اُن کو تو عالم ہونا بھی موجب عار و منقصت تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اُمی تھے۔ اگر وہ ایم۔ اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری رکھتے ہوتے تو لوگ کہتے کہ پڑھا ہوا اپنے خیالات
ظاہر کر رہا ہی۔ زبانی تکلیفوں کے سوا گستاخی۔ بیہودگی۔ بے ادبی اس درجے کی تھی کہ کفار نے ایک
دفعہ سجدہ کی حالت میں اونٹ کا اوجھ گردن مبارک پر ڈال دیا بوجھ سے اُٹھ نہ سکے حضرت فاطمۃ الزہرا
نے آن کر اُٹھایا۔ کافران بے دین راہ میں کانٹے بچھا دیتے کہ آتے جاتے پائے مبارک میں چبھیں۔
آتش عداوت یہاں تک بھڑکی کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہلاک کرنے کے درپے
ہو کر قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقا اور انصار پر
عرصۂ زیست[۱] کو تنگ کر دیا۔ ناچار سب نے گھر بار جائداد سب کچھ چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کی جس کو
ہجرت کہتے ہیں۔ لڑائی کی آگ کا قاعدہ ہی کہ لگی اور بھڑکی اور بھڑکی اور
پھیلی۔ اس طرح پر اسلام کو معرکے پیش آئے۔ اسلام کو اگر درخت سے تشبیہ دیں تو وہ ایسا درخت
ہی کہ تلواروں کی چھاؤں میں اُس کا نشو و نما ہوا اور آدمیوں کے خون نے اس کے لیے پانی کا
کام دیا۔ اسلام خدا کی خالص اور بے لاگ و لپیٹ توحید کی وجہ سے یوں بھی بت پرستوں اور
مشرکوں یعنی دنیا کے تمام لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ لڑائیوں کی وجہ سے اور بھی مبغوض
ہو گیا۔ سلطنت اسلام کے قائم ہو جانے کے بعد مسلمان بادشاہوں نے اشاعت اسلام کو
توسیع ملک کا حیلہ ٹھہرایا۔ یہ روداد مخالفین اسلام کے لیے حجت ہو گئی اور حجت بھی کی بات بھی
تھی کہ بھلا یہ بھی کوئی مذہب ہی جو ہتکڑی اور زبردستی اور دھینگا مشتی سے لوگوں کے دلوں میں
اس طرح اُتارا گیا جیسے کڑوی دوا بچوں کے گلے میں۔ جو شخص واقعات تاریخی کی تہذیب پر دلیری

[۱] کی مدت بمعنی زندگی ۱۲۔

اپنا مسلک تو یہ ہی کہ بے شک جہاں تک اسلام کو ہندوستان کے ساتھ تعلق ہی وہ ایسا ہی تھا
ہی بلکہ یوں کہو کہ تھا۔ جیسا کہ اُس کے مخالف کہتے ہیں کہ جبر و اکراہ کے ساتھ اُس کی اشاعت کی
مگر اس سے نفس اسلام پر کوئی الزام کیوں آنے لگا۔ الزام اگر ہی تو اُن لوگوں پر ہی جنہوں نے جبر و
اکراہ کے ساتھ اس کی اشاعت کی۔ اگر کسی مدرسے کا ایک احمق لڑکا ایسی بدیہی بات نہ سمجھے کہ
مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہی۔ لیکن جب پوچھا جاے تو ماسٹر کے ڈر سے
لکھ دیا کرے کہ ہاں ہوتا تو ہی۔ اس صورت میں ماسٹر قصوروار ہی کہ اُس نے لڑکوں پر اپنی ہیبت
ناجائز حد تک بٹھا رکھی ہی۔ یا لڑکا قصوروار ہی۔ کہ ڈرپوک اور دل کا بودا ہی کہ نہیں سمجھتا اور کہتا ہی کہ
ہاں سمجھ گیا۔ لیکن اصل مسئلہ کہ مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہی ہر حالت میں
صحیح ہی۔ بعینہ یہی حال ہی اسلام کا۔ کسی نے اس کو طوعاً تسلیم کیا تو۔ اور کرہاً تسلیم کیا تو۔ وہ فی حد ذاتہٖ
مذہب صحیح تھا۔ اور ہی اور رہے گا۔ ہاں تو میں اس بات کو مانتا ہوں وَلَا یَتَخَلَّجُ فِیْ صَدْرِیْ مِنْہُ
شَیْءٌ[۵۱] کہ اسلام کو متقدمین مسلمانوں نے زبردستی سے ہندوستان میں پھیلایا۔ مسلمان ہرگز ہندوستان
میں مہمان نہ تھے۔ جیسا کہ الطاف حسین حالی نے شکوۂ ہند میں لکھا ہی۔ بلکہ غاصب[۵۲] اور دخیل
بے جا سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی
سوسائٹی میں ایڈمٹ[۵۳] نہیں کیا۔ اور نہ انہیں اپنا مہمان سمجھا۔ نہ اِن کے ہاتھ کا چھوا کھانا کھایا نہ
پانی پیا شادی بیاہ کا تو کیا مذکور ہی بس مسلمان اگر مہمان تھے بھی تو مہمان ناخوانده۔ غرض ہندو مسلمانوں
میں جو بگاڑ شروع شروع میں پیدا ہو گیا تھا کسی زمانے میں کم نہ ہوا۔ اکبر نے ہندو مسلمانوں میں
رابط و ضبط پیدا کرنے کی کچھ کوشش کی تھی مگر فریقین کی طرف سے وہ ایک شخصی سی بات تھی بے ثبات
شاید اُس کی تدبیر کے مرہم سے زخم اختلاف کچھ بھر چلا ہو تو اُس کے بعد ٹانکے ٹوٹ ٹاٹ کر وہ گھاؤ
پہلے سے بھی بدتر ہو گیا۔ اور جب فساد زخم تمام جسد ہندوستان میں پھیل گیا تو پولیٹیکل[۵۴] سرجری کے

---

۵۱ میرے سینے میں اُس کی طرف سے کچھ بھی نہیں کھٹکتا ۱۲ ۵۲ چھین لینے والے ۱۲ ۵۳ شامل ۱۲ ۵۴ جراحی متعلق
سیاست مدن ۱۲۔

قاعدے سے قطعِ عضوِ فاسد لازم آیا یعنے انتزاعِ سلطنت۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں
اصول اسلام ایسے عمدہ اور سلیس اور عام فہم اور ہر دلعزیز اصول ہیں کہ اِن کے ماننے والے
یعنی مسلمان دنیا میں بہت زیادہ ہونے چاہئیں۔ سب سے بڑی خوبی جو اسلام میں ہے یہ ہے۔
کہ اس میں تکلّف نہیں تصنّع نہیں۔ ادّعا نہیں۔ طلب محال نہیں تکلیف مالایطاق نہیں۔
کسی طرح کا اشکال نہیں۔

بڑے اصول مذہب کے تین ہیں۔

اوّل توحید دوّم رسالت سوّم احکام یعنے اوامر اور نواہی۔

جن وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا ہونا ضروری ہے۔ اُن ہی وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ہے۔
قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر ہے کہ کس طرح سے اُنہوں نے توحید کا سراغ لگایا۔
موجودات میں سے ادنیٰ قسم جمادات ہیں کہ جو حرکت بالارادہ نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے نباتات کا
درجہ ہے مثل گھاس و روئیدگی و درخت۔ ان میں نمو ہے مگر حرکت پر قادر نہیں۔ ہوا کا جھکولا
آیا تو ہل گئے ورنہ کھڑے ہیں۔ ان میں اور جمادات میں صرف بالیدگی کا فرق ہے۔ بعدہ حیوانات
جو اپنے ارادے سے نقل و حرکت کرتے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ درجہ انسان کا ہے۔ انسان میں
سب باتیں مثل دوسرے جانوروں کے ہیں۔ مگر اس کو فضیلت ہے بسبب عقل کے جس کی
وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ ہندوؤں کو ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ جانور۔
آگ ٹلسی۔ پیپل کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ گویا انسان سب سے بدتر ہے۔ اسلام انسان کو کیا
سکھاتا ہے کہ دنیا میں سب چیزیں تجھ سے کم ہیں۔ اگر خدا دنیا میں ہوتا تو میں ہی ہوتا۔ انسان
اشرف المخلوقات تھا اور اس کی حالت اِس شرافت کی مقتضی تھی لیکن اس شرافت پر
انسان کو اسلام نے جمایا اور اس اعتبار سے تمام بنی نوع انسان کی گردن پر اسلام کا بڑا
حق ہے۔ مگر ہندو دھرم نے انسان کو سب سے بدتر بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

لہ جس کی برداشت نہ ہو سکے ۱۲۔

زمانے میں علم نجوم کو بڑی ترقی تھی اور تمام تصرفات نجوم کی طرف منسوب کیئے جاتے تھے
ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں بت بنائے جاتے۔ اور پوجے جاتے تھے۔ مگر چوں کہ فطرت
وحدانیت کی طرف پوری پوری متوجہ تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ وہ خدا کیسا کہ جس میں
ہم خود تصرف کر سکتے ہیں یعنی بت کہ اُن کا بنانا بگاڑنا ہمارے اختیار میں ہے اُس زمانے کے
تقاضائے وقت سے آپ نے اجرام فلکی کی طرف خیال کیا۔ جنگل میں کھڑے ہو کر کہا کہ خدا
کہاں ہے۔ اتنے میں ایک چمکتا ہوا ستارہ عرصۂ فلک پر نمایاں ہوا۔ آپ نے خیال کیا کہ
شاید یہی خدا ہوگا۔ کواکب کی تاثیرات کو سب لوگ مانتے ہیں۔ مگر دیکھا کہ ستارہ طلوع ہوا۔
پھر ترقی ہوئی۔ پھر تنزل۔ معلوم ہوا کہ یہ خود مجبور ہے۔ خدا کیوں کر مجبور ہو سکتا ہے فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ
اللَّيْلُ رَأٰى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ[1] تھوڑی دیر کے
بعد چاند کو دیکھا اُس کا بھی انجام ویسا ہی ہوا پھر ناامید ہو کر فرمایا کہ میری کوشش ہی نہ کہ میں
تلاش کروں۔ آفتاب نکلا۔ کہا کہ اس کے سامنے سب ماند پڑ گئے یہ خدا ہے مگر وہ بھی آخر کو غروب
ہوا۔ تو بے اختیار بول اُٹھے افسوس میری غلطی ہے خدا وہ ہے جس کو میں نہیں دیکھ سکتا۔
جس کے دیکھنے کے واسطے چشم بصارت اور بصیرت دونوں کافی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام
کا یہ واقعہ ہندوؤں کی بڑی غلطی ظاہر کرتا ہے۔ اب عیسائیوں کو یہ لوگ بھی گمراہ ہو گئے۔
اِن کے یہاں دس احکام ہیں۔ ایک حکم یہ ہے کہ کل کے واسطے بالکل ذخیرہ مت کرو۔ ایک
حکم یہ ہے کہ اپنے دشمن کے واسطے دل سے بہتری چاہو۔ جیسے اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے۔
ایک حکم یہ ہے! اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی پھیر دو۔ دیگر آدمی
کے لئے یہ احکام ممکن التعمیل نہیں ہیں کہ کوئی اس پر ظلم کر کے تھپڑ مارے اور وہ کہے کہ
اَور مار۔ یا جانی دشمن کے ساتھ محبت کرے مثل اپنی اولاد کے یا فکر فردا سے فارغ ہو بیٹھے

[1] آسمانوں کے چاند سورج ستارے وغیرہ ۱۲ [1] رات ہوئی تو دیکھا ستارے کو کہا یہ ہے رب میرا جب وہ
غروب ہو گیا۔ کہا میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۲۔

یہ احکام ہیں از قسم محاربت۔ اخلاقی معاملات میں جن پر ہم عمل کرسکتے ہیں۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (بدی کی جزا اسی طرح کی سزا۔ اگر کوئی معاف کرے اُس کا اجر اللہ پر) یہ ہے وہ علم جو فطرت انسانی سے ملتا ہے اور جس کو دل مان لیتا ہے اور جو مقدور بشر ہے۔

عیسائی مذہب عیسوی کا ایک مسئلہ کفارہ ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا میں دو صفتیں متناقض[5] کیوں کر جمع ہو سکتی ہیں۔ عدل اور رحم۔ عیسائی کہتے ہیں کہ خدا مجبور ہو گیا ہے اگر کسی کو معاف کرے نہیں کرسکتا مگر فطرت انسانی کیا گواہی دیتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ ہو جائے تو سوا توبہ اور استغفار کے کیا کرتا ہے عیسائی خدا کی ذات میں عدالت اور نصفت کو یوں جمع کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت مسیح بن کر ذلتیں اور مصیبتیں جھیلیں اور یوں گنہگاروں کی سزا کو خود بھگت کر عدل اور رحم دونوں کو پورا کیا۔ جیسے ہمارے معزز دوست محمد برکت علی خاں صاحب کسی مجرم پر جرمانہ کریں اور اپنے پاس سے بھر دیں اس کو توبہ سے ملا کر دیکھو۔ اب میں رسالت کے لحاظ سے دکھانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں کر عرب کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انسان کے تمام کام معلل[6] بالغرض ہوتے ہیں۔ کوئی سفر کو جاتا ہے کسی سے ملنے کے واسطے بکبست جوتتا ہے اناج کے واسطے۔ اگر پیغمبر صاحب نے دعویٰ رسالت کیا تو کوئی مطلب تو ہوگا آیا ان کی غرض یہ تھی کہ میں بادشاہ ہوں میں بھی اَحَدٌ مِّنَ الْمُلُوْكِ[7] ہو جاؤں یہ احتمال بالکل غلط ہے اس کے برخلاف آپ نہایت متواضع۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ صحابہ جمع ہوئے۔ حضرت کو دیکھا کہ کھجور کے بورئیے پر لیٹے ہوئے ہیں اور تیلیوں کے نشان سینے پر نمایاں ہیں۔ اصحاب نے عرض کی یا حضرت اگر آپ بورئیے پر کپڑا ڈال لیا کریں تو کیا اس میں کچھ حرج ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عیش[8] نہیں چاہتا۔ دعویٰ رسالت کا دوسرا باعث شاید یہ ہو کہ مجھ کو لوگ معتقد ہیں

---

[4] دیکھو سورۂ شوریٰ ۱۲ [5] ایک دوسرے کی نقیض ۱۲ [6] یعنی ہر ایک کام کی علت کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے ۱۲
[7] من بادشاہوں کے ایک ۱۲ [8] عیش ۱۲

سمجھیں۔ جیسے بعض شیوخ اور ریاکار عالموں کا حال ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں۔ تم میں اور مجھ میں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ یُوحیٰ اِلَیَّ (مجھ پر خدا کی وحی آتی ہے) جو میرے اختیار کی چیز نہیں۔ پھر فرماتے تھے لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائی سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی اتفاقِ بد پیش نہ آتا)

کوئی شخص پیشوایانِ دین میں سے ہے جو اس طرح کہے۔ پھر اس سیدھے سادے منکسر متواضع نبیؐ کے اِس کہنے کو دیکھو مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ معلوم کہ تمھارے ساتھ کیا ہوگا) کفار کے جواب میں فرماتے۔ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں کفار کہتے چشمہ بہاؤ یا کوئی انگور کا باغ لگاؤ جیسے بھان متی لگاتے ہیں اس میں نہریں بہاؤ۔ ایک سونے چاندی کا محل بناؤ کوئی عجیب بات ہم کو دکھاؤ اور تم تو ہم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آسمان پھٹ پڑے گا۔ اب آسمان سے پتھر برساؤ یا اللہ اور اُس کا لشکرِ ملائکہ دکھاؤ۔ ان سب باتوں کا آپ جواب دیتے کہ میں کسی اختیار اور تصرف کا دعویٰ ہی نہیں کرتا پھر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسل کے لیے آمدنی کا کوئی ذریعہ قائم نہیں ہونے دیا۔ اُنھوں نے آمدنی کے تمام ابواب اپنی نسل پر بند کیے۔ آلِ ہاشم پر صدقہ اور خیرات اور زکوٰۃ کو ابداً حرام کر دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر مال تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام اُن دنوں بچے تھے ایک کھجور لے کر مُنہ میں ڈال لی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنگلی سے نکال کر پھینک دی اور فرمایا کہ صدقات لوگوں کے مال کا میل ہیں۔ جن کو خدا نے میری اولاد پر حرام کیا ہے۔ غرض سب سے بڑی خوبی اسلام میں یہ ہے کہ اس میں تکلیف نہیں طلب محال نہیں تصنع نہیں اس مطلب کو اگرچہ میں زیادہ نہ بیان کر سکا تاہم مختصراً بیان کر دیا۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اسلام آہن دلِ انسان کے لیے مقناطیس ہے۔

۱ ۵ [illegible] ۱۲ ۵ بناوٹ ۱۲۔

حقیقت میں سخت حیرت ہوتی ہے تیرہ سو برس ہو چکے دنیا کے لوگ سارے نہیں تو اکثر مسلمان کیوں نہیں ہوگئے۔ میں نے اپنے ذہن میں اس کا یہی سبب قرار دے رکھا ہے کہ اسلام کو دوستی و خیرخواہی اور ہمدردی کے پیرایے میں لوگوں پر عرض کرنے کا موقع نہیں ملا ورنہ جس طرح سے پادری لوگ بہلا کر پھسلا کر لالچ دکھا کر رفق ولینت[1] سے خاطرداری ودلجوئی سے منت وخوشامد سے سمجھا کر پرچا کر سینکڑوں برس سے انجیل کی منادی کر رہے ہیں۔ زیادہ نہیں بچاس برس بھی اس طرح سے لگ لپٹ کر قرآن مجید کی منادی کی جائے تو مسلمان دن دونے اور رات چوگنے میرا ذمہ۔

ان پادریوں کی چالیں کیا ہیں۔ ان کے ہتکھنڈے تو دیکھو سینکڑوں ہزاروں مدرسے کھول رکھے ہیں۔ دھڑلّے سے دنیوی علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ مگر ہومیوپیتھک[2] دوا کے ایک قطرے کی طرح قلیل المقدار قوی الاثر ایک آدھ سبق مذہب کا بھی ہوا کیوں نہ ہو وہی تو مشن کی تعلیم کے پریسکرپشن یعنی نسخے کا جزو اعظم ہے۔ رہی دنیوی علوم کی تعلیم بہ منزلہ شربت کے ہے جیسے شربت کی چاٹ سے طبیعت دوا کو گوارا کر لیتی ہے ویسے ہی دنیوی علوم کے لالچ سے لوگ پادریوں کی مذہبی تعلیم کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر ہزاروں لاکھوں کتابیں ملکی زبانوں میں مفت بٹ رہی تقسیم ہو رہی ہیں کاغذ عمدہ سے عمدہ۔ چھاپہ عمدہ سے عمدہ۔ جلد عمدہ سے عمدہ۔ کیا پادری نہیں جانتے کہ شب برات میں ان کی کتابوں کے پٹاخے بنائے جاتے اور عطار ان کو پڑیوں میں صرف کرتے لوگ جلدیں اکھاڑ کر اوراق کو ردی کی طرح پھینک دیتے یا پٹھے کے کام میں لاتے ہیں مگر ہمت اس کو کہتے ہیں کہ صرف اتنی توقع موہوم پر کہ شاید کوئی کتاب دست برد[3] سے بچ جائے تو شاید اس پر کسی کی نظر پڑے۔ شاید وہ متاثر ہو یہ بے دریغ خرچ ہیں اور یہ بے منت زحمتیں ہیں۔ من جملہ تدبیر اشاعت مذہب ایک تدبیر وعظ کی ہے۔ کوئی میلہ۔ کوئی بازار۔ لوگوں کا کوئی مجمع نہ ہوگا۔

---

[1] نرمی ۱۲ [2] یہ بھی ایک قسم کی ڈاکٹری ہے ۱۲ [3] ضائع کرنا ۱۲

ہماں ایک پادری کھڑا ہوا مذہب کی منادی نہ کر رہا ہو۔ ع

بھر زمین کہ رسیدیم آسماں پیداست

لوگ ہیں کہ بیہودہ کٹھ حجتیاں کر رہے ہیں سخت درشت کہتے ہیں۔ تمسخر و استہزا سے بھی پیش آتے ہیں۔ مگر پرچر[1] ہی کہ ملول ہوتا نہ برا مانتا نہ گالی کا جواب گالی دیتا ہی۔ کیا کوئی پادریوں کی ریس کرے گا۔ یہ لوگ جان پر کھیل کر افریقہ اور چین اور تبت اور جزائر دور دست جیسے وحشی اور جنگلی اور نامنتظم و خطرناک مقامات میں جانے کی بھی ذرا پروا نہیں کرتے۔ گرفتار ہوتے مارے جاتے۔ ناموافقت آب و ہوا سے ہلاک ہوتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے۔ غرض مذہب کے پھیلانے اور رواج دینے میں کسی وضع خاص کے پابند نہیں۔ جس ڈھنگ سے سینگ سماتے دیکھے گھس پڑے۔ جیسے کہ ایک شکاری شکار کو گیا اونٹ بھی تھا اور راؤٹی بھی تھی ترشح ہونے لگا۔ لوگ راؤٹی میں گھس بیٹھے اونٹ نے بھی راؤٹی میں سر رکھنے کے لیئے جگہ مانگی اور آخر کار ساری راؤٹی میں وہی وہی تھا۔ وہ کسی شان میں ہوں۔ دل جوئی[2] استمالت[3] و تالیف قلوب ہر پیرائے میں ضرور۔ ڈاکٹر بن کر بیماروں کو دوا دیں۔ علاج کریں۔ سوداگروں کے بھیس میں مال تجارت ہلکے داموں پر بیچ دیں۔ وحشیوں کو آئینے اور جھوٹے موتی اور کھلونے دکھا کر خوش کریں۔ اور زنان خانوں میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا۔ سینا پرونا سکھائیں۔ دائیوں کی طرح بچے جنوائیں۔ یہ ہیں چند نمونے ان لوگوں کی کوششوں کے جن کو اپنی قومی سلطنت کے ہوتے کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔ اب ہم کو اپنی جگہ آپ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے لیئے بھی کبھی کوئی اس قسم کی تدبیر کی گئی ہی ہرگز نہیں! یہ سچ ہی کہ ہمارے ہاں وعظ کا دستور ابتدا سے ہی۔ مگر جس طرح ہمارے اور پادریوں کے وعظ کے طریقے مختلف ہیں۔ اغراض بھی مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں کے عالم اکثر اپنی مسجدوں میں وعظ کہتے ہیں اور اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہی کہ مسلمانوں کو احکام مذہب سے آگاہ کیا جائے۔ جب کہ پادری دوسروں کو کنورٹ[4] کرنے کے لیئے، گلی گلی کوچہ کوچہ وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ پادریوں کی دیکھا دیکھی چند روز سے مسلمانوں نے بھی کہیں کہیں

[1] واعظ ۱۲ [2] دل جوئی ۱۲ [3] ۔ [4] نو عیسائی ۱۲

سر بازار کھڑے ہو کر وعظ کہنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مگر نام و نمود کے مولوی اس طرز کو موجب
کسر شان سمجھتے ہیں چیلے تو بہت سے بنائیں گے۔ کہ ہم کو اپنی ہی گھر درس و ہدایت سے فرصت
نہیں کیا کریں پڑھنے والے آگھیرتے ہیں مستفتی[۱] دم نہیں لینے دیتے لیکن شاید اصلی سبب ہی کبر
نفس۔ پھر ایک بہت بڑا نقص ہمارے ہاں یہ ہے کہ مولوی احکام ظاہر کا بہت بڑا اہتمام رکھتے
ہیں۔ جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں ہمارے مولویوں کی تعلیم کا خلاصہ ہے زہد اور احکام
ظاہر کی پابندی۔ شریعت طب روحانی ہے جس طرح طب ابدان میں ہر طرح کے علاج ہر قسم کی
دوائیں دیکھتے ہو کہ کہیں فصد اور حجامت اور تنقیہ اور پرہیز اور فاقہ ہے کہ یہ سب تدبیریں ضعیف کرنے
کی ہیں کہیں ادویہ مہیج[۲] اور مقوی بھی ہیں۔ کیوں کہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں کوئی درجہ اعتدال
سے بڑھ گیا ہے اس کو گھٹانے اور نیچے اتارنے کی ضرورت ہے۔ کوئی گر گیا ہے اس کو اچکانا اور ابھارنا
ہے بعینہ اسی طرح مذہب میں زہد بھی ہے کہ یہ بمنزلہ تنقیہ ہے مگر وہ کس حالت کے مناسب تھا کہ
مسلمانوں میں اس طرح کی دولت پھٹ پڑی تھی کہ مدینہ منورہ میں لوگ زکوٰۃ کا روپیہ جھولی میں بھرے
ہوئے لیئے لیئے پھرتے تھے اور کوئی زکوٰۃ کے لینے کی حامی نہیں بھرتا تھا کیوں کہ ہر شخص خدا کے فضل
سے بجائے خود صاحب نصاب[۳] تھا۔ اور اب بھی خدا مسلمانوں کے ویسے ہی دن پھیرے تو سب سے
پہلا شخص جو تعلیم زہد کی رائے دے میں ہوں مگر مسلمانوں کی حالت موجودہ تعلیم زہد سے ویسا ہی ابا[۴]
رکھتی ہے جیسا کہ ایک بیمار ناتواں کی تنقیہ سے تمول کے لئے ایک درجہ معتدل اپنے ذہن میں قرار دو
پھر مسلمانوں کے تمول کا اوسط نکالو تو پاؤ گے وہ نسبت جو عدد صحیح اور کسور اعشاریہ میں ہوتی ہے
بھلا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ احکام زہد [illegible] صحیح و [illegible] دل تنگ [illegible] پیٹ کو روٹی
اور تن کو کپڑا نہیں۔ کیا پیغمبر صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانے میں سب کو اصحاب صفہ[۵]

---

۱ فتوے لکھوانے والے پوچھنے والے ۱۲ ۲ ہیجان یعنی رغبت دلانے والی ۱۲ ۳ یعنی اس قدر مال رکھتا
تھا جس پر زکوٰۃ دینی لازم آتی ہے ۱۲ ۴ انکار ۱۲ ۵ یہ وہ اصحاب ہیں جو بوجہ مفلسی کے مسجد نبوی میں گزارہ کیا کرتے
تھے وہیں بود و باش تھی۔ اگر کچھ کہیں سے کھانے کو آگیا تو خیر ورنہ خوشی سے صبر کیے بیٹھے رہتے ۱۲۔

کی طرح مفلس محتاج دوسروں کا دست نگر بنانا چاہا۔ سُبحانک ہٰذا بُہتانٌ عظیمٌ۔ نہیں نہیں۔
بلکہ مفلسوں کو غنی۔ محکوموں کو حاکم۔ رعایا کو بادشاہ وحشیوں کو شائستہ بننے کی ترغیب دی اور
نہ صرف ترغیب دی بلکہ کر دیا اور کر دکھایا۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے مولوی
جن کو طبیبِ روحانی ہونے کا دعویٰ ہو اُمتِ محمدیہ کا علاج کر رہے ہیں مگر بالکل اُلٹا علاج۔
اُمت کے لوگ حد سے زیادہ ضعیف ہو رہے ہیں اور اُن کو زہد کا جلّاب دیا جاتا ہے کہ پرسوں
مرتے کل مریں اور کل کے مرتے آج۔ اصلی بات یہ ہے کہ اسلام کے لئے تکثیرِ جماعت کے خیال کو
سر سے نکال ڈالو ہمارے یہاں اسلام کی ایسی حالت نہیں کہ وہ اپنے گروہ کو بڑھا سکے۔ اب
ہماری ہمت اس میں محصور[۱] و مقصور ہونی چاہیئے کہ جماعتِ اسلام کو گھٹنے نہ دیا جائے۔ یعنی
مسلمان ترک اسلام کر کے دوسرا مذہب اور چھپانے کی کیا ضرورت ہے صاف کیوں نہ کہا جائے
عیسائیت) اختیار نہ کرنے پائیں۔ میرا ایسا خیال ہے کہ مذہب بھی علی الاکثر[۲] الا ما شاء اللہ
ایک متوارث چیز ہو۔ ایک مسلمان کا بچہ یقیناً بڑا ہو کر مسلمان ہو گا۔ اسی طرح ہندو کا ہندو اور
عیسائی کا عیسائی۔ کیوں کہ ہر شخص جس سوسائٹی میں پیدا ہوا اور جس سوسائٹی میں اُس نے پرورش
پائی طفولیت سے اُس سوسائٹی کے مذہبی خیالات اُس کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں ایک مسلمان عورت اپنے بچہ کو اللہ
اللہ کہہ کر سلاتی اور اللہ کی مہربانی اور اُسی کے غضب سے دعا دیتی یا کوستی ہے پس وہ بچہ مسلمان تھا
ماں کے پیٹ میں فطرۃً اور مسلمان ہے ماں کی گود میں تلقیناً۔ اور ساری عمر مسلمان رہے گا تقلیداً
یہ ہیں معنی کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ
یُمَجِّسَانِہٖ[۳] کے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہندو کسی وجہ سے مسلمان ہوا اور اُس کو تمام عمر
گوشت نہ پچا۔ کیوں کہ بچپن سے اُس کو گوشت سے نفرت دلائی گئی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی ایسا ہوا تھا کہ جو یہود اسلام لاتے وہ اونٹ کے گوشت سے

---

[۱] سبحان اللہ یہ تو بڑے ہی بہتان کی بات ہو ۱۲ [۲] محدود ۱۲ [۳] اکثر مگر جس کو اللہ چاہے ۱۲ [۴] ہر بچہ اسلام کی
فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اُس کے یہودی کریں اُس کو نصرانی کریں اُس کو یا مجوسی کریں اُس کو ۱۲

پرہیز کرتے اس وجہ سے کہ یہود کے یہاں اونٹ کا گوشت حرام ہو چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ میرے ایک دوست شیعہ سے سُنّی ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے خاندان کے
لوگوں کو مباحثہ و مناظرہ سے سُنی ہونے کی ترغیب دی۔ ایک بی بی کو سب طرف سے بند کیا
تو انھوں نے کہا تو کیا کہا کہ بیٹے میں سُنی تو ہو جاؤں مگر مجھ کو اِن موؤں کے لیئے اصحاب ثلاثہ کے
نام ہی بُرے لگتے ہیں۔ ہاں تو غرض یہ ہو کہ میں مذہب کو متوارث سمجھتا ہوں۔ پھر انسان کے
معاملات میں سب سے زیادہ عجیب مذہب ہی۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات اور کیا ہوگی کہ
منزلِ مقصود سب کی ایک اور راستے دیکھو تو پورب پچھم کا اختلاف۔ اس پر طرہ یہ کہ سرگرمی در
اس بات کا اذعان کہ جس رستے پر میں چل رہا ہوں بس وہی ٹھیک ہو اور دل کی تسلی تمام
اہل مذاہب میں یکساں۔ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست		بگوش گل چہ سخن کردہ کہ خندان ست

دنیا کے اعتبار سے دیکھو تو کسی فرقے کو فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْاَشْیَآءِ نہ مزیت ہو۔ نہ فوقیت۔ نہ فضیلت۔
نہ خصوصیت۔ توالد و تناسل صحت و مرض۔ تونگری و افلاس رنج اور خوشی۔ نیکی اور بدی۔
موت و حیات کیا چیز ہی جو ایک مذہب والوں میں ہو۔ اور دوسروں میں نہیں۔ اور واقع
میں یہی بے خصوصیتی اختلافِ مذہب کو رفع نہیں ہونے دیتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ خود
فرماتا ہو۔ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ

سلہ اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو وہ تمھارا کھلا دشمن ہو ۱۲۔
ٹلہ موروثی ۱۲ سلہ ہر ایک گروہ اپنے حال میں خوش ہو ۱۲ ٹلہ تمام چیزوں سے کسی چیز میں ۱۲ شہ اگر یہ بات نہ ہوتی
کہ سارے آدمی ایک اُمت ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والے کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور
سیڑھیاں چاندی کی کہ اُن پر چڑھیں اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت کہ اُن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں۔ اور
سونا اور نہیں یہ سب کچھ مگر دنیا کی زندگی کا سامان اور آخرت تیرے رب کے پاس ڈرنے والوں کے واسطے ہو ۱۲۔

سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ وَ زُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ○

ہر مذہب میں لوگوں کا ایک ہی طرح کا حال ہے اکثر تو دنیا میں ایسے منہمک[1] ہوتے ہیں کہ دین و مذہب کی طرف مطلقاً ملتفت ہی نہیں ہوتے قدرے قلیل پابند مذہب ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر اور اکثر بھی قریب کل اس خیال کے ہوتے ہیں اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا[2] كَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ○ غرض شاذ ہیں وہ لوگ جو تحقیق کے ساتھ کسی خاص مذہب کو اختیار کرتے ہیں مگر تحقیقات کا نتیجہ ہم نے تو اکثر یہی دیکھا ہے کہ آدمی جس مذہب میں پیدا ہوا اور جس کی خوبی بچپن سے اُس کے ذہن میں بیٹھ چکی ہے تحقیقات کے بعد بھی اُسی پر قائم رہتا ہے۔ وہ اگر اس مذہب کے معتقدات میں کہیں پانی مرتا ہوا دیکھتا ہے تو اُس میں تاویلات گھڑ گھڑا کر من سمجھوتی کر لیا کرتا ہے يَدۡخُلُوۡنَ[3] فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا کے دن گئے۔ اب کوئی اکا دکا تبدیلِ مذہب کرتا بھی ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً دو بڑے تالابوں میں چند قطرے ایک تالاب میں سے لے کر دوسرے میں ڈال دو تو اس سے نہ وہ تالاب خشک ہوگا جس میں سے دو بوندیں نکل گئیں اور نہ وہ تالاب اُبل پڑے گا جس میں دو بوندیں اور آئیں۔ خلاصۂ مقصود یہ ہے کہ ہم کو تکثیر گروہ مسلمانان کے فکر سے فارغ رہنا چاہیئے۔ اس سے کہیں زیادہ بکار آمد اور مفید اور عند اللہ و عند الرسول مقبول یہ ہے۔ کہ ہم عام مسلمانوں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ اور عجب نہیں کہ یہ تدبیر آخر کار تکثیر جماعت اسلام کا بھی موجب ہو۔ نیز زمانہ کا کامپٹیشن[4] کا ہے یوں سمجھنا چاہیئے کہ جتنے اہل مذاہب ہیں سب ایک قسم کے دکاندار ہیں اور ہر دکاندار خریداروں کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے۔ کامپٹیشن کی صورت میں جو تدبیر ایک دکاندار اپنی دکان کی رونق کے لیئے اختیار کرتا ہے ویسی ہی تدبیر ہم کو کرنی ہوگی کہ ہمارے پاس خریدار کی ضرورت کی سب چیزیں

---

[1] مبتلا ۱۲ [2] ہم نے پایا اپنے باپوں کو اسی طرح کرتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپوں کو ایک راہ پر اور ہم اُن کی پیروی کرتے ہیں ۱۲ [3] اللہ کے دین میں گروہا گروہ داخل ہوتے لگے ۱۲ [4] مقابلہ و بحثا بحثی ۱۲ منہ

مہیا ہوں۔ سو ہیں۔ مال بھی عمدہ ہو وہ بھی ہو۔ ارزاں ہو ارزاں بھی ہو۔ چیزیں عمدہ طرح پر
سجائی گئی ہوں۔ خریداروں کے ساتھ ہمارا برتاؤ رفق و نرمی کے ساتھ ہو۔ بس ان دو باتوں
میں کمی ہے۔ اور ان ہی دو باتوں کی طرف میں عام مسلمانوں کو اور خاص کر ممبران انجمن حمایت
اسلام کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے مذہبی احکام جن کو میں نے مال تجارت سے تشبیہ دی
فی حدِ ذاتہا نہایت عمدہ ہیں مگر ہم مسلمان ان کو ایسے طور پر عمل میں نہیں لاتے کہ ان کی عمدگی
ظاہر ہو۔ اور لوگ اسلام کو نظر استحسان سے دیکھیں۔ آپ صاحب مجھ کو اس بات کے کہنے سے
معاف رکھیں گے کہ انجمن حمایت اسلام اپنے پندار میں ایسا خیال کرتی ہے کہ اسلام کو خارج
کی طرف سے خطر ہے۔ وہ ڈرتی ہے کہ ایسا نہ ہو جس طرح عیسائیوں نے مسلمانوں کی سلطنت دبا لی
کہیں مذہب پر بھی دست درازی نہ کریں۔ اور میرا یہ حال ہے کہ میں خارج کی طرف سے بالکل مطمئن
ہوں۔ اس سے کہ پادریوں نے دو چار لاوارث بچے لے جا کر عیسائی کر ڈالے۔ اسلام کا ان شاء اللہ
بال بھی بینکا نہیں ہوتا۔ میں آپ صاحبوں سے سچ کہتا ہوں کہ اسلام کو جو کچھ خطر ہے ہم ہی
مسلمانوں سے ہے جو اس کے نام لیوا ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز ننالم		کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اسلام کوئی شئی منفرد موجود فی الخارج[1] نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کے اطوار و عادات و معاملات و معتقدات و اقوال
و افعال کا نام ہے۔ اسلام کی حمایت حفاظت تائید ہمدردی یہ جو کچھ کہو سب کا بہتر پیرایہ یہ ہے کہ مسلمانوں
کی اصلاح کی جائے۔ سب سے زیادہ ضروری اور سب سے مقدم تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں مسالمت
اور سازگاری کی صفت پیدا کی جائے نہ صرف آپس میں بلکہ دوسری قوموں کے ساتھ۔
مسلمانوں کی پچھلی کارروائیوں نے دوسری قوموں کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ مسلمان دوسری
قوموں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھ نہیں سکتے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ ہم نے شش
اور فرماں روا قوموں کے استمالت قلوب کی پروا نہیں کی جب تک کہ خدا کی حکومت ہی اس

[1] یعنی کوئی چیز علیحدہ جو آنکھوں سے دکھائی دے ۱۲۔

غلطی کا کوئی گزند مترتب نہ ہوا۔ زوال سلطنت کے بعد سے مسلمانوں کا قریب قریب ایسا ہی حال ہے جیسے دانتوں میں زبان روئے زمین پر سوائے خدا کے کوئی ان کا دوست نہیں اور نہ صرف یہ کہ دوست نہیں بلکہ لوگ پچھلی کہانیاں یاد کر کے درپئے انتقام رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر خدانخواستہ ہندوستان پر انگریز مسلط نہ ہوتے یا ہوتے اور خدانخواستہ ان کی طبیعت دوسروں کی طرح کینہ کش واقع ہوئی ہوتی تو آج ہم مسلمانوں کی کیسی گت ہوتی۔ ہر چند واقعات جو صفحاتِ تاریخ میں ثبت ہو چکے کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے لیکن اگر ہم تلافی مافات کرنی چاہیں تو گو دوسری قوموں کو دوست نہ بنا سکیں مگر ان کی شورش عداوت کو تو ضرور فرو کر سکیں گے۔ کیا اسلام کے لیے سلطنت کا ہونا شرط ہے۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبری کے پہلے گیارہ برس کس طرح کفار مکہ میں گزارے تھے۔ یارو شکر کرو کہ ہم کو ہندوستان میں ویسا ابتلاء[1] نہیں بلکہ سچ پوچھو تو مطلق ابتلاء نہیں۔ ہم ہی دوسروں کو نہ دیکھ سکیں تو اور بات ہے ورنہ کوئی ہمارے مذہب سے مزاحم نہیں متعرض نہیں۔ پھر یہ تمام واویلا کیوں اور فریاد کس لیئے۔ بات صاف صاف یہ ہے کہ ہم لوگ اس ملک میں محکوم ہیں مغلوب ہیں ضعیف ہیں اور اپنی حالت پیش نظر رکھ کر مذہب کو نباہنا ہے۔ خدا نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کو مسلمان تمام روئے زمین پر سلطنت کریں گے۔ بلکہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی تو یہ کی بَدَأَ غَرِيبًا[2] وَسَيَعُودُ غَرِيبًا[3] بے شک سلطنت بھی ایک رحمت الٰہی اور وہ ان کو ملتی ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ[4] ہم میں جب تک صلاحیت رہی سلطنت رہی اب جو لوگ عند اللہ صلاحیت والے ہیں سلطنت پر مسلط ہیں۔ کسی کے دل میں یہ وسوسہ نہ گزرے کہ سلطنت دنیا مذہب کے مقبول اور نامقبول ہونے کی کسوٹی ہے۔ یہ انتظام الٰہی میں دوسرے مصالح پر مبنی تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ[5]۔ یہ میرا خیال ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

۱؎ گرفتاری آزمائش ۲؎ غریب حالت میں شروع ہوا ۳؎ عن قریب اسی حالت کی طرف عود کرے گا ۴؎ ہم نے لکھ دیا زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے ۵؎ ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھیرتے ہیں ۱۲

جو دو متناقص حالتیں مغلوبیت و غلبہ اور عسر و یسر کی گذریں ہونہ ہو اس میں یہ حکمت مضمر[۵۱] رہی ہوگی کہ مسلمانوں کو ملائم و ناملائم ہر طرح کی صورت میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ دکھا دیا جائے مسلمانوں کو دوسری قوموں پر کسی طرح کی تعدی کرنے کی قدرت تو باقی نہیں لیکن ان کے برتاؤ میں جتنی اور جیسی چاہیئے سازگاری بھی نہیں۔ جو لوگ ہم میں کے عوام ہیں اُن کو ہندوؤں سے لڑ بیٹھنے کے لیئے ایک ادنیٰ سا بہانہ بس کرتا ہے۔ رہے عیسائی معلوم ہے کہ وقت کے حاکم دولت اور عزت کے منبع[۵۲] ہیں اور کچھ نہیں تو اُن کے ساتھ مذہبی مباحثے میں وہ احتیاط جس کا پاس ایک قوم مغلوب کو ہمہ وقت ہونا چاہیئے ضرور فوت ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ وہ دنیاوی منفعتیں بھی ضرور فوت ہوتی ہیں یا اُن کے فوت ہونے کا ضرور خطر ہے جن کے لیئے خدا نے ہم کو عیسائیوں کا دست نگر بنا دیا ہے۔ کوئی بڑا ایسا ضابطہ کہ مذہبی مخالفت کو پرخاش اور ضد اور بے اعتمادی کی حد تک منجر[۵۳] نہ ہونے دے۔ ذرا اپنے نفوس کا احتساب[۵۴] کرو اور خدا کے لیئے دریا میں رہ کر مگرمچھ کو مت دشمن بناؤ جن دنیا میں بہت دن خار بن کر رہ چکے۔ اب گل ہو کر رہو۔ تم کو یقین آئے یا نہ آئے۔ اگر یقین کروگے تو مجھے کیا بخش دوگے فَمَا آتَانِيَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم[۵۵] اور اگر یقین نہ کروگے تو مجھ سے کیا چھین لوگے میں سچے دل سے تم سب کے روبرو کہتا ہوں کہ میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں۔ بلکہ کسی قدر متعصب مسلمان۔ یہاں تک کہ میں خود انگریزی بوٹ کا پہننا بھی پسند نہیں کرتا ہر چند جانتا ہوں کہ لباس کو مذہب میں کچھ دخل نہیں مگر میں نے کہا کہ مجھ میں تھوڑا سا تعصب ہے۔ میرا مزاج خلقۃً کنسرویٹو[۵۶] واقع ہوا ہے یا ایں ہمہ بہ مسلمانوں فائدے کی نظر سے باصرار کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو جتنی اجنبیت اور وحشت اور نفرت نصاریٰ سے ہے مصلحت وقت کے خلاف ہے۔ اس زمانے کے نصاریٰ وہی نصاریٰ ہیں جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ وہی عقائد ہیں۔ وہی مسئلے ہیں۔ ان ہی کی نسبت خدا فرماتا ہے

۵۱۔ مخفی ۱۲۔ ۵۲ سرچشمہ ۱۲۔ ۵۳ یعنے اُس کی طرف متجاوز نہ ہونے دے ۱۲ ۵۴ بازپرس ۱۲

۵۵۔ جو کچھ مجھ کو اللہ نے دیا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے۔ ۱۲

۵۶ جدت ناپسند ۱۲۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی[1] یہ تو خدا کا فرمودہ ہو اُن وقتوں کا کہ اسلام بر سر عروج تھا اور دوسرے قوموں کی دوستی اور دشمنی دونوں سے مستغنی۔ اب ہمارے برتاؤ کو دیکھو تو ہم نے اَبَاعِد[2] کو اقارب بنا رکھا ہو اور اقارب کو اَبَاعِد اور کس حال میں کہ ہم محتاج ہیں اور نصاریٰ محتاج الیہ۔ ہم محکوم ہیں اور نصاریٰ حاکم عقل رکھتے ہو۔ شعور رکھتے ہو۔ سود و زیاں میں تمیز کرنے کی سمجھ رکھتے ہو[3]

	مصلحت بیں وکار آساں کن		من نگویم کہ ایں مکن آں کن	

اگر ہم کو سوسائٹی کی ضرورت ہو تو اس کی بھی ضرورت ہو کہ ہم اُس سوسائٹی سے جہاں تک ممکن ہو پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن جب سوسائٹی کے خیالات ہماری نسبت یہ ہوں کہ ہم کو ڈینگیئے۔ مغرور۔ بر خود غلط۔ سرکش۔ تُرّے۔ سکڑی۔ بازسلرٹنے کو موجود۔ جھگڑنے کو تیار خیال کرتے ہوں تو بس معلوم ہوا کہ ہم کو سوسائٹی کی منفعتیں بتا ماحاصل نہیں۔ میرے خاندان میں دکانیں اور مکانات کی قسم سے کچھ جائداد ہو ہم لوگ ہمیشہ ہندو کرایہ دار کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیوں کہ اُس سے کرایہ بیانی اور پورا اور فی الوقت وصول ہو جاتا ہو۔ مجھے ایک بندوبست کے مسلمان ڈپٹی کلکٹر کا حال معلوم ہو کہ ان کی کچہری میں ادنیٰ درجے کی محرری خالی ہوتی تو اَدیدا[4] کر ہندو کو رکھتے اس خیال سے کہ ہندو ڈر کر کام کرتا ہو۔ محنت سے جان نہیں چُراتا۔ میں نے بجائے خود آزمایا تو اُن کا خیال صحیح تھا۔ مہاجن لوگ تقاضے کے لیئے اکثر مسلمان پیادوں کو رکھتے ہیں۔ کیوں کہ جانتے ہیں کہ مسلمان سخت گیر ہوتے ہیں۔ حد خودداری تک تو ان باتوں کا مضایقہ نہیں۔ اِس سے زیادہ میرے نزدیک داخل عیب ہو اور مِنْ حَیْثُ الْمُعَاشَرَۃِ[5] خود مسلمانوں کے حق میں مضر سخت مُضر۔ غرض جہاں تک مسلمان دوسری قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

[1] تو سخت دشمن مومنوں کا یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا۔ دوستی میں بہت قریب ایمان والوں کا اُن کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی دور کے لوگوں کو قریب سمجھا اور قریب کے لوگوں کو دور [3] قصداً ۱۲ [4] از روئے

اگرچہ وہ حقارت مذہبی ہی اعتبار سے کیوں نہ ہو مسلمانوں کے اس طرزِ مزاج سے میں ہرگز راضی نہیں
دوسروں کو برسرِ غلط سمجھو اور بے شک وہ برسرِ غلط ہیں لیکن غلطی کی وجہ سے وہ لوگ قابلِ رحم ہیں
نہ لایقِ نفرت۔ میں جانتا ہوں کہ انجمن حمایت اسلام کا یہ مقصد نہیں لیکن مذہبی۔ ذکر میں خواہی
نخواہی دوسرے کے عیوب پر نظر پڑنے لگتی ہے۔ اس سے اگر ہم دوسروں کے عیب نکالنے کی بہ نسبت زیادہ
مفید ہوگا کہ ہم اپنے ہی عیوب کی تفتیش میں مصروف ہوں۔ میرا منصب وعظ کا نہیں لیکن اگر میں اپنے
نفس پر دوسرے مسلمانوں کو قیاس کروں تو ہمارا حال سخت افسوس کے قابل ہے ؎

گر مسلمانی ہمیں ست کہ ما سے داریم		وای اگر از پس امروز بود فردائے

زیادہ کہنے کی فرصت نہیں اور شاید موقع و محل بھی نہیں۔ مگر او ذرا اپنے ایمان کو تو ٹٹولیں کہ یہ ٹھیک
ہے یا نہیں۔ اسلام کا لبِ لباب یا اس کی غرض و غایت جو کچھ ہو خدا کی توحید ہے۔ یہی چیز اصل دین تھی
اور اسی کو ساری دنیا نے یہاں تک کہ اہل کتاب نے مشتبہ اور متزلزل کر رکھا تھا اور اسی کو صرف
اور خالص اور پاک اور متیقن اور مضبوط اور مستحکم اور تشدید[۵۱] کرنے کو ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مبعوث ہوئے سارا قرآن مِنْ اَوَّلِہٖ اِلیٰ اٰخِرِہٖ توحید میں سرشار ہے جملے جملے سے توحید ٹپکتی
رہی ہے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں چشم پوشی اور درگزر اور تالیف قلوب اور
آسانی کی کچھ انتہا نہ تھی صرف دنیاوی امور میں نہیں بلکہ مذہبی امور میں بھی۔ حجۃ الوداع[۵۲] میں کوئی
کہتا مجھ سے فلاں رکن فوت ہو گیا آپ فرماتے لاباس[۵۳]۔ کوئی عرض کرتا یا حضرت ارکان
میں بے ترتیبی ہوئی ارشاد ہوتا لاباس۔ مسجد نبوی میں ایک بے تمیز بول[۵۴] کرنے لگا۔ لوگ مارنے دوڑے
فرمایا اس کو اطمینان سے فارغ ہو لینے دو پھر نرمی سے سمجھا دیا۔ مسجد عبادت کے لیے ہے اساراے[۵۵] بدر
کے بارے میں باوجودیکہ اصحاب نے قتل کی رائے دی حضرت نے فدیہ[۵۶] لے کر چھوڑ دیا۔ ایک منافق
مرا اس کے بیٹے نے التماس کیا کہ حضرت اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیں۔ آپ منع کرتے کرتے راضی

۵۱ مضبوط ۱۲ ۵۲ پیغمبر صاحب کا آخری حج ۱۲ ۵۳ کچھ حرج نہیں ۱۲ ۵۴ پیشاب ۱۲ ۵۵ جنگ بدر میں جو لوگ قید ہوئے
تھے اُن کو اُساراے بدر کہتے ہیں۔ اسیر یعنی قیدی اساریٰ جمع ۱۲ ۵۶ تاوان ۱۲

ہوگئے۔ جب کبھی حضرت کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا۔ آپ ہمیشہ سہولت کا پہلو اختیار کرتے حضرت انس رض کہتے ہیں۔ میں نے دس برس خدمت کی کبھی کسی بات پر مجھ کو ملامت کی ہی نہیں گھر میں جو کچھ پکتا خوشی سے کھا لیتے اور نہ بھاتا تو مونھ سے کھانے کو بُرا نہ کہتے حطیم[۵] کعبہ کو صرف اس وجہ سے داخل کعبہ نہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ نئی بات سمجھ کر تکرار کریں غرض سب باتوں میں نرمی تھی۔ اور نہیں تھی تو توحید کے بارے میں۔ فتح بدر کے بعد لڑکیاں شادیانے گانے لگیں۔ آپ خاموش لیٹے ہوئے سُنا کیے۔ جب اُنہوں نے کہا کہ ہم میں پیغمبر غیب داں ہے جھٹ آپ نے روکا۔ صحابہ رض نے چاہا کہ فارس کے قاعدے کے مطابق تعظیماً سجدہ کریں منع فرمایا بلکہ لوگوں کے کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ اِس خیال سے کہ مبادا میرے پیچھے لوگ پرستش کرنے لگیں وصیت کی کہ میری قبر زمین دوز بنانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زندہ رہے توحید کی رخنہ بندیوں میں لگے رہے اب اُسی خدا پرست پیغمبر کی اُمت کو دیکھتے ہیں۔ قبر پرست۔ پیر پرست۔ تعزیہ پرست۔ رسم پرست۔ اوہام پرست۔ تدبیر پرست۔ خواہش پرست یعنی روزمرہ کی حاجتوں میں تو ہم کو اس کی ضرورت پڑتی نہیں کہ بیٹھے بٹھائے خدا کو تکلیف دیں اولاد۔ نوکری۔ تن درستی۔ دوستی۔ دشمنی۔ ہار جیت۔ میں نہیں سمجھتا کون سا مطلب ہے جو خدا کے بدون اٹکا ہے۔ اور اُس کو کوئی نہ کوئی زندہ یا مردہ سالک[۶] یا مجذوب[۷] فقیر پورا نہ کر سکے۔ یوں تو اپنے دہی کو اپنے مونھ سے کوئی کیوں کھٹّا کہنے لگا۔ لیکن غیر ملک کے کسی ناواقف محض شخص کو آنے دو وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اگر فرق پائے گا تو اسی قدر کہ ہندو اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اپنے بزرگوں کی۔ مسلمانوں کو توحید کے بارے میں متزلزل دیکھ کر میں ذرا بھی تعجب نہیں کرتا یہ مرحلہ ہی ایسا مَزَلَّةُ الْاَقْدَامِ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ لیکن البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہی یا اُسی قسم کے افعال دوسری قوموں کا آدمی کرے تو مشرک اور مسلمان اِس سے

---

[۵] خانۂ کعبہ کے پہلو میں ایک جگہ ہے جو اصل میں داخل کعبہ تھی اور اب کعبے سے خارج ہے مگر طواف میں اُس کو شامل کر لیا جاتا ہے ۱۲ [۶] وہ درویش جس کے ہوش و حواس درست ہوں ۱۲ [۷] جو اپنے آپ میں نہ ہو ۱۲ [۸] قدموں کے پھسلنے کی جگہ۔ اور نسبت سے اِن میں اللہ کو مانتے بھی ہیں تو ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں ۱۲

بدتر سے بدتر بھی کرے پھر موحد کا موحد توحید کیا ہے۔ بی بی تمیز کا وضو ہے کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں تاویلیں جو مسلمانوں کے مونھ سے سنی ہیں وہ اسی قسم کی ہیں جو دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں [١] هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یہاں کچھ لڑائی نہیں جھگڑا نہیں مباحثہ نہیں آپس کی بات ہے بحث کرنے پر آؤ تو کوئی بھی مجھ کو بند کر دے گا [٢] وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا لیکن معاملہ خدا کا ہے [٣] يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ؎

زدرت از پیش میرود با ما		با خدا وند غیب داں نرود	

تھوڑی دیر تعصب کو دور کر کے نظر انصاف سے دیکھو کہ عموماً مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں یا نہیں تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اپنے ایمان کو تو ٹھیک کر لو تب ہی دوسروں کے پیچھے پڑنا ؎

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو		تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو	

مسلمان کہلانے بلکہ ہونے سے آدمی مومن نہیں ہو جاتا اور مومن ہوئے بغیر نجات نہیں یہ اسی طرح کی بات ہے ؎

بسکہ دشوار ہے ہر چیز کا آساں ہونا		آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا	

میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے اسلام اور ایمان کا فرق ظاہر ہوگا [٤] قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پھر آپ ہی مومن کی شناخت بتاتے ہیں [٥] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

[١] یہ ہیں ہمارے شفیع اللہ کے پاس ان کو ہم صرف اسواسطے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں ١٢ [٢] اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے ١٢ [٣] آنکھوں کی چوری اور سینے کی چھپی باتوں کو جانتا ہے ١٢ [٤] سیٹ ١٢ [٤] کہا اعراب نے ایمان لائے ہم کہہ نہیں ایمان لائے تم بلکہ کہو کہ اسلام لائے ہم اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ١٢ [٥] ایمان والے وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے کوشش کی سچے ایمان وہی ہیں ١٢

وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ ایمان اور اس میں شک و شبہ کا خطور نہ کرنا عمل قلب ہی۔ اور اگرچہ اس کے آثار بھی آدمی کے اقوال و افعال حرکات و سکنات پر مترتب ہوتے ہیں۔ تاہم کوئی دوسرا شخص کسی کے ما فی الضمیر پر مطلع ہو نہیں سکتا۔ مگر یہ کہ وہی شخص بجائے خود اپنے نفس کا احتساب کر کے دیکھے کہ کہاں تک اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا کا مصداق ہی۔ ہاں جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں کوشش کرنا ایک ایسا امر ہی جس کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہی سو خدا کی راہ کے بہت سے رستے ہیں۔ سب سے بہتر اور زمانے کی ضرورتوں کے ٹھیک مطابق وہ ہی جو انجمن حمایت اسلام نے اختیار کر رکھا ہی۔ پس اس انجمن کو معمولی اور سرسری طور کی انجمن نہ سمجھو۔ یہ انجمن کسوٹی ہی۔ کاہے کی۔ ایمان کی۔ میں تو اس انجمن کے بارے میں دو ٹوک بات رکھتا ہوں یا تو سب مسلمان مل کر اس کو دبا دو مٹا دو۔ یا رکھتے ہو تو اس کو اسلام کی شان کے مطابق بنا کر رکھو۔ یہ اونچی دکان اور پھیکا پکوان تو بڑی شرم کی بات ہی۔ انجمن حمایت اسلام اور گھر گھر چٹکی چٹکی آٹا مانگے۔ چار چار آنے کے پیسوں پر وہ بھی ماہواری یا سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے دھیلے روز کی کوڑیوں پر اس کی ممبری ماری ماری پھرے جن کو مقدور نہیں اَلَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ[1] ان کی تو آٹے کی چٹکی بھی اکسیر کی چٹکی ہی۔ مگر مال و دولت والے۔ عزت و حکومت والے۔ نام و نمود والے۔ شان و شوکت والے۔ ساز و سامان والے۔ کس خواب غفلت میں ہیں۔ اِن محبت آلٰہی تمام ہو چکی۔ اگر اسلام سچا ہی تو نسر دربار خواست[2] ہوتی ہی۔ مانا کہ مسلمانوں میں اگلی سی فراغت نہیں رہی مگر کرنے پر آؤ تو سب کچھ کر سکتے ہو۔ قطرہ قطرہ جمع ہو کر دریا بن جاتا ہی۔ کون کہتا ہی کہ پیٹ کاٹ کر دو اپنی اپنی ہمت سوچو۔ ایک متنفس ایسا نہیں جس کی آمدنی کا بڑا حصّہ لغو اور فضول اور نامشروع طور پر ضائع نہ جاتا ہو۔ بندگان خدا حامیان اسلام کی فہرست میں اپنا نام تو لکھوا رکھو۔ داشتہ آید بکار۔ اب یہ وقت ہی کہ

---

[1] جن کو اپنی مشقت کی مزدوری کے سوا کچھ نہیں ملتا ۱۲۔ [2] باز پرس ۱۲۔

مانگا جاتا ہے۔ اور تمھارے دل سے نہیں نکلتا ۔ [۵۱] وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ ایک دن ہو گا کہ زبردستی
سر پڑ کر ہار کے کھا کر دینا چاہو گے اور نہیں لیا جائے گا ۔ [۵۲] يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ
يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ
يُنْجِيْهِ كَلَّا ۔ مگر یوں کہو کہ عاقبت اور عاقبت کی باتیں ہم کو افسانہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہم اگر مسلمان
ہیں تو ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے اعراب کہ وہ کہتے تھے آمنّا اور خدا
فرماتا تھا [۵۳] لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ خیر تب بھی تو نظر
کرو تو دنیا ہی میں ہم کو کون سی بہتری ہو رہی ہے۔ زوال سلطنت کا تو مجھے کبھی خیال ہی نہیں آتا۔ اس بیہودہ بے تمیز
نا منتظم سلطنت سے تو ہم انگریزی عملداری میں بڑے ہی امن چین سے ہیں۔ مجھ کو جس بات کا قلق ہے وہ
یہ ہے کہ ہم دوسری رعایا سے لیاقت میں۔ خوش حالی میں۔ عزت میں۔ تقرب حکام میں پیچھے ہوں تو ہیں ہی
اور پس ماندہ اور بدتر بھی تو ہوں۔ وہ بھی تو مسلمان ہی تھے جنھوں نے اسلام کے بل بوتے پر ایک سلطنت
بنا کھڑی کی۔ اور ایک مسلمان ہم ہیں کہ سب کچھ کھو کھوا کر اب روٹیوں کے لالے پڑ رہے ہیں۔ سوچنے کی بات
ہے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جو ان وقتوں کے مسلمانوں میں تھی اور ہم آج کل کے مسلمانوں میں نہیں۔ میں بتاؤں۔
وہ ہمدردی اور اخوتِ اسلامی تھی۔ ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ کفار کے ہاتھوں سے تنگ آ کر جو مسلمان
پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آ بسے مہاجرین کہلاتے تھے۔ یہ
لوگ نہایت بے سر و سامان تھے۔ کیوں کہ بھاگ اور چھپ کر آئے تھے یہاں نہ بعض کے تو رہنے
اور کھانے تک کا ٹھکانا نہ تھا۔ اگر مدینے کے لوگ جو انصار کہلاتے ہیں اس وجہ سے کہ انھوں نے
مصیبت کے وقت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کی ہر طرح کی مدد کی تھی۔

---

[۵۱] قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۱۲ [۵۲] پسند کرے گا مجرم کہ کاش ان کے عذاب کے بدلے اپنے
بیٹے۔ بیوی۔ بھائی۔ اپنے کنبے جن کو وہ پناہ دیتا تھا اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے کے اور
چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا ۔ ۱۲ [۵۳] نہیں ایمان لائے تم بلکہ کہو تم اسلام لائے ہم اور ابھی تمھارے دلوں
میں ایمان داخل نہیں ہوا ۱۲ ۔

خدانخواستہ ہم جیسے تنہا خور، تنگ چشم، خود غرض مسلمان رہے ہوتے تو بیچارے مہاجرین پردیس میں فقر و فاقہ سے ہلاک ہوگئے ہوتے۔ لیکن انصار نے انہیں رہنے کو مکان دیئے۔ اپنے یہاں مہمان رکھا مہمان نوازی کے قاعدے سے خاطر و مدارات کی۔ یہاں تک کہ انصار میں سے ایک شخص کے پاس جاہلیت کے دستور کے مطابق متعدد بیبیاں تھیں انھوں نے ایک بی بی کو طلاق دے کر اپنے بھائی مہاجر کا گھر آباد کرادیا۔ پھر تمام انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت ہمارے بھائی مہاجر ٹھیرے پردیسی یہاں ان کی کوئی معاش نہیں۔ ہمارے باغات ہیں اُن میں اور ہم میں بانٹ دیجئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں تمہارے باغات تم کو مبارک بس اتنا کافی ہو کہ ہم غریب الوطنوں کو محنت و مشقت میں شریک کرلو اور پیداوار میں سے حصہ بانٹ دیا کرو۔ ایک بار مال غنیمت میں سے مہاجرین کو حاجتمند دیکھ کر حضرت نے کچھ زیادہ حصہ دے دیا۔ انصار میں سے بعض نوجوان آدمی اپنی جگہ ناخوش سے ہوئے حضرت کو خبر پہونچی۔ آپ نے انصار کو جمع کرکے اس کی وجہ پوچھی اور فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول تمہارے حصے میں ہوں۔ تمام انصار یک زبان ہوکر بول اُٹھے کہ یا حضرت ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں کہ ہمارے حصے کا مال بھی مہاجرین کو دیجئے۔ بھائیو میں تم کو تو کچھ نہیں کہتا اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ مگر میں اپنے ایمان کو اُن لوگوں کے ایمان سے ملاتا ہوں۔ تو خدا کی قسم اسلام کا نام لیتے ہوئے مجھ کو شرم آتی ہے ؎

وائے بر من وائے بر انجام من	عار دارد کفر از اسلام من

غرض ان لوگوں میں اس درجہ کی اخوت اور یکجہتی تھی جس کے بوتے پر انھوں نے اسلامی سلطنت قائم کی۔ اب اخوت کی جگہ لڑائی ہے، جھگڑا ہے۔ عداوت ہے، حسد ہے، پھوٹ ہے، بدخواہی ہے۔ ایک کو ایک نہیں دیکھ سکتا۔ اگر زید کو پیٹ بھر کر روٹی مل گئی تو اس کے پڑوس والے فاقہ کریں تو اس کی بلا سے اور بھوکے مریں تو اس کی بلا سے۔ اس کے پاس اگر دفع بَرد کا سامان ہے تو پھر

۱؎ کنجوس بخیل ۱۲ ۲؎ خدا ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ۱۲ ۳؎ بھائی بندی ۱۲ ۴؎ یعنے سردی کو دور کرنے کا سامان ۱۲۔

اِس کے ذہن میں نہیں گزرتا کہ اس کے ابنائے جنس کو بھی سردی کا احساس ہوتا ہے۔ اور ان کو اگر کپڑا میسر نہیں آتا تو آگ اور دھوپ کے سہارے سے زندگی بسر کرتے ہیں ؎

رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ؎ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔ قرون ؎ اولی کے لوگوں میں بھی باہمی اختلاف تھے۔ لیکن ان اختلافات کی وجہ سے اُن کی اُخوتِ اسلامی میں خلل نہیں آتا تھا جیسے انگریزوں کی ولایت میں پولیٹکل گروہ ؎ کنسرویٹو لیبرل نیشنلسٹ سپرٹسٹ گلیڈسٹونین پارنلائٹ کہ ایک کی کاٹ میں ایک لگا رہتا ہے۔ مگر نفس سلطنت پر سب جان دیتے ہیں۔ بعینہٖ ایسا ہی حال قرون اولی کے مسلمانوں کا تھا۔ لڑتے بھی تھے اور جھگڑتے بھی تھے مگر سلطنت اسلام کی خیر خواہی میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے تھے۔ اب ہم لوگوں میں بھی بُرا یا بھلا اسلام تو ہے۔ مگر کامن کاز یعنی غرض مشترک کے رنگ میں نہیں۔ جس کو دیکھو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد بنانے کی فکر میں ہے۔ مذہبی گروہ ؎ کتنے نکل پڑے ہیں اور نکلتے چلے آتے ہیں کہ یہی اختلاف اسلام کے ضعیف کر دینے کو کافی ہے۔ دو مولوی کسی جزوی مسئلے میں مختلف ہوئے۔ اور دو پارٹی ؎ بنے۔ اور لگا ایک دوسرے کی تکفیر ؎ کرنے تو کس تہذیب کے ساتھ کہ جوتا اور لٹھ اور کنستا ؎ ب اور قبقاب اور نشتر فقیر در رگ امیر مجیب عجیب ناموں کی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ اور اس کشمکش میں اسلام ہے کہ اُس کی مٹی خوار ہے۔ یہی دیکھ کر میں نے تھوڑی دیر ہوئی کہا تھا اسلام کو خارج سے خوف نہیں جو خطرہ ہے داخل سے ہے۔ پہلے تو لوگ کہا کرتے تھے انگریزی پڑھنے سے آدمی عیسائی ہو جاتا ہے۔ اب عیسائیت کا خدشہ تو جاتا رہا۔ اس کی جگہ عام خیال یہ ہے کہ انگریزی تعلیم لا مذہبی سکھاتی ہے۔ یہ خیال پہلے خیال سے کہیں زیادہ بے اصل ہے۔ میں اسلام اور عیسائیت اور انگریزی تینوں سے واقف ہوں اور بڑے وثوق کے

؎ اے رب ہمارے آگ کے عذاب سے بچا ۱۲ ؎ یعنی پیغمبر صاحب کے اصحاب اور اُن کے بعد تابعین اور اُن کے بعد تبع تابعین ۱۲ ؎ یہ گروہ ہیں جن کی رائیں امور ملکی میں بعض بعض باتوں میں مختلف ہیں ۱۲ ؎ گروہ ۱۲ ؎ کافر بنانا ۱۲ ؎ بڑا سا لیٹر ایم تو اس کے معنی نہیں سمجھتے ہیں مگر اس کے اصلی معنے مصنف کتاب سے معلوم ہونگے اور اسی طرح قبقاب

ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر فی الواقع انگریزی تعلیم سے اسلام کو مثلاً روپے میں دو آنے خدشہ ہی تو
عیسائیت کو اٹھارہ آنے۔ ٹوکروں معجزات۔ ہزارہا تعجبات۔ آسمان۔ فرشتے۔ جنّات۔
دوزخ۔ بہشت کیا ہی۔ جو عیسائیوں میں نہیں۔ تو اگر تعلیم انگریزی مذہب سے آزادی سکھاتی
ہوتی خود پادری کب اس کو جائز رکھتے انگریزوں میں مذہبی تعصب اس درجہ کا ہی کہ رومن[1]
کیتھلک عقیدے کے لارڈ رپن گورنر جنرل مقرر ہو کر آئے تو ایک غل سا مچ گیا مسٹر پارنل نے
انجیل پر حلف لینے سے انکار کیا تو سب کے سب مارنے کو چلے۔ یوں مذہبی باتوں میں غفلت
اور سہل انکاری بھی سے ہوتی ہی۔ مگر اس سے لامذہبی کا الزام عاید حال نہیں ہوتا یہ بات
البتہ غور کرنے کی ہی کہ اگر انگریزی تعلیم لامذہبی کی محرک نہیں تو انگریزی خوان متزلزل العقیدہ
کیوں ہوتے ہیں مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ[2] اس بارے میں میرا خیال
یہ ہی کہ ہماری سوسائٹی کا قصور ہی اگر ہمارے گھروں میں مرد اور عورت مذہب کے پابند ہوں۔
اور بچے ماں باپ اور رشتہ داروں کو دین دارانہ زندگی کرتے ہوئے دیکھیں تو یہ بجائے خود
سب سے زیادہ مؤثر تعلیم ہی۔ انگریزی ہمارے بچوں کو لامذہب نہیں بناتی بلکہ اُن کو لامذہب
بناتے ہیں ہم اور ہمارے بُرے نمونے اور مذہب کے بارے میں ہماری بے اعتنائی۔
ہماری بے مبالاتی دنیاوی علوم کے علاوہ علوم مذہبی کا بوجھ بچوں پر ڈالوگے۔ تو یقیناً
ہندوؤں سے بازی نہیں لے جاسکوگے میری قطعی رائے یہ تھی کہ تعلیم کے سلسلے سے تو مذہب
کو رکھّو خارج اور سوسائٹی کی اصلاح کو بناؤ قایم مقام مگر کیا کریں رونا تو یہی ہی سوسائٹی ہی
کام کی نہیں۔ جب تک ایمان دار ماں باپ نہ ہوں اولاد کا سدھرنا معلوم۔ اسی غرض سے
انجمن حمایت اسلام نے مجبور بچوں کی دینی و دنیوی دونوں طرح کی تعلیم شروع کی ہی امید ہی
اس تدبیر سے ہمارے لڑکوں کے دین کی بھی پوری پوری حفاظت ہوگی اور دنیاوی علوم میں

[1] یہ بھی عیسائی مذہب کا ایک گروہ ہی جس میں حضرت مریم کی بہت بڑی تعظیم ہی اور یہ لوگ تصویر پرست بھی ہیں۔

[2] نہ ادھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر ۱۲ [3] بے پروائی ۱۲۔

بھی بھروسے کے ساتھ دوسری قوموں کا مقابلہ کرسکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ میری اس رائے سے اختلاف کریں گے۔ مگر سوچ غور کر واہل الرائے سے صلاح لو۔ اس کے بعد بھی اگر یہ رائے ناپسند ٹھیرے مت ماننا۔ لیکن خدا کے لیئے کہیں ایسا نہ کرنا کہ کسی مولوی سے جا لگنا ورنہ میرے نامۂ اعمال میں کفر کے فتووں کی گنجایش نہیں۔ حقیقت میں میری بھی عجیب رائے ہے۔ سارے جہان سے نرالی۔ جدھر دیکھو تعلیم تعلیم کا غل ہو رہا ہے۔ اور میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ جس قدر تعلیم اس وقت تک ہو چکی ہے وہ بھی ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ابھی تک میرے نزدیک تعلیم کے اصول ہی ٹھیک نہیں ہوئے کچھ اس طرح کا خلط مبحث ہو رہا ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس وقت ساری تعلیم کا ماحصل ہے نوکری دیکھتا ہوں کہ ایک عالم نوکری کے خبط میں گرفتار ہے۔ جن کا پیشہ نوکری ہے وہ اور جن کا پیشہ نوکری نہیں وہ جن کو ضرورت ہے وہ اور جن کو ضرورت نہیں وہ۔ اور جو اہل قلم کے خاندان سے ہیں وہ اور جو اہل قلم کے خاندان سے نہیں وہ جو سوسائٹی میں شریف سمجھے جاتے ہیں وہ اور جو شریف نہیں سمجھے جاتے وہ جس کو دیکھو نوکری کے لیئے تیار بیٹھا ہے۔ الٰہی کیا نوکریاں آسمان سے برسیں گی یا زمین سے اُبلیں گی اور نہیں برسیں گی اور نہیں اُبلیں گی۔ تو یہ اتنی ساری مخلوقات جنھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اسی ارادے میں صرف کر دیا کیا کر کے کھائیں گے۔ پس میرے نزدیک تعلیم کی رفتار جیسے زیادہ تیز ہو گئی ہے اس کو ذرا مدہم کیا جائے جو لوگ دوسرے دوسرے پیشوں سے معاش پیدا کر سکتے ہیں اُن کو تعلیم کی ترغیب دینا ہرگز قرین مصلحت نہیں۔ پھر اس تعلیم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ بس یہی ہے وہ چیز جو ہم کو درکار ہے بڑی مکروہ غلطی ہے۔ انگریزی عملداری میں ایک سخت مشکل درپیش ہے کہ ہم کو بھی چار و ناچار دھوکے کے ساتھ گنتے کھانے پڑتے ہیں۔ اہل یورپ کی ہنرمندی اور صناعی اور ایجاد ہم کو پنپنے نہیں دیتی معاش کے جتنے کسب ہم کو یاد تھے مٹ گئے اور رہے سہے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ بس امید میں اتنی جان باقی ہے کہ اہل یورپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کی زمین کو اٹھا کر ولایت نہیں لے جا سکتے۔ ان کے ساتھ کمپیٹ[۵] کرنا تو محال عقل ہے اتنا بھی ہو جائے کہ ہم اُن کی نقل و

[۵] مقابلہ ۱۲

تقلید کرنے لگیں تو جانو کہ سب کچھ پا یا۔ یہ ہونی چاہئیے غرض و غایت تعلیم مروجہ سے تو نتیجہ نہ حاصل ہوا ہی اور نہ حاصل ہو گا۔ اس کے لئے خاص گروہ لوگ منتخب ہونے چاہئیں جن کی طبیعتوں میں ان علوم و فنون کے اخذ کرنے کی مناسبت پائی جائے۔ لیکن بہت باتیں بنانے سے کام نہیں نکلتا منصوبے سوچنے والے تو میری طرح سیکڑوں ہیں کوئی کرنے والا بھی ہی۔ جانتے ہو کہ کرنا کیا چیز ہی کرنے کے معنی ہیں کچھ دینا۔ فنڈ ہوں تو سب کچھ ہو۔ ایسے ایسے فنڈوں کی اوس سے جیسے تمہاری انجمن حمایت اسلام کے پاس ہیں قوم کی پیاس بجھ چکی۔ ولایت سے استاد بلواؤ کلیں منگواؤ۔ ہونہار نوجوانوں کو ولایت چلتا کرو کہ وہاں طرح طرح کے کام سیکھ کر آئیں اور یہاں آکر ان کاموں کو پھیلائیں تب جاننا کہ قوم کے کچھ دن پھرے۔ انجمن حمایت اسلام نے اگر ڈیڑھ دو درجن یتیموں کی پرورش کی یا آدھی درجن رانڈوں کی تو خوب کیا بہت اچھا کیا۔ ممبر قابل ممدوح ہیں اور چندہ دینے والے مستحق شکر گزاری لیکن قوم کی حالت اس قدر خستہ ہو رہی ہی کہ مجھے لاہور کا حال تو ٹھیک معلوم نہیں دہلی میں ہزار ہا عورتیں ہیں شوہر موجود اور وہ بیوہ سے بدتر۔ ہزار ہا بچے ہیں ماں باپ دونوں زندہ اور وہ یتیموں سے بڑھ کر خوار مسلمانوں میں سیکڑوں طرح کے عیب ہیں بے دینی ہی۔ بدعقلی ہی۔ ناعاقبت اندیشی ہی۔ تعصب ہی۔ بے ہنری ہی۔ جہالت ہی کاہلی ہی۔ شیخی ہی۔ نالیاقتی ہی۔ بے حمیتی ہی اور مقدور ہی تو اسراف ہی۔ لیکن سارے عیب ایک طرف اور اکیلی نفسی نفسی ایک طرف۔ جب تک یہ نفسی نفسی نہیں نکلے گی قوم نہ درست ہوئی ہی اور نہ درست ہو گی۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں تو قومیت اٹھتی چلی جاتی ہی۔ سعدی علیہ الرحمہ نے ہمدردی کے مضمون کو کس عمدگی سے ادا کیا ہی ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہا را نماند قرار

بھلا یہ تو اعلیٰ درجے کی ہمدردی ہی کہ آدمی آدمی کا درد کرے۔ ہم کو یہ رتبہ کہاں نصیب۔ یہاں تو اسلامی ہمدردی بھی اس قدر ضعیف اور مضمحل ہی کہ گویا نہیں۔ ہم میں سے اگر کسی کو فکر ہی بھی تو اپنی پرداخت کی اس کو کوئی نہیں سمجھتا کہ جب تک قوم کی حالت درست نہ ہو شخصی حالت جیسی چاہئیے کبھی

درست ہو نہیں سکتی۔ اس کی بہت سی مثالیں ہر جگہ موجود ہیں کہ ادنیٰ درجے کے لوگوں میں سے کوئی شخص صاحبِ مقدور ہو بھی جاتا ہے تاہم قومی حقارت کے داغ کو ناصیۂ حال سے نہیں دھو سکتا۔ اس کے رہنے کی کوٹھی آراستہ اور شاندار ہوگی۔ اس کا لباس فاخرہ اور قیمتی ہوگا۔ اس کے خدمت گار وردی پوش ہوں گے۔ اس کے پاس متعدد سواریاں ہوں گی۔ اس کا خرچ وافر اور اُجلا ہوگا شاید وہ گھس پیٹھ کر کے میونسپل کمشنر بھی بن گیا ہوگا۔ مگر کہلائے گا موچی کا موچی۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ مسلمان ہونا موجبِ عار و منقصت[1] سمجھا جائے۔ لیکن اگر مسلمان زمانے کا رُخ نہ دیکھیں جیسا کہ دیکھتے ہو کہ نہیں دیکھتے اور اُن کے قبضے سے دولت نکلتی چلی جائے جیسا کہ دیکھتے ہو نکلتی چلی جا رہی ہے تو بھائیو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی وہ روزِ بد تو آکر رہے گا۔ پر رہے گا۔ گھر میں بیٹھ کر ع

پدرم امیر خاں بود است

کہہ لینے سے عزت نہیں بنتی۔ اس زمانے میں عزت کی شناخت ہے لیاقت اور لیاقت بھی وہ لیاقت نہیں جس کو تم نے لیاقت سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ لیاقت جس کو وقت کے بادشاہ انگریز مانتے اور پسند کرتے اور جس لیاقت کے بل پر اہلِ یورپ کود رہے ہیں۔ اس سے شاید کوئی شخص بھی انکار نہیں کرے گا۔ کہ جو لیاقت اس زمانے میں درکار ہے اُس کا حاصل ہونا ہنوز دلّی دور اس کے حاصل کرنے کا جیسا چاہیے اور جتنا چاہیے شوق بھی نہیں ہم کیوں کر سمجھیں کہ قوم نے لیاقت کی ضرورت کو سمجھا۔ اگر کچھ ہوا بھی ہے تو اُس کا کریڈٹ[2] تمام و کمال گورنمنٹ کا حق ہے۔ لیکن نہ گورنمنٹ پر انصافاً لازم ہے اور نہ گورنمنٹ اتنا بھاری بوجھ اُٹھا سکتی ہے کہ ہم کو ہماری حاجت کی قدر تعلیم دے کہ ہم مفلس ہیں۔ محتاج ہیں بے مقدور ہیں۔ لیکن ایسے گئے گزرے بھی نہیں۔ سب کے سب کرنے پر آئیں تو خدا جانے کیا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ جو لوگ دے سکتے ہیں بار بار نہیں۔ جی مضبوط کر کے ساری عمر میں ایک دفعہ سچے دل سے روپیہ پیچھے ایک ایک پیسہ بھی دے نکلیں تو مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔ یہ کچھ کم خوشی کی بات نہیں کہ چند روز سے مسلمانوں میں تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ وہ پہلے غافل پڑے سوتے تھے۔ کہ سر پہ ڈھول بجاؤ خبر نہیں

[1] عیب ۱۲　[2] استحقاق مدح و ثنا ۱۲

اب کلبلاتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ نیند ہوشیار ہو چلی ہی۔ اب اتنی ہی بات کی کسر ہی کوئی شاباش ہی میرے شیر کہے اور ذرا سہارا ابھی لگائے تو جھٹ سے اُٹھ کھڑے ہوں۔

چوں کہ خدا نے اتفاق میں بڑی قوت دی ہی۔ سب سے بہتر تو یہ تدبیر تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیئے ایک جگہ کوشش ہوتی یعنی سارے ہندوستان کے لیئے ایک فنڈ ایک انجمن۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوسکا اور نہیں ہوسکتا تو خیر ہر صوبے پیچھے ایک فنڈ ایک انجمن سہی اس سے کہ ایک ہی شہر میں کئی کئی انجمنیں ہوں کوئی فائدہ معتد بہ مترتب ہونے والا نہیں افتراق کا ضروری نتیجہ ہی۔ کشمکش اور کشمکش کا ضروری نتیجہ ہی ضعف جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہی وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[۱] اور اگر فی الواقع بتقاضائے اخوتِ اسلامی یا بامید ثوابِ عاقبت یعنی خالصۃً للہ مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح میں کوشش کی جاسے جیسا کہ ہر ایک انجمن کے ممبر مونھ سے کہتے ہیں تو تعجب ہی کہ سب کے سب ایک کیوں نہیں ہو جاتے اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْسِ[۲] یہ تمام کوششیں جدید العہد ہیں اور ابھی سے ان میں مغایرت کا ہونا میری رائے میں کچھ ٹھیک سی بات نہیں ہم کو بہت کچھ کرنا ہی پہلے ہم صلاح ہو کر کاموں کی فہرست بناؤ اور پھر اَلْاَقْدَمُ فَالْاَقْدَمُ[۳] کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے سب کے سب ایک ایک کام کر چلو۔ اسلام کی مثال ایک وسیع عمارت کی سی ہی تمام تر بوسیدہ شکستہ مرمت طلب آیا یہ بہتر ہوگا کہ ہم ہر طرف کام جاری کر دیں جیسا کہ ہو رہا ہی یا یہ کہ ایک ایک قطعے کی درستی کرتے جائیں جیسا کہ میں نے آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض کیا۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ جتنی دیر مجھکو دلّی سے یہاں آنے میں لگی اتنی ہی دیر تک میں آپ صاحبوں کو باتوں میں لگائے رہوں۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا اس غرض سے نہیں کہا کہ آپ صاحب ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے نکال دیں۔ بلکہ اس غرض سے کہا کہ اس پر آپ غور اور غور کے

[۱] آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ اور ایسا کروگے تو تم میں بُزدلی آجائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی ۱۲

[۲] کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۱۲ [۳] مطلب یہ ہی کہ نہایت ضروری اور بہت ضروری اور فقط ضروری [illegible] ترتیب کا لحاظ رکھیں ۱۲۔

بعد عمل کریں سُننے اور سوچنے اور عمل کرنے میں یقیناً اُس سے زیادہ وقت صرف ہوگا جو میں نے یہاں آنے میں صرف کیا ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ جو میں واپس جانے میں صرف کروں گا۔ بہرکیف میں آپ صاحبوں کا نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ صاحبوں نے میرے بیان کو متوجہ ہو کر سماعت فرمانے سے عزت دی اگرچہ اِس عزت کا کسی طرح مستحق نہ تھا اور اب کہ میری آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا ہے اُمید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ اگلے سال پھر ان ہی دنوں یا شاید کوئی تقریب پیش آ سکے تو اس سے بھی پہلے مجھ کو پھر آپ صاحبوں کی ملاقات کی خوشی حاصل ہو گی۔ خدا کرے ایسا ہو آمین۔ والسلام۔

پانچواں لکچر مسلمانوں کی حالت پر جو محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ جلسے منعقدہ (علی گڈھ میں ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۹ء کو دیا)

تمہید

یہ لکچر بڑی دھوم کا تھا اس میں لوگوں کی بڑی کثرت تھی اور لوگ بھی چیدہ۔ اور علی گڈھ کالج کے اسٹریچی ہال میں ہوا تھا۔ اِس میں اہل پنجاب بھی بہت

شریک تھے۔ اس کے بعد سے تو پنجابیوں نے آنا ہی موقوف سا کر دیا۔ اور غالب یہ ہی کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لیکچر سننے کا اشتیاق اُن کو یہاں کشاں کشاں لایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہرِ خاموشی تھی مدت سے میرے منہ پر لگی — ہر برس لیکچر کے دینے کی یہ کیسی کد[1] لگی
سید احمد خاں کی خاطر ہی وگرنہ میں کہاں — اور کہاں یہ جھینپ جو ہی اندر اور باہر لگی
پھر خدا جانے ملے کب موقعِ اظہارِ حال — بات اب کوئی نہ رکھو ای دلِ مضطر[2] لگی
رحم کر یا رب کہ اب امت تیرے محبوب[3] کی — اس کی حالت دمبدم ہونے بہت ابتر لگی
نسلِ شاہانِ سلف عبرت کی جا ہی دوستو — بھیک کے ٹکڑے نکل کر مانگنے در در لگی
کیا پنپ سکتے ہیں بے امدادِ غیبی یہ غریب — مفلسی کی جن کو ایسی بھاری اک ٹکر لگی
بچ گیا ہی کوئی جس پر قہر کی بجلی گری؟ — کوئی سنبھلا ہی کہ جس کو دہر کی ٹھوکر لگی
علم ہی بالخاصہ گرچہ علاجِ دردِ قوم — لیکن اس میں بھی تمول کی ہی اک جھنجھر لگی
کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے — اُس سے پہلے فیس جو اکثر سے بھی اکثر[4] لگی
پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اُس نے کتاب — قُل ھُو اللہ[5] پڑھنے انتڑی پیٹ کے اندر لگی
علم سے دولت ہی اور دولت سے ہی سب علم و فضل — کشتیِ تقدیر کھانے دور سے چکر لگی

جو قوم سلطنت جیسی نعمت اور رحمت کو اپنی نالائقی کی وجہ سے کھو بیٹھی ہو۔ جو تمام اقوامِ معاصر[6] سے کے

[1] کد کہتے ہیں خراج کو مراد یہ ہی کہ لیکچر کا دینا کد کی طرح لازم ہو گیا ۱۲ [2] بات کو لگا رکھنا یعنے اُٹھا رکھنا ۱۲۔
[3] جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۱۲ [4] زیادہ سے زیادہ ۱۲ [5] خالی پیٹ میں [illegible]
اُس کو انتڑی کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲ [6] ہم عصر، ہم عہد ۱۲

کے مقابلے میں دولت اور عزت اور لیاقت اور اقتدار اور اعتبار سب باتوں میں ہیٹی ہو اور جس کے اکثر افراد کے دلوں میں وَلِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ[۱] منافست[۲] کی ذراسی گدگدی بھی نہ ہو میں نہیں سمجھتا کہ ایسی قوم کا کوئی شخص کسی بات پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم مسلمانوں میں بِالنِّسْبَةِ اِلٰی اَقْوَامٍ اٰخَرَ[۳] شخصی عزتیں کم بہت کم ہیں۔ مگر ہیں لیکن چونکہ قوم سے عزت سلب ہو گئی ہے شخصی عزت والے اس شعر کا مصداق ہیں ؎

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق	تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

کوئی اس کو یقین کرے یا نہ کرے میں نے اپنے لیئے روپیہ کمانے کی تو کوشش کی۔ وہ بھی تعزز کی نظر سے نہیں بلکہ فارغ البالی کی غرض سے۔ شخصی عزت کی طرف سے میرا دل کچھ ہمیشہ سے ایسا بجھا ہوا سا ہے میں نے کبھی ایک لمحے کے لیئے بھی اس کا خیال نہیں کیا۔ کیوں کہ میں قومی عزت کے بدون شخصی عزت کو اصلی عزت نہیں بلکہ عزت کا ملمع سمجھتا ہوں۔ شخصی عزت تو درکنار مجھ کو تو روپیہ سے بھی وہ خوشی نصیب نہیں جو ایک معزز قوم کے آدمی کو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ مال سے کیا متمتع ہو سکتا ہے وہ بدبخت جس کے بعض مصیبت زدہ رشتہ دار دلی میں دستکاری سے اور بعض میں کاشتکاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ان سب کی دستگیری کروں اتنی توفیق نہیں۔ ان کی مصیبت کا مطلقاً احساس نہ ہو۔ ایسا دل نہیں۔ میں تو خیر ایک متوسط الحالت آدمی ہوں۔ جو لوگ بڑی لمبی چوڑی شخصی عزتیں رکھتے ہیں ان کے عیش کو بھی ایسی کدورتوں سے صاف نہیں پاتا۔ کچھ اس طرح کا ٹیڑھا وقت آ گیا ہے کہ اس زمانے کے اسلام اور خوش دلی میں مانعة الجمع[۴] کی سی نسبت قائم ہو گئی ہے۔ بعض وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ[۵] جن کو خوش ہونے کا موقع ہے خدا کا فرمودہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[۶] اُن کو بھی چین سے نہیں رہنے دیتا۔ لیکن دنیا کا کارخانہ اسی طرح چل رہا ہے کہ دنیا خوشی کی جگہ نہیں۔

---

[۱] جب اکثر لوگوں کا ایک حال ہو تو کہا جاتا ہے کہ سب کا یہی حال ہے ۱۲ [۲] سب سے آگے بڑھ جانے کی خواہش ۱۲ [۳] [illegible] [۴] منطق کی اصطلاح ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام اور خوش دلی کا جمع نہیں ہو سکتی ۱۲ [۵] [illegible] ۱۲

[۶] مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲

خاص کر اُس زمانے کے ہم مسلمانوں کے لیئے اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ[۱] لیکن اسی میں لوگ خوشی بھی منالیا کرتے ہیں۔ مگر میری طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی ہو کہ خوشی سے بہت ہی کم متاثر ہوتی ہو ؎

جہاں میں ہوں غم وشادی بہم ہمیں کیا کام | دیا ہو ہم کو خدا نے وہ دل۔ کہ شاد نہیں

تاہم جیسی ناتمام۔ ناقص۔ ادھوری۔ اَدھائی[۲] مصنوعی خوشی کسی مسلمان کو ہونی ممکن ہو مجھ کو اس وقت حاصل ہو۔ کیوں کہ میں اس عالی شان دلکش ہال میں ایسے معزز اور لایق اور باوقار آڈیئنس (حاضرین) سے خطاب کر رہا ہوں۔ چار دانگ ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ نمود اور تیاری کی اور بہت یادگاریں مسلمانوں کی ہیں ؎

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ | آثار پدید است صنادید عجم را

لیکن یہ عمارتیں ہم کو یاد دلاتی ہیں بُرے یا بھلے شخصی ولولے شخصی اَفعالِ مسلمانوں کی ایسی شان دار قومی عمارت سارے ہندوستان میں شاید یہی ایک عمارت ہو جس میں اس وقت ہم لوگ جمع ہیں ملک کو فائدہ پہونچانے کے اَور بھی طریقے ہیں۔ مگر جس غرض سے یہ عمارت بنائی گئی ہو۔ قومی بہبود۔ اور قومی ترقی کا اصل الاصول ہو۔ میں نے متعدد آدمیوں کے مونھ سے سنا ہو کہ علی گڈھ محمڈن کالج جس کا اس قدر ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہو۔ بیش بریں نیست کہ ایک کالج ہو۔ اور بس بے شک علی گڈھ محمڈن کالج ایک کالج ہو اور بس۔ لیکن ہمارا اپنا مسلمانوں کا یہ جو فرق مملوک و مستعار اور جو تفاوت خویش و بیگانہ میں ہوتا ہو وہی اس کالج اور دوسرے کالجوں میں ہو ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است | رفتن بپائے مردئ ہمسایہ در بہشت

جس کو اسلام کے ساتھ محبت ہو۔ اس کالج کا نام ہی اُس کے گرویدہ کرنے کے لیئے کافی ہو۔ وَمِنْ شِیْمَتِیْ[۳] حُبُّ الدِّیَارِ لِاَھْلِھَا ؛ لِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاھِبُ۔ یہ بالکل صحیح ہو کہ محمڈن کالج کو نٹیٹی یعنی مقدار یا کوالیٹی یعنی صفت۔ کسی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے درد کی کافی

[۱] دُنیا مسلمانوں کے لیئے قید خانہ ہو ۱۲ [۲] من بھجہ تی ۱۲ [۳] میری عادت یوں ہو کہ جن لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اُن کی وجہ سے اُن کے شہروں کو دوست رکھنے لگتا ہوں اور دوستی میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں ۱۲

دوا نہیں۔ لیکن کیوں کافی نہیں؟ اس لیئے کہ فنڈ نہیں۔ فنڈ کیوں نہیں؟ نہ اس لیئے کہ مسلمانوں میں مقدور نہیں اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اگر کرنے پر آئیں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر دبی زبان سے کہنا کیا ضرور ہے سیدھی اور صاف اور سچی بات یہ ہے کہ فنڈ کا توڑا اس وجہ سے ہے کہ مسلمان نہیں۔ میرا یہ کہنا آپ سب صاحبوں کو ناگوار معلوم ہوگا۔ بلکہ جو مسلمان سُنے گا اُس پر ضرور گراں گزرے گا۔ اور میں نے بھی بڑی ہی مجبوری سے یہ الفاظ مونھ سے نکالے ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ پانچ منٹ نہیں گزرنے پائیں گے کہ میں آپ لوگوں کے مونھ سے نہیں تو دل سے ضرور اس بات کو تسلیم کرا لوں گا۔ اس کہنے سے کہ مسلمان نہیں۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کہ کسی کی تکفیر کروں۔ میرے مذہب میں کسی کی تکفیر خود کفر ہے۔ اور کا یہ مسلمان نہیں ہیں سے میں اپنے تئیں بھی مستثنیٰ نہیں کرتا۔ مجھ کو معلوم ہے کہ اس ہندوستان میں ہم پانچ کروڑ سے زیادہ ہی زیادہ مسلمان ہیں۔ اور ان پانچ کروڑ میں ہزار دو نہیں تو سیکڑوں رنگ ہیں۔ شیعہ ہیں جن کی عزاداری سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے چھوٹوں کسی کا پسینہ گرے وہاں سچوں سے دریغ اپنا خون بہانے کو موجود ہیں۔ سُنی ہیں۔ اُن میں مشائخ ہیں۔ وہابی ہیں دوالیں ہیں۔ مقلد ہیں غیر مقلد ہیں۔ اور وہی لامذہب دو نات دی بڑے عمل عیار بڑے بڑے شور و شغب۔ بڑے دم دعوے اور بڑے جوش و خروش سے نئی قسم کے مسلمان نیچری ہیں سید احمد خاں کی امت۔ لیکن جو جس شان میں ہے فی زمانہ اسلام پر فدا ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ مگر محالِ عقل ہے کہ اتنے آدمی حقیقت میں سچے مسلمان ہوں۔ بلکہ ان کی آدھی تہائی چوتھائی کا کیا مذکور ہے۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی کہ اختیاری کے برابر بھی سچے مسلمان ہوں۔ جیسا کہ مونھ سے کہتے ہیں۔ اور اسلام ایوان کریں کہ تا پھر سے یہ ایک مسلمان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دوسرے ملکوں کا ذکر نہیں اس کفرستان ہند میں پانچ کروڑ آدمی ان کا کلمہ بھرتے ہیں اور تا قیام قیامت بھرتے رہیں گے وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ مگر یہ مسلمان

ضالین کے پڑھنے کے دو طریقوں کی طرف اشارہ ہے ۱۲ گلہ سب کے بعد ہو۔ قدرت جو کسی مذہب میں ۱۲ گلہ اپنے پنے دار میں ۱۲ گلہ ہر شخص اپنے خیال میں مست ہے ۱۲ گلہ اگرچہ کافروں کو برا لگے ۱۲۔

میں فرد اکمل تھے۔ نہ اُن جیسا ہوا۔ اور نہ ہوگا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ[۵۱] اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ اُنھوں نے اپنے سچائی کے بوتے پر معدودے چند کو اپنا ہم خیال بنایا۔ پس اگر مسلمان پوچھتے ہو تو وہ تھے خَيْرُ الْقُرُوْنِ[۵۲] قَرْنِيْ جو نہ ہماری طرح صرف زبان سے اسلام پر فدا تھے بلکہ اُنھوں نے اسلام کے لیئے گھر چھوڑے۔ مال و اسباب چھوڑے عیش و آرام چھوڑے۔ دنیا کے کام کاج چھوڑے میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمان کی کیا پرکھ ہو قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ اللہ اللہ کیا بیان ہو کیا جامعیت ہو کیا احاطہ ہو کہ اِن چند لفظوں میں دنیا و مافیہا سب کو سمیٹ لیا ہو۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خدا اور اُس کے رسول اور خدا کی راہ میں جان لڑا دینے سے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبے قبیلے کے لوگ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا ڈر ہو اور گھر جس کو تم کو پسند کرتے ہو۔ غرض یہ چیزیں تم کو خدا اور رسول سے زیادہ پیاری ہیں تو اچھا ٹھیرے رہو اور خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ یارو مونھ سے کہنے کی کوئی سند نہیں معاملہ خدا کے ساتھ ہو يَعْلَمُ[۵۳] خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ کوئی ایک تو بول اُٹھو کہ اس جانچ میں پورا اُتر سکتا ہو۔ اگر یہ اسلام ہو (اور اگر کا کیا محل ہو حقیقت میں اسلام اسی کا نام ہو) تو میں اپنی نسبت پکارے کہتا ہوں کہ مجھ کو اسلام کے ساتھ ادنیٰ[۵۴] لگا نسبت بھی نہیں اور ہونے کی امید بھی نہیں میں کسی دوسرے کے دل کا حال نہیں جانتا۔ اور نہ کوئی کسی کے دل کا حال جانتا ہو۔ مگر جہاں تک ظاہری اعمال و افعال کی بنا پر تحرّی[۵۵] اور فراست کی جا سکتی ہو میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ کبریتِ[۵۶] احمر ملے تو ملے۔ عنقا کا پتہ لگے تو لگے۔ کیمیا کا نسخہ دستیاب ہو تو ہو مگر قرنِ اول

---

۵۱ محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں جن پر رسالت کا خاتمہ ہو گیا ۱۲ ۵۲ اہل زمانہ میں سے سب سے بہتر میرے ہم عصر ۱۲ ۵۳ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے راز اُس کو سب معلوم ہیں ۱۲ ۵۴ تعلق ۱۲۔
۵۵ اٹکل ۱۲ ۵۶ سرخ گندھک۔ یہ نایاب چیز ہو ۱۲۔

بلکہ ثانی بلکہ ثالث بلکہ رابع کے سے مسلمان خدا پیدا ہی نہیں کرتا۔ ہوں تو کہاں سے ہوں۔ جیسے قرون اولی کے سچے پکے مسلمان تھے۔ جیسے پاک اُن کے دل تھے۔ ویسا ہی اُن کے وقت کا اسلام تھا۔ جملہ ادیان پر غالب۔ معزز۔ مؤقر۔ محترم۔ غنی جیسے ہم وودے۔ متزلزل العقیدہ نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے ناپاک ہمارے دل ہیں۔ ویسا ہی ہمارے زمانے کا اسلام ہی مغلوب۔ ذلیل۔ خوار۔ محتاج ہے

جس کو اس وقت میں اسلام کا دعویٰ ہی کمال		دیکھتا ہوں میں اب انہ ذوق یہ اُن کا احوال
جس طرح سے کہ ہنسا دینے کو بے دینوں کے		نقل کرتا ہو مسلمانوں کی کافر نقال

اسلام ایک مفہوم کلی ہی۔ کوئی چیز منفرد مستقل بالذات موجود فی الخارج نہیں وہ ہم میں ہی۔ اور ہمارے ساتھ قائم۔ ہماری ہی عزت اُس کی عزت ہی۔ اور ہماری ہی ذلت اُس کی ذلت ہی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ عزت اور ذلت سے دنیاوی عزت اور ذلت مراد ہی۔ وہ دنیاوی ہی عزت تھی جس پر قرون اولی کے مسلمان مرتے تھے جس کے لیئے تمام زحمتیں اُٹھاتے تھے۔ یہود پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ تو وہ دنیاوی ہی عزت تھی جو اُن سے ہمیشہ کے لیئے سلب کر لی گئی۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ[۱] اب پُرانے فیشن کے مولوی ہم کو سکھاتے ہیں کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ سے آخروی عزت مراد ہی۔ اس طرح کی تعلیم نے دوڑتے ہوتے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا۔ کھڑے ہوؤں کو بٹھا دیا۔ بیٹھے ہوؤں کو لٹا دیا۔ لیٹے ہوؤں کو سُلا دیا۔ سوائے ان مولویوں کے اور سوائے چند سادہ لوح مسلمانوں کے جو ان کٹھ ملاؤں کے دام تزویر[۴] میں ایسی بُری طرح پھنستے ہیں۔ جیسے دلدل میں گدہا۔ کہ اس گروہ کے نزدیک اسلام نہ کبھی ضعیف ہوا ہی نہ ہوگا۔ باقی ساری دنیا اپنے اور پرائے۔ دوست اور دشمن سب جانتے ہیں کہ ضعفِ اسلام حدِ غایت کو پہنچ گیا ہی۔ ابتدائی شیوع میں بھی اسلام ضعیف تھا۔ مگر اُس وقت ضعف قلت تھا اور اب ضعف علت ہی۔ اُس وقت مسلمان کم تھے اور جو تھے یا پہلے سے بے مقدور تھے یا اسلام کی وجہ سے

---

[۱] لادی گئی اُن پر ذلت اور مفلسی اور نازل ہوا اُن پر خدا کا غضب ۱۲ [۲] دفیع ۱۲ [۳] عزت خدا کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی ۱۲ [۴] مکر ۱۲

اُن کو بڑے مالی نقصان پونہچے تھے۔ غرض نہ تو اعوان و نہ انصار تھے اور نہ کچھ ایسے مالدار تھے۔ نتیجہ اس خستہ حالی کا یہ تھا کہ جو ضعفا تھے اُن کی مصیبت کی کچھ بھی پروا نہ تھی حضرت بلال رضؓ کے حال میں لکھا ہی کہ یہ اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ظالم صرف اسلام کی وجہ سے اُن کو گرمی کے دنوں (اور گرمی بھی مکّے کی گرمی) جلتے ہوے کنکروں پر لٹاکر اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیتا اور سارے سارے دن اسی طرح اُن کو دھوپ میں لٹائے رکھتا مگر اللہ رے صبر۔ اور اللہ رے استقلال کہ شام کو پانی پاتے تو اپنا وہی اَحَدٌ اَحَدٌ[۱] کا راگ گاتے بعض ان میں ایسے تھے جن کو ان کی مقدرت۔ وجاہت رعایت یا حمایت کی وجہ سے کفار زیادہ ایذا نہیں دے سکتے تھے۔ بس انہیں کسی قدر مطمئن سمجھ لو۔ جب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو امن نہیں۔ مجھ کو مقاومت[۲] کفار کی قدرت نہیں تو آپ نے ہجرت اولی کی اجازت دی اور حبش جس سے نکلتے بن پڑا۔ نجّاشی کی عملداری میں چلا گیا۔ قرن اول کے مسلمانوں کے ساتھ ہم کو اور کسی طرح کی مماثلت[۳] نہیں تو یہی ایک بات سہی کہ اُنھوں نے بھی ایک نصرانی بادشاہ کے پاس پناہ لی تھی اور ہم بھی امپرس[۴] وکٹوریہ کے مستامن ہیں ؎

گرچہ خورد یم نسبتے است بزرگ	ذرۂ آفتاب تا بانیم

ترک وطن کچھ آسان کام نہیں۔ ہجرت اولی پر بھی بہتیرے مسلمان تھے جو نہ نکل سکے اور کفار مکہ کے ہاتھ سے بدستور ایذائیں اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے مشورے ہونے لگے۔ وَاِذْ[۵] يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ آخر کار مجبور ہو کر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مکہ چھوڑنا پڑا تو کس طرح کہ رات کے وقت چھپ کر بے سرو سامان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے رستہ کتراتے ہوے مدینے جا پونہچے جب مکّے سے پیغمبر صاحب کے پاؤں اُکھڑے تو اُنھوں نے بہت چاہا کہ

[۱] یعنی ایک خدا ہی کوئی اُس کا شریک نہیں ۱۲ [۲] مقابلہ ۱۲ [۳] مشابہت ۱۲ [۴] شاہنشاہ ۱۲ [۵] اور یاد کرو وقت کہ کافر تیرے لیئے تدبیریں کر رہے تھے کہ تجھ کو پکڑ رکھیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر میں لگا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کا کرنے والا ہی ۱۲

مکّے کے آس پاس ہی لگا ہوں کیوں کہ مکّہ بڑی مشہور زیارت گاہ ہے اس کے قرب میں اسلام
کی منادی کا خوب موقع ملتا ہے اور اسی غرض سے پہلے طائف گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بے حرمتی
کی اور مار کر نکال دیا۔ مدینے کے لوگ دینی اور دنیاوی ضرورتوں سے مکّے آتے جاتے ہی
رہتے تھے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ سن کر پہلے سے ایمان لا چکے تھے۔
انھوں نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہاجرین بھی پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ اب پیغمبر صاحب کو کفار کی ایذا دہی سے پوری پوری تو نہیں مگر پھر
بھی بہت نجات ملی۔ پوری پوری نجات کیوں کر ہو سکتی تھی ادھر تو ضعفائے مسلمین جن میں عورتیں اور
بچے بھی تھے مکّے میں گرفتارِ عذاب تھے ادھر ہر چند انصار یعنی اہل مدینہ نے مہاجرین کی
خاطر داری اور مدارات میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ مگر اس ندائی لشکر کو خدا کے سوا کون
سنبھال سکتا تھا۔ انصار کی حالت مہاجرین سے بہتر تھی۔ مگر اسی قدر کہ مہاجرین کے پاس
رہنے کو جھونپڑا تک نہ تھا اور انصار غریبا مؤ گھر کے مکان رکھتے تھے۔ مہاجرین بے معاش محض
تھے۔ انصار بعض کھیتی کرتے تھے بعض کو باغوں کی آمدنی تھی۔ مہاجرین گھر سے بے گھر اہل و
عیال[۱۵] سے بچھڑے ہوئے پردیس میں آکر پڑے تھے اور انصار وطن اور کنبے[۱۶] میں تھے۔ ہم اپنے
ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ جوگیوں اور سناسیوں کے گروہ دیہات میں دورہ کرتے
پھرتے ہیں۔ جس گانوں میں دو دن کے لیے بھی ٹھہر جاتے ہیں ان کی بدولت [illegible] گانوں
والوں کا بھرکس نکل جاتا ہے۔ کیا حال ہوا ہوگا انصار کا [illegible] مہاجرین [illegible]
پڑے رہے۔ دو دن چار دن نہیں مہینوں [illegible] کا ابتلا و آزمایش کا وقت تھا
کہ جو مسلمان جہاں تھا مصیبت میں تھا کچھ تو مکّے میں گھرے ہوئے تھے جن کی تکلیف کی حد و نہایت
نہ تھی۔ کچھ مدینے میں تھے۔ جو مہاجر تھے ان میں اکثر کا یہ حال تھا کہ پیٹ کو روٹی نہیں۔ تن کو
کپڑا نہیں رہنے کو گھر نہیں [illegible] کو زن و فرزند نہیں۔ غم گسار [illegible] یگانہ و قرابت مند

۱۵ اہل و عیال ۱۲ ۱۶ اپنا ۱۲

[۵۱] عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ سَبْعِیْنَ عَنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَعَلَیْهِ
اِمَّا رِدَاءٌ وَاِمَّا کِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَیْنِ وَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ الْکَعْبَیْنِ
فَیَجْمَعُهُ بِیَدِهٖ کَرَاهِیَةَ اَنْ تُرٰی عَوْرَتُهٗ ۔ انصار اُن کی یہ کیفیت تھی کہ سمائی ہو دو کی ور مہاجرین
ملا کر ابھرے وس۔ اُن سے نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان کہلائیں اور دینی بھائیوں یعنی مہاجروں سے
آنکھیں چرائیں۔ پس کھاتے تو سب بانٹ کر کھاتے۔ ورنہ آپ بھی بھوکے رہ جاتے۔ لیکن اسلام ان ہی
مصیبتوں ان ہی تکلیفوں ان ہی مزاحمتوں سے جڑ پکڑ چکا تھا میں چاہتا ہوں کہ جس تدریج کے ساتھ
اسلام نے ترقی کی ہے۔ اُس کی کوئی مثال بیان کروں خلق انسان سے بہتر کوئی مثال سمجھ میں نہ آئی۔
جس تدریج کے ساتھ انسان بنا ہے سورہ مومنون میں مذکور ہے[۵۲] وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ
اس آیت میں خلق انسان کے سات درجے بتائے ہیں۔ اگر اسلام کو جنین سے تشبیہ دی جائے تو میں ایسا
سمجھتا ہوں کہ شروع سے بدر کی لڑائی تک وہ پہلے پانچ درجے طے کر چکا تھا۔ غرض اس کی فارمیشن یعنی بناوٹ
کا اکثر اور ضروری حصہ ضعف اور مغلوبیت کے زمانے میں واقع ہوا۔ حبشے اور مدینے کی ایک چھوڑ دو دوہری
دوہری ہجرتیں جس کا دوسرا نام جلاوطنی ہے۔ طائف کا واقعہ۔ مسلمانوں کا عموماً اور ضعفاء مسلمین کا خصوصاً
کفار مکہ کے ہاتھوں سے انواع و اقسام کی اذیتیں اُٹھانا مہاجرین میں سے اُس گروہ کا جو اصحاب صفہ کہلاتے
تھے نہایت درجے کے فقر وفاقے کے ساتھ زندگی بسر کرنا انصار کی زیر باری۔ یہ سب واقعات تاریخی ہیں

[۵۱] ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر آدمیوں کو اس حال میں دیکھا کہ یا ایک چادر اوڑھے ہیں یا
ایک کملی اور اُس کو گردن میں باندھ رکھا ہے سو بعض کی تو آدھی پنڈلیوں تک اور بعض کے ٹخنوں تک اور ستر عورت کے لیے اس کو
دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر رکھے ہوئے تھے ۱۲ [۵۲] اور تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے اُس کو مضبوط جگہ میں نطفہ
کر کے رکھا پھر نطفے سے لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے سے بندھی ہوئی بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ہڈیوں پر گوشت
چڑھایا۔ پھر ہم نے اُس کو مخلوق جدید بنا کھڑا کیا۔ پس برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے ۱۲

اس پر کہا جاتا ہی کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا [1] سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اب ہم اُس وقت کے اسلام کو اِس وقت کے اسلام سے یعنی اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت کو اس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ کرتے ہیں ممکن نہیں کہ ہم ان جیسے مسلمان ہوسکیں انھوں نے پیغمبر صاحب کو آنکھوں سے دیکھا ہم نے کانوں سے سُنا ؎

تراد یدہ و یوسف را شنیدہ		شنیدہ کی بود مانند دیدہ

یوں آنکھ اور کان میں چند اُنگل کا فاصلہ ہی مگر دیکھے اور سُنے ہوئے میں گز وں کا تو ضرور اور کبھی کوسوں کا بھی عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جس روز پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول بار مدینے میں تشریف لائے تو سارے مدینے میں غُل تھا اور لوگ حضرت کے دیکھنے کو جوق جوق اُمڈے ہوئے چلے جاتے تھے میں اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا عبداللہ بن سلام کہتے ہیں میں نہیں کہتا کبھی مجھ کو سمجھ جاؤ میں نے کہا کہ چلوں دیکھوں تو سہی کیسے پیغمبر ہیں۔ جا کر دیکھا تو بے اختیار میرے دل میں آیا [2] وَاللّٰهِ مَا هٰذَا بِوَجْهِ كَذَّابٍ ؎

در دل ہر امتے کز حق مزہ است		روو آواز پیمبر معجزہ است

یہ اور ایسی اور چند در چند خصوصیتیں ہیں جو ہم کو نصیب نہیں ہوسکتیں بس یہی ایک بات ہو اختیار سے خارج جس میں ہم قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے ہیٹے ہیں لیکن جیسے ہم قرون اولیٰ میں ہونے کی نعمت سے محروم رہے۔ ویسے ہی آفت ابتلا سے بچے کیا اُس وقت کا اسلام آج کل کی طرح بچوں کا کھیل تھا کہ کلمہ پڑھ لیا۔ اُلٹی سیدھی چار ٹکریں مارلیں لگے فردوس بریں کے خواب دیکھنے۔ [3] اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اس سے بھی قوی تر اس مضمون کی

---

[1] سبحان اللہ اس سے بڑھ کر بھی اور کوئی بہتان ہوگا ۱۲ [2] خدا کی قسم اس شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ کہنے والا نہیں ۱۲ [3] کیا تم کو یہ خیال ہی کہ جنت میں جا داخل ہوگے اور تم کو اگلے لوگوں کا سا معاملہ پیش نہیں آیا کہ اُن کو تکلیفیں و مصیبتیں پہونچیں اور لڑکھڑا اُٹھے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول پڑے کہ دیکھیں خدا کب مدد بھیجے ۱۲

ایک اور آیت ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم ایسے امتحانوں میں نہیں پکڑے گئے ورنہ خدا کی قسم کافر ہو گئے ہوتے۔ اس مقام پر مجھ کو ایک بات یاد آئی کہ میں ایک شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اور وہاں شیعہ کسی قدر زیادہ تھے۔ آیا محرم۔ تو شیعہ عزاداری کی بڑی بڑی تیاریاں کرنے لگے۔ میں بھی مجالس میں بلایا جاتا تھا اور یہ سمجھ کر بے عذر شریک ہوتا تھا کہ گھر پر بیرا وقت کون سے نیک کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ یہی نہ کہ ان مجلسوں میں رُلانے کے لئے اکثر جھوٹی اور ضعیف روایتیں بیان کی جاتی ہیں مگر آخر ایک مذہبی رنگ تو ہے۔

ایک دن ایک مجلس میں خوب ہی رقت ہوئی۔ میرے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے تھے وہ سب سے زیادہ روتے تھے اور بار بار کہتے تھے یَا لَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَهُمۡ۔ یَا لَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَهُمۡ مجھ کو یہ اُن کا یَا لَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَهُمۡ کا رٹنا بہت ہی برا معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ اُس سے استماع میں خلل واقع ہوتا تھا اور یوں کہ وہ ضمیر هُمۡ کا مرجع معین نہیں کرتے تھے میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا بیہودہ آرزو ہے۔ کون جان سکتا ہے کہ تم اُس وقت ہوتے تو کیا کرتے آخر فریقِ مقابل بھی تو اپنے تئیں مسلمان ہی کہتا تھا ؎

شَفَاعَةَ جَدِّهٖ یَوۡمَ الۡحِسَابِ	اَتَرۡجُوۡا اُمَّةً قَتَلَتۡ حُسَیۡنًا
وَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِی الۡعَذَابِ	فَلَا وَاللّٰهِ لَیۡسَ لَهُمۡ شَفِیۡعٌ

جب دوسرے ذاکر صاحب (یعنی لکچرار کیوں کہ نئی روشنی والے تعلیم یافتہ ذاکر کو کیا جانیں) ممبر پر

۵ؔ کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ منہ سے آمنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے۔ اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔ اگلوں کی تو آزمایش ہم نے لی پس ضرور ہے کہ خدا سچوں کو جان کر رہے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے ۱۲ ۵۲ؔ ای کاش میں اُن کے ساتھ ہوتا۔ لکھنؤ میں اس کی جگہ یہ کلام مروج ہے۔ ہائے آقا ہم نہ ہوئے ۱۲ ۵۳ؔ جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا کیا اس کے اُمیدوار ہیں کہ اُن کے نانا قیامت کے دن اُن کی شفاعت کریں گے ۱۲ ۵۴ؔ بخدا وہ اُن کی شفاعت کرنے والے نہیں اور اُن کو قیامت کے دن عذاب ہوگا یہ ہوگا ۱۲۔

تشریف فرما ہوئے تو رات گئی تھی زیادہ میں اٹھ آیا۔ میرا آنا تھا کہ وہاں مارکٹائی ہوئی۔ پولیس نے
بہت سے لوگوں کا چالان کیا ان میں سے وہ یَالَیتَنِی کُنتُ مَعَهُم بھی تھے۔ انھوں نے لکھوایا
کہ میں اس مجلس میں گیا ہی نہیں۔ میں نے سُن کر کہا کہ ابھی پرسوں تو آپ کو معرکہ کربلا میں ہونے
کی آرزو تھی۔ الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں جیسے ہمارے دل بودے ۔
ہماری ہمتیں پست۔ ہمارے ارادے متزلزل۔ ہمارے ایمان ضعیف ہیں۔ ویسے ہی زمانے
میں ہم کو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے۔ جیسے اُس وقت کے مسلمانوں کے ایمان بڑے تھے
ویسی ہی اُن کی ذمہ داریاں بھی سخت تھیں ؏

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

میں نے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا تذکرہ کیا تو اس غرض سے کہ باوجودیکہ اُن کی ذمہ داریاں
بہت سخت تھیں مگر وہ لوگ کچھ ایسے مضبوط ارادوں کے تھے کہ اُٹھتے نہ اُٹھے۔ مولوی فریدالدین
صاحب سپرنٹنڈنٹ مسلم کالج مانک پور کی طرف مخاطب ہوکر۔ آپ کا وطن الٰہ آباد ہے۔ میر حسن

میر حسن کی مثنوی کا کڑا ؏

کڑے سے کڑے کو سہا تی چلی

بلکہ میری مراد ہے کہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کامل العیار نکلتے تھے۔ اُن کے مقابلے میں بہت
سی باتوں میں ہماری ہی حیثیت ہے۔ ہم اُن سے شمار میں بے انتہا زیادہ ہیں۔ امن و فراغت سے
اپنے گھروں بیٹھے ہیں۔ کامل آزادی کے ساتھ اپنے فرائض مذہبی کو ادا کرسکتے ہیں۔ مہاجرین کا
کوئی لشکر ہمارے سر نہیں پڑا کہ ہم کو لوٹے کھاتا ہے کسی جلیش[1] کی تجہیز ہمارے ذمے نہیں لشکر کشی میں
کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ ہم اگر مفلس محتاج ہیں تو یہ ایک دوسرا نقصان ہے۔ دوسری قوموں سے ہم
بہت زیادہ مالدار ہیں۔ زندگی کے مصارف بڑھ گئے ہیں۔ مگر پھر بھی قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے
ہمارا اغنا کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ نصاب زکوٰۃ سے ہم اُن کے تمول کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں ان میں

---

[1] جیش عسرہ یعنی تنگی میں پورے ۱۲ ہزار کا لشکر ۱۲۔

چالیس ہی روپے کسی کے پلے ہوئے تو غنی سمجھا جاتا تھا۔ اب چار چار پانچ پانچ چالیس والے کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ خلاصہ یہ کہ نہ مقدوری ہے نہ مجبوری ہے نہ بے مقدری ہے وہی ایک چیز کا پیٹنا ہے کہ دردِ اسلام نہیں۔ اُن سے کچھ بحث نہیں جو نہیں سمجھتے یا نہیں کر سکتے۔ متعارضہ تو اُن سے ہی جو سمجھتے ہیں اور کر بھی سکتے ہیں۔ اور پھر کچھ نہیں کرتے یا کرنا چاہیئے مُن اور کرتے ہیں چھٹانک وہ بھی بہزار مشکل کَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جو علائے کلمۃ اللہ کے پیچھے اپنی جانیں کھپاتے تھے۔ آخر وہ کلمۃ اللہ تھی کیا چیز کیا اہرام مصر کی طرح کا کوئی مینار تھا جس کے بلند کرنے کی فکر میں تھے۔ جیسے اِن دنوں فرانس اور امریکہ کے لوگ۔ یا کوئی جھنڈا تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو۔ حکومت ہو تو ان کی ہو۔ دولت ہو تو ان کی ہو۔ عزت ہو تو اِن کی ہو۔ شان ہو تو ان کی ہو۔ میں پوچھتا ہوں تو کیا مسلمانوں کو اب حکومت اور دولت اور عزت اور شان درکار نہیں۔ کیا واقع میں جیسا وہی اولڈ فیشن[ل] کے مولوی سکھاتے سمجھاتے ہیں۔ ان چیزوں کے لئے کوشش کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ دنیا اِن ہی چیزوں سے عبارت ہے اور جب تک دنیا میں رہنا ہے ہم کیا کوئی بھی اِن چیزوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعجب کی اور بات ہوگی کہ اِن چیزوں کے لئے کوشش کرنا قرونِ اولیٰ میں اعلیٰ درجے کا ایمان سمجھا جائے۔ اور ہمارے زمانے میں کفر یا گناہ نہیں معلوم مولویوں کی تعلیم کا اثر ہے یا خود نفوس میں دنارت آگئی ہے کہ اِس وقت کے مسلمان سبیل اللہ کلمۃ اللہ اور اسلام عمومی سے کچھ غرض ہی نہیں رکھتے اور ایسے فارغ اور بے فکر ہو بیٹھے ہیں کہ گویا اس باب میں اُن کو کچھ کرنا ہی نہیں۔ جس کو دیکھو اپنی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہے اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اُس کے کان پر جوں نہیں چلتی۔ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آنے کی نہیں ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھتا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ کہ قومی ترقی ایسی برکت ہے جس سے اُس قوم کا کوئی فرد محروم نہیں رہ سکتا۔ قوم بھی ایک مجموعۂ اشخاص کا نام ہے۔

ل جہاز ۱۲ ۵۲ گو سورت کی طرف ڈھکیلے جاتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں ۱۲ ۵۳ پرانی وضع ۱۲ ۵۴ مگر جس کو خدا بچائے ۱۲

یہ تو نہ کبھی ہوا ہی اور نہ ہو سکتا ہی کہ کسی قوم کے تمام اشخاص کی حالت کسی ایک بات میں بھی یکساں ہو جائے
تفاوتِ حالات من جانب اللہ ہی اور دنیا اور دین دونوں کا مدارِ کار اسی پر ہی۔ پس جب ہم قوم پر مِنْ
حَیْثِ الْقَوْمِ کسی بات کا حکم لگائیں تو اُس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلے
میں اُس قوم کے اکثر افراد کا یہ حال ہی۔ انگریز جن کے تمول کی مثالیں دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر
(مسلمان تو ایسے کیوں ہونے لگے تھے) ایک بنگالی یا پارسی بلیو یعنی الکرپتی کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی
اور مونھ کُھلا کا کھلا رہ جائے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اُن میں غریب نہیں ایک وہ ہیں کہ سلطنتوں کو مول لیکر
چھوڑ دیں اور اُسی شہر میں بلکہ اُن کے پڑوس میں وہ بھی ہیں کہ جن کی مصیبت ہم کو اپنے ہی دُکھڑے
سے فرصت نہیں۔ کون بیان کرے۔ ہاں تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اگر مسلمان سب نہیں (اور
سب تو ہو بھی نہیں سکتے) بلکہ اُن میں سے اتنوں کی حالت درست ہو جاتی کہ اُن کی وجہ سے قوم پر
وقعت کی نگاہ پڑنے لگتی (ای خدا! کب وہ دن ہوگا۔ پس از سرِ من کہ فیکگو شد شدہ باشد۔)
تو جو لوگ خستہ حال رہ جاتے وہ بھی سر برآوردگانِ قوم کی شادحالی سے ڈیرکٹلی (بلاواسطہ) یا ان ڈیرکٹلی
(بواسطہ) فائدہ اُٹھاتے پر اُٹھاتے۔ ہندوستان میں کوئی انگریز اگر لوفر ڈکٹرہ گدا ابھی ہو تو کہلائے گا
صاحب ہی یہ ہی لغزِ قومی کہ انگریز اور صاحب دو لفظ ہو گئے ہیں مترادف ہم دگر۔ ہماری گئی گزری
قومی عزت کی یادگار بھی ابھی تک گفتگو میں باقی چلی جاتی ہو کہ ہندو ہم مسلمانوں کو میاں لوگ پکارتے
ہیں۔ لیکن جب مسلمان اپنی عزت کو خود نہیں سنبھالنا چاہتے تو بزرگوں کی حاصل کی ہوئی عزت بزرگوں
کے ساتھ گئی گزری۔ اب اس بات کا خیال کرنا بھی داخل بے عزتی ہو۔ ہمارے ریفارمر جہاں اور
تدبیریں کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہو کہ مسلمانوں کو اُن کے بزرگوں کی عظمت یاد دلائی جاتی
ہو۔ بے شک غیرت کے مشتعل کرنے کو یہ دیا سلائی بہت ہی مناسب تھی مگر میں دیکھتا ہوں تو
بزرگوں کے کارنامے سن کر مسلمان بجائے اس کے کہ اپنے تئیں [2] خَیْرُ الْاَخْلَافِ بَعْدَ الْاَسْلَافِ
[3] وُرْدِی آف دیئر فورفادرز بنانے کی کوشش کریں۔ اُلٹے شیخی میں آجاتے ہیں۔ اور شیخی ایسی بُری

[1] قوم ہونے کی حیثیت سے ۱۲ [2] اگلوں کے بعد بہترین پس ماندے ۱۲ [3] باپ دادا کا نام روشن کرنے والے ۱۲

بلا ہے کہ جتنے رفارمر اب ہیں وہ اور عشرٌ[۵۱] امثالہم معہم[۵۲] سب ملکر ایک انچ بھی تو مسلمانوں کو ترقی کی طرف نہیں کھسکا سکیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مادّے اس مہلک بیماری کے اخذ کرنے کو تیار ہیں۔ پھر انگریزی تعلیم جو شرط معاش شرط آبرو تو اب ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ شرط زندگی ہونے والی ہے۔ خدا جانے کیا آفت ہے جس کو چھو گئی اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بقولات[۵۳] کے کھانے والے ہندو دیکھو تو کیا اپدرو[۵۴] مچا رہے ہیں ہر ایک خیر خواہ اسلام کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو اس پہلو پر نہ آنے دے اور اُن کو سمجھائے کہ ساری برتری اور فوقیت تو سلطنت کی ہے۔ وہ تو گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب اس کی یادگار تازہ رکھنے سے ہم کو کوئی نفع نہیں۔ ہم کو اور ہماری نسلوں کو محکوم ہو کر رہنا ہے۔ انگریزوں نے بزور شمشیر ہم سے ملک لیا ہے ہمارا کوئی حق اُن پر نہیں۔ اگر انگریز ہمارے ساتھ ویسی مدارات کریں جیسی فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ کرتا تھا۔ یُذَبِّحُ[۵۵] اَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ تو ہم اُن کا کیا کر سکتے ہیں مگر نہیں جیسا خدا تعالیٰ اپنی نسبت فرماتا ہے كَتَبَ[۵۶] عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اُس کی رحمت کا پرتو ہے کہ انگریزوں کو انصاف اور مہربانی کی توفیق دے رکھی ہے ہمارا دینی اور دنیوی مفاد اسی میں ہے کہ هَلْ[۵۷] جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے مطابق خوش رہیں اور شکر گزاری کے ساتھ ادب حکومت ملحوظ رکھ کر اپنی حالت کو درست کریں۔ وہ زمانے گئے کہ ساری دنیاوی برکتیں اور منفعتیں سلطنت میں محصور تھیں۔ اور اسی وجہ سے سلطنت بڑی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اب علم کا فروغ ہے۔ اس نے وہ زور پکڑا ہے کہ سلطنت بھی اسی کی دست نگر ہے۔ میں ذرا مطلب سے دور ہو گیا۔ میں یہ کہنے کو تھا کہ بزرگوں نے کیوں کر عزت حاصل کی تھی اور ہم نے اُس کو کیوں کر کھویا۔ اگر کوئی بیمار طبیب کی طرف رجوع کرے وہ اُس کو کسی نہ کسی طرح کا سوء مزاج بتائے گا۔ عامل پاس جائے تو ارواح خبیثہ یا [illegible] کا نجومی و[۵۸] [illegible]

---

۵۱ اُن جیسے دس ۱۲ ۵۲ اُن کے ساتھ ۱۲ ۵۳ ساگ پات ۱۲ ۵۴ فساد ۱۲ ۵۵ اُن کے بیٹوں کو حلال کرتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا ۱۲ ۵۶ اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ۱۲ ۵۷ احسان کا بدلہ احسان کے سوائے کچھ اور بھی ہے ۱۲ ۵۸ اور جو اُن کے مشابہ ہیں رمّالوں میں سے جفر والوں میں سے قیافہ شناسوں میں سے ۱۲۔

یُمَاثِلُھُمْ مِنَ الرَّمَّالِیْنَ وَالْجَفَّارِیْنَ وَالْمُتَقَیِّفِیْنَ ہر ایک اپنا اپنا راگ گائے گا ۵

پس از صد سال این معنی محقق شد بہ خاقانی ｜ کہ بورانی است بادنجان بادنجان است بورانی

انگریزی عملداری سو برس کی بڑھیا ہوتے آئی کہیں اب جا کر مسلمانوں کو (وہ بھی سب کو نہیں) معلوم ہوا کہ ہماری قوم کی قوم بیمار ہے جن کو بیماری کا اذعان[۵] ہے وہ بھی اکثر تعیین سبب میں غلطی کرتے ہیں اور تعیین سبب میں غلطی ہوئی تو علاج میں بطریق اولیٰ۔ میں صاف دو ٹوک بات کہتا ہوں کہ اگر صرف یہی ایک سبب نہیں تو بہت بڑا سبب ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے عزت حاصل کی تھی اعلیٰ درجے کے قومی اتفاق اعلیٰ درجہ کی قومی ہمدردی اعلیٰ درجے کی قومی خوبیوں کے زور سے حاصل کی تھی ہم نے کھوئی ڈبوئی تو اسی سبب سے کھوئی ڈبوئی کہ یہ صفتیں ہم میں سے نکل گئیں مسلمانوں میں سنی شیعہ کے اختلاف کی وجہ سے اگلے بزرگوں یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نسبت بھی یہی بات شہرت پکڑ گئی ہے کہ ہماری طرح اُن میں بھی بغض و نفاق تھا۔ پھوٹ اور کشمکش تھی۔ عداوتیں اور خود غرضیاں تھیں لیکن موٹی سی موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اُن کے دلوں میں پھوٹ ہوتی تو اسلام آج کہیں دوا کے لیے بھی تو روئے زمین پر ڈھونڈا نہ ملتا۔ خیر نفس بشری کے اعتبار سے وہ بھی ہم جیسے آدمی تھے اور ہم کو اس بات کے کہنے میں کیوں مضائقہ ہونے لگا جب کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ[۵۲] فرمایا ہو۔ پس اگر اُن میں اختلاف تھا بھی (اور ضرور تھا بے شک تھا۔ اور ہونا چاہیے تھا۔ اور ہوا ہی کرتا ہے وہ تو آدمی تھے۔ دو برتن ایک جگہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی کبھی کھڑکھڑا ہی اٹھتے ہیں) تو اُن کے اختلافات ایسے تھے جیسے آج کل انگریزی پولیٹیکل گروہوں کے۔ لڑتے بھی ہیں جھگڑتے بھی ہیں۔ بگڑتے بھی ہیں۔ مگر ساری جنگ زرگری ہے مفادِ سلطنت کے لیے مثلاً ایک کی رائے ہے کہ سویز کنال یعنی نہر کی طرف سے پورا پورا اطمینان حاصل کر کے مصر سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہیے۔ دوسرا کہتا ہے مصر گیا تو سمجھے اور ہندوستان ہاتھ سے گیا تیسرا یہ صلاح دیتا ہے کہ جب تک خدیو کو اتنی قوت ہو کہ اپنا گھر آپ سنبھالے

---

[۵] یقین ۱۲ [۵۲] میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں ۱۲ ۔

ہم کو اُس کا ساتھ دینا ضرور ہی چوتھا اصرار کر رہا ہی کہ بات کو ڈگدے میں ڈالنے سے قباحتیں پیدا ہوتی ہیں ہمت کرکے فوراً انکسیشن یعنی ضبطی کا اشتہار جاری کردیا جاے۔ میں مصر پر لیکچر دینے کے نہیں کھڑا ہوا ہیں نے تمثیلاً ایک بات بیان کی تو کیا جس فریق کی یہ راے ہی کہ مصر سے دست بردا ہوجانا چاہیئے۔ برٹش گورمنٹ کے نقصان کا خواہاں ہی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ دست بردار ہونے ہی میں گورمنٹ کا فائدہ سمجھتا ہی۔ اسی طرح مسٹر گلیڈسٹون اور لارڈ سالسبری وزارت کے دو ہمسر دعوی دار ہیں نہ اپنے فائدے کی نظر سے۔ بلکہ اس لیئے کہ نیک نیتی سے ہر ایک اپنی وزارت کو گورمنٹ کے حق میں مفید خیال کرتا ہی۔ لیکن ہم لوگ ذاتی اغراض سے اس قدر مغلوب ہو رہے ہیں کہ ہم کو اس کا سمجھنا اور سمجھیں تو یقین کرنا دشوار ہی۔ تاہم ایسے نفوس قدسی، خدا پیدا کرتا ہی جو قومی اغراض کے آگے ذاتی اغراض کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اور ایسے ہی نفوس بزرگان دین کے تھے۔ اُن کو بھی لوگوں کے ساتھ دوستی اور دشمنی تھی۔ مگر اُن کی دوستی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ[1] تھی اور دشمنی اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ[2]۔

مولانای رومؒ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہ کی ایک حکایت لکھی ہی جس سے ثابت ہوتا ہی کہ ان بزرگوں کے کام ذاتی اغراض کے شائبے سے کس قدر پاک اور منزّہ ہوتے تھے فرماتے ہیں ؎

او خدو[3] انداخت بروے علی	افتخار ہر نبی و ہر ولی
او خدو انداخت بروے کہ ماہ	سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
در زماں انداخت شمشیر آں علی	کرد او اندر غزایش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز زیں عمل	از نمودن عفو و رحم بے محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چہ افگندی مرا بگذاشتی
گفت امیر المؤمنیں با آں جوان	کہ بہنگام نبرد ای پہلوان
چوں خدو انداختی بر روے من	نفس جنبید و تبہ شد خوے من

[1] دوستی خدا کی وجہ سے ۱۲ [2] دشمنی خدا کی وجہ سے ۱۲ [3] ملونی لعاب دہن ۱۲۔

نیم بسمل حق شد و نے ہوا	شرکت اندر کار حق نبود روا
گیر ایں بشنید و نورے شد پدید	در دل او تاکہ زنّارے برید
گفت من تخم جفا می کاشتم	من ترا نوعے دگر پنداشتم
عرض کن بر من شہادت را کہ من	من ترا دیدم سرافراز زمن
قرب پنجہ کس ز خویش و قوم او	عارفانہ سوئے دیں کردند رو

اس طرح حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی ترقی اور ترویج اور تشیید اور مسلمانوں کی اعانت و امداد و تائید کے لیے جان و مال اور بہت سے کارنمایاں کیے اُن میں تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ[1] یہ بھی تھا کہ اسلام شروع ہوا غربا سے مساکین سے۔ اگرچہ تعصب نے ہم دل کو تیرہ و تار نہ کرے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ[2] تو اسلام کی ساری ہسٹری (تاریخ) شروع سے آخر تک اُس کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اس نے پہلے پہل جڑ پکڑی ایسے دلوں میں جو حق کے قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ دنیاوی مال و دولت دنیاوی جاہ و حشمت۔ دنیاوی ناموری۔ دنیاوی قوت و عزت دنیاوی رشتہ و قرابت کوئی چیز بھی جو اُن کو صراط مستقیم کے اختیار کرنے میں سد راہ ہو سکے۔ ان میں کچھ لونڈی غلام بھی تھے۔ کافروں کے غلام اور ہم مسلمانوں کے آقا اور سرتاج۔ مشرکین جن کے یہ لوگ مملوک تھے اِن کو صرف اسلام کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب دیتے وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] چنانچہ حضرت بلالؓ کے قصے کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا اسطاس وہ بڑا سلیقہ مند آدمی تھا کہ اُس نے تجارت سے اپنی حالت یہاں تک درست کر لی تھی کہ دس ہزار

---

[1] تم اُس کو ہلکا سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑا ہے ۱۲ [2] بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں ۱۲ [3] اُن کی یہی بات اُن کو بری لگی کہ وہ ایمان لے آئے اللہ پر عزت والا قابل حمد آسمانوں اور زمین کا مالک ۱۲۔

درم تو اُس کے پاس نقد تھے اور باوجودیکہ خود غلام تھا۔ آپ بھی لونڈی غلام رکھتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ وہ اسلام لے آئے۔ اُس نے سختی کے ساتھ انکار کیا۔ تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے دل سے اُتر گیا جب حضرت بلالؓ کو دیکھا مبتلائے عذاب۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے بہ تقاضائے اُخوتِ اسلامی اُمیّہ سے سفارش کی کہ اس شخص کو خدا کے غضب سے۔ تو اُمیّہ بولا۔ اگر تم کو ایسا ہی ترس آتا ہے۔ تم ہی نے اُس کو بگاڑا ہے۔ اپنی بلا کو لے نہیں جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اگر ذرا بھی معلوم ہو کہ اُس کا منشا حضرت بلالؓ کے حدا کرنے کا ہے تو کبھی کی حضرت بلالؓ کی مخلصی ہوگئی ہوتی۔ اب اشارہ پاتے ہی بول اُٹھے کہ میں نے لیا۔ اُمیّہ نے کہا۔ نسطاس کے بدلے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ہاں جی ہاں نسطاس اور جو کچھ اُس کے پاس اثاثہ ہے وہ سب اُسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ سمیت سات مسلمان لونڈی غلاموں کو اُن کے مالکوں کے مونھ مانگے دام دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ ان کے والد کو اس کی تو خبر نہ تھی کہ اس خریداری سے کچھ اور ہی مطلب ہے۔ سن کر کہنے لگے کہ یہ ہارے تھکے از کار رفتہ لونڈی غلام مول لیتے پھرتے ہو۔ لینے ہیں تو ایسے غلام لو جو تم کو فائدہ بھی پہونچا سکیں۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے باپ کو سمجھایا کہ میں ان کو حسبۃً للہ آزاد کرنے کے لیئے خریدتا ہوں۔ مفسّرین کہتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن شریف کی اس آیت میں یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی[1]۔ میں نے یہ دو باتیں تمثیلاً بیان کی ہیں۔ سیرِ صحابہ پڑھو تو معلوم ہو کہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[2]

مگر ہاں اتنا ضرور ہے۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کسی میں حلم غالب ہے۔ کسی میں غیرت۔ کسی میں سخاوت۔ کسی میں شجاعت۔ کسی میں کچھ کسی میں کچھ۔ ایک آدھ مرتبہ مجھ کو شبہہ ہوا کہ بزرگانِ دین کے حالات جو لوگوں نے منضبط کیئے ہیں اور

---

[1] اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اُس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ اُتارتا ہو مگر طلب رضائے پروردگار اور وہ ضرور اُس سے راضی ہو گا ۱۲ [2] اللہ کا رنگ اور اللہ سے بھی کسی کا رنگ بہتر ہو گا ۱۲

جن کے پڑھنے سے اپنے اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کے حال پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ اور جب تک
خیال کرتے رہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کو کوئی ہتھوڑے ڈالتا ہے۔ از قبیل پیراں نمی پرند مریداں می
پرانند تو نہ ہوں لیکن یہ ایک وسوسۂ شیطانی تھا۔ اِن کے زمانے میں اور ان کی کوششوں سے اسلام کا
ترقی پا جانا یہ ایسا زبردست ثبوت اُن کے فیوض میں ہے کہ کسی احتمالِ مخالف کو جنبنے ہی نہیں دیتا۔ جس طرح
انسان اشرف المخلوقات ہے اسی طرح مسلمان کامل افضل الناس ہے صرف دینی اعتبار سے نہیں بلکہ میرا
نہایت مستحکم عقیدہ ہے کہ جن صفتوں کے مجموعے کا نام اسلام ہے فطرۃً اس بات کے مقتضی ہیں کہ دُنیا
میں بھی مسلمانوں ہی کو فضیلت اور برتری ہو بلکہ میں تو دنیاوی ترقی وتنزل کو اسلام یعنی دین اسلام
کے کامل و ناقص ہونے کا معیار قرار دیتا ہوں۔ وہ مسلمان بڑی غلطی پر ہیں اور افسوس ہے کہ ایسے
بہت ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا مقصود یہ تھا کہ ہندو
جوگیوں اور سناسیوں یا عیسائی راہبوں کی قسم کا ایک گروہ تیار کیا جائے۔ نرے خدا پرست۔ دُنیا سے
بے نصیب محض۔ اگر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مقصد رہا ہو اور میں کہتا ہوں کہ نہیں رہا
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ نہیں رہا ہرگز نہیں رہا۔ تو معاذ اللہ پیغمبر صاحب کی رسالت کی نسبت فیلیور
ٹوٹل فیلیور کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ پیغمبر صاحب نہیں چھوڑ کر مرے۔ خدا پرست جوگی۔ خدا پرست
سنیاسی۔ خدا پرست راہب۔ خدا پرست آج کل کے سے نکھرے گمبے۔ بھک منگے۔ علما اور مشائخ۔ بلکہ
خدا پرست انپیررز (شاہنشاہ) خدا پرست کنگز (بادشاہ) خدا پرست منسٹرز (وزیر) خدا پرست اُیڈ
منسٹرز (مدبرانِ ملک) خدا پرست کمانڈرز (سپہ سالار) خدا پرست ججز (قاضی مفتی۔ حکام عدالت)
خدا پرست آرٹیٹرز (فصحا) خدا پرست مرچنٹس (سوداگر) خدا پرست دنیا دار آف اِوری کائنگ
اینڈ پروفیشن (ہر ایک پیشے اور ہر ایک مشغلے کے) اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ
رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو مسلمانوں کی ظاہری شان و

---

۱ حق ۱۲ ۲ بالطبع ۱۲ ۳ قسم اس کی جس کے قبضِ قدرت میں میری جان ہے ۴ ناکامیابی ۵ کلی ناکامیابی ۱۲
۶ یہی ہیں سچے مسلمان کے لئے خدا کے یہاں درجے ہیں اور معافی ہے اور عزت کی روزی ۱۲۔

شان وشوکت کا یہاں تک خیال تھا کہ کعبے کا طواف کرو تو جہاں تک ہوسکے اکڑ کر صفا اور مروہ میں زور سے دوڑو۔ جمعہ اور عیدین یعنے مجامع میں بہتر سے بہتر ہیئت بنا کر شامل ہو۔ نماز عید کو ایک رستے سے جاؤ۔ تو دوسرے رستے سے آؤ۔ ان باتوں سے آخر ایک اٹکل تو مل سکتی ہی کہ پیغمبر صاحب کا دلی منشا کیا تھا۔ اب ہم نے ذلت اور خواری کو شعار اسلام بنالیا۔ گرگئے اس لیئے کہ گرنا گزنا منارہے تھے بھسنڈی ہوگئے۔ کیوں کہ بھسنڈی ہونے سے خوش تھے مجھ کو تو غصہ اس بات پر آتا ہی کہ ذلیل ہوئے تو خیر غضب تو یہ ہی کہ بزرگان دین سے اس ذلت کی سند پکڑتے ہیں۔ ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

کبھی انسان عزت کے ایسے اعلیٰ درجے پر پہونچ جاتا ہی کہ عزت اُس کو لازم ہو جاتی ہی۔ گویا اُس کا خاصۂ غیر منفک[۱] ہی تو ایسی حالت میں اُس کو ظاہری سامان تعزز درکار نہیں ہوتا۔ مثلاً گلیڈسٹون جس نے بیسیوں لارڈ اور سر (یہ سر نہیں اپنے سر کی طرف اشارہ کیا) بلکہ وہ سر سید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا) اور کیا اور کیا بنا دیئے کون سے خطاب تھے جو اپنے لیئے حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ مگر اُس نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ گلیڈسٹون اور خطابی ناموں میں وہی نسبت ہوگی جو نیچرل بیوٹی (قدرتی خوب صورتی) اور بنائی ہوئی بیوٹی میں ہوتی ہی و[۲] اَلتَّکَحُّلُ فِی الْعَیْنِ کَالْکَحْلِ سید احمد خاں کو چاہے بُرا لگے۔ میری نظر میں جو عزت سید احمد کو ان دو لفظوں کی ہی۔ نہ ڈاکٹر کی ہی نہ سر کی ہی۔ نہ اُن حروف کی ہی جو انگریزی الجد سے بے ترتیب لے کر ان کے نام کے بعد لگائے جاتے ہیں۔

یہی حال تھا صحابہ کا (رضوان اللہ علیہم) اُن کو وہ عزت حاصل تھی کہ دنیا میں اُس سے بڑھ کر اور عزت ہو نہیں سکتی۔ کہ جس طرف کو توجہ کی سلطنت اُن کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ یہ عزت سادگی اور بے تکلفی اور زہد کے ساتھ مل کر ایک حسن خاص پیدا کرتی تھی۔ جس کے آگے دنیا وی حشمتیں اور طمطراق سب ہیچ ہیں۔ ہم نے حرمان اور تسلی[۳] عن الیاس کو زہد قرار دے رکھا ہی۔ اور وہ دنیا کے حاصل کرنے پر حریص تھے۔ مگر حاصل ہوئے پیچھے اُس کی ذرا بھی قدر نہیں کرتے

[۱] یعنی جدا نہیں ہوسکتا ۱۲ [۲] کاجل لگی ہوئی آنکھ کہیں قدرتی سرمگیں آنکھ کو پہونچتی ہی ۱۲ [۳] تسلی مایوسانہ ۱۲۔

تھے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ہارون الرشید کی ایک حکایت لکھی ہے کہ۔

"ہارون الرشید را چوں ملک مصر مسلم شد گفت بر خلاف آں طاغی کہ بہ غرور ملکِ مصر دعویٰ خدائی کردہ بود نہ بخشم ایں ملک را مگر بہ خسیس ترین بندگان"

قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سفیر بھیجا۔ سفیر سمجھا کہ ایسے رتبے کا شخص ہو تو اس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینے میں آکر دیکھا تو رہنے تک کا جھونپڑا بھی ٹھیک نہیں۔ اور امیر المومنین صاحب ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ فلاں نخلستان میں چھوڑے چلی آئی ہوں۔ سفیر نے جاکر دیکھا تو واقع میں اکیلے ایک درخت کے تلے پڑے سوتے ہیں۔ جاگے تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا۔ مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا تھا اور نہ بات مُنہ سے نکلتی تھی۔ سر سے پاؤں تک کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست — ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

وہ آسمانِ عزت کے آفتاب تھے۔ اگر پانی کی تہ میں بھی اُن کا عکس تھا تاہم چمک دمک اُس کے ساتھ تھی۔ مگر ان کی سی عزتیں صرف تمنا کرنے یا بیوہ عورتوں کی طرح منھ ڈھانک ڈھانک رونے یا دعائیں مانگنے سے تو نصیب نہیں ہوتیں۔ کیوں کہ ان کو بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے نہیں مل گئیں تھیں۔ انھوں نے اس عزت کے پیچھے مال اور جان اور خویش و اقارب کسی چیز کی کچھ پروا نہیں کی۔ ہم یہ کہنے کو تو موجود ہیں کہ سکیں ایں ندارد آں ندارد۔ فکر کرنے کے نام میرے دیکھنے میں تو اتنا ہی ہوا ہے کہ سید احمد خاں کے غل شور مچانے سے قومی مرثیہ خوانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک لکھنؤ میں نوابی رہی مرثیہ خوانی کا بڑا زور شور رہا اور اس طرز خاص کو انیس اور دبیر نے حقیقت میں معجز بیانی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ نہ کسی نے ان جیسا کہا اور نہ کوئی ان جیسا کہہ سکے گا۔ اب جو نئی قسم کے مرثیہ خوان چلے تو اس کے موجد ہوئے ہمارے مولوی الطاف حسین صاحب حالی اُنھوں نے ایک بڑی دھوم کا مسدس لکھ کر کچھ ایسا بگل پھونکا کہ جہاں جہاں موزوں طبع تھے سب لگے ان کی زمین گانے۔ اور [illegible] نے۔

گنگنانے والوں میں یہ آپ کا نیاز مند بھی ہے کہ شعر تو نہیں کہہ سکتا مگر تُک سے تُک ملا لیا کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولوی الطاف حسین نے مسدس اس غرض سے کہا تھا کہ ایشیائی شاعری میں ایک طرزِ جدید داخل کریں۔ بلکہ اُن کی غرض اصلی یہ تھی کہ سوتی ہوئی قوم جاگے اور دیکھے کہ تباہی کا سیلاب ان کے سروں پر آ پہونچا۔ مگر قوم نے جاگنا تو درکنار کروٹ تک بھی تو نہ لی۔ اور اُن کے مسدس کا ایک کھیل بنا کھڑا کیا۔ کوئی اس کو اس لیئے نہیں پڑھتا کہ سمجھے اور عمل کرے۔ نظر پڑتی بھی ہے تو وہی محاسن شاعری پر۔ اور سید احمد خاں صاحب بُرا مانیں تو مانیں قریب قریب یہی حال ہے اس کانگریس کا۔ اکثر تو تماشائی ہوں گے۔ بعض اس کو ایک طرح کی محفل مشاعرہ سمجھ کر شریک ہوئے ہوں گے۔ کہ سر سید لکچر دیں گے مولوی الطاف حسین حالی مولوی شبلی منشی احمد علی شوق۔ اپنے اپنے افکار تازہ پڑھیں گے۔ ذرا چل کر سنیں تو سہی کیا کہتے ہیں بعض صرف سید احمد خاں کے لحاظ کے بندھے ہوں گے۔ اور بعض شہدا ہوں گے۔ لڑنے بھڑنے کے نہیں۔ لہو لگا لینے کے۔ جو چاہتے ہیں کہ محض کانفرنس میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کا نام دردمندان قوم کی فہرست پر چڑھ جائے۔ جتنے صاحب شریک محفل ہیں سب سے بدترین ہوں کہنے کو آندھی کرنے کو خاک۔ جب آدمی خود ایک بات کا عامل نہیں دوسرے پر اُس کا اثر کیا ہو۔ غرض کیا مستمع کیا لکچرار ہیں سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے۔ بلکہ پھر ایسے مجمعوں سے کیا فلاح ہونی ہے روتے آئے مرے کی خبر لے چلے۔ قوم کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کی دیر میں برسوں نہیں عمروں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہاں ہنوز روزِ اول ہے۔ مجھ کو ایک بات کا اور بھی ڈر ہے کہ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ کوئی نئی بات سنتا یا غیر معمولی حالت دیکھتا ہے تو اول بار سننے اور دیکھنے سے اُس کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے لیکن اگر بار بار وہی بات سنا اور وہی حالت دیکھا کرے تو اُس کا احساس مدھم پڑ جاتا ہے ع

چو حلوا بیک بار خوردند و بس

کچھ سید احمد خاں ہی کو توقع ہوگی۔ خدا ہی ہے کہ ان تھپڑوں میں جونک لگے۔ کہنے اور سننے کی تو کوئی حد

سلہ ان کی طلب پر آ موجود ہونے والے ۱۲۔

باقی نہیں رہی ضرورت سے بہت زیادہ کہا جا چکا۔ اور ضرورت سے بہت زیادہ سن چکے۔ اب یا تو قومی ہمدردی قومی رفارم۔ قومی ترقی کا تذکرہ موقوف کرو۔ کیوں بیٹھے بٹھائے مفت میں اپنی ہنسائی کراتے ہو۔ اور اگر فی الحقیقت تمہارے دل میں قوم کا درد ہے۔ تو کچھ کر کے دکھاؤ۔ بے شک کام بڑا اہم ہے لیکن سچے دل سے ہمت کرو تو خدا کی قسم پانی سے زیادہ پتلا اور روئی سے زیادہ ملائم ریشم سے زیادہ نرم آئینے سے زیادہ چکنا ہمارے سامنے ہمارے ہی بزرگوں کی مثال موجود ہے ہم کو ویسی مشکلیں درپیش نہیں اور نہ ہم کو ویسی مہم درپیش سمجھ چکے ہو تو خیر۔ اور نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ کہ بدون اعلیٰ درجے کی انگریزی تعلیم کے مسلمانوں کی حالت حشر تک درست ہونے والی نہیں۔ اور اس کو چاہیئے قارون کا خزانہ۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہے کہ اس کو روپے کی مدد ملے تو تعلیم کے جہاز کو کھیے کر پار لگا دے۔ وہ کون ہے؟ سمجھ تو گئے ہو گے۔ پھر کیوں مجھ سے کہلواتے ہو۔ خدا نخواستہ یہ شخص نہ ہوتا تو روپیہ کو لے کر چاٹا کرتے۔ یہ نعمت خداداد ہے ورنہ جتنا روپیہ تعلیم کے لیے فراہم کرنے اس سب کے بدلے بھی تو سید احمد کا سا ایک دماغ ڈھونڈنا نہ پاتے۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ ہم کو روپیہ چاہیئے۔ جتنا ہو سکے اور جس قدر ہو سکے روپیہ آئے تو کہاں سے آئے جن کو قوم کا درد ہے مقدور نہیں رکھتے۔ اور جن کو مقدور ہے اُن کو درد نہیں ؎

گر بجاں را بدست اندر درم نیست	خداوندان نعمت را کرم نیست

اِس مشکل کے حل کرنے کی ایک تدبیر میرے خیال میں آتی ہے۔ امیروں کو تو نوگردن۔ ان سے تو کچھ ہونا ہوانا نہیں۔ جب کسی قوم پر وبال آنے کو ہوتا ہے تو سب سے پہلے امرائے قوم ہی بگڑتے ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا[1]۔ پس جن لوگوں کے فساد سے ہماری قوم کی خرابی کی ابتدا ہوئی ان سے اصلاح کی توقع ایسی ہی جیسے زہر سے نوشدارو کی تاثیر کی امید ؎

پوچھ مت راہ وفا اُس نگہ پُرفن سے	رہنمائی کی نہ رکھ چشم دلا رہزن سے

[1] جب ہم کو منظور ہوتا ہے کہ کسی گاؤں کو برباد کریں تو ہم وہاں کے خوش حال لوگوں کو اُبھار دیتے ہیں وہ اس میں بدکاریاں کرنے لگتے ہیں اور ہمارا قول پورا ہو جاتا ہے پھر ہم اُس کو مار کر ڈھا کر دیتے ہیں ۱۲۔

یوں کرو کہ جو جو قومی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں سب ایک گروہ بن جاؤ۔ اور گروہ کو ضرور ہی۔ لیڈر یعنی سرگروہ اُسی فردِ متعین کو (دیکھے یا نہ نہیں۔ ضرور سیکھے اور خوب سمجھے) لیڈر بنا لو۔ صرف چندہ فراہم کرنے اور اُس کو اپنی رائے سے اعلیٰ درجے کی انگریزی تعلیم میں صرف کر دینے کا اور اس امام کے ہاتھ پر فارملی (باقاعدہ) بیعت کرو کہ ہم منفرداً و مجتمعاً روپیہ بہم پہونچانے میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے۔ لیکن اس بیعت کے بعد یہ نہیں کرنا ہوگا کہ چلتی سی ایک بات کہہ دی اور اپنے سر سے چھدّا سا اُتارا الگ ہو گئے۔ ستّو باندھ کے چندے کو پیچھے پڑنا ہوگا۔ گھر گھر جاکر بھیک مانگنی پڑے گی۔ یا ایک چھوٹا سا ضلع کیفَ مَا اتَّفَقَ[۱] اختیار کرو اور تحقیقات کر کے ایسے لوگوں کی فہرست بناؤ جو صاحبِ زکوٰۃ ہیں۔ لڑ کر۔ جھگڑ کر۔ منت سے۔ خوشامد سے۔ سمجھانے سے۔ الحاف[۲] سے۔ ابرام سے غرض کہ جس طرح بن پڑے اُن سے زکوٰۃ وصول کرو۔ کچھ خبر بھی ہے یہی صدقات ابتدا میں اسلام کا کیپٹل (سرمایہ) رہے ہیں۔ اِن کے وصول کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) منعِ زکوٰۃ کو ارتداد[۳] سمجھ کر جہاد پر آمادہ ہو گئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان ابواب کی تحصیل موقوف کر دی کیوں کہ مسلمانوں کو خدا نے سلطنت کی وجہ سے غنی کر دیا تھا۔ مگر میرے نزدیک حضرت عثمانؓ نے غلطی کی۔ دینا سبھی کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی لوگ دیتے وقت بڑبڑاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے دست بردار ہو جانے سے رہے سہے اور بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ اب جو لوگ دیتے ہوں وہ جانیں اور اُن کا ایمان جانے۔ لیکن اگر کسی طرح اس رقم کا ضبط کرنا ممکن ہو تو بہت بڑی آمدنی کی چیز ہے۔ اس میں بھی دقتیں پیش آئیں گی۔ بعض تو صاف ٹکا سا جواب دیں گے کہ تم ہمارے محتسب نہیں۔ تم کو ہمارے معاملات میں کیا دخل۔ بعض حیلہ کریں گے کہ تعلیم انگریزی مصرفِ زکوٰۃ نہیں۔ بعض نصاب کو چھپائیں گے۔ بعض دیتے وقت ہیر پھیر کریں گے۔ اِن مشکلات پر غالب آنا سچی قومی خیر خواہی ہے اور نہ اپنی گرہ سے دو۔ نہ دوسرے سے دلواؤ نرا زبانی جمع و خرچ ہم تو ایسی ادعائی خیر خواہی کے قایل ہی نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ جتنا گُڑ ڈالو گے اُتنا ہی میٹھا ہوگا۔ جیسی

---

[۱] اتفاقی طور پر ۱۲ [۲] لگ لپٹ کر ۱۲ [۳] مرتد ہو جانا ۱۲۔

ہماری کوششیں ہیں مضمحل اوپری دل سے ویسے نتیجے ہیں کہ آج بیس برس سے تعلیم کا غل سنتے سنتے کان بہرے ہو گئے۔ سر دکھنے لگا۔ جی اُکتا گیا اور کسی ایک ضلع کی تعلیم کا انتظام بھی کافی اور اطمینان کے لایق نہیں ہوا۔ آؤ تھوڑی دیر کے لئے اس بات پر بھی نظر کریں کہ ہمارے بزرگان دین ہمارے پیشوا کیا کمال کرتے تھے کہ ہتھیلی پر سرسوں جما گئے۔ دوست دشمن سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس قدر جلد اسلام کی سلطنت قایم ہوئی۔ اس طرح چٹکی بجانے میں کوئی اور سلطنت قایم ہی نہیں ہوئی۔ ان میں ایک کمال ہو تو بیان کیا جائے سراپا کمال ہی کمال تھے ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

تاہم میں چند ایسی باتیں بیان کروں گا جن کو میرے نزدیک اسلام کی ترقی میں بڑا دخل تھا اور اب بھی مسلمانوں کی حالت کے درست کرنے کے لئے اُن کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں ایک بڑی صفت نفس کشی کی تھی اور یہی صفت ہے جڑ باہم ہمدردی کی۔ جود و سخا کی۔ ایثار کی۔

جب انسان خود اپنی حاجتوں کا مغلوب ہو اس کے دل میں دوسرے کی امداد و اعانت کی تحریک پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سب سے پہلے اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنو۔

حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تین دن متواتر شکم سیر نہیں ہوئے وَلَوْ شِئْنَا لَشَبِعْنَا وَلٰكِنْ كَانَ يُؤْثِرُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَلَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔ یعنی چاہتے تو پیٹ بھر کر کھاتے مگر حضرت کی عادت تھی بھوکوں کو کھلا دیتے۔ اور آپ بھوکے رہتے اور کل کا فکر تو کبھی کیا ہی نہیں ؎

ہر چہ آمدت بدست بداری تو پیش ازاں ۔۔۔ ایں جود آں کرامت کہ از فقر عاجز است

ابوطلحہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب فقر و فاقے سے بہت تنگ آئے تو کئی آدمی مل کر حضرت کے پاس گئے اور اپنے اپنے پیٹ دکھائے۔ سب نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا تاکہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک دکھایا تو اکٹھے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضہ سے منقول ہے کہ میں ایک دن پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ

تہمد باندھے بوریئے پر پڑے ہیں۔ بوریئے کی تیلیاں جو بدن میں چبھی ہیں۔ تو نشان پڑ پڑ گئے ہیں۔ پھر جو میری نگاہ طاقوں پر جا پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں۔ ذرا سا پنیر دھرا ہے۔ اور وہیں پاس کو پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایذا اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں بے اختیار رو دیا۔

حضرت عائشہ رضہ ذکر کرتی ہیں کہ ایک دن میرے میکے سے بکری کی ران آئی۔ رات کا تھا وقت میں نے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مل کر مشکل سے اُس کو بنایا جس کے سامنے یہ مذکور تھا۔ اُس نے پوچھا کیا چراغ نہ تھا؟ تو حضرت عائشہ رضہ بولیں ”تیل ہوتا تو ہم اپنی ہنڈیا ہی نہ بگھارتے“[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عمر چپاتی کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

سہل بن سعد رضہ نے چھلنی کے باب میں بھی ایسی روایت کی ہے مَعَ شَيْءٍ تُرَاتِكِدِ وہ یہ کہ میں نے اپنے راوی سے پوچھا کہ بھلا چھلنی نہ تھی تو جو کا آٹا کس طرح کھاتے ہوں گے راوی نے کہا کُنَّا نَطْحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ حضرت کی غالب غذا تھی چھوارے وہ بھی قسم جیّد نہیں۔ اور شکم سیر نہیں۔

اُمیّہ بن صفوان مولفۃ القلوب میں تھا حضرتؐ نے اُس کو اتنا دیا کہ جود دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ سخی بہتیرے دیکھے۔ مگر اِس درجے کی سخاوت کا سوائے نبیؐ دوسرے کا نفس متحمل ہو ہی نہیں سکتا حضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کا یہ شعر کچھ مبالغۂ شاعرانہ نہ تھا۔ بلکہ حکایت نفس الامری ہے

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِي تَشَهُّدِهٖ	لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهُ نَعَمُ

بعض شاعر بھی بلا کے چور ہوتے ہیں۔ ایک عجمی نے اس کا لفظی ترجمہ کر کے کسی بادشاہ کے مدحی قصیدے میں داخل کر دیا ہے

[1] ہم جو کو پیس کر اوپر سے پھونک مار دیتے بھوسی جو اُڑنی تھی اُڑ جاتی۔ پھر آٹا گوندھا پکایا کھا لیا ۱۲

نہ رفت کلمۂ لا بر زبان او ہرگز	مگر بہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

کم بخت کو نہ چوری کرتے شرم آئی اور نہ دنیا دار بادشاہ کی اس قدر بے جا اور نامناسب خوشامد کرتے ہم صرف جود کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ اتنی باتوں کو کہ خود حاجتمند اور سخت درجے کے حاجتمند اور اس قدر داد و دہش اور کشادہ دلی کے ساتھ آپ فرماتے تھے لَوْ كَانَ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا يَسُرُّنِيْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَّعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْءٌ[٥١] اور یہی کیفیت تھی تا دمِ مرگ کہ مرض الموت سے پہلے کہیں حضرت عائشہ رضؓ کو چھ یا سات دینار دیئے تھے کہ مساکین کو تقسیم کر دینا۔ علالت میں خیال آیا تو پوچھا۔ حضرت عائشہ نے عذر کیا شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ[٥٢] آپ نے منگوا کر دنانیر[٥٣] کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا مَا ظَنُّ[٥٤] مِنْ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ میں نے ادبدا کر حدیث کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ مال دنیا پیغمبر صاحب کی نظر میں نہ صرف بے قدر تھا بلکہ اپنے اور اپنے اقارب اور متعلقین کے لیے مبغوض۔ انھوں نے صدقات کو جو ہمارے زمانے کے مولویوں اور مشائخوں کی معاش کا بڑا ذریعہ ہے۔ نہ صرف اپنی نسل پر بلکہ بنی ہاشم پر ہمیشہ کے لیے قطعاً حرام کر دیا یہاں تک کہ ایک بار آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے نقد و جنس مستحقین کو تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے (بچے تو تھے ہی) ایک چھوہارا منہ میں ڈال لیا حضرت کی نظر پڑ گئی فرمایا کخ کخ لینے جیسی چیز ہے لوگوں کے مال کا میل ہے آل محمد پر حرام۔ اور آخر وہ چھوہارا اُگلوا دیا۔ اور اس داد و دہش کا ضروری نتیجہ تھا کہ آپ نہ صرف اپنے نفس پر تنگی جھیلتے تھے۔ بلکہ تمام اہل و عیال۔ یہاں تک کہ ایک بار ازواج مطہرات نے توسیع نفقات پر ضد کی تو آپ ناخوش ہو کر سب کے چھوڑ بیٹھنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی کا تو بیان ہے سورۂ احزاب میں يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ[٥٥]

[٥١] اگر میرے پاس کوہ احد کی قدر سونا ہوتا تو مجھ کو بڑی خوشی اس کی تھی کہ تین راتیں نہ گذرنے پائیں سب خرچ کر دوں ۱۲ [٥٢] میں آپ کی تیمارداری میں مصروف رہی ۱۲ [٥٣] یعنی دینار کی ۱۲ [٥٤] اور نبی کی نسبت خیال کیا جائے جو یہ اشرفیاں لیے ہوئے خدا کے پاس جائے ۱۲ [٥٥] اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت درکار رکھو تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم کو درکار رہو اللہ اور رسول اور آخرت کا گھر تو جو تم میں نیکوکار ہیں ان کے لیے خدا نے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ۱۲۔

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ اِس طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سے آخر تک حد درجے کی نفس کشی کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس کے بہت شواہد ہیں نہ ریاکاری تھی نہ ناداری تھی۔ نہ خست نہ کفایت شعاری تھی بلکہ وہی کہ اپنے تئیں ایذا ہو تو مگر دوسروں کو فائدہ پہونچے۔ ابتدائے عمر میں دادا اور دادا کے بعد چچا ان کے متکفل تھے پھر خدا نے اُن کو خدیجۃ الکبریٰؓ کے مال سے غنی کر دیا تھا اور اس کے بعد تو بادشاہ تھے صاحبِ ملک ولشکر و مالک اموال غنیمت یَتَصَرَّفُ فِیْهَا کَیْفَ یَشَاءُ[۱] مگر انتقال ہوا تو تیس صاع[۲] جو کے بدلے اپنے پہننے کی زرہ رہن تھی اپنے لیے تو اس درجے کی تنگی اور مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کا دریغ نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب ملک فتح ہونے لگے تو آپ نے منادی کر دی کہ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ مَنْ تُوُفِّیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَتَرَكَ دَیْنًا فَعَلَیَّ قَضَاءُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ[۳] اب اسی نفس کشی کے متعلق چند باتیں صحابہؓ کی سنو۔

حضرت عمر کے بیٹے اپنے والد کے حالات میں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ کے ہاتھ میں ایک درم دیکھا۔ پوچھا کہ کیسا درم ہو۔ جابرؓ نے کہا بہت دنوں سے بال بچے گوشت کو ترس گئے۔ آج ارادہ ہو کہ اس کا گوشت لے کر پکواؤں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے کیا تم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہو کہ جس چیز پر جی للچایا گئے اور مول لے آئے۔ تم سے اپنے چچازاد بھائی اور پڑوسی کی خاطر بھوک کی سہار نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ آیت یاد سے اتر گئی ہو۔ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا[۴] مالک دارمی سے منقول ہو کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمان خلافت

[۱] جس طرح چاہتے اُس میں تصرف کرتے ۱۲ [۲] یہ ملک عرب کا ایک پیمانہ ہو ۱۲ [۳] مجھ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی خیر خواہ نہیں۔ جو مسلمان قرضدار مرے اُس کا قرضہ میرے ذمے اور جو مال چھوڑ مرے تو مال اُس کے وارثوں کا ۱۲۔

[۴] تم دنیا میں مزے اُڑا چکے اور فائدے اُٹھا چکے ۱۲۔

ہیں ایک غلام کو عبیدہ بن الجراح کے پاس چارسو دینار دے کر بھیجا اور کہا یہ دینار اُن کو دے کر ذرا ٹھہرے رہنا۔ دیکھ تو کیا کرتے ہیں۔ غلام نے دینار پھونچا دیئے اور حکم کے مطابق ٹھہرا رہا۔ عبیدہ نے حضرت عمر رضہ کا شکریہ ادا کیا اور لونڈی کو بلا کر کہا کہ سات وہاں اور پانچ وہاں دے کر آ یہاں تک کہ اسی طرح کل چارسو کے چارسو تمام ہو گئے۔ غلام نے جو دیکھا جا کر عرض کر دیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضہ نے چارسو کی ایک تھیلی اور بھر کر رکھی تھی۔ اسی طرح غلام کو معاذ بن جبل کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی عبیدہ کا ماجرا پیش آیا اتنی بات زیادہ ہوئی کہ جب معاذ دینار تقسیم کر رہے تھے۔ اُن کی بی بی نے آکر کہا بخدا ہم بھی حاجت مند ہیں کچھ تو ہم کو بھی دو ؎

اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی	آگ بھیجتے ہو اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

اُس وقت صرف دو دینار باقی تھے۔ معاذ نے بی بی کے حوالے کیئے۔ حضرت عمر رضہ نے عبیدہ اور اور معاذ کا حال سُنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہاں یہ ہیں اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ[1] حضرت عمر رضہ کو اسی طرح کا معاملہ سعد بن عامر کے ساتھ پیش آیا سُنا کہ اُن کے ہاں آگ تک نہیں سُلگتی۔ اکٹھے دس ہزار بھیج دیئے۔ اُنھوں نے تھیلیاں اور پوٹلیاں باندھ باندھ کر بانٹنا شروع کیئے۔ بی بی نے کہا۔ یہ روپیہ جو خلیفہ نے ہمارے لیئے بھیجا ہے تم کس کس کو دیئے ڈالتے ہو۔ کہا اُن لوگوں کو جو اس کے ہم سے زیادہ حاجت مند اور حق دار ہیں۔

حضرت انس رضہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضہ کو اُن کی امارت یعنی خلافت کے زمانے میں دیکھا کہ عین مونڈھوں کے بیچ میں اوپر تلے تین پیوند لگے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں میں نے حضرت عثمان رضہ کو دیکھا منبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے ہیں اور چار یا پانچ درم کی قیمت کا عدن کا بنا ہوا موٹا تہمد باندھے ہوئے ہیں۔ یہ وہ عثمان تھے جن کا لقب تھا غنی اور جنھوں نے پینتیس ہزار درم کا ایک بیر رومہ[2] خرید کر وقف کر دیا تھا۔ تجہیز جیوش اور دوسرے مواقع پر جو خرچ کیا اُس کا ذکر نہیں۔

---

[1] مسلمان بھائی آپس میں ایک سے ہیں ۱۲ [2] یہ ایک کوئیں کا نام ہے ۱۲

حضرت عمرؓ کے حالت میں لکھا ہی کہ خلافت پر مسلط ہوئے پیچھے مدت تک انھوں نے بیت المال سے ایک کوڑی نہ لی۔ آخر تنگ ہوتے تو اصحاب کو بلا کر کہا کہ میرا سارا وقت اِس کام میں صرف ہو جاتا ہی بیت المال سے لوں تو کیا لوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صبح و شام دو وقت کھانے کی قدر۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو پسند کیا اور اسی پر کاربند رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور حکایت ہی کہ کھانا لے کر لقمہ اُٹھاتے ہی تھے کہ ایک مسکین نے آواز دی۔ آپ نے سارا کھانا اُس کے حوالے کیا۔ دوبارہ کھانا پکا۔ اور اتفاق سے عین وقت پر یتیم نکلا۔ پھر تیسری بار قیدی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ؎۱ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخاوت کی ایک مثال کا میں نے خاص نوٹس لیا۔ کہ قرض تو بہت بُری بلا ہی پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ قاعدہ رکھا تھا کہ جو شخص قرض دار مرتا اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھتے۔ اور مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور قرض سے بچیں چنانچہ ایک شخص نے وفات پائی لوگوں نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز جنازہ کی درخواست کی۔ آپ نے پوچھا ؎۲ هَلْ عَلَىٰ صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوا لَا قَالَ فَصَلُّوا عَلَىٰ صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّىٰ عَلَيْهِ۔ اِس صورت میں ایک مرا ہوا مسلمان نمازِ پیغمبر کی برکت سے محروم رہا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ سے اس کا حرمان نہ دیکھا گیا۔ اور اُس کا سارا قرضہ اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ تو وہ زندہ مسلمانوں کی ایذا کو کیوں برداشت کرنے لگے تھے سِیَر کی کتابوں میں یہ بھی نظر سے گزرا ہی کہ حضرت علیؓ کے اپنے عزیز یہاں تک کہ اُن کے بھائی

؎۱ کھانے کے خود حاجت مند ہیں اور آپ نہیں کھاتے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں کہ ہم تم کو خدا کے لیئے کھلاتے ہیں تم سے بدلہ یا شکر گزاری درکار نہیں ۱۲

؎۲ پوچھا کہ اس شخص کو کسی کا کچھ دینا ہی لوگوں نے کہا ہاں۔ پوچھا کہ ادائے قرض کے لیئے بھی کچھ چھوڑ مرا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو تم اُس کے جنازے کی نماز پڑھ لو۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ اس کا قرض میرے ذمے تب آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی ۱۲

عقیل اُن سے ناخوش رہتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ ان کے دینے میں مضایقہ کرتے تھے۔

ایسا ہی معاملہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا تھا کہ اُسامہ بن زید کو زیادہ ملا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے باپ سے گلہ سا کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اور اُسامہ برابر نہیں ہو سکتے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہ کے باپ کو تمھارے باپ سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔ حقیقت میں ان لوگوں کے کچھ عجیب حالات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سولہ دینار حج میں صرف کیے اور بیٹے سے کہا کہ ہم نے بیت المال کا روپیہ زیادہ اُٹھا دیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اور سولہ دینار کا خرچ اور اس پر افسوس۔ حضرت ابوبکرؓ کے باب میں تو پیغمبر صاحب کہا کرتے فرماتے تھے کہ جس قدر ان کا روپیہ میرے کام میں آیا ہے اور کسی کا نہیں آیا۔[1] مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا مِنْ يَدٍ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبِيْ بَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا اَيُكَافِيْهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار پیغمبر صاحب کو روپے کی ضرورت تھی یعنی دینی مسلمانوں کے عام فایدے کے لیے۔ کیونکہ ان کے ہاں ذاتی ضرورت سے تو کچھ بحث ہی نہ تھی غرض تو پیغمبر صاحب نے صحابہؓ کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے تو اپنا آدھا مال لا حاضر کیا اور پیغمبر صاحب سے کہہ بھی دیا اور دل میں سمجھا کہ آج حضرت ابوبکرؓ سے میں ضرور بازی لے جاؤں گا۔ دیں گے تو وہ بھی ضرور مگر شاید آدھا نہ دے سکیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی اپنا چندہ لیے ہوئے آپہنچے پیغمبر صاحب نے مجھ سے بھی پوچھا تھا[2] مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ تو میں نے عرض کر دیا تھا[3] مِثْلَهٗ۔ حضرت ابوبکرؓ سے بھی پوچھا۔ تو اُنھوں نے کہا[4] اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کے بعد سے حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بند اور تکموں کی جگہ کانٹے ... ٹانکے پھرتے تھے اور اسی سے لوگ اُن کو

---

[1] جس کسی کا ہم پر کچھ احسان تھا ہم سب کا بدلہ اتار چکے مگر ابوبکر کا ہم پر ایسا احسان ہے کہ اس کا عوض قیامت میں اُن کو خدا کے یہاں سے ملے گا۔ اور مجھ کو کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابوبکر کے مال نے ۱۲ [2] تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کتنا باقی رکھا ۱۲ [3] جتنا حاضر لایا ہوں اسی قدر اہل وعیال کے لیے چھوڑ آیا ہوں ۱۲ [4] اللہ ورسول ان کے واسطے اہل وعیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑا ۱۲

ذوالخلال کہنے لگے تھے۔ اگر کسی کو چندے کی مقدار پر گھمنڈ ہو تو اُن بزرگوں میں مقدور والے خدا کے فضل سے اس میں بھی کسی سے ہیٹے نہ تھے اَلسّٰابِقُوْنَ السّٰابِقُوْنَ[1] عبدالرحمٰن بن عوف غزوۂ تبوک[2] میں جا سکے اس کے کفارے میں ستر ہزار دینار خدا کی راہ میں صرف کیئے۔ ایک بار پانسو اونٹ اور پانسو گھوڑے خیرات کر دیئے۔ یہ حضرت عشرہ مبشرہ[3] میں سے ہیں۔ اس بشارت کی خوشی میں قافلے کا قافلہ جو شام سے ان کا مالِ تجارت لا رہا تھا سب خیرات کر دیا۔ حکیم بن حزام نے سو غلام عرفے کے دن آزاد کیئے۔ جن کے گلے میں چاندی کے طوق تھے اور طوق پر کندہ تھا عُتَقَاءُ اللّٰہِ[4] ساٹھ ہزار کو معاویہ کے ہاتھ رہنے کا مکان بیچ کر سارا زرِ ثمن خیرات کیا کیا۔ تو ابوطلحہ انصاری نے کیا کیا پیغمبر صاحب کے پاس کوئی سائل آیا حضرت نے پہلے ازواجِ طاہرات سے کہلا بھیجا کہ کچھ ہو تو دو۔ سب سے جواب صاف ملا۔ آخر پیغمبر صاحب نے حاضرین سے فرمایا۔ کیوں بھائی تم میں سے کسی کو ہمت ہے کہ اس غریب کو ایک رات مہمان رکھے۔ ابوطلحہ بولے حضرت میرے ساتھ کر دیجئے۔ مہمان کو تو لے گئے۔ گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی صفایا ہے اور کچھ ہے بھی تو اتنا کہ بچوں کا پوت پورا ہو۔ آخر اس کے سوا اور کچھ نہ کرتے بن پڑا کہ بی بی سے کہا کہ بچوں کو تو کسی طرح بہلا پھسلا کر پیچھے سے سُلا دو۔ کھانے کا وقت آئے تو کسی حیلے سے چراغ گل کر دینا۔ میں خالی موںھ چلاتا رہوں گا۔ مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اسی واقعے کو مفسرین نے آیت وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[5] کا شانِ نزول بتایا ہے۔ اب تک میں نے شخصی مثالیں بیان کی ہیں۔ یہی حال تھا گروہ کا گروہ سے اور قوم کا قوم سے۔ مثلاً جب مہاجرین مدینے میں آ رہے تو انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت ہمارے بھائی مہاجر محض بے سر و سامان ہیں۔ آپ ہمارے اموال میں اُن کا برابر کا حصہ لگا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا تمھارا یہی احسان بہت ہے کہ تم ہم سے کام نہیں لیتے

---

[1] اگلے لوگ نیک کاموں میں سب پر سبقت لے گئے تھے ۱۲ [2] تبوک ایک شہر کا نام ہے ملکِ شام میں ۱۲ [3] وہ دس صحابی جن کو پیغمبر صاحب نے جیتے جی بہشتی ہونے کی خوش خبری بحکم خدا سنا دی تھی ۱۲ [4] خدا کی راہ میں آزاد کیئے ہوئے ۱۲ [5] اپنے تئیں حاجت ہی کیوں نہ ہو دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں ۱۲

اور خرچ سے ہماری مدد کرتے ہو۔ پھر جب بنی نضیر[۱] کی غنیمت ہاتھ لگی تو پیغمبر صاحبؐ کو انصار کی وہ بات یاد تھی۔ آپ نے انصار سے کہا کہ اب کہو تو غنیمت میں تمہارا حصہ لگا کر مہاجرین کو تمہارے اموال میں شریک کر دوں۔ یا غنیمت صرف مہاجرین کے لئے رہنے دوں کہ ان کو ضرورت ہے۔ تمام انصار نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ غنیمت صرف مہاجرین کو دیجئے ہم کو اس کی خواہش نہیں۔ اور اپنے مال میں مہاجرین کے شریک کرنے سے ہم پہلے بھی راضی تھے اب بھی راضی ہیں۔ پھر حنین کی لڑائی کے بعد جو فتح مکہ کے تھوڑے ہی دنوں پیچھے ہوئی جب ہوازن اور ثقیف[۲] کی لوٹ تقسیم ہونے لگی تو حضرتؐ نے قریش کو خوب جی کھول کر دیا۔ بعض انصار کے مونھ سے یہ بات نکلی۔ کہ ہنوز ہماری تلواروں سے قریش کے خون پڑے ٹپک رہے ہیں اور ان ہی کو بہت دیا جاتا ہے۔ حضرت کو خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا سُنا ہے۔ سو تم کو معلوم ہے کہ میں بمصلحتِ وقت سمجھ کر بعض اوقات نااہل کو بھی دیتا ہوں۔ کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ لوگوں کو مال ملے اور تم کو خدا اور خدا کا رسول۔ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض نوجوان آدمیوں کے مونھ سے ایسی بے جا بات نکلی تو سہی مگر ہم میں سے جو صاحب الرائے ہیں اُن کو مطلق شکایت نہیں۔ اور ہم خدا اور خدا کے رسول سے راضی ہیں ہم کو مال و دولت کچھ درکار نہیں۔ ہم اسی کو بڑی دولت سمجھتے ہیں کہ آپ کے قدم ہمارے سروں پر ہیں۔ ان چند باتوں سے جو میں نے بیان کیں ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کس رنگ سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے تھے ہم میں بھی خیر خواہان دین ہیں خیر خواہان قوم ہیں۔ اور یہ عمارت اور یہ کارخانہ جس میں ہم لوگ اس وقت موجود ہیں۔ اس خیر خواہی کا ثبوت مرئی ہے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ آیا یہ خیر خواہی اور اس رنگ کی خیر خواہی مسلمانوں کی ضرورت کو کافی ہے۔ یا نہیں۔ میرا کہنا یہی ہے کہ ہرگز کافی نہیں۔ اب تو جان جوکھوں کا کچھ بھی کام نہیں۔ صرف روپئے کا خرچ۔ سو اس طرح پر سسک کر خرچ کرنے سے نہ اب تک کچھ ہوا اور نہ آیندہ کچھ ہو سکے گا۔ کرنا ہے تو پورا کام کرو۔ ادھورا کام ہوا نہ ہوا برابر۔ عربی فارسی میں تو کچھ اثر رہا نہیں۔

---

[۱] یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ہے ۱۲ [۲] ہوازن اور ثقیف قبیلوں کے نام ہیں ۱۲

اب تو چلتا ہوا عمل انگریزی کا ہی۔ سو انگریزی شاعر کہتا ہی ؎

آل دیٹ یو ڈو۔ ڈو۔ وِتھ یور مائٹ
تھنگز ڈن بائی ہاوز آر نور ڈن رائٹ[۱]

ذرا سوچنے اور سمجھنے کی بات ہی کہ قرآن میں جہاں جہاں مسلمانوں کو کوئی حکم دیا گیا۔ ہر زمانے کے مسلمان مکلف اور مخاطب ہیں یا صرف وہی لوگ جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر تھے۔ اگر احکام الٰہی اسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوں تو سستے چھوٹے۔ مگر ہم نے تو کسی نیچری مسلمان کو بھی یہ کہتے نہیں سنا۔ باتیں وہی ہیں کسی میں سرِ مو فرق نہیں اور ہونا ممکن بھی نہیں۔ وہی خدا ہی۔ وہی قرآن ہی۔ وہی احکام ہیں۔ وہی ان کا عموم ہی۔ ہاں ایک بات کا فرق ضرور ہی کہ ویسے مسلمان نہیں اُنھوں نے اسلام کو دیکھا ضعیف۔ محتاجِ امداد۔ محتاجِ حمایت۔ اور جان و مال سے اس کی مدد کو پل پڑے۔ آپ فاقے کیئے اور دوسروں کے پیٹ بھرے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلایا۔ اور مہمان کو کھلایا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ سلطانِ وقت ہو کر پیوند لگا سے موٹا جھوٹا پہنا تاکہ جو کوڑی بچے دوسرے مسلمانوں کے کام آسے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ کسی نے آدھا اور کسی نے سارا مال ایک دم سے خدا کی راہ میں دے دیا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ بے سر و سامان بھائیوں کی مددجوئی سو کی۔ اُن کو آدھا مال بانٹ دینے کے لیئے اصرار کرتے رہے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔

حضرتؐ کے چچا حمزہ بن مُطلب اور مصعب بن عمیر کو پورا کفن تک نہ ملا۔ یہاں تک کہ چادر مُونھ پر ڈھانک کر پیروں پر گھاس ڈال دی گئی۔ اور یہ اُن مصعب کا مذکور ہی جن کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ میں نے دو دو سو درہم کا حلّہ پہنے اپنی آنکھ سے اُن کو دیکھا ہی۔ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے کسی مسلمان کو ایسی بے سامانی کے ساتھ دفن ہوتے دیکھا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرح تنکے اور کانٹے لگانا تو اُن ہی کا کام تھا۔ ہم میں سے کسی نے چینی کے بٹنوں پر

[۱] جو کچھ کرنا ہی بھر مقدور کرو۔ ادھورے کام کبھی ٹھیک نہیں ہوتے ۱۲۔

بھی کبھی قناعت کی ہی؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے عام مسلمانوں کو اپنے نفس اور اہل وعیال اور عزیزوں پر ترجیح دی ہی جس کا دوسرا نام ایثار ہی۔ کسی نے نہیں۔ کبھی نہیں۔ قطعہ

خسرو سے خواستگاری شیریں میں کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس مونھ سے اپنے آپ کو کہتا ہی عشق باز
ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

شاعر نے تو کہا ہی۔ ع

"ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا"

اور میں کہتا ہوں۔ ع

"ای روسیاہ تجھ سے تو کچھ بھی نہ ہوسکا"

پس یا تو اپنا استثنا دکھاؤ یا اسلام اور خیرخواہی اسلام کے دعوی سے ہاتھ اٹھاؤ۔ یا گزشتہ را صلوات خیر جو ہو گیا سو گیا۔ اب اس کی تلافی کرو۔ سید احمد خاں تو میرے لیکچر کے سننے والوں میں نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ مجھ کو چار و ناچار ان کا تذکرہ کرنا پڑتا ہی اور ان کے رو برو ان کی مدح کرنا خود مجھ کو ناگوار رہتا ہی۔ ان کو مجھ سے بھی زیادہ ناگوار ہوتا ہوگا۔ مگر یہ میرے اختیار کی بات نہیں۔ ایک شخص کو دیکھتا ہوں اور نہ صرف میں دیکھتا ہوں۔ بلکہ سارا زمانہ دیکھ رہا ہی کہ مسلمانوں کے پیچھے اپنی جان کھپائے چلا جاتا ہی۔ کیونکر ممکن ہی کہ مسلمانوں پر لیکچر دوں اور سید احمد خاں کا نام نہ لوں۔ بس ایک شخص کی دل سوزی تو اگلے لوگوں کی دل سوزی سے الگ بھگ معلوم ہوتی ہی۔ باقی یوں کہنے کو تو ہم سب مسلمان ہیں۔ سبھی اسلام کے خیرخواہ ہیں اور اپنے مقدور کے موافق سبھی کرتے ہوں گے۔ ؎

ای ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

سید احمد خاں کے ظاہر حال سے دھوکا ہو سکتا ہی کہ اونچے درجے کے انگریزوں کی طرح ماند و بود کرتے ہیں گورنروں کو مہمان رکھتے ہیں۔ ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں۔ توبہ توبہ زبان آخر تو چمڑے کی ہی اس وقت کیا بکی ہی۔ ہم پیالہ نہیں صرف ہم نوالہ۔ ایک بدگمان آدمی کو یہ کہہ دینا۔ اور نہ صرف کہہ دینا بلکہ ان لوگوں کو

جو حقیقت الحال سے آگاہ نہیں۔ یقین کرا دینا کیا مشکل ہے کہ اِن کی ساری خیر خواہی اسی میں منحصر ہے کہ لوگوں کی جیبیں ٹٹولتے پھرتے ہیں۔ اور اس کا کریڈٹ آپ لیتے ہیں۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ لیکن جس کے دل میں ایسا واہمہ گزرے اُس کو اس بات پر بھی نظر کرنی چاہیئے کہ سر سید کو چار و ناچار فیلبانوں کے ساتھ دوستی رکھنی پڑتی ہے۔ اور وہ بڑے پھاٹک کے بدون نبھ نہیں سکتی ۵

یا مکن با پیلباناں دوستی	یا بنا کن خانہ بر بالائے پیل

اگر یہ انگریزوں کی طرح ہائی لائف (اونچی شان دار زندگی) نہ رکھیں تو کوئی اعلیٰ درجے کا انگریز اعلیٰ درجے کا نیٹو (ہندوستانی) جن بے چاروں نے۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

انگریزی عملداری سے اتنا ہی فائدہ اُٹھایا ہے کہ انگلش ہیبٹس (اوضاع انگریزی) کا مونھ چڑانے لگے ہیں ایسے لوگوں میں سے کوئی ان کی طرف رُخ کرے۔ رُخ کرنا کیسا۔ اپنی اسپیشل ٹرینوں کے علیگڈھ سٹیشن میں ٹھہرنے کے بھی تو روادار نہ ہوں۔ اور ایسی موٹی اسامیاں دام میں نہ آئیں تو چندے کی بھاری بھاری رقمیں کن سے ہاتھ لگیں۔ یہ ہے لِم سر سید کی فوق البھڑک زندگی کی۔ اگر اُس کو فوق البھڑک کہنا درست ہو۔ مجھ کو حقیقت میں معلوم نہیں کہ سید احمد خاں نے اپنی جیب خاص سے کیا خرچ کیا۔ لیکن چوں کہ اِن کا عد داغنیا میں نہیں ہے ان کی قومی ہمدردی کا اندازہ چندے کی مقدار سے کرنا بے انصافی ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی چندے کی ضرورت ہوئی تو مقدرت والوں نے دینار و درم کی تھیلیاں لاکر اُلٹ دیں۔ ایک بے مقدور صحابی تھے اُن کا دست رس یہیں تک تھا کہ چند مٹھی کھجوریں جو اُن کو میسر آئیں لا حاضر کیں۔ اِس کی اُن لوگوں نے جو دل سے نہیں بلکہ چندے کی مقدار سے دلی ہمدردی کی جانچ کرتے تھے۔ ہنسی اُڑائی۔ اللہ میاں کو اِن کی ہنسی ایسی بُری لگی کہ بڑے غصے کی ایک آیت نازل ہوئی [۱] اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ

[۱] خیرات کرنے والے مسلمان جن کو اپنی محنت کی کمائی سے زیادہ کا مقدور نہیں جو لوگ ایسے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن و تمسخر کریں اللہ اُن کے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور اُن کو دکھ کی مار ہے ۱۲

اَلْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ پس سید احمد خاں کی قومی ہمدردی کا موازنہ کرنا چاہیئے۔ اِس سے کہ اُنھوں نے اپنے جسم اور دل اور دماغ اور آرام کو جس کے اِس عمر میں سبھی سخت حاجت مند ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی ہیں قوم کے نذر کر دیا۔ کیا مال اِن چیزوں سے بھی زیادہ عزیز ہو سکتا ہو۔ پس ضرور بقدر دسترس اُس کے خرچ کرنے میں بھی اُنھوں نے دریغ نہیں کیا ہوگا۔ اُنھوں نے دل سوزی و فاداری۔ اور نمک حلال غلاموں کی طرح قوم کی چند در چند خدمتیں کیں۔ میں یہاں تک بھی ان کی بہت قدر نہیں کرتا۔ جس چیز کی سب سے زیادہ وقعت میرے ذہن میں ہو یہ ہو کہ قوم منت پذیر نہیں ہوئی (افسوس) اور یہ شخص اُسی خوش دلی اور اُسی سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوا ہو۔

آج سر سید کی لیاقت کا ہندوستان میں ایسا سکہ بیٹھا ہوا ہو کہ انگریزی سرکار میں گنجایش نہیں تو ہندوستانی سرکاروں میں ہزاروں کی نوکری ان کی جوتیوں سے لگی پڑی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے دُھن کے آگے اِن باتوں کا خیال بھی نہ کیا ہوگا۔ یہ وہ خیر خواہیاں ہیں کہ روپیہ تو ایک بے حقیقت چیز ہو۔ جواہرات بھی ان کا مول نہیں ہو سکتے۔ سر سید میں ہم اس بات کا ثبوت پاتے ہیں کہ جس چیز کی مسلمانوں کو ضرورت ہو وہ سچی ہمدردی ہو۔ مقدور ہو نہ سہی۔ ہم کو دینے والے درکار نہیں بلکہ درکار ہیں لینے والے۔ لینے والے ہوں گے تو وہ دینے والے آپ پیدا کر لیں گے۔ جن لوگوں نے علی گڈھ کالج میں چندہ دیا۔ اُن کا دینا ایک حسنہ ہو۔ اور سید احمد خاں کہیں دَاعِیْ اِلَی الْخَیْرِ[۵۱] ہوئے۔ کہیں دَالٌّ عَلَی الْخَیْرِ[۵۲] کہیں قَائِدٌ اِلَی الْخَیْرِ[۵۳] کہیں سَائِقٌ اِلَی الْخَیْرِ[۵۴] پس ان کے یہ مزید حسنات ہیں۔ اور سر سید مسلمانوں کے لیئے خیر محض۔ اسلام کو جو ترقی ہوئی تھی وہ بھی مفلس ہی مسلمانوں کی کوشش سے ہوئی تھی۔ پس جس کو خدا توفیق دے اور اُس کے دل میں مسلمانوں کی امداد کا داعیہ پیدا ہو

---

۵۱ نیک کاموں کی طرف بُلانے والے ۱۲ ۵۲ بتانے والے نیک کام کے ۱۲ ۵۳ لے چلنے والے طرف خیر کے ۱۲ ۵۴ کھینچنے والے طرف خیر کے ۱۲

ہونا چاہیئے کہ مُتَوَکِّلاً[۱] عَلَی اللّٰہِ اُٹھ کھڑا ہو اور بے سامانی کی طرف سے ذرا بھی پس وپیش نہ کرے۔ ارادہ ہی کافی سامان ہی بشرطیکہ پکّا ہو۔ کیا خوب کہا ہی ؎

صَمِّمِ[۲] الْعَزْمَ فِی الْمُہِمَّاتِ جِدًّا	قَلَّ مَا خَابَ صَادِقُ الْعَزَمَاتِ

ایک بات میرے دل میں دیر سے کھٹک رہی ہی اور میں اُس کو ٹالتا چلا جاتا ہوں۔ مگر کب تک؟ اور اُس کو لگا رکھوں تو کس دن کے لیئے۔ وہ یہ کہ قرآن میں جو جگہ جگہ جہاد کی مدح ہی۔ تاکید ہی مجاہدین کے لیئے بشارتیں ہیں مواعید ہیں اور اُس کو افضل الاعمال فرمایا ہی۔ آیا جہاد سے وہ لڑائی مراد ہی جس میں خون نکل آتا ہی جس میں سر پھوٹتے ہیں اور ہڈیاں ٹوٹتی ہیں۔ اور سُنا ہی کہ آدمی مر بھی جاتا ہی تو اس کے افضل الاعمال ہونے میں کیا شک ہی۔ مگر اس صورت میں وہ فرض موقت ہوگا۔ یعنی اس کی ضرورت واقع ہوگی فِی وَقْتٍ[۳] دُوْنَ وَقْتٍ لیکن الفاظِ قرآن سے معلوم ہوتا ہی کہ نماز روزے کی طرح جہاد[۴] بھی حکم مستمر اور متجدد[۵] ہی۔ اور ایک حدیث اس طرح کی بھی ہی کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوے سے واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ رَجَعْنَا[۶] مِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِہَادِ الْاَکْبَرِ اور مسلم ہی کہ جہاد اکبر سے مراد تزکیۂ نفوس[۷] ہی۔ تو معلوم ہوا کہ جہاد کا اطلاق صرف لڑائی بھڑائی اور مار کٹائی پر نہیں۔ بلکہ ہر عمل خیر جس میں جہد و مشقت ہو داخل جہاد ہی۔ ہم اپنے محاورے میں ہاتھ دھو کر ایک کام کے پیچھے پڑنے کو جان کا لڑا دینا بولتے ہیں۔ پس اگر مثلاً یُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَنْفُسِہِمْ کا ترجمہ کیا جاے کہ خدا کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں تو میرے نزدیک زیادہ روبصحت ہوگا بیشک ایک وہ وقت تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ منحصر اور متعین تھا لڑائی میں۔ لیکن اب مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہی کہ اہل یورپ کے علوم کو تکمیل کے ساتھ حاصل کریں۔ اور ہمارے زمانے کا جہاد یہی ہی کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو تعلیم دی جائے میں جانتا ہوں کہ آج کل کے

---

[۱] خدا پر بھروسا کر کے ۱۲ [۲] مشکل باتوں کا عزم کرو تو پکّے طور پر کرو۔ سچے ارادے کا آدمی کمتر ناکام رہتا ہی ۱۲۔
[۳] ایک وقت ہوگی اور ایک وقت نہ ہوگی ۱۲ [۴] ہمیشہ ۱۲ [۵] وقتاً فوقتاً اُس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہی ۱۲ [۶] ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف متوجہ ہوئے ۱۲ [۷] اخلاقِ بد سے نفس کو پاک کرنا ۱۲۔

مولوی اس تفسیر کو سُن کر کان کھڑے کریں گے۔ مگر میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ نہ خوف سے اور نہ خوشامد سے بلکہ دیانت سے میں انگریزی عملداری کو خاص کر مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی احسان الٰہی سمجھتا ہوں مسلمانوں کو اپنی عملداری میں وہ امن اور آزادی نصیب نہیں جو ہم مسلمانانِ ہند کو امپرس وکٹوریہ کے ظلِ حمایت میں ہے۔

جو لوگ اسلام کے معتقد نہیں اکثر ناواقفیت سے اور بعض ضد سے اسلام پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ مگر غدر اور بدعہدی کی اسلام میں اس سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے کہ کوئی جھوٹوں میں بھی ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔ خدا (مسلمانوں کا خدا) کیسے صاف لفظوں میں پکار رہا ہے۔

[۱] یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ خیر یہ تو لکھنے اور کہنے کے احکام ہیں۔ اب دیکھو اُن کی تعمیل۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب تقاضائے مصلحتِ وقت حدیبیہ کی صلح دب کر کی تھی۔ اس میں شرط یہ ٹھہری تھی کہ دورانِ صلح میں اگر مکے والوں میں کا کوئی شخص بھاگ کر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا جائے تو پیغمبر صاحب اُس کو واپس کر دیں اور اگر پیغمبر صاحب کا آدمی بھاگ کر مکے والوں میں جائے تو خیر۔ صلح نامے پر دستخط ہو ہی چکے تھے کہ اتنے میں سُہیل کا بیٹا ابوجندل جس کو باپ نے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا گرتا پڑتا پیغمبر صاحب پاس حاضر ہوا۔ اُس کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیور بدلے۔ اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ملال تو بہتیرا ہی ہوا مگر صلح کر چکے تھے صاف کہہ دیا کہ بھائی جا صبر کر میں تو بدعہدی نہیں کروں گا۔

اسی طرح ابوبصیر مکے سے بھاگ کر مدینے میں آئے جوں ہی پیغمبر صاحب نے اُن کو دیکھا۔ فرمایا وَیْلُ اُمِّہٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ [۲] اور بے تامل اُن کو اُن دو آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اُن کو پکڑنے

---

[۱] اے ایمان والو عہد و پیمان کو پورا کرو۔ جب عہد کر لیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے۔ عہد کو پورا کرو کیوں کہ اس کی پرسش ہونے والی ہے۔ امن کے بعد زمین میں فساد مت پھیلاؤ ۱۲۔ [۲] اس کا بُرا ہو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ۱۲۔

آئے تھے - ایک بڑی ہی عمدہ حدیث ہو کہ پیغمبر صاحب نے اپنے وقت کے سلاطین کو دعوت اسلام کے خط لکھے - ایک خط ہرقل روم کے نام بھی تھا - وہ جو اُس کو ملا تو اُس نے دریافت کیا کہ دیکھو مکے کے لوگ تجارت کے لیئے اکثر آیا کرتے ہیں اگر ہوں تو اُن کو حاضر کرو - چنانچہ سارے قافلے کو ہرقل پاس لے گئے - اُن میں ابوسفیان بھی تھے - جو اُس وقت تک پیغمبر صاحب کے بڑے مخالف تھے - ہرقل نے اُن لوگوں سے پیغمبر صاحب کے جزو کل حالات پوچھے - اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اُس شخص نے یعنی پیغمبر صاحب نے کبھی بدعہدی بھی کی ہو - ابوسفیان کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کی مخالفت کی وجہ سے کئی بار میرے دل میں آیا کہ جھوٹ کہہ دوں - مگر ساتھ والوں کے ڈر سے نہ کہہ سکا - جب ہرقل نے پوچھا کہ کبھی بدعہدی بھی کی ہو تو آخر میں اتنی بات کہہ ہی گزرا کہ اب تک تو نہیں کی آگے کی خبر نہیں پیغمبر صاحبؐ کو تو عہد کے نباہ کا یہاں تک خیال تھا کہ ایک خطبے میں آپ نے فرمایا اُدُّوْا اِلحَلْفَ الجَاھِلِیَّۃِ فَاِنَّہٗ یَعْنِی اَلاِسْلَامُ لَایَزِیْدُہٗ اِلَّا شِدَّۃً[1] - معاویہ نے اہل روم سے میعادی صلح کی - جب میعاد قریب الانقضا ہوئی تو انھوں نے اس ارادے سے سرحد کی طرف کو کوچ کرنے شروع کر دیئے کہ میعاد گزرتے ہی حملہ کر دیں اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلاتا آرہا ہو اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَفَاءٌ لَاغَدْرٌ[2] دیکھا تو عمرو بن عبسہ صحابی تھے - معاویہ نے حال پوچھا تو اُنھوں نے کہا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ مَنْ کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْمٍ عَھْدٌ فَلَا یَحِلَّنَّ عَھْدًا وَّلَا یَشُدَّنَّہٗ حَتّٰی یَمْضِیَ اَمَدُہٗ اَوْیَنْبِذُ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ[3] یہ سنتے ہی معاویہ اُلٹے لوٹ پڑے -

مہاجرین اولین نے جب نجاشی کے پاس جا کر پناہ لی تو وہاں نجاشی کو ایک لڑائی پیش آگئی مسلمان تو گھبرائے کہ یہاں بھی ہماری تقدیر سے مکے نے پیچھا نہ چھوڑا ع

بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست

---

[1] زمانہ جاہلیت کے عہد و پیمان کو نباہو کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس کو اور قوت ہو گئی ہو ۱۲ [2] اللہ بہت بڑا ہو اللہ بہت بڑا ہو عہد کا نباہ چاہیئے نہ بدعہدی ۱۲ [3] میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی کسی قوم کے ساتھ عہد و پیمان رکھتا ہو تو اُس میں تا انقضاے مدت کمی بیشی نہ کرے یا ان کے ساتھ معاملہ بمساوات کرے ۱۲

کمریں باندھ باندھ نجاشی کے ساتھ ہوئیے اوراس کی فتح کے لیئے دعائیں مانگنے لگے سو الگ ایسے احکام اور ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے ہول برٹش[۱] انڈیا میں کبھی کوئی مسلمان اُس جہاد کا خیال کر ہی نہیں سکتا جس کے معنی ہیں دشمنی اور مخالفت کی لڑائی۔ ایسی لڑائی اس عملداری میں کسی بھلے آدمی کا شیوہ نہیں اور نہ اس کو عقل جائز رکھے اور نہ مذہب۔ مگر ہاں دکوئی پولیس کا آدمی تو ادِھر اُدھر نہیں لگاہی) گورمنٹ کے تو نہیں اہل یوروپ کے ساتھ علمی مورچہ لینے کو بے اختیار جی چاہتا ہی کمبخت مسلمان ہمت ہی نہیں کرتے۔

میں نے مضمون ایسا وسیع اختیار کیا کہ اگر میں وعظ کہتا ہوتا تو زیادہ نہیں تاہم ایک برس تو خاصہ گھسیٹ لے جاتا۔ میرا دماغ نہیں تھکا۔ آواز نہیں تھکی۔ مگر کھڑے کھڑے ٹانگیں تھک گئی ہیں۔ اور مستمعین بھی ملول ہو گئے ہوں گے۔ میں مسلمانوں کے مارٹرز[۲] پر کچھ ریمارکس کرنے کو تھا مگر وہ بھی بڑطلب کام ہی تو میں اپنے لیکچر کو ختم کیئے دیتا ہوں۔ مگر چلتے چلتے ایک آیت تو اور سنو اس کا ایک ایک حرف ہم پر منطبق ہی۔ گویا ہم ہی اس کے شانِ نزول ہیں[۳] هَاأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ اس آیت میں دو یا تین باتوں کا میں نے سرسری[۴] نوٹس لیا ہی۔ ایک تو یہ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ جو کوئی بخل کرے تو یہ نہ سمجھے کہ دوسرے محروم رہے نہیں وہ خود محروم رہا۔ کیوں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتا اُس کا فائدہ اُسی کو پہونچتا۔ اس سے ہماری عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہی کہ لوگ خدا کی راہ میں دیتے اور لینے والے یا دلوانے والے پر احسان رکھتے اور نہیں سمجھتے کہ خدا کی راہ میں دینا عین اپنے تئیں دینا ہی۔

---

[۱] تمام ہندوستان ۱۲ [۲] اخلاق ۱۲ [۳] دیکھو تم ہی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیئے بلائے جاتے ہو تو کوئی تم سے بخل کرتا ہی اور جو بخل کرتا ہی تو وہ اپنے حق میں بخل کرتا ہی اور اللہ بے نیاز ہی اور تم حاجت مند ہو اور اگر نہ مانو گے تو تمھارے بدلے دوسروں کو لے آئے گا وہ تم جیسے ہونے کے بھی نہیں ۱۲ [۴] مطلب یہ ہی کہ دو یا تین باتوں کی طرف بہٹے زور سے توجہ کی ہی ۱۲

دوسری دھمکی اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ خدا اور اُس کی عظمت اور شان اور قدرت کو جاننے پہچاننے والے کے دل پر ویسا ہی اثر کرے گی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہی لَوۡ[1] اَنۡزَلۡنَا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ۔ مگر نہ ویسے دل ہیں نہ ویسا ایمان ہی ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایک دن زرارہ بن اوفی تابعی قاضی بصرہ کا تھا کہ نماز میں فَاِذَا[2] نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ پڑھا بے اختیار چیخ نکلی اور چیخ کے ساتھ روح پرواز کر گئی اب فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ کے معنے کون سمجھتا ہی اور سمجھتا تو اُس کا یقین کون کرتا سمجھنے والے تو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ عرصہ گاہ محشر نہ ہوا کوئی فوج کا پڑاؤ ہوا پس ناقور سے اِس کے اصلی معنے مراد ہو نہیں سکتے۔ اللہ میاں بھی کہتے ہوں گے کہ عجب کٹھ حجت بندوں سے معاملہ پڑا ہی۔ کمبختوں نے قرآن کو ابن حاجب کا کافیہ بنا دیا ہی کہ لفظ مونھ سے نکلا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ اِس طرح کے شبہات کا دل میں خطور کرنا بڑے خطر کی بات ہی۔ یہ نشان ہی اس بات کا کہ طبیعت دین کی باتوں کے قبول کرنے سے اِبا کرتی ہی فَمَنۡ[3] یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّھۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کالج کے لڑکوں کی طرف نظر کی جو ہال کے دونوں طرف اونچی گیلری[4] پر جمع تھے اور خوب قہقہہ اڑا۔ بے شک انسان کو جتنی قوتیں جسمانی اور دماغی دی گئی ہیں کسی مصلحت سے دی گئی ہیں ان میں سے کسی قوت کا مہمل اور معطل رکھنا داخل رہبانیت ہی وَلَا رَھۡبَانِیَّۃَ فِی الۡاِسۡلَامِ مگر اعتدال شرط ہی۔ ضرور عقل بھی ایک قوت ہی اور بڑی بکار آمد قوت ہی۔ مگر اس کی رسائی کی بھی ایک حد ہی۔ اِس کو اِس کی

---

[1] اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا تو وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا۔ پھٹ گیا ہوتا ۱۲ [2] جب پھونکا جائے صور ۱۲ [3] جس کو خدا ہدایت دینی چاہتا ہی اسلام کے لیے اُس کے سینے کو کھول دیتا ہی اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہی تو اُس کے سینے کو تنگ رکا ہوا کر دیتا ہی جیسے اُس کو کوئی آسمان میں لیے چلا جا رہا ہی ۱۲ [4] غلام گردش ۱۲

حد سے باہر چلنا گو بُری[1] ہے اور یہی وہ عیب ہے جس سے شکی طبیعت کا آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا جتنا
علم اس وقت دنیا میں ازمنۂ ماضیہ کے علوم سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ پھر بھی قاصر و محدود ہے وَمَا[2] أُوتِيتُم
مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا تو جو شخص دین کی ہر ایک بات کو اپنی عقل کی گرفت میں لانے کی کوشش کرتا ہے
وہ اس گھٹکلے ٹٹ پونجیے پنساری سے زیادہ آنسٹ[3] نہیں ہو سکتا۔ جو اپنی کوٹھی سے ساری قرابادین کی دوائیں
مہیا کر دینے کا ادعا کرے۔

اگر عقل انسانی میں اتنی وسعت ہوتی کہ وہ تمام اسرار حکمت الٰہی پر احاطہ اور اُن باتوں میں جو
بعد مرگ پیش آنے والی ہیں رائے زنی کر سکتی تو دین کا سارا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔ اور وہی عقل
لوگوں کی ہدایت کو کفایت کرتی۔ تحقیقات کا جو طریقہ ہمارے نوجوان انگریزی خواں ساکنان ملاء اعلیٰ
(لیکچرار نے کالج کے طلبا کی طرف پھر سر اُٹھا کر دیکھا) پسند کرتے ہیں اس کا ایک پہلو بہت زبون ہے کہ جب ہم
ہر ایک مسئلے کو عقل کی روشنی سے دیکھیں اور کسی بات میں قصور فہم کا اعتراف نہ کریں اور جو امر اپنی سمجھ سے
بالاتر پائیں اُسے جھٹلائیں بَلْ[4] كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ یا اُس کی تاویل کے درپے ہوں تو حقیقت میں ہم
مخبر صادق پہ ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ایمان لاتے ہیں اپنی عقل پر اور بس۔ یہ بیان منجر ہوتا ہے ایک بہت
بڑی بحث کی طرف جس کے لیے وقت مساعد نہیں۔ بات یہ ہے کہ میری مت کسی سے نہیں ملتی۔ نہ اولڈ
سکول (پرانے خیالات) والوں کی طرح میں ڈارک دیوز (کوتاہ نظر) رکھتا ہوں۔ نہ نیچریوں کی سی بلند پروازی
جب سر سید نے مجھ کو لکھا کہ تجھ کو مسلمانوں پر لیکچر دینا ہوگا۔ تو میں نے اپنے ان ہی خیالات کی وجہ سے فی الاول ہلہ
چاہا تھا کہ عذر کروں۔ پھر میں نے سمجھا کہ سر سید تو نہیں مگر شاید کسی کو ایسا گمان ہو کہ لاہور کی کانفرنس
میں جو ذرا تعریف ہو گئی تھی تو شیخی ہاں آ گیا ہے۔ بلاتے ہیں تو بڑے نخرے کرتا ہے۔ اس سوء ظن کے دفع کرنے
کو میں بے عذر آ موجود ہوا۔ اگر آج کے لیکچر نے کوئی خاص اثر پیدا کیا تو وارے ہیں ورنہ مجھ کو تو اس مضمون پر
کوئی حرف مونھ سے نکالتے ہوئے پھر سنو گے نہیں یہ ظرف خدا نے سر سید ہی کو دیا ہے۔ ع

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم

---

[1] سیان بیت ۱۲ [2] علم تو تم کو دیا گیا ہے مگر یوں ہی سا ۱۲ [3] دیانت دار ۱۲ [4] جو سمجھ میں نہ آیا لگے اس کو جھٹلانے ۱۲

چھٹا لیکچر

جو جلسہ افتتاح مدرسۂ طبیہ دہلی منعقدہ ۲۳ جون ۱۸۸۹ء پر دیا گیا

تمہید

اس جلسے کی وقعت اسماے گرامی صاحبان ذیل سے معلوم ہو گی کہ کس رتبے کے لوگ شریک تھے۔ جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب سر سید احمد خاں صاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر مستقل جنگ رئیس وجانہ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب جنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ۔ لالہ رام کشن داس صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ سری کشن داس صاحب ساہو گوڑ والہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی۔ جناب مولوی حشمت اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ۔ جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڈھ۔ نواب رضا علی خاں رئیس رامپور۔ نواب احمد علی خاں صاحب رئیس رامپور۔ میجر شمشیر بہیا صاحب بہادر رئیس گوالیار۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔ ملا اسمٰعیل صاحب رئیس منڈالی ملک برھما۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کی اسپیچ (تقریر) اگر اسٹو (جامع) اسپیچ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اور کچھ

کہنے کی ضرورت باقی ہو۔ مگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ میں بھی کچھ کہوں۔ پس میں پہلے تھوڑی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہو کہوں گا۔ اشعار

بات سُناتے ہیں تمہیں اک نئی — قوم کے مٹنے کے ہیں چلتن کئی
جب ہوئی قوم اپنی نظر میں ذلیل — اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل
چارۂ کار اس کا کوئی کیا کرے — آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے
اپنی بداندیش وہ خود ہو مگر — عیب نماید ہنرش درنظر
سمجھے وہ نقصان کمالات کو — ہم لگے ایسے خیالات کو
یاں بھی کم و بیش یہی حال ہو — عاقبتِ زشتیِ اعمال ہو
جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار — اب ہیں وہی موجبِ صد گونہ عار
علم ہمارا ہی بتر جہل سے — اور بھی کچھ ہونا ہو نااہل سے
دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں — ہم کو ہی خود اپنی رعایت نہیں
جب ہو طبیعت کو ردائت[1] سے ساز — اُس کے لئے سم ہی دواخانہ ساز
ہم بھی کبھی باسر و سامان تھے — ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
ہم کو بھی آرام کا احساس تھا — یُسر و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا
ہم نے بھی کھایا ہی بہت شہد و شیر — ہم نے بھی پہنا ہو سمور و حریر
اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج — ہم نے بھی لوگوں سے لیئے ہیں خراج
ملک لیئے سلطنتیں زیر کیں — خیر سے کتنی صدیاں تیر کیں
علم میں بھی ہم کو تھی وہ دستگاہ — ہم تھے مشاہیرِ فضیلت پناہ
لوگ تھے شاگرد ہم اُستاد تھے — سارے زمانے کے ہنر یاد تھے
سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی — باقی اسی اصل کی سب نقل تھی

[1] لہ فساد ۱۲

پر نہیں رہتا کوئی یکساں سدا
سب کو تغیر ہے بغیر از خدا

آ گئے ہم لوگ بھی اس پھیر میں
کوئی سویرے سے ہے کوئی دیر میں

ہم کو ذرا بھی نہیں اس کا ملال
سب کو تنزل ہے سبھی کو زوال

رنج تو اپنوں کی شماتت کا ہے
ظلم بھی ظلم اہلِ قرابت کا ہے

غیر تو کرتے ہیں فقط بد کلام
اپنے ہیں مصداق اَلدُّ الخِصام[51]

غیروں کی باتیں ہفوات[52] اللسان
اپنوں کے طعنے ہیں جروح[53] السنان

بھائی ہیں اور رابطہ باہم نہیں
اخوتِ یوسفؑ سے یہ کچھ کم نہیں

لڑنے کو گھوسے بغلی زور ہیں
گھر کے یہ بھیدی ہیں مگر چور ہیں

بنتے ہیں کہنے کے لئے خیر خواہ
ان کی شرارت سے خدا کی پناہ

ان کے جو دیکھے ہیں نمونے بُرے
پہلے سے ہم ہو گئے دونے بُرے

ق

ایسا بھی ہوتا ہے کوئی بے وفا
اپنے بزرگوں سے یہاں تک خفا

اُن کی ہر اک بات سے رکھئے خلاف
کیجئے توہین سلف صاف صاف

یاں وطن و اہل وطن سے ہے ننگ
اپنے میں لیتے نہیں اہلِ فرنگ

اب بھی اگر عقل میں ہے کچھ صلاح
مان لو یہ بے غرضانہ صلاح

دستِ نگر غیروں کے ہر کار میں
کیسا کساد[54] آ گیا بازار میں

اپنی ہر ایک چیز سے بیزاریاں
ہائے وہ کیا ہو گئیں خودداریاں

میں آج صبح سے ہزلاً نہیں بلکہ جداً اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے تئیں بتکلف ہشاش بشاش بناؤں کیوں کہ یہ جلسہ اسی قسم کا ہے کہ اس میں ہشاش بشاش ہو کر شریک ہونا چاہئے۔ لیکن ازبسکہ میں پولیٹیکل[55] طور کا آدمی نہیں ہوں جن کے دل کو بشرے سے کسی طرح کا علاقہ

[51] سخت جھگڑالو۔ یہ اشارہ ہے طرف اس آیت کے وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۱۲ [52] بیہودہ باتیں ۱۲ [53] برچھے کا زخم ۱۲
[54] مندا ۱۲ [55] یعنی امور ملک داری و ملک گیری سے مجھے کچھ تعلق نہیں ہے ۱۲

نہیں ہوتا۔ میں توقع نہیں کرتا کہ میرا دل تو ہشاش بشاش ہو نہیں میں نے اپنی صورت ہشاش بشاش بنالی ہو۔ میرے دل کے ہشاش بشاش نہ ہونے کا سبب یہ ہو کہ میں نے ہندوستانیوں میں اس قبیل کی بہت سی تحریکیں دیکھیں تو نہیں مگر سُنی ہیں۔ ای کاش اُن میں سے فی صدی پانچ کو اتنا ثبات ہوتا۔ جتنا آج کل کے حشرات الارض کو ہوتا ہو کہ برسات بھر کودے اُچھلے رینگے چلے پھرے جاڑے کے آتے آتے فنا ہو گئے ع

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ زمانہ علوم و فنون ایجاد و صنعت اور آزادی کی ترقی کا ہو سو اس ترقی کا ظہور علی وجہ الکمال تو یورپ میں ہو۔ ہم نے اپنے حوصلے اور ارادے سے نہیں بلکہ انگریزوں کے طفیل میں پایوں کہو کہ اُن کی دیکھا دیکھی الی کیو مناھذا اتنی ترقی تو ضرور کی ہو کہ ہم میں سے کُل نہیں بلکہ بعض وَ قَلِیْلٌ مَا هُمْ زمانے کی رفتار اور اپنی درماندگی کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں۔ جنھوں نے سمجھا وہ کچھ کرتے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ خیال جن میں ہیں اُن میں بھی راسخ نہیں عَلَى الْاَكْثَر اُن کے منصوبے ناتمام ہوتے ہیں۔ اُن کی کوششیں رائگاں اور اُن کی مساعی ناشکور۔ پس ترقی یا رفام کے لحاظ سے ہمارا حال مبتدی کا سا ہو اور مبتدی بھی کمبخت بدشوق۔ جیسا شوق ویسی محنت ویسا نتیجہ۔ میری نظر میں ہندوستانیوں کے جوش و خروش کی باسی دال کے اُبال سے ذرا بھی زیادہ وقعت نہیں ہے ع

ای طبل بلند بانگ در آخر ہیچ

اُس نئے ٹٹو کی طرح جو پہلے پہل بگھی میں جوتا جاے ہم اپنی ساری قوت فی اول الوہلہ صرف کر دیتے ہیں اور منزل کی دوری پر مطلق نظر نہیں کرتے۔ انجام کیا ہوتا ہو۔ اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا۔ کہ اگر ہم کو مثلاً قطب صاحب تک جانا تھا تو ہم اجمیری دروازے پڑے ہیں یا پہاڑ گنج یا بڑا دھا وا مارا تو جنتر منتر۔ ای جزاک اللہ دیر آمدہ زراہ دور آمدہ۔ اس طرح کے مجامع چاہے وہ اپنے تئیں مجلس پکاریں یا انجمن یا کمیٹی یا سوسائٹی یا ایسوسی ایشن یا کلب ع

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

غرض اس طرح کے مجامع میں اُن کی کچھ کیفیت بیان کروں۔ ایک شخص کے دل میں دفعۃً ایک خیال پیدا ہوا اور پیدا ہوا بھی تو کس طرح جیسے بجلی چمک جاتی ہو[1] کُلَّمَآ اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا فوراً اس نے اپنے چند متعارفین سے کہا۔ کوئی پریزیڈنٹ[2] بنا کوئی وائس[3] پریزیڈنٹ کوئی سکرٹری۔ کوئی کیا کوئی کیا۔ نوٹس چھپا لوگ جمع ہوئے اسپیچیں سنائی گئیں چیرز ہوئے۔ ایک نے کھڑے ہو کر پروپوز[4] کیا دوسرا مؤید بنا وہ بھی کھڑا ہو کر۔ رزولیوشن پاس ہوئے چیرمین[5] کو تھینکس[6] دیئے گئے جلسہ ہمیشہ کے لیئے برخاست ع

آنچہ آدم مے کند بوزینہ ہم

اب آپ انصاف کیجئے کہ ہندوستانیوں کی انجمنوں کے حق میں جس شخص کے ایسے خیالات ہوں جس نے سیکڑوں انجمنوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا اور سُنا ہو وہ کیوں اس جلسہ میں حاضر ہوتا اور خصوص ہشاش بشاش ہو کر لیکن بعض صورتیں اس عموم سے مستثنیٰ بھی ہیں جن کو انگریزی محاورے کے مطابق آنریبل اکسپشنز (مستثنیات قابلِ عزت) کہنا چاہیئے۔ اور امید کرتا ہوں اور نہ صرف امید بلکہ دعا بھی کہ یہ جلسہ بھی ان ہی مستثنیات میں سے ہے اور ان شاء اللہ ہوگا۔ جس غرض سے ہم لوگ مجتمع ہوئے ہیں۔ میں اُس کو دل سے اس قدر پسند کرتا ہوں کہ بس کوئی دوسرا بھی اس کو پسند کرے گا تو اتنا ہی کرے گا۔ مگر جس طرح ہر بات کے دو پہلے ہوتے ہیں موافق و مخالف۔ اس مدرسۂ طبیہ کے بھی دو پہلو ہیں۔ اور چندہ چنگھہ بند سے دینے کی مشکل ہوتی ہے ع

زر مے طلبی سخن دریں است

یہاں مجھ کو اس کا ذرا بھی خدشہ نہیں۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب جو اس کے بانی اور محرک اول ہیں میں ان کے اقتدار ان کی وجاہت اور ان کے رُشد سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کو روپئے کا اکٹھا کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں لوگ دوسرے کاموں کے لیئے چندہ دینے میں تجمل و مضایقہ

---

[1] چمکی تو چلنے لگے اور جب کہ اندھیرا ہو گیا کھڑے کے کھڑے رہ گئے ۱۲ [2] میر مجلس ۱۲ [3] نائب میر مجلس ۱۲ [4] یعنی کسی تجویز پیش کی ۱۲ [5] جو خاص جلسے میں صدر نشین ہو ۱۲ [6] شکریہ ادا کیا گیا ۱۲

کریں تو کریں۔ مگر اس مدرسے کے لیے جس کے ضروری اور مفید اور خیر محض ہونے میں کوئی کلام کر ہی نہیں سکتا۔ بطیبِ خاطر دیں گے۔ دیں گے اور بہت کچھ دیں گے۔ اس مدرسے کے بارے میں بہت بڑی مشکل خود مدرسے کی ہے میں اُس اثر کو دیکھتا ہوں جو انگریزی تعلیم اور انگریزی عملداری لوگوں کے دلوں پر کر رہی ہے کوئی حالت کوئی شان کوئی وضع کوئی کیفیت کوئی چیز نہیں جس میں اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم[1] کا آئرن رول (جبری ضابطہ) بڑے زور کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ طب یونانی اس بلائے بے درماں کے مقابلے میں ابھی تک اتنی بھی سنبھلی تو بہت سنبھلی۔ مگر آئندہ اُس کے بقا و ثبات کی اس کے سوائے امکاناً اور کوئی صورت نہیں کہ طب یونانی اور ڈاکٹری کو ملا کر مزاج زمانہ کے موافق ایک معجون مرکب تیار کیا جائے۔ اگر اس معجون کا بنا لینا ایسا کیا بچوں کا کھیل ہے میں تو اس کو کیمیا کے بنا لینے سے کچھ ہی کم مشکل سمجھتا ہوں۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی نسبت میرا ایسا خیال نہیں ہے کہ انھوں نے اس مشکل پر نظر نہیں کی۔ کی اور بہت اچھی طرح کی۔ اور اسی مشکل کے علاج کی تمہید ہے جس کو برکت دینے کے لئے آپ جیسے بزرگانِ قوم جمع ہوئے ہیں۔ اگرچہ کل حضرات کی تشریف آوری حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی دلدہی اور تقویت کا موجب ہوئی۔ مگر خاص کر آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کا شریک رسم افتتاح مدرسہ ہونا اس کی کامیابی کی فالِ نیک اور اس کے ثبات و استحکام کی ضمانت ہے نہ اس لیئے کہ سر سید احمد خاں ہندوستانیوں میں بحیثیت تعزز دنیاوی سر آوردہ ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ من وجہ حکیم عبدالمجید خاں میں اور اُن میں مماثلت ہے سر سید ڈاکٹر ہیں تو عبدالمجید خاں حکیم۔ اور ڈاکٹر اور حکیم مرادفِ یکدگر۔ سر سید نے بھی عبدالمجید خاں کی طرح ایک کالج کی مسلمانوں کے لیے ضرورت سمجھی۔ اور جن کے فائدے کے لیئے کالج بنانا چاہا انھوں ہی نے مزاحمتیں کیں اڑنگے لگائے۔ چلتی ہوئی گاڑی میں روڑے اٹکائے۔ مگر واہ رے سید آدمی ارادے کا اتنا تو پکا ہوئے تو کسی بڑے کام کا بیڑا اٹھائے۔ کالج کو چلا ہی کر چھوڑا حکیم عبدالمجید خاں کو ہمارے سر سید سے بہت کچھ سیکھنا اور اخذ کرنا ہوگا۔ انگریزی لباس نہیں میز چھری کانٹا نہیں۔ اور بھی چند باتیں نہیں بلکہ استقلال مزاج

---

[1] جو بادشاہ کا دین وہی رعایا کا دین ۱۲۔

اور وہ چیز جس کو ہم ٹھیٹ ہندی میں دُھن سے تعبیر کرتے ہیں اور محنت اور حلم اور خلوص۔ اگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا اور اتفاق میں خدا نے بڑی برکت دی ہے آپ اتنے ۵۱ احباب گٹھ کر اللہ جمانا چاہیں گے تو کیوں نہ جمے گا۔ غرض اگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا تو ہماری چودھویں صدی کے معظمات الامور میں سے شمار کیا جاوے گا۔

ساتواں لکچر

اثبات اصول اسلام

انجمن حمایت اسلام لاہور کے پانچویں سالانہ جلسے میں دیا گیا

۲۵۔ فروری ۱۸۹۰ء کی شام کو ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں (جس میں ہر مذہب وملت کے لوگ شامل تھے) خدا کی ہستی۔ توحید۔ اور عبادت۔ رسالت اور ختم رسالت کے اثبات پر عقلی دلایل سے دیا

تمہید

یہ لکچر مہاراجہ دھیان سنگھ کی کوٹھی میں شب کے وقت ہوا۔ جس سے وسیع زیادہ لاہور میں کوئی مکان نہیں۔ انجمن کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ شہر میں آریہ اور عیسائیوں کی بڑی شورش ہے۔ ایسا لکچر دیا جاوے کہ ان پر اثر پڑے چنانچہ انجمن نے

---

۵۱ خدا کرے تمہارا شمار زیادہ ہو ۱۲۔

بالخصوص ان لوگوں کو بُلایا اور حضار میں ان کا مجموعہ مسلمانوں سے کم نہ تھا اور اس لیکچر کا غل تمام شہر لاہور میں ہو رہا تھا۔ لیکچرار دو بجے شب کے قریب لیکچر سے فارغ ہو کر اپنے مکان پر واپس آئے۔ رات کا وقت اور سب لوگ لیکچر کے شوق میں سرِ شام ہی سے آ گئے تھے مگر لاہور والوں کو لیکچر سننے میں بڑی ہی دلچسپی ہے۔ نہ کوئی اونگھا اور نہ کوئی ملول ہوا۔ انجمن حمایت اسلام میں شاید اس سے زیادہ ہجوم اور کبھی نہیں ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں اگرچہ دہلی (ہاے دہلی) جو سینکڑوں برس تمام ہند کا دارالسلطنت خلائق اور حاجاتِ خلائق کا مرجع لیاقت اور کمالات کا مرکز، حکومت اور دولت کا منبع رہی۔ اب مضافاتِ لاہور میں ہے۔ مگر دہلی والے تو کیوں اپنے تئیں پنجابی سمجھنے لگے۔ پنجابی بھی اُن کو پنجابی نہیں سمجھتے اور وہ پنجابی ہیں بھی نہیں اور ہو سکتے بھی نہیں۔

جغرافیئے کی رو سے دہلی اور پنجاب کے مواقع مختلف۔ دونوں کے باشندوں کی زبان مختلف وضع مختلف۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں۔ اور اس بات کو میں اس غرض سے ظاہر نہیں کرتا کہ خدانخواستہ میں پنجاب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ نہیں بلکہ ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے۔

مجھ کو اس موقع پر میر تقی صاحب کی ایک حکایت یاد آئی کہ شاہ عالم کے زمانے میں جب دربارِ دہلی اس قدر بے مقدرت ہو گیا کہ اربابِ کمال جو وابستگانِ دامانِ دولتِ شاہی تھے روٹیوں تک کو محتاج ہوئے تو رفتہ رفتہ سب لوگ لکھنؤ چلے گئے۔ میر تقی صاحب تنگ مزاج سے آدمی تھے بھلے تن۔ اور تنگ مزاجی کی وجہ سے یوں بھی دربارِ شاہی میں اُن کی رسائی جیسی چاہیئے ویسی نہ تھی۔ ان کی تنک مزاجی اس حد کو پہنچی تھی کہ خود بادشاہ کے حضور میں بھی اِن سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ شاہ عالم خود شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میر تقی صاحب

شاہ عالم کے سلام کو گئے تو حضورِ والا نے پوچھا کہ میر صاحب بعد مدت کے آپ کو دیکھا۔ کچھ افکارِ تازہ سنائیے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ مجھ کو فکرِ دہن سے ہی فرصت نہیں۔ فکرِ سخن کیا کروں۔ بادشاہ نے اِس بات کو تو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا کہ بھائی میں تو صحت خانے (پاخانہ) میں جاتا ہوں تو ایک غزل کہہ لاتا ہوں۔ میر صاحب کو مطلب کی بات ٹالے جانے سے جلے بُھنے بیٹھے ہی تھے بے تامل بول اُٹھے۔ پھر حضور ویسے ہی سڑے ہوئے اشعار بھی ہوتے ہیں۔ غرض میر صاحب معاش کی طرف سے سخت مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ لکھنؤ پہونچے۔ سرائے میں فروکش ہوئے سنا کہ مشاعرہ ہی۔ طرح دریافت کی اور عاجلانہ غزل لکھ کر اپنی وضع قدیم سے شریکِ محفل ہوئے نئی تراش خراش کے لکھنؤ سے لگے اِن کو گھورنے اور تاڑنے۔ میر صاحب نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلّی جو ایک شہر تھا رشکِ بہارِ خلد
واں منتخب ہی رہتے تھے سب روزگار کے

اُس کو فلک نے مار کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

تو میر تقی صاحب کو ہر چند دلّی سے دل برداشتگی تھی۔ اور وہی دل برداشتگی اُن کو لکھنؤ لائی تھی مگر تاہم اُن کو اپنے وطن سے اُنس تھا۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ مجھ کو بھی ہی اور ہونا چاہیئے حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] یہ ایک حدیث ہی میں اس پر کچھ ریمارک کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ سلسلہ سخن منقطع ہو تو ہو اس وقت مجھ کو یہ خیال آگیا کہ بات تو ایک ہی ہوتی ہی۔ مگر ازبسکہ عقلوں کے مدارج متفاوت ہیں ہر شخص اُس سے دوسرا ہی مطلب نکالتا ہی۔ پست خیال دنی الہمت لوگوں کے نزدیک حب الوطن کا یہی مفہوم ہی کہ نہ گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔ کون زحمتِ سفر اُٹھائے۔ دیس چھوڑ کر پردیس جائے۔ دال دلیا جو کچھ خدا نے دیا کھالیا بال بچوں میں پڑے رہے اللہ اللہ خیر صلاّح۔ اِن سے اونچے اور پاکیزہ خیال کے وہ ہیں جو حب الوطن سے مراد لیتے ہیں اہل وطن کی

[1] وطن کی محبت داخلِ ایمان ہی ۱۲۔

امداد و اعانت۔ اِن کی حاجت برآری۔ ان کی خیر خواہی۔ ان کی ہمدردی۔ یہاں تک تو ہم دنیاداروں کی پرواز ہو۔ اِس سے آگے خاصانِ خدا ہیں وہ ہر ایک رکیک بات میں سے ایسا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ بس یہ اُن ہی کا حصّہ ہو اسی حب الوطن کے بارے میں مولانا بہاؤ الدین آملی فرماتے ہیں ؎

گنج علم ما ظہر مع ما بطن — گفت از ایمان بود حب الوطن
این وطن مصر و عراق و شام نیست — این وطن شہریست کانرا نام نیست
زانکہ از دنیاست این اوطان تمام — مدح دنیا کے کند خیر الانام
حُبِ دنیا ہست راس ہر خطا — از خطا کے می شود ایمان عطا
تو درین اوطان غریبی ای پسر — رو بغربت کرده ئہ خاکت بسر

ان تینوں خیالوں میں بہ ترتیب لف و نشر حیوان و انسان و ملک کی سی نسبت ہو اور چونکہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ سے ظاہر ہوتا ہو کہ ایمان ایک شے متجزّی ہو اور حب الوطن اس کا ایک جزو ہو ہر ایمان دار کو ایمان کی تکمیل کے لئیے اپنا احتساب کر لینا چاہیے کہ وہ حب الوطن کی نسبت کیا خیال رکھتا ہو۔ اور کہاں تک اِس فرض کو ادا کرتا ہو۔ بہر کیف یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ میں نے لکچر کو یوں شروع کیا تھا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں اور ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہو مگر پنجاب میں ایک فضیلت ایسی ہو وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[1] جس کی وجہ سے میں پنجاب کو عزیز رکھتا ہوں۔ اور جب میں اس فضیلت کو بیان کروں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان چاہے وہ پنجاب سے کتنی ہی دور کا رہنے والا کیوں نہ ہو ضرور پنجاب کو عزیز رکھے گا۔ وہ فضیلت یہ ہو کہ خدا کا سچا دین یعنی اسلام اسی پنجاب کی راہ سے ہو کر ہندوستان میں داخل ہوا اور اسی راہ سے داخل ہوا تو اہل پنجاب قبول اسلام میں بھی اور ہندوستانیوں سے اقدم ہوں گے وَكَفٰى بِهٖ فَخْرًا[2] اس سے بھی بڑھ کر ایک بات اور رہی کہ ہم مسلمانوں کی شامتِ اعمال سے اسلام بہت ہی ضعیف ہو گیا ہو۔ اب بعد مدت کچھ آثار

[1] اور یہ فضلِ خدا ہو جس کو چاہتا ہو دیتا ہو ۱۲ [2] فخر کرنے کو یہ کافی ہو ۱۲

ایسے دکھائی دینے لگے ہیں کہ یہ بے بیمار جس کی نفس شماری کی نوبت پہونچ چکی ہو عجب نہیں کہ بچ جائے تو اگر بچا اور ان شاء اللہ بچے گا۔ اور اگر اس کو کچھ بھی توانائی ہوئی اور ان شاء اللہ ہوگی تو اہل پنجاب ایسا خیال کرتے ہیں کہ اس کا بچنا اور توانائی پانا تمھاری کوشش اور تدبیر سے ہوگا۔ ابھی تک علی گڈھ ایجوکیشنل کانگرس کے وہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں جب سر سید احمد خاں نے تم کو زندہ دل کہا سر سید احمد خاں نے تم کو زندہ دلی کا خطاب کیا سمجھ کر دیا اور لوگوں نے تمھارا کون سا ایسا کار نمایاں دیکھا کہ تم سے بڑی بڑی توقعات پیدا کرلیں اس کو تم ہی خوب سمجھ سکتے ہو مگر تمھاری کوششوں میں سے اگرچہ افسوس ہو کہ مجھ کو اُن کی تفصیل اچھی طرح سے معلوم نہیں ایک اس کوشش یعنی انجمن حمایت اسلام لاہور کو تو میں بھی بہت ہی پسند کرتا ہوں۔ جس چیز نے مجھ کو اس انجمن کا گرویدہ کیا یہ ہو کہ اس انجمن کے بانی اور کارپرداز ایسے لوگ ہیں جن کو سچی اسلامی ہمدردی کے سوا اور کوئی داعیہ اور محرک ہو نہیں سکتا یہ لوگ سوشل[1] پوزیشن کے اعتبار سے ایسے درجے میں ہیں کہ شہرت اور ناموری اور رشد اور تقرب حکام ان میں سے کسی چیز کی ہوس کو ان کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔

کوششیں وہی قابل قدر ہیں اور غالباً مشکور بھی وہی ہوتی ہیں اور خداے تعالیٰ برکت اور ثبات بھی ان ہی کوششوں کو عطا فرماتا ہو جو بے شائبہ غرض دنیاوی ہوں۔ جیسے تمام امام انبیا علیہم السلام کی کوشش تبلیغ رسالت میں کہ سب کے سب وہی ایک بات بولتے تھے مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ میں تم سے (تبلیغ رسالت) پر کچھ مزدوری کا خواہاں نہیں۔ میری مزدوری تو پروردگار عالم پر ہو مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ترجمہ میں نے تم سے کچھ مزدوری مانگی ہو تو وہ تم کو مبارک رہے میری مزدوری تو صرف اللہ پر ہو اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ترجمہ کیا تم اِن سے کچھ چندہ مانگتے ہو تو وہ چندہ جو تم کو خداے ملنے والا ہو سب چندوں سے بہتر ہو اور خدا سارے روزی پہونچانے والوں سے

[1] تمدنی حالت۔ یعنی سوسائٹی میں جس آدمی کی وقعت ہو ۱۲

بہتر ہو اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ترجمہ کیا تم اِن سے کچھ مزدوری مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔

دوسری بڑی بہت بڑی نہایت بڑی عمدہ بات تمہاری انجمن حمایت اسلام میں یہ ہو کہ اُس نے مسلمانوں کی ضرورت وقتی کو ٹھیک سمجھا اور اِس کو پیشِ نظر رکھا ہو۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں اور دونوں چیزیں نگرانی اور مدد کی محتاج۔ یہ زمانہ رفارم کا ہو اور میں خیال کرتا ہوں لفظ رفارم اس کثرت سے زبان زد خلایق ہو رہا ہو کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہو۔ مدرسوں کے مبتدی لڑکے مڈل پاس نہیں کر چکتے کہ فارم میں رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ یعنی رائے کے فارمیشن سے پہلے ان کو رفارمیشن سوجھتا ہو۔ غرض ملک کے اطراف و جوانب میں بہت سے رفارم پیدا ہو گئے ہیں اور ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن اکثر رفارمر تو دین و مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ ہاتھ دھو کر صرف صلاح دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور جن معدودے چند نے مذہب کو اپنے پروگرام میں داخل کیا بھی ہو تو کچھ کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف موبھ سے کہہ دینے کے لئے ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ مگر ہاں انجمن حمایت اسلام لاہور میں دیکھتا ہوں کہ کسی حال میں پاس مذہب کو فوت نہیں ہونے دیتی ان کی کارروائی پکارے کہتی ہو کہ جیسا اس انجمن کا نام ہو ویسا ہی اس کا کام ہو۔

میں اس بات کو نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں کی رفارم کا ڈھنگ ٹھیک نہیں بیٹھا۔ پہلی غلطی تو یہ ہو کہ صرف تعلیم کو تمام مسلمانوں کے تمام فائدوں کا کفیل سمجھا گیا ہو یعنی جو شخص رفارم کا خواب دیکھتا ہو۔ اور ایسے بہت ہیں۔ اس کی تعبیر یہی ہوتی ہو کہ وہ کچھ لونڈے گھیر گھار کر ان کو ایک طرز پر پڑھا چلتا ہو یا پڑھوا چلتا ہو۔ بے شک تعلیم مفید ہو مگر ان دو تعلیموں پر ذرا خیال کرنا تمام مسلمان اور ان کے تمام فائدے۔ محال عقل ہو کہ سب مسلمان پڑھ لکھ جائیں۔ گورنمنٹ اور مشنری اور رفارمر جتنے تعلیم کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں ان کی تو کیا اصل ہو۔ میں کہتا ہوں کہ خود سب مسلمان بھی مل کر چاہیں تو سب لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یورپ جس کی گرد کو بھی عموم

لفظ قایم کرنا لفظ اصلاح ۱۲ سلہ یہ اُن کے مونھ کے کہنے کی باتیں ہیں ۱۲

تعلیم میں ہم آج سے سو برس بعد تک بھی نہیں پاسکیں گے۔ وہاں بھی جہاں کہیں پڑھنے لکھنے کا بہت چرچا ہی پڑھے لکھوں کا شمار ۳۵ فی صدی سے متجاوز نہیں ہوا! وراس تیس پینتیس فی صدی میں بی اے۔ ایل ایل ڈی مت خیال کرلینا۔ حرف شناس بھی اس میں داخل ہیں۔ بلکہ اکثر اتنے ہی پانی میں ہیں۔ اچھا۔ فار دی سیک آف آرگیومنٹ[1] فرض کرلو کہ مسلمانوں میں بھی شمار کے اعتبار سے یوروپ کی طرح تعلیم عام ہوگئی تو ہمارے یہاں اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اتنے لوگ نوکری کی طلبگاری کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ جس کا ضروری نتیجہ ہی ناکامی۔ ناامیدی۔ نارضامندی۔ چوں کہ میں پارسال یہیں کے ایجوکیشنل کانگرس میں تعلیم پر اپنے خیالات شرح وبسط کے ساتھ ظاہر کرچکا ہوں میں اس خصوص میں زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ غرض میری قطعی رائے ہی کہ تعلیم اگر مفید ہوگی تو تعمیم کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص چیدہ لوگوں کی جو تکمیل تعلیم کی زحمت کا تحمل فراغ تحصیل تک سٹینڈ[2] اور آخر کار کامپٹیشن[3] ریس میں جولاں کرسکیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہی کہ سارے مسلمان نوکری پیشہ نہیں ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں۔ تو جو شخص عام مسلمانوں کی رفارم کا مدعی ہو کیوں بالخصوص ایک ہی پیشے کے لوگوں کی اصلاح کے درپے ہو۔ کیا وہ اُن لوگوں کو مسلمان نہیں سمجھتا جو نوکری کے سوا دوسرے پیشوں سے معاش پیدا کرتے ہیں۔

دوسری مکروہ اور نہ صرف مکروہ بلکہ سخت مضر غلط فہمی یہ ہی کہ تعلیم مروجہ حال سے دنیا اور دین میں جدائی پیدا کی جاتی ہی۔ گورنمنٹ کو تو ایک خاص مجبوری ہی کہ اس کو چار و ناچار نیوٹریلٹی[4] اختیار کرنی پڑتی ہی۔ کیوں کہ اس کو اپنی تمام رعایا کے ساتھ ایک طرح پر مدارات کرنی ہی۔ نہ یہ ہوسکتا ہی کہ وہ سب مذاہب کی حمایت کرے اور نہ یہ ہوسکتا ہی کہ وہ کسی خاص مذہب کی طرفدار بن کر دوسرے مذہب والوں کے دل دکھائے۔ پس اس نے اصول (اِذَا اُبْتُلِیَ الْمَرْءُ بِبَلِیَّتَیْنِ فَیَخْتَارُ اَهْوَنَهُمَا ترجمہ جب آدمی دو مصیبتوں میں گرفتار ہو تو ان میں بہت آسان کو اختیار کرے) کے مطابق کل مذاہب سے قطع نظر کرلیا اور اس کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن غلطی باضطرار ہو یا باختیار اپنا نتیجہ تو پیدا کرے رہے گی۔

---

[1] بغرض استدلال ۱۲ [2] قیام اثبات ۱۲ [3] امتحان مقابلہ کی گھڑدوڑ ۱۲ [4] بے تعلقی ۱۲۔

باوجودیکہ تعلیم ہنوز محض ابتدائی حالت میں ہو اُس کے بُرے نتائج ابھی سے مترتب ہونے لگے نیوٹرل[1]
تعلیم نے سروں میں بھر دی آزادی خیالات میں مطلق العنانی۔ دلوں میں حوصلے سے بڑھ کر توقع۔ تحریر
میں شوخی۔ تقریر میں بے باکی۔ ان مجموعی حالات نے حقیقۃً عجیب طرح کا طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔
گورمنٹ کو اس سے جو خطرہ ہو سکتا ہو اس کو وہی لوگ خوب سمجھتے ہوں کے جو گورمنٹ کے ٹرین[2] کے
ڈرائیور[3] ہیں ؎

	رموزِ مملکت خویش خسروان دانند	گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش	

ہم کو تو اپنی سوسائٹی کی خیر منانی ہو۔ سو تعلیم مروجہ کی برکت سے سوسائٹی کی عمارت کی کوئی اینٹ اپنی
جگہ پر نہیں باقی رہی۔ سوسائٹی پہ گورن[4] کرتی ہیں تین چیزیں۔ مذہب۔ گورمنٹ۔ رسم و رواج۔ اب
دیکھنا چاہیئے کہ ان تین گورنروں کی حکومت کا کیا حال ہو۔ مذہب جس کو سب میں شدید الحکومت
ہونا چاہیئے۔ سو نوجوانانِ تعلیم یافتہ کو اسی کے ساتھ تمسخر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں مُونھ سے کہنے والے تو
کم ہیں مگر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور دل میں سمجھنے والے اب بھی زیادہ ہیں کہ مذہب بیش برین نیست
کہ انسان کے ابتدائی جاہلانہ خیالات کی یادگار ہو۔ اور بس چوں کہ انکار مذہب پر کوئی ضرر عاجل
مترتب نہیں ہوتا کہ تڑ سے جان نکل جائے یا اوپر سے آسمان ٹوٹ پڑے۔ یا زمین نگل لے۔
ہر ایک ناعاقبت اندیش آدمی جیسا کفر چاہے بک دے سکتا ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ بے
تکلیف و مصیبت نہیں۔ مگر ایک وقت آنے والا ہو اور آ کر رہے گا۔ اور اُس کے آنے کا کچھ ٹھکانا نہیں۔
اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۝ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ
ترجمہ جس وقت جان پہونچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہو جھاڑنے والا اور یقین ہو گیا کہ آیا وقت
جدائی کا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی تیرے رب کی طرف ہو اُس دن کھنچ جانا تب ساری حقیقت
کھل جائے گی لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ترجمہ تو بے خبر رہا
اُس دن سے۔ اب کھول دیئے ہم نے تجھ پر سے تیرے اندھیرے اب تیری نگاہ آج تیز ہو۔

[1] آزاد ۱۲ [2] گاڑیوں کی قطار ۱۲ [3] چلانے والے ۱۲ [4] حکومت ۱۲

غیر میں اس موقع پہ مذہب کے متعلق اتنا ہی کہنا چاہتا تھا کہ مذہب کا جو دباؤ سوسائٹی پہ تھا۔ کم بخت نیوٹرل
تعلیم کے اثر بد کی وجہ سے اُٹھ گیا اور اُٹھتا چلا جارہا ہے۔ رہ گئی گورمنٹ اگرچہ اس کی تحقیر کا اثر فوری ہونا چاہیئے
کیوں کہ وہ حکومت کیا جس میں سیاست نہیں۔ مگر گورمنٹ ہی اس طرح کی بردبار واقع ہوئی ہے کہ مجامع
اور محافل میں اس کی تفضیح کی جاتی ہے۔ اور ہماری نیک دل گورمنٹ باوجودیکہ جانتی اور سنتی ہے سب
کچھ مطلقاً پروا نہیں کرتی۔ علاوہ بریں گورمنٹ کو خصوصاً برٹش گورمنٹ کو نظم سوسائٹی میں دخل تو ہے
مگر محدود۔ اور جو وجہ گورمنٹ کو تعلیم میں نیوٹرل رہنے کی ہے وہی ہیلتھ سائٹی سے اس کی اس قدر بے
تعلقی کی ہے ابھی حال کا مذکور ہے کہ ہندوؤں نے بہتیرا ہی زور مارا کہ کم عمر لڑکیوں کے بیاہوں کو سرکار
منع کرے اور بیوہ عورتوں کے دوسرے بیاہ کو ناجائز ٹھہرائے۔ سرکار نے ہامی نہ بھری۔ سوسائٹی کا تیسرا
ضابطہ رسم و رواج ہے۔ لیکن جو آزاد خیال نئے تعلیم یافتہ مذہب کے قابو اور گورمنٹ کے بس کے نہ ہوں۔
رسم و رواج کے بیچارے کیوں ڈرنے لگے تھے۔ غرض نیوٹرل تعلیم نے سارے دباؤ اٹھا کر سوسائٹی کو بے سرا
کر دیا۔ اب نہ اگلے سے ادب قاعدے ہیں۔ نہ پاس و لحاظ ہیں۔ نہ غیرتیں ہیں۔ نہ حمیتیں ہیں۔ نہ مروتیں ہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا باوا آدم کچھ بدل سا گیا ہے۔

اِس سے زیادہ اَور کوئی لغو خیال ہو نہیں سکتا کہ بے انضمام مذہب لوگوں کے اخلاق درست
رکھے جا سکتے ہیں۔ یعنی سوسائٹی کی شایستگی کے لیئے مذہب کی ضرورت نہیں۔ میرا معتقد تو یہ ہے کہ
دنیا میں نیکی اور بدی کا تفرقہ مذہب سے پیدا ہوا لیکن فرض کرو کہ ایسا نہیں بھی ہوتا ہم کسی کو اس سے
انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بدون مذہب کے نیکی ایسی ساقط الاعتبار ہے۔ جیسے بے رجسٹری کی دستاویز۔ مذہب
نہیں تو نیکی میں قوت نہیں۔ استحکام نہیں۔ ثبات نہیں۔ خلوص نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر سچ پوچھو تو
نیکی نیکی نہیں۔ ایک ظاہر بیں آدمی شاید ایسا خیال کر سکتا ہے کہ دنیا میں جو امن قائم ہے۔ حاکموں کے
قوانین کی وجہ سے ہے مگر یہ بات فی نفسہ غلط ہے بہت سے جرائم ہیں جو قانون کی گرفت میں آ نہیں سکتے
اور ان کا انسداد صرف مذہب کے خوف سے ہوتا ہے۔ ہر کوئی قانون جس نے ارادۂ جرم کو بدون صدور
کسی فعل کے جرم قرار دیا ہو۔ قوانین کا سارا اِنڈکس چھان مارو کہیں ایسے قانون کا پتہ نہ پاؤ گے۔ ۔

لہ فہرست ۱۲۔

اور عقل گواہی دیتی ہے کہ اول تو ایسا قانون ہو نہیں سکتا اور ہو تو اُس کی تعمیل امکان سے خارج ۔
یہیں سے قوانین دنیا کا نقص ظاہر ہوتا ہے ۔ وہ کبھی مذہبی قانون کے بغیر درجۂ تکمیل کو پہونچ نہیں
سکتے ۔ جو فرماتا ہے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ترجمہ اور اگر تم ظاہر کروگے اپنے
جی کی بات یا چھپاؤ گے ۔ حساب لے گا تم سے اللہ ۔ اب میں یہ بات کہتا ہوں کہ مذہب انسان کی
کانسٹیٹیوشن یعنے اس کی بناوٹ میں داخل ہے ۔ انسان ایک وجود ہے جسم و روح سے مرکب ۔ جسم
کثیف ہے اور روح لطیف ۔ اور چوں کہ روح کی حقیقت معلوم نہیں جیسا کہ فرمایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ
رَبِّیْ ترجمہ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ جسم و روح میں تعلق کس قسم کا ہے پھر کیف
انسان کی ساخت جسمانی سب کو معلوم ہے خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ۝
ترجمہ تجھ کو بنایا ۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ۔ لیکن کبھی آدمی
ناقص الخلقت بھی پیدا ہوتے ہیں جیسے تمہاری گجرات کے شاہ دولہ کے چوہے ۔ اور کبھی عوارض کی
وجہ سے ساخت جسمانی میں انواع و اقسام کے فتور واقع ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح روح انسان کی بھی
ایک خاص ساخت ہے کہ اس میں کتنی قدرتیں ودیعت رکھی گئی ہیں ۔ روحانی ساخت کے نقصانات
میں ایک نقصان لامذہبی بھی ہے ۔ مگر خلقی نہیں کیوں کہ مذہب داخل فطرت ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ
النَّاسَ عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ط ترجمہ تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو ۔ بدلنا نہیں اللہ کے
بنائے کو ۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ایک خاص طرح کی عقل دی گئی ہے ۔ فوق سائر الحیوانات جس کو بصیرت
کہتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ترجمہ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے ۔
اور پڑا لا ڈالے اپنے بہانے اس بصیرت کا نمونہ ہے ۔ مگر ادنیٰ درجے کا ۔ بصارت یعنی بینائی چشم سر ۔ اگر
انسان آنکھ کو کام میں لائے یعنی دیکھے تو دیکھنا اس کو مثلاً رنگ کی شناخت پر مجبور کرے گا ۔ اسی طرح
اگر آدمی عقل کو کام میں لائے اور سوچے تو اعمال فکر اس کو مجبور کرے گا ۔ اس بات کے یقین کرنے پر
کہ اس عظیم الشان کارخانہ دنیا کا صرور کوئی بنانے والا ہے ۔ اور جو چیزیں مرئی اور محسوس ہیں ان میں
کوئی نشان اس طرح کی قدرت کا پایا نہیں جاتا ۔ قدرت اگر کسی قدر یوں ہی سی برائے نام ہے بھی تو پھر

انسان کو ہی کہ یہ مخلوقاتِ عالم میں تصرفات کرتا ہی۔ با این ہمہ انسان اپنی درماندگی کا خود معترف ہی اور بدون اعتراف کے اس کو چارہ نہیں۔ دوسرے مخلوقات بڑی سے بڑی اور عمدہ سے عمدہ ہیں قدرت تو درکنار ارادے تک کا فقدان[1] ہی۔ اور یہی ماحصل ہی ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کا فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ترجمہ پھر جب اندھیرا کیا اُس پر رات نے۔ دیکھا ایک تارا۔ بولا یہ ہی رب میرا۔ پھر جب غائب ہوا۔ بولا مجھ کو خوش نہیں آتے چھپنے والے فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہی رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا۔ بولا اگر راہ نہ دے مجھ کو رب میرا تو بے شک میں ہوں بہکتے لوگوں میں فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا بولا یہ ہی رب میرا یہ رب سب سے بڑا۔ پھر جب وہ غائب ہوا بولا ای قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ترجمہ میں نے اپنا مونہ کیا اُسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا۔

ایک غریب خدا پرست کاشتکار کا کھیت موقع پا کر رات کے وقت کچھ بیل چر گئے۔ کاشتکار کھیت کے کنارے شاید یہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر کروں کہ پھر بیل کھیت میں نہ گھسیں۔ ادھر سے ہو کر گزرا اس کا کوئی جان پہچان لامذہب۔ اس کو کھڑا دیکھ کر وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ اور لگا باتیں کرنے۔ باتوں باتوں میں اُس لامذہب نے کہا۔ خدا ہوتا تو تمہارا کھیت ہرگز نہ کھایا جاتا۔ کاشتکار بولا کھیت کا کھایا جانا ہی خدا کے ہونے کی دلیل ہی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی چیز دنیا میں باختیارِ خود متصرف نہیں۔ اور قوتِ تصرف اس نے اپنے آپ نہیں پیدا کر لی۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ترجمہ جس نے اپنے کو پہچانا تو جا لو کہ اپنے پروردگار کو پہچانا بھی۔ یہی بات ہی گو طرز ادا سے مطلب دوسرا ہی۔ دوسروں سے استشہاد کی کیا ضرورت ہی۔

---

[1] معدومیت ۱۲۔

خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ترجمہ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور خود تمھارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ترجمہ اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ۔ اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے منظوم کیا ہے

دوست نزدیک تر از من بمن ست	وین عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او	در کنار من و من مہجورم

ایک ریختہ گو کہتا ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار	جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

الغرض انسان جب تک انسان ہے خدا کے ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہ مذہب کا پہلا سٹپ[1] ہوا۔ اب اور آگے بڑھو تو جس عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا ہے۔ اُسی عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا تمام صفات کمالیہ کا جامع۔ تمام عیوب اور نقصانات سے پاک اور منزّہ۔ اور اسی لیئے ایک اکیلا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ نہ اُس کو اعوان و انصار کی حاجت نہ یار و مددگار کی ضرورت۔ سب کچھ جانتا ہے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ترجمہ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا۔ اور جو چاہے کرسکتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ترجمہ وہ تو سب چیز کرسکتا ہے۔ دنیا کا کارخانہ جس انتظام سے چل رہا ہے۔ یہ انتظام دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک صرف ایک ارادے کا محکوم ہے یہ عمارت کہہ رہی ہے کہ ڈیزائن[2] سے لیکر ایک انجینیر کے سوائے دوسرے کا اُس میں دخل نہیں۔ یہ ہیں معنے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کے ترجمہ (اگر ہوتے ان دونوں میں اَور حاکم سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوتے) پھر انسان کی جبلت یہ بھی ہے کہ اگر وہ طبیعت کا شریف ہے تو محسن کا احسان ماننا اور اُس کا شکرگزار ہوتا۔ یہ ہے ماخذ عبادت کا۔

عبادت سے ہم خدا کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور نہ اُس کو ہماری خدمت کی کچھ پروا ہے۔

---

[1] قدم۔ مرحلہ ۱۲ [2] ابتدائی نقشہ جو بطور منصوبے کے بنایا جاتا ہے ۱۲۔

بلکہ عبادت سے صرف ہماری شرافت طبیعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے وہ ہمارا فرض انسانیت ہے۔ دنیا میں انسان پر اس کے ابنائے جنس کے بھی احسانات ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خیال کرو تو خدا کے احسانات کا کچھ شمار نہیں۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ۚ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا۔ آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔

اور یہی سبب ہے کہ خدائے تعالیٰ ہماری سب سے بڑی شکرگزاری کا مستحق ہے جس کا دوسرا نام عبادت ہے تو جس طرح عقل گواہی دیتی ہے کہ ذات اور صفات میں خدا کا کوئی شریک نہیں اسی طرح عقل یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک فی العبادت کرنا پرلے درجے کی احسان ناشناسی ہے جس کو اصطلاح شرع میں کفر کہتے ہیں۔ یعنے کفرانِ نعمت۔ ذری اس بات کو خیال کرتے جانا کہ ابھی تک میں عقل کی رہنمائی سے دین کے راستے کو چلا جا رہا ہوں میں نے اس سے پہلے بصیرت اور بصارت دونوں میں ایک طرح کی مماثلت کا ہونا بیان کیا تھا۔ بصارت سے ہم چیزوں کے رنگ۔ اُن کی شکلیں اور اُن کے مواقع معلوم کرتے ہیں اور اسی سبب سے بینائی ایک بڑی بکار آمد قوت ہے مگر اس میں نقص بھی ہے کثیف چیزوں میں نفوذ نہیں کرتی یعنے مثلاً دیوار کے پیچھے نگاہ کام نہیں دیتی اور یوں بھی اس کی رسائی کی ایک حد ہے علم مناظر میں قوت باصرہ کے اور بھی نقصانات کی صراحت ہے جیسے دور کی چیزوں کا چھوٹا دکھائی دینا۔ اگر دیکھنے والا خود متحرک ہے تو اس کا ساکن چیزوں کو متحرک دیکھنا اس کو ریل کے بیٹھنے والوں سے پوچھ دیکھو یا اُن سے جن کو کبھی تیز رو کشتی میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ شفاف پانی کی تہ میں کسی چیز کا اُبھرا ہوا نظر آنا۔ قوس قزح کی رنگ آمیزی اور اِن کے سوا اور بہت سی باتیں

ہیں جن کا بیان کرنا بے محل سا ہے غرض بنیائی نقصان و فتور سے بری نہیں۔ بعینہ یہی حال ہے عقل کا۔ بہت باتیں عقل کی گرفت سے باہر ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن	کہ جاہا سپر باید انداختن

معلوم ہے کہ مقناطیسی سوئی کا ایک سر شمال کی طرف رہتا ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ اور یہی حال ہے کل اسباب و علل کا۔ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بلکہ تمام مادیات میں کشش ثقل و اتصال کا ہونا معلوم ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ روح و جسم کا تذکور میں شروع میں کر چکا ہوں معلوم ہے کہ روح نہ عین جسم ہے نہ جزو جسم ہے۔ نہ اُس میں اس طور حلول کئے ہے جیسے ظرف میں مظروف نہ روح و جسم میں عرض و جوہر کا سا تعلق ہے پھر روح کیا ہے اور اس کو جسم کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے کسی کو خبر نہیں۔ میں اس دنیا کے سینکڑوں عقدے گنوا سکتا ہوں جن کو ناخنِ عقل نہیں حل کر سکتا۔ سچ پوچھو تو ساری دنیا ہی طلسم حیرت ہے مٹی ایک جماد چیز ہے۔ اس کا نباتیت پھر حیوانیت پھر انسانیت کے مدارج پر ترقی کرنا نہ انسان کے فہم میں آیا ہے اور نہ کبھی آ سکتا ہے۔ تو کیا دین میں کسی بات کا خلافِ عقل نہیں بلکہ عقل سے خارج یعنی اس کی رسائی سے بالاتر فروتر ہونا کچھ تعجب ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ دین میں بدرجۂ اولیٰ ایسی باتیں ہونی چاہئیں جن میں مساغ[1] عقل نہ ہو۔ کیوں کہ دین کا مدار ہے اس پر کہ انسان موت سے معدوم نہیں ہوتا موت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ روح و جسم کا تعلق چھوٹ جاتا ہے۔ اجزائے جسمانی متلاشی و متفرق ہو کر اپنے اپنے ٹھکانے لگ جاتے ہیں وَمِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ٥ ترجمہ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔ انگریزی سننے کا شوق ہو تو ایشِ[2] ٹو ایشِ اینڈ ڈسٹ ٹو ڈسٹ۔ رہی روح وہ جب جسم میں تھی اور اس کے تصرفات ظاہر ہوتے تھے تب بھی اس کی حقیقت ہم کو معلوم نہ تھی بعد مرگ تو رہی سہی اور بھی روپوش ہو گئی ؟ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے۔ با ایں ہمہ چند در چند قرائن ہیں جن سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ روح کو فنا نہیں۔

---

[1] رسائی ۱۲ [2] راکھ میں راکھ اور مٹی میں مٹی ۱۲۔

اوّلًا جب ہم سرے سے روح کی حقیقت سے بے خبر ٹھہرے تو ہم کو اُس پر فنا کا حکم لگانے کا کوئی حق نہیں

ثانیًا۔ اگرچہ روح جسمانی رنجوں اور تکلیفوں سے بحالتِ حیات متاذی تو ہوتی تھی۔ موت بڑی سے بڑی جسمانی تکلیف سہی اور روح کا اس سے متاذی ہونا قرین قیاس ہی مگر موت کا اوّلی اثر جسم پر تھا اس کا تو منتشر کر دینے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی۔ روح جس پر موت کا اثر ثانوی ہی کیوں معدوم ہو جانے لگی تھی عجب نہیں موت نے روح پر اتنا ہی اثر کیا ہو اور بس کہ اس کو جسم سے بے تعلق اور بے دخل کر دیا۔

ثالثًا دانش مند سے دانش مند اور احمق سے احمق۔ عالم سے عالم اور جاہل سے جاہل مہذّب و نامہذّب۔ سولائزڈ[1] اور وحشی ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگ یعنی دنیا کے آدمی قریب کل کے بقائے روح کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم کو اس سے بحث نہیں کہ یہ خیال دنیا میں کہاں سے آیا۔ اور کیوں کر اتنے لوگوں نے اس کو قبول کر لیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عموماً لوگ اس کے قائل ہیں اور جن کو انکار ہی اگر سچے دل سے ہی بھی تو اس عقیدے کے لوگ اس قدر کم ہیں کہ اُس جمِ غفیر عالم کے مقابلے میں گویا کہ نہیں۔ دین تو خیر ہی ہی میں کہتا ہوں کہ انتظام دنیا بھی اسی خیال پر مبنی ہی۔ میں نے شروع میں کہا تھا کہ بہت سے جرائم کا انسداد صرف مذہب سے ہوتا ہی سو مذہب سے اُس محل پر میری مراد تھی یہی عقیدہ لقائے روح یعنے لوگ اس وجہ سے مرتکب جرائم نہیں ہوتے کہ جانتے ہیں کہ مرے پیچھے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ایک انگریزی کتاب میں بہت سے نامی مجرموں کے حالات لکھے ہیں جنھوں نے مرتے وقت خوفِ عاقبت سے اپنے جرموں کا اقرار کیا اور ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں پس یا تو ساری دنیا کو برسرِ غلط مانو۔ یا دوسروں کی طرح بقائے روح کے قائل ہو۔ ہو نہ ہو یہ عقیدہ داخلِ فطرتِ انسانی ہی کہ ملہمِ غیب[2] نے ہر ایک کے دل میں ڈال دیا ہی کہ۔ کون ہی جس کو اولاد سے خیر جاری سے یا کسی دوسرے پیرایے سے دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ جانے کی خواہش نہیں۔ اس خواہش میں بھی مضمر ہی۔ وہی بقائے روح کا خیال۔ کیوں کہ اگر آدمی مرنے سے معدوم محض ہو جاتا تو دنیا میں یادگار رہنے سے

---

[1] تربیت یافتہ شائستہ۔ مہذب ۱۲ [2] غیب کی بات کا الہام کرنے والا یعنے خدا ۱۲

اس کو کیا مفاد تھا۔

رابعاً۔ انتظام دنیا اگرچہ فی نفسہ نہایت مکمل ہے۔ اور کیوں نہ ہو ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ترجمہ یہ اندازہ ہے اُس زبردست باخبر کا۔ مگر پھر بھی ناتمام سا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جملہ اسمیہ کہ مبتدا ہو تو خبر نہیں۔ یا جملہ شرطیہ کہ شرط ہو تو جزا نہیں۔ یا جیسے دامان کوہ میں ایک سڑک جو ایک گھاٹی تک منتہی ہوتی ہے اور اس کو دیکھ کر خود بخود خیال ہوتا ہے کہ ضرور یہ سڑک پہاڑ کی دوسری طرف جانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسی طرح انسان کو اتنی ساری عقل کا دیا جانا جو اس چند روزہ دنیاوی زندگی کی ضرورت سے یقیناً بہت زیادہ ہے ضرور کوئی اور بڑا مطلب رکھتا ہے أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ترجمہ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝ ترجمہ اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو اُن کے بیچ ہے کھیلتے لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ ترجمہ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فعل ایک لازمی نتیجہ رکھتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ ترجمہ سو تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلتا جیسے شراب خواری کا ضروری نتیجہ ہے خواری۔ بدکرداری افلاس جسمانی امراض اور آخر کار ہلاکت قبل الموت۔ نا اتفاقی کا ضروری نتیجہ ہے ضعف۔ جھوٹ کا ضروری نتیجہ ہے بے اعتباری۔ وَقِسْ عَلٰى هٰذَا تو جب کبھی ہم کسی فعل پر اس کے نتیجے کو دنیا میں مترتب ہوتا نہ پائیں اسی سے ہم سمجھ لیں گے کہ حیات دنیا پر ہماری ہستی کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ یہ ہیں چند باتیں یا اسی طرح کی اور چند باتیں جو بعد مرگ کی حالت کی نسبت ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر منظر پھر بھی دھندلا ہی رہتا ہے خوب تسلی نہیں ہوتی کہ کیا ہو گا اور کیوں کر۔

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گرچہ رہے ہیں رفتگاں پہ کیا	کوئی حقیقت ان کی کہتا نہیں بُری بھلی

یہاں سے ثابت ہوئی ضرورت رسالت کی۔ بڑے تعجب کی بات ہو گی کہ چند سال کی زندگانی کے لیے تو خدا ہماری چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے سامان کرے۔ سر کھپالنے کے لیے ہم کو ناخن دیے

غذا چبانے کے لیئے دانت۔ اور اُس میں بھی یہ تفریق کہ پیسنے کے لیئے ڈاڑھیں اور کاٹنے کے لئے دانت توچنے کو کچلیاں ع

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ۔۔ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور حیات ابدی جیسی بڑی ضرورت میں جو ابد الآباد کے لیئے ہمارے سر پر لادی جائے گی ہم کو اتنا بھی سہارا نہ لگائے کہ ایک ذرا جھلکی تو دیکھ لینے دے۔ جہاں تک خدا کے کارخانے سے ہم نے خدا کو جانا اور جان سکتے ہیں ایسی بے رحمی انسان کو ایسے دبدے کی حالت میں چھوڑ دینا اُس کو ترسانا پریشان رکھنا خدا کی شان رحیمی سے بالکل بعید ہے تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

یوں خدائے کریم و رحیم نے انسان کو اسی کی عقل نارسا اور فہم قاصر کے بھروسے پر نہ چھوڑ کر پیغمبروں کے ذریعے سے (صلوات اللہ علیہم اجمعین) جہاں تک وہ اس ہستی میں سمجھ سکتا تھا بتایا اور سمجھایا کہ اِس کو مرے پیچھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے کس حالت میں رہنا ہے۔ اور اِس ابدی زندگی کے لیئے اُس کو دنیا میں کیا تیاری کرنی چاہیئے۔ ہم نے پیغمبروں ہی کے کہنے سے جانا کہ ہماری اِس ہستی موجودہ کو آگے آنے والی ہستی میں بہت بڑا دخل ہے۔ یہ خواب ہے اور وہ اس کی تعبیر۔ یہ جوتنے بونے کا وقت ہے اور وہ کاٹنے اور گاہنے کا۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ترجمہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے میرے اس بیان سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مذہب میں عقل کی رسائی کہاں تک ہے اور کہاں پہونچ کر عقل جبرئیلؑ کی ہم زبان ہو جاتی ہے ع

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ۔۔ فروغ تجلی بسوزد پرم

افراط و تفریط کے دونو پہلو ہر بات میں مذموم ہوتے ہیں جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ مذہب نقل یعنے خدا و رسول کا فرمودہ ہے اور نقل کو عقل سے کچھ سروکار نہیں اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم کو نقل کی حاجت نہیں اور بزور عقل ہم سب کچھ دریافت کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ حالاتِ بعدِ مرگ بھی جتنی قوتیں انسان کو عطا ہوئی ہیں جسمانی اور دماغی سب بمنزلہ آلات ہیں۔ جیسے مثلاً تیشہ نجار۔ ممکن ہے کہ نجار کبھی اس تیشے سے ہاتھ پاؤں زخمی کرے لیکن اسی کا قصور ہوگا نہ تیشے کا۔ انسان بھی اپنی قوتوں کو بُری اور بھلی دونوں طرح

سلہ خدا کی شان اس سے بہت بڑی ہے ۱۲۔

استعمال میں لاسکتا۔ ان کو معطل رکھ سکتا اِن سے فوق الطاقت کام لے سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی قوت کو بُری طرح استعمال کرے تو خود وہی ملزم ہے نہ قوت اور نہ جس نے قوت دی وہ۔ پس ہر ایک قوت کے استعمال میں انسان کو اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ خاص کر معاملاتِ مذہبی میں عقل کو کام میں لانے وقت مذہب کے اعتبار سے بھی انس کو عقل کا دیا جانا تو ضرور تھا۔ وہ عقل ہی کی وجہ سے مکلف ہوا۔ دنیا اور دین دونوں میں جتنی خوبیاں ہیں متفرع ہیں عقل پر اور جتنی خرابیاں ہیں وہ بھی متفرع ہیں اسی عقل پر۔ یوں سمجھو کہ انسان فی حدّ ذاتہٖ ایک کمانڈر ہے اور قوائے مختلفہ افواج ہیں۔ اُس کے ماتحت زیر فرمان یہ فوجیں ایک طرح کی نہیں۔ جیسے انگریزی فوج میں پوربیے۔ مدراسی یا تلنگے۔ مرہٹے۔ گورکھیے۔ سِکھ۔ بلوچ۔ اطراف کابل کے پٹھان۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب قسم کے سپاہی ایک ہی لکڑی سے ہانکے جاتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ شاید ایک پوربیہ یا مدراسی بید کی چھڑی سے تو بلوچ اور افغان آئرن راڈ[۵] سے غرض جو قوی تر وہی عَسِيْرُ الْاِنْقِيَادْ تر تمام قوائے انسانی میں عقل ہی سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس پر کونٹرول[۶] کرنا بہت ہی احتیاط کا کام ہے۔ یہ جو اختلاف مذاہب دیکھتے ہو یہ آگ بھی ان ہی حضرت عقل کی لگائی ہوئی ہے جس میں چنگاری ڈال جالو دور کھڑی۔ میں دیکھتا ہوں تو ہمارے وقت کے نوجوان تعلیم یافتہ استعمالِ عقل کے بارے میں صلاح اور اصلاح دونوں کے سخت محتاج ہیں۔ ان کو امور مذہبی میں غور و خوض کرنے کی نہ فرصت ہے نہ مہلت نہ لیاقت نہ معلومات۔ اور طرہ یہ ہے کہ طلب بھی نہیں۔ اور طلب ہو تو کہاں سے گھر میں چرچا نہیں بزرگوں کی تاکید نہیں۔ یار دوستوں میں ترغیب نہیں۔ رہا اپنے دل کا تقاضا۔ ایسی عمر نہیں۔ گیند بلا کرکٹ وغیرہ جہاں اور کھیل ہیں وہاں باریش بابا ہم بازی ایک مذہب بھی سہی اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو خستہ خراب غافل کاہل جاہل مفلس محتاج گویا ذلت و خواری لوازم اسلام سے ہے۔ کیا عرب۔ کیا عجم۔ کیا روم کیا مصر۔ کیا افریقہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے جدھر دیکھو تنزل و انحطاط۔ جہاں سنو نکبت و ادبار۔ ان میں سے فرادی فرادی ایک ایک کیفیت نوعمر آدمی کے عقیدے کے متزلزل کر دینے کو کافی ہے۔ نہ کہ مجموعہ۔ دنیا اور دین میں لقاء نسبت کی نسبت ہے

[۵] لوہے کی سلاخ ۱۲ [۶] مشکل سے فرمان بردار ہونے والا ۱۲ [۷] حکومت کرنا ۱۲

ہم لوگ ایسے کماؤ نقد کو تو کھو بیٹھے نسیہ کی جو ہم سے اُمید رکھے وہ سو احمقوں کا ایک احمق۔ لیکن کیا کیا جائے دل نہیں مانتا چار و ناچار کہنا ہی پڑتا ہی۔ افسوس تو دنیا کا بھی کیوں نہیں۔ لیکن دنیا فانی چند روزہ آنی جانی چیز ہی۔ بُری طرح بھی گزر جاتی ہی اور بھلی طرح بھی گزر جاتی ہی۔ اور آخر گزر ہی جاتی ہی۔ بڑا خیال تو دین کا ہو ؎

غمِ دین خور کہ غم غمِ دین است	ہمہ غمہا فرو تر ازاین است

خدانخواستہ یہ نعمت جاتی رہے تو پھر کہیں کے نہ رہے خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ط ترجمہ گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہی ٹوٹا صریح۔ اور اس کے جانے کو کون سے جھگڑے چاہئیں۔ دین کا تو ایسا نازک معاملہ ہی کہ ایک خیال سے اور ایک مقال سے آدمی راندہ جاتا ہی۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہی کہ گورنمنٹ اگرچہ مذہبًا عیسائی ہی۔ مگر عملًا اُس کا کوئی مذہب نہیں یا یوں کہو کہ اس کا مذہب صلح کل ہی۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ پس اسلام کو جو کچھ خطرہ ہی نہ دیکان بے بصر سے ہی جو مسلمان کہلاتے اور اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مخالفین کی گید ڑبھبکیوں سے ڈر کر صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ ورنہ اسلام کے اصول ایسے سیدھے اور صاف اور سچے اور سلیس اور عام فہم ہیں کہ اُن پر کامیابی کے ساتھ کوئی حملہ ہو نہیں سکتا۔ مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہی کہ آبًا عَنْ جَدٍّ موروثی مسلمان ہوں۔ اور اپنے نسب نامے میں انقراضِ سلطنتِ دہلی تک بلا فصل مشائخ اور مفتی اور علماء کے نام پاتا ہوں میں نے بزرگوں میں سے اوائل عمر میں صرف اپنے والد کو دیکھا اور جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہی میں جانتا ہوں کہ وہ نہ صرف نام کے مولوی تھے۔ بلکہ بڑے پکے دین دار۔ یہ رویداد چاہتی ہی کہ میرا اسلام تقلیدی ہو۔ مگر خدا کے فضل سے ایسا نہیں ہی۔ مجھ کو اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مدتوں مجھ کو مذہبی ہیجان میں مبتلا رکھا۔ یہاں تک کہ آخر کار اسلام کی حقانیت کامل طور پر میرے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی جیسے پتھر کی لکیر۔ و الحمد للہ علیٰ ذٰلِکَ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ

سٰ۵ مد و ۱۲۔

اَنتَ الْوَهَّابُ ترجمہ اے رب ہمارے دل نہ پھیر ہمارے جب ہم کو ہدایت دے چکا اور دے ہم کو اپنے پاس سے مہربانی بے شک تو ہی ہو بہت دینے والا۔

مجھ کو ٹھیک سنہ یاد نہیں مگر ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ کا مذکور ہے کہ ہمارے دہلی کالج اور نیٹیل کلاسز کی ریاضی کے استاد ماسٹر رام چندر صاحب اصطباغ[۵] لینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ ماسٹر صاحب اُدیپاکر کیا ٹیچر کیا سٹوڈنٹ سب کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ مذہبی مناظرے کی وہ پہلی بھنک تھی جو میرے کان میں پڑی اگرچہ میں عربی کی جماعت اوّل میں تھا۔ اور فقہ کی مشہور کتاب فتاوے درمختار ہمارے کورس میں تھی۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ ماسٹر ہم لوگوں کو بند کر دیتے تھے۔ مجھ کو ماسٹر صاحب کے ساتھ ایک خصوصیت بھی تھی۔ اور اکثر اُن کے مکان پر بھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا ماسٹر نے تو مجھ کو گمراہ کر دیا ہوتا جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ترجمہ تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا اُن میں جو پکڑے آئے۔ مگر مجھ کو ادب عربی کا تھا شوق بہت۔ میں قرآن کی عبارت پر لٹو تھا۔ اس تریاق نے مجھ کو اُس زہر سے بچایا یہاں تک کہ کالج سے میں اپنا ایمان سلامت لے کے نکل گیا۔ مگر کیسا ایمان متزلزل۔ متشکک۔ ضعیف۔ مضمحل پھر میں نے علم کلام کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ موافق و مخالف، دونوں ماسٹر نے مجھ کو عیسائی بنانا چاہا۔ اور علم کلام نے سرے سے لا مذہب مناظرے کا ایک اکثری اور مشہور قاعدہ ہے مبارزہ بالمثل ہے کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص دوسرے سے کہے تمہاری آنکھ میں ناخنہ ہے اور دوسرا کہے تمہاری میں ٹینٹ اس طریقے سے ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں معترض بند ہو جائے۔ لیکن غیر آدمی جو تحقیق حق چاہتا ہے دونوں سے بدظن ہو جاتا ہے کہ دونوں میں کوئی بھی نقصان سے خالی نہیں۔ اس سے کہ معترض کی آنکھ میں ٹینٹ ہے ہماری آنکھ کے ناخنے کا عیب زائل نہیں ہو سکتا غایتہ[۶] ما فی الباب ناخنہ اَخَفّ و اَهْوَن ہے بمقابلہ ٹینٹ کے۔ لیکن جس کی آنکھ صحیح و سالم ہے وہ دونوں کو عیب دار سمجھے گا۔ ناخنے والے کو کم ٹینٹ والے کو زیادہ۔ اس طرح یہ

---

[۵] پادری جب کسی کو عیسائی کرتے ہیں تو اُس پر پانی چھڑک دیتے ہیں یا حوض میں غوطہ دلواتے ہیں اسی کو اصطباغ کہتے ہیں ۱۲

[۶] اپنے سبب سے خفیف تر اور سب سے آسان تر ہے ۱۲

برسوں میرے شکوک کا یہ حال رہا۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بااین ہمہ جب میں قرآن کے سمجھنے پر قادر ہوا۔ اُس کے استحسان میں کبھی ایک لمحے کے لیئے بھی کمی نہیں ہوئی اور اس نے مجھے وہ کام دیا جو عصا کام دیتی ہی ایک بڈھے مرتعش[1] کو۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر خیال کیا کہ میں بڑے بڑے نامی گرامی آتھروں کی نظم و نثر دونوں طرح کے کلام پڑھتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے مخضرمین[2] کے۔ اسلام کے بعد کے اور خود اُس شخص کے جس کے مُنہ سے الفاظ قرآنی نکلے اور اس کے دوسرے مقالات مجلدات احادیث میں منضبط ہیں مواعظ ہیں خطبات ہیں قصص و حکایات ہیں۔ مراسلات ہیں یہ بات کیا ہی کہ قرآن کی عبارت کو کوئی نہیں پاتا۔ دوسرے آتھر[3] اِس طرز پر قادر نہ ہوں تو خیر۔ مگر ایک ہی قائل کیوں کر دو مختلف طرزوں میں اور مختلف بھی اس درجے کے کہ زمین و آسمان کا تفاوت[4] کلام کرنے کی قدرت پا سکتا ہی۔ یہ تو عادتاً محال ہی تمھارے سمجھانے کے لیئے کہتا ہوں کہ مثلاً ہندی شعرا میں سے زیادہ نہیں میر تقی۔ انشاء اللہ خاں۔ سودا تین شاعروں کو لو ہر ایک کا طرز جدا گانہ ہی۔ اور جو سخن فہم ہیں مضمون اور بندش سے پہچان لیتے ہیں کہ اِن تین میں سے کس کا شعر ہی۔ میں شاعر نہیں ہوں۔ مگر اتنی اٹکل مجھ کو بھی ہی کہ اگر کوئی شعر میرے روبرو پڑھا جاے تو غالب ہی کہ اُس کے قائل کی تعیین میں غلطی نہ کروں۔ میں جانتا ہوں کہ میر صاحب کے مضامین حسرت آلود ہوتے ہیں اور زبان نہایت درجہ شستہ اور سلیس یہ بات خاص میر صاحب ہی میں دیکھی گئی کہ ضرورت شعری کی وجہ سے لفظ کا دب کر نکلنا بھی جائز نہیں رکھتے۔ انشاء اللہ خان بھکڑ ہیں۔ بیان میں شوخی۔ سودا ہر قسم کے مضامین پر قادر ہیں۔ بندش بھی اس کی مضبوط ہوتی ہی۔ متاخرین میں مثلاً غالب اور ذوق میں تمیز کرنا کیا مشکل ہی بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ترجمہ ان میں ہی ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے۔ غرض ہر ایک کی اپنی اپنی طرز ہی عجب دوسرے کی طرز اختیار کرتا ہی گرتا ہی مجھ کو خود ایسا اتفاق ہوا ہی کہ بہ ضرورت کسی اخبار میں کوئی مضمون دیا اپنے نام سے نہیں۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے تو مجھ کو بڑی

[1] جس کے بدن میں رعشہ ہو ۱۲ [2] وہ لوگ جن کی کچھ زندگی جاہلیت اور کچھ اسلام میں ہوئی ہو ۱۲ [3] مصنف ۱۲

حیرت یہی پیش آئی کہ پیغمبر صاحب نے دو طرح کے کلام پر کیوں کر قدرت پائی آخر یہ عقیدہ میں نے
اس طرح پر حل کیا پیغمبر صاحب کا اپنا طرز تو وہی تھا جو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ رہا قرآن۔ اِن کا کلام
ضرور تھا کیوں کہ اِن کے منہ سے ادا ہوتا تھا مگر نزول وحی کے اوقات خاص ہیں جب کہ وہ اپنے اختیار
میں نہیں ہوتے تھے۔ وحی بھی ایک اسرار الٰہی میں سے ہے لیکن اس قدر معلوم ہے کہ کبھی جبریل حامل وحی انسان
کی شکل میں متشکل ہو کر پیام خدا پہنچا جاتے تھے۔ کبھی خواب کے پیرائے میں وحی آتی تھی مگر اکثر گھنٹے
کی سی جھنکار سُن پڑتی تھی اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح کی وحی مجھ پر بہت
سخت ہوتی ہے آپ کا رنگ فق اور جسم ایسا بوجھل ہو جاتا تھا کہ ایک بار آپ اپنی اونٹنی عضبا پر سوار تھے کہ
وحی آئی اونٹنی مارے بوجھ کے بیٹھ گئی۔ کڑکڑاتے جاڑے میں نزول وحی کے وقت آپ پسینے پسینے
ہو جاتے۔ اس سے شاید کسی عیسائی مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کو صرع کی بیماری تھی۔ اس
تشخیص سے غرض یہ ہے کہ اُن کا دماغ صحیح نہ تھا اور اسی وجہ سے دعویٰ نبوت کر بیٹھے مگر یہ کوئی نیا
اعتراض نہیں۔ کافروں کے ترکش میں کوئی تیر نہ تھا جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ چلایا ہو۔
جھوٹا مفتری کہہ دینا تو خیر معمولی بات تھی کہتے تھے اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ترجمہ اس کو تو سکھاتا ہے آدمی۔
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ترجمہ نقلیں ہیں اگلوں کی جن کو اس نے
لکھ لیا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس پاس صبح و شام اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ترجمہ کیا ہم
چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ترجمہ
بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے۔

اِن اعتراضوں میں سے کوئی اعتراض پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چسپاں ہی نہ تھا اور چونکہ
نری بے تک بونگی بے جوڑ ہانکتے تھے پیغمبر صاحب صلعم کو ایسے بودے پھسپھسے اعتراضات سے اور تقویت
پہنچتی تھی پیغمبر صاحب صلعم کا حال یہ تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے یہاں تک اُن کی صداقت مسلم
تھی کہ امین آپ کا لقب تھا ایک بار آپ نے نفیر پکار کر سب کو جمع کیا اور کہا کہ یہاں [illegible]

کہوں کہ دشمن اس پہاڑ کی آڑ میں گھات لگائے پڑے ہیں کہ موقع پاکر تم پر حملہ کریں تو تم میرے کہنے کو سچ مانو یا نہ مانو سب بولے ضرور۔ بھلا تم اور جھوٹ بہکاؤ گے۔ تم آپ نے فرمایا اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ترجمہ میں تو ایک ڈرانے والا ہوں تم کو ایک بڑی آفت کے آگے آنے سے۔ اس پر ابولہب بولا تَبًّا لَّکَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا ترجمہ تجھ کو خدا کی مار کیا اسی لیے تو نے ہم کو بلایا۔ اسی کے جواب میں سورۂ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی۔ اس بات کے لیئے تاریخی شہادت موجود ہے کہ سفر اور حضر رنج اور خوشی۔ اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے ہر حالت میں آپ کو خدا کی یاد گاری تھی اور ہمہ وقت عظمت الٰہی نصب العین۔ موٹی سے موٹی اور بھدی سے بھدی سمجھ بھی تجویز کر نہیں سکتی کہ ایسا شخص جس نے راست گوئی کا سکہ بٹھا کر امین کا خطاب حاصل کیا ہو سب باتوں میں تو سچ بولے اور ایک بات میں جھوٹ بولے اور جھوٹ بھی بولے تو خدا پر اور اُس کے ساتھ یہ بھی کہتا جائے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِکُمْ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

ترجمہ اور اُس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی اور اُس کو وحی کچھ نہ آئے۔ اور جو کہے میں اُتارتا ہوں برابر اُس کے جو اللہ نے اُتارا اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے تھے اللہ پر جھوٹ باتیں اور اُس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس آئے ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ سفارش کرنے والے جن کو تم بتاتے تھے کہ اُن کا تم میں ساجھا ہے ٹوٹ گئے تم آپس میں اور جاتے رہے جو دعوے تم کرتے تھے۔

یہ اِس غضب کی باتیں ہیں کہ ہمارے زمانے میں کوئی نالایق سے نالایق لُچے سے لُچا آدمی جس کو
دو آنے پر جھوٹی گواہی دینے میں مطلق باک نہ ہو اگر قسم دیتے وقت اُس کو یہ باتیں یاد دلائی جائیں تو غالب
ہو کہ تھرّا اُٹھے پس ایک نیک نہاد راست گو راست باز خدا ترس شخص کی نسبت ایسا بیہودہ خیال کرنا پرلے
درجے کی بے انصافی نہیں تو کیا ہی۔ پھر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہو تو کسی غرض کسی مطلب سے۔ سنّی
شیعوں کو کہتے دو جو اُن کا جی چاہے۔ سچ تو یہ ہو کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے
لیئے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ اور کیا ہوتا تو خلافت کے بارے میں اختلاف ہی کیوں واقع ہوتے۔ جو شخص
عرب جیسے سخت دلوں کو یہاں تک مسخر کرے کہ بتوں کی پرستش۔ بھائی سے بھائی۔ جورو سے خصم۔
باپ سے بیٹے۔ لوگوں سے آرام او عیش اور وطن اور کنبے اور غصے سب کچھ چھڑوا دیئے کیا اُس کو اتنی
قدرت نہ تھی کہ اپنی جانشینی کو تسلیم کرا دیتا۔ مگر یوں کہو کہ پیغمبر صاحبؐ کو اس سے کچھ مطلب ہی نہ تھا۔
بعض اوقات خاص خاص لوگوں کے ساتھ کسی وجہ سے خصوصیت کی سی باتیں کیں اب ان کی تاویل
جانشینی سے کر لو تو تمہاری خوشی پیغمبر صاحب صلعم بلکہ تمام خاندان نبوت نے جس زہد کے ساتھ زندگی بسر
کی سب کو معلوم ہو۔ پس بفرض محال پیغمبر صاحبؐ نے نبوت کا غلط دعوی کیا ہوتا تو دنیا وی جاہ و ثروت
کی طمع سے۔ سو اِس کا یہ حال کہ نہ خود متمتع ہوئے اور نہ اپنے عزیزوں میں سے کسی کو متمتع ہونے دیا
اور نہ کسی جانشین کو نامزد کیا حُبِّ جاہ کا کیا اچھا ثبوت ہی۔ یہ بے حقیقت تہمت دروغ گوئی کی جو نہ
دھری جائے اور نہ اُٹھائی جائے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ۔ کا تیر تھا یا وہ بھی تُکّا اور تُکّا بھی اٹکل پچو۔ عرب میں
جو فصیح و بلیغ تھے تمام ملک میں مشہور تھے ان کے قصائد میلوں اور موسم حج اور بازاروں میں پڑھے
اور دروازہ خانہ کعبہ پر لٹکائے جاتے تھے۔ اور اسی غرض سے وہ لوگ قصیدے کہتے ہی تھے۔ اور
ان کی کیا تخصیص ہو کسی زمانے میں کبھی فصیح بلیغ السانیں گزرا جس نے شہرت کی نہ صرف تمنا بلکہ اس کے
حاصل کرنی کی کوشش نہ کی ہو۔ تو غرض یہ ہو کہ جو لوگ قرآن کی سی عبارت کے کہنے پر قادر رہے
ضرور ہو کہ مشاہیر میں سے ہوں اور معلوم ہو کہ جتنے مشاہیر تھے کُھلّم کُھلّا مخالفِ اسلام تھے پیغمبر صاحب

کی ہجویں کہتے اور لوگوں میں مشتہر اور منتشر کرتے۔ اِن میں سے کسی کو کیا پڑی تھی کہ درپردہ پیغمبر صاحب کی مدد کرتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مشاہیر میں کسی کی نسبت ایسا شبہ ہو نہیں سکتا تھا تو معترضین غیر ملک والوں پر گمان کرتے تھے اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ترجمہ ساتھ دیا ہے اُس کا اس میں اور لوگوں نے۔ اِس کا کیا معقول جواب خدا تعالیٰ نے دیا لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ ترجمہ جس پر تعریض کرتے ہیں اُن کی زبان ہے اوپری اور یہ زبان عربی ہے صاف جس کا یہ مطلب ہے کہ غیر ملک والوں کی طرف ایسا شبہ کرنا لغو صریح ہے کیوں کہ غیر ملک والا کیسا ہی عربی زبان کا ماہر کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ قرآن کی سی عبارت لکھ سکے۔ علاوہ بریں تھوڑی دیر کے لیئے فرض کرو کہ پیغمبر صاحب کو قرآن کوئی دوسرا ہی شخص سکھاتا سہی تو معترض کا کام ہے اُس شخص کو نامزد کرے اور ہم کو سمجھائے کہ ایسے کلام فصیح و بلیغ کا کریڈٹ خود اسی شخص نے کیوں نہ لیا یعنی آپ پیغمبری کا دعویٰ کیوں نہ کیا اِس سے بڑھ کر تعجب کی بات اور کیا ہو گی کہ ایسے زمانے میں جب لونڈیاں باندیاں تک شعر کہتی تھیں اور فصاحت بلاغت کو بڑا کمال سمجھا جاتا تھا اور اہلِ عرب اپنی زبان کی عمدگی پر یہاں تک نازان تھے کہ ماسوائے عرب کو عجمی کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ ادائے مطلب اور گویائی پر قادر نہیں۔ لوگ قوت بیان سے اس قدر متاثر ہوتے ہوں کہ شعرا جب چاہیں قبیلوں کو قبیلوں سے لڑا ماریں غرض فصاحت بجائے خود ایک پاور (قوت) ہو ایسے وقت میں ایک شخص اُمّی جس نے ساری عمر شعر کہنا کیسا شعر کو موزوں پڑھنا بھی نہ جانا ہو وہ پکار پکار کر تحدّی کرے فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ترجمہ تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوائے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ترجمہ تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ترجمہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاویں گے ایسا قرآن

۱؎ یعنی لوگوں سے کہے کہ میرے کلام کے مقابلے میں کلام لاؤ ۱۲۔

اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک۔

فصحائے عرب اپنا اور اپنے عزیزوں کا قید ہونا جلا وطن کیا جانا۔ مارا جانا گوارا کریں اور کسی سے اتنا نہ ہو سکے کہ ٹکا بھر سی زبان ہلا کر متحدی سے بمقابلہ پیش آئے ؎

اینک بہ شہادت طلبم لوح و قلم را

بخدا میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ جس کسی کو اتنی عربی بھی آتی ہو جتنی کہ مجھ کو اگرچہ جتنی آنی چاہیئے اس کا عشر عشیر بھی مجھ کو نہیں آتا۔ بہر کیف مجھ جیسا کم استعداد آدمی بھی اتنا جان سکتا ہے کہ قرآن کی عبارت سے کسی آدمی کا کلام اور آدمیوں میں خود پیغمبر صاحب بھی داخل ہیں لگا نہیں کھاتا۔ فصاحت بلاغت کے اکثر مسائل بھی منضبط ہیں مگر زیادہ تر میں اس کو وجدانی خیال کرتا ہوں یعنی اگر کوئی خاص آیت لے کر مجھ سے پوچھو کہ اس میں کیا فصاحت ہے تو میں نہیں بیان کرسکوں گا۔ اور آیت تو آیت میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اُردو کے ایک شعر یا ایک مصرعہ کی نسبت بھی ایسا دعویٰ کرسکے لیکن میں نے سینکڑوں دفعہ قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے اور دوسروں کے کلام پر میری نظر بہت تو نہیں تو خیر ایسی بہت کم بھی نہیں۔ پس میرا پکا استدلالی عقیدہ ہے کہ قرآن کلام بشر تو نہیں اور دوسرے بشر تو کس گنتی میں ہیں اُن کا بھی کلام نہیں جن کی زبان سے نکلا یعنی پیغمبر صاحب۔ اور ہم کو مخبر صادق نے جس کی صداقت اور راستی اور دیانت کے سینکڑوں نہیں ہزاروں شواہد موجود ہیں ہم سے کہا کہ میں قرآن اپنے دل سے بنا کر نہیں کہتا بلکہ مجھ سے خدا کہلواتا ہے پس ہم نے یقین کرلیا اور میں نہیں جانتا کہ یقین کرنے میں اب کون سی حالت منتظرہ باقی رہ گئی کہ قرآن ضرور خدا کا کلام ہے۔ جتنے قسم کے معجزات پیغمبروں سے سرزد ہوئے بعد الوقوع واقعات تاریخی ہوتے گئے یعنی مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابراے اکمہ[1] و ابرص[2] اور احیاے موتیٰ کیا تو اب یہ واقعہ تاریخی ہے۔ ہم نے تو اُن کو بیماروں کو چنگا کرتے مردوں کو جلاتے دیکھا نہیں۔ ہم کو تحقیق کرنا پڑے گا کس نے دیکھا اور کس نے روایت کی اور روایت کہاں تک قابل تسلیم ہے۔ شہادت کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی شہادت کی زمان اور مکان دونوں کے اعتبار سے ایک حد ہوتی ہے کیا تم خیال کرتے ہو کہ چین کی عملداری میں سچ بولنے والے

[1] کور مادر زاد ۱۲ [2] کوڑھی ۱۲

نہیں تھے یا اب نہیں۔ تھے اور ہیں۔ لیکن چونکہ ہم اُن سے واقف نہیں۔ ان کے نام تک ہم سے صحیح طور پر پورے نہیں جاتے۔ ہم اُن کی شہادت کو جھٹلا تو نہیں سکتے مگر ہمارے دل کو پورا اطمینان بھی نہیں ہوتا۔ یہی حال ہو واقعات کا باعتبار زمانے کے۔ ہمارے ہندوستان ہی کی تاریخ میں بہت سے واقعات ایسے مرقوم ہیں جن کے مقابلے میں ۱۸۵۷ء کے غدر کی کچھ بھی وقعت اور حقیقت نہیں لیکن ازبسکہ غدر جدید العہد ہو ایک واقعہ معلوم ہوتا ہو اور پرانے واقعات اس کے سامنے قصے کہانی۔ تو اس سے کیا نتیجہ نکلا کہ انبیائے سابقین کے کل معجزات واقع تو ضرور ہوئے۔ مگر ہماری نظر میں مرورِ زمانے کی وجہ سے افسانہ ہو گئے۔ یہ پیغمبر صاحب آخر الزمان کی خصوصیت تھی منجملہ دوسری خصوصیات کے کہ ان کو قرآن کا ایسا معجزہ ملا جو ابد الآباد تک ہر وقت اور ہر جگہ تازہ اور مؤثر ہی۔ مجھ کو حقیقت میں بڑی ہی ہنسی آتی ہو جب میں قرآن کی فصاحت میں بحث کرتے سنتا ہوں ایسے لوگوں کو جو عبارت عربی کے اعراب بھی درست نہیں پڑھ سکتے اور رونا آتا ہو اُن پر جو مسلمان ہو کر کوئی تو کہتا ہو کہ قرآن کی ترتیب ٹھیک نہیں اور کوئی نماز سے الفاظِ قرآن کے خارج کیئے جانے کی کوشش کر رہا ہو اور اتنا نہیں سمجھتا کہ جن چیزوں پر اسلام کو فخر ہو اُن کی لمبی فہرست کے سرے پر قرآن ہو۔ بالفاظہ وعبارتہ وترتیبہ۔ خدا نہ کرے کہ مسلمان اس فخر سے محروم ہوں اور وہ زمانہ آئے کہ جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہو کہ لوگ الحمدُ اور الحمدُ میں اختلاف کریں گے۔ پس مسٹر گاڈ فری کے رفارمر قرآن کے پیچھے کیا پڑے ہیں گویا اسی وقت کے لیئے مستعجل ہیں۔

اب ہم کفار کے اس اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کہا کرتے تھے اَئِنَّا لَتَارِكُوا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ترجمہ کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے۔ اس میں دو باتیں ہیں۔ شاعر اور مجنون۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ حضرت نے تمام عمر کبھی شعر نہیں کہا۔ بلکہ شعر اور شاعری دونوں کی باعلان تمام مذمت کی اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۙ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۙ ترجمہ شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ[1] ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ جو شخص

---

[1] جوش بے راہ ۱۲۔

جو شخص کسی کام کی بُرائی بیان کرے خود اُس کا مرتکب ہو۔ اور خود یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ کا مصداق بنے۔ پیغمبر صاحب صلعم کو میرے اور اپنے اوپر قیاس مت کرو کہ دن بھر بکواس کرتے رہتے ہیں اور سوائے کراماً کاتبین کے بلکہ کراماً کاتبین میں سے بھی سوائے کاتب دست چپ کے اور کسی کو ہماری بکواس کی پروا نہیں ہوتی۔ پیغمبر صاحب صلعم کا تو حال یہ تھا کہ ایک لفظ مونہ سے نکلا اور سینکڑوں ہزاروں دلوں میں لکھا گیا۔ اگر شعر ہوتا تو لوگ اس کو یاد کر لیتے۔ حضرتؐ کے رجز احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً اَنَا اَبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب لیکن شعر کہا ہی نہ ہو تو کیوں کر کوئی آپ شعر کہہ کر پیغمبر صاحب کی طرف منسوب کرے اور وعید (مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ترجمہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم ٹھہرائے) کا مورد بن جائے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ پیغمبر صاحب صلعم شعر کہہ نہیں سکتے تھے یا کہہ تو سکتے تھے۔ مگر برا سمجھ کر کہا نہیں ان دونوں میں شق صحیح یہی ہے کہ شعر کہنے سے عاجز تھے اور یہی عجز ان کی رسالت کی دلیل قوی ہے۔ اصحابؓ تو استفادہ اور محبت کی وجہ سے بھی ہر وقت پیغمبرؐ کو گھیرے رہتے تھے۔ واب مجلس نبوی کے لحاظ سے ہر طرح کے مذکور رہا کرتے کبھی کسی کے مُنہ سے بے ساختہ کوئی شعر بھی نکل جاتا کیوں کہ شعر تو ان لوگوں کا گویا تکیہ کلام تھا۔ تو جناب پیغمبر صاحب اس طرح کے اشعار پسند فرماتے ؎

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ[1]	وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ[2]

اس کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کرتے اور آپ خود بھی دُہراتے۔ لیکن از بسکہ طبیعت واقع ہوئی تھی ناموزوں پڑھنے میں وزن فوت ہو جاتا مثلاً اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ کی جگہ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ سِوَی اللّٰہِ بَاطِلٌ نکل جاتا تو حضرت ابوبکرؓ پر اس کا عجیب اثر ہوتا تھا عرض کرتے بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ[3]۔

اور سچ بھی تو ہے کہ جو شخص ایک مصرعہ تک تو موزوں نہ پڑھ سکے شاعری کیا جانے۔ اور بڑی حیرت کی

---

[1] اللہ کے سوائے کل چیزیں باطل ہیں ۱۲ [2] اور ہر ایک نعمت البتہ زائل ہونے والی ہے ۱۲ [3] آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ رسول خدا کے ہیں ۱۲۔

بات ہی کہ نہ شعر کہہ سکے نہ شعر موزوں پڑھ سکے اور قرآن جیسے کلام فصیح و بلیغ سے تکلّم ہو۔ اس حیرت کو اس کے سوا اور کوئی تاویل دفع کر ہی نہیں سکتی کہ قرآن کو کلامِ خدا مانا جائے۔ اب ایک بات یہ ہی کہ جو شخص عربی نہ جانتا ہو اُس کو کس طرح تسکین ہو کہ قرآن کلامِ خدا ہی۔ اس کا صرف ایک یہی جواب ہی کہ اُس کو چاہئیے خود استعداد عربی پیدا کرے۔ یا عربی دانوں کے کہنے پر یقین لائے۔ جیسے ہم سنیں کہ فلاں حکیم کوری چشم کا حکمی علاج کرتا ہی اور کوئی شخص اس کو باور نہ کرتا ہو تو اُس سے کہا جائے گا کہ بھائی اندھا بن کر آ اور امتحان کر یا دوسرے اندھے جن کو حکیم نے بینا کیا ہی اُن کا کہا مان اور نہیں مانتا تو جا اپنا سر کھا۔

اعتراضات کفار میں سے اب ایک اعتراض اور رہ گیا۔ مجنون۔ اور جنہوں نے صرع کا مرض تجویز کیا۔ وہ بھی ایک قسم کا جنون ہی۔ اگرچہ مطلق نہیں خدا اور خدا کے رسول سے بہتر کس کا مقدور ہی کہ جواب دے سکے خدا نے پیغمبر صاحب صلعم کو یہ جواب تعلیم کیا قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ ترجمہ تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اُٹھ کھڑے ہو اللہ کے کام پر دو دو ایک ایک پھر دھیان کرو اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔

واقع میں عجیب طرح کی از خود رفتگی تھی کہ اس حالت از خود رفتگی میں ایسا کلام سرزد ہوتا تھا متین مہذب معقول۔ مدلل۔ جامع فصیح و بلیغ۔ موثر۔ جس نے ایک عالم کے ہوش درست کر دیئے۔

ایک حکایت مشہور ہی کہ ایک مرزا نے کسی جاٹ سے ہنسی کی کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ۔ جاٹ یہ کلام مقفّٰی سُن کر بہت بھنّایا۔ اور آپ کو جواب سوجھا تو یہ کہ مغل بے مغل تیرے سر پہ کولہو۔ مرزا نے کہا کہ بھئی تُک سے تک نہ ملی۔ تو جاٹ کیا کہتا ہی بلا سے بوجھ سے تو مرو گے۔ بجنسہٖ یہی حال تھا کفار کے اعتراضات کا جناب پیغمبر صاحبؐ کی نسبت ایذا دہی کے لیئے جو جی میں آیا آئیں بائیں شائیں بک دیا اُس وقت کے لوگ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جزو کل حالات سے آگاہ تھے۔ بیہودہ اعتراضات سُن کر اُن کی عقیدتیں زیادہ تر راسخ ہوتی جاتی تھیں۔

اب ہمارے زمانے میں وہی پُرانے دقیانوسی اعتراضات ہیں یا شاید کسی کا پیرایہ بدلا ہوا ہو مگر لوگوں کو پیغمبر صاحب صلعم کے حالات اسلام کی حقیقت اور ہسٹری[1] سے پوری پوری آگہی نہیں ہو دے سے

[1] تاریخی حالات۔

ہو وا اعتراض سنا اور لڑکھڑائے مشکل یہ آکر پڑی ہی کہ نہ تو لوگوں کے موتھہ بند کیئے جاسکتے ہیں کہ اعتراض نکریں اور نہ اعتراضات کے سننے سے تحرز ممکن ہی۔ ہم کو دنیاوی ضرورتیں دوسرے مذہب والوں کے ساتھ اختلاط رکھنے پر مجبور کرتی ہیں لوگ واقف نہیں کہ صحبت ناموافق دین پر کیسا بُرا اثر کرتی ہی۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوتا ہی کہ انسان میں جو ایک صفت تسلیم کی ہی اور جس کا ہونا خصوصاً دین کے لیئے ناگزیر ہی اگر زائل نہیں ہو جاتی تو ضعیف ہو جانے میں شک بھی نہیں۔ دل ہر بات کے لیئے دلیل مانگنے لگتا ہی۔ حضرت ابوبکر صدیق کی ایک حکایت منقول ہی کہ جب پیغمبر صاحب نے اپنا معراج پر جانا بیان کیا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے تصدیق کی کسی نے پوچھا کہ تم نے ایسے عجیب معاملے کو جلدی سے کیوں کر باور کر لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا اس واسطے کہ پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے کا ایسا یقین تھا کہ ان کو دوسری دلیل کا انتظار نہیں ہوتا تھا۔ حضرت علی رضہ فرماتے ہیں لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّاىِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ وَلٰكِنْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ اَعْلَاهُ فَاَمْسَحُ كَذٰلِكَ ترجمہ اگر دین راے سے ہوتا تو موزے کے نیچے کی طرف مسح کرنا اولی تھا۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہی کہ آپ اوپر کی طرف مسح کرتے تھے پس اسی طرح میں کرتا ہوں۔

عبد اللہ بن عمر صحابی کا ایک بیٹا تھا بلال۔ عبد اللہ نے اُس کے روبرو مذکور کیا کہ پیغمبر صاحب صلعم فرماتے تھے لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُمْ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ ترجمہ اپنی عورتوں کے حصّوں کو مسجدوں سے نہ روکو یعنی ان کو مسجدوں میں آنے کے ثواب سے نہ روکو۔ اس پر بلال بول اُٹھا وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ ترجمہ خدا کی قسم اُن کو روکیں گے ابھی بلال پوری بات بھی نہ کہنے پایا تھا کہ عبد اللہ نے اُس کو بڑی موٹی سی گالی دے کر کہا کہ میں قولِ رسول نقل کرتا ہوں اور تو اُس کے خلاف کہتا ہی جا میں نے تجھ کو فرزندی سے عاق کیا پھر ساری عمر اُس سے بات تک نہ کی۔

ایک حدیث ایسی بھی نظر سے گزری کہ کوئی صحابی اگلے وقتوں کی سُنی سُنائی ایک حکایت پیغمبر صاحب صلعم کے روبرو بیان کر رہے تھے اس میں کہیں مذکور آگیا کہ بیل بولا حاضرین میں سے ایک شخص نے

کہا کہ بھلا کہیں بیل بھی بولے ہیں۔ یہ سُن کر پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا کہ تجھ کو بیل کا بولنا عجیب معلوم ہوتا ہی۔ مگر میں خدا اور اُس کی قدرت پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ بھی خیر سکون نفس کے یہ تو بڑے اعلیٰ مدارج ہیں ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتے۔ مگر آدمی کو ایسا شکی بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ عقل کے بدن ٹکڑا ہی نہ توڑے دنیا اور دین دونوں میں عجیب طور کا نازک تعلق ہی ؎

دنیا خواہی و دین ہمے طلبی ۔ ایں نازبچشانہ پدر باید کرد
ہم خدا خواہی و ہم دنیاے دوں ۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے مقولات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ دنیا اور دین ضد یکدگر ہیں۔ اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ ترجمہ ضدین جمع نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر دنیا اور دین ضد یکدگر ہوں تو ہم کو دنیا میں پیدا کرنا اور پھر کہنا کہ دین دار بن کر رہو طلبِ محال ہوا۔ یا بعبارتِ دیگر ظلم اور خدا ظلم سے پاک ہی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ ترجمہ اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا پر لوگ اپنا آپ بُرا کرتے ہیں ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ۔ باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

لیکن جن مقولات سے دنیا اور دین کا ضد یکدگر ہونا ظاہر ہوتا ہی وہ بھی بڑے دین داروں کے مقولے ہیں پس کوئی وجہ تفریق پیدا کرنی ہوگی وہ یہ ہی کہ حقیقت میں دنیا کو خادم دین بنا کر رکھنا ہی یعنی چاہیئے کہ مقصود اصلی دین ہو اور دنیا اُس کی تابع جیسے سودے کے ساتھ رونگن۔ مثلاً غنی کہ اگر کوئی شخص مال چاہتا ہی۔ تن آسانی کے لیئے غرور و حشمت کے لیئے تو ایسا مال جی کا جنجال ہی اور عاقبت کا وبال۔ اور اگر کوئی مال کا خواستگار ہی اس غرض سے کہ بوجہ مشروع خود بھی اس سے متمتع ہو اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہونچائے تو ایسا ہی مال کے حق میں مولانا ے روم فرماتے ہیں ؎

مال را گر بہر دیں باشی حمول ۔ نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ گفتش رسول

غرض مدارِ کار نیّت پر ہی اور نیت کا فاعل مختار ہی بندہ۔ مگر دنیا کے موجباتِ ترغیب اِس کو دین کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے ورنہ دنیا اور مافیہا سب دین ہی۔ اگر نیت درست ہو۔ تو جن لوگوں نے انسان کے

ضعف پر نظر کی اُنھوں نے مشکل کو محال سمجھ کر حکم لگا دیا کہ دنیا اور دین ضد یکدیگر ہیں۔ دنیا کو چاہو عموماً دشمنِ دین ٹھہرالو مگر دنیا اگر دین کی دشمن ہو بھی تو ایسی دشمن کہ بدون دنیا کی مدد کے نہ دین کی رونق ہو سکتی ہو نہ ترقی نہ وقعت ؎

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو
ایثار و بذل وجود و تحقق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مُنہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
مصدر رہی جب نہیں ہو تو مشتق کہاں سے ہو

ہندوستان میں اسلام کے سوائے جتنے دین ہیں سب میں اگر کچھ لحاظ کے قابل ہو تو عیسائیت ہو کچھ آج سے نہیں بلکہ شروع سے اسلام نے عیسائیوں کا اہلِ کتاب ہونا تسلیم کیا اور جو باتیں اُن میں قابلِ مدح تھیں اُن کی داد دی۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ترجمہ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود کو اور شریک کرنے والوں کو۔ اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس واسطے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں۔ اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب سُنیں جو اُترا رسول پر تو دیکھے اُن کی آنکھیں اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس پر جو پہچانے بات حق۔ کہتے ہیں اے ربّ ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو پہونچا ہم پاس حق۔ اور ہم کو توقع ہو کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ پھر اُن کو بدلا دیا اُن کے رب نے اُس کہنے پر باغ۔ نیچے اُن کے بہتی نہریں

رہا کریں اُن میں اور یہ ہی بدلا نیکی کرنے والوں کا۔

اسلام نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جناب مسیح علیہ السلام کو یہود کے نالائق حملوں سے بچایا۔
اب انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہی۔ احسان فراموش کہ ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑی ہی۔
انہی کی سُنی سنائی دوسرے لوگ بھی دُھرا دیتے ہیں جن کے پاس گھر کی جمع پونجی خاک پتھر نہیں ۔
ہم کو عیسائیوں کے مقابلے میں چند در چند مشکلیں واقع ہیں سب سے بڑی مشکل تو یہ ہی کہ عیسائی ہمارے
پیغمبر صاحب کو جو اُن کا جی چاہے کہیں ہم جناب مسیح علیہ السلام یا اُن کی والدہ یا انجیل کی مذمت کا کوئی
کلمہ منہ سے نکالیں سیدھے جہنم میں چلے جائیں ہاں نکٹوں کے ڈر سے اپنی ناک کٹاے اور تھوڑی دیر کے لیئے
یہود بن جاے تب کہیں جا کر عیسائیوں سے برسر آئے۔ دوسری مشکل جو ہم کو عیسائیوں کے مقابلے
میں اس وقت درپیش ہی یہ ہی کہ زمانہ اس وقت عیسائیوں کا مساعد ہی۔ لیاقت۔ دولت حکومت
یعنی دنیا بِحَذَافِیرِھَا خدا نے اِن لوگوں کو دے رکھی ہی ع

ہر کہ پا پنج روز نوبتِ اوست

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ترجمہ ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں ۔
یہ ایک بڑی دلیل اُن کے قصوروں [1] کی ہی ہر شخص جان نہیں سکتا کہ دنیا سے دین کو کہاں تک
تائید پہونچتی ہی اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ ترجمہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر ہوتے ہیں۔ لوگ
مُنہ سے نہیں کہتے اور کہہ نہیں سکتے۔ مگر انسان کا دل ہی خدا نے ایسا بنایا ہی کہ جس کو اپنے سے
برتر اور بہتر حالت میں دیکھتا ہی۔ اس کی ساری اداؤں کو پسند کرنے لگتا ہی۔ یہ سچ ہی کہ انگریز مذہب
میں حکومت سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ لیکن بے چاہے جو ایک مطلب حاصل ہو تو
چاہنے کی کیا ضرورت ہی۔ جیسے ایک کاشتکار کا کھیت نہر کے کنارے نشیب میں واقع ہی وہ اگر
نہر سے پانی نہ بھی لے تاہم نہر اس کو فائدہ پہونچا رہی ہی۔ اور شاید اسی اصول کے مطابق ایک فاصلہ
خاص تک اُن لوگوں کو پانی کا محصول دینا پڑتا ہی جن کی زمین اطراف نہر میں واقع ہی پانی لیں نہ لیں

[1] تمام پہلوؤں سے ۱۲ [2] حق میں ۱۲

لیکن یہ ساری خارجی قوتیں ایک طرف اور نفس مذہب کا ضعف داخلی ایک طرف مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ترجمہ کہاوت اُن لوگوں کی جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو حمایتی بنایا مکڑی کی کہاوت جیسی ہے کہ بنا لیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بوداسو مکڑی کا گھر۔ کسی مذہب کا پابند ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھنا بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔ جو شخص شیشے کا گھر رکھتا ہو اُس کو دوسرے گھروں پر ڈھیلے پھینکنے کیا مناسب ہیں ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

اگر کسی نے پتھر کھینچ مارا تو سارا ڈھوڈا چکنا چور ہو کر رہ جائے گا۔ مگر یوں کہو کہ جن پر ڈھیلے پھینکے جاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ ڈھیلے پھینکنے والوں کا گھر کانچ کا ہے۔ یا جب گھر پر ڈھیلا آتا ہے تو جواب دینے کے لیئے پتھر ہاتھ نہیں آتا۔ احمقوں کو تدبیر بھی سوجھتی ہے تو یہ کہ چلو بھائی گھر چھوڑ چھاڑ کر کلوخ اندازوں کے محلے ہی میں چل بسیں۔ میں نہیں کھڑا ہوا فی مقامی ہذا اس غرض سے کہ اسلام پر جو جو اعتراض لوگ کرتے آئے اور کرتے ہیں ان کے سب جواب دوں یہ کام نہ ایک دن کا ہے نہ ایک ہفتے کا نہ ایک مہینے کا نہ ایک برس کا۔ بلکہ برسوں کا۔ اور اس کے لیئے ایک علم جداگانہ مدوّن ہے علم کلام۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں اس علم سے کسی قدر بدعقیدہ ہوں کسی ایک مذہب کا نشان دو جس کو مباحثے اور مناظرے نے معدوم کر دیا ہو اگر ساری عمر ڈھونڈا کرو ایسا مذہب نہیں پاؤ گے جب بُت پرستی جیسی چیز کسی کے کہنے سے دُور نہ ہو سکی تو کسی مذہب کے درپے ہونا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ لوگوں کو تبدیل مذہب کرتے ہوئے سُن کر میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ جیسے ستوں کسی شخص نے فرض کرو چند لوٹے پانی مثلاً دریائے راوی سے لے کر چناب میں ڈال دیا۔ اس سے نہ راوی پایاب ہو گیا اور نہ چناب میں کچھ غیر معمولی طغیانی آگئی۔ بات یہ ہے کہ مذہب فی نفسہ چیز ہی ایسی ہے کہ جس میں من سمجھوتی کو بہت بڑا دخل ہے اور اختلاف رائے کا حال یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص نہایت سچے دل سے اچھا سمجھتا ہے اور دوسرا اُسی چیز کو اسی طرح نہایت سچے دل سے بُرا سمجھتا ہے سنے اس مطلب کو کیسی اچھی طرح ادا کیا ہے ۔

یکے جہود و مسلمان مناظرہ کردند　　چناں کہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
یہود گفت بتوریت مے خورم سوگند　　وگر دروغ بود ہمچو تو مسلمانم
بطیرہ گفت مسلمان کہ گر مقالت من　　صحیح نیست خدایا جہود میرانم
گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد　　بخود گمان نبرد ہیچکس کہ نادانم

میں اس اختلاف رائے کو بھی آیات اللہ میں سے خیال کرتا ہوں جیسے وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ترجمہ تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا بھی اللہ کے آیات میں سے ہے۔ اور جب اختلاف رائے آیت اللہ ٹھہرا تو اس کے مٹنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا چنانچہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ ترجمہ اگر چاہتا اللہ لوگوں کو ایک طریق (دین) پر بناتا (لیکن ایسا نہیں بنایا) وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے۔ مگر جن پر تیرا رب رحم کرے لِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ صاف بتا رہا ہے کہ اختلاف مذاہب خلق انسان کی علت غائی ہے اور منظور یہ ہے کہ لوگ اختلاف کریں اور خدا کو ان لوگوں پر رحمت نازل کرنے کا موقع ملے جو صراطِ مستقیم سے متزلزل نہ ہوں۔ اگر عقل کو اس کی حد سے متجاوز نہ ہونے دو اور اس کو وہیں تک مذہب میں دخل دو جہاں تک اس کی رسائی ہے تو تم خدا کے بندے ہو۔ یقین کر کے ماننا کہ جملہ مذاہب میں اسلام سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ بے شک اسلام میں لوگوں کی غلط فہمی یا افراط و تفریط یا تعصب کی وجہ سے بعض اوپری باتیں بھی داخل ہو گئی ہیں اور کوئی مذہب ایسے تصرفات سے بچا ہوا نہیں۔ اور بہت سی باتیں ظاہر ہیں تو خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر فی الحقیقت ان میں مساغ عقل نہیں لیکن تاہم اسلام کے اصول ایسے عمدہ اور معقول اور سلیس ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب ان سے لگا نہیں کھاتا۔ دین کی ساری عمارت اس ایک ستون پر کھڑی ہے خدا ایک ہے۔ جہاں کہیں اس ستون کو ڈگمگایا ہوا پاؤ۔ پس سمجھ لو کہ تمام عمارت بے بنیاد ہے عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ بِہٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ ترجمہ ڈھینے والی کھائی کے کنارے پر پھر اسی کو لے کر گر پڑا دوزخ کی آگ میں۔ یہی ستون لڑکھڑا اٹھا تھا۔ مشرک تو مشرک جن کو موحد ہونے کا دعویٰ تھا

جیسے یہود و نصاریٰ۔ انھوں نے بھی توحید کی مٹی پلید کر رکھی تھی۔ اسی ستون کو محکم اور مضبوط اور استوار اور پائدار کرنے کے لیے پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوئے۔ خدا اور بندے میں باپ بیٹے کا رشتہ بھان متی کا تماشا ایک تین اور تین ایک جو از روے اصول ہندسہ بداہۃً باطل وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ترجمہ اور یہود نے کہا عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے مُنہ سے ریس کرنے لگے اگلے منکروں کی بات کی مار ڈالے اِن کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں ٹھہراتے ہیں اپنے عالم اور درویشوں کو خدا اور اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو اور حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوا وہ پاک ہو اِن کے شریک بنانے سے۔

چونکہ خدا ازلی ابدی ہو اُس کا دین مقبول بھی ازلی ابدی ہونا چاہیے۔ اسلام نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ نئی چیز لے کر آیا۔ اور اگر ایسا دعویٰ کرتا تو وہ دعویٰ ہی اُس کی تکذیب کرتا۔ ہم مسلمان جن ادیان کا منزّل من اللہ ہونا مانتے ہیں اُن میں فرق اگر ہی تو جزئیات اور فروع کا نہ کلیات اور اصول کا۔ میں نے کلیات اور اصول ہی کے اعتبار سے کہا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں لایا اور کلیات اور اصول ہی کے اعتبار سے جا بجا قرآن میں پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا ہی مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ترجمہ سچا کرنے والا جو اُس کے آگے ہی لیکن اگر اہل کتاب ہم سے اصول میں اختلاف کریں جیسا کر رہے ہیں تو اسلام ہرگز اُن کا مصدّق نہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہو کہ جتنے پیغمبر خدا نے بھیجے سب بلا اختلاف و بلا استثنا توحید کو تسلیم کرتے آئے یہ پیغمبروں کا نہیں بلکہ اُن کی اُمتوں کا قصور ہو کہ توحید کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

دین میں جو عقلی باتیں ہیں اُن میں سب سے پہلے اور سب کا مدار علیہ توحید ہی۔ جب تثلیث کہ وہ بھی شرک ہو خلافِ عقل زبردستی ہمارے دل میں اُتاری جائے تو اُس کے صاف یہ معنی ہوں گے کہ عقل کو دین میں دخل نہیں پھر آدمی مکلّف کیوں کر ٹھہر سکتا ہی حقیقت میں ہم کو سخت حیرت ہوتی ہی کہ

معتقد تثلیث ہوکر عیسائیوں کو دوسرے مذاہب پر اگرچہ شرک و بت پرستی ہی کیوں نہ ہو اعتراض کرنے کی کیوں کر جرأت ہوتی ہے۔ میں دیر سے چاہتا ہوں کہ لکچر کو تمام کردوں۔ مگر لوگوں کی کوئی نہ کوئی جلی کٹی بات یاد آجاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یاد آئے پیچھے چپ رہنا مشکل۔ کہتے ہیں پیغمبر کی آنے کی ضرورت دکھاؤ۔ کیوں کہ جھوٹ بولنا برا ہے اور سچ بولنا اچھا ہے یہ اور اس طرح اور اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَبًا عَنۡ جَدٍّ ترجمہ پہلوں کی کہانیاں بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں۔ پھر یہ دکھاؤ کہ ایسی ضرورتیں آگے کے لیئے بند ہوگئیں کیوں کہ مسلمان اپنے پیغمبر صاحب کو نہ صرف پیغمبر مانتے ہیں۔ بلکہ ختم المرسلین بھی حالاں کہ بجنسہ وہی یا ویسے اعتراض خود قرآن میں منقول ہیں مثلاً اُس وقت کے لوگ اعتراض کرتے تھے لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ۔ لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ترجمہ کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے ہم نہ مانیں گے جب تک ہم کو نہ ملے جیسا کہ کچھ پاتے ہیں اللہ کے رسول۔ اِن کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ترجمہ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ جہاں بھیجے اپنے پیغام۔

اس طرح کے خدشات کا پیدا کرنا گویا خدا کو خدائی سکھانا ہے۔ اور اگر ایسے خدشات کا دروازہ کھول دیا جائے تو بیچارے دین کے پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ دنیاوی اُمور میں خدا کو بہت سی صلاحیں بتائی جاسکتی ہیں مثلاً ہم تو معتقد ہیں کہ انسان کی خلقت احسن تقویم کے طور پر واقع ہوئی ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ترجمہ ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز پر۔ بلکہ انسان پر کیا موقوف ہے اَحۡسَنَ كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقَهٗ ترجمہ جو چیز بنائی اچھی بنائی۔ اگر کوئی بد دین کہنا چاہے تو کون اُس کا مونھ بند کرے گا کہ اگر مکھی کی طرح ایک لاکھ آنکھیں انسان کی ہوتیں تو کیا قباحت تھی یا لاکھ نہ سہی کم سے کم گُدی میں دو آنکھیں تو لگا دی ہوتیں کہ گردن پھیر کر دیکھنے کی زحمت سے بچتا۔ اس قسم کی باتیں ہیں جن کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیئے میں کھڑا ہوا ہوں ایسی باتوں سے دین کا استخفاف[5] اور اس کے ساتھ استہزا لازم آتا ہے

---

[5] ٹھٹھا اُڑانا خفیف کرنا ۱۲۔

اور ایسے خیالات کے منجر بکفر ہونے کا خوف ہی۔ پورا پورا علم تو خدا کو ہی لیکن جہاں تک ہماری عقل ناقص کام کرتی ہی اسلام سے دین و مذہب کو بہت ہی بڑے فائدے پہنچے ہیں۔ خدا شناسی سے خداپرستی کس نے سکھائی۔ اسلام نے۔ توحید کو کس نے پاک اور صاف کیا۔ اسلام نے۔ انسان کو شرک اور بت پرستی کی مذلت سے کس نے نکالا۔ اسلام نے۔ انسان کو اشرف المخلوقات تو خدا نے بنایا۔ مگر کس نے اس کو ایسا برتاؤ سکھایا جو اشرف المخلوقات کے لیئے شایاں تھا۔ اسلام نے تم کو یہود اور عیسائیوں کی دینی مشکلات معلوم نہیں۔ مثلاً اُن کے احکام عشرہ پڑھو تو سمجھو کہ وہ احکام ناممکن التعمیل ہونے کی وجہ سے احکام کتابی ہیں۔ اِن سختیوں سے انسان کو کس نے نجات دی۔ اسلام نے یَاْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ترجمہ بتاتا ہی اُن کو نیک کام اور منع کرتا ہی اُن کو بُرے سے اور حلال کرتا ہی اِن کے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہی اُن پر ناپاک اور اُتارتا ہی اُن سے بوجھ ان کے اور پھانسیاں جو اُن پر تھیں۔ انسان کو یہ آسان تدبیر کس نے بتائی۔ کہ وہ آپ اپنا گناہ معاف کرا سکتا ہی۔ اسلام نے۔

یہاں تو مسلمان بھی کان کھڑے کریں گے کہ اپنا گناہ آپ معاف کر لینا کیا معنی۔ سو بھائی یہ لفظوں کا ایر پھیر ہی خدا فرماتا ہی۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ترجمہ اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پہ نہ اس توڑو اللہ کی مہر سے بے شک بخشتا ہی اللہ سب گناہ وہ جو ہی ہی گناہ معاف کرنے والا یہاں ذرا تعمیم پر نظر کرو جملہ اسمیہ مصدرہ بہ اِنَّ الذُّنُوبَ میں الف لام استغراق کا اس پر جَمِيعًا کی تاکید اس پر دوسری تاکید اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ دوسری جگہ فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ ترجمہ وہ وہی ہی جو توبہ قبول کرتا ہی اور برائیوں کو معاف کرتا ہی اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ ترجمہ مجھ کو پکارو میں تم کو جواب دوں گا اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک

پہونچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہی تو چاہیے کہ حکم مانیں میرا اور یقین لاویں مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ترجمہ اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ان سب آیتوں کے ملانے سے کیا نتیجہ نکلتا ہی کہ توبہ کرو خدا قبول کرتا ہی اور توبہ فعل ہی بندے کا اختیاری۔ اب پھر مطلب کا وہی سلسلہ اختیار کرو۔ بہشت و دوزخ کے حالات کس نے ایسے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیئے کہ گویا دونوں کو بچشم سر دکھا دیا اسلام نے۔ ورنہ عیسائیوں میں تو بہشت کے واسطے صرف ایک ہی لفظ تھا۔ خدا کی بادشاہت۔ اس لفظ کے معنی اب بھی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آتے دنیا میں بھی خدا کی بادشاہت ہی یہاں بھی اعتراض کرنے والے نہیں چوکتے۔ بُرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بہشت سے خدا کی تقدس کو بٹا لگتا ہی کتنے مسلمان اس اعتراض کو سُن کر بدعقیدت ہوگئے لیکن میں کہتا ہوں کہ بیشتر برس نیست بہشت میں دنیا کے سے مزے ہوں گے۔ سو دنیا ہی کے پیدا کرنے سے خدا کی تقدس میں کون سا بٹا لگ گیا کہ بہشت کی وجہ سے لگ جاے گا۔ یہ پھر وہی خدا کو خدائی تعلیم کرنے کی بات آئی۔ یعنے خدا نے توالد و تناسل کا جو قاعدہ ٹھہرا رکھا ہی اور جس سے ہر شخص تنگ کرتا ہی اگرچہ علی وجہ الحلال ہی کیوں نہ ہو قابل تبدیل ہی۔ قرآن جیسی کتاب فصیح و بلیغ مواعظ و حکم سے بھری ہوئی دنیا کی اصلاح کی ضامن دین کی فلاح کی متکفل مُوثر دلوں کو مسخر طبیعتوں کو گداز کرنے والی تسکین بخشنے والی۔ امراض روحانی سے شفا دینے والی۔ اہل دنیا کو کس نے عنایت کی۔ اسلام نے۔ معاشرت اور تمدن کے عمدہ ضابطے کس نے ٹھہراے اسلام نے۔ مسلمانوں کے مسئلہ طلاق پر تو اعتراض کیا جاتا ہی۔ اور بدون اس کے کاربرآری ہو نہیں سکتی تو سِوِل سِپریشن[۵] کے نام سے اس کے لیئے مقدمے لڑاے جاتے ہیں۔ جو شفعہ اسلام سے پیدا ہوا۔ اب کوئی قوم نہیں جس نے اس کو اختیار نہ کر لیا ہو۔ بات یہ ہی کہ حضرت موسیٰؑ کی شرع میں احکام ظاہر پر بڑا زور تھا حضرت عیسیٰؑ نے ظاہر سے قطع نظر کی باطن پر توجہ کی یہ خاصہ شرع محمدی ہی کا ہی کہ اس نے ظاہر و باطن دونوں کی درستی کا بیڑا اُٹھایا اور موسوی اور

---

[۵] ایک حکمی طلاق ہی جو عدالت سے حاصل کی جاتی ہی۔ جب مذہب نے عیسائیوں کی مدد نہ کی تو اُنھوں نے یہ طریقہ حاصل کیا کہ عدالت ہی سے تفریق زن و شو کی ڈگری حاصل کرتے ہیں ۱۲

عیسوی شریعتوں کے نقصان کو پورا کیا اور جب کہ ظاہر و باطن کے مجموعے پر انسان کی ہستی کا خاتمہ ہے۔ پس شرع محمدی آپ سے آپ آخری شریعت اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم المرسلین ہوئے ہیں بمعنے ختم رسالت کے۔

تو اے بھائیو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو کی تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ترجمہ اللہ نے چن لیا تمہارے واسطے دین کو پس تم نہ مرو۔ مگر مسلمان ہو کر۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(آٹھواں لیکچر)

مدرسۂ طبیہ دہلی کے پہلے سالانہ جلسے میں ۱۸۹۰ء میں دیا

تمہید

یہ پہلی سالگرہ مدرسۂ طبیہ دہلی کی تھی اور ہندوستانیوں کے ابتدائی جوش میں اس کی مناسبت سے ہجوم بھی تھا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے اس مدرسے کی طرف شروع سے التفات فرمایا ہے اور حسب دستور میر مجلس تھے۔

میں بھی عجیب آدمی ہوں جب مدرسۂ طبیہ کی تجویز درپیش تھی تو بڑے زور سے اس کا مؤید تھا۔ مدرسہ کھلا تو آئندہ کی کامیابی سے مایوس۔ اور آج جو مدرسے کی پہلی سالگرہ ہے حکیم محمد عبد المجید خاں صاحب کو مبارکباد دینے کے لیے موجود۔ بلا سے لوگ مجھ کو زود فریب زود رنج و لاغر اور میری رائے کو متزلزل سمجھیں مگر

مدرسے کو ایسے ایسے اور اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر دھوم دھڑکے کے سینکڑوں ہزاروں سال گرہیں نصیب ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

یہ تو نماز کی آمین نہیں کہ مقلدوں کو عذر ہو۔ سب کے سب پکار کے آمین کہو۔ اگرچہ یہ مدرسہ بحالتہا الموجودۃ ہمارے درد کی دوا نہیں اور ابھی برسوں ہمارے درد کی دوا نہیں ہو سکتا۔ (خدا کرے یہ پیشین گوئی بھی ایسی ہی غلط ثابت ہو جیسی سالگرہ کی) مگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے جو رپورٹ پڑھ کر سنائی میں اُس کو مدرسے کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

الا اب یہ ہی تو راگ آپ سے آپ اچھا ہو گا۔ ایک برس اور ایک بھی پہلا کیا بساط رکھتا ہے۔ کوئی مجھ جیسا بیچارہ ہمت ہارا ایسے اہم کام کا بیڑا اُٹھاتا تو ابھی تک منصوبے ہی سوچا کرتا حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے تو گویا ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دی۔ ایک ہی برس میں مدرسہ جاری بھی ہوا۔ ۷۵ طالب علم بھی اطراف و جوانب سے سمیٹ لیے۔ جماعت بندی بھی کر دی۔ پڑھایا اور امتحان بھی دلوایا اور خاصی کامیابی کے ساتھ دلوایا کہ ۴۷ طلبہ نے امتحان دیا۔ ۲۱ کامیاب جنھوں نے تمغے پائے انعام لیے میں ان طالب العلموں کی حالت پر حسد تو نہیں مگر رشک ضرور کرتا ہوں۔ شرح ملّا اور شرح تہذیب پڑھتا ہوا دہلی کالج میں داخل ہوا تھا۔ یہ حال کا سنٹرل سکول نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے کا کالج جس کا لوہا تمام ہندوستان کی تعلیم گاہیں مانتی تھیں (خدا اُس کو جنت نصیب کرے) نو برس محنت کرتے کرتے ہلاک ہو گیا۔ عمر کے ساری عمر کی تحصیل میں ایک تمغہ نصیب ہوا وہ بھی کورس کی کتاب پر نہیں بلکہ جواب مضمون پر۔ تمغہ غدر میں لُٹ گیا۔ اُس کا ملنا یاد ہے مضمون فراموش۔ شاید شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ کو یاد ہو گا اول تو اُن کا حافظہ ماشاء اللہ قوی ہے۔ دوسرے ہم جماعت ہونے سے طالب العلموں میں ایک طرح کا محاسدہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ محاسدہ محمود ہے جو شوق کو مشتعل اور مشقت کو ہلکا کرتا رہتا ہے۔ تمغہ ملتے ہوئے دیکھ کر انھوں نے مجھ کو ضرور بُری طرح گھورا ہو گا۔ اور اب بھی باوجودیکہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر موجود ہیں بُری طرح گھور رہے ہیں۔ اُن دنوں اگر یہ مدرسہ کھلا ہوتا تو میں بھول کر بھی کالج کی طرف رُخ نہ کرتا کوہ کندن و کاہ برآوردن

مزے سے تمہارے اسی مدرسے میں طب پڑھتا۔ پہلے ہی برس وظیفہ اور انعام اور تمغہ لیتا۔ چار برس
میں فارغ۔ سند لے کر نکلتا تو لوگوں کی تندرستی اور زندگی پر حکمرانی کرتا۔ جو مرتا اُس کا الزام خدا پر اور جو
بچتا میری تشخیص صاحب کا معتقد میری توجہ کا ممنون۔ مجھ کو کالج کی تعلیم سے بہت بڑا فیض پہنچا اسی تعلیم
کے طفیل میں نے بڑی سے بڑی نوکریاں کیں۔ تاہم میں کبھی افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے طبابت
کیوں نہ اختیار کی اگر جم گئی ہوتی تو تین چار نسلوں کے دلدر پار تھے۔ اگلے وقتوں میں اور اگلے وقتوں سے
جالینوس کا زمانہ مراد نہیں بلکہ غدر سے پہلے تک اطبائے یونانی اکثر بالعلاج کرتے تھے اب ڈاکٹروں کی
دیکھا دیکھی لینے لگے ہیں اِلّا ماشاء اللہ مگر ویسی ہیکڑی تو نہیں جو لیتے ہیں بھی عجیب مضائقے کے ساتھ باہزار جان
خواستگار اور اوپرے دل سے انکار۔ من چاہے منڈیا ہلائے وہ ادا بھی دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ اور
میں خیال کرتا ہوں محتاج تعلیم ہے مشق و تمرین[1] نہیں سکتی خدا جانے مدرسۂ طبیہ کے کورس میں ہے یا
نہیں مگر ہونی چاہیئے۔ بہرکیف اے طالب الطب تم نے بڑا شریف فن اختیار کیا ہے ہم خرما و ہم ثواب۔ لیکن کیا
تم سمجھتے ہو کہ مدرسے کی سند حاصل کرنے سے تم طبیب بن بیٹھو گے۔ بڑی سند ہے مقبولیت عند الناس۔ اور
وہ ٹیڑھی کھیر ہے جس کو چاہیئے۔ استعداد غائر۔ استحضار مطالب تفتیش تحقیق حسن اخلاق تسخیر قلوب۔
یہ زمانہ کامپٹشن یعنی منافست کا ہے۔ ظاہر میں یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں نے ہم کو بزور سیف زیر کیا
زوال سلطنت کی وجہ سے ہم لوگ مفلس و محتاج ہو گئے لیکن یہ خیال محض غلط ہے انگریز ہم سے بزور شمشیر
خراج لیتے نہ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ اُن کی بنائی ہوئی چیزیں خواہی نخواہی استعمال کریں مگر یوں کہو کہ انگریز
بزور ہنرمندی ہماری روزی چھینتے چلے جاتے ہیں اس کامپٹشن نے ہندوستانی سبھی چیزوں کو نقصان
پہنچایا اور شاید سب سے زیادہ طب کو۔ اگر اس مدرسے کی اغراض کامل طور پر پوری نہیں کی جائیں گی
تو آیندہ عیسوی صدی کا پہلا ثلث یا غایت درجے نصف نہ گزرنے پائے گا کہ طب یونانی کی وہی گت
ہوگی جو اس کی آیاوید[ک] کی ہوئی۔ نام معلوم مسمّیٰ معدوم۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جن مصیبتوں
سے ہم میں سے اور اسی شہر کے سر سید احمد خاں نے علی گڈھ کالج کھڑا کیا اور کھڑا کیا گیا۔

---

[1] مہارت ۱۲ [2] جنا بخشی۔ مقابلہ ۱۲۔

بڑے میاں کے خیالات کے مطابق تو ابھی بالاخانے کا زینہ تک بھی درست نہیں بہرکیف اُن مصیبتوں کو سر سید ہی کا جی جانتا ہوگا۔ ہم اُن مصیبتوں میں شریک نہیں ہوئے تو دیکھتے تو رہے ہیں۔ اُن مصیبتوں کی وجہ سے میرا دل دُھکڑ پکڑ کرتا تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ آج سارے ہندوستان میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی طبابت کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ضرورتاً بھی اُنھوں نے ایسی اختیار کی ہے کہ دنیا کی دوسری تمام ضرورتیں اسی پر متفرع ہیں۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے اشارہ کرنے کی دیر ہے۔ روپے کے انبار لگ جائیں تو تعجب نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو وہی سر سید کا سا رونا روتے ہوئے هَلْ مِنْ مَزِيْد ہائے چندہ ہائے روپیہ۔ لیکن بُرا ماننے کی بات نہیں فراہمی چندہ میں حکیم صاحب نے سرگرمی تو کی ع

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

اس سے کہ سالانہ رپورٹ میں دُکھڑا رو دیا۔ اکمل الاخبار میں کبھی کبھار چند سطریں لکھ ماریں یا کسی تقریب سے کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور ضمناً مدرسے کا مذکور کر دیا۔ چہ خوش بود کہ بر آید بہ یک کرشمہ دو کار۔ ان بوسہ بہ پیام تدبیروں سے تو نہ چندہ ملا ہے نہ ملے گا۔ صاحب سر سید احمد خاں کی طرح گلے میں فقیروں کی سی جھولی لٹکاؤ۔ کوڑی کوڑی دکان مانگو امیروں کی ڈیوڑھیوں پر دھرنا دو تھیٹر میں کھڑے ہو کر ناچو گاؤ۔ سوانگ بھرو لوگوں سے مکار طماع اور بہت سے چیے فقط سنو اور خبر نہ ہو۔ اپنی ساری طاقت ساری فرصت ساری عافیت ساری دولت ساری عزت غرض ساری دنیا کو وقف مدرسہ کر دو تب بانی مدرسہ ہونے کا نام لو۔ پھر حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں ہنود تو ان کے شریک ہوئے اور نہ ہوں۔ یہ ایک فیصل شدہ بات ہے۔ پس تمام کوشش محدود ہوگی مسلمانوں میں جو من حیث القوم خود فاقہ مست ہے

چاہیئے ہے نقد وافر طب کے فن کے واسطے
ہم قلندر یاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

ذری شعر کے قافیے کو ملاحظہ فرمایئے گا۔ اصل میں تو شیخ ابراہیم ذوق کا مطلع ہے

چاہیئے زر ان بتان سیم تن کے واسطے
ہم قلندر یہاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

بندہ نے سرقہ کیا ہی اقراری مجرم ہوں مگر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ غرض مسلمان مفلسوں سے روپیہ لینا ہی۔ پھول والوں کی سیر کے لیئے نہیں۔ سلطان جی[1] کی سترھویں کے لیئے نہیں۔ میلہ باغ بہاری کے لیئے نہیں۔ کشتیوں کے اکھاڑے کے لیئے نہیں کہ ایسی ضرورتوں کے لیئے ہماری قوم کے بے فکرے مسرف ناعاقبت اندیش قرض وام کرکے کچھ کچھ دے بھی گزرتے بلکہ عامۂ خلائق کی جان اور تندرستی کی حفاظت کے لیئے۔ مسلمانوں میں سر بکف تو بہتیرے نکلیں گے خاص کر گروہ غیر مقلدین میں مگر زر بکف کوئی ایسا ہی اللہ کا ولی ہو تو ہو۔ ع

گر جاں طلبی مضایقہ نیست		زر می طلبی سخن دریں ست

مدرسے کے پراسپکٹس[2] کو دیکھو کہ کیسے مدرسے کی ضرورت ہی اور کس قسم کا مدرسہ اس زمانے میں چل سکتا ہی طبیبوں کو دواشناس دواساز بنانا ہی۔ تشریح سکھانی ہی۔ ویدک ڈاکٹری طب یونانی کو بلا جلا کر نئی طب بنا کر اُس کو رواج دینا ہی۔ یہ باتیں مُنھ سے کہہ دینی آسان ہیں کر دکھانا تو جیسی میں کہتا ہوں ایسا حوصلہ کرنا بھی حکیم عبد المجید خاں صاحب ہی کا کام ہی۔ ابھی تک تمھارا مدرسہ بیش ہزیں نیست کہ وہی پُرانے ڈھرے پر چلنے والا طب یونانی کا سکول مثل ایجیراف سکول ہی وہ تو حُسنِ اتفاق سے چند باتیں جمع ہو گئیں حکیم عبد المجید خاں صاحب پہلے درسِ طب دیتے تھے۔ شاگردوں کی حیثیت بدل دی تینوں بھائی بے تنخواہ کے نوکر مدرس بیٹھے۔ نواب صاحب دوجانہ تاہم رسی سامان کا لی متکفل مصارف ہوے بعض بزرگانِ قوم نے خدا ان کو جزاے خیر دے۔ ماہوار وظیفے مقرر کر دیئے۔ اتنی باتیں جمع ہو جانے سے تو آج یہ چند صورتیں جلسۂ سالانہ کی تقریب سے فراہم ہو گئیں ورنہ جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جو ہم کو کرنا چاہیئے اُس کا تو ابھی شمہ بھی نہیں۔ خیر یہ تو ناامیدی کی سی باتیں ہیں مگر۔ ع

بلبلا مژدۂ بہار بیار		خبر بد ببوم باز گزار

ہمت بڑھانے والی جرأت دلانے والی روداد یہ ہی کہ ریاست رامپور نے جس کی فیاضی خیرات و مبرات میں

---

[1] یعنی سلطان نظام الدین اولیا جن کا مزار سواد شہر دہلی میں ہی ان کے مزار پر ہر سال سترھویں رجب کو عرس ہوتا ہی اس وجہ سے موسوم ہوا ۱۲

[2] دستور العمل ۱۲ [3] چھوٹے پیمانے کا سکول یعنی اسکول بچہ ۱۲

معروف و مشہور ہے۔ پچھتر روپے ماہانہ مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح خاندان بہادر حافظ عبدالکریم صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ رئیس میرٹھ نے تین سو روپیہ سالانہ اور ڈونیشن یعنی یکمشت چندہ ایک ہزار وصول ہو چکا ہے۔ یہ تو موجود ہے اور اسی کے قریب وہ ہے جو موعود ہے۔ مدرسے کی بڑی بہت بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی ولادت ہمیں کوئین وکٹوریا کی ولادت باسعادت کے روز ہوا۔ یہ اتنی تھوڑی فصل کے بعد واقع ہوئی ہے کہ اثر یمن و برکت کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ ہمارے ضلع کے حاکم اکبر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس مدرسے کی طرف اس قدر ملتفت ہیں کہ دوسرا جلسہ اس مدرسے کا ہوا اور دونوں جلسوں کو انھوں نے تشریف آوری سے مشرف فرمایا ہے غالباً صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس مدرسے کو کارِ خیر اور مفید عامۂ خلائق سمجھ کر شریک ہوتے ہوں گے مگر میں ان پر ظاہر کیے دیتا ہوں کہ ایسا کرنے سے نہ صرف مدرسے کو بے انتہا فائدہ پہنچا اور پہنچنے کی امید ہے بلکہ مسلمانوں کے دل ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور یہی وہ بڑا اصلہ ہے جو ان جیسا نیک دل حاکم حاصل کر سکتا ہے۔ اب میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جب تک مدرسے کی حالت میرے خیال کے مطابق اور نہ صرف میرے خیال کے بلکہ اس توقع کے مطابق جو پراسپکٹس میں دلائی گئی درست نہ ہو۔ مجھ سے خوب جی کھول کر بات نہیں کی جاتی مدرسے کو حدِ موضوع لہٗ تک پہنچانے کی آپ کوشش کرو اور اوروں کو توجہ دلاؤ۔ پھر لکچر تو گھر کی کھیتی ہے۔ کتنے لکچر سنو گے یار باقی صحبت باقی۔

(نواں لکچر)

مدرسۂ طبیہ دہلی کے دوسرے سالانہ جلسے میں ۱۸۹۱ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب کے سال ارادہ تھا کہ کوئی شگفتہ سا لکچر دوں گا لیکن ع خوئے بدرا بہانہ ہا بسیار۔

لہٗ جس کے لیے بنایا ۱۲۔

جوں ہی لکچر کا قصد کیا کہ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں صاحب کی افسوسناک اور بے ہنگام موت۔
میں نے رسم دنیا کے مطابق جنرل اعظم الدین خاں کی موت کو بے ہنگام موت کہا۔ ورنہ کوئی موت بے
ہنگام یعنے قبل الوقت یا بعد الوقت ہو ہی نہیں سکتی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم۔ اور اگر کسی موت کو بے ہنگام کہا جاسکتا ہو تو بڑی کثرت سے
قبل الوقت کی موتیں وہ ہیں جو شاید طب یونانی نہیں بلکہ یونانی طبیبوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہیں اور
جن کی تعداد کے گھٹانے بلکہ ہوسکے تو بالکل روک دینے کے لیے حکیم عبد المجید خاں صاحب نے اس
مدرسے کا ڈول ڈالا ہی۔ بے مشقی بھی کیا بُری چیز ہی۔ دو منٹ بات کرتے نہیں گزرے کہ میں لیئن[1] سے باہر
ہوگیا۔ اور تسلسل سخن کے لیے پھر اعادہ کرنا پڑا کہ میں نے امسال کوئی شگفتہ سا لکچر دینے کا ارادہ کیا۔ یاد آگئی
جنرل اعظم الدین خاں کی موت۔ نہیں ہوسکتا کہ مدرسۂ طبیہ کے جلسۂ سالانہ میں لکچر دوں اُس کے بڑے
حامی اور مددگار اور سرپرست اور کیا اور کیا کے اندرون سال مرنے اور مارے جانے کا مذکور نہ کروں۔
اور مذکور کروں تو نہیں ہوسکتا کہ بیان میں شوخی اور شگفتگی کو ننا ہوں۔ میرے اور جنرل اعظم الدین خاں کے
درمیان کبھی کوئی غرض مشترک نہیں رہی۔ میں نے اُن کو اسی جگہ دیکھا اور وہ دیکھنا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ تھا
یعنی فی عمری[2] وعمرہ ایک بار۔ تاہم میں اُن کی وفات پر اظہار افسوس کرتا ہوں۔ اولاً بحیثیتِ ہمدردیِ انسانی۔
ثانیاً بداعیۂ اخوتِ اسلامی ثالثاً بتقاضائے سرپرستیِ مدرسہ۔ ہم لوگوں نے جنرل صاحب کو اپنی کمیٹی کا
پیٹرن[3] بنانا چاہا جس کو انھوں نے غالباً ہضماً للنفس[4] منظور نہ کیا۔ ورنہ آج ہم کو دوسرے پیٹرن کی تلاش
ہوتی۔ اور وہ کون ہوتا ہی یہی فقیر کیوں کہ جب کچھ کرنا نہیں اور کرنے کا سلیقہ نہیں اور حوصلہ بھی نہیں تو جیسا
پیٹرن ویسا ممبر ویسا سکرٹری ویسا اور ہی ننگ سب کچھ ویسا تنگ کچھ نہیں جو کچھ ریاست رامپور
سے ملتا ہی اور میں اپنے مونھ سے کیوں کہوں کہ کیا ملتا ہی کیوں کہ شہر فری عالم بالا معلوم ابھی مقدار بتا دوں
تو کوئی چودھویں صدی کا حاتمی کچھ دیتا بھی تو دینے دینے دست کش ہو جائے کہ او ہو ایک جگہ سے اس قدر
ماہوار آمدنی ہی اور چاہیئے کیا۔ اس میں تو نہ صرف مدرسہ چل سکتا ہی بلکہ عبد المجید خاں اور اُن کے خاندان کو

[1] راہ ۱۲ [2] اپنی زندگی میں اور اُن کی زندگی میں ۱۲ [3] سرپرست ۱۲ [4] بوجہ کم نفسی ۱۲ ۔

مطلب کی ضرورت نہیں اس لئیے کہ عبد المجید خاں سکرٹری ہیں۔ سید ہادی حسین خاں صاحب کو پنشن کی حاجت نہیں کیونکہ پریزیڈنٹ ہیں۔ بہرکیف ریاست رام پور سے جو کچھ ملتا ہی عطیہ ریاست ہی۔ اور سچ تو یہ ہو کہ مجھ کو ٹھیک یاد بھی نہیں کہ کس قدر ملتا ہی۔ یہ میری معلومات ہی اور میں ممبر ہوں۔ میں نہ صرف مدرسۂ طبیہ کی طرف سے غافل ہوں بلکہ بشامتِ اعمال سے علی گڈہ کالج کا بھی ٹرسٹی[۵۱] ہوں اور وہاں بھی میری یہی بلکہ اس سے بدتر کیفیت ہی جس کی پاداش میں سید احمد خاں صاحب میری جان کو کوستے تو بجا تھا اور اُنھوں نے کوسا ہوتا تو اب تک میں کبھی کا مر گیا ہوتا مگر مرا نہیں اس لئیے کہ اُنھوں نے کوسا نہیں اس لئیے کہ کسی مسلمان کو کوسنا گو وہ نیچری نہ ہو اُن کی شان سے نہایت بعید ہی۔ غرض ریاست رام پور جو کچھ ملتا ہی عطیہ ریاست ہی مگر مَنْ لَمْ[۵۲] یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ ہم اس کو احسان مندی کے ساتھ مرحوم جنرل کی مہربانی کی طرف منسوب اور ان کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔ اگر خدا کو مدرسے کا چلانا منظور ہی تو ہماری تقدیر کا کوئی دوسرا جنرل اعظم الدین خاں بلکہ شاید مارشل[۵۳] اعظم الدین خاں پیدا ہو جاے گا ؎

نخواہد این چمن از سرو و لالہ خالی ماند		یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید	

لیکن ہمارے مدرسے کی امداد و اعانت کے اعتبار سے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں تھے قطعہ

فَلَوْ[۵۴] قَبْلَ مَبْکَاھَا بَکَیْتُ صَبَابَۃً		لَسَعُدٰی شَفَیْتُ النَّفْسَ قَبْلَ التَّنَدُّمِ	
وَلٰکِنْ بَکَتْ قَبْلِیْ فَھَیَّجَ لِیَ الْبُکَاءَ		بُکَاھَا فَقُلْتُ الْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ	

غرض اُن کی فضیلت اُن ہی کے ساتھ خاص تھی اور وہ ہماری شکرگزاری کا الاشر[۵۵] شیر لے گیے جس کے

---

۵۱ امانت دار ۱۲ ۵۲ جو آدمیوں کا شکرگزار نہیں ہوتا وہ خدا کا کب شکرگزار ہوگا ۱۲ ۵۳ یہ وہ عہدہ ہی جو جنرل سے بھی بڑا ہوتا ہی ۱۲ ۵۴ شاعر فاختہ کو ایک عاشق قرار دے کر کہتا ہی کہ جس طرح وہ عشق سرو میں روتی ہی۔ اگر میں اپنے معشوقہ سعدی کے عشق میں روتا تو میرے دل کو تسلی ہوتی لیکن اب مجھ کو ندامت ہی کہ وہ مجھ سے پہلے سے روتی ہی اور اُس کے رونے سے مجھ کو بھی تحریک رونے کی ہوتی ہی تو مجھ کو اُس کی فضیلت ماننی پڑتی ہی کیوں کہ وہ موجد ہی اور میں مقلد ۱۲۔

۵۵ بڑا حصہ ۱۲۔

وہ مستحق تھے۔ کیسا مشکل ہو کہ اُن لوگوں سے بات کرنا جو اتنی انگریزی بھی نہیں جانتے جتنی کہ میں۔
اب تم کو لائنز شیر کے معنے سمجھاتا پھروں۔ لائنز شیر کے معنی ہیں شیر کا شیئر یعنے حصہ۔ ابتدی بچوں کے
پڑھنے کی انگریزی کتابیں ریڈر کہلاتی ہیں اُن میں یہ مشہور حکایت چلی آتی ہو کہ ایک بار چار جانوروں نے
شکار میں ساجھا کیا۔ چار جانوروں میں دو تو مشہور شکاری ہیں۔ شیر اور بھیڑیا لومڑی اگرچہ شکاری
نہیں ہو لیکن چوں کہ شکار کی لیس خوردہ خوار ہو۔ عجب نہیں اس نے بھی ساجھا کیا ہو۔ چوتھا جانور۔ ع

چوں یار ہمے برد عزیز است

ہرگز شکاری نہیں اور مجھ کو صاف طور پر اُس کا نام لینے میں تامل ہو۔ کیوں کہ حُسنِ ظن بزرگان معلوم۔
اُس کا نام لیتے وقت جس سے آنکھیں چار ہوں گی وہی بُرا مانے گا کہ مجھ پر آوازہ کسا لیکن حکایت کو
تو پورا کرنا ہو۔ چوتھے شریک کا نام لیئے بدون بَن نہیں پڑتی۔ تو میں اپنی آنکھیں ڈھانک کر کہتا ہوں
کہ وہ چوتھا شریک "گدھا" شرطِ شرکت یہ تھی کہ چاروں مل کر شکار کریں اور برابر بانٹ لیں۔
کسی جانور کو مارا اور بھیڑیئے نے برابر کے چار حصے لگائے۔ سب شرکا نے شیر کو اختیار دیا کہ جو حصہ
چاہے لے۔ شیر نے کہا کہ ایک حصہ تو میں اس دعوی سے لیتا ہوں کہ جنگل کا بادشاہ ہوں اور زیادہ
نہیں تو جنگل کے محاصل سے ایک ربع خراج مجھ کو ملنا چاہیئے۔ دوسرا حصہ از روے عہد و پیمان شرکت
میرا ہو۔ اس میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ تیسرا حصہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیوں کہ اس میں دل اور جگر ہو
جو خاص میری غذا ہو۔ رہا چوتھا حصہ تو حصہ ایک اور حق داتین تو یہ بڑی مشکل تقسیم ہو۔ سب سے زیادہ آسان
بات یہ ہو کہ وہ بھی میں ہی لوں۔ غرض شیر چاروں حصے چٹ کر گیا۔ اور تینوں ساجھی مونہہ تکتے کے تکتے
رہ گئے۔ تو میں نے جو کہا تھا کہ جنرل اعظم الدین خاں ہماری شکر گزاری کا لائنز شیر لے گیے۔ اشارہ
تھا اسی حکایت کی طرف۔ خدا نے دنیا ایسی جگہ بنائی ہو کہ یہاں ملائم اور ناملائم سبھی طرح کے واقعات
پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر یہ چرخہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ بازار میں لڑکے ایک غزل گاتے پھرتے ہیں
اُس کا مطلع تو پھیپھسا ہو مگر اُس کا مطلب وہی ہو جو میں کہنا چاہتا ہوں ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے	چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

اور اسی قبیل سے ہی یہ جلسہ۔ پس اس جلسے کے ہونے کی خوشی ہی تو اسی قدر کہ افتتاح مدرسے پر ایک برس اور گزر گیا۔ لوگوں کے تعلقات مدرسے کے ساتھ مختلف طور کے ہیں جس کا جیسا تعلق ویسے اُس کی خوشی۔ ایک تعلق تو تماشائیوں کا ہی کہ حکیم عبد المجید خاں نے بلاوے کا رقعہ بھیجا بعض مفت کرم داشتن کے طور پر بعض حکیم صاحب کی مروت سے اور بعض تفریح کی غرض سے آموجود ہوئے۔ دیکھا کہ چند بھلے آدمی جمع ہیں۔ مکان کی آراستگی۔ مہمانوں کی آؤ بھگت۔ اور محفل کی ترتیب۔ سب باتیں ویسی ہی ہیں بلکہ اُس سے کہیں بہتر جیسی خوشی کے جلسوں میں ہوا کرتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک بوڑھا کھڑا لکچر دے رہا ہی۔ نہ ناچتا نہ اُس کو ناچنا آتا۔ نہ گاتا نہ اُس کو گانا آتا نہ بتاتا نہ اُس کو بتانا آتا۔ مگر خدا نے اُس کو گویائی دی ہی جس کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا آپ یہ خیال کیجیے گا کہ میں اپنی مدح کرتا ہوں۔ زمانِ حال کی شایستگی کی رو سے ناچنا۔ گانا۔ بتانا۔ داخلِ ہنر و آدابِ تمدن ہی۔ کہتے ہیں کہ رونا اور گانا کس کو نہیں آتا۔ یہاں گانے سے وہ گانا مراد ہی جو اصول کے ساتھ ہو۔ ورنہ یوں تنہائی میں کبھی مزے میں ہوتا ہوں تو میں بھی گنگنا لیا کرتا ہوں۔ غرض جلسے کی پوری خوشی تو اُن لوگوں کا حصہ ہی جو صرف تماشا دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ اب رہی دھوری خوشی اُس میں کئی حصے دار ہیں۔ سب سے اول ہمارے سکرٹری صاحب حکیم عبد المجید خاں فنِ طب کی خیر خواہی اور ذاتی شوق کے جوش میں آکر مدرسے کا بیڑا اُٹھا بیٹھے۔ اب لگیں دقتیں پیش آنے کہ عشق[1] آساں نمود اول ولے اُفتاد مشکلہا ۔ مدرسے کے خبط سے پہلے (حکیم صاحب مجھ کو معاف کریں کیوں کہ میں خبط کو بُرے معنوں میں استعمال نہیں کرتا بلکہ میری مراد ہی عشق وَالْعِشْقُ نَوْعٌ مِنَ الْجُنُوْنِ وَلِلْجُنُوْنِ اَنْوَاعٌ) عبد المجید خاں کیا مِنْ حَیْثِ الْفَنِّ اور کیا مِنْ حَیْثِ التَّعَزُّزْ مرجع خلایق تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ظاہر بیں لوگوں کی نظر میں اُس میں ذرا سا وہن[2] آگیا ہی کہ چندے کے لیے کرنال۔ میرٹھ۔ علی گڈھ پٹنہ تک کے دھاوے مارتے ہیں اور ابھی کیا معلوم یہ مدرسہ اُن کو کہاں کہاں کا آب و دانہ کھلائے گا۔ کس کس کی خوشامد کرائے گا۔ اور کس کس سے کیا کیا سنوائے گا۔ میں نے اپنے

---

[1] عشق بھی ایک قسم کا جنون ہی اور جنوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ [2] کم زوری ۱۲-

کانوں ایک شخص کو کہتے سُنا کہ طبابت کی کچھ عزت تو فلاں مرحوم نے آنریری مجسٹریٹی کرکے کھوئی تھی رہی سہی مدرسہ کھول کر عبدالمجید خاں نے ڈبوئی۔ اللہ اللہ آدمی آدمی ایک اور خیالات کا اس قدر اختلاف ہے

	برخیالے صلح شان و جنگ شان		برخیالے نام شان و ننگ شان	

ایک تو یہ ہیں کہ گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگانے۔ ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سنبھالنے۔ قوم سے اس کا ڈیوٹی ادا کرنے لینے مدرسۂ طبیہ کے قائم کرنے کو توہینِ طبابت خیال کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ سر جان اسٹریچی لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی و مغربی نے علی گڈہ کالج میں لیکچر دیا تھا۔ اُس لیکچر میں ایک بات یہ بھی تھی۔ کہ دنیا میں فخر کے بہت سے ذریعے ہیں۔ ایک جنرل فتح نمایاں کرتا ہو اور وہ فتح اُس کے لیئے ذریعۂ فخر ہی۔ کوئی شخص کسی طرح کی کوئی ایجاد مفید کرتا ہو اور وہ ایجاد اُس کے لیئے ذریعۂ فخر ہو لیکن کوئی فخر بانی کالج کے فخر کو نہیں پاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عبدالمجید خاں کو اپنی کوشش پر ناز کرنے کے لیئے سر جان اسٹریچی کے اس مقولے سے بڑھکر اور کسی سند کی بھی ضرورت ہی۔

مسلمانوں کی کس کس بات کو رو وے گے ان کے تنزل و افلاس کے جہاں اور اسباب ہیں اُن میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہی کہ اصلی اور سچی اور حقیقی عزت کو نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک تمول ہی بڑی عزت ہی گو وہ تمول ہزار بے عزتیوں سے کیوں نہ حاصل کیا گیا ہو اور گو اُس تمول کی غرض و غایت تن آسانی اور نفس پروری کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اپنی مالی حیثیت کو اپنا جنس کی نظر میں واقعی اور نفس الامری حیثیت سے بہت زیادہ کرکے دکھانا چاہتا ہی۔ تاکہ زیادہ از استحقاق اس کی عزت کی جاے۔ اس کے لیئے وہ قرض لیتا ہی جس سے بڑھکر دنیا میں بے عزتی کی کوئی بات نہیں۔ فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کرتا ہی جن کو مفلسی یعنی بے عزتی کی تمہید کہنی چاہیئے محنت کہ جس میں شرعاً و عقلاً کوئی قباحت نہیں عار سمجھتا جب تک بلا ضرورت ایک خدمت گار اس کے پیچھے نہ ہو چل نہیں سکتا۔ گویا وہ بھٹیارے کا ٹٹو ہی اور خدمت گار اُس کا ہانکنے والا باوجودیکہ لنگڑا نہیں لولا نہیں۔ مگر خدا جانے کیوں پاؤں سے کام لیتے ہوئے شرماتا ہی۔ شاید اس کے نزدیک چلنا اور ناچنا ایک ہی چیز ہی۔ جناب پیغمبر خدا صلعم جو دنیا اور دین دونوں کی اعلیٰ ترین عزتوں کے جامع تھے اپنی خانہ دا[illegible] کے سب و[illegible] بے تکلف اپنے

ہاتھوں سے کرتے تھے۔ ہم اُٹھ کر پانی پینے سے بھی جھینپتے ہیں اور اس کی وجہ کسی طرح کی معذوری و
مجبوری نہیں بلکہ کبر و رعونت جس کی نسبت حدیث شریف میں وعید موجود ہی کہ جس کے دل میں بقدر
ایک ذرہ رعونت ہوگی اُس کو جنّت کی ہوا حرام ہی مجھ کو اکثر اتفاق ہوتا ہی کہ کسی دوست کی دکان پر
بیٹھا ہوتا ہوں اور آم وغیرہ کوئی چیز بکنے آئی۔ اور میں نے بھی خریدی۔ اب اُس پوٹلی کو ہاتھ میں لٹکا کر
ترفع اور کبر نفس کی وجہ سے گھر تک لانا مجھ پر بار ہوتا ہی اور نہیں لاسکتا۔ اور اگر آپ لوگ اپنے اپنے نفوس کا
احتساب کیجیے گا تو میں یقین جانتا ہوں کہ اتنے بڑے شہر میں مَیں اکیلا خر دماغ نہیں ہوں۔ میں جب
شروع شروع میں ترکِ خدمت کرکے خانہ نشین ہوا تو مدتوں میرا یہ حال رہا کہ بازار میں پیادہ پا نکلنے سے میری
طبیعت مضایقہ کرتی تھی۔ اگر بازار میں مجھ سے کھڑے ہو کر کوئی بات کرتا تو میں اس کو بڑی بدتہذیبی خیال
کرتا تھا۔ خدمتگار مجکو اس طرح لازم تھا جیسے آدمی کو ہمزاد۔ لیکن میں نے سوچا کہ جس شہر میں مَیں نے
مسافرانہ طالب العلمی کی۔ اُس وقت کے جاننے اور دیکھنے والے ہنوز موجود ہیں۔ صرف اتنی بات کہ میں نے
اتفاق سے بڑی بڑی نوکریاں کیں یا پیاز بیچتے پلّے ہو گئے۔ میرا اس قدر اترانا دلیل کم ظرفی ہی چنانچہ
میں نے اُس رعونت کو کم کیا مجاہدہ[1]۔ یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو سواری بھی دی ہی نوکر بھی دیے ہیں اور
میں اکیلا پیادہ پا جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں مگر نفس میں ابھی اتنی خباثت باقی ہی کہ کوئی چیز لے
چلتے ہوئے شرماتا ہوں۔ عزت کی بحث تو پیغمبر خدا صلعم کے سامنے بھی پیش آچکی ہی۔ کعب بن اشرف
اور اُبی بن سلول وغیرہ چند منافق بڑے مالدار تھے جو تموّل کی وجہ سے مسلمانوں کے گروہ کو حقیر
سمجھتے۔ شاید جنگ اُحد کا مذکور ہی (جبتک کوئی مولوی ہو اور میں غلطی کرتا ہوں تو اصلاح کر دینا) کہ
مسلمانوں اور اُن منافقوں میں کچھ تکرار ہو پڑی اور مجھ کو اُس وقت ٹھیک یاد نہیں کس نے۔ مگر اُبی
یا کعب ان ہی میں سے کسی نے کہا تھا۔ وَلَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ
ذرا مدینے لوٹنے دو جو عزت والا ہی وہ ذلیل کو مدینے سے نکال دے تو سہی۔ اس منافق نے اپنے تئیں اعز
کہا اور اذل سے جناب رسول خدا صلعم کی طرف اشارہ کیا تو خدا منافق کا جواب دیتا ہی وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

---

[1] لے اپنے کوشش و محنت سے ۱۲۔

وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ عزت تو خدا کی ہے اور اُس کے رسول کی اور مومنین کی لیکن منافق اس بات کو کیا جانیں۔ وہ تو مال حرام کے جمع کر لینے ہی کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔

اگر مسلمان اصلی عزت کو سمجھیں اور سادہ و بے تکلف اور جیبت و چالاک دنیدارانہ زندگی بسر کریں تو وہ بہت سی فضولیوں سے بچ سکیں گے جو ایک یقینی طریقہ تمول کے بڑھانے کا ہے اور جب اُن کا تمول زیادہ ہوگا تو ممکن ہے کہ خدا اُن کو مصارفِ خیر کی بھی توفیق دے۔ جن میں ایک بہتر سے بہتر ایک عمدہ سے عمدہ ایک ضروری سے ضروری عبد المجید خاں کا مدرسہ بھی ہے حکیم عبد المجید خاں نے جس کام کا ارادہ کیا ہے۔ وہ سلطنتوں کے بس کا بھی نہیں پھر کس کے بس کا ہے؟ قوم کے۔ اور ہماری قوم ہے کہ اُس کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہیں۔ ہم کردنی اور ناکردنی میں فرق نہیں کرتے۔ جیسا خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ قوم کی مت کچھ ایسی ماری گئی ہے کہ آنکھوں کے آگے شواہد موجود ہیں اور نہیں دیکھتے۔ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پٹ رہا ہے اور نہیں سنتے غرض پورے مصداق ہیں اس آیت کے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ[۱] قوم کو اپنی مجموعی قوت مجموعی طاقت مجموعی استطاعت تک کی خبر نہیں۔ اس واسطے کہ مجموعیت ہی باقی نہیں۔ قوم نہیں جانتی کہ وہی سب کچھ اور اسی میں سب کچھ ہے۔ پنچ مل خدا اور خدا مل پنچ۔ قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن است	ویں عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او	در کنارِ من و من مہجورم

دلوں میں بات بیٹھتی ہی نہیں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ کوئی چیز بنا ممکن اور محال نہیں رہی مگر کرنے والوں کو۔ نہ ہم جیسے کاہلوں اور خود غرضوں کو کہ جس کو دیکھو اپنی ہی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہے۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

[۱] اُن کے دل ہیں جو سمجھنے کا کام نہیں دیتے اور اُن کی آنکھیں جو دیکھنے کا کام نہیں دیتیں۔ اور اُن کے کان ہیں۔ جو سننے کا کام نہیں دیتے یہ لوگ ایسے ہیں جیسے جانور بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ غافل ہیں ۱۲

اُس کے نزدیک دنیا عبارت ہو اُسی کی ذات خاص اور اُس کے معدودے چند لواحق سے وہ اس تعلق ہی سے آگاہ نہیں جو خدائے تعالیٰ نے افرادِ قوم میں رکھا ہو کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا عین اپنے تئیں فائدہ پہنچانا ہو کتنے ہیں جنھوں نے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت کو صمیم[1] قلب سے تسلیم کیا ہو منھ سے کہنے کو سب اور واقع میں میرے نزدیک ہزار میں ایک نہیں آدھا نہیں تہائی نہیں۔ چوتھائی نہیں کسورِ عام نہیں۔ اعشاری نہیں۔ اگر کسورِ عام اور اعشاری کا فرق معلوم ہو تو خیر ورنہ ایک شخص کا نشان دیتا ہوں جن سے بہتر ہمارے شہر میں اس مسئلے کو کوئی نہیں جانتا۔ وہ میرے اُس زمانے کے دوست ہیں جیسا سعدی نے کہا ہو "در ایامِ جوانی چناں کہ افتد دانی" وہ کون ہیں شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب۔ خیر تو مطلب یہ ہو کہ سرے سے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت ہی تسلیم نہیں جلسوں میں شریک ہو جانے اور ممبروں کی فہرست میں نام لکھوا لینے کا بندہ قائل نہیں۔ قومی خیالات کو ہم سے بہتر کوئی کیا سمجھے گا مدرسے کے بارے میں عام خیالات تو یہ ہیں کہ عبد المجید خاں نے اپنی ناموری کے لیے سارا منصوبہ سوچا ہو۔ بعض بعض بدنفس یہ بھی کہتے ہیں کہ اِس حیلے سے لوگوں کو لوٹنا مقصود ہو۔ کیا عبد المجید خاں نہیں جانتے کہ یہ اور اس سے بھی بُری بُری بدگمانیاں اس شہر میں اُن کی نسبت ہو رہی ہیں اور بڑی شناخت اِن خیالات کی یہ ہو کہ اس وقت تک کوئی متنفس کمر باندھ کر اُن کی امداد کے لیے کھڑا نہیں ہوا جس نے جو کچھ کیا وہ متفرع ہو عبد المجید خاں کی وجاہت پر اور بس۔ عبد المجید خاں کے بھائیوں کے علاوہ

	کار برادر ز برادر نکوست		بہ ز برادر نتواں یافت دوست	

شہر کا کوئی طبیب اِن کے ساتھ ہو؟ ایک پیسہ چندے کا ایسا آیا الا ماشاء اللہ جس میں عبد المجید خاں کی ذاتی انفلوئنس[2] کو مدخل نہ ہو؟ نہیں۔ اس کام کی اہمیت[3] کی نظر سے جو سرگرمی پبلک میں ہونی چاہیے اُس کا عشرِ عشیر بھی وقوع میں آیا ہو؟ نہیں۔ تو ایسی روداد پر عبد المجید خاں کو کیا خوشی ہو سکتی ہو اور اسی وجہ سے میں نے اُن کو باوجودیکہ مدرسے کی ہمہ اوست اور ہمہ از وست ہیں ادھوری خوشی کرنے والوں میں گنا

طالب العلموں میں جنھوں نے انعام پائے بلکہ جنھوں نے تری شاباش

---

[1] خلوص دل ۱۲، [2] اقتدار ۱۲، [3] ضرورت ۱۲

پائی وہ بھی اس جلسے کی خوشی کرنے والوں میں سے ہیں لیکن اے طالب العلمو! تم کو سمجھنا چاہیے کہ اگر تم مدرسے سے سند فراغ لے کر نکلے بھی اور خدا کرے کہ کہیں جلد نکلو (کیا تم ڈرے کہ میں تم کو بد دعا دیتا ہوں؟ نہیں نہیں حاشا و کلا نکلو اور کامیابی کے ساتھ نکلو) تاہم اس سے زیادہ سخت مرحلہ تم کو اور پیش آنے والا ہے۔ وہ کیا اُن لوگوں کے دلوں میں اعتماد اور اعتبار پیدا کرنا جن کو تم کو یہاں سے نکل کر اپنی معلومات طبیہ کا تختۂ مشق بناؤ گے۔ سو وہ اعتماد اور اعتبار اس سے تو نہیں پیدا ہوگا کہ تم اپنے تئیں سمجھو کہ ہم منزل علم طے کر چکے ہیں اور ہم کو صرف عمل کرنا باقی ہے۔ میں کہتا ہوں اور میری اس نصیحت کو یاد رکھنا یہ نصیحت کسی طبیب کی نہیں ہے مگر ایک زمانہ دیدہ تجربہ کار کی ہے اور تم نے سُنا ہوگا پیش طبیب مرو پیش تجربہ کار برو۔ کہ تمھاری طالب العلمی اُس وقت سے شروع ہوگی جب تم مستقل مطب لے کر بیٹھو گے۔ اُس وقت تک تم میں اور واقعی طبیب میں ایسا فرق رہے گا جیسا کہ ایک شاطر اور جنرل میں۔ شاطر کے پاس بادشاہ اور وزیر اور اسپ و فیل اور پیادے سب فرضی لشکر ہے اور جنرل کے پاس سچ مچ کے سپاہی۔ تم خیال کرسکتے ہو کہ شاطر کی ہار جیت کو جنرل کی ہار جیت سے کیا مناسبت ہے یوں سمجھو کہ اب تمھارے سامنے ایک کتابی بیمار ہے مفروض جس کا تم علاج کرتے ہو اور مطب سے تم کو ایک واقعی بیمار سے کام پڑے گا۔ جس کی تکلیف تم سے دیکھی نہیں جائے گی۔ بیمار اور بیمار دار تم کو چین لینے نہیں دیں گے۔ وہ وقت ہوگا اصلی غور کرنے اور طبیعت پر بوجھ دینے اور معلومات مدرسے سے مدد لینے کا تم سمجھ سکتے ہو کہ جس زمانہ میں یونانی طب کی تدوین ہوئی تھی تب سے اب تک کیسے کیسے انقلاب واقع ہوئے ہیں آب و ہوا میں۔ لوگوں کی غذاؤں میں طرز و عادات میں۔ دواؤں کی تاثیرات میں۔ نباتات میں۔ حیوانات میں۔ ہر چیز کے مزاج میں۔ انقلابات کے علاوہ ہزاروں نئی دوائیں قرابادین میں بڑھ گئی ہیں۔ تشریح کی تحقیقات نے بے مبالغہ بال کی کھال نکال کر رکھ دی اور کیمیا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ اُس کے فائدوں کے آگے کیمیائے متعارف بے قدر محض ہو گئی ہے۔ وہ وہ آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اُن کے ذریعے سے جو تصرف چاہیں کرسکتے ہیں۔ ارادے کے مطیع خیالات کے منقاد[1]۔ تم کو

---

[1] تابع دار ۱۲۔

طبابت کرنی پڑے گی اِن اختلافات اور انقلابات کے لحاظ سے اور وہ کچھ آسان کام نہیں اگر تم سلیقے سے طبابت کروگے اور تحقیقات اور تجربات کا سلسلہ جاری رکھوگے اور نتیجہ تحقیقات کو اپنے ساتھ قبر میں نہیں لیجانا چاہوگے تو تم طب کو اس قابل کردوگے کہ وہ کچھ دن سنبھلی رہے اور واقع میں یہی اصول ہی اِس مدرسے کے قائم کرنے کا اور اگر تم وہی پُرانی لکیر پیٹتے رہے تو سمجھا جائے گا کہ نہ تو مدرسے کی تعلیم سے مستفید ہوئے اور نہ تم نے مدرسے کا حق ادا کیا از برائے خدا زمانے کا رنگ دیکھو کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا ہی اور کیا ہوتا چلا جاتا ہی۔ تم نے وہ فن اختیار کیا ہی جو پہلے نہایت مشکل تھا اور اب تمھارے لیئے اور زیادہ مشکل ہوگیا ہی طب حضیض ظنیت سے اوج یقینیت کی طرف ترقی کرتی چلی جارہی ہی۔ اب اپنے مونھ میاں مٹھو کہنے سے کام نہیں چلے گا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ نہیں چلے گا۔ ہمارے سارے دنیاوی علوم و فنون اور حرفت اور صنعت انگریزی تفتیش و تلاش کے مقابلے میں ع

ہمچو تیغ پیش آفتاب تموز

ہوگئے۔ کوئی کام باریک سے باریک اور موٹے سے موٹا اور نازک سے نازک اور بھدّے سے بھدّا اور مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان اہل یوروپ کا دیسی کام سے ملاکر دیکھو دونوں میں فرق پاؤگے۔ رکاب دار اور بھٹیاری کا کلاونت او حلوائی کا حکیم عبد المجید خاں کے نسخے اور میرے نسخے کا (مگر خدا نکرے کہ میں اُن کی طرح کسی بندہ خدا کی جان پر ہاتھ ڈالوں) طب کا پڑھ لینا آسان ہی لیکن طب انگریزی کے مقابلے میں سنبھالنا اُس کو رونق دینا لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو گھٹنے نہ دینا جب کرکے دکھاؤگے تو حقیقت کھُلے گی۔ میرا دل جو لوتی کی دیوار کی طرح بیٹھا چلا جاتا ہو اُس کا سبب یہی ہو کہ صرف تمھارے کرنے کا کام نہیں۔ تم کرنے پر آمادہ۔ اور قوم مدد دینے پر طیار ہو تب کہیں جاکر کوئی صورت نکلے تو نکلے۔ تو صاحبان نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ میں نے اس جلسے کی پوری ادھوری تو شی کرنے والوں کو گنوا یا تو میں اپنے تئیں کیوں خارج رکھوں۔ میں اس کی ضرور قدر کرتا ہوں اور اسی قدر خوش بھی ہوں کہ یہی طب یونانی کی تعلیم جو محض بے قاعدے اور بے سلسلے تھی اور اب بھی جا بجا ہی۔ اس مدرسے کے جاری ہونے سے باقاعدہ اور منتظم طور پر ہونے لگی ہی جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوگا

کہ کوئی شخص دعوائے طبابت نہ کر سکے گا صرف اِس بنیاد پر کہ وہ طبیب زادہ ہی اُس نے اپنے طور پر کتابیں پڑھی ہیں وہ کسی کے مطب میں نسخہ نویسی کرتا رہا ہی یا اُس نے عطاری کی ہی یا اس کو فقیروں سے مجرب نسخے پہونچے ہیں۔ یا کسی طبیب کی بیاض اس کے ہاتھ آگئی ہی۔ درس کو باقاعدہ اور منتظم کر دینا یہ بھی طب یونانی کی تاریخ میں پہلی بات اور حکیم عبد المجید خاں کی ایجاد ہی جس کے لیئے وہ ہمارے اعلیٰ درجے کی مدح اور شکر گزاری اور ملکی امداد کے مستحق ہیں۔ حکیم صاحب نے جو پرانے فیشن کا سکول جاری کر دیا ہی (اور پرانے فیشن کے سکول کے سوائے میں اس کو کچھ اور کہہ بھی نہیں سکتا) اس سے یہ خیال کرنا غلطی ہی کہ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے اگر کالج کے قدر چندہ جمع کرنے کا انتظار کرتے تو جس قدر چندہ اب فراہم ہوا ہی۔ اتنا بھی نہ ہوتا۔ پس یہ واقعی سکول خیالی کالج کے حق میں چڑھیارکے مُلّا کا کام دے رہا ہی۔ لیکن میرے کانوں میں گونج رہے ہیں وہ لفظ جو عبد المجید خاں نے مدرسے کے جاری کرتے وقت علی رؤس الاشہاد من جمہور العباد کہے تھے کہ یہاں دوا سازی اور تشریح بھی سکھائی جائے گی اور یونانی اور انگریزی اور وید کی طبابتوں سے بقاعدہ خذ ما صفا ع

متاع نیک ہر دکاں کہ باشد

اختیار کرلی جائے گی۔ سو ابھی تک اِن چیزوں کا کہیں پتہ نہیں مجھ کو ایسا دکھائی دے رہا ہی کہ ہنوز دلّی دور خیالی کالج کو واقعی کر دکھانے کے لیئے عمریں چاہئیں۔ ابھی تک دوا سازی کی جگہ زمانہ سازی ہو رہی ہی کیا کریں۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز ٭ مردہ دل تو دکھائی بھی دیتے ہیں لیکن تشریح کے لیئے کوئی مردہ نظر نہیں آتا۔ خدا جانے کن وقتوں کی ہڈیوں کا ایک ڈھانچ رکھا ہی اگر سامنے لایا جائے تو سب سے پہلا شخص جس کی مارے ڈر کے گھگی بندھ جائے میں ہوں۔ غدر کے دنوں میں فصیل قلعہ پر توپیں چڑھائی گئیں تو شاہزادے جمع ہو کر حضور میں گئے اور عرض کیا کہ اگر توپیں چھوڑی جائیں گی تو ہمارے دل دہل کر مر جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ممانعت کر دی یہ اُن لوگوں کی بہادری تھی جنھوں نے انگریزوں کے مقابلے میں علم بغاوت بلند کیا تھا تو اگر ڈھانچ دیکھ کر میری گھگی بندھ جائے تو اس میں تعجب کیا ہی۔ لیکن اس سے مجھ کو ڈرپوک مت سمجھ لینا میں اس زمانے کے بہادروں میں نہیں تو بزدلوں میں بھی نہیں۔ بہادری کا سٹینڈرڈ ہی گھٹ گیا ہو تو

اُس کو میں کیا کروں۔ بہادری ایک صفت اکتسابی ہے۔ آدمی خطرات میں رہے اُس کو حملہ اور مدافعت کی ضرورت واقع ہو بہادر ہو سکتا ہے ہم کیا خاک بہادر ہوں گے۔ امن میں پیدا ہوے۔ امن میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور انشاء اللہ امن میں رہیں گے۔ ساری عمر کبھی بندوق نہیں چھوڑی تلوار نہیں چلائی حربہ کہو ہتھیار کہو دے کر ایک قلم سو بھی نوکری تک کام دیتا تھا۔ اب تو ہفتوں اس کے ہاتھ میں لینے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ نبرد آزمائی کو پوچھیئے تو یہی آپس کی تو تو میں میں۔ اس سے بڑھ کر کسی کو دعوےٰ ہو تو سامنے آئے اور اپنے کارنامے سنائے۔

تشریح تو جب ہو گی تب ہو گی عبد المجید خاں اتنا تو کریں کہ ڈھانچ کو نکلوا کر باہر تو رکھ دیں تاکہ بیچارے مدرسوں اور طالب علموں کی وحشت دور ہو۔ عبد المجید خاں صاحب! میں نے بہت سی باتیں ناامیدی کی کہی ہیں جو شاید آپ کی دل شکنی کا باعث ہوئی ہوں گی اگرچہ امید نہیں کہ آپ دل کے ایسے بودے ہوں اور دل کے ایسے بودے ہوتے تو مڈکل کالج کے قایم کرنے کا خیال ہی نہیں آسکتا تھا۔ یہ خیال ہی آپکے قوی دل ہونے کی دلیل ہے لیکن میں آپ کو اخیر میں ایک خوش خبری دینی چاہتا ہوں۔ چندے کی نہیں بندے کے پاس ایسی خوش خبری کہاں۔ مگر ایک خوش خبری اور ہے۔ کہ اب سے آٹھ نو برس پہلے کا مذکور ہے میں اُن دنوں حیدرآباد میں تھا۔ اور آنریبل جسٹس سید محمود بھی وہیں تھے۔ میں نہیں جانتا کہ سید احمد خاں کیا بیمار پڑے مگر علالت ایسی تھی کہ اُن کے فرزند حقیقی سید محمود اور اُن کے فرزندان معنوی جن کو لوگ نیچری کہتے ہیں سخت پریشان ہوئے۔ سید محمود نے باپ پاس جانے کا قصد کیا۔ اصلی حال دریافت کرنے کے لیئے ڈاکٹر کو جو اُن کا معالج تھا خط لکھا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ گُردوں کا عمل ضعیف ہو گیا ہے۔ مگر میں تم کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ تمھارا باپ مرنے والا نہیں۔ کیوں کہ اُس کی جان کالج میں اٹکی ہوئی ہے۔ جس میں ابھی بہت کچھ کرنے کو باقی ہے۔ عبد المجید خاں صاحب! آپ کو بھی اپنے کالج کی دُھن ویسی ہی ہو جیسی سید احمد خاں کو اپنے کالج کی تھی اور ہے۔ اور بے ویسی دُھن کے کالج ہوتا ہوا تا نہیں تو آپ کو اپنی عمر کا بڑھا لینا مبارک اور آپ کو اپنے مدرسے طبیہ کی کون سی سالگرہ بھی مبارک۔ میں لکچر دینے سے کچھ ملول نہیں ہوتا نہ لکچر دینا میرے لیئے کچھ ایسی بڑی زحمت کی بات ہے زحمت کی بات تو اُس صورت میں ہے کہ میں سوچ

بناؤں لکھوں مٹاؤں اور میں آتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہو کہہ گزرتا ہوں۔ اس کی پروا نہیں کرتا کہ لوگ میرے لکچر کی طرف کیا خیال رکھتے ہیں۔ کیوں کہ لکچر دینا میرا پیشہ نہیں۔ لکچر سے مجھ کو کوئی کمائی مقصود نہیں۔ قوت بیانیہ سے کمانا مقصود ہو تو وعظ کہوں تفسیر لکھوں۔ رہی شہرت اس کی مجھ کو ضرورت نہیں اور خواہش بھی نہیں۔ یہ میری رائے ضرور ہو کہ مدرسہ طبیہ کے لیے کوئی پروفشنل لکچرار ہونا چاہیئے جو مدرسے کی کارروائی اور طریقہ و درس اور امتحان میں نکتہ چینی کر سکے۔ میں صرف چکنی چپڑی باتیں بنانی جانتا ہوں وہ بھی عام طور کی۔ میں نے بار بار کہا ہو کہ اور اب بھی کہتا ہوں کہ مجھ کو فن طب سے مس نہیں اور مناسبت بھی نہیں اور اس کی شاہد ہو۔ اس عمر میں میری تندرستی۔ اگر میں طب کو کسی طرح چھو بھی گیا ہوتا تو روگی ہوتا۔ اگر خارج سے کوئی پروفشنل لکچرار[1] ہم نہیں پہونچتا تو کیوں نہیں مدرسے کے معلمین یا متعلمین میں سے کسی کو لکچر دینے کے لیے طیار کیا جاتا۔ مجھ میں خیالات کی کمی ہو۔ اور اُس میں شاید گویائی کی۔ سو بھی بالفعل۔ وہ اپنی کمی کو تھوڑی مشق سے پورا کر سکے گا۔ میں بوڑھا طوطا کوئی نئی بات نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی کچھ صلاحیں سوجھتی ہیں تو میں پروفشنل میں نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو پیش کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ مثلاً امتحان کا جو طریقہ تحریری و تقریری جاری ہو مجھ کو اس پر معترض ہونے کا کوئی منصب نہیں۔ جب مولوی لطف اللہ صاحب نے جنرل اعظم الدین خاں کی موجودگی میں امتحان لیا میں اُس جلسے میں حاضر تھا۔ لیکن میں نے دم نہ مارا تاہم دل میں کہتا تھا۔ کہ ممتحن صاحب عالم سہی محقق سہی۔ فرید العصر سہی وحید الدہر سہی لیکن مولویت کو طبابت سے کیا مناسبت۔ سائیسی علم دریاؤ۔ میں نے دیکھا کہ جس طالب العلم نے کتاب کی عبارت بمراعات قواعد صرف و نحو درست پڑھی معنی ٹھیک کیے۔ مطلب سمجھا دیا۔ ممتحن صاحب نے اُس کی تحسین کی یعنی وہ امتحان میں پاس ہوا کیا چوک ہوئی کہ اُس وقت دو چار سطریں میں بھی پڑھ کر سُنا دیتا۔ سند طبابت مل جاتی۔ مگر وہ سند کنکوا بنائے جانے کے سوا اور کس کام کی تھی۔ امتحان کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ شاید یہ بہتر ہوگا کہ ہر ایک طالب العلم کو اُس کی معلومات اور لیاقت کے مطابق ایک بیمار علاج کو دیا جائے اور اُس کے علاج کی نگرانی کی جائے۔ لیکن اگر اس طور پر امتحان

[1] یعنے جو واقف فن ہو ۱۲۔

لینے کی رائے قرار پائے اور خدانخواستہ میں بیمار ہوں تو جب تک دوسرا لکچرار نہ تجویز کرلو مجھ کو ان اناڑی نیم حکیموں کے حوالے نہ کر بیٹھنا۔ اور ہاں دوسرے لکچرار کے تجویز کرنے میں اتنا ضرور خیال رکھنا کہ مولوی حشمت اللہ کی سی بلا کی آمد نہ رکھتا ہو کہ سنتے سنتے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

(دسواں لکچر)

لکچر جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس

منعقدہ ۲۷-۲۸ و ۲۹-و ۳۰- دسمبر ۱۸۹۱ء میں بمقام علی گڈھ دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچرار نے کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا

أَيَا أَهْلَ النُّهٰى لَا تَنْكِرُونِي	مَتٰى أَضَعُ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي

اور سردی کی وجہ سے جو گلوبند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ۔

امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ میں اس کو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونۂ اسلام دکھائی دیتا ہے اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف ہندوازم یعنی نمونۂ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہے۔ اور منی ایچر آف محمڈنزم ہے اس لیے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں۔ جیسے مسلمانوں کی مسجدیں۔ اور وہ منی ایچر آف ہندوازم ہے اس واسطے کہ اتنے بندے نہیں جتنے خدا ہیں۔ یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں۔

لہ اصحاب خرد مجھ کو اجنبی مت سمجھو ۱۲ ؎ جب میں عمامہ اُتار دوں گا تو مجھے پہچان لو گے ۱۲۔

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ نظم تو ری[1] پھسپھسی اور نامربوط سی ہوتی ہے اس واسطے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہے۔ علاوہ بریں جس طرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے۔ اسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنی ہیندا ہیں ان کی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں ع

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

وہ نظم یہ ہے ؎

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہے ‖ ہم مسلمان اور وہی نکبت[1] وہی افلاس ہے

منزلِ مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی ‖ یاں تو پہلے ہی قدم پہ پاؤں میں آماس ہے

لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہے کوئی صدر الصدور ‖ اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب ‖ یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہے یا داس ہے

شاذ اگر کوئی مسلماں ہے تو اس کا کیا حساب ‖ جوں ہمالہ میں کہیں اک ریزۂ الماس ہے

کیا چمن کا حکم رکھے گا وہ میدانِ فراخ ‖ جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس کتا گھاس ہے

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امیدِ فلاح ‖ ہم پکار سے کہتے ہیں ہم کو تو کُلّی یاس ہے

جب تلک مذہب ہے ہر اک بات میں ان کے دخیل ‖ جب تلک اسلام یہ ہے جو کہ عند الناس ہے

جب تلک ان پر مسلط ہے بلا سے رسم و راہ ‖ جب تلک ان پر مُوَقّر وہم اور وسواس ہے

جب تلک ہے حاکمانِ وقت سے ان کو گریز ‖ گو یا بہ ہند و ہیں انگریزی گفتگو کا ماس ہے

جب تلک اسلاف پر ہو ان کو اپنے فخر و ناز ‖ جب تلک ان کے دماغوں میں بھرا انفاس ہے

جب تلک نفسی نفسی[2] ہی ہر اک کا شعار ‖ جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے

زید کو پروا سے درد و محنتِ خالد نہیں ‖ اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے

[1] چھٹے دل کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے۔ [2] خود غرضی سے مراد ہے۔

جب تلک یہ لوگ ہیں جَفَّ القلم[1] کے معتقد
یعنی جو ہونا ہی سب مکتوب فی القرطاس ہی

جب تلک یہ ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر
اُن کا فرمانا علی العینین[2] فوق الرّاس ہی

ختم اِن پر ہوگئے جتنے تھے سب فضل و کمال
اُن سے آگے بولنا ہذیان ہی بکواس ہی

اُن سے بڑھ کر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اتنی عقل؟
وہ جو کہہ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہی

جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض ایسے مختلف
یہ اگر پنجاب ہی تو دوسرا مدراس ہی

نام کو ایک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو
ایک گروہ صاحب قوّت شدید البأس ہی

ایک معبود ایک پیغمبر ہی اور اک ہی قرآں
سورۂ الحمد سے تا سورۂ النّاس ہی

پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد میں
وحشت و نفرت بجائے حُبّ و استیناس ہی

بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہی کہ اِس کو بھوک ہی
خون کا لوگوں میں تھوڑا ہی کہ اِس کو پیاس ہی

جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہی
بس خدا ہی سے ہی ان کی آس گر کچھ آس ہی

کارسازی کو تری اسباب کی حاجت نہیں
وہ جو ہم سے دور ہی قدرت سے تیرے پاس ہی

ہم وہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار
آش ویسی ہی وہی اگلا پرانا کاس ہی

وہ جو بیماری تھی اب بھی ہی ذرا خفّت نہیں
یہ مریضِ جاں بلب مہمانِ چند انفاس ہی

ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجب
یہ دوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہی

جو مسلمان قومی تعلیم میں انٹرسٹ[3] لیتے ہیں جیسا لینے کا حق ہی اگرچہ اتنے کم ہیں کہ اُنگلیوں پر نہیں تو انگلیوں کے پوروں پر گنے جاسکتے ہیں۔ آج کل اُن میں اس بے مانند کامیابی کا بہت چرچا ہی جو سفر[4] کو حیدرآباد ٹرپ[5] میں حاصل ہوئی۔ قبل اس کے کہ آگے بڑھوں میں جتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ چند الفاظ جو میرے مونھ سے نکلے نمونہ ہیں اس طرز گفتگو کا جسے میں نے ایسے آڈینس[6] کو خطاب کرنے کے لیئے جیسا میرے سامنے اور گرد اگرد موجود ہی اختیار کیا ہی۔ کیا مجھکو اُردو میں اداے مطلب کرنا نہیں آتا۔ یا خدانخواستہ میں

له اشارہ ہی جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ کی طرف یعنی جو کچھ ہونے والا ہی اُسے قلم تقدیر لکھ چکا ہی ۱۲ ؎۲ بسر و چشم ۱۲ ؎۳ دل چسپی ظاہر کرتے ہیں ۱۲ ؎۴ حیدرآباد کے سفر مختصر ۱۲ ؎۵ حاضرین ۱۲

انگریزوں کی ولایت جا کر ایسا مبہوت ہو آیا ہوں کہ مجھ کو اپنی ملکی زبان بھول گئی یا مجھ کو انگریزیت نے پھر لیا ہی۔ حاشا ان میں سے کوئی بات نہیں بلکہ میں نے اس طرز کو عمداً و ارادۃً اس وجہ سے اختیار کیا ہی کہ آڈینس میں انگریزی داں یا انگریزی وضع کے لوگ بکثرت ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ان کے کانوں کو انگریزی الفاظ بھلے معلوم ہوتے ہیں سمجھیں یا نہ سمجھیں کہیں یا نہ کہیں یہ طرز میرے لیئے جدید نہیں بلکہ میں نے پہلے بھی اسی طرز میں لکچر دیئے ہیں اور میں نے یہ بھی سُنا ہی کہ بعض لوگ اس طرز پر ہنستے ہیں ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

جن صاحب کی روایت مجھ تک پہنچی ہی اُن کا طرز زندگی تو اس طرح کا ہی کہ اگر وہ خود موجود نہ ہوں تو کسی طرح گھر اور گھر کے فرنیچر[1] سے ظاہر نہ ہو کہ اُس میں کوئی نیٹو[2] بھلا آدمی رہتا ہی۔ میں نے جو اپنے لکچر پر ان کا اعتراض سنا تو بے اختیار مجھ کو کسی کا عربی شعر یاد آیا ؎

فَانِّی اَرٰی فِی عَیْنِكَ الْجِذْعَ مُعْرِضًا	وَتَعْجَبُ اَنْ اَبْصَرْتَ فِی عَیْنِی الْقَذٰی

بات یہ ہی کہ میری زبان اُردو ہی اور میں اُردو ہی بولتا ہوں مگر اس میں یا تو عربی الفاظ ہوتے ہیں اس واسطے کہ میں مسلمان ہوں اور چاہتا ہوں کہ سب میری طرح کے مسلمان ہوں اور کم سے کم اتنی عربی جانیں جتنی مجھ کو آتی ہی۔ یا میرے بولنے میں انگریزی الفاظ ہوتے ہیں اس لیئے کہ گو سرکار انگریزی کا نمک خوار نہیں کسی خصوصیت کا امیدوار نہیں تقرب حکام کا خواستگار نہیں ؎

نہ بر اُشترے سوارم نہ چو اُشتر زیر بارم	نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

مگر ہی کیا کہ امپرس وکٹوریہ کا رضامند خوشدل اور شکرگزار رعیت ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ سب مسلمان میری طرح کی رعیت ہوں اور کم سے کم اتنی انگریزی جانیں جتنی مجھ کو آتی ہی یوں تو میری انگریزی لغت برہیچ کچھ بھی نہیں اور کچھ ہوتی تو کہاں سے ہوتی جن دنوں طالب علمی کا اتفاق ہوا آج کل کا سا زمانہ دیکھا کہ در و دیوار سے انگریزی کی تاکید ہی زمین و آسمان سے انگریزی کا تقاضا ہی دنیا نے جان لکھا ہی کہ

---

[1] اسباب خانہ داری ۱۲ [2] ہندوستانی ۱۲ [3] مجھ کو تیری آنکھ میں شہتیر اٹھا ہوا دکھائی دے رہا ہو ۱۲ [4] اور تو میری آنکھ میں تنکا پڑا ہوا دیکھ کر تعجب کرتا ہی ۱۲

میری طلب ہی تو انگریزی پڑھو دین آنکھیں دکھا رہا ہی کہ مجھ کو سنبھالنا چاہتے ہو تو انگریزی پڑھو۔ وہ تو ایسے وقت تھے کہ خود سید احمد خاں سے بھی پوچھا جاتا تو انگریزی پڑھنے کو کفر نہ بتاتے تو اس کے گناہ کبیرہ ہونے کے فتوے پر ضرور مہر کر دیتے کالج میں تو یوں انگریزی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ کالج کے ٹرم[۵] پورے ہونے نہیں پاے تھے کہ نوکری کی سوجھی اور سوجھی کیا حاجت نے مجبور کیا۔ بارے اُس وقت تک نوکری میں انگریزی کی قید نہ تھی ورنہ آج یہاں لکچر دینے کے عوض کالج کی مسجد میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی اور مسجد میں مجھ کو وعظ کہتے ہوے دیکھتے اور دیکھتے نہیں تو سنتے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایجوکیشنل لائن میں الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا کہ میں نے از خود انگریزی کا شوق کیا۔ دورہ کی نوکری آج یہاں کل وہاں۔ ہر روز نیا دانہ نیا پانی ؎

أَيُّ عَيْشٍ عَيْشِي إِذَا كُنْتُ مِنْهُ	بَيْنَ حِلٍّ وَبَيْنَ وَشْكِ رَحِيلِ

ٹیچر انگیج کرنے کا مقدور نہیں۔ سرکاری کام کی وجہ سے وقت پر اپنا اختیار نہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی اس درد کو اپنے پیچھے نہ لگاتا مگر میں کچھ نہ کچھ کیے ہی گیا۔ اور اب بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی کرتا ہوں زیادہ نہیں ہو سکتا تو بالالتزام انگریزی اخبار پڑھتا ہوں۔ غرض میں نے انگریزی تو ٹوٹی پھوٹی کر لی۔ مگر از بس کہ انگریزی میں کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا میں اُس کو امپرو[۵] نہ کر سکا۔ انگریزی کے امپرو کرنے کا ایک طریقہ اور تھا۔ انگلش لائف یا انگلش وائف سو اس کے لیے خدا نے مجھ کو پیدا نہیں کیا نہ فراخ گنجی یا زنہ صورت اچھی میں نے اپنی انگریزی کو ہیضمًا للنفس بنت پیچ کہا ورنہ اس لعنت پیچ پر میں بی اے والوں کے ساتھ پالا لینے کو موجود ہوں مگر بی اے بھی مسلمان بی اے کیوں کہ معلوم ہی کہ انھوں نے میتھمیٹکس[۵] نہ لی ہوگی اور بندہ بھی ہارا ہی تو نہیں ہارا ہی۔ انگریزی پڑھنے سے ایک گُر تو معلوم ہوا کہ آدمی ایک زبان کو سلیقے سے حاصل کرے تو دوسری زبان کے سیکھنے میں اُس کو بڑی سہولت ہوتی ہی اور میرا خیال یہ ہی کہ لنگوِسٹ[۵] ہونا کچھ بات نہیں مجھکو انگریزی گرامر[۵] کی ٹکنیکیلٹیز (مصطلحات) تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی کسی زمانے میں اچھی طرح

[۱] مدتِ طالب علمی ۱۲ [۲] میری زندگی بھی کیا زندگی ہی جب میرا یہ حال ہی ۱۲ [۳] کہ مقام اور کوچ میں جھولتا رہتا ہوں ۱۲ [۴] استاد کے نوکر رکھنے کا ۱۲ [۵] ترقی دینے سکا ۱۲ [۶] انگریزی زندگی یا انگریزی بیوی ۱۲ [۷] بلولو افیح وکسر نفس ۱۲ [۸] ریاضی ۱۲ [۹] زبان داں ۱۲

[۱۰] صرف و نحو ۱۲

پڑھی تھی اب تو ایسا ذہول ہو گیا ہی کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔ مگر زمان طالب علمی میں ایک ایک لغت اور ایک ایک محاورے کے لیئے کئی کئی سندیں زبان کی نوک پر تھیں

آگ تھے ابتداے عشق میں ہم | ہو گئے خاک انتہا ہی یہ ہے

تو گو مجھ کو انگلش گرامر کی الف بے تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی پر قیاس کرکے اپنے ذہن میں انگریزی کی گرامر بنا رکھی ہی اور وہ مجھکو کام دیتی ہی بہرکیف انگریزی جانتا ہوں تو حیا۔ ونا چار اُس کے الفاظ زبان پر آہی جاتے ہیں۔ دہلی کے متاخرین شاعروں میں اسد اللہ خاں غالب سب میں سر بر آوردہ تھے اپنا اپنا مذاق ہی تو ہی میں ان ہی دو شاعروں کا معتقد ہوں متقدمین میں مرزا رفیع السودا اور متاخرین میں اسد اللہ خاں غالب کا۔ غالب کے مضامین انوکھے اور خیالات بلند ہوتے تھے۔ بندش مضبوط ترکیبیں چست سا[illegible] ان میں اگر عیب تھا تو یہ کہ مشکل گو تھے۔ میں نے عیب کو اُس معنی میں استعمال کیا جیسا کہ علم بیان کی کتابوں میں ہی شعر

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم | بہن فلول من قراع الکتائب

چنانچہ غالب اپنی مشکل گوئی کے عذر میں خود فرماتے ہیں قطعہ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل | سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش | گویم مشکل وگر نگویم مشکل

لیکن اس عیب پر بھی وہ فارسی اور اردو دونوں کے اُستاد مستند مانے جاتے ہیں۔ باستحقاق نذر ان کی ایک غزل کے چند اشعار نمونے کے طور پر پڑھتا ہوں

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا | تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل | تماشائے بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا
جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ | مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا

[illegible] مگر ان اشعار کا مطلب ایک بار سمجھ لیا تھا اور اب بھی [illegible]

[illegible] ان کی تحریر میں [illegible]

سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت تو میں نے بے سمجھے ہی پڑھ دیئے ہیں۔ ان اشعار میں اگر آیا کی جگہ آمد ہو تو عبارت بتوالی اضافت پنج رقعے کی عبارت سے ملی جلی معلوم ہوگی۔ اگر یہ ایسے بڑے مستند اُستاد کی اُردو ہو تو میرا کلام صرف چند انگریزی الفاظ کے آجانے سے کیوں اُردو نہ ہو۔ اسداللہ خاں غالب کے دیوان ریختہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نظم میں ایک طرز جدید کا رواج دینا منظور تھا۔ مگر چوں کہ کورس آف ٹائم[1] اس کے خلاف پر تھا رواج دینا تو درکنار آخر آخر میں خود غالب کو اسے چھوڑ دینا پڑا۔ اب ایک طرز ہمارے حالی صاحب نے اختیار کی ہے اور وہ مقبول ہوگئی اس واسطے کہ وہ زمانے کے رنگ کے مطابق تھی۔ اُس کی مقبولیت اس درجہ کی تو نہیں کہ حالی کے اشعار ظفر کی غزلوں کی طرح ہر ایک گانے والے کے مونہہ میں ہوں مگر نیچری مسلمان تو شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس کو مسدّس حالی کے دو چار بند یاد نہ ہوں۔ میں مسلمان ہوں مگر الحمدللہ نیچری نہیں تاہم آزادی رائے کی کچھ یوں ہی سی ہوا لگ گئی ہے یتخبطہ الشیطان[2] من المس[3] مجھ کو بھی بند نہیں تو شعر یاد ہیں۔ میں کسی طرز کی ایجاد کا دعویٰ نہیں کرتا مگر آج کون دن ہے دوشنبہ اور دسمبر ۱۸۹۱ء کی ۲۸ تاریخ۔ یہ کون مقام ہے؟ علی گڈھ کالج کا اسٹریچی ہال۔ یہ کیسا مجمع ہے؟ ایجوکیشنل کانفرنس۔ انگریزی الفاظ سُن کر جس کے جی میں آئے کان کھڑے کرے۔ میری آج اور اس جگہ کی پیشین گوئی کو لکھ رکھنا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جس طرح پارسی ناآمیختہ بتازی بلکہ ریختہ ناآمیختہ بتازی کا لکھنا نہایت دشوار ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ ٹھیٹ[4] اُردو کا بے انگلش[5] ایلمنٹ کے بولنا متعذر ہو جائے گا۔ اور اگرچہ انگریزی کا اتنا رواج دیر طلب ہے مگر جیسی اُردو سے میں نے لکھنا شروع کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم ایسی ہی ترقی بھی کرتے رہے جیسی اب تک کی ہے تو خدا نے چاہا پچاس برس کے اندر اندر ہم میں کے روادار لوگ ایسی اُردو سمجھنے لگیں گے اُردو میں جو ہندوستان کی زبان ہے۔ انگریزی الفاظ کو اجنبی سمجھنے کا کیا موقع اور محل ہے جبکہ قسطنطنیہ کے اخبارات اور طہران کے اختر کا یہ حال ہے کہ جو شخص انگلش یا فرنچ نہیں جانتا کہ یہ دونوں زبانیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں وہ ان اخباروں کا ایک آرٹکل نہیں سمجھ سکتا۔ یہ سلطنت کے ضروری اور قدرتی لوازم ہیں

---

[1] رفتار زمانہ ۱۲ [2] شیطان ۱۲ [3] سے پھوڑ اس کو مخبوط الحواس کر دے ۱۲ [4] خالص ۱۲ [5] الفاظ انگریزی ۱۲

اور اگر سارا جہان بھی متفق ہو کر ان کو روکنا چاہے تو رُک نہیں سکتے ہو رہے ہیں اور ہو کر رہیں گے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو پہلے سے اس انجام کے لیئے طیار ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں جیسے پارسی ایڈلے نیٹشن اور اکثر ہندو۔ اور بد قسمت بد بخت بد عقل بد حال بد مآل ہیں ہم مسلمان جنہوں نے شروع میں مدتوں خدا کی ڈگر[ٹ] کو جاری نہ ہونے دیا اور مجبور ہوئے تو اب بھی اُس کی تعلیم میں جیلے حوالے بلکہ اڑنگے لگانے سے باز نہیں آتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی تعلیم کا رستہ پہلے سے ذرا صاف ہو چلا ہے وہ اگلی سی مزاحمتیں باقی نہیں کہ آدمی انگریزی اسکول میں داخل ہوا اور علماء دین اور فقہاء شرع مبین نے مسلمانوں کی فہرست سے اُس کا نام خارج کیا۔ لیکن جبکہ ہم کو ایک منزل دور دراز طے کرنی ہے۔ اور صبح کے ٹھنڈے وقت میں ہم پڑے اینڈا کیئے ہیں اور سب کے بعد گھر سے نکلے ہیں تو لنیا لپڑے کی چال چلنے سے ہم اُن مسافروں کو جا پکڑیں گے جو کچھ رات رہے سے چل کھڑے ہوئے یا سفر کے حدود وقت میں منزل مقصود پر جا پہنچیں گے۔ ایسی توقع کرنا اُس سے بھی زیادہ مکروہ غلطی ہے جو ہم نے آغاز سفر میں کی تھی ؎

دَبَبْتَ لِلْمَجْدِ وَالسَّاعُوْنَ قَدْ بَلَغُوْا [ط]	جَهْدَ النُّفُوْسِ وَاَلْقَوْا دُوْنَهُ الْاُزُرَا
تَكَابَدُوا الْمَجْدَ حَتّٰى مَلَّ اَكْثَرُهُمْ [ظ]	وَعَانَقَ الْمَجْدَ مَنْ قَاسٰى وَمَنْ صَبَرَا
لَا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمْرًا اَنْتَ آكِلُهٗ [ع]	لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّٰى تَلْعَقَ الصَّبِرَا

اشعار عربی پڑھتا ہوں مگر مجھی کو لطف نہیں آتا۔ سلطنت کیا گئی ساری چیزیں بے مزہ ہو گئیں یہاں تک کہ زبان عربی میں نہیں سمجھتا کہ لوگوں کو انگریزی تعلیم کے فائدہ کے بتانے اور سمجھانے کی ضرورت باقی ہے جن کو خدا نے سمجھ دی ہے وہ اس کو مان نکلے ہیں [ف] اِسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ لیکن اگر شواہد درکار ہیں

[ط] قوم کی قوم ۱۲ [ش] فتح یلی ۱۲ [ظ] تو او بزرگی حاصل کرنے کے لیئے رینگتا ہے اور جو کوشش کرنے والے ہیں وہ جان توڑ کر محنت کر رہے ہیں اور بزرگی حاصل کرنے کے لیئے کمر بستہ ہیں ۱۲ [ع] تو انھوں نے بزرگی کی سختیاں [illegible] اور اکثر ملول ہو گئے اور جس نے مصیبت اٹھائی اور صبر کیا اُس نے بزرگی کو پا لیا ۱۲ [ع] بزرگی کھجور نہیں ہے کہ تو کھالے اور کھانے والے کی تلخی گوارا کرو تو بزرگی پاؤ ۱۲ [ف] اُن کے دل اس کا یقین کر چکے ہیں ۱۲۔

تو وہی سرسید کی حیدرآباد کے ٹرپ کی کامیابی ہے جیسے کچھ خرچ کیا اس سے بڑھ کر کانونسنگ
پروف کیا ہو سکتا ہے۔ وہ کامیابی متفرع ہوا ہے اس پر کہ حضور پرنور نظام نے جی چاہتا ہے کہ دعا سے خلد اللہ ملکہ
ودولتہ اور زبان پر بھی یہی دعا پڑھی ہوئی ہے مگر خلود تو صرف خدا ہی کی ذات کو ہے اور اس طرح کی دعا
کی شرع میں ممانعت بھی ہے تو میں کہتا ہوں کہ خدا ان کی عمر کو برکت دے اور ان کے ملک کو آباد اور منتظم
اور ان کی رعیت کو آسودہ اور ان کے خزانے کو معمور اور ان کے ملک داری کے نتائج کو ایسے عمدہ اور
نمایاں کرے کہ حیدرآباد کی ہسٹری میں سونے کے حرفوں سے لکھے جائیں۔ غرض حضور پرنور نظام نے
انگریزی تعلیم پائی اور حق قدر اس کی قدر کی۔ اگرچہ شکرگزاری سے کسی پیرائے میں ہو ایسے احسان
سترگ کا ادا کرنا مشکل ہے لیکن مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ شکرگزاری کا ایک ہی پیرایہ میری
سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ہمارے ہندوستان میں نہ ہوسکے تو کم سے کم یہ کہ اس کالج میں مسجد ہو اور مسجد ہو تو
نماز بھی ضرور ہوتی ہوگی اور بحمد اللہ مجھکو یقین ہے کہ مسلمانوں کی سی نماز ہوتی ہوگی اگر جمعہ بھی ہوتا ہو تو نماز
جمعہ کے ساتھ جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں حضور نظام کے لیے وہی دعا کی جائے جو میں نے ابھی
کی۔ مجھکو جب پہلے پہل گورنمنٹ حیدرآباد کے عطیہ شاہانہ کی خبر معلوم ہوئی۔ کیوں کر کہوں کہ خوش
نہیں ہوا۔ جس مسلمان نے جو اس کالج کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اتنی ہی بات سے ہمارے ملک
کے کتنے مسلمان اس کو زبردستی سید احمد خاں کے چیلوں میں شمار کر لیتے ہیں۔ غرض جس مسلمان نے
گورنمنٹ حیدرآباد کے عطیے کی خبر سنی ہوگی ضرور خوش ہوا ہوگا اور مجھ کو تو اس کے علاوہ ایک
خصوصیت بھی ہے کہ اس سرکار عالی کا وظیفہ خوار ہوں۔ لیکن میں اس خیال کو بھی مخفی نہیں رکھ
سکتا کہ جس وقت میں نے ڈیپوٹیشن کی روانگی کی خبر سنی۔ مجھ کو افسوس ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ
بیشک وہ سرکار اپنی سرچشمی اور فیاضی سے ڈیپوٹیشن کو محروم تو نہیں آنے دے گی۔ مگر حیدرآباد
کے لوگ ہماری نسبت کیا خیال کریں گے۔ ہم ان کے مقابلے میں بے مقدور ضرور ہیں لیکن ایسے

لہ سفر ۱۲ ؎ ثبوت قطعی ۱۲ ؎ تاریخ ۱۲ ؎ سالم کسی چیز کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اس سے بالکل دست بردار ہو جانا بھی مناسب
نہیں ۱۲ ؎ جماعت وکلا ۱۲

گزرے بھی نہیں کہ سب کے دل سے آمادہ ہوں تو ایک قومی کالج کو بھی نہ چلا سکیں۔ مگر ہونے والی
باتوں کو کون روک سکتا ہی۔ ڈیپوٹیشن گیا اور جیسا کہ خیال تھا الٹا پھندا واپس آیا۔ گورنمنٹ نظام کی
داد و دہش سے اور ہماری فضیحت اور رسوائی سے۔ لیکن بس غنیمت ہی کہ ڈیپوٹیشن نے بھیک بھی
مانگی تو اپنی ہی قوم سے مانگی۔ میں جانتا ہوں اور اگرچہ کالج کا ڈلونگ پریٹ ٹرسٹی ہوں تو کیا اتنا
بھی نہ جان لوں گا کہ کالج شروع سے دوسری قوموں کی امداد کا شرمندۂ احسان ہی اور کالج کیا شرمندۂ
احسان ہی ہم سب مسلمان شرمندۂ احسان ہیں کیوں کہ اگرچہ کالج کے دروازے کسی قوم پر بند نہیں
مگر کہلاتا تو ہی مسلمانوں کا قومی کالج۔ ہم ہرگز نہ جھینپتے اگر ایسی مثالیں دکھا سکتے کہ ہم میں سے کسی نے
ہندوؤں کے سنسکرت کالج یا عیسائیوں کے مشن کالج میں مدد دی ہی۔ لیکن ہم کیا دوسری قوموں کی مدد
کر سکیں گے۔ جب کہ اپنی ہی چھپر پر پھوس نہیں ڈال سکتے۔ خیر گزشتہ را صلوات۔ اے مسلمانوں جو موجود
ہو اور سنتے ہو اور اے مسلمانوں جو پیش نظر و مستمع نہیں ہو اور بلواسطہ یا بلاواسطہ ان تک پہنچے اب
بھی غیرت اور حمیت کو کام میں لاؤ۔ اور اس دن کو مت آنے دو کہ یہ گدا پیشہ اور دریوزہ خواہ [illegible] ہمارے
اور ہمارے بچوں کے لئے غیروں کے آگے جا کر ہاتھ پھیلائے ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر ست	رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ از خود یا کسی کے کہنے سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تحریک دل میں پیدا
ہوتی ہی اور چوں کہ شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں یہاں تو سید احمد خاں بھی وجود
شیطان کے ضرور قائل ہوں گے۔ غرض شیطان کے بہکانے کے ہزاروں۔ منجملہ ان کے
ایسے موقع پر خیال ہوتا ہی کہ ایسا نہ ہو کہ مقدار کو کم سمجھ کر لوگ دوں ہمتی پر محمول کریں اس سے بہتر ہی
کہ چپکی سادھ جاؤ۔ اگر ایسا وسوسہ کسی کے دل میں آیا ہو اور میں خیال کرتا ہوں ضرور آیا ہوگا تو
لاحول پڑھ کر اس کو دفع کرو۔ جو چیز خدا کی راہ میں دی جاتی ہی وہ شاید کسی شیخی باز دنیادار کی نظر میں حقیر
ہو بھی لیکن اگر خدا کے یہاں مقبول ہو جائے تو ایک دن بچشم سر دیکھ لو گے کہ تری دنیا و مافیہا سے

؎ ہاں ہاں ہاں ملانے والا بیکار ۱۲ ؎ میرے دیکھنے اور سننے میں نہیں ۱۲

زیادہ قدر و قیمت کی ہی تَحْسَبُونَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ[1] ہاں اگر کالج میں دینا خدا کی اور دین و دنیا نہیں ہی تو دوسری بات ہی اور یہ سید احمد خاں کا منصب ہی کہ اِس خیال کی تردید کریں یا کسی دوسرے باہمت آدمی کا جو کفر کی بیجا سے نہ ڈرتا ہو۔ میں تو ڈرتا ہوں کیوں کہ جینا تو اب گردن کا ہی میرا مرنا بھی ان ہی لوگوں میں ہی اگر میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں تو میں کدھر کا ہوا۔ رہا حشر وہ تو بھائی میں تم سے صاف کہوں کہ بُرے ہیں تو اور بھلے ہیں تو میری تمنا تو یہی ہی کہ ان ہی مولویوں کے زمرے میں ہو اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ[2] حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد ہی کیا تو اُن کی ابتدا تھی کہ باپ تو دموں دلواسے تھے مگر بے مات بھائی مارے حسد کے چین نہیں لینے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ شکار کے بہانے سے لے جا کر اندھے کوئیں میں ڈھکیل دیا۔ اور اپنی پندار میں اُن کا قصہ ہی چکا دیا لیکن وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[3] خدا کو جو منظور تھا سو ہوا۔ کیوں عین وقت پر کوئے کے نزدیک قافلہ آن کر ٹھہرے کیوں قافلے کا کوئی آدمی اُسی کوئیں میں ڈول لٹکائے کیوں حضرت یوسف علیہ السلام ڈول میں بیٹھ اوپر آموجود ہوئیا کیوں بھائی جو اُن کی تاک میں آس پاس لگے تھے اُن کو اپنا غلام ظاہر کر کے قافلے والوں کے ہاتھ بیچیں کیوں قافلے والوں سے عزیز مصر مول لے۔ یہ سب تمہید اس کی تھی کہ آخر کار یوسف عزیز مصر ہوں۔ دنیاوی لذتوں کا حال یہ ہی کہ اُن سے متمتع ہونے کا بھی ایک اندازہ ہی ؎

جتنے ہیں یاں مزے روش نشۂ شراب	ہو جاتے بے مزہ ہیں جو بڑھ جاتے حد سے ہیں

حد سے بڑھ جانا ایک تو افراط انہماک سے ہوتا ہی اور ایک حد سے بڑھ جانا یہ بھی ہی کہ اُوْرُ ایْتُہٗ اودرگین[4] ہر روز وہی دن وہی رات وہی صبح وُہی شام وہی جاگنا وہی سونا وہی کھانا وہی پینا وہی مرنا وہی جینا ؎

زندگی ہی یا کوئی طوفان ہی	ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

[1] تم اُس کو آسان سمجھتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی چیز ہی ۱۲ [2] اے خدا مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مساکین میں میرا حشر کر ۱۲ [3] اللہ اپنے حکم کے نافذ کرنے پر غالب ہی ولیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہی ۱۲ [4] یار بار ۱۲۔

چنانچہ بڑی عمر کو پہنچکر حضرت یوسفؑ کی بھی یہی حالت ہوئی اور آپ نے دعا کی رَبِّ[۱] قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ غلامی سے عزیز مصر کے منصب تک ترقی کرنے کے بعد ایک یہ آرزو باقی رہ گئی تھی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یہ بات مجھ کو اپنے وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ کہنے پر یاد آگئی یہ تذکرے دوسرے قسم کے ہیں۔ آؤ پھر تمھاری کانفرنس کی سی باتیں کریں۔

ہاں تو مجھ کو گورنمنٹ نظام کے عطیئے کی نسبت ایک ریمارک[۲] اور کرنا ہے۔ وہ یہ کہ عطیہ عطیہ سُن کر خوش تو بہت ہو رہے ہو وہ عطیہ فی حدِ ذاتہ بے شک و شبہ بہت بڑی قدر کی چیز ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ چھکڑا دیکھ کر تمھارے پاؤں پھول جائیں۔ قوم اور قوم بھی مسلمان اور پھر ان کی تعلیم اور تعلیم بھی انگریزی جاننے اور سمجھنے والے کے نزدیک ایسی بے تکی باتیں ہیں کہ سوائے سرسید کے اور کوئی ایسا خواب پریشان نہیں دیکھ سکتا ع

ہمہ ساست در سرایں سید محال اندیش

اگر آج سرسید اپنا سارا منصوبہ ظاہر کر دیں تو شاید ہی تناتوست بیل جوا چھوڑ بھاگیں اور ہرچند سرسید نے بہتیری ہری ہری گھاس دکھائی۔ اسی خیال سے میں نے شروع سے کندھا نہیں دیا۔ جانتا تھا کہ پُٹھے پر ہاتھ دھرنے دیا اور انھوں نے نعل جڑے۔ پس میں نے تو اپنا یہ پہلو رکھا کہ سرسید کو آتے دیکھا اور چھٹک کے وہ ہو رہا بہرکیف جس کام کا بیڑا سرسید نے اٹھایا ہے وہ اتنا بڑا عظیم الشان کام ہے کہ گنجِ قارون بھی اس کے سرانجام کو کافی نہیں ہو سکتا۔ سخت افسوس ہوگا اگر عطیۂ حیدرآباد لوگوں کے فرضِ اسلام۔ فرضِ قومی بلکہ فرضِ انسانیت سے فارغ اور بے فکر کر دے۔ مسلمان برٹش گورنمنٹ سے اپنی کاہلی اور نادانی کے انعام کے خواستگار رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ اسکالرشپ[۳] میں یا لیاقت کے اسٹینڈرڈ[۴] میں یا گورنمنٹ[۵] سروس میں کچھ رعایت کی جاوے کیوں۔

---

[۱] اے پروردگار تو نے مجھے ملک دیا اور مجھ کو باتوں کا مطلب سمجھانا سکھایا اے پیدا کنندۂ آسمان و زمین تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے میں مسلمان مروں اور مجھ کو نیکوکاروں میں داخل کر [۲] یعنی ایک رائے [۳] وظیفہ طالب العلمی [۴] درجہ [۵] ملازمتِ سرکاری

اس واسطے کہ اُن کی قوم دوسری اقوام معاصر کے مقابلے میں ہٹی اور پھسڈی ہے گورمنٹ سے کیا جواب ملا۔ فیر پلے اینڈ نو فیور۔ بے شک یہ نہ صرف منصفانہ جواب تھا بلکہ نہایت مناسب اور دانشمندانہ اگر کہیں گورمنٹ مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی رعایت کر گزرتی تو یقین جانو کہ جس جگہ آج مسلمانوں کو دیکھتے ہو اس سے بھی ضرور سو قدم پیچھے ہٹے ہوئے ہوتے۔ میں کبھی مسلمانوں کی خستہ حالی دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہوں اور اس کو اُن کی فلاح آئندہ کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں۔ ایک مدت ہوئی کہ میں حیدرآباد کی گورمنٹ سے علیحدہ ہوں مگر تاہم اتنا وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گورمنٹ حیدرآباد نے جو امداد کی اس سے اُن کا مقصود مسلمانوں کو صرف نمونہ دکھا دینا تھا کہ ہم نے ایک اخوت اسلامی کا پاس کر کے اتنا کچھ کیا۔ تم کو بھی اخوت اسلامی ہم وطنی اور دوسرے چند در چند تعلقات کے لحاظ سے جس قدر کا مقدور ہو کرنا چاہئیے۔ دو قسم کے مسلمان ہیں ایک با مقدور جو اپنے بچوں کی تعلیم کا خرچ اُٹھا سکتے ہیں میں ایسے لوگوں کی طرف سے سخت بدگمان ہوں۔ یہ سمجھے رہو کہ ہر ایک کلیے میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں اسی طرح سب با مقدور مسلمان ایک طرح کے نہیں۔ تاہم اکثر اس خیال کے ہیں کہ ادنیٰ اور اعلیٰ اور عربی اور انگریزی سے کیا بحث وہ سرے سے کسی طرح کی تعلیم کو اپنے لیئے ضروری نہیں سمجھتے اُن کی پندار میں دنیاوی تعلیم معاش پیدا کرنے کے واسطے ہے جس کی اُن کو حاجت نہیں اور دینی مسجد کا مُلّا بننے کی غرض سے جو اُن کے لیئے موجب عار ہے۔ اے کاش خدا اُن کے دل میں ڈالے کہ اُن کی اولاد بدون تعلیم کے اپنی پوزیشن اور ریسپکٹ اور تموّل کسی چیز کو بھی زیادہ دن تک نہیں سنبھال سکے گی۔ بہرکیف میرے نزدیک ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح دیر طلب ہے اور یہ تو ہیں فار اینڈ ایجوکیشن ازکتسبلا اتنے ہی مصرف کے ہیں کہ ان کو دم جھانسا دے کر جو کچھ ان سے وصول ہو غربا کی تعلیم میں صرف کر دیا جائے یُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَیُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ رہی یہ بات کہ ان سے اپنی منقوش کس طرح اُگلوائے جائیں اس کی تدبیر ان بڑے میاں سے پوچھی جائے

۵۵ [illegible] ۱۲

مال داروں سے لے کر ناداروں پر بانٹ دیا جاوے ۱۲۔

جنھوں نے لاٹری کی تھیئٹر میں سوانگ بھرے۔ گلے میں جھولی لٹکا کر بھیک مانگی یہی منبر سے
کوئی بات اُتاریں تو ہماری قوم کے ایڈیٹر بجیں۔ دوسری قسم کے مسلمان جن کی تعلیم پر زور دیا جاسکتا ہی
اور زور دینا مناسب ہی وہ لوگ ہیں جو پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھائے جانے کے قابل ہیں لیکن مصارف
تعلیم کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ مجھ کو معلوم ہو کہ ہمارے رفارمر ایسے ہی لوگوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں بھی مگر
میں آپ صاحبوں سے معافی مانگ کر یہہ کہنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کے لیئے لوگوں کے انتخاب میں کسی قدر بے
احتیاطی ہوتی ہی اور ابتدائی جوش میں بے احتیاطی کا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں میں اس پالیسی کا نہایت
سختی کے ساتھ مخالف ہوں کہ لوگوں کو دوسرے پیشوں سے بہکا کر پھسلا کر تعلیم کے ڈربے میں ٹھونسا جاے
تھوڑے پورے تعلیم یافتہ بہت زیادہ مفید ہوں گے اپنے حق میں۔ قوم کے حق میں۔ ملک کے حق میں
گورنمنٹ کے حق میں۔ بہ نسبت بہت سے ادھورے جیک آف آل ٹریڈز اینڈ ماسٹر آف نن[1] کے جس بے احتیاطی کا
میں شاکی ہوں وہ اتنی امداد کے دینے میں نہیں ہوتی جتنی امداد کے لینے میں۔ لوگوں کو دیکھنا چاہیئے کہ
ہمارے تعلیمی فنڈ کیسی غریب اور نحیف مستقیم حالت میں ہیں ہم اسکالرشپ دے سکتے ہیں وہ بھی بڑی ہی
مشکل سے نہ تنخواہ ہم طالب علموں کے تعلیم کے ضروری مصارف کا تکفل کر سکتے ہیں۔ وہ بھی بدقت
نہ اُن کے کنبے کے خرچ کا۔ ہم لوگوں میں یہ عام غلط فہمی ہو کہ اسکالرشپ کو تنخواہ سمجھ لیا جاتا ہی۔ گویا تعلیم پانا
خدمت ہی۔ اور اسکالرشپ اُس کا معاوضہ۔ مجھ کو مرحوم دہلی کالج میں اپنا وظیفہ پانا یاد ہی جس
دن سے وظیفہ شروع ہوا میں نے اور نہ صرف میں نے بلکہ ہمارے خاندان نے اس کو سلسلۂ ملازمت
کا آغاز سمجھا۔ عربی جماعتوں میں تو کچھ ایسے بڑے بھاری وظیفے تھے نہیں مگر انگریزی کلاسوں میں بعض
اسکالرشپ ایسے محاصل کے تھے کہ شروع میں اتنے کی نوکری بھی نہیں ملتی۔ ہم لوگوں میں طالب علمی
کا ایک طریق یہ تھا۔ اور اب بھی ہی مگر کم۔ اس واسطے کہ اُن علوم ہی کا رواج کم ہوگیا۔ بڑے بڑے شہروں
میں جہاں پڑھنے پڑھانے کا چرچا ہوتا تھا۔ باہر کے لوگ طالب علمی کے لیئے بکثرت آ پہنچتے تھے یہ لوگ
اکثر مسجدوں میں رہتے۔ اور صدقات پر گزران کرتے کسی کو عار کا موجب ہو تو ہونگے میں اس کو فخراً

---

[1] را ۱۲ [2] ذو فنون کامل ایک میں بھی نہیں ۱۲

بیان کرتا ہوں کہ میری طالب علمی کا ابتدائی حصہ اسی طرح پر بسر ہوا ہے۔ اِن طالب علموں کا حال یہ تھا کہ بہتیروں کو دو وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہ تھا۔ چھاپے خانوں کی تو افراط اب حال میں ہوئی ہے کتاب بمشکل سے مانگی ملتی تھی دس دس بیس بیس اور اس سے بھی زیادہ ایک سبق میں شریک ہوتے۔ سب کے سب سامع اور اُن میں سب سے زیادہ خوش نصیب قاری۔ اور میں نے ایسے ہی بے سرو سامان لوگوں کو علم سے بہرہ مند ہوتے دیکھا ہے۔ اگرچہ میں بے سامانی میں بعض سے بڑھ کر اور اکثر کی برابر تھا مگر افسوس ہے کہ علم کے اعتبار سے سب سے گھٹا رہا۔ غرض طالب علمی کا ایک رنگ تو وہ تھا اور ایک رنگ کالجوں اور اسکولوں کے طالب علموں کا ہے۔ کہ اُن کو دو وقتہ کے کھانے کے علاوہ کہ وہ بھی انگریزی ہو تو ہٹ ہٹ اور ہندوستانی طور کا ہو تو تھو تھو دوزخ شکم بھرنے کے لیئے چاہیئے بریک فاسٹ[1] اور ٹیفن[2] اور ٹی[3] اور اگز[4] اور فروٹس[5] اور وہاٹ ناٹ[6]۔ ہماری اورینٹل[7]۔ طالب علمی میں ستر عورت اور دفع حر و برد کے لیئے موٹا جھوٹا کپڑا میسر آ گیا تو کافی سمجھا جاتا تھا۔ اب کچھ نہ ہو تو شرٹ[8] پتلون[9] اور اوورکوٹ[10] ہینڈکرچیف[11] سٹاکنگز[12]۔ گلوز[13] فیز[14]۔ اور پھر مصیبت یہ کہ کھانے کے کپڑے اور ہوا خوری کے اور کالج آورز[15] کے اور۔ سونے کے اور کھانسنے کے اور چھینکنے کے اور۔ ایک پاکٹ میں بزاز ایک پاکٹ میں درزی۔ تو یہ ہی یا رو دوسروں کی کمائی پر اور یہ شتر غمزے۔ کیا فرق ہے ان طالب علموں میں اور اُن یورپین[16] سولجروں میں جو گرمی بھر خسخانوں میں پڑے اینڈتے ہیں۔ سولجر اور اس قدر آرام طلبی۔ اور طالب علم اور اس درجہ بناؤ سنگار۔ یہ وہ انگریزی ہی طور کا سہی۔ یہ ہنس کے سے پیتر سے جو سکھائے جاتے ہیں۔ ہیں تو خوشنما لیکن یہ لوگ کالج کا سا ہموار صحن اپنے گھروں میں کہاں پائیں گے۔ میں تو اُس وقت جانوں کہ لوگوں نے حقیقت میں انگریزی تعلیم کی قدر کی جب ایشیاٹک[17] سکالرز کی طرح فقر و فاقے کے ساتھ ان کو پڑھتے دیکھوں اس سے کہ

---

[1] ناشتہ ۱۲ [2] سہ پہر کا ناشتہ ۱۲ [3] چاے ۱۲ [4] انڈے ۱۲ [5] میوہ ۱۲ [6] اور کیا کیا ۱۲ [7] مشرقی ۱۲
[8] کرتہ ۱۲ [9] پاجامہ ۱۲ [10] بڑا کوٹ ۱۲ [11] رومال ۱۲ [12] موزے ۱۲ [13] دستانہ ۱۲ [14] رومی ٹوپی ۱۲
[15] کالج میں پڑھنے کے گھنٹے ۱۲ [16] انگریزی سپاہی ۱۲ [17] مشرقی طالب علم ۱۲۔

پولیٹکل اکانمی[۱] کے اصول کے مطابق عاجل منفعتیں ہمیشہ چھوٹے اور ذلیل کاموں میں ہوا کرتی ہیں اور علم کا تو یہ ہے کہ ٹائم اور روپیہ[۲] تو یقیناً اور شاید ہیلتھ[۳] بھی ان سب کو سیکریفائس[۴] کرو تب کہیں جاکر علم حاصل ہو تو ہو اور جب علم حاصل ہو گیا تو اس کے فائدے ایسے ہی ٹینجبل[۵] ہیں جیسے دنیا کے دوسرے نتائج مثلاً کشش سے پتھر کا زمین پر گرنا یا لکڑی کی ناؤ کا پانی پر تیرنا اور اگر نتائج اسباب سے تخلف کیا کریں یعنے اسباب موجود ہوں اور نتیجے کبھی مترتب ہوں اور کبھی نہ ہوں تو دنیا دار الاسباب کیوں کہلائے اور نظام عالم سارا درہم برہم اور مختل ہو جائے۔ اور یہ جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کو تم وجہ معاش میں حیران و سرگرداں پڑے پھرتے دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ تعلیم بے سود ہے یہ تو خود ان ہی کی غلطی ہے انھوں نے معاش کے لئے علم پڑھا اور پھر ایک طرز خاص اپنی نوکری کی لکیر کے فقیر ہو کر بیٹھے ہیں کسی کا کیا اچھا مقولہ ہے کہ پانی کو اٹھا ہوا دیکھو وہ اپنا رستہ آپ کر لے گا۔ دنیا کے اعتبار سے ہماری اور اہل یورپ کی حالت میں جو تفاوت ہے وہ اجلی البدیہیات ہے سب کو سوجھتا ہے کہ ان کو ترقی ہے اور ہم کو تنزل۔ وہ مالدار ہم مفلس۔ وہ حاکم ہم محکوم۔ وہ لائق ہم نالائق۔ وہ ہنرمند ہم بے ہنر۔ وہ اقبال مند ہم بدبخت۔ غور کر کے دیکھا کس نے؟ خود گورنمنٹ نے جس کو یقین ہے ماں باپ کی طرح ہماری پرداخت منظور ہے۔ اور ہم میں سے اس نے جس کو خدا نے درد مند دل اور آنکھیں بصیرت دی ہیں کہ ہم میں اور اہل یورپ میں صرف ایک ہی وجہ فارق ہے تعلیم کہ وہ عالم ہیں اور ہم جاہل۔ چنانچہ [illegible] رستے سے اہل یورپ معراج الکمال کو پہنچے تھے اسی ڈھرے کو لگا دیا۔ [illegible] آنکھیں [illegible] دل [illegible] دکھ پہنچے گے اور ضرور پہنچیں گے اور اگر [illegible] کی تو تم خود کوئی تدبیر سوچو۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ غرض تو تمہاری اصلاح حالت سے ہے [illegible] خیال اس میں [illegible] کریں یا بائیں [illegible]۔ اور اگر انگریزی تعلیم دنیا یا دین میں مضر ہو تو [illegible] اور کندۂ ناتراش رہ کر بہت کچھ دیکھ چکے ہو۔ کچھ کسر باقی ہو تو اور دیکھ لو مَنْ كَانَ يَظُنُّ[۶] أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا

---

۱ علم سیاست مدن ۱۲ ۲ وقت اور دولت ۱۲ ۳ تن درستی ۱۲ ۴ صدقہ ۱۲ ۵ ظاہر ۱۲ ۶ جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ دنیا اور آخرت میں خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو چاہیے کہ آسمان میں ایک رسی لٹکا کے پھر پھانسی سے لٹک مرے اور دیکھے کہ اس کی تدبیر سے اس کی شکایت رفع ہوتی ہے۔

وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۔ تمہارے آگرے میں ایک صاحب مِن وجہ بندے کے ہمنام ہو گزرے ہیں نظیر اکبر آبادی۔ من وجہ میں نے اس لیے کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا اور میرا نام ہے۔ اُن کا تخلص نظ سے تھا۔ اور میرا نام ذ سے ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں نہیں معلوم ہنسی ہے یا واقعی دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہے ؎

کوڈے تختے کو بجا اور دیکھ تک قدرت کے کھیل		چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

وہ تعلیم جس کی ضرورت ہے اور جو یقیناً مفید ہوگی اور جس کے ہوتے ناکامیابی ہو ہی نہیں سکتی وہ سٹمڈیئرنگ[1] آف انگلش نہیں ہے بلکہ وہ سَوْنڈ سائنٹفک نالج[2]۔ لیکن ذرا انصاف سے دل میں سوچو کہ ہم لوگوں نے ابھی تک سٹمڈیئرنگ[3] کے سوا کچھ اور بھی سیکھا ہے اور بڑ بڑانا یہ ہے کہ ہائے ہم کو راتھس چائلڈ[4] کی سی دولت کیوں نہیں ملتی ؎

	عمل ایں وانگہش لب نغمہ پرداز		کہ مسکیں ایں ندارد آں ندارد	

ارادے بڑے ہمتیں قاصر۔ کام بنے تو کیوں کر بنے۔ قومی تعلیم مونھ سے کہ دینے کو تو دو لفظ ہیں مگر ہندوستان میں قوم عبارت ہے چھ کروڑ آدمیوں سے اور تعلیم سے مقصود ہے اس چیز کا سکھانا جس سے ان کے کان آشنا نہیں اور کان آشنا نہ ہونے کے علاوہ طلب صحیح پر دیر طلب۔ اور لوگ کارہ اور متنفر یہ سب باتیں پیشِ نظر ہوں تو یاس و ناامیدی کا کوئی محل نہیں۔ بڑے کام اسی طرح تدریج کے ساتھ ہوتے ہیں اور اسی طرح تدریج کے ساتھ ہوں گے۔ جتنا گُڑ ڈالا ہے اُتنی مٹھاس بھی ہے۔ لوگ کامیابی کی مثالوں سے تو قطع نظر کر لیتے ہیں اور ناکامیابی کے شواہد نصب العین رکھتے ہیں جس سے اُن کے دل شروع سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور یہی شکستہ دلی آخر کار اُن کی ناکامیابی کا سبب ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں میں نام و نمود کے سلف میڈ[5] لوگ کم ہیں مگر الحمد للہ ہیں اور میں جانتا ہوں کوئی پراونس[6] بلکہ ڈسٹرکٹ[7] ایسے متعدد مسلمانوں سے خالی نہیں تو جو شخص پڑھتا ہے وہ اس اذعان سے کے

---

[1] انگریزی کی ٹوں ٹاں کرنا ۱۲ [2] کامل استعداد علمی ۱۲ [3] ٹوٹی پھوٹی بولی بولنا ۱۲ [4] ولایت کا ایک مشہور یہودی دولت مند تھا ۱۲ [5] جنھوں نے اپنی کوشش سے اپنی حالت کو بہتر کیا ہو ۱۲ [6] صوبہ ۱۲ [7] ضلع ۱۲

ساتھ پڑھے ہی کہ ان ناموروں میں سے ایک میں بھی ہوں گا اگر اُس کا ادعان بجا ہی تو اس کا میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس فہرست کے فرسٹ[1] ڈویژن[2] نہ ہوگا تو سکنڈ[3] میں ضرور ضرور ہوگا۔ اور میں کیا یقین دلاؤں گا خدا یقین دلاتا ہی اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ[4] ادعان رکھو گے تو محنت بھی کروگے۔ اور محنت کروگے تو کامیاب بھی ہوگے خدا کی قسم ہوگے۔ ایک تو میں قدر واجب سے زیادہ لیاقت کی قیمت لگانے سے منع کرتا ہوں اور ایک اہل یوروپ کے ساتھ ہمسری کے خیال سے کہ ان دونوں کا انجام ہی ناامیدی اور ناامیدی کا بیدلی۔ اور بیدلی کا حرمان۔ اس کو خدا کی طرف سے فیصل شدہ سمجھ لو کہ ہم کتنا ہی دوڑیں اہل یوروپ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے ہم میں اُن میں اُن دو کاشتکاروں کی سی نسبت ہی کہ ایک نے ابھی زمین میں ہل چلانا شروع کیا ہی اور ایک کاٹ گاہ کر غلّہ کھتّوں میں بھر رہا ہی شَتَّانَ مَا بَیْنَہُمَا[5] مگر ہاں دنیا کا رُوٹیشن[6] اسی طرح پر چلا آیا ہی کہ ایک قوم کی مفلسی اور تباہی حدِ غایت کو پہونچتی ہی خدا اُن کے دلوں میں ارادے پیدا کرتا۔ اور وہ قوم دولت کے کمانے پر کمربستہ ہوتی۔ جب وہ دولت پر پورا قبضہ پالیتی ہی۔ تو عیش و آرام طلبی میں پڑکر غافل اور کاہل ہو جاتی اور ترقی کے عوض رجعت قہقری کرنے لگتی اور چکّر کھا کر پھر مفلسی پر آگرتی ہی کوئی نہیں جانتا کہ اس روٹیشن میں ہم کس جگہ ہیں۔ اور اہل یوروپ کس جگہ۔ موجودہ حالت تو یہ ہی کہ اہل یوروپ فل سپیڈ[7] سے ترقی کی طرف چلے جا رہے ہیں اور ہم نہیں معلوم گرگرتہ نشین ہو چکے یا ابھی اور گرنا تقدیر میں ہی۔ یا سید احمد خاں اور ان ہی جیسے دردمندانِ قوم کے سہارا لگانے سے اگر کوئی ہوں کچھ اُبھرنے لگے ہیں مفلسی اور محکومی بھی کیا بری چیز ہی۔ انسان میں جو عیب واقعی ہیں اُن کے ظاہر ہو جانے تک کا تو ذکر ہی نہیں جو عیب نہیں ہیں وہ بھی تو ناحق اور ناروا افترے اور تھوپے جاتے ہیں یہ بالکل سچ ہی کہ اس وقت تک انگریزی تعلیم کا ماحصل نوکری ہی اور اس میں بھی پوری کامیابی نہیں۔ اور یہی نہیں کہ نہیں بلکہ کبھی ہوگی بھی نہیں۔ کیوں کہ ڈیمانڈ[8] سے زیادہ سٹاک[9] بھرتا چلا جاتا ہی اب سوا اس کے کہ ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوکری کے علاوہ معاش کے

---

[1] اول درجہ ۱۲ [2] دوسرا درجہ ۱۲ [3] میں کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا ۱۲ [4] دونوں میں بڑا فرق ہی ۱۲ [5] دورہ ۱۲

[6] تیز رفتار ۱۲ [7] طلب ۱۲ [8] ذخیرہ ۱۲

دوسرے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں اور کوئی تعجب نہیں ہے اور کیا ایسی موٹی بات ان طالب علموں کو نہ سوجھتی ہوگی۔ ضرور سوجھتی ہوگی مگر سب سے بڑی مشکل آن کر پڑی ہے کامپٹیشن کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستانی فطرتاً ذلیل اور مفلس اور کاہل ہوئے ہیں ان کے دماغ ہی غور کے لائق نہیں بنائے گئے ایجاد اور اختراع سے ان کو مناسبت ہی نہیں بعض کی یہ رائے ہے کہ ان کی تربیت ان کو نکما کر دیتی ہے بعض یہاں تک بھی کہہ گزرتے ہیں کہ ان کا مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ میں ان باتوں میں سے کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا سب زبردستی کے الزام ہیں۔ مگر کامپٹیشن کی البتہ مشکل ہے۔ اہل یورپ کے ساتھ مقابلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ سامان وغیرہ کی ارزانی۔ اور بہت کچھ آسان کام۔ ہم ایجاد و اختراع اہل یورپ کی منتشی [illegible] ہے اور وہ [illegible] سکتے ہیں اور ہم [illegible] ہے اور تو سستی۔ مارکیٹ میں اہل یورپ کے آگے ہمارے [illegible] ٹھہر نہیں سکتے۔ اور یوں کہ کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کار ہوں گے اور نہ ہوں گے تو کیا کر کے کھائیں گے۔ میں تعلیم کے متعلق اتنا کچھ کہہ چکا ہوں اور ابھی کچھ اور بھی کہنا تھا۔ میں سمجھ کر یہ غرض نہیں کہ میں آپ سب صاحبوں پر اپنا مطلب ایسا [illegible] ظاہر کر دوں۔ بات یہ ہے کہ میں تو ان معاملات میں غور بھی کم کرتا ہوں بلکہ نہیں کرتا۔ لیکن سید احمد خان کے اصرار سے کھڑا ہوا ہوں تو اپنے خیالات ظاہر کئے ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ سر سے اب بھی تمہارے اس کانفرنس کے اصول ہی ٹھیک نہیں بیٹھے ہیں۔ گو پارسال حاضر نہیں ہوا مگر یہ بات خیال میں ہے اور خیال میں ہے تو ضرور کانفرنس کی تحریرات میں نظر سے گزری ہوگی کہ فرامین شاہان سلف کے جمع کرنے کی تجویز پیش ہو کر منظور ہوئی ہے۔ میں اس وقت ہوتا تو کہتا جو کچھ زبان یاری دیتی۔ مگر اب تو مجھ کو اتنا ہی کہنا منظور ہے کہ کانفرنس کے دائرے کو وسیع کر کے لوگوں کی توجہ کو منقسم کرنا ہماری حالت کے مناسب نہیں۔ بیشک شاہان سلف کے فرمان جو کہیں نظر پڑ جاتے ہیں تو ان کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی اور روح تازہ ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ ان کے خطاب اور تعالیٰ اللہ ان کی عبارت۔ پھر

[illegible]

کسی میں سرفرازی خدمت ہے۔ اور کسی میں عطائے جاگیر اور کسی میں نوازش خطاب اور کسی میں تقرر منصب۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب مضامین دلوں کے خوش کرنے والے ہیں مگر بعض مجھ جیسی روتی صورتوں کو کبھی یہ بھی خیال آجاتا ہے ع

وہ وقت وہ سمے وہ زمانے کدھر گئے

لیکن بہرکیف یہ تحقیقاتیں ہیں اینٹی کویرین[1] کی باتیں ہیں ہم کو تو اپنی تمام توجہ صرف ایک ہی امر میں محصور رکھنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے لوگ انگریزی پڑھیں انگریزی پڑھنے سے خواہی نخواہی انگریزوں کا سا مذاق پیدا ہوگا۔ اور اس طرح کی تحقیقاتوں میں ضرور رفتہ رفتہ ملے گا کہ آدمی اصل میں بندر تھے اور پھر رفتہ رفتہ دم ندارد ہو کر ہمارا تمہارا کی لنڈورے رہ گئے ڈارون صاحب ابھی تک یہ عقدہ حل نہیں کر سکے کہ دُم کیا ہو گئی۔ مگر جب ہمارے انگریزی خواں ان تحقیقات کے درپے ہوں گے تو ان کو قدرت کی کتاب سے بھی کچھ نہ کچھ مدد ملے گی اس کا تو مجھ کو عقیدہ ہے کہ ہمارے سید احمد خان کو بڑی دور کی سوجھتی ہے اور جو کچھ کرتے ہیں آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ایک نہ ایک دن مسلمانوں کے حق میں اس کا فائدہ مترتب ہوگا یہ ہوگا مگر کیا کروں میں کچھ ایسا ڈل ہوں کہ مجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ شعر

پر طبیعت ادھر نہیں آتی	جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد

لیکن خدا کا فضل ہے کہ اتنے سارے خیر خواہان اسلام جمع ہیں۔ جو اس سردی میں دور دور سے اسی لیے تشریف لائے ہیں کہ اپنی بدنصیب قوم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ افسوس ہے کہ اس جم غفیر کی سعی مشکور نہ ہو۔ مگر یوں کہو کہ ابھی تک سعی کا اسلوب ٹھیک نہیں بیٹھا۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ لکچرنگ اور سپیچفائنگ اور آریٹری ان سب کو تو رکھا جائے بالائے طاق۔ اور کانفرنس کا نام ہو ڈیڈز اینڈ نو ورڈز کانفرنس کے اجلاس کی ترتیب اس طور پر ہو کہ پراونس اور ضلع ایک دوسرے سے متمیز ہو سکے۔ ہر ضلع کے ریپریزنٹیٹو ایک تحریری فہرست داخل کریں کہ آئندہ سال کے لیے کون کام

[1] حالات زمانہ سابق کی تحقیق کرنے والے ۱۲ [2] رومی ٹوپی ۱۲ [3] سمت ۱۲ [4] لکچر دینا ۱۲ [5] سپیچ دینا ۱۲ [6] فصاحت و بلاغت ۱۲ [7] اشعار ۱۲ [8] فعل چاہیئے نہ قول ۱۲ [9] وکلا ۱۲

وہ اپنے واسطے تجویز کرتے ہیں اور کون کون اس کام کا بیڑا اُٹھاتا ہی پھر دوسرے برس جب
کانفرنس جمع ہو تو پچھلے برس کی کارروائی کا نتیجہ دکھائیں کہ کیا کہہ گئے تھے اور کیا کر کے لائے۔
اسی کی رپورٹ ہو اسی کی کیفیت اسی میں غور ہو اسی پر بحث۔ اسی طرح ہر کانفرنس میں کارروائی
ہوتی رہے۔ تب تو کچھ کام چلے گا ورنہ گستاخی معاف اِس مَاکرِیْ[۵۱] آف کانفرنس سے نہ اب تک کچھ
ہوا اور نہ کچھ ہونے کی اُمید۔ بڑی شرم کی بات ہی کہ ہول[۵۲] برٹش انڈیا بلکہ برٹش انڈیا سے باہر دور دراز ملکوں
میں شہرت ہو کہ ہم اتنے مسلمان ہر برس مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئیے جمع ہوتے ہیں
اور حقیقت یہ کہ سید احمد خاں کی ذاتی کوششوں کے نتائج سے قطع نظر کر و توٹل[۵۳] آر نگلکٹ
ٹوٹل اپ شاید کوئی ایسا ہی قسی القلب یا احسان ممد احمق دشمن اسلام مسلمان ہوگا جو سید احمد خان کا مرنا چاہتا ہو مگر
سید احمد خاں مسلمانوں کے رفارمر (اس میں مجھکو تھوڑا سا کلام بھی ہی) مسلمانوں کے خیر خواہ ہونے
سے اِمارٹل[۵۴] تو نہیں ہو گئے۔ ہم نے اِن کے جیتے جی کون سے قلعے فتح کر لیئے کہ اِن کے مرنے سے
اس کھیل کے بھنڈ ہو جانے کا خوف نہ کیا جاوے۔ جیسا حال کانفرنس کا ہی۔ اس سے بدتر بہت
بدتر بہنایت بدتر علی گڈھ کالج کا تھا۔ جس وقت سید احمد خاں نے کالج کا چندہ شروع کیا ہی سید
احمد خاں کے بُوزم فرینڈز یعنی حوارین کا تو حال معلوم نہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ جس نے
سُنا یہی کہا ع

دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

اب وہی کالج ہی کہ ماشاء اللہ اس کا ایک عظیم الشان کارخانہ ہی۔ کالج پر قیاس کر کے میں کہتا ہوں کہ
اس کانفرنس میں بھی کچھ بھید ہی اور یہ بھی کبھی نہ کبھی وقت اپنا رنگ لائے گا پر لائے گا اور تعلیم کی دنیا
میں ایک پوزر[۵۵] ہو گا۔ مگر کون کہہ سکتا ہی کہ اُس وقت تک سید احمد خاں کا ہاتھ بھی اُس کے سر پر
ہو گا یا نہیں۔ کالج تو ایک پکّی پکائی رسوئی تھی سید محمود جنٹ سکرٹری بن کر پروسنے میں باوا کا
ہاتھ بٹوانے کو آکھڑے ہوئے۔ کانفرنس میں رسوئی کے پکنے اور پروسنے اور جیمنے کا کیا مذکور ہی۔

---

[۵۱] کانفرنس کی ہنسی ۱۲ [۵۲] تمام ہندوستان ۱۲ [۵۳] کچھ نہیں یا کچھ نہیں کے قریب ۱۲ [۵۴] غیر فانی ۱۲ [۵۵] طاقت ۱۲

ابھی چوکے کی گوبری تک بھی نہیں دی گئی۔ پس سید احمد خاں کو مدد کی بڑی ضرورت تو کانفرنس میں ہی۔ کانفرنس تو ایسی پیز ہی کہ اگر اس کی کارروائی ٹھیک طور پر ہو تو کالج درکنار یونیورسٹیوں کو بلکہ گورمنٹ کے ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ کو ڈکٹیٹ کرے مگر لوگوں نے ابھی کانفرنس کی ماہیت کو نہیں سمجھا۔ حقیقۃ الحال تو نہیں ہی مگر کہتے ہیں اسی طرح آتا ہی کہ خدائے تعالیٰ آدمی کو پیدا کرکے فارغ ہو جاتا ہی۔ یعنی اُس پروردگار نے آدمی کو اِس طور کا بنایا۔ کہ اُس میں چند قوتیں ودیعت رکھ دیں اور اُس کو پورا اختیار دیا کہ اِن قوتوں کو کام میں لاکر ترقی کرے۔ اس وقت تک کسی پر منکشف نہیں ہوا کہ آدمی کس حد تک ترقی کر سکتا ہی۔ قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں — ور رود سوے آں شود بہ ازاں

بہر کیف ترقی و تنزّل دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے۔ انسان کی اپنی ہی کوشش یا غفلت کا نتیجہ ہی۔ اور یہ بات مسلمات بلکہ یقینیات سے ہی کہ جن قوتوں کے ذریعے سے انسان ترقی کر سکتا ہی اِن کو صرف تعلیم ڈِویلپ کر سکتی ہی۔ پس خدا میں اور تعلیم میں وہ نسبت ہو گی جیسے ایک مصور نے خاکہ بنا دیا اور دوسرے نے اُس میں خال و خط پیدا کیا۔ نوک پلک نکالی۔ رنگ و روغن بھرا۔ لباس پہنایا۔ آئینہ چوکھٹا لگایا۔ تو جو لوگ اپنے ابنائے جنس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں گویا اِن اغراض کی تکمیل کرتے ہیں جن کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہی کانفرنس کو اُس کی ٹرُو لائیٹ میں دیکھنے کا یہ طریقہ ہی جو میں نے عرض کیا۔ اب فرماؤ کہ اتنے بڑے کام کے سرانجام کے لئے کیا اہتمام کیا گیا ہی اور کیا اہتمام کرنا چاہئیے کئی برس سے اس کا بھی غل مچ رہا ہی کہ ٹکنیکل ایجوکیشن کو عام تعلیم کے پروگرام میں شامل کرنا ضرور ہی اور ٹکنیکل ایجوکیشن عام تعلیم کے پروگرام میں شامل ہوئی تو خواہی نخواہی کانفرنس کے پروگرام میں بھی اِس کو لینا ہو گا لیکن میں بوجوہ چند در چند اس کا سخت مخالف ہوں میں تو سرے سے کانفرنس کی حدود کی توسیع ہی کو پسند

ﻫ۱ سررشتہ تعلیم کا محکمہ ۱۲ ﻫ۲ راہ بتلائے ۱۲ ﻫ۳ ترقی ۱۲

ﻫ۴ حالت اصلی ۱۲ ﻫ۵ تعلیم عملی ۱۲

نہیں کرتا [۱] طلب الکل فوت الکل دوسرے ٹکنیکل [۲] ایجوکیشن ہی کیا چیز عمل بالید جس کو فلسفہ اور اخلاق کی کتابوں میں حکمت عملی سے تعبیر کیا ہو سو ظاہر بات ہو کہ بدون علم کے عمل ہو نہیں سکتا یہ جو لوگ مثلاً کلیں ایجاد کرتے ہیں اولاً اُن کے اصول کے مطابق جو اُن کو پہلے سے معلوم ہیں ایک منصوبہ سوچتے ہیں۔ پھر اُس کو بنا کر چلا کر دیکھتے ہیں اور جو کور کسر رہ جاتی ہو غور کر کے اُس کی اصلاح اور تکمیل کرتے ہیں تب کہیں جا کر کام بنتا ہی۔ یہاں سر سے سے علم ہی ندارد ہی ع

دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے

منصوبہ سوچیں کیا خاک اور عمل میں لائیں کیا اپنا سر۔ بدون علم کے ٹکنیکل لائن میں صرف نقالی ہو سکتی ہی۔ اور اس سے کوئی ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ ورنہ ہر ایک کل میں جتنے لوہار بڑھئی قلی مزدور کام کرتے ہیں سب انجینیر ہو جایا کریں اور ایسا نہ ہوا ہی نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہی بدون سائنس کے ٹکنیکل انسٹرکشن کچھ کام نہیں آسکتی۔ اور سائنس ہی وہ چیز ہی جس سے ہماری قوم کے کیا جوان کیا بوڑھے کوسوں بھاگتے ہیں ہم مسلمانوں کی دنیوی مشکلات دیکھ کر بعض وقت بڑا ہی ترس آتا ہی کہ یا الٰہی یہ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور پھر بھی کبھی کچھ پنپیں گے۔ زمانے کا رنگ ان کی نادانی اور بے سامانی یہ سب خیالات ہجوم کرتے ہیں تو اندر سے جی بیٹھا چلا جاتا ہی اور ہر چند دفع کرو چاروں طرف سے یہی آواز آتی ہی ع

ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں

یہ نہیں کہ ان کی درستی کی تدبیریں نہیں ہیں اور پریکٹیکل [۳] بھی ہیں مگر یوں کہ ان ہی کے کرنے کی ہیں قریب قریب امپاسبل [۴] کے ہیں جن کے سنبھالے دنیا نہ سنبھالی جائے۔ اُن کو دین و مذہب کی ذمہ داریاں یاد دلانا وہی مثل ہی کہ مرتے کو مارے شاہ مدار شعر

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست		مشکل کہ اُس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

لیکن اس سے کہ ہم ذمہ داری کا خیال نہ کریں وہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے ہم کو بھگتنے ہوں گے سمجھیں یا نہ سمجھیں سوچیں یا نہ سوچیں۔ اس کارخانہ دنیا میں یہ نہیں کہ ہم کو اختیار نہیں ہی مگر گویا

۱ھ کل کے درپے ہونے کا نتیجہ ہو کہ کل فوت ہو ۱۲ ۲ھ تعلیم رفتہ و صنعت ۱۲ ۳ھ عملی ۱۲ ۴ھ ناممکن ۱۲-

کہ نہیں ہے تو جو باتیں ہمارے اختیار سے خارج ہیں۔ انتظامِ الٰہی کے مطابق اپنے وقت پر ہو کر رہیں گی ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ مثلاً یہ تو بے شک ہمارے اختیار میں ہے کہ موت کا خیال دل میں نہ آنے دیں اور نہیں آنے دیتے اور آنے دیتے تو دنیا کا کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔ مگر ہمارے خیال نہ کرنے سے موت تو سر سے نہیں ٹلتی۔ وہ ایسے دبے پاؤں چلی آ رہی ہے کہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس کے کتنے پاس آ پہونچی ہے۔ اور کس وقت کس جگہ کس حالت میں اُس کا ٹینٹوا آ دبائے گی وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ[1] اِن ہی دنیا اور دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا[2] اِن ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے جنابِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ خدا کی طرف سے فرمان لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا[3] مل چکا تھا مگر ساری عمر وہ غافلانہ ہنسی جس کو قہقہہ کہتے ہیں اور جس کی شان میں یُمِیْتُ الْقَلْبَ[4] آیا ہے ہنسنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ہمہ وقت سوچ میں رہتے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ اِن ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے صحابۂ کرام کے یہ مقولے بروایتِ صحیحہ ہم تک پہونچے ہیں کہ ایک کہتے تھے کہ ای کاش میں پتھر ہوتا۔ دوسرے آرزو کرتے تھے کہ گھاس ہوتا جانوروں نے چرا اور لید او مینگنی اور گوبر کر کے نکال پھینکا۔ ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کی اعتبار سے کسی نے انسان کے حق میں کہا ہے مِسْکِیْنٌ اِبْنُ اٰدَمَ[5] اَیْ مِسْکِیْنٌ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ اِن ہی دین و دنیا کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے

---

[1] کسی شخص کو خبر نہیں کہ کہاں مرے گا ۱۲ [2] ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا وہ بڑا جفاکار اور نادان ہے ۱۲ [3] تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور تم کو سیدھا رستہ دکھائے اور تم کو غالب فتح مندی دے ۱۲ [4] دل کو مار دیتا ہے ۱۲ [5] آدمی بیچارہ مسکین ہے بیچارہ بن چھری حلال کیا گیا ہے ۱۲

شاعر کہتا ہے ؎

پیمانہ ہو کے آتا کسی بادہ کش کے کام	آدم بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

ان ہی دنیا و دین کی دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے لوگوں نے جوگ اور سنیاس اور رہبانیت کے طریقے اختیار کیئے اگرچہ اس طریقے کو اسلام نے جائز نہیں رکھا اور سچا جائز نہیں رکھا لیکن اس سے اتنا پتہ تو چلتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا و دین کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح جانچا اور تولا ان میں بہتیرے ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنھوں نے اپنے میں اس جوڑی کے ہلانے کی طاقت نہ پاکر اس ریاضت سے جان چرائی ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رہبانیت کے طریقے میں مشقت زیادہ ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے میں نے آزمایا نہیں اور خدا نہ کرے کہ کوئی بھلا آدمی آزمائے مگر سنا ہے کتابوں اور اخباروں میں پڑھا ہے کہ شراب کا نہ پینا چنداں مشکل نہیں جتنا کہ پینا اور اس میں اعتدال کا لحاظ رکھنا۔ غور سے دیکھا جائے تو رہبانیت بڑے دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس میں قانون قدرت کی صریح مخالفت ہے اور وہ کسی طرح چل نہیں سکتی **قطعہ**

اے ذوق کرے گا کوئی دنیا کیا ترک	دنیا ہے بڑی بلا ارے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا	جب تک نہ کرے آپ اسے دنیا ترک

اور شاید باحتمال ضعیف کسی گرانجان راہب کا کچھ مرنکال کر چلی بھی تو لازم آتا ہے کہ ابطال حکمت الٰہی کیا خوب فرمایا ہے[۵۱] وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ پس یہ شرط عبودیت نہیں اور ہونی چاہیئے بھی نہیں کہ ہم کو بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں پتھر یا بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں فرشتے۔ بلکہ جیسا آدمی بنایا ہے اسی آدمیت کی شان میں رہنا ہی عبودیت ہے۔ اگرچہ اسلام نے رہبانیت کے مٹانے میں کمی نہیں کی اور ربانی اسلام نے باواز بلند پکار دیا کہ[۵۲] لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ مگر انسان کچھ اس طرح کا مخلوق ضعیف اور ڈھلمل یقین اور متزلزل ہے کہ وہ درجہ توسط و اعتدال پر قائم رہ نہیں سکتا **شعر**

---

۵۱ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے [illegible] ۵۲ [illegible] اسلام میں جوگ اور سنیاس نہیں ۱۲

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

اب عموماً دو قسم کے مسلمان پائے جاتے ہیں یا رہبانیت لیئے ہوئے جو زاہد اور تارک الدنیا ہو تو کیا سکتے ہیں مگر بننا اور بنانا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے زمانے کے علما و مشائخ اور اُن کے شاگرد اور مرید ہیں اُن کی تعلیم کا ماحصل ہے دنیا سے گریز دنیا سے نفرت یعنی وہی رہبانیت۔ دوسرے وہ ہیں اور یہ پہلے گروہ سے شمار میں بہت زیادہ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ پیغمبر صاحب سے فرماتا ہے فَأَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور دنیا کی زندگی کے سوا اُس کو اور کچھ درکار نہ ہو ایسے لوگوں کو مونھ مت لگاؤ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے میرا خیال یہ ہے کہ مذہب انسان کے کانسٹیٹیوشن[۱] میں داخل ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تاہم میں بڑے زور سے آپ صاحبوں کو مذہب کی طرف متوجہ کرتا ہوں اس لیئے کہ تعلیم کیسی ہی مکمل کیوں نہ ہو مارلز[۲] کے بدون کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی اور مارلز بدون مذہب کے درست نہیں ہو سکتے۔ بیشک سوسائٹی کو مارلز کے فارمیشن[۳] میں دخل عظیم ہے لیکن جو مارلز صرف سوسائٹی کے انفلوئنس[۴] پر مبنی ہوں راسخ نہیں ہو سکتے کَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ[۵] اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ اگر دین و مذہب سے الگ رہ کر لوگوں کو تعلیم دی جائے تو میرے نزدیک اس کی ایسی مثال ہوگی کہ چلبلے اور شریر لڑکے کو راجرز کا چاقو کھیلنے کے لیئے پکڑا دیا جائے وہ ضرور اپنا ہاتھ کاٹ کر رہے گا۔ اگرچہ تعلیم کا ایورج[۶] تھوڑا ہے مگر اب بھی ایسی مثالیں بہت ہیں کہ کالج یا اسکول سے نکل کر لوگ آفٹر لائف[۷] میں تعلیم سے راحت کی جگہ طرح طرح کی ایذائیں پاتے ہیں اور اس کا یہی سبب ہوتا ہے کہ مارلز کی خبر گیری نہیں کی گئی۔ بیشک مذہب میں ایسی بھی بہت سی باتیں ہیں جن کو تمدن سے کچھ علاقہ نہیں لیکن واقع میں مذہب اور خاص کر مذہب اسلام ایسا جامع دستور العمل ہے کہ کسی حالت کا آدمی ہو مرد اور عورت عالم اور جاہل تونگر اور مفلس تن درست اور بیمار مقیم اور مسافر حاکم اور محکوم لاولد اور صاحب اولاد

---

۱ ساخت ۱۲ ۲ اخلاق ۱۲ ۳ بناوٹ ۱۲ ۴ دباؤ ۱۲ ۵ اس کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا ہے ۱۲ ۶ اوسط ۱۲ ۷ زندگی مابعد ۱۲

مجرد اور متاہل اس کو تمام زندگی میں جو کچھ کرنا ہے اس دستور العمل میں اس کے لیئے ہدایت موجود ہے۔
خدا کو جب بنی نوع انسان کی اصلاح منظور ہوئی تو اُس نے ایسی خراب سوسائٹی میں جس سے بدتر
اُس وقت روئے زمین پر کوئی قوم نہ تھی اپنے سچے اور سادہ اور بے تکلف اور غیر متصنع پیغمبر یعنی فطرت کے
کامل ترین نمونے کو بھیجا۔ اُن کے اقوال اور افعال سب قرآن اور حدیث میں مدون اور منضبط ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی شفیق باپ ہمہ وقت اپنے اکلوتے بیٹے کی حرکات و سکنات پر
نظر رکھتا اور وقتاً فوقتاً بات بات میں اُس کو روکتا ٹوکتا رہتا ہے۔ ہیں سلام نہیں کیا۔ اُنھوں نے
مزاج پوچھا تھا تم کو کہنا چاہیئے تھا کہ الحمد للہ جب کھانسی یا جمائی لو تو مونھ پر ہاتھ رکھ لیا کرو۔
بعینہٖ یہی بلکہ اِس سے بہت بڑھ کر حال تھا پیغمبر خدا صلعم کا اپنی امت کے ساتھ چنانچہ ایک صحابی
فرماتے ہیں کہ آں حضرت[۱] نے ہماری تعلیم و اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا[۲] حَتّٰی عَلَّمَنَا
الخِرَاءَةَ۔ پس مذہب خون کی طرح ہماری سوسائٹی کے رگ و پے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور اگر ہم تعلیم کو
مذہب سے مجرد کرنا چاہیں تو پھر نہ اسلام ہے نہ نیشنلٹی[۳] ہے اور نہ سوسائٹی کچھ بھی نہیں مسلمانوں کی
ڈفنیشن[۴] اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ایک گروہ مذہبی ہے
ان میں ذات اور جماعت کا بھی امتیاز ہے مگر عند اللہ معتبر نہیں یَآ اَیُّھَا[۵] النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ
ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[۵] سیکنڈری[۶]
اسباب جو کچھ ہوئے ہوں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی ہستی اور ترقی و عروج کا پرائمری[۷] کاز
جوش مذہبی تھا لیکن کس قسم کا جوشِ مذہبی کیا اس قسم کا کہ دنیا سے بھاگو اور اُس کو طلب نہ کرو
اور اُس کے طلب کرنے کی تدبیریں عمل میں نہ لاؤ۔ صرف بڑی بڑی لمبی نمازیں پڑھو ڈھیر
سارے روزے رکھو اگر ایسا ہوتا تو آج شاید مکے مدینے میں بھی اسلام ڈھونڈا

---

[۱] یہاں تک کہ ہم کو استنجا کرنا تک سکھا دیا ۱۲ [۲] قومیت ۱۲ [۳] تعریف ۱۲ [۴] لوگو ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمھارے
گروہ اور جتھے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ
کے نزدیک ۱۲ [۵] دوسرے درجے کے ۱۲ [۶] اول درجے کا سبب ۱۲

نہ ملتا۔ نہیں نہیں نماز روزے کے علاوہ ایک اور ضروری مطلب اِن کے پیش نہاد خاطر تھا جس کے لیئے وہ سخت سے سخت مشقتیں اُٹھاتے جس کے لیئے وہ جان تک کے خرچ کر دینے میں مضایقہ نہ کرتے اور جس کے لیئے بمجبوری وہ نماز کو بھی قضا کر دیتے وہ کیا مطلب تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ" یا ملک گیری یا اعلاء کلمۃ اللہ یا طلب دنیا جن لفظوں سے چاہو تعبیر کر لو۔ مگر طلب دنیا اس مذموم پیرایہ میں نہیں جو ہم اختیار کر رکھا ہی عاقبت کو تباہ دین کو برباد کر کے غرض اعلاءِ کلمۃ اللہ کی وہ ایک شان تھی۔ جس کی نہ اب ضرورت اور نہ اُس کا موقع و محل۔ مگر کلمۃ اللہ ویسا ہی محتاج اعلاء ہی بلکہ مع شی زائد جیسا پہلے تھا۔ ہاں اُس شانِ سابق کو بدل دینا ہوگا۔ اس واسطے کہ خدا نے اپنی شان بدل دی۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ[1] ہم کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے جو شان اختیار کرنی ہو گی یہ ہی کہ صمیم قلب سے امپرس وکٹوریا کی وفادار رعایا رہ کر۔ دنیوی عزت اور دولت کے پیچھے ستو باندھکر پڑیں۔ اور کامپٹیشن[2] ریس میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور یہ بدون اس کے ہونا نہیں کہ جو پڑھ سکتے ہیں جی لگا کر پڑھیں۔ کیا انگریزی زبان اور انگریزی سائنس۔ اور جو خود نہیں پڑھ سکتے دوسروں کو خرچ دیں اور پڑھوائیں۔ اسلام کے سبھی رولز[3] گولڈن ہیں خاص کر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے دو ہی لفظوں میں دنیا اور دین اور شریعت اور طریقت اور ظاہر و باطن سب کا خلاصہ موجود ہی۔ جناب پیغمبر خدا صلعم کے خصائص میں سے جوامع الکلم بھی ہیں اور جوامع الکلم کی فہرست میں یہ حدیث سب سے پر ہی اور اس کے متواتر ہونے پر بھی اجماع ہی۔ مگر اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کے حسن و قبح کا مدار نیت ہی۔ اس میں اس زمانے کے مولویوں کے لیئے بڑی بکار آمد ہدایت ہی۔ یہ لوگ ظاہر پر بڑا زور دیتے ہیں جس سے عوام اسی کو مقصود بالذات سمجھنے لگتے ہیں حالاں کہ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[4] پکار رہی ہی کہ نیت پر زور دینا چاہیئے۔ ایک واعظ اپنے مستمعین کو مثلاً ہدایت کرتا ہی کہ پاجامہ ٹخنے سے اونچا رکھو مگر اس کی لم نہیں سمجھاتا کہ عرب کے لوگ شیخی کے لیئے اترانے کے طور پہ ازار کو لٹکاتے تھے پس اس ممانعت سے حقیقت میں مقصود یہ تھا کہ لوگ شیخی نہ ماریں اترائیں نہیں اونچا پاجامہ تو بجائے

---

[1] ہر روز اُس کی ایک نئی شان ہی ۱۲ [2] بجا بجی کی گھوڑ دوڑ ۱۲ [3] عمدہ اُصول ۱۲ [4] مدار اعمال نیت پر ہی ۱۲

خود اگر کوئی شخص گھٹنا پہن کر بھی اترائے تو عند الشارع ویسا ہی مبغوض ہے جیسے مُسْبِلُ الْاِزَار[1]- تو جس واعظ نے صرف نیچا پاجامہ پہننے سے منع کیا اور رمز نہ بتائی اُس نے تنۂ درخت کی تو خبر نہ لی پتوں کے کاٹنے کے پیچھے پڑ گیا اسی طرح اِس زمانے میں کفر بھٹوں اور سنگھاڑوں- اور مولیوں اور گاجروں سے زیادہ مستا ہے اگر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا خیال رہے تو مولویوں کو ناحق کے دردِ سر سے بڑی نجات ملے- شعر

مزن بپائے کہ معلوم نیست نیتِ او		بر آستانۂ میخانہ گر سرے بینی	

ہمارے انگریزی خواں ایک خاص مشکل میں مبتلا ہیں کہ لوگ انگریزی کی طرف سے بدگمان تو ہیں ہی بُری طرح اِن نوجوان لڑکوں کی تاک میں رہتے ہیں- انسان کی زندگی گو مختصر ہے مگر اُس کے بھی حصّے ہیں بچپن ہے جوانی ہے بڑھاپا ہے کسی کی ساری زندگی ایک طرح پر نہیں گزرتی- ہر ایک وقت اور ہر ایک رنگ شعر

حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں		یہ عمر اور عشق بت آزردہ جائے شرم	

ایک لڑکا جو آج کھیل کے پیچھے دیوانہ ہے- ایک وقت آنے والا ہے کہ وہ خود کھیل کود سے نفرت اور اپنے بیہودہ خیالات پر اپنے تئیں ملامت کرے گا جس طرح بچپن کی باتیں جوانی میں حقیر اور ذلیل معلوم ہوتی ہیں اسی طرح جوانی کی حرکتیں بڑھاپے میں مکروہ ہو جاتی ہیں اور کیا عجب ہے کہ مرے پیچھے تمام زندگی بے صرفہ و لاحاصل دکھائی دے- شعر

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا		وا اسے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا	

تو میرے کہنے کی غرض یہ ہے کہ مذہبی خیالات اور تمکین و وقار کے واسطے بھی عمر کا ایک وقت ہے کم سے کم یہ جو مجھ پر گزر رہا ہے- بلکہ میں تو تھوڑے دنوں اُور بھی جوانانہ مزاج رکھنا چاہتا ہوں- ع

پیر سے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست

واقع میں مذہبی خیالات اور تمکین و وقار کا وقت مناسب وہ ہے جو ہمارے سرسید کا ہے- غایت درجے کی بے رحمی اور بے انصافی ہے کہ ہمارے نوجوان انگریزی خوانوں سے اس طرز زندگی کی توقع رکھی

---

[1] نیچی ازار پہننے والا ۱۲-

جا دسے جوارال العمر کے لیئے شایاں ہی[۵] ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئا ہ

شیئان عجیبان ھما ابرد من ثلج[۶]	شیخ یتصبی وصبی یتشیخ

میں مانتا ہوں کہ ان لڑکوں سے بتقاضائے عمر کچھ بے تمیزیاں سرزد ہوتی ہوں گی اور اس عمر میں سبھی سے ہوا کرتی ہیں شاید کسی کو نشان دار طور پر رہنے کا شوق ہوا ورہ ہر چیز اکسٹیٹیوشنلپسند کرتا ہو اور اُس کے بزرگ اُس کو فضولی سمجھ کر بڑبڑاتے ہوں۔ یا شاید کوئی کھلنڈرا ہو یا کوئی نماز میں حاضر ہونے سے الکساتا ہو یا شاید بے وضو بھی پڑھتا ہو یا کوئی پکّے صاحب کے خوف سے قرآن پڑھتا ہو اور غٹ پٹ لگاتا ہو یہ باتیں بیشک نازیبا ہیں مگر میرے لیئے شاید اور سرسید کے لیئے یقیناً۔ لیکن کوئی سرسید سے پوچھے کہ کیا آپ نے اس عمر میں ایسی باتیں نہیں کیں۔ ضرور کیں۔ اور ان سے بہت زیادہ کیں۔ لیکن اسی قسم کی باتوں سے انگریزی بدنام ہی اور کہا جاتا ہی کہ انگریزی لڑکوں کو کرسٹان یا لامذہب بنادیتی ہی مگر ان ہی کے ہم عمر جو لڑکے نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں مگر انگریزی نہیں پڑھتے۔ ہم نے تو کسی کو اشراق و تہجد پڑھتے یا پاس انفاس کرتے نہ دیکھا نہ سنا۔ اگر شاذ و نادر کوئی انگریزی خواں حد عمر سے زیادہ بگڑا ہی تو یہ اُس کی اپنی طبیعت کا کھوٹ ہی جو انگریزی نہ پڑھنے کی صورت میں کسی دوسری قبیح ترین شکل سے ظاہر ہوتا شعر

تنگی دل کا گلہ کیا کہ وہ کافر دل ہی	کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

اس شخص نے اگر کالج میں رہکر کوٹ پینٹلون پہنا جو تمھارے نزدیک داخل بدوضعی ہی تو تمھارے ہاں رہکر کلی دار پاجامہ پہنتا اور چھیلا بنتا۔ اس نے اگر کالج میں رہ کر کرکٹ کھیلنا سیکھا تو تمھارے ہاں رہکر گولیاں کھیلتا پتنگ اُڑاتا بٹیریں لڑاتا۔ اگر کالج میں رہکر اس کے مزاج میں یہ آزادی سمائی کہ جب کسی بات میں اشتباہ ہوا گو وہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو بے تامل لوگوں پر ظاہر کردیا تو تمھارے ہاں رہ کر وہ نفاق سیکھتا اور اپنے تئیں معصوم اور ولی مادرزاد ظاہر کرتا۔ مگر شبہہ جو تمھارے نزدیک اصل الزام کی چیز ہی اس کا دل میں نہ آنے دینا تو اس کے اختیار میں نہ تھا۔ ما و شما کس شمار میں ہیں اللہ تعالیٰ پیغمبر صاحب سے فرماتا ہی

[۵] اور تم میں سے کوئی کوئی ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہی تاکہ جان بوجھ کر کچھ نہ جانے ۱۲ [۶] وہ عجیب چیزیں ہیں جن میں اتنی بھی گرمی نہیں جتنی برف میں۔ بوڑھا جو لڑکا بنتا چاہے اور لڑکا جو بوڑھا بننا چاہے ۱۲ [۵۳] قیمتی ۱۲۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ[له] غرض یہ محض واہمہ بے اصل ہی کہ انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہی اگر واقع میں انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہی جس کا دوسرا نام اسلام ہے يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ[له] تو ایسا اسلام رکھتے ہیں يَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ[له] يَقْتُلُوْنَ ہی تو ہم غازی ہیں اور يُقْتَلُوْنَ ہی تو ہم شہید لیکن جن کا اسلام صرف يَقْتُلُوْنَ ہی اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں وہ دن گئے کہ خلیل خان فاختہ مارا کرتے تھے۔ اب تو ہندوستان میں بلکہ مجھے تو ایسا سامان نظر آتا ہی کہ مکے مدینے کی تو کہی نہیں جساتی شاید روئے زمین پر بدون انگریزی تعلیم کے اسلام رہ نہیں سکتا۔ رہنے سے مراد عزت اور آبرو کے ساتھ رہنا ہی ورنہ محتاج اور ذلیل و خوار ہو کر رہنا ہی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ[له] الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ[له] تو خدا اس دن کے لیے سب مسلمانوں کو موت دے۔ میں اگر بد عقیدہ ہوں تو مجھکو عقیدۂ بد کا وبال بھگتنے دو۔ مگر سمجھو تو سہی تم کو بدعقیدہ کرنے میں مجھ کو کونسی رکعت کا ثواب ملے گا بخدا صرف اخوتِ اسلامی اور ہمدردی قومی کے خیال سے جو سید احمد خاں کے مونھ دیکھے سے تھوڑی دیر کے لیے دل میں آجاتا ہی۔ ایک صلاح کی بات بتاتا ہوں اور میرے نزدیک اس میں کسی طرح کی قباحت نہیں اور فرض کیا کہ ہی بھی تو اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ[له] انگریزی تعلیم کے لیے روپیہ خرچ کرو اور یہ سمجھو کہ مسلمانوں کی دنیوی حالت درست کرتے ہیں تاکہ خدا کا بول بالا اور اسلام کی عزت ہو میں قرآن اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں کہ مرابط فی سبیل اللہ کا سا اجر ملے گا کیوں کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[له] لیکن ایمان ٹھکانے ہو تو نیت بھی درست ہو۔ یہاں نفسِ ایمان ہی میں کلام ہی اگرچہ کسی دوسرے کے ایمان پر اطلاع نہیں ہو سکتی مگر اپنے اوپر قیاس کر کے یا لوگوں کے اعمالِ ظاہری سے پتہ چل سکتا ہی ۔

[له] ہم نے جو تمہارے اوپر کتاب اُتاری ہی اگر تم کو اس میں کچھ شک ہی تو جو کتابیں تم سے پہلے اُتاری ہیں اُن کے پڑھنے والوں سے پوچھو ۱۲ [له] اُن کے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر تھیں ہلکی کرتا ہی ۱۲ [له] لوگوں کو مارتے ہیں اور آپ بھی مارے جاتے ہیں ۱۲ [له] ذلت اور محتاجی اُن پر لازم کر دی گئی ہی اور اللہ کے غصے کے مستوجب ہوئے ۱۲ [له] ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ۱۲ [له] اعمال کی بھلائی برائی نیت پر موقوف ہی ۱۲

ومهما تكن عند امرءٍ من خليقةٍ[1]	وان خالها تخفى على الناس تعلم

تو میں اپنے اوپر قیاس کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اس واسطے کہ مسلمانوں کے یہاں پیدا ہوئے مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا۔ لیکن اے کاش اس قدر مسلمان ہونے کے لیئے کفایت کرتا خدا نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ مسلمان کی شناخت بتائی ہے ان میں سے ایک مختصر سی آیت پڑھتا ہوں۔ اِنَّمَا[2] الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اس آیت میں صرف دو ہی باتیں ہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے رستے میں جان و مال سے کوشش کرنا آؤ تھوڑی دیر کے لیئے دیکھیں کہ ہم اِن دونوں شرطوں کو کہاں تک پورا کرتے ہیں اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے نہ لفظ مشکل ہیں اور نہ کچھ معنی دقیق ہیں سب جانتے ہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانا یعنی خدا کا بجمیع صفات یقین کرنا اور رسول کو سمجھنا کہ واقع میں اُن کو خدا نے بندوں کی ہدایت کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن یقین ہی کی تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ بے شک ہم کو آگ کے جلانے کا یقین ہے ہم کو اس کا یقین ہے کہ جس کو تیرنا نہیں آتا وہ ڈوبا کر پانی میں ڈوب جائیگا ہم کو اس کا یقین ہے کہ مثلاً دلّی میں جو قطب صاحب کی لاٹ ہے اُس کی چوٹی سے آدمی نیچے فرش پر گرے تو ہلاک ہو جائے گا۔ یہ باتیں ہمارے مونھ سے اقرار کرنے کی محتاج نہیں۔ ہمارا برتاؤ ہمارا عملدرآمد ہمارے یقین کا ثبوت ہے کتنے ہیں جو قصداً آگ میں جا کر جان دیتے کتنے پانی میں ڈوب کر مر لے کتنے اوپر سے گر کر ہلاک ہوتے اب اِس یقین کا مقابلہ کرو اُس صرف زبانی یقین کے ساتھ کہ خدا ہے اور اُس سے ہمارا کوئی فعل کوئی قول کوئی خیال مخفی نہیں يَعْلَمُ[3] خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ وہ نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہے۔ اُس کی رضامندی فوز و فلاح ہے اور اُس کی نارضامندی ابدی عذاب و ہلاکت ذرا انصاف سے کہو کہ دونوں یقینوں میں کچھ بھی مناسبت ہے۔ شیطان نے ایک نافرمانی کی تھی

---

[1] اور جو کوئی اپنی ناشائستہ عادت کو پوشیدہ کرنا چاہتا ہے وہ اپنے پندار میں لوگوں سے چھپاتا ہے مگر لوگ بخوبی جان جاتے ہیں ۱۲

[2] مومن وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر اگر کسی نے شک نہ کیا اور مال اور جان سے اللہ کے رستے میں کوشش کرتے رہے اور یہی سچے ہیں ۱۲ [3] آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے اسرار کو جانتا ہے ۱۲

ابدالآباد تک راندہ گیا - ہم ہیں کہ صبح سے اگلی صبح تک نافرمانیوں ہی میں گزرتی ہے اور ایمان ہے کہ

چوں وضوء حضرت بی بی تمیز

اس میں کسی طرح کا ضعف یا خلل نہیں آتا بہت ہی ٹھیک فرمایا ہے[٥١] وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا پھر جس آیت کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اس میں ایک غضب کی قید ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا کی لگی ہے یعنی اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی طرح کا شک نہ کیا اس نے تو اور بھی رہی سہی آس توڑ دی یہی مضمون دوسری جگہ دوسرے لفظوں میں بھی آیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یہ استقامت کا مرحلہ بڑا مشکل مرحلہ ہے لیکن جیسی خدمت مشکل ہے ویسا ہی بڑا بھاری صلہ بھی ہے[٥٢] تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ مجھے بڑا خوف ہے کہ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ہم لوگوں کے حق میں جو[٥٣] انڈیپنڈنٹ ویوز رکھتے ہیں بڑا کڑا تازیانہ ہے کیوں کہ ہم ہی لوگ مذہب میں عقل کو بہت دخل دیتے ہیں جس کا دوسرا نام ہے ارتیاب۔ اللہ میاں کے پسند ہے دین العجائز[٥٤] نہ دین فلاسفہ ؎

گر باستدلال کارِ دین بُدے	فخر رازی رازدارِ دیں بُدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود	پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

[٥١] لوگ جو بُرائی کماتے ہیں اگر اُس پر پکڑا کرے تو روئے زمین پر کسی جان دار کو جیتا نہ چھوڑے لیکن ایک وقت مقرر تک اُن کو ڈھیل دیتا ہے جب وہ وقت آجائے گا تو خدا ہی اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے [٥٢] اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ ڈرو مت اور دل کو اُداس مت رکھو اور جس جنّت کا تم سے وعدہ تھا تم کو بشارت کہ ہم دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے کارساز ہیں اور جنت میں تم کو سب کچھ ملے گا جو تمہارا دل چاہے اور ملے گا جو مانگو گے خداے بخشندہ و مہربان کی طرف تمہاری ضیافت ہے ۱۲ [٥٣] روشن خیال ۱۲ [٥٤] بڑھیوں کا دین ۱۲

یہ روایت میں نے حدیث صحیح میں دیکھی ہے کہ کوئی صحابی جن کا نام مجھے اس وقت فراموش ہوگیا ہے غالباً اہل کتاب سے سُنی ہوئی اگلے وقتوں کی کوئی حکایت جناب رسول خدا صلعم کی مجلس میں بیان کر رہے تھے اُس میں کلیلہ دمنہ کی کہانیوں کی طرح کچھ گفتگو گائے و بھیڑیے کی تھی۔ حاضرین میں سے کسی نے گائے اور بھیڑیے کے بولنے پر تعجب سا کیا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں تو اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ بھی حالاں کہ یہ دونوں بزرگ اُس وقت حاضر نہ تھے ایک ایمان تو وہ تھے اور ایک ایمان اس زمانے کے ہیں کہ بات بات میں شبہہ لفظ لفظ میں شک۔ اور طرہ یہ کہ جو لوگ عربی عبارت کے پڑھنے پر قادر نہیں کلام الٰہی کی تفسیر بالراے کرنے پر دلیر تَاْوِیْلُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِهٖ الْقَائِلُ پر جری[1] آپ سب صاحبوں نے سُنا ہوگا کہ پنجاب میں ایک صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا وہ بزرگ ابھی چند روز ہوئے دلّی میں بھی تشریف لائے تھے۔ خیر وہ جو کچھ کہتے تھے سو کہتے تھے اُن کی تکذیب و مخالفت میں جو پرچے نکلتے تھے اُن میں بھی جواب ترکی بہ ترکی بھکڑ ہوتا تھا مگر اس تمہید سے کہ مجھ کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے اور حضرت مریمؑ رات غریب خانے پر تشریف لائی تھیں كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا[2] یہ ہیں نتیجے فتح باب تاویل کے۔ میں تو ایسا غالی اور متعصب مسلمان نہیں ہوں مگر یہ بیہودگی اور خدا اور انبیا کے ساتھ تمسخر و استہزا دیکھکر مجھ کو بھی تو حرارت آجاتی ہے۔ بازیش بابا ہم بازی۔ یہ سارے فساد اس کے ہیں کہ خدا کی قدرت کو سمجھا لَیْسَهٗ[3] اور اپنی معلومات کو اَلْغَزَ اسْطُوَان[4] لوگوں کے نزدیک خدا کو دنیا سے وہی تعلق ہے جو ایک گھڑی ساز کو گھڑی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اُس نے گھڑی کے کیل پُرزے بنائے۔ اِن کو ترکیب دے کر گھڑی کو کوک دیا اب گھڑی ہے۔ کہ جب تک اُس کی کوک ہے آپ سے آپ پڑی چل رہی ہے۔ لیکن دنیا میں جتنے لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ اس کو بھی مانتے ہیں کہ وہ سلسلۂ اسباب کا پابند نہیں ورنہ کوئی خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ دن رات میں کوئی ایک لمحہ نہیں جس میں سینکڑوں ہزاروں لاکھوں۔ کروڑوں۔ پدموں۔ مہاسنکھوں بلکہ بے شمار دل خدا کی طرف التجا

[1] بات کہ اُس پہلو پر لے جانا جس سے کہنے والا خود راضی نہیں ۱۲ [2] بات جو اُن کے مونھ سے نکلتی ہے بڑی بھاری بات ہے اور صرف جھوٹ بولتے ہیں ۱۲ [3] محدود ۱۲ [4] جامع ۱۲

نہ لیتے ہوں۔ بے شمار کا ثبوت لو [۱] وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ اور لو [۲] وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور لو [۳] وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ تو کیا یہ سارا عالم اس خیال سے خدا کی طرف رجوع کرتا کہ وہ اسباب کا گورکھ دھندا کر کے اپنے ہاتھ کٹوا چکا ہی۔ ایسا گمان کرنا صریح غلط ہی [۴] سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ بلکہ ہر فرد اسی زبان کے ساتھ دعا کرتا ہی کہ خدا اُس کی سنتا اور اسباب سے قطع نظر اُس کی کاربراری کرسکتا ہی۔ **اشعار**

ای ترا با ہر دلے رازے دگر — ہر گدا را بر درت نازے دگر
توہی دیتا ہی مریضوں کو شفا — توہی کل عالم کا ہی حاجت روا
تو امیدِ جان پر افسوس ہی — توہی تسکین دلِ مایوس ہی
جس قدر محتاج آب و نان ہیں — سب تری سرکار کے مہمان ہیں
توہی برساتا ہی پانی ابر سے — مہر سے حاشا کسی کے جبر سے
توہی دیتا ہی درختوں کو نمو — توہی دیتا ہی گلوں کو رنگ و بو
توہی کرتا ہی شجر کو بارور — تو اگاتا ہی توہی برگ و ثمر
آسماں پہ ہو کہ ہو زیر زمیں — ایک ذرہ تجھ سے مستغنی نہیں
پھونچتا ہی توہی سب کی داد کو — توہی سنتا ہی ہر ایک فریاد کو
بادشاہ محمود یا بندہ ایاز — سب ترے محتاج ہیں ای بے نیاز
تیرے آگے علت و اسباب کیا — تیرے یاں کمیاب کیا نایاب کیا
ہر گھڑی تیری نئی اک شان ہی — بس یہی دین اور یہی ایمان ہی

جب کل عالم کا یہ حال ہو تو کیوں نہ ایسے خیال کو انسان کے کانسٹیٹیوشن میں داخل سمجھا جائے

[۱] جتنی جان دار چیزیں زمین پر چلتی ہیں اور جتنے جانور پر سے اُڑتے ہیں وہ بھی تمہاری طرح کی مخلوقات ہیں ۱۲۔

[۲] اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے پروردگار کی پاکی اور تعریف بیان نہ کرتی ہو مگر تم اُن کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ۱۲۔

[۳] تیرے پروردگار کے لشکروں کو وہی جانتا ہے ۱۲ [۴] سبحان اللہ یہ تو بڑے درجے کا بہتان ہی ۱۲۔

اس سے بڑھ کر سلف کنسیٹڈ (برخود غلط) کون ہوگا جو ذری سی عقل کے برتے پر مَلَکُوتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے راز میں دخل دے جیسے گولر کے اندر کا بھُنگا فضاے دہر پر معترض ہو۔ یا برساتی پتنگا زمانے کے حدوث و قدم میں رائے زنی کرے جو شخص اپنی پیدائش کے بھید کو دریافت نہیں کر سکا جس نے نہیں سمجھا کہ درختان ثمردار کیوں کر نر و مادہ دونوں کا کام دیتے ہیں جو نہیں بتا سکتا کہ ابتدا میں مرغی بے انڈے کے پیدا ہوئی یا انڈا بے مرغی کے اُس کو بے مشارکت پدر عیسیٰؑ کے پیدا ہونے میں چون و چرا کرنے کا کیا حق ہے۔ یہ تمام کارخانہ کیا دنیا کیا موجودات کیا واقعات طلسم حیرت ہے اس میں ہر چیز عجیب ہے اور کچھ عجیب نہیں جملہ مذاہب کی بنیاد ہے خدا کی ہستی جس پر ایک ظریف نے ایسی پھبتی کہی کہ بس چپا گئی اندھوں کا ہاتھی۔ یہ اشارہ ہے ایک حکایت کی طرف کہ کسی گانوں میں ہاتھی آیا سارا گانو اُس کے دیکھنے کو نکل پڑا۔ اندھوں نے سنا اُن کو بھی شوق ہوا۔ مگر مشکل یہ آ کر پڑی کہ آنکھیں نہیں گئے اور کسی نے سونڈ ٹٹولی کسی نے دُم کسی نے کان کسی نے پاؤں کسی نے پیٹ اور پھر لگے اُس کے بیان میں اختلاف کرنے۔ وہ سب سچے تھے اپنی اپنی پندار کے مطابق مگر سب جھوٹے واقع کے اعتبار سے غرض خدا عجیب اور بار و جودیکہ ہم ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے سے کہ یہی ہماری کائنات ہے۔ اس کو سمجھ نہیں سکتے اُس کا ماننا عجیب اور پھر خدا جیسے اَعْجَبُ العجائب کو مان کر کسی بات پر تعجب کرنا سب سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور میں اس پر کچھ کہتا مگر سامعین کو دیکھتا ہوں کہ ملول ہو چلے ہیں اور مجھ کو وہ آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ پوری کرنی ہے ہاں تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ مومن ہونے کی پہلی شرط اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا کو ہم پورا نہیں کر سکے۔ اب رہی دوسری شرط وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر جاھدوا سے ہو مراد جہاد متعارف یعنی کفار سے اپنے دین کی حفاظت اور حمایت کے لیے لڑنا یہ کتابی لڑائی نہیں ؎

من ترا کافر بخوانم تو مرا مرتد بخواں ۔۔۔ من ترا ملعون وانم تو مرا ناری ببیں

بلکہ وہ لڑائی جس میں گیند کی جگہ سر اور بلے کے عوض تلوار ہوتی ہے۔ اگر جہاد سے اس قسم کی لڑائی مراد ہوتی تو سستے چھوٹے نہ والد بزرگوار کو ایسی بدتہذیبی کا اتفاق ہوا ورنہ جد امجد کو اور کتے میں کو

خدا کے فضل سے ہوا ابھی نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہونے کا بھی نہیں لیکن آیت میں کچھ لڑائی کی تخصیص نہیں مطلق جاہدوا ہے جس کا مادہ جہد ہے اور اس کے معنی ہیں کوشش۔ بے شک زمانۂ نزول قرآن میں بلکہ اُس کے بعد اور دوسرے دوسرے ملکوں میں اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کی شق متعین یہی لڑائی ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ ہماری حالت کے مناسب جہاد کا کون سا پیرایہ ہے۔ میں نے اسی مجمع میں اسی جگہ پر پرسال بھی کہا تھا اور مولوی لوگ کچھ پی سے گئے۔ کیونکہ اپنی نسبت کفر کا کوئی فتویٰ میری نظر سے نہیں گزرا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ تعلیم میں جس سے جو کر لے بن پڑے کرے اور جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ کا مصداق بن کر مومن اور صادق کے دوہرے دوہرے خطاب شاہنشاہِ دوجہاں کی سرکار سے لے۔ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ[٥١] لیکن کون ہے جو سچے دل سے مومن کو خان پر صادق کو بہادر پر ترجیح دے۔ اور خان اور بہادر بھی سرکار انگریزی کا نہیں کہ خیر اس میں دنیوی وقعت تو ہے بلکہ ایک پٹی ٹریبیوٹری سٹیٹ[٥٢] کا جس کے خزانے میں ان اٹیٹی[٥٣] ٹائیٹلز کے سوا کچھ بھی نہیں وَاٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

گیارھواں لکچر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے ساتویں سالانہ جلسہ ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور دیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جن لوگوں نے منطق کے ابتدائی رسالے دیکھے ہوں گے شکل اول کی یہ معمولی بلکہ موروثی دقیانوسی مثال ضرور اُن کی نظر سے گزری ہوگی اَلْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ وَكُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ فَالْعَالَمُ حَادِثٌ

[٥١] رشک کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس میں رشک کریں ١٢ [٥٢] چھوٹی چھوٹی خراج گزار ریاستیں ١٢ [٥٣] خالی خطاب ١٢-

(عالم متغیر ہی اور ہر متغیر حادث ہی پس عالم بھی حادث ہی) منطقی تو اس میں اس اعتبار سے نظر کرتے ہیں کہ شکل اول کے انتاج کے لیئے ایجاب صغریٰ[۵۱] اور کلیت کبریٰ شرط ہی - مجھ کو اس سے کچھ بحث نہیں ؎

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہی یا قدیم	کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

میں تو صرف عالم کے تغیرات پر کچھ کہنا چاہتا ہوں اور تغیرات میں بھی صرف وہ تغیرات جو عملداری کے بدلنے کی وجہ سے برٹش انڈیا[۵۲] میں واقع ہوئے ہیں پچھلی عملداریوں کو عموماً نظر حقارت سے دیکھنا پڑے درجے کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہی - اِن میں ایسے زمانے بھی ہو گزرے ہیں جن کے حالات ہنوز صفحات تاریخ پر آب زر سے لکھنے کے لایق ہیں اور آخر الدہر تک آب زر سے لکھنے کے لایق رہیں گے پچھلی عملداریوں کی نسبت راے قائم کرنے میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہی کہ اُس زمانے کے حالات کو موجودہ زمانے سے مقابلہ کیا جاتا ہی چنانچہ اسی طرح کی غلطی کا پردہ اُن لوگوں کی آنکھوں پر بھی پڑا ہی جو اسلام کو اُس عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس کا وہ انصافاً مستحق ہی - مثلاً کہتے ہیں اسلام کیا جس نے ایک مرد کو ایک دم سے چار بیبیوں کی اجازت دی - اسلام کیا جس نے غلامی کو جائز رکھا - یا مثلاً کرسچینٹی (عیسائیت) کی اسلام نے اعانت کی - رعایت کی - حمایت کی - اب بسی کرسچینٹی کے معتقد اسلام کو کرسچینٹی کا جانی دشمن ٹھہراتے ہیں بیشک اسلام نے ایک مرد کو چار بیبیاں کرنے کی اجازت دی لیکن کیسے وقت میں جب کہ عرب میں تعلق زناشوئی بالکل وحشانیہ حالت میں تھا کہ مرد کے لیئے بیبیوں کی کوئی حد نہ تھی اس سے زیادہ دانشمندی ایسے امور میں کیا ہو سکتی تھی کہ اسلام نے اس مطلق العنانی کو پہلے چار کا اور پھر عدل کی قید لگا کر آخر کار ایک کا پابند کیا - یا تحریر رقبہ کو مذہبی عبادت قرار دے کر اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً - (اس کے بعد احسان رکھ کر یا تاوان لے کر چھوڑ دو) غلاموں کو آزادی کا مژدہ سنایا - یا ایک طرف عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے تھے اور اُن کے مقابلے میں یہودی بے بہودان کی الوہیت[۵۳] اور رسالت تو کجا - جائز طور پر اُن کی ولادت کے بھی قائل نہ تھے - اسلام نے ان کے روح اللہ ہونے کی شہادی کی اور اُن کے حق میں وہ شرف تسلیم کیا جو منتہاے ترقی بشر ہی یعنی پیغمبری - مگر اوہو یہ مضمون تو

[۵۱] یہ اصطلاحات منطق ہیں ۱۲ [۵۲] سلطنت ہندوستان ۱۲ [۵۳] خدائی ۱۲

مسٹر شاہ دین کے حصے کا ہی اور چوں کہ وہ بیرسٹر بھی ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر مداخلت بے جا مجرمانہ
نہ لگا بیٹھیں تو میں اپنے اصلی مطلب تغیرات عالم کی طرف عود کرتا ہوں۔

مقتضائے انصاف یہ ہے کہ ہندوستان کے ان وقتوں کو دوسرے ملکوں کی ان ہی وقتوں کے
ساتھ ملا کر دیکھا جاوے۔ اگر سواءً[1] بسواءٍ اور مثلاً بمثلٍ[2] مقابلہ کیا جاوے گا تو ہمارے یہاں کی پچھلی عملداریاں کچھ
ایسی زیادہ بھونڈی اور قابل نفرت نہیں دکھائی دیں گی۔

تغیرات پر نظر کرنے کے لیئے ہم کو پچھلی عملداریوں کے حالات کی تحقیق کرنے کی بھی چنداں ضرورت
نہیں۔ اسی عیسوی انیسویں صدی کے نصف اخیر پر غور کرو باوجودیکہ عملداری نہیں بدلی اس کو
چاہو عملداری کا بدلنا سمجھ لو کہ پہلے کمپنی کا انتظام تھا۔ اب شاہی انتظام ہے ہمارے دیکھتے دیکھتے اس
کثرت سے تغیرات واقع ہوئے ہیں کہ ان تغیرات کی نظیر تو کہاں ملتی تھی نری کثرت تغیرات کی نظیر
بھی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ سب سے اول سنہ ۱۸۵۴ء میں مجھے پنجاب آنے کا اتفاق ہوا اس تقریب
سے کہ مسٹر رچرڈ ٹمپل جو آخر کار سر رچرڈ ٹمپل اور بمبئی کے گورنر ہو گئے تھے۔ ان دنوں ضلع گجرات شاہ
دولہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ہندوستان کے بعض اضلاع آگرہ۔ متھرا وغیرہ میں سررشتہ تعلیم جاری ہو چکا
تھا مسٹر ٹمپل نے اسی کی مختصر نقل اپنے ضلع میں کرنی چاہی اور یوں تعلیم کے آفتاب کی پہلی کرن پنجاب
میں ضلع گجرات پر چمکی۔ نہیں معلوم گجرات کے لوگوں نے اس تقدم کا کچھ پاس کیا اور تعلیم کے اعتبار سے وہ
ضلع پنجاب کے دوسرے اضلاع سے پیش پیش ہے یا نہیں۔ میں خیال کرتا ہوں نہیں ہو گا۔ کیوں کہ
سیٹ آف گورنمنٹ (صدر مقام) نہیں ہے۔ مسٹر ٹمپل نے دلی کالج سے جس کا ان دنوں تعلیمی دنیا
میں ڈنکا بج رہا تھا چھ مولوی طلب کیئے۔ بلائے تو تھے چھ مولوی۔ آئے پانچ مولوی اور ایک کٹھ ملا
یعنی میں۔ جب اس حالت میں کہ میں تازہ ولایت تھا ابھی کالج سے اٹھا ہوا چلا آتا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا
سب مستحضر[3] تھا۔ میں کٹھ ملا تھا تو اب سوائے حرف شناس کے میں اپنے تئیں کیا خیال کر سکتا ہوں۔
لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا (جاننے بوجھنے کے بعد کچھ بھی نہ جانے) ہیں اس وقت کا لکھا پڑھا سب شک

[1] برابر ۱۲ [2] یکساں ۱۲ [3] حاضر فی الذہن ۱۲

بہت کچھ بھول گیا ہوں مگر پنجاب کے سفر کو نہیں بھولا اور وہ بھولنے کی چیز بھی نہ تھی عملداری کو بدلے
ہوئے کچھ ایسی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی۔ بھری برسات تھی ندی نالے اور نالے دریا ہو رہے تھے۔
اور دریا سمندر۔ ٹرنک روڈ (شاہ راہ) جاری تھی مگر چوں کہ پل نہیں بننے پائے تھے گویا کہ بند تھی اور
ان سب پر مزید اپنی ناتجربہ کاری ناداری اور بے سامانی۔ غرض وہ جو کتابوں میں سفر کی مذمتیں پڑھی
تھیں اُن کی تصدیق ہو گئی اور تیئیس دن میں بمشکل دلّی سے گجرات پہونچا۔ یہی نہیں کہ مجھ کو اُس سفر کی
صرف صعوبتیں یاد ہیں۔ نہیں۔ چوں کہ منزل بمنزل کا سفر تھا۔ میں نے آتے جاتے راہ کے سارے
شہروں کو بھی دیکھا تھا۔ اور سب کی نہیں تو اکثر کی وہ اگلی حالتیں میری نظر میں ہیں۔ اُن میں سے ایک
تمہارا لاہور بھی ہے۔ ہر چند وہ دیکھنا اجمالی دیکھنا تھا۔ مگر پارلیمنٹ کے اُن ممبروں کے مقابلے میں تو میں
اُس کو تفصیلی ہی سمجھتا ہوں جن کو کسی مرض کی شکایت کی وجہ سے ڈاکٹر نے موسم سرما کے چند ہفتوں کے
لیئے سفر بحری کی راے دی اور وہ ہندوستان کو دھر لپکے چند ہفتوں میں آئے بھی اور گئے بھی اور
ولایت پہونچ کر لگے ہندوستان کے پیچیدہ معاملات میں راے زنی کرنے۔ جیسے بڑے بوجھ بجھکڑ
سنہ ۵۴ و ۵۵ء کا دیکھا دیکھا میں نے لاہور کو اب یہ چوتھا برس ہے سر سید احمد خاں صاحب کے ایجوکیشنل
کانفرنس کی تقریب سے دیکھا یوں اگر کوئی مجھ کو لاکر لاہور کے سواد میں لاعلمی کی حالت میں چھوڑ دیتا تو میں
ہرگز نہ پہچانتا کہ دنیا میں کہاں ہوں کیا صرف لاہور میں اور لاہور کے بھی صرف مکانات میں یہ عظیم تغیر واقع
ہوا ہے۔ نہیں بلکہ انگریزی گورمنٹ کے حسنِ انتظام سے کلّ ہندوستان کی ہر بات میں حیثیت بدلی
ہوئی ہے۔ میں انگریزی عملداری میں ہندوستان کو ایسا خیال کرتا ہوں جیسے ایک بچہ جو ایک ہندوستانی پھوہڑ
دایہ کی گود میں نہیں جسے بچے کو روتا دیکھ کر بے تمیزی کے ساتھ دودھ پلا دینے کے سوا سے بچے کے
ضائع کر دینے کے بہت اور اُس کے پالنے کا کوئی قاعدہ معلوم نہیں بلکہ وہ ایک زیرک اور ہوشیار تجربہ کار
ہنرمند دایہ کی کنارِ عاطفت میں سر مور گزٹ کے ایڈیٹر منشی سراج الدین کے رسالہ تعلیم کے اصول
کے مطابق پرورش پا رہا ہے۔ اور آناً فاناً اُس کے جملہ اعضا اور قویٰ اپنی اپنی جگہ متناسب ترقی کر رہے
ہیں ہندوستان کے حالات ماضیہ اور موجودہ پر تفصیلی نظر ڈالی جائے اور ہر چیز بدلی ہوئی نظر آتی ہے مثلاً مسلمانوں

کہ یہ اگر بدلے بھی تو اسی قدر کہ بد سے بدتر ہو گئے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت اگر ان کی سابقہ حالت کے مقابلے میں ردی ہوتی تو کہتے کہ زوالِ سلطنت کی وجہ سے ہی اور اس کی شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن جس رعایت کی شکایت ہی وہ یہ ہی کہ جیسی رعایا یہ ویسی رعایا دوسری قومیں جو حقوق اِن کے وہی دوسروں کے۔ پھر کیا وجہ ہی کہ یہ اُن کے مقابلے میں ہیٹے ہیں تول میں عزت میں۔ تقربِ حکام میں۔ غرض ہر طرح کی دنیاوی رفاہ و خوش حالی میں۔

مجھ کو اپنے عنفوانِ شباب کی بات اب تک یاد ہی کہ از بسکہ عموماً اُس وقت تک مسلمان ہی صدر الصدور ہوتے تھے ہماری طرف تو صدر الصدور کہتے ہیں پنجاب میں نہیں جانتا انہیں کیا کہتے ہیں (شیخ خدا بخش صاحب صدرِ جلسہ کی طرف اشارہ کر کے) آپ کا کیا عہدہ ہی؟ سب جج۔ تو ہاں صدر الصدور ایسے تھے جیسے تمہارے ہاں سب جج۔ مگر مجھ کو تو کچھ صدر الصدوری کا لفظ پسند ہی۔ کیوں کہ لکھنے اور سننے میں بھلا معلوم ہوتا ہی اور سب جج ہو بھی نہیں سکتے غرض میں اُس زمانے میں ایسا خیال کرتا تھا کہ صدر الصدوری کے لیے مسلمان ہونا شرط ہی میں نے اول اول منشی کانجی سہائے کا صدر الصدور ہونا سُنا تو تعجب کیا کہ ہندو اور صدر الصدور۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی مجھ کو دیکھنا ہی کہ جیسے ہندو کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کر رہا ہوں ویسا ہی مسلمان کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دن آ گیا اور نہیں آیا تو اور دس بیس برس بعد سہی۔

یوں تو رعیت اور غلام دونوں میں ایک صفت مشترک ضرور ہی یعنی پرائی تابعداری مگر رعیت رعیت میں فرق ہی میں انگریزی رعایا ہونے کو آزادی کا مترادف سمجھتا ہوں لیکن فرض کرو رعیت ہونا مشقت کی بات ہی۔ تو یہ جوا مسلمانوں کی گردن پر اب کم و بیش سو سوا سو برس سے رکھا گیا ہی جب کہ یہی اور اس سے بھی زیادہ بھاری جوا کھینچتے کھینچتے دوسری اقوام معاصر کی پشتیں کی پشتیں فنا ہو گئیں تو اِس رو سے کس کو زیادہ خستہ حال اور مضمحل و ناتواں ہونا چاہیے اس کا جواب ہی دوسری قوموں کو۔ مگر قضیہ منعکس ہی۔ انگریزی عملداری میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی خستہ حال قوم نہیں۔

لہ اُلٹی بات ہی ۱۲۔

جب قوم کا نام آیا تو قوم عبارت ہی چھ کروڑ مسلمانوں سے جو برٹش[1] انڈیا میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بے شک ہم میں بھی کوئی کوئی بڑے بڑے مالدار ہیں۔ کوئی کوئی بڑی سے بڑی خدمت رکھتے ہیں۔ کوئی کوئی صاحب خطاب ہیں لیکن قوم میں یہ کوئی کوئی ہیں کتنے؟ فی صدی بتاؤ تو آسانی سے سب کی سمجھ میں آ ئے۔ سو میں ایک نہیں۔ آدھا نہیں۔ تہائی نہیں۔ چوتھائی نہیں۔ ایک پانچواں نہیں۔ غرض تم اسی طرح ایک چھوٹی سے چھوٹی کسر بولتے جاؤ اور میں برابر نہیں کرتا رہوں۔ یہاں تک کہ تم کسور اعشاریہ پر اُتر پڑو اور میں اِن میں بھی ایک بڑا لمبا کنکھجورا چلتا ہوا دیکھ کر کہوں کہ شاید۔

قوم کا پھیلاؤ اور عموم خستہ حالی دیکھ کر کبھی جی چاہنے لگتا ہی کہ یہ کہاں کے معدودے چند مستثنیات کلیئے کے بنانے میں خلل انداز ہو رہے ہیں یہ بھی نہ رہیں تو اچھا۔ تاکہ کہ سکیں کہ مسلمان سب کچھ تھے اور اب کچھ نہیں۔ تم یہ نہیں کہ سکتے کہ یہ تو ہم ہی کو کوسنے لگ گیا میں پانی پی پی کر نہیں کوستا کہ تمھیں ڈر ہو بلکہ گرم چائے پی پی کر لکچرار صاحب دگلا تر کرنے کے لیئے بار بار چائے پیتے جاتے تھے) مسلمانوں کی سلطنت جا کر اگر کوئی ظالم اور وحشی گورمنٹ ان پر مسلط ہوتی اور اِن کے مٹانے کے درپے رہتی اور مسلمان اس نوبت کو پہونچ گئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ خدا ہی کو اِن کا نیست و نابود کرنا منظور ہی اور اس صورت میں نہ کوئی کسی کو سمجھاتا اور نہ کوئی کسی کو الاہنا دیتا۔ مگر بڑا چھینکنا تو اسی کا ہی کہ انگریزی گورمنٹ اس قدر مہربان اور اپنی رعایا کی اس قدر پرداخت اُس کو منظور کہ نہ صرف روئے زمین کی موجودہ گورمنٹوں میں بلکہ تاریخوں میں اس کی نظیر نہیں اور اس پر مسلمان تباہ اور خستہ حال انگریزی عملداری میں مسلمانوں کی ایسی مثال ہی کہ ایک دریائے مواج بڑا بہ رہا ہی اور مردم و مرغ و مور سب اپنے اپنے حوصلے کے موافق اُس سے سیراب ہوتے چلے جاتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ موسم[2] تابستاں میں دریا کی ریتی پر پیاسے پڑے تڑپ رہے ہیں ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

غرض یہ ایک واقعہ ہی جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان انگریزی عملداری کی برکتوں سے

[1] حکومتِ انگریزی ۱۲ [2] گرمی ۱۲

کُل سے نہیں تو اکثر سے محروم ہیں۔ اور چوں کہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اس حرمان کا کچھ نہ کچھ سبب ہونا چاہیئے۔ وہ سبب انگریزی عملداری کے اصول تو نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ اصول عملداری عام ہیں سب پر یکساں مؤثر۔ اور اسباب عام ہوتے ہیں۔ تو اُن کے نتائج بھی عام ہوتے ہیں (اِذَا[1] لَیْسَ فَلَیْسَ اور چوں کہ نتائج عام نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ عملداری ان کا سبب نہیں) پس ہو نہ ہو۔ ہم آپ ہی اپنی تباہی کے موجب ہیں ؎

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پر		تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

تو کیا سلطنت کے زائل ہونے سے مسلمانوں کی عقل بھی زائل ہو گئی۔ کہ اپنے پاؤں میں لگے آپ کلہاڑی مارنے۔ میں اس کا جواب دوں گا ہاں بے شک۔ ضرور۔ کیوں کہ دوسرا جواب بن نہیں پڑتا۔ ہر چند یہ جواب سن کر لوگ مجھی کو سڑی اور پاگل بنائیں گے اور کہیں گے کہ منکر بداہت عقل ہے۔ مگر میں اپنی اس جگہ سے ٹلنے والا نہیں جب تک مسلمانوں پر ان ہی کی بدعقلی ثابت نہ کر دوں عقل جس کو میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے سلب ہو گئی۔ اس سے مراد ہے عقلِ معاش عقلِ مصلحت اندیش عقل مزاج شناس زمانہ عقل سلیم۔ میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ ان تغیرات کا مجملاً تذکرہ کیا۔ جو انگریزی عملداری کی وجہ سے ہندوستان میں واقع ہوئے ہیں اور واقع ہوتے چلے جاتے ہیں اور واقع ہوتے چلے جائیں گے۔ پس مسلمانوں کی تمام بدعقلی محصور ہے اس ایک بات میں کہ انھوں نے اپنے تئیں زمانے کے ساتھ نہیں بدلا اور بدلنا چاہتے بھی نہیں۔ پس ان کو در پردہ ضد ہے اور مخالفت عملداری سے۔ زمانے سے۔ یا سیدھی طرح یہی کیوں نہ کہا جائے خدا سے۔ اور اس بیہودہ ضد اور مخالفت کا نتیجہ ضروری نتیجہ اب تک جو ہوا دیکھا اور جو آئندہ ہونے والا ہے۔ اور ضرور ہونے والا ہے جو جیتا ہے گا دیکھے گا اور ضرور دیکھے گا۔

دنیا جو دار الاسباب ہے اس کے یہی معنی نہیں ہیں کہ ہر ایک واقعے کا ایک سبب ہوتا ہے۔ بلکہ وہ سبب پھر بجائے خود ایک واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ اور کوئی اور واقعہ اس کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح

[1] اور یہ نہیں تو وہ بھی نہیں ۱۲۔

دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قائم ہی الف کا سبب بے ہی اور بے کا سبب جیم - جیم کا دال وَھَلُمَّ جَرًّا (یعنی علیٰ ہذا القیاس) مسلمانوں کی خستہ حالی کا سبب ہی زمانے کے ساتھ ساتھ ان کا نہ بدلنا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ نہ بدلنے کا سبب کیا ہی؟ واقع میں تو نہ بدلنے کا سبب ہی کوتاہ اندیشی مگر عذر بدتر از گناہ کے طور پر چھیدار کھا جاتا ہی مذہب پر سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (سبحان اللہ یہ تو بڑے ہی بہتان کی بات ہی۔

میرے نزدیک مذہب اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی۔ سب سے عمدہ۔ سب سے قوی دلیل یہی ہی کہ وہ کسی دنیاوی ترقی۔ دنیاوی بہبود۔ دنیاوی فلاح کا مانع ہونا کیسا حارج اور مزاحم بھی نہیں۔ یہاں تک کہ سلطنت کا۔ جو اعلیٰ درجے کی دنیا ہی۔ کیا قرون اولیٰ کے مسلمان جن میں خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب بھی تھے رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اور جو دین کے اعتبار سے ہم عارِ اسلام ع

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

مسلمانوں سے ہزاروں لاکھوں کروروں درجے بہتر تھے۔ وہ دین کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اور ہم سے بہتر اس پر عمل کرتے تھے کیا اِن بزرگوں نے دنیا کی سلطنت کے لیئے زحمتیں نہیں اُٹھائیں جانیں نہیں دیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو صوم وصلوٰۃ پر مقدم نہیں رکھا۔ تم کہوگے کہ اُن کو سلطنتِ دنیا مقصود بالذات نہیں تھی۔ بالکل غلط۔ سوائے تمھارے کوئی اس کو تسلیم نہیں کرے گا اور تمھاری بھی زبان تسلیم کرے گی نہ دل۔ ہاں یوں کہو تو ایک بات ہی کہ اُن کو سلطنت سے شیخی۔ تن آسانی اور مردم آزاری۔ واَمثالہا یہ باتیں منظور نہ تھیں تو تم سے کون مسخرہ کہتا ہی کہ دنیا کو اِن رذیلتوں کے لیئے حاصل کرو۔ ع

خود راز علمائے نکو ہیدہ بری دار

دین ہی کیا چیز۔ شارع علیہ السلام نے جو قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں اُن کے مطابق دنیا کو برتنا اسی کا نام دین ہی کیوں ہی یا نہیں۔ اگر دین کوئی اور چیز ہی تو از برائے خدا بول اُٹھو کہ اس بڑھاپے

ہیں تم ہی سے ایک بات حاصل ہوا اور میں سمجھوں کہ اس کڑاکے کے جاڑے میں دلی سے لاہور
آیا تھا تو خیر ایک نکتہ ہی معلوم ہوا سہی جب دنیا کو شارع علیہ السلام کے قواعد کے مطابق برتنے
کا نام دین ٹھہرا تو دنیا اور دین میں وہ نسبت ہو گئی جو ہیولی اور صورت میں جوہر اور عرض میں
اصل اور فرع میں ہوتی ہے یعنی دنیا کے بدون دین متحقق ہو نہیں سکتا ؎

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو | اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل و جود تحقق کہاں سے ہو | مصدر ہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست | مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

امیری ہو یا غریبی حاکمی ہو یا محکومی عزت ہو یا ذلت دنیا سے تو کسی حالت میں نجات نہیں۔ امیر و غریب
حاکم و محکوم عزیز و ذلیل سبھی دنیا دار ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ مختلف نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (ہم نے اس دنیاوی
معاش ان میں بانٹ دی ہے اور درجے کے اعتبار سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک سے
دوسرا کام لے)۔

مختلف
اور جس طرح لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں ان کے دینداری کے بتانے قاعدے بھی اسلام شرعی بھی
ہیں امیر کو جود و بذل ایثار و ہمدردی کا حکم دیا جاتا ہے تو غریب کو صبر و قناعت تسلیم و رضا کا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالی کسی کو اس کے مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا مَا اٰتٰهَا (اللہ تعالی کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر کی اس کو طاقت دی ہے) لیکن خدا
نے مسلمانوں کے خدا نے۔ خدا کے رسول نے؟ کب کہا اس سے یہ سب جھوٹ افترا بے جا غلط
کہ دنیا کے اعتبار سے ذلیل و محتاج اور خستہ و خوار رہو۔ اس سے کہ ایسی حالتوں کے لیے شرع میں احکام
پائے جاتے ہیں یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا ہم کو ان مکروہ اور قابل افسوس حالتوں میں رہنے کا
حکم دیتا ہے طب کی کتابوں میں امراض کے علاج لکھے ہوئے ہیں تو کیا ان کتابوں سے یہ سمجھی جاتی
ہے کہ ہر شخص بیمار رہے [illegible]

امراض کا علاج نفس کشی سے بنایا گیا ہو تو اس سے کیوں مفہوم ہوگا کہ خدا ہم کو مصیبت مند اور غریب
رکھنا چاہتا ہے۔ خدانخواستہ اگر خدا ایسا حکم دے تو لازم آئے ابطال[۱] مصالح خلق عالم۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
بَاطِلًا[۹] (اے پروردگار تو نے اس جہان کو لغو باطل تو نہیں پیدا کیا) خدا نے دنیا میں بے شمار طرح کی نعمتیں پیدا
کیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان پر احاطہ نہ کرسکو گے)
اور ہم کو ان نعمتوں سے متمتع ہونے کی قابلیت بھی عطا فرمائی۔ کیا ترسانے اور ڈھکانے کے لیے کہ دیکھیں اور
للچائیں اور ان سے مطلق فائدہ اٹھائیں؟ یہ تو بندوں کے ساتھ ایک طرح کی چھیڑ خانی ٹھہری تَعَالَى
اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اس سے خدا کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے) سنو بھائیو! خدا تو یہ چاہتا ہے کہ
جس حال میں چاہو رہو جس طرح چاہو زندگی بسر کرو۔ مگر ایک بات کا خیال رکھو کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ (یعنی بندگی
کی شان لیے رہو۔ پس پھر تم دین دار ہو۔ سچے مسلمان ہو۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ جنتی ہو۔ قرآن کو دیکھو۔
جگہ جگہ سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کرتے تھے تو کہتے تھے
اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ[۲] اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ
وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دین دار ہونے کے صلے میں جس انعام کا لالچ دکھاتے
تھے وہ یہی دنیاوی نعمتیں تھیں۔ پانی کا برسنا۔ تم اس کی قدر کیا جانو گے۔ اس نعمت کی قدر کرنے ہوں گے
حق قدرہ[۳] پریزیڈنسی مدراس اور بمبئی کے ان اضلاع کے باشندے جنہیں ان دنوں پینے کو پانی میسر
نہیں۔ جانوروں کو چارہ نصیب نہیں۔ غرض حضرت نوح علیہ السلام جس انعام کا طمع دلاتے تھے وہ
یہی ہے پانی کا برسنا۔ مال و عیال کی کثرت۔ باغات اور نہریں وَذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ ہم سے
جو وعدہ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ

---

[۱] یعنے دنیا کے پیدا کرنے میں جو مصلحتیں مضمر ہیں وہ باطل ہو جائیں ۱۲ [۲] اپنے پروردگار سے معافی مانگو۔ بے شک وہ سب سے
زیادہ معافی دینے والا ہے۔ تم پر پانی برسائے گا زور کا اور مال سے اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا۔ اور باغ اور نہریں تم کو
دے گا ۱۲ [۳] قدر کرنے کا حق ہے ۱۲ —

خَوْفِهِمْ اَمْنًا (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے اللہ نے اُن کے ساتھ وعدہ کر لیا ہی کہ اُن کو رُوئے زمین کا خلیفہ یعنی حاکم بنائے گا جیسے اگلے لوگوں کو بنایا اور جو دین اُن کے لیے پسند کر لیا ہی۔ اُس پر اُن کو ثابت قدم رکھے گا اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا) ذرا خیال رکھنا کہ میں کس مطلب پر گفتگو کر رہا ہوں۔ میں دکھانا چاہتا ہوں وہ رابطہ اتحاد جو دین و دنیا میں ہی اگر اس کے شواہد قرآن سے پیش کرنے بیٹھوں تو ایک مجلس کیا شاید کئی دن میں بھی تمام نہ ہوں مگر خیر ایک چھوٹی سی آیت تو اور بھی لو۔ فرماتے ہیں قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (اے پیغمبر اُن لوگوں سے کہو دو کہ زینت کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں۔ اور روزی کی پاک چیزوں کو کس نے حرام کیا) اس سے بڑھ کر اور کیا صراحت چاہتے ہو کہ خدا خود اس خیال کے لوگوں پر معترض ہی جو دنیا و دین میں مباینت قائم کرتے ہیں میں نے اس مسئلے پر کچھ زیادہ گفتگو کی اور ابھی اَور کروں گا۔ اس واسطے کہ میرے پندار میں اسی غلطی نے مسلمانوں کو اس رذیلہ تک پہونچایا ہی۔

دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب دور دور یہاں تک کہ عرب و فارس اور روم تک مشہور ہیں۔ (اور ہندوستان میں چاروں طرف ان کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کو الہام ہوا کہ جاؤ مولوی نذیر حسین کے پاس اور اُن میں ترقی کی روح پھونک دو۔ وہ آئے اور لگے مولوی صاحب کے مدرسے میں اُن کے رُو در رُو وعظ کرنے مولوی نذیر حسین صاحب رشتے میں میرے مکرم ہیں۔ الہامی مولوی صاحب نے بار کرہ مجھے بھی بلایا اُنھوں نے بہت کچھ کہا اور آخر کار مجھ سے کہنے لگے کہ آپ بھی کچھ کہیں۔ میں چُپ۔ جب بہت اصرار کیا تو میں نے کہا آپ یہاں کیا تعلیم کرنے آئے ہیں یہاں کی تلقین تو یہ ہی کہ مسلمان نصف ساق تک پاجامہ پہنتے پہنتے اُس کو گھٹنا بنانے جاتے ہیں اور زیادہ ترقی کریں گے تو لنگوٹی باندھے ہوں گے خیر یہ تو ایک بات تھی۔ پھر مطلب کی طرف چلو کہ جب عالم یعنی دنیا و مافیہا سب معرض تغیر میں ہیں تو دین بھی دنیا و فیہا سے خارج نہیں۔ کیوں کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ دنیا کے خاص طرح کے برتاؤ کا نام دین ہی۔ جیسے جیسے دنیا بدلتی جاے گی ویسے ویسے دین کے احکام بھی بدلتے جائیں گے۔ یہ سُن کر آپ سب صاحب حیران ہو گئے کہ یہ بکتا کیا ہی؟ دین بھی کوئی بدلنے

کی چیز ہی۔ خدا کو اس سچے ابدی ازلی خدا کو جو دین تمام روئے زمین پر اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ جاری رکھنا منظور تھا اور جو اس کے علم میں انسان کی اصلاح معاش اور فلاح معاد کے لیے کافی تھا اپنے سچے پیغمبر محمدؐ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اپنی سچی کتاب قرآن مجید میں لکھوا کر لوگوں کے حوالے کر دیا کہ اس پر عمل کیے جاؤ۔ لیکن ذرا صبر و سکون کے ساتھ میری بھی سنو کہ دین کی تبدیل سے میں کیا مراد رکھتا ہوں پھر جو تمھاری سمجھ میں آئے۔ میری نسبت کہنا۔

کیا اس کو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص بیمار ہو گیا اور اُس کو پانی کا استعمال مضر کرتا ہی۔ وہ غسل اور وضو کے عوض لگا تیمم کرنے۔ کیا اس کو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص سفر کو نکلا نماز فرض آدھی رہ گئی اور روزہ ندارد۔ کیا اس کو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص مفلس تھا تو انگر یز ہو گیا صاحب نصاب اور اس کو زکوٰۃ کا دینا لازم آیا۔ پھر مفلس ہو گیا زکوٰۃ ساقط۔ اب مجھ کو یہ بتاؤ کہ بیماری اور سفر مفلسی اور تو انگری کے چھوٹے چھوٹے تغیرات کی وجہ سے احکامِ دین بدلتے رہتے ہیں تو اتنے بڑے تغیر عظیم یعنی عملداری کی وجہ سے دین کا کون سا حکم بدلا یا دوسرے لفظوں میں سہی اتنے بڑے تغیر عظیم عملداری کی وجہ سے مسلمانوں کے برتاؤ میں کیا فرق آیا۔

ہم لوگ پہلے سے ہندوؤں میں رہتے تھے۔ مگر ان پر حکمراں تھے۔ اب بھی ہندوؤں میں رہتے ہیں اور برابر کی رعایا ہیں۔ ہندوؤں کے علاوہ کہ ان کا ہمارا مدتوں سے چولی دامن کا ساتھ ہی۔ ایک اور گروہ عملداری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہی۔ وہ عیسائیوں کا با اقتدار گروہ ہی جس کا شمار یومًا فیومًا بڑھتا جاتا ہی۔ اور بڑھتا جائے گا۔ اور یہ بڑھنا ضروری نتیجہ ان کی ہم مذہبی کا ہی ساتھ حکامِ وقت کے۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیے اس بات کو بھی دیکھیں۔ کہ یہ اسلام جس پر ہم کو فخر و ناز ہی اور واقع میں وہ فخر و ناز کی چیز ہی بھی۔ اگرچہ افسوس ہی کہ وہ ہم جیسے نااہلوں کے پالے پڑ کر ان لوگوں کی نظر میں جو اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں حقیر دکھائی دیتا ہی۔ اس بارے میں ہمیں کیا سکھاتا ہی۔ اور جس شخص کی جوتیوں کے صدقے ہم کو یہ فخر حاصل ہوا ہی۔ یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تغیرات زمانے کے ساتھ

لہ روزِ قیامت تک ۱۲

کیا برتاؤ تھا۔

جس نے پیغمبر صاحب کی زندگی کے تاریخی حالات پڑھے ہیں وہ اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی عمر کے تین حصے تھے جو ایک دوسرے سے صاف جدا اور متمیز معلوم ہوتے ہیں وہ دو تہائی عمر تک سوچ اور فکر سے اپنے تئیں اس بڑے مشکل بڑے خطرناک بڑے اہم بالشان کام عالم کی رفارم کے لیئے تیار کرتے رہے جس کے انجام دینے کے لئے خدا نے ان کو منتخب کیا تھا ؎

حکمت محض ست اگر لطف جہاں آفرینا	خاص کند بندۂ مصلحت عام را

عمر کے ثلث اخیر یعنی زمانۂ نبوت کے دو ٹکڑے ہیں ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد۔ ان دو ٹکڑوں کے حالات کو مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گویا دو مختلف اشخاص کی دو مختلف زندگیاں ہیں ہجرت سے پہلے کہا جائے تو اس سے ہفتے عشرے مہینے بلکہ برس دو برس بھی مراد نہیں۔ اکٹھے تیرہ برس بلا فصل اس امتداد مدت اور اُن جسمانی و روحانی تکلیفات مالایطاق[1] پر نظر کی جائے جو آپ اعلیٰ درجے کے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے تو اندر سے خود بخود دل گواہی دینے لگتا ہے کہ کوئی ایسا ہی زبردست خیال تھا جو ان مصیبتوں میں آپ کی ہمت بندھاتا رہا وہ کیا خیال تھا؟ اس بات کا اذعان کہ میں سچا پیغمبر ہوں اور مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آتی ہے اور جو وعدہ مجھ سے کیا جاتا ہے وہ یقیناً حتماً جزماً پورا ہو گا یہ ہو گا اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ[2] میں اسی کی طرف اشارہ ہے درحقیقت میں اگر خدا کی طرف سے شرح صدر نہ ہو تنگ دلی کے ساتھ کوئی انسان کبھی ایسی سختیاں نہیں اٹھا سکتا۔

پیغمبر صاحب خدانخواستہ عوام الناس میں سے کوئی پست آدمی تو تھے نہیں۔ وہ اُس خاندان کے آدمی تھے جو شرافت و عزت کے اعتبار سے تمام عرب پر فضیلت رکھتا تھا۔ اُن کی تعظیم و توقیر والیان ملک یا رؤسائے قوم کی سی تعظیم و توقیر نہ تھی جو اکثر صورتوں میں ظاہری اور جبری ہوتی ہے بلکہ مذہبی پیرایہ میں جیسے بت پرست اپنے معبودوں کے پجاریوں سے پیش آتے ہیں ایک قوم

---

[1] جس کی برداشت نہ ہو سکے ۱۲ [2] تیرہ برس نبوت کے بعد ہجرت ۱۲ [3] کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا ۱۲

میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔ دولت۔ حسب۔ نسب۔ حکومت وغیرہ بہت سے ذریعے عزت کے ہیں مگر کوئی عزت اُس عزت کو نہیں پاتی جو انسان مذہب کے ذریعے سے پیدا کرسکتا ہے۔ بے شک مذہبی عزت سب عزتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کو ایک طرح کی عبادت سمجھتے ہیں اور اس کی عزت کی آڑ میں خدا کی عزت کرتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ پیغمبر صاحبؐ کی بعثت کے زمانے میں عرب کے لوگ شرک اور بت پرستی کے بُرے عقائد رکھتے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانۂ خدا کے آگے سارا عرب بلا اختلاف سر جھکاتا تھا۔ حج ارکانِ معلومہ کے ساتھ بے شک اسلام سے شروع ہوا مگر اسلام سے پہلے بھی لوگ ہر برس خانۂ کعبہ کی زیارت کو عبادت کے طور پر آتے۔ بڑا بھاری اژدحام رہتا اور عرب کے میلوں میں وہی موسم حج کا میلہ اول نمبر تھا۔ اور از بس کہ خانۂ کعبہ کی کل خدمات قریش سے متعلق تھیں۔ لوگ یہاں تک اُن کا ادب ملحوظ رکھتے۔ کہ ذی الحج۔ محرم۔ صفر۔ اور رجب۔ امنِ عام کے چار مہینے چھوڑ کر باقی آٹھ مہینوں میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کو جان و مال سلامت لے جائے۔ مگر قریش سے کوئی شخص کسی وقت معترض نہیں ہوتا تھا۔ ان میں کا کوئی شخص کہیں جا نکلتا تو لوگ سعادت سمجھ کر اُس کی مہمان داری کرتے۔ اور قریش سے اہل عرب کے دبنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کا معبد ان کے قبضے میں تھا جہاں ان کو جانا ضرور تھا۔ اور موسم حج میں تمام عرب گویا قریش کا مستامن[۱] اور مہمان ہوتا تھا۔ غرض پیغمبر صاحب اُس قوم کے ایک فرد تھے۔ جس کا ادب مذہبی تمام عرب میں مسلم تھا۔ اور قریش میں بھی بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں بھی عبد المطلب اور بنی عبد المطلب میں سے خود آں حضرتؐ کہ اپنی جبلی راستی اور نیکوکاری کی وجہ سے عنفوانِ شباب میں محمدؐ امین پکارے جاتے تھے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ اس وقت بھی لوگ اپنے جھگڑے آپ کے پاس فیصلے کو لاتے اور اگر کوئی پیچیدہ معاملہ پیش آتا اور بحث کی ضرورت ہوتی تو لوگ آپ کو آگے کرتے۔ ابتدا ہی سے آپ کی طینت ایسی تھی کہ لوگ آپ کو راست بازی اور نیکی کا نمونہ سمجھتے اور آپ کی دیانت اور امانت پر بھروسہ کرکے آپ کے پاس امانتیں رکھ جاتے ہیں اس کی بھی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے میرے بیان

[۱] پناہ گزیں ۱۲۔

اچھی طرح صداقت ظاہر ہوگی۔

ابھی آپ نے نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا کہ خانۂ کعبہ کو از سرِ نو بنانے کی ضرورت واقع ہوئی۔ خانۂ کعبہ بن تو گیا مگر اس امر میں اختلاف ہوا کہ ایسا کون ہو جو اُس مقدس پتھر گناہوں کے مقناطیس حجر اسود کو دیوارِ کعبہ میں اپنے ہاتھ سے نصب کرنے کی بزرگی حاصل کرے۔ عرب میں اختلاف کے یہ معنی نہ تھے جو ہمارے یہاں ہیں تو تو مَیں مَیں۔ یا کوئی ایسا ہی بے باک اور آبرو باختہ ہو الو ہاتھا پائی۔ بلکہ عرب میں اختلاف اور اختلاف بھی ایسی فضیلت کے بارے میں کہ کوئی دنیاوی شرف اُس کو نہیں پا سکتا۔ اس اختلاف کے یہ معنی تھے کہ کشتوں کے پشتے لگ جائیں یا رہے وہ شرف اُسی کو ملا جو اُس کا اہل تھا اور جس کے ہاتھ سے چند روز بعد دینِ حق کی بنیاد رکھی جانے کو تھی۔ یعنی لوگوں نے اتفاق کر کے **محمد امین** کے ہاتھ سے وہ پتھر اُس کے محل پر نصب کرایا۔

جو شخص تمام عرب میں عزت و آبرو۔ وقار و ادب۔ تعظیم و تکریم کا مرکز ہو۔ یکایک خدا نے اُس کو اپنا ایک خاص کام سونپا کہ وہ اُس کی الوہیت کو دنیا میں قائم کرے۔ اس کام کا بیڑا اُٹھانا بھڑوں کے چھتے کا چھیڑ دینا تھا ایک دم سے سارے موذی لپٹ پڑے اور جان کے لاگو ہو گئے۔ جو مدارات پیغمبر کے ساتھ ہوئی اُس کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہو کہ ان نابکاروں نے بے حرمتی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مُنھ پر تھوکا۔ گلا گھونٹا۔ گالیاں دیں۔ جس طرح اب کمینوں میں حُقہ پانی بند کر دیتے ہیں اسی طرح برادری سے نکال دیا۔ حصہ بخرہ۔ لین دین۔ کھانا پینا۔ بول چال سب موقوف۔ شادی بیاہ رشتہ ناطہ سب الگ پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ نماز پڑھ رہے ہیں۔ سجدے میں گئے۔ اونٹ کا اوجھ لا کر گردن پر ڈال دیا۔ جس رستے سے سویرے تڑکے نماز کو جاتے تھے۔ اس میں کانٹے بچھا دیئے کہ چُبھیں۔ خانۂ خدا میں آنے کی مناہی بیٹھنے کی بندی یہ سب فسادات صرف ایک آتنی بات پر کہ لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلاتے تھے وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (ان میں عیب بھی پکڑا تو یہ کہ خدائے غالب قابل حمد پر ایمان لائے جو آسمان اور زمین کا مالک ہو)۔

ایک بار آپ کو بیٹھے بیٹھے ابتدائے بعثت کی مصیبتوں کا خیال آ گیا اور آپ نے غالباً بعض صحابہؓ

ی تسکین کے لیئے اُس سفر کا مذکور کیا جو آپ کو ہجرتِ مدینہ سے پہلے طائف کی طرف کرنا پڑا تھا۔ جب آپ کو
اہلِ مکہ کی طرف سے نااُمیدی ہوگئی اور اُن کی ایذائیں کسی تدبیر سے کم نہیں ہوتی تھیں تو آپنے بمقتضائے
اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ (ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہی) اطراف و اکناف پر نظر دوڑائی اور
آپ نے خدا جانے کیوں رئیسِ طائف کی طرف سے یہ توقع کی کہ عجب نہیں میں جا کھڑا ہوں تو وہ مجھ کو دھکے
نہ دے۔ اور میں اُس کی پناہ میں چند روز بسر کرسکوں۔ اس خیال سے آپ محض بے سروسامان اور
باسروسامان جانا چاہتے تو جانے بھی کون دیتا۔ غرض جیسے بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے باوجودیکہ مستامن[1]
کی حمایت اور مہمان داری عرب کا عام دستور تھا۔ مگر خدائے واحد کی طرف بلانے والے مجرم کو امن کہاں؟
اس نالائق رئیسِ طائف نے پناہ دینا تو درکنار۔ آمد سُن کر چند آوارہ نوجوان لڑکوں کو سنکار دیا اِن اوباشوں
نے مہمان پر بے دریغ پتھر برسائے۔ پیغمبر صاحب کا بدنِ مبارک زخموں سے چور۔ اور دل نااُمیدی سے
شکستہ سواد کے ایک باغ میں جا بیٹھے۔ رنج و حسرت کے کیسے کیسے خیالات آپ کے دل میں آتے ہونگے
جس پر وہ مصیبت گزری ہو وہی جانے۔ کہتے ہوں گے کہ اب کیا منھ لے کر مکے واپس جاؤں مکے
میں میرا ٹھکانا ہوتا تو میں طائف کا ارادہ ہی کیوں کرتا۔ کیا آپ کے اعوان و انصار نہ تھے؟ تھے مگر یہ بھی
پیچ ایسا آ کر پڑا تھا کہ جو زیادہ قریب تھا وہی سب سے بڑھ کر دشمن تھا ؎

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا	موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

آپ اس ردوِ رعایت کو بھی اس قدر ترس گئے تھے کہ پکار سے کہتے تھے کہ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى بھائیو میں تم سے اس بات کے صلے میں کچھ معاوضہ تو نہیں چاہتا
مجھ کو پاسِ قرابت کا معاوضہ بھی بس کرتا ہو۔

باوجودیکہ کوئی اتفاق مساعد نہ تھا آپ اس اعلیٰ درجے کے صبر و استقلال کے ساتھ جو پیغمبر
کے سوا کسی فردِ بشر سے ہو نہیں سکتا عموم مزاحمت میں اپنی رسالت کی تبلیغ اور خدائے واحد کی
منادی کرتے ہی رہے۔ یہ وصف خدا کے حقانیت ہی نے دیا ہے۔ [illegible]

[1] امن لینے والا ۱۲-

سازگار نہ ہو۔ نہ ہو۔ کہیں بھی حقانیت کے بیج کو ڈال دو۔ وہ جمے گا پر جمے گا۔ آخر کہتے کہتے جن دلوں میں قبولِ حق کی استعداد تھی گرویدہ ہونے لگے۔ کچھ بوڑھے ایک آدھ نوجوان۔ کچھ عورتیں۔ کچھ غلام۔ کچھ اطفال۔ کچھ مفالیس[1]۔ اسلام جس طرح پر بتدریج پھیلا۔ اُس کا پھیلنا ہی اُس کی صداقت کی بڑی دلیل ہے۔ وہ بالکل طبعی طور پر پھیلا۔ اس کے جھنڈے کے تلے سب سے پہلے وہ لوگ آئے جن کو دین حق کے اختیار کرنے سے ثروت۔ حکومت۔ شہرت۔ نام ونمود۔ اس قسم کے دنیاوی تعلقات مانع نہ تھے۔ اس نے سچی اور مستحکم رفارم کی طرح پیغمبر صاحب کے گھر میں نمو پکڑا۔ اور اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ[2] کے قاعدے کے مطابق پھیلتے پھیلتے آخرکار مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا[3] کو جا دبایا۔

اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہ تھی کہ معترض کہتے پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ نیشنل کانگرس کا کئی برس بڑا شور و غل رہا۔ اور اب بھی ہے مگر مدھم اور روز بروز اس کو مدھم ہو کر آخرکار بند ہونا چاہیئے۔ اور وہ بند ہوتا نظر آرہا ہے۔ مسٹر ہیوم کو جو اس کے بانی مبانی ہیں۔ گو برائے نام روک لیا گیا ہے۔ مگر وہ دست برداری کر چکے ہیں۔ پنڈت اجودھیا ناتھ بیچارے مر ہی گئے۔ اور یہی دو اس میں کارندے تھے۔ غرض نیشنل کانگرس کے مخالف جہاں اس پر اور بہت سے اعتراضات وارد کرتے تھے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ لاجواب اعتراض یہ تھا کہ اگر کانگرس والوں کو حقیقت میں سچے دل سے رفارم کی دھن ہے تو پہلے اپنے گھر والوں کی رفارم کریں۔ اس کے بعد گورمنٹ کو رفارم کی صلاحیں بتائیں۔ فرش ہیل ذائی سلفت۔ ای طبیب پہلے تو اپنے تئیں تو اچھا کر لے۔ پھر بیمار کے اچھا کرنے کا قصد کیجیو۔

ہندو اپنے بچوں کو بہت ہی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں جس سے بیوہ عورتوں کا شمار بڑھتا جاتا اور نسلیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بیوہ عورت کو دوسرا بیاہ نہیں کرنے دیتے جس سے ان کو ساری عمر مصیبت مند زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ جبراً بیوہ کا سر منڈوا کر اس کو بدصورت بنا دیتے ہیں۔ کیسی ہی ضرورت سے کوئی سفر بحری کرے۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے میں حد سے زیادہ

---

[1] جمع مفلس ۱۲ [2] قریب تر پھر قریب تر ۱۲ [3] زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو ۱۲

جھوٹ مانتے ہیں۔ بت پرستی جو تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے بڑے اصرار کے ساتھ اس پر جمے ہوئے ہیں۔
غرض کانگرس کے مخالفین نے اس قسم کے اعتراضات کی ایک بڑی لمبی فہرست بنا کر پیش کر دی۔
اور کہا کہ تمھارے گھر میں یا چیونٹی بھرے کباب۔ پہلے ان کو صاف کر و پیچھے گورمنٹ کی رفارم کا نام لو۔
بے شک اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا۔

سو الحمد للہ کہ اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہیں تھی۔ کہ کسی کو یہ کہنے کا
موقع ملے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ۔ میں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اسلام کی اُس وقت تک
پوری پوری قدر نہیں کی جب تک ایک مولوی اور مولون کو اپنے کانوں لڑتے نہیں سُن لیا نہیں
معلوم کس بات میاں بی بی میں تکرار ہو پڑی۔ اور گوشت ترکاری کے سوا وہ بات ہی کیا ہو گی۔
مولوی صاحب بی بی سے اُس ادب کے خواستگار تھے جس کو وہ ازروئے مولویت اپنا حق سمجھتے
تھے۔ مولون بگڑی ہوئی آپے سے باہر کہہ رہی تھی۔ موئے تیری مولویت کو لگاؤں جھلسا۔ چلا ہے مجھی
سے مولویت جتانے۔ میں تیرے رگ و ریشے سے واقف ہوں۔ اب کے وعظ کہہ۔ قنات کے اندر
سے تیرا اسرار پردہ فاش کروں تو سہی۔ آدمی کتنا ہی شائستہ کیوں نہ ہو۔ اس کی اصلی حالات گھر والوں
سے مخفی نہیں رہ سکتی اَھْلُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِی الْبَیْتِ (گھر والے گھر کے حال سے خوب واقف
ہوتے ہیں) اس پہلو سے دیکھا جائے تو آدمی وہی بڑا سچا ہے جس کو اس کے گھر والے سچا مانیں۔
پیغمبر صاحبؐ کی اس وقت کی حالت۔ اہل عرب کا طرز تمدن جس میں زناشوئی کے تعلق کی کچھ وقعت
ہی نہ تھی۔ اور پھر مذہبی معاملہ یہ سب باتیں پیش نظر ہوں۔ تو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا سب پر
تفوق[1] رکھتا ہے۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بڑی مال دار بی بی تھیں۔ اور پیغمبر صاحب کی دنیاوی وجاہت متفرع
تھی ان ہی کے تمول پر کہ اُنھوں نے پیغمبر صاحبؐ کو اپنا معتمد بنا کر تجارت کے لیے شام کی طرف روانہ
کیا تھا۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا میکا دین دار میکا تھا۔ اور اُن کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کتب عہد
عتیق[2] و جدید یعنی توریت و انجیل کے بڑے عالم تھے۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عمر میں پیغمبر صاحب سے پندرہ برس

---

[1] فوقیت ۱۲ [2] مراد ہے انجیل سے پہلے کی کتب آسمانی توریت زبور و صحف انبیاء وغیرہ ۱۲

بڑی بھی تھیں ایسی عورت کا اپنے تئیں پیغمبر صاحب کی زوجیت میں دینا اور اُنکے مذہبی خیالات کی
نگرانی رکھنا اور آخرکار ان کی نبوت کو تسلیم کرنا کیا کم وقعت رکھتا ہی مجھے تعجب ہی کہ مسلمان پیغمبر صاحب
کی صداقت جتانے کو نصاریٰ کے اقوال سے استشہاد کرتے ہیں۔ کون گبن ؟ کیسا ڈیون پورٹ مترجم
قرآن سیل کیا چیز ہی ان میں سے کسی ایک کی شہادت بھی خدیجۃ الکبریٰؓ کی شہادت کے مقابلے میں کچھ
وزن رکھتی ہی۔ ہرگز نہیں۔ میں صاحب تصنیف ہوں۔ اگرچہ میں اسے قابل فخر نہیں سمجھتا۔ میری
کتابوں کے ساتھ سر ولیم میور کی راے لکھی ہوئی ہو مجھے اُس سے کچھ خوشی نہیں۔ اگر کوئی ادنیٰ
زبان داں مسلمان بھی میری کتابوں کو پسند کرے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ کیا لورپول
کے مسلمانوں کی شہادت سے بھی خدیجۃ الکبریٰؓ اور صحابہؓ کبار کی شہادت گئی گزری ہوئی ایسے استشہاد
تو کچھ مسٹر شاہ دین بیرسٹرایٹ لاہی کو بھاتے ہوں گے۔ میری نظر میں تو اُن کی وہ قدر و وقعت ہرگز
نہیں جو خدیجۃ الکبریٰؓ کی شہادت کی ہی اور جو درحقیقت بڑی قدر و قعت کے قابل ہی۔

غرض اس طور پر طبعی رفتار کے مطابق مسلمانوں کا گروہ چپکے چپکے دو دو چار چار کر کے روز
بروز زیادہ ہوتا گیا۔ قاعدہ ہی کہ ابتدا میں بڑا جوش ہوتا ہی جس نے حال میں نماز شروع کی ہی۔ وہ
فرائض سے بڑھ کر نوافل کا اہتمام کرتا ہی جس نے پڑھنے کا نیا شوق کیا ہی۔ دن بھر سبق پڑھتا رہتا
ہی۔ اسی طرح اُس زمانے میں بھی بعض ایسے جلد باز اور زود فریب زود رنج مزاج کے لوگ داخل اسلام
ہوئے تھے کہ خروج کے لیے بے قرار تھے۔ مگر پیغمبر صاحبؐ ان کو روکتے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔
گھر میں بیٹھے بیٹھے چُپکے چُپکے اللہ اللہ کیا کرو۔ اتنا ہی بس ہی۔ پیغمبر صاحب کے سکے رہتے رہتے
اسلام نے ترقی تو کی۔ مگر وہی ترقی مغلوبانہ کہ جو جہاں تھا اپنی جگہ چھپا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں
کا ایک گروہ جس میں پیغمبر صاحب کے چچا بیٹی داماد بھی تھے۔ اپنا دیس چھوڑ حبشے کو ہجرت کر گیا۔
مخالفین اس ترقی کو بھی نہ دیکھ سکے اُنھوں نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ جب ان کا شعار بڑھتا جاتا ہی
تو اُن کا ضعف عارضی ہی ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

جب سب طرح سے ہارے تو آخر الد دا الکی چاہا کہ پیغمبر ہی کا کام تمام کریں وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمھارے ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے کہ تم کو قید میں ڈالدیں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ لوگ بھی مکر کرتے تھے اور خدا اپنی تدبیر میں لگا تھا اور الله سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہی) یہ منصوبے ہی کرتے رہے۔ اور پیغمبر صاحب ایک دن اور دو رات پاس کے پاس غار ثور میں چھپے رہ کر اپنے انصار میں مدینے جا داخل ہوئے۔ ہجرتیں ایک چھوڑ دو دو پہلے بھی ہو چکی تھیں مگر یہی وہ بڑی ہجرت ہی جس سے مسلمانوں کا سنہ چلا۔ اور واقع میں وہ واقعہ اسی یادگار کے قابل تھا اب اسلام میں ذرا جان سی آچلی۔ اور وہ یا تو ٹھٹھرا ہوا بےحس و حرکت پڑا تھا یا اب لگا کلبلانے اور پھر تو رفتہ رفتہ اُس نے وہ جولانیاں کیں کہ تمام روئے زمین کو ہلا مارا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے بزور شمشیر اپنی سلطنت قائم کی تو اس سے کسی کو انکار نہیں۔ ہمیشہ سلطنتیں بزور شمشیر قائم ہوا کی ہیں۔ کیا اوروں کی سلطنتیں سلطنتیں تھیں اور اُن کو زور شمشیر درکار تھا۔ اور ان کی سلطنت بھیک کا ٹکڑا تھا کہ کہیں سے مانگ کر لے آتے یا کنکر پتھر تھے کہ پہاڑوں سے جا کر اُٹھا لاتے۔ سدا سے سلطنت کا یہی قاعدہ رہا ہی اور سدا کو یہی رہے گا جس کی لاٹھی۔ اُس کی بھینس مسلمانوں کی سلطنت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں مگر ہاں یہ کہنا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا واقعات تاریخی کو جھٹلانا ہی۔ اسلام کو مسلمانوں کی سلطنت سے بے شک بڑی مدد پہنچی لیکن کون سا مذہب سلطنت کی مدد سے نہیں بڑھا ہم کو تاریخ سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت ہی جب کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہر چند برٹش گورمنٹ مذہبی نیوٹریلٹی کا دعویٰ کرتی ہی۔ اور وہ نیوٹرل ہی بھی۔ مگر جو مخفی امداد عیسائیت کو صرف اتنی بات سے پہنچ رہی ہی کہ وہ حکام وقت اور وہ قوم با اقبال کا مذہب ہی ہر منصف آدمی اپنے دل میں اُس کا اندازہ کر سکتا ہی۔ آج دیکھتے عیسائیت کو اگر ابتدا میں روم کے بادشاہ کنسٹنٹائن نے متعصبانہ اس کی امداد نہ کی ہوتی۔ آج دیکھتے عیسائیت کو اگر اہل یورپ اس کے معتقد نہ ہوتے۔ یا ہوتے اور برسر ترقی نہ ہوتے

لہ داغ دُنیا سب سے آخری علاج ہی ۱۲

آج دیکھئے پنجاب میں سکھوں کے مذہب کو اگر ان کی سلطنت نہ ہوئی ہوتی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں۔ اگر دنیا دین کی سوکن ہے تو ایسی کن ہے کہ بے اس کی مدد کے دین بی بی کے سر کو کبھی اوڑھنی بھی نصیب نہیں ہوئی اور ساری عمر دین بی بی کو دنیا بی بی کا اُتارن ہی پہنتے گزری۔ تو محفل میں منہ دکھانے قابل بھی ہوئیں۔

کسی ایک مذہب کا نشان دو جس نے کسی زمانے میں کسی ملک میں بدون دنیا کی مشارکت کے ترقی پائی ہو۔ تو اسلام بیچارے نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کو بے وجہ نکو قرار دیا جائے لیکن سمجھے رہو کہ تمکّن اور ترقی دو چیزیں ہیں جیسے درخت کی دو حالتیں۔ ایک جڑ پکڑنا اور ایک پھیلنا۔ پھولنا۔ پھلنا۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاٗهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ (جیسے روئید گی کہ پہلے اس کی کونپل نکلتی ہے۔ پھر اس کو تائید پہونچی تو موٹی ہوئی اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر تعجب کرنے) سو اگر سچ پوچھتے ہو تو اسلام نے جڑ تو اسی وقت پکڑ لی تھی جب مسلمانوں کو نہ زور کا بَل تھا نہ زر کا۔ یہ اعتراض۔ ناحق کا اعتراض کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر تامل کیا جائے تو خود اسی اعتراض میں اس کا جواب بھی موجود ہے۔ تم کہتے ہو بزورِ شمشیر اسلام پھیلایا گیا۔ بہت خوب۔ تلوار نے تو لوگوں کو مسلمان کیا۔ لیکن تلوار کو کس نے مسلمان کیا۔ یعنی تلوار فی نفسہا کوئی چیز نہیں۔ بزورِ شمشیر اسلام کے پھیلانے کے یہ معنی ہوئے کہ تلوار چلانے والے اسلام کے حامی ہوئے۔ مگر میں پوچھتا ہوں تلوار چلانے والوں کو اسلام کی حمایت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تم اس کا کیا جواب دے سکتے ہو۔ مجھ سے سنو۔ آمادہ کیا اس کو ایک اور تلوار نے جو گوشت و پوست پر نہیں۔ رگ و پے پر نہیں۔ مغز و استخوان پر نہیں۔ بلکہ سویدائے قلب پر کارٹ کرتی ہے۔ یعنی وہ نفس انسانی جس میں خدا تعالیٰ نے قبولِ حق کی استعداد کو ودیعت رکھا ہے۔ یہ تلوار شروع سے اسلام کی حامی ہوئی۔ اور مجھ کو اس کے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اسلام کو اگر صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں تلوار کے چھوٹنے سے سلطنت گئی۔ حکومت گئی۔ ثروت گئی۔ خوش حالی گئی۔ فارغ البالی گئی اسلام کی رونق گئی

شان گئی۔ مگر اسلام کا ایک بار دل میں اُترنا شرط ہی۔ پھر جائے جان رہے ایمان۔

جناب پیغمبر صاحب نے اپنے عہد کے تمام ملک و سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط جاری کیے تھے۔ ان میں سے ایک خط ہرقل روم کے نام کا بھی تھا۔ اُس نے خط پاکر حکم دیا کہ دیکھو عرب کے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیے اکثر آتے رہتے ہیں۔ اگر ہوں تو اُن کو حاضر کرو۔ چنانچہ جتنے عرب نظر پڑے سب کو ہرقل کے حضور میں لے گئے۔ اُن میں سے رئیس قریش ابوسفیان بھی تھے۔ جو اُس وقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ ہرقل نے پیغمبر صاحب کی نسبت ان لوگوں سے بہت سے سوالات کیئے۔ اہل عرب نے ابوسفیان کو جواب کے لیے اپنا پیشوا بنایا۔ ابوسفیان کا بیان ہی کہ اُس وقت تک میرے دل میں پیغمبر صاحب کی طرف سے کبیدگی تو تھی ہی۔ بار بار میرے دل میں آتا تھا کہ پیغمبر صاحب کی نسبت خلاف واقعہ کچھ کا کچھ کہ دوں مگر ساتھیوں کے ڈر سے اور اپنی ذاتی وقعت کے لحاظ سے جھوٹ تو نہ کہ سکا۔ تاہم ایک آدھ بات چبا ہی گیا۔ ہرقل کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جو لوگ جدید مذہب میں آجاتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی مرتد بھی ہوا ہی۔ ابوسفیان نے کہا نہیں تو ہرقل نے ابوسفیان کے ہر ہر جواب سے پیغمبر صاحب کی صداقت استنباط کی چنانچہ اس عدم ارتداد[1] کے بارے میں کہا "حق کا قاعدہ ہی جب ذہن نشین ہو جاتا ہی۔ پھر جی سے نہیں نکلتا"۔

یہ حدیث جس میں سے میں نے ایک ذری سی بات بیان کی۔ بڑے مزے کی حدیث ہی ہرقل کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب۔ اور پھر ہرقل کا استنباط[2] قابل دید ہی۔ مگر حدیث اتنی بڑی ہی کہ سالم کو بیان کرنا چاہوں تو بہت سا وقت دہی لے لے اور میں سمجھتا ہوں کہ منشی شمس الدین ابھی گفتگو کر رہے ہیں اور کہتے ہوں گے کہ کہیں یہ ختم کرے تو چندے کی کارروائی شروع ہو (جواب دیا گیا کہ آپ جو چاہیں فرماتے چلے جائیں) لہذا میں نے اس کی ایسی ایک بات پر اقتصار کیا کہ اگر اسلام کو صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں۔ کتنے مسلمان مرتد ہوئے۔ مسلمانوں کی مردم شماری کے سامنے اس کا جواب سکوت یا انکار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہی

---

[1] یعنی مسلمان ہو کر پھر اسلام سے پلٹ جانا ۱۲ [2] نتیجہ نکالنا ۱۲۔

پس اسلام کو نہ زور نے پھیلایا نہ زر نے۔ بلکہ اس کی صداقت نے۔ اس کی حقانیت نے اس کی سہولت نے۔ اس کے عام فہم اور ٹھیک انسانی طبیعت کے ساتھ اس کے موافق اور مطابق ہونے نے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (خدا کی بناوٹ جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو کون بدلے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے آدمی نہیں جانتے) کیا اسلام کی حالت ایک دم سے بدل گئی تھی۔ ایسا ہوتا نہیں اور ہوا بھی نہیں۔ یوں کہنے کو تو ہجرت سے اسلام کا دوسرا زمانہ یعنی اس کے غلبے کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ مگر واقع میں اسلام کا پورا تسلط عرب میں فتح مکّہ سے ہوا اور قرآن پاک سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ (جب خدا کی مدد آ پہونچی اور فتح لوگوں کو دیکھو کہ اللہ کے دین میں جوق جوق چلے آتے ہیں) ورنہ اس سے پہلے صلح حدیبیہ تک تو یہ حال تھا کہ پیغمبر صاحب نے خانۂ خدا کی زیارت کے ارادے سے مکّے جانا چاہا۔ کفار نے روکا۔ کیا خدا کی شان ہے۔ خدا کا گھر اور جو شخص صاحبِ خانہ کا سب سے زیادہ معتقد اسی کو اس کے گھر جانے کی مناہی۔ آخر کار صلح ٹھہری صلح نامہ لکھے جانے کو ہوا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو اس کے کاتب تھے لکھا ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی) دوسرا فریق بولا۔ رسول اللہ کیسا؟ اگر ہم تم کو رسول اللہ سمجھتے تو خانۂ خدا سے روکتے ہی کیوں؟ اس پر اصحاب بہت ہی برافروختہ ہوئے اور سب نے تلواریں سونت لیں اور قریب تھا کہ صلح بھنڈ ہو جائے۔ مگر اللہ رے ضبط وہی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہارا حوصلہ فراخ نہیں کیا (یعنی کیا) آپ نے فرمایا اچھا رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو اُدھر وہ ضبط دیکھنے کے قابل تھا۔ اور ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذہبی حمیت۔ اور جناب رسول اللہ کے ساتھ ارادت اور محبت۔ عرض کیا واللہ میں تو اپنے ہاتھ سے نہیں مٹاؤں گا چنانچہ آپ نے خود اپنے دہن مبارک کے لعاب سے اس لفظ کو مٹا دیا ظاہر میں تو مٹا دیا مگر سچ پوچھو تو اس میں لبِ جان بخش نے جان ڈال دی۔ اور اُس کو اور تازہ کر دیا۔ نہ جانو اور نہ جاننے کا قصد کرو

اس کا تو کچھ علاج نہیں کیسے معجزے اور کہاں کی کرامت۔ خود پیغمبر صاحب کی کیفیت ان کی نبوت کا کافی ثبوت ہے۔ آخر کار جب مکہ فتح ہوا اور پیغمبر صاحب افواجِ ظفر امواج کے ساتھ اس میں داخل ہوئے وہ داخل ہونا بھی عجیب طرح کا داخل ہونا تھا۔ کوئی نرم دل سے نرم دل۔ رحیم سے رحیم۔ اور حلیم سے حلیم دنیا کا بادشاہ ہوتا۔ اور اس کے ساتھ مکے والوں نے وہ سلوک یا اس کا عشر عشیر بھی کیا ہوتا جو پیغمبر صاحب کے ساتھ کیا تھا تو سب کو بے امتیاز تہ تیغ بے دریغ کرتا۔ گدھوں کا ہل پھروا تا۔ تمام شہر کو ڈھاتا۔ اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (جب بادشاہ کسی قصبے میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے اُجاڑ دیتے ہیں اُس کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں)۔

یہ نبی ہی کی شان تھی کہ آپ نے مکے میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف منادی کرا دی۔ مَنْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَهُوَ اٰمِنٌ جو کعبے میں داخل ہو گیا اُسے امن ہے) وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔ (جو ابوسفیان کے گھر میں چلا گیا اُسے امن ہے) وَمَنْ دَخَلَ دَارَ فُلَانٍ فَهُوَ اٰمِنٌ (اور جو فلاں شخص کے گھر میں داخل ہو گیا اُسے امن ہے) یعنی قدرت پا کر پھر سب کو امن دے دیا۔ کسی سے انتقام نہیں لیا اس صورت میں آپ پر یہ تہمت کہ اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلایا۔ نہ دھری جائے نہ اُٹھائی جائے۔

میں نے پیغمبر صاحب کے چند حالات اس غرض سے بیان کیے تا معلوم ہو کہ زمانِ مغلوبیت اور ہجومِ مخالفت میں اسلام کس رنگ سے رہا۔ اور اُس وقت کے مسلمانوں کا کیسا برتاؤ تھا۔ یارو شکر کرو کہ نہ ویسی مغلوبیت ہے نہ اُس طرح کی مخالفت۔ ورنہ ہم تو اپنے پندار میں مسلمان رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

میں نے بیان کیا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کے حالات اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ گویا دو مختلف شخصوں کی دو مختلف زندگیاں ہیں۔ اس اختلاف سے میری مراد اس قسم کے اختلافات ہیں کہ مفلس تھے بلا مبالغہ اس درجے کے کہ نہ پیٹ کو روٹی اور نہ تن کو کپڑا۔ کیا اصحابِ صفہ کا حال معلوم نہیں مارے بھوک کے نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ ہمہ وقت پیٹ پر پتھر باندھے رہتے تھے کہ بھوک کی ایذا کم محسوس ہو اور لوگ ایک ایک پیغمبر صاحب

دو دو تین تین۔ لباس کی یہ بری حالت کہ لے دے کر ایک بوسیدہ کمبلی وہ بھی اس قدر مختصر کہ سجدے میں جاتے وقت ہاتھ سے پکڑے رہیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ سارے دن رات میں کھانے کو ملا کیا؟ ایک کھجور۔ کہاں تک آدمی ایک کھجور کے سہارے سنبھلا رکھ سکتا ہے۔ جہاد کو چلے ہیں نہ سواری نہ ہتیار۔ پیروں میں چیتھڑے بندھے ہوئے اور اس مشقت پر کھانے کو درختوں کے پتے۔ غرض مفلسی ایسی کہ ہم لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کیوں کہ ایسی حالت ہم میں سے کسی پر گزری ہی نہیں۔ ایک وقت وہ تھے۔ اور پھر خدا نے اپنا فضل کیا تو بحرینؔ[1] سے محاصل آیا۔ پیغمبر صاحب صبح سے بانٹنے کو بیٹھے اور لپیں اور جھولیاں بھر بھر کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ جوار۔ باجرا نہیں۔ سونا چاندی۔ تو بانٹتے بانٹتے شام ہو گئی۔ ایک حضرت عباسؓ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ انھوں نے انبار کثیر دیکھ کر اپنے لیے اتنا سمیٹا کہ اکیلے اٹھا نہ سکے۔ پیغمبر صاحب سے کہا کہ اٹھوا دو۔ آپ نے انکار کیا۔ ناچار کئی بار اس میں سے تھوڑا تھوڑا کم کر کے آخر جتنا لے جا سکے لے گئے۔

جیسے ہم ان مسلمانوں کی ابتدائی مفلسی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ان کا تمول مابعد بھی قیاس میں نہیں آتا۔ آخر آخر مدینے میں یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ خیرات کے روپے لیے لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نظر نہیں آتا تھا۔

غرض ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد اسلام کی حالت میں جو اختلاف واقع ہوا ایک تو فقر و غنیٰ کا تھا۔ دوسرا خوف و امن کا۔ تیسرا ذلت اور عزت کا۔ چوتھا محکومیت اور حکومت کا۔ اسی طرح اختلافات اور بھی تجویز کر لیے جا سکتے ہیں۔ مگر جس کو اصلی نیکی کہتے ہیں اور جو اسلام کا اصل اصول ہے اس میں عسر[2] و یسر[3] صلح و جنگ کسی حالت میں کبھی رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دشمنوں سے لڑتے تھے تو کیوں کر۔ اگرچہ مشہور ہے کہ اَلْحَرْبُ[4] خُدْعَةٌ اور جسے دیکھو لڑائی کے موقع پر جھوٹ۔ فریب۔ مکر و دغا سے نہیں چوکتا۔ پر جناب پیغمبر صاحب نے نہ کبھی دغا کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولے۔ نہ کبھی عہد توڑا۔ نہ کبھی ناحق کسی کے سر ہوئے۔ نہ ظلم کیا۔ نہ بیجا سختی کی۔ پھر ہی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان ایسے پیغمبر کی امت۔

[1] ایک مقام کا نام ہے ۱۲ [2] تکلیف [3] راحت ۱۲ [4] لڑائی ایک مکر ہے ۱۲

ایسے اسلام کے معتقد۔ پھر ان میں یہ خشونت۔ یہ سختی کہاں سے آگئی۔ ہو نہ ہو یہ اُسی خبیث سلطنت کا اثر ہی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عضوض[1] فرمایا کرتے تھے گندگی تو خدا نے دور کی۔ اُس کی عفونت باقی چلی جاتی ہو۔

عیسائیوں میں تو باوجودیکہ ہم پر حکم رانی کر رہے ہیں عام شکایت ہو کہ مسلمانوں میں ٹالریشن (تحمل) بالکل نہیں یعنی دوسرے مذہب والوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہندو بھی ہم سے مطمئن نہیں۔ اور جب کبھی ہنگامے اور خانہ جنگیاں واقع ہوتی ہیں مسلمانوں کی اگر زیادتی نہیں ہوتی تو مسلمان کچھ اُٹھا بھی نہیں رکھتے۔ غرض دوسری قوموں کا یہ عام خیال ہو اور بے وجہ۔ بے سبب نہیں کہ مسلمانوں کا اگر سر کچلا ہوا نہ ہو تو یہ نچلے بیٹھنے والے نہیں۔ اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے منھ میاں مٹھو بننے سے کیا ہوتا ہو۔ ذرا گورنمنٹ سے پوچھو وہ کیا خیال کرتی ہو۔ وہ فوج اور پولیس اور فوجداری کے انتظام میں مسلمانوں کی آبادی پر نظر کر لیتی ہو۔ اگر مسلمان زیادہ ہوتے ہیں تو اُس کو یہ قہرمانی انتظام قوت اور سختی کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں اور نہ کرے تو کام بھی نہ چلے۔ فوجداری اور جیل خانوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو کہ مسلمان کس قدر جلد لاٹھی پونگے پر اُتر پڑنے والے لوگ ہیں۔ شروع شروع میں مجھ کو کبھی ایسا خیال آیا کرتا تھا کہ اب دوسری قوم ہندوستان پر مسلط ہو اور تعلیم بھی عام ہوتی جاتی ہو عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق[2] ہو جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ پہلے سے بہت زیادہ پھوٹ بہت زیادہ بدگمانی۔ بہت زیادہ نفرت۔ بے شک تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ دونوں قصوروار ہیں اور دونوں کو قصوروار ہونا چاہیے۔ مگر مجھ کو ہندوؤں سے کہنے کا کوئی منصب نہیں کوئی حق نہیں اور کہوں تو وہ بیر بھی کیوں کرنے لگے۔ پس میں تو اے مسلمانو! تم ہی کو کہہ سکتا ہوں۔ اور تم ہی کو سمجھاتا ہوں کہ از برائے خدا وقت کو دیکھو۔ وقت کے تقاضے کو دیکھو۔ اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی نہ مارو۔

اگر خدا نے انسان کو ایسا بنایا ہو۔ اور بے شک ایسا ہی بنایا ہو کہ وہ ابنائے جنس کی مدد کا

[1] اصل معنے گزندہ مگر مراد ہیں ایذادہ [2] ملاپ ۱۲

محتاج ہی تو ابنائے جنس کا انحصار اپنے ہی کنبے اور اپنے ہی خاندان۔ اپنی ہی قوم۔ اپنے ہی ہم مذہبوں میں نہیں ہی بلکہ ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگراند — کہ در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

اور یہ تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہی۔ کہ جب ضد اور مخالفت درمیان میں آئی تو امداد و استمداد کا سلسلہ منقطع ہوا اور اہی کاش دو مخالف اسی پر بس کریں کہ ایک دوسرے کو مدد نہ دیں۔ نہیں ایک دوسرے کو مدد دینے کے عوض نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کو زوال سلطنت کی وجہ سے جو اضطراری نقصان پہونچ گیا ہی وہ کیا کم ہی۔ اور اسی سے ہم کب پنپ سکتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ناحق کی عداوتیں مول لے کر اپنی خرابی کے درپے ہوں اور بڑے بڑے بھاری نقصانات پلے باندھیں۔ اکثر لوگ یہ کہہ کر اپنے سر کا چھیدا اُتارنا چاہیں گے کہ ایسی حرکات ناشائستہ صرف اُن چند مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں جو عوام کالانعام[ف۱] ہیں۔ لیکن کیوں دائی سے پیٹ چھپانا چاہتے ہو مجھ سے زیادہ مسلمانوں کے رجحان طبیعت کو کوئی کیا جان سکتا ہی مسلمانوں کے مزاج کی افتاد کچھ ایسی بُری پڑی ہی کہ جن میں بگاڑ کا مادہ نہیں ان میں بناؤ کا بھی نہیں اور وقت کا تقاضا یہ ہی کہ ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز ؏

وَلِلدَّهْرِ أَثْوَابٌ فَكُنْ فِي ثِيَابِهِ — كَلُبْسَتِهِ يَوْمًا أَجَدَّ وَأَخْلَقَا
فَكُنْ أَكْيَسَ الْكَيْسَى إِذَا كُنْتَ فِيهِمُ — وَإِنْ كُنْتَ فِي الْحَمْقَى فَكُنْ أَنْتَ أَحْمَقَا

جہاد کا لفظ کچھ ایسی گھڑی کان کے کانوں میں پھونکا گیا ہی کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھلے آدمی مزاج سے

[ف۱] عام لوگ مثل چارپایوں کے ہوتے ہیں ۱۲ ۔ زمانے کے لیئے کپڑے ہیں ان میں تو بھی رہ ۱۲ ۔ اسی کا سا لباس کہ ایک دن نیا ایک دن پرانا ۱۲ ۔ پس اگر دانشمندوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بڑا بوجھ بوجھکڑ بن ۱۲ ۔ اور اگر احمقوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بھی احمق الذین بنا ۱۲ ۔

ٹھنڈے اور کچھ نہیں تو قلم سے بیٹھے جہاد کر رہے ہیں یعنی اُوراد یان کارد۔ اور کیا میں نے تمثیلاً اور استعارۃً مناظرۂ مذہبی کو جہاد سے تعبیر کیا۔ نہیں لوگ ان کو اسی مناظرے کی وجہ سے مجاہد فی سبیل اللہ کہتے اور لکھتے ہیں۔

میں نے یہ بڑا خطرناک مضمون اختیار کیا ہی۔ اور میں اچھی طرح سمجھا ہوا ہوں کہ اُسی وقت سے میری تکفیر کی تجویزیں سوچی جا رہی ہوں گی۔ لیکن مجھ کو اسی قدر بس کرتا ہی کہ میں اپنے پندار میں مسلمانوں کی بہتری کی صلاح اِن کو دیتا ہوں۔

لوگوں میں باہمی بگاڑ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اور میں جانتا ہوں ان میں سے ایسا قوی سبب جو تسمہ لگا نہیں رکھتا نہیں رکھتا نہیں رکھتا دین کا اختلاف ہی۔ یہ میل جول چھوڑا دے۔ یہ آپس میں شادی بیاہ نہ ہونے دے۔ یہ ایک جگہ مل کر بسنے نہ دے اور حد سے بڑھ جائے تو ایک کو دوسرے کی جان کا دشمن بنا دے۔ بے شک انسان کی نالائق خواہشوں نے بھی دنیا میں بہت خونریزی کرائی ہی۔ مگر مذہب سب سے زیادہ سفاک[1] ہی اور یہ ایک واقعہ ہی تاریخی جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کتنے نفوس قدسی ہیں (اپنے دیکھنے میں تو آیا نہیں) جو دین کے اختلاف کو اُسی کے دائرے میں محدود رکھیں اور معاملاتِ دنیا میں اُس کو متجاوز نہ ہونے دیں۔ وہ تو بیرسٹر وکلا اور مختار ہی ہیں۔ کہ دو مخالف فریقوں کے ریپریزنیٹوٹن[2] کر ایسی بُری طرح لڑتے ہیں کہ بھٹیاریاں کیا لڑتی ہوں گی اس وقت تو ایسا خیال ہوتا ہی کہ ان میں آپس میں صاحب سلامت بھی نہ ہوتی ہوگی۔ مگر ان کی لڑائی اسی کمرے کے اندر تک ہی جس میں تمام فسادات کی جڑ وہ حاکم بیٹھا ہی۔ پھر جوں ہی کمرے سے باہر نکلے وہ ایک دوسرے کے ویسے ہی دوست ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں۔ مگر مذہبی لڑائی کا یہ حال نہیں ہی۔ وہ ابدی نفرت اور عداوت قائم کر دیتی ہی۔ نہ صرف دو مخالفوں میں۔ بلکہ ان کی نسلوں میں تو بھائیو اگر تم کو غیروں میں رہنا ہی اور ضرور رہنا ہی اور اگر تم کو غیر قوموں میں سے کچھ فائدے پہونچنے ممکن ہیں اور ضرور ممکن ہیں۔ اور تم اِن فائدوں کے محتاج ہو اور ضرور محتاج ہو تو لڑائی کی بات لگا بھول کر بھی مذکور نہ کرو۔ خاص کر مذہبی لڑائی

[1] ظالم ۱۲ [2] وکیل ۱۲

یہ آگ سلگائے سے بھڑک اُٹھے گی اور بھڑک اُٹھے گی۔ تو تم بیچارے غریب جھونپڑوں کے رہنے والے ٹھہرے تمہیں کو پہلے جلائے گی بھی۔

تمھارے دل میں جو خدشے گزر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں اور میں تم کو موقع نہیں دینا چاہتا کہ میرے گئے پیچھے وہ خدشے زکو ہوں۔ اور میری طرف سے کوئی اتنا نہ ہو کہ تمھاری تسلی کر دے۔ تمھارا خدشہ بجا ہو اور تم کہہ سکتے ہو کہ ؎

کرتے جوں کو نہیں ہم تو سخن میں سبقت	پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

تم کہہ سکتے ہو کہ اول تو ہماری طرف سے ابتدا ہوئی نہیں اور جو ہوئی تو تمھارے کہنے سے آئندہ احتیاط کریں گے لیکن لوگ جو بیٹھے بٹھائے حملے کریں اور چھیڑیں تو کیا اس کے جواب بھی گئے گزرے ہوئے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ کھلم کھلا ہمارے سچے اور پاک مذہب کی توہین کریں اور ہم بیٹھے سنیں۔ بزرگان دین کو بُرا کہیں اور ہم کو بُرا لگے۔ تو کیا تمھاری یہ مرضی ہو کہ تمھاری طرح کافر ہو جائیں۔ گرم مست ہو گرم مست ہو۔ کوئی مشکل نہیں جس کے حل کرنے کی تدبیر خدا نے ہم کو نہ بتائی ہو۔ ہمارے سامنے پیغمبر صاحب کا نمونہ موجود ہو لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (رسول خدا میں تم کو پیروی کرنے کے لیئے اچھا نمونہ موجود تھا) منکر لوگ رو در رو پیغمبر صاحب تو پیغمبر صاحب خدا کی توہین کرتے تھے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (اور جب اُن سے کہا جاتا ہو کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہو۔ کیا تمھارا یہ مطلب کہ جس کے آگے سر جھکانے کو تم کہو اُسی کے آگے سر جھکا دیں)۔ علاوہ بریں شرک سے بڑھ کر بھی کوئی اور طریقہ خدا کی توہین کا ہو اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (تحقیق شرک بڑی بے انصافی کی بات ہو) یا یہ کہنا کہ خدا کے جورو بچے ہیں۔ اسی میں خدا کی کون سی شان بڑھی جاتی ہو۔ قرآن کے مطالب پر نظر ہو تو کاہے کو کسی کے بتانے سمجھانے کی ضرورت پڑے۔ عین وقت پر آپ سے آپ یاد آجایا کرے۔

بھلا پیغمبر صاحب کی ذاتی توہین کو تو رہنے دو۔ خدا کی توہین تو خود خدا کو اور پیغمبر صاحبؐ کو اور نہ صرف پیغمبر صاحبؐ بلکہ کل انبیا علیہم السلام کو کس قدر شاق گزرتی ہو گی سو خدا کا ارشاد کو ان بندوں کے ساتھ

جو اُس کی اہانت کرتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو جس کسی مذہب کو حقانیت کا بڑا لمبا چوڑا
دعویٰ ہو۔ وہ اپنی کوئی دنیاوی خصوصیت خدا کے ساتھ دکھائے۔ رزق تموّل۔ توالد تناسل۔
تن درستی۔ کوئی ایک چیز بتاؤ جو کسی ایک مذہب والوں کے ساتھ خاص ہو۔ قرآن کی وہی ایک آیت
یاد کرو۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ابراہیم
علیہ السلام نے بتقاضائے بشریت خدا کی رحمتوں کو دنیا میں اپنے گروہ کے ساتھ خاص کرنا چاہا۔ اور
مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ کی قید لگائی۔ خدا نے کہا یوں نہیں بلکہ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا جو کفر کرے گا اُس کو
بھی دُنیا کے چند روزہ فائدے یکساں پہونچیں گے اور کفر و ایمان کا فرق آخرت میں ظاہر ہوگا۔
شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اِسی مضمون سے اقتباس کیا ہے ؎

اگر با پدر جنگ جوید کسے — پدر بے گماں خشم گیرد بسے
اگر خویش راضی نباشد ز خویش — چو بیگانگانش براند ز پیش
اگر بندہ چابک نیاید بکار — عزیزش ندارد خداوندگار
وگر ترک خدمت کند لشکری — شود شاہ لشکرکش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست — بعصیاں در رزق برکس نہ بست

ہم کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم دیا ہے اور جملہ مذاہب کا مآل کار بھی یہی ہے تَخَلَّقُوْا
بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔ اللہ کی سی عادتیں اختیار کرو۔ ہم کب متخلق باخلاق اللہ ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ درگزر کرے
اور ہم درپے انتقام رہیں۔ وہ سازگاری رکھے۔ اور ہم لڑیں۔ وہ برداشت کرے اور ہم ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے
دیں۔ رہے پیغمبر صاحب اُن کو جا بجا اور بار بار یہی حکم ہوتا تھا۔ فَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ
(صبر کرو۔ خدا احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (صبر کرو بے شک
خدا کا وعدہ سچا ہے) فَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (صبر کرو۔ اور نہیں ہے صبر تمہارا مگر اللہ کی توفیق سے)
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (صبر کرو جس طرح صبر کیا ہمت والوں نے) یا تو یوں کہو کہ یہ

احکام پیغمبر صاحب کے ساتھ خاص تھے مگر سوائے تمھارے سلف سے لیکر خلف تک کوئی امام۔ کوئی مفسر اس کا قائل نہیں۔ یا کہو کہ احکام عام ہیں۔ اور ہم بھی ان کے مخاطب ہیں مگر ہم ان کی تعمیل نہیں کرتے۔ تو سب سے زیادہ مذہبی غیظ و غضب تم کو پہلے اپنے اوپر کرنا چاہیئے۔ نہ کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت مذہب کو تم نے سمجھا کیا ہے؟ مذہب نام ہے من بھوتی کا۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

یہ توہم کا کارخانہ ہے — یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

جس عقیدت سے ایک مسلمان آب زمزم نوش کرتا ہے اسی ارادت سے ایک ہندو گنگا جلی پیتا ہے یعنی دونوں کی مذہبی تسلی میں کچھ فرق نہیں۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ جان بوجھ کر سمجھ کر حق بات کو نہیں مانتے۔ یہ بات میری سمجھ میں تو آتی نہیں کہ آدمی خدا کو جانے۔ اُس کی قدرت کو جانے۔ اُس کے احسانات کو جانے اور یہ بھی جانے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اور پھر اس سے مخالفت کرے۔ خدا اور خدا کی قدرتیں تو بجائے خود۔ مجھ کو اتنی ہی طاقت ہو نے دو کہ اس کتاب کو کہوں کھل اور یہ کھل جائے اور کہوں کہ بند ہو اور یہ بند ہو جائے اور اس میں کسی قسم کی نظر بندی اور چالاکی کا دخل نہ ہو تو اتنی ہی طاقت پر اگر سارے ہندوستان کو اپنی طرف نہ کرلوں تو پھر میرا لکچر سننے کو نہ آنا۔ مگر یوں کہو کہ جہاں انسان کی دوسری حالتوں کا اختلاف من جانب اللہ ہے وَمِنْ آيَاتِهِ اخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ (اُس کی نشانیوں میں سے ہے تمھاری بولیوں کا اختلاف اور تمھارے رنگوں کا اختلاف) اسی طرح اختلاف مذاہب بھی من جانب اللہ ہے وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اگر خدا چاہتا سارے آدمیوں کا ایک ہی مذہبی گروہ بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمھارا پروردگار رحم کرے اور اسی لیئے ان کو پیدا کیا ہے) اگر ذٰلِكَ کا مشار الیہ مُخْتَلِفِينَ ہے اور یقیناً مُخْتَلِفِينَ ہی ہے تو یہ اختلاف قیامت تک مٹنے والا نہیں خدا نے انسان کی ایسی بناوٹ رکھی ہے تو اللہ کی خلقت کون بدلے ع

گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را

لہ ہر گروہ اپنے حال میں خوش ہے ۱۲۔

فرض کرو کہ ہم ایک مذہبی راے رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آدمی اس سے اتفاق نہیں کرتا۔
اور معلوم ہو کہ ناحق کی ضد سے اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کا اختلاف قابلِ رحم ہونہ مستوجبِ ملامت
چاہیئے کہ جب ہم کو جوشِ ہمدردی بے چین کرے۔ ہم اُس کے حق میں دعا کریں۔ رفق ولینت سے
اُس کو سمجھائیں مدد کریں کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔ یا فرض کرو کہ وہ ناحق کی ضد کرتا ہو تو وہ اور زیادہ
قابلِ رحم ہو۔ اگر راہِ راست پر آجاتا تو اپنا ہی فائدہ کرتا نہ یہ کہ ہم کو بخشواتا نہیں مانتا اپنا سر کھائے
پڑے چولھے میں ہم کو اس کے ساتھ عداوت پیدا کرلنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔
جو لوگ مذہبی مناظرات کرتے ہیں۔ دشمنِ عقل اتنا نہیں سمجھتے کہ ان مناظرات سے دوسری
قوموں کے ساتھ مخالفت اور عداوت پیدا یا تازہ یا راسخ ہوتی ہو۔ اور مسلمانوں میں اب اتنا دم
نہیں رہا کہ اس مخالفت کی مقاومت کرسکیں بعض کو یہ خیال بھی ہوتا ہو گا کہ مناظرہ بھی دین کی
حمایت کا ایک پیرایہ ہو اور عجب نہیں کہ وہ اس کے اجر کے بھی متوقع ہوں میں سرے سے اسی
بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ کہ تقضاے دین داری ہی لوگوں کو مناظرات کا باعث ہوتا ہو اور وہ ابتغاءً
اور خالصتہً لوجہ اللہ اس کام کو کرتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے کے مافی الضمیر پر آگہی حاصل کرنا مشکل ہو مگر
مناظرے ہی میں تو دین داری کا انحصار نہیں۔ دین داری اور بھی بہت سے کام چاہتی ہو۔ دین داری
چاہتی ہو۔ مثلاً یہ کہ آدمی یہ جان کر کہ میں دینِ حق پر ہوں۔ پھر ہمہ وقت خدا سے ڈرتا ہے کہ دیکھئے انجام
کیا ہوتا ہو اگر خطرِ عاقبت پیش نظر ہو اور یہ ایسا خطر ہو کہ ہر فرد بشر کے پیش نظر ہونا چاہیئے تو میں سمجھتا ہوں
اِسی ایک خیال میں اس قدر کافی مصروفیت ہو کہ آدمی کو اپنی ہی نفس کی پرداخت سے فرصت مل نہیں
سکتی دوسروں کے دین و مذہب کی وہ کیا خبر رکھے۔ غم ندارد بز بخر۔
آدمی کو دنیا میں آپ ہی اپنا جج ہوتے دو۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہو کہ اس کا گناہ اور
اس کی برارت۔ اس کی نیکی اور اس کی بدی ایسا جج تجویز کرے گا جس کو اس کے دل کے بھید۔
اس کی آنکھوں کی چوریاں ذرا ذرا معلوم ہیں یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (آنکھوں

ٹ۵ منصف ۱۲-

کی چوریاں اور سیٹیوں کے راز جانتا ہی)۔

کیا وہ بڑی خوفناک حدیث نہیں سُنی کہ قیامت کے دن ایک شخص نیکیوں کا انبار اپنے ساتھ لیئے ہوگا اور حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ یہ حکم سُن کر اُس کو سخت حیرت ہوگی اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار کیا میں نے تیرے حکم کے مطابق نمازیں نہیں پڑہیں۔ روزے نہیں رکھے۔ زکوۃ نہیں دی۔ حج نہیں کیا۔ یہ نہیں کیا۔ وہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخر کار کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان نہیں دی۔ غرض وہ اپنی نیکیاں اور کارگزاریاں ایک ایک کرکے گنوائے گا اور بارگاہِ رب العزت جلّ شانہٗ سے ارشاد ہوگا کہ بیشک یہ سب کام تونے کیئے مگر یہ سب کام تونے دکھاوے کے لیئے کیئے تھے۔ اور تو دنیا میں ان کا صلہ پاچکا ہی۔ تونے چاہا لوگ تجھ کو سخی کہیں۔ اور لوگوں نے کہا۔ تونے چاہا تو بہادر مشہور ہو اور تو بہادر مشہور ہوا۔ پھر اب تو کیا چاہتا ہی تونے کوئی کام ہماری رضامندی اور خوشنودی کے لیئے نہیں کیا اور نہ تو اس کا مستحق ہوسکتا ہی

یہ سمعہ اور ریا جس نے اس بدنصیب شخص کے سارے اعمالِ حسنہ حبط کردیئے۔ مذہبی مناظرات میں بڑی آسانی اور عجلت کے ساتھ دخل کرسکتی ہی مناظرے کو اظہارِ حق کی حد سے متجاوز نہ کرنے دینا بڑا مشکل کام ہی۔ بحث میں سخن پروری اور ضد آہی جاتی ہی۔ کون شاعر ہی جو داد نہیں چاہتا۔ اسی طرح کون سا مناظر ہی جو اپنے فریق سے مدح وتحسین کی امید نہیں رکھتا ہی۔ اور اسی کا نام ہی ریا۔ انسان کو خدا نے ایسا مخلوق خودغرض پیدا کیا ہی کہ جب تک جلبِ[1] منفعت یا دفعِ مضرت محرک نہ ہو وہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اگر خدا کے نام ایک پیسہ دیتا ہی تو اس امید سے کہ اُس کو عاقبت میں اس ایک پیسے کے بدلے دس روپئے پندرہ آنے ملیں گے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اُن کی مثال اُس دانے کی سی ہی جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے اور اللہ جس کو چاہتا ہی دوچند سہ چند کردیتا ہی) تو ہم کیوں نہ سمجھیں کہ بحث مذہبی میں بھی اس کی کوئی ذاتی غرض ضرور ہی اور وہ غرض ناموری

[1] حاصل کرنا ۱۲۔

اور اظہار لیاقت ہی کیوں نہ ہو میں پہلے لکھ چکا ہوں مذہب من سمجھوتی کا نام ہی اور یہ مناظرے کا نہیں بلکہ نفسِ مذہب کا تصور ہی کہ اس کا مباحثہ کبھی ختم۔ اس کا جھگڑا کبھی فیصل نہیں ہوتا۔ ای کاش مذہبِ اقلیدس کا کوئی دعوی ہوتا۔ یا حساب کا سوال یا جبر و مقابلے کی مساوات۔ مذہب کی بنیاد ہی عقیدے پر اور عقیدہ موقوف ہی قبولِ طبیعت پر اور طبائع اس بارے میں اس قدر مختلف واقع ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔

یہ ظاہر بات ہی کہ ہم پیغمبر صاحب سے بہتر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ اول تو خود اُن کا عقیدہ اس قدر راسخ تھا کہ ہم کو اس کا پاسنگ بھی نصیب نہیں۔ دوسرے خدا نے اِن کی بات میں اثر دیا تھا اور جو بات خلوص سے کہی جاتی ہی موثر ہوتی ہی ہی ہماری بات میں اثر کیا خاک ہو سکتے کچھ ہیں۔ اور کرتے کچھ ہیں۔ کہتے سب کچھ ہیں اور کرتے کچھ بھی نہیں۔ ؎

ای طبلِ بلند بانگ در باطن ہیچ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو جو آپ نہیں کرتے) مگر باوجودیکہ پیغمبر صاحب عقیدہ راسخ۔ اُن کی بات میں بھی اثر تھا۔ اور اُن کا اہتمام بھی بلا کا اہتمام تھا۔ پھر بھی جن کی طبیعتوں میں قبولِ حق کی استعداد نہ تھی اِن پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور پیغمبر صاحب اس سے کچھ شکستہ خاطر سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو سمجھا دیا اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ (جس کو تم چاہو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہی ہدایت کرتا ہی) اگر تم کو مناظرے کی کامیابی کا یقین ہی۔ تو کسی ایک صرف ایک مذہبی فرقے کا نام لو جو مغلوب مناظرہ ہو کر معدوم ہو گیا ہو سچ پوچھو تو لوگوں کو حق کی طلب اور تلاش ہی نہیں کہ مناظرے سے فائدہ اُٹھائیں۔ بحث و مناظرے کا نام آیا اور اِن کو ضد اواسطے کی کاوش ہوئی۔ بلکہ میری رائے پوچھتے ہو تو جس کو اپنے مذہب پر زیادہ حملے کرانے منظور ہوں۔ وہ اس طرح کی چھیڑ کرے۔ اِس سے زیادہ افسوس کی اور کیا بات ہو سکتی ہی کہ تم کرنی چاہو دین کے حق میں دوستی اور وہ ہو جائے اُلٹی دشمنی

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ

عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اُن کو بُرا نہ کہو ورنہ وہ لوگ بیجا ناحق خدا کو بُرا کہنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر ایک گروہ کی نظر میں اُن کے عمل کو بہتر بنا دیا ہی۔ پھر اُس کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی۔ سو جو کچھ وہ کرے یعنی اُس کی کیفیت وہ اُن پر ظاہر کر دے گا) ہندوستانیوں کو جیسے انگریزی عملداری میں آزادی نصیب ہوئی تھی پہلے سے ہوتی تو بہتیری کچھ بہتری کر لیتے۔ مگر یہ اس کو لے گھسے مذہب میں۔ اور مذہب میں بھی گھُسے تو ایسی بھونڈی طرح کہ جس سے آپس میں نفاق پڑے۔ پیرایہ تو بڑا اختیار کیا ہی۔ مگر ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ایک دوسرے کی ضد سہی۔ انتقام کی غرض سے سہی۔ شہرت اور ناموری کے لیے سہی کسی وجہ سے سہی لوگ جو مذہب کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ اسلام کو غیب سے در پردہ تائید پھونچ رہی ہی۔ اور اس کے اصول بھی ایسے ہی صاف سلیس اور عام فہم کہ کسی کو حق کی تلاش کا نام تو زبان سے لینے دو۔ پھر دنیا میں کہیں اسلام کے سوا اس کا ٹھکانا بھی ہی۔

اسلام کا لب لباب دو مختصر سے جملے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سو میں دیکھتا ہوں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے تو لوگ معتقد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اور کیوں کر معتقد نہ ہوں۔ جو عقل ان کو یہ سمجھا رہی ہی کہ خدا ہی وہی یہ بھی سمجھا رہی ہی کہ وہ ایک بھی ہی۔ جن مذہبوں میں شائبۂ شرک تھا اب وہ اس کی تاویلیں کرتے جاتے ہیں اور تاویل نہیں کر سکتے تو جھینپ کر دل ہی دل میں پشیمان ہو کر بات کو ٹال جاتے ہیں۔ یا اس پہلو پر نہیں آتے۔ غرض مذاہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہی یہ اسلام کی فتح اور کامیابی نہیں تو اور کیا ہی؟ توحید اور اسلام مرادف یک دگر ہیں یعنی لفظ دو اور معنی ایک بے شک اسلام ایک مذہب ہی۔ دوسرے مذاہب سے جدا اور ممتاز۔ لیکن اصل الاصول توحید ہی۔ اور باقی شرائع و آداب و امر و نواہی سب فروع۔ توحید کو ٹھیٹھ (نفس قانون) اور باقی تمام مذہب پر اسیڈیور یعنی ضابطہ کارروائی۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت اسلام میں سارا زور اسی ایک توحید

دیتے تھے اور فرماتے تھے یَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ
إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (ای اہل کتاب آؤ
ایسی بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں یکساں ہی کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اس کا
شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوائے کسی کو اپنا مالک قرار دے) بے شک ابھی لوگوں
کی توحید میں خامی ہی۔ نقصان ہی۔ کدورت ہی۔ مگر دوسرے لوگوں کی توحید کو کیا کہا جائے۔ اور کس مُنہ
سے کہا جائے جب خود ہم مسلمانوں کی توحید بھی خامی نقصان اور کدورت سے خالی نہیں۔ ذرا توحید کا پیچ کسا
جاتا ہی تو اپنے ہی بھائی وہابی وہابی کہکر چھیڑ شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس عالم اسباب میں اسباب سے
قطع نظر کرنا ہی بھی ذرا ٹیڑھی کھیر اپنی چھاچھ کو کون کھٹا کہا کرتا ہی جن عقائد اور جن افعال کی وجہ سے ہم
دوسرے لوگوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں وہی عقائد اور وہی افعال ہمارے یا ہم میں سے اکثروں کے
بھی ہیں۔ فرق اگر ہی تو اسی قدر کہ اوروں نے اپنے بزرگوں کے حق میں افراط کی ہی ہم نے اپنے بزرگوں
کی شان میں۔ لیکن سلسلۂ سخن کشاں کشاں مجھ کو اسی گڑھے میں لے جانا چاہتا ہی جس میں گرنے سے
میں تم کو ڈراتا تھا۔ پس اس تذکرے کو چھوڑو اور اصل مطلب کو لو۔

ہاں تو میرا خیال یہ ہی کہ مذاہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہی اور میں اس کو اسلام
کی فتح نمایاں خیال کرتا ہوں۔ اور اگر مسلمان لینت[1] و استمالت[2] اختیار کریں۔ اور لوگوں کو سختی اور درشتی
سے نفرت و وحشت نہ دلائیں۔ تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اسلام مذہب عام پسند نہ ہو۔ اور
کیوں سب لوگ مسلمان نہ ہوں۔ آخر ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی باتیں جن سے تزلزل توحید
ظاہر ہوتا ہی۔ سرزد ہوتی ہوئیں دیکھتے ہیں۔ اور ان کی تاویلات کو گو فی نفسہا سخیف اور ضعیف ہوں
پذیرا رکھتے ہیں۔ اور ان سے مفارقت اور متارکت نہیں کرتے تو ایسی کون سی بڑی قباحت لازم
آجائے گی۔ اگر غیر قوموں کے ساتھ ہم دل واری سے پیش آئیں اور مذہبی اجنبیت کو کم کریں۔ کچھ
مولفۃ القلوب کی بھی خبر ہی کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ تھے دو دلے تزلزل العقیدہ مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ

---

[1] نرمی [2] دل جوئی

لَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ وَلَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ (نہ اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کد ھر) اگر پیغمبر صاحب ان کو حکمت عملی سے بلائے ملائے نہ رہیں تو وہ کھلم کھلا فریق مخالف میں جا ملیں فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (یہی خدا کی ایک رحمت ہے کہ تم اُن کے لیئے نرم ہو گئے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو تمھارے پاس سے کبھی کے تتر بتر ہو گئے ہوتے) لیکن پیغمبر صاحب نے کبھی ان کی نسبت بدگمانی ظاہر نہیں کی اور نہ ان پر شبہہ کیا۔ اور اُن کے ساتھ بالکل دوستانہ برتاؤ رکھا۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (ان کو معاف کرو اور خدا سے ان کے گناہوں کی معافی چاہو اور معاملات میں ان سے مشورہ لو) نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ ایسے سچے اور پکے مسلمان ہوئے جیسے اَور۔ انھوں نے ایسے ایسے کارنمایاں کیئے جیسے دوسروں نے۔

مسلمان ادنیٰ ادنیٰ بات میں پیغمبر صاحب کی نقل و تقلید کرتے ہیں یہاں تک کہ وضع شکل و صورت بھی ویسی ہی بنانا چاہتے ہیں اور یہ بڑی عمدہ بات ہے مگر افسوس ہے کہ پیغمبر صاحب کا سا باطن بنانے میں مطلق اہتمام نہیں جو سر تا پا حلم۔ سر تا پا رحمت۔ سر تا پا سہولت تھی ان کو سینکڑوں مؤلفۃ القلوب گھیرے رہتے تھے۔ اُمت نے استمالت اور تالیفِ قلوب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ اور میری آج کی بات کو میں تو چاہتا ہوں دل پر مگر دل پر تو تم کیا لکھوگے کسی کتاب کے پٹھے پر یادداشت کے طور پر لکھ رکھنا کہ جب تک مسلمان برداشت اور درگزر اور سازگاری کا شیوہ اختیار نہ کریں گے نہ ان کو دنیا میں فلاح ہوگی اور نہ کچھ دین ہی کو فائدہ پہونچا سکیں گے۔

جس طرح فطرت نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قبول کرنے کا رجحان طبیعتوں میں پیدا کیا ہے اسی طرح وہی فطرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قبول کرنے کی طرف بھی طبیعتوں کو راغب کر سکے پر کرے۔ بشرطیکہ پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھایا جائے سرپیٹ لینے اور مُنہ کھسوٹ ڈالنے کی جگہ ہے پیغمبر صاحب کی ایسی بھونڈی تصویر دوسری قوموں کے پیش نظر ہو کہ معاذاللہ وہ ایک شخص ہیں۔ ترشرو۔ بدخو۔ جنگ جو۔ ظالم۔ سفاک۔ کینہ توز[1]۔ حکومت پسند۔ ان کے داہنے ہاتھ میں سیف

---

[1] کینہ کش ۱۲۔

مسلول ہو یا دیا اسلائی کا بنڈل یا ڈائنامائٹ۔ (بھک سے اڑ جانے والی چیز) اور بائیں میں مارشل لا۔ (قانونِ جنگ) جب کہ واقع میں ازروے حق الامر وہ ایک شخص تھے ہنس مکھ۔ خوش خلق۔ بردبار۔ منکسر۔ متواضع۔ نرم مزاج۔ نیک دل۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[1] ان کے ہاتھ میں گلدستہ یا دستنبو یا آبِ حیات اور دوسرے میں فوز و فلاحِ دارین[2] کا فرمان یعنی قرآن۔ مسلمان کہیں یا نہ کہیں۔ مانیں یا نہ مانیں۔ اگر میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں نے پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی پیغمبر صاحب کو ٹھہرایا بیچا اور آپ بنے ہوّا اور لوگوں کو چاہتے ہیں کہ گرویدۂ اسلام ہوں ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

اب یہ زمانہ کامپیٹیشن (مقابلہ) کا ہے۔ جہاں اور سب باتوں میں کامپیٹیشن چلتا ہے مثلاً کوئی شخص نوکری کا طلبگار ہے۔ تو کامپیٹیشن کی جنتری میں سے نکلے بدون اس کو نوکری نہیں ملے گی۔ کوئی شخص تجارت کرنا چاہتا ہے کامپیٹیشن کی کشمکش کے بغیر اس کو بھی کامیابی نہیں ہو گی۔ اسی طرح مذاہب میں بھی کمپٹیشن قائم ہے۔ ہر مذہب والے چاہتے ہیں کہ ہم کو پبلک[3] کی نظر میں قبولیت ہو۔ جتنے مذہب ہیں گویا اتنے ایک خاص چیز کے دکان دار ہیں۔ ہر دکان دار اس کوشش میں لگا ہے کہ سب سے زیادہ اس کی دکان چلے۔ لوگ کثرت سے اس کا مال لیں۔ جو تدبیر ایک دکان دار کو اپنی دکان جمانے کے لئے کرنی پڑتی ہے۔ وہی تدبیر اس کو کرنی پڑے گی۔ جو چاہتا ہے کہ اس کا مذہب زیادہ تر مقبولِ عام ہو اور وہ بات تدبیر ہے۔ ملنساری۔ راستی۔ خوش معاملگی۔ آسانی۔ ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں اچھا دین دار بنا کر لوگوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھائیں۔ سو افسوس ہے کہ ہم نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی۔

جہاں تک دین داری کو تمدن میں دخل ہے ہم کو بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ مسلمان اگر سوسائٹی کے بہت بڑے ممبر نہیں تو بہت اچھے بھی نہیں۔ حالاں کہ ہم کو اس نبی کی امت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مگر کردار سے نہیں بلکہ گفتار سے جو مکارمِ اخلاق کے متمم اور مکمل تھے۔ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا اُن پر خدا کی

---

[1] بے شک تم بڑے ہی خلیق ہو ۱۲ [2] عام خلائق ۱۲ [3] دونوں جہان کی کامیابی و بہبودی ۱۲۔

رخصت پوری اور کامل ہو)۔

اسلام کی بے وقعتی کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی شکستہ حالی بھی ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی حالت درست ہو تو بہت سی باتیں جو لوگوں کی نظر میں موردِ اعتراض ہیں۔ وہی موردِ تحسین ہو جائیں لیکن خرابی یہ آکر پڑی ہے کہ اس شکستہ حالی پر مسلمانوں کو زہد تعلیم کیا جاتا ہے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی شکستہ حالی پر صبر کرکے بیٹھ رہے ہیں۔ اور اس کی درستی کی مطلق فکر نہیں کرتے۔ یا کرنا چاہئے مثلاً من بھر تو یہ کرتے ہیں چھٹانک۔ وہ بھی بادلِ ناخواستہ کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا برابر۔ اگر ایک چھپر مثلاً سو آدمی کی مجموعی پوری طاقت سے اٹھائے جانے کا ہے اگر دو چار آدمی اس کو انگلیوں کے سہارے سے اٹھانا چاہیں تو بھلا وہ چھپر اپنی جگہ سے کب کھسکا۔

میں اس شکایت کی سند میں پیش کرتا ہوں انجمن حمایت اسلام لاہور کی حالت کہ اس نے اٹھتے بیٹھتے تو ایسے بڑے کام کا بیڑا اٹھالیا جو قوم کے کرنے کا ہے۔ اور قوم کے کرنے کا بھی اس صورت میں ہے کہ قوم کشادہ دلی سے اس کی معین و مددگار ہو۔ لیکن قوم اور کشادہ دلی کا کیا مذکور ہے۔ صرف معدودے چند اس کو اتفاقی طور پر وہ بھی ہچکچاتے ہچکچاتے نباہے چلے جاتے ہیں۔ پس انجمن کی گزران بالکل توکل کی سی گزران ہے جس کو شاعر فاقے سے بڑھ کر سمجھتا ہے ؎

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ — کہ اس میں آئی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

ہمارے ہندوستان کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جتنے چندے کے کام ہیں برائے چندے۔ اول تو جو کچھ ہو رہا ہے وہ قومی ضرورت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اور خیر تھوڑا بہت جو کچھ ہے۔ اے کاش اسی کو استحکام ہو پائیداری ہو۔ یوں سسک سسک کر دینے سے روپے کا روپیہ خرچ ہوتا اور پیاس تو بھلا اُس سے کیا بجھتی ہے۔ سب مل کر ایک دم سے زور لگاؤ کہ یہ ناؤ جو مدتوں سے دلدل میں پھنسی پڑی ہے تیرنے لگے۔ پس و پیش اور حیص بیص میں وقت گزرا چلا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ مرض مزمن[۵] ہوکر علاج پذیر باقی نہ رہے۔

۵؎ دیرپا۔ مہلک ۱۲۔

انجمن حمایت اسلام لاہور نے تو ایسا پیرایہ اختیار کیا ہو کہ اس پر کوئی متعصب سے متعصب مسلمان بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اس کو معمولی طور کی انجمن نہ سمجھنا۔ یہ حجت آلہی ہی جو مسلمانوں پر تمام ہوئی۔ اس وقت تک جو کارروائی انجمن نے کی ہی۔ اس کی رپورٹ ہم انجمن کے دل سوز اور سرگرم سکرٹری سے کل سُن چکے ہیں۔ وہ ایک اعتبار سے کریڈٹیبل ہی لیکن پھر بھی آدمی کے کام کتنے ہی اہتمام اور کتنی ہی احتیاط سے کئے جائیں ہمیشہ اصلاح طلب باقی رہتے ہیں۔ اہلِ میران انجمن معاف کیجئے گا اگر میں آپ کی کارروائی میں کوئی نقص نکالوں میں آپ صاحبوں کی پوری تسکین دلاتا ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ اعتراض مخالفانہ نہیں ہی بلکہ صلاح دوستانہ۔

آپ لوگوں میں کوئی سر سید احمد خاں صاحب یا اُن کے اعوان و انصار کے وقار اور انفلوئنس[1] کا آدمی نہیں ہی مگر آپ کا اہم مطلب وہی ہی جو سر سید احمد خاں صاحب کا ہی۔ البتہ فریقین میں اتنا فرق ضرور ہی کہ آپ کی کارروائی مسلمانوں کے وقتی خیالات سے بالکل ملتی ہوئی ہی جس کو سر سید کے گروہ کے وقار اور انفلوئنس کا پورا جواب ہونا چاہئے اگرچہ آپ کے اور سر سید کے گروہوں میں کامپٹیشن[2] قائم ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور بڑے شکر کا مقام ہی کامپٹیشن ہی بھی نہیں۔ خدا کے فضل سے ہندوستان اتنا وسیع ملک ہی کہ دونوں گروہ بلکہ ایسے ایسے کئی گروہ اس میں جولانیاں کر سکتے ہیں لیکن دونوں گروہوں کے نتائج کارروائی کو مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو آپ سر سید احمد خاں صاحب کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ کیوں؟ آپ کہیں گے وہی وقار کی کمی اور وانٹ آف انفلوئنس میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ حیدرآباد، پٹیالہ، بھوپال، کپورتھلہ، بنارس۔ ایسی ایسی سرکاروں اور دوسری موٹی موٹی چڑیوں کو اپنے دام میں نہیں لا سکتے۔ لیکن میں ایک سب سے زیادہ موٹی اور سب سے زیادہ بھولی اور سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ دام میں آجانے والی چڑیا بتاتا ہوں۔ کہ اگر اس کو پھنسا لو اور یقین جانو کہ اُس کا پھنسانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ صرف تنکے کی اوجھل پہاڑ ہی۔ تو بس یہ سمجھنا کہ تمہارے دولت کو پھنسا لیا۔ بتا دوں کہ وہ کون چڑیا ہی۔ بتا ہی دوں۔ خاص خاص لوگوں نے تم کو بڑے بڑے

---

[1] اقتدار [2] تقابل ۱۲-

چندے دیئے اور دیتے ہیں لیکن بندے کی رائے پر عمل کرو گے تو بات کی بات میں ایسے ایسے کتنے چندے جمع کر لو گے۔ وہ چڑیا۔ وہ سونے کی بھی نہیں بلکہ جواہرات کی چڑیا تمہاری ہی قوم ہے ان تلوں کو زمانے کی گردش نے پیل کر بھر بھری کھلی کر دیا ہے۔ مگر اب بھی اس کھلی میں اتنا تیل ہے کہ سب نکال کر یکجا کیا جائے تو تیل کی ایک ندی بہنے لگے۔ لیکن افسوس ہے کہ تم میں کوئی سلیقہ نہیں تیلی نہیں پیاسا کوئیں کے پاس جاتا ہے کوئیں کو پیاسے کے پاس آتا ہوا نہیں سُنا۔ لیکن وہ پیاسے تم ہو کہ کنواں تمہارے پاس آئے تو تمہاری پیاس بُجھے۔ یہ سالانہ جلسے اور ماہواری رسالوں اور اشتہاروں کے کاغذی گھوڑے اگر پیاسے کا کوئیں کو اپنی طرف گھسیٹنا نہیں ہے۔ تو کیا ہے۔ ناچنے نکلے تو گھونگٹ کیا۔ آخر تو تم نے قوم کے لیئے گداگری اختیار کی تو جب تک تمہاری جھولی ایک لکھ پتی مارواڑی کی توند کی طرح خوب تن نہ جائے۔ بس نہ کرو یا اس کام ہی کو چھوڑ بیٹھو کہ یہ تمہارے بس کا نہیں گدایانِ قوم کا ایک گروہ کھڑا کرو کہ وہ لوگ جدھر کو جس کا مُنہ اُٹھے ملک میں منتشر ہو جائیں ابرام سے لیں الحاح سے لیں اصرار لیں۔ دھینگا مشتی سے لیں۔ ہاتھا پائی کر کے لیں ہیکڑی سے لیں۔ لگ کر لیں۔ لپٹ کر لیں جھپٹ کر لیں۔ سر ہو کر لیں۔ خوشامد سے لیں منت سے لیں یا جت سے لیں سماجت سے لیں۔ دھرنا دے کر لیں۔ لڑ کر لیں۔ جھگڑ کر لیں۔ بگڑ کر لیں ہاتھ جوڑ کر لیں۔ پاؤں پکڑ کر لیں۔ مگر لیں پر لیں۔ کوئی غریب سے غریب۔ مفلس سے مفلس۔ نادار سے نادار کنگال سے کنگال نہیں جو نہ دے۔ اور نہ دے تو اس کا دین داریں ٥

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مانگنے والے کو ایک طرزِ خاص یا ایک مقام خاص یا ایک شخص خاص یا ایک مقدارِ خاص کی پابندی کیا
ہر چہ آید در پیش نگزار ددر ویش ٥

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا	تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

سید احمد خاں صاحب بڑے آدمی ہیں بڑی بڑی اسامیوں کو ان کے حصے میں رہنے دو۔ تم غریب لوگ ہو غربا سے۔ صرف غربا سے مانگو۔ اور پھر دیکھو کس کا پلہ بھاری رہتا ہے ٥

چرا لستانی از ہر یک جوے سیم	کہ گرد آید ترا ہر روز گنجے

بس میں ایک دو ٹوک بات امسال کہے جاتا ہوں کرنا تو یہ کرنا۔ ورنہ خیر خواہیٔ قوم اور ہمدردی قوم کا لفظ مُنہ سے نہ نکالنا۔ زبانی خیر خواہ اور ہمدرد تو بہتیرے نکل پڑتے ہیں۔ اور انہی میں تم لوگ زبردستی مجھ کو بھی دو تین برس تھوڑے ہی دن کے لیے بلا لیتے ہو۔ ورنہ فی الحقیقت خیر خواہ قوم اور ہمدرد قوم وہ ہے۔ جو اپنے پاس سے دے۔ اُدھار لے کر دے۔ دوسرے سے مانگ کر دے۔ غرض دے۔ کیا دے۔ ؎ ابیضِ نقوش (روپیہ) کہ قوموں کو یہی بگاڑے اور یہی بنائے۔ یہی ڈبوئے یہی ترائے۔

میں نے بڑی خوشی سے وہ تجویز سُنی ہے۔ جو کل کے جلسے میں پیش ہوئی۔ اور دو بزرگوں نے سوچی ہے۔ یعنی پنجاب میں اس انجمن کے زیر اہتمام ایک کالج بنانا چاہیئے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس پر یہ اعتراض ہو کہ کالج کھولنے کے لیئے بڑے فنڈ چاہیں اور انجمن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے لیکن ایسا اعتراض کرنے والوں کو کیا معلوم نہیں کہ خدا کی وہ شان ہے کہ نطفے سے آدمی پیدا کرتا ہے۔ ننھے سے بیج سے وہ شاندار درخت جس کے سائے میں پلٹنیں آرام پاتی ہیں گو انجمن کے پاس اس وقت کافی روپیہ نہیں۔ لیکن اگر استقلال اور ہمت سے کام کیا جائے گا تو بتدریج کافی رقم کا جمع کر لینا کچھ بات نہیں۔ پھر یہ کون کہتا ہے کہ ایک دم سے کالج کھول دیا جائے۔ نہیں اس وقت۔ ایف اے کی جماعت جاری کرو پھر فنڈ مہیا ہوتے پر بی اے۔ پھر ایم اے۔ اور پھر خدا کرے ایل ایل ڈی۔ کالج قایم کرنے میں یہ احتمال بھی کیا جاتا ہے کہ علی گڈھ کالج کو نقصان پھونچے گا۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے وہی ایک کالج کافی ہے۔ میں علی گڈھ کالج کو ایسا ضعیف اور محتاج نہیں سمجھتا۔ جیسا خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا اہتمام بڑے زبردست ہاتھ میں ہے اور وہ اس کے سنبھالنے کو بس کرتا ہے رہی یہ بات کہ وہ سارے ہندوستان کے لیئے کافی ہے۔ ماننے کے لائق نہیں تعلیم کے بارے میں گورنمنٹ کی امداد روز بروز مضمحل ہوتی جاتی ہے اور وہ لوگوں کو بتا رہی ہے کہ تعلیم کا بوجھ تم آپ اُٹھاؤ اس کا ارادہ ہے کہ آخر کار تعلیم کی امداد سے اپنا ہاتھ اُٹھا لے۔ اگر وہ دن آگیا اور

ضرور آنے والا ہی تو ہندوستان میں ایک علی گڈھ کالج کیا۔ دو چار کالج بھی کیا کافی ہو سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں
خیر تو اب میں پھر اس طرف آتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس انگریزی حکومت میں کیوں کر بسر کرنا چاہئے
مسلمانوں کے پاس قرآن ایسا جامع دستور العمل موجود ہی وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ
(تر و خشک سب طرح کی باتیں کتاب میں صاف صاف مذکور ہیں) کہ اس کے ہوتے کسی کے بتانے
سمجھانے کی ضرورت نہیں اور واقع میں وہ دین کیا جس میں انسان کی ہر حالت کے مناسب ہدایت نہ ہو
مگر ہی کیا کہ مسلمان اپنی حالت کے اندازہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ جیسے ایک مریض کہ اس کی طبیعت
تو ہی محتاج تنقیہ اور وہ طب کی کتاب میں تقویت کا نسخہ دیکھ کر استعمال کرے۔ بے شک ایسا علاج غلط
ضرور اس کو نقصان کرے گا۔ اسی طرح مسلمان ہیں تو حقیقت میں مغلوب۔ دوسروں کے محکوم
دوسروں کے مقابلے میں تہی حال مگر خواب دیکھتے ہیں ان دنوں کے جب اسلام کی سلطنت تھی۔ اسلام کی حکومت تھی۔
اسلام مالدار تھا۔ اسلام با وقار و با اختیار تھا۔ جہاں تک میں نے خیال کیا ہی ہم لوگوں سے زیادہ چسپاں
زیادہ مناسب۔ اور ہم لوگوں کے حق میں زیادہ مفید ہجرت سے پہلے کے احکام ہیں جیسے لَكُمْ دِيْنُكُمْ
وَلِيَ دِيْنِ (تمہیں تمہارا دین مبارک مجھے میرا دین) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں کچھ زبردستی نہیں)
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو
اپنی خبر لو اگر تم راہِ راست پر ہو تو جو گمراہ ہی وہ تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا) اور اگر جستجو کی جائے تو میرا خیال یہ ہی
کہ آدھے سے زیادہ قرآن کے مطالب ایسی ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالت سے متعلق ہیں جیسی ہم
ہندوستانی مسلمانوں کی ہی۔ کیوں کہ سوائے معدودے چند پیغمبروں کے باقی تمام انبیا علیہم السلام بلکہ
کل اہلِ حق مخالفوں کے ہاتھوں سے تکلیفیں ہی پاتے۔ اور ایذائیں ہی اٹھاتے رہے۔

مناظرات مذہبی کی ایک وجہ عذر یہ بھی کثرت سے زبان زد ہی۔ کہ ہمارے نوجوان لڑکے دوسروں
کے اعتراضات سن سن اور پڑھ پڑھ کر بد عقیدت ہوئے جاتے ہیں۔ اول تو میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ
نوجوان لڑکے مذہب کی طرف سچے دل سے متوجہ ہوتے ہیں کیوں کہ سچے دل سے مذہب کی طرف
متوجہ ہونے کی اُن کی عمر نہیں ؏ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے وارد۔

اور فرض کرو۔ کہ نوجوان لڑکے سچے دل سے مذہب کی طرف متوجہ ہیں اور مناظرین بھی انہی کے عقائد کی حفاظت کے لیئے اپنی دماغی قوت اور فرصت صرف کرتے ہیں تو اس کا پیرایہ دوسرا ہی۔ زیادہ بحث کروگے تو میں سمجھوں گا۔ تم میرے ساتھ ہرانی جتاتی بات کرنی چاہتے ہو اور میں اس پہلو پر آنے والا نہیں۔ میں تو اپنی سی کہہ گزرا۔ اگرچہ مسلمانوں سے بہت تھوڑی امید ہو کہ میری نصیحت پر عمل کریں۔ جب کہ سُنی۔ شیعہ۔ وہابی۔ بدعتی۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ ایک خدا کے بندے ایک پیغمبر کی امت۔ ایک قرآن کے ماننے والے آپس میں لڑتے مرتے ہیں۔ ان سے دوسری قوموں کے ساتھ سازگاری اور صلح کاری کی کیا امید ہو سکتی ہو؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا	دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام	کہ با دوستانت خلاف ست وجنگ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بارھواں لکچر

جو حکیم محمود خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر ٹون ہال دہلی کے ماتمی جلسے میں ۱۸۹۲ء میں دیا تھا

تمہید

حکیم محمود خاں صاحب شہر دہلی کے بڑے نامی متاخرین میں تھے۔ دہلی میں اور بھی طبیب ہیں مگر ان کے ہوتے کسی کو فروغ نہ تھا۔ یہ واقعہ تحقیقی ہو کہ ان کے

جنازے کے ساتھ اور سیوم کی فاتحہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ کمتر دیکھنے میں آیا ہے۔ اس میں ان کے فرزند حکیم عبدالمجید خاں کی وجاہت کو کچھ دخل ہو مگر مرحوم کی طبابت کے بارے میں عام لوگوں کو بڑی عقیدت مندی تھی۔ کلکتے سے مولوی لطف الرحمن بیرسٹر تعزیت کے لیے آئے۔ اور اس مجمع کے اجتماع کے باعث ہوئے جس میں یہ لکچر دیا گیا۔ عمائد شہر کے علاوہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر میر مجلس تھے اور لو سننے والوں میں مولوی لطف الرحمن صاحب بیرسٹر محمد اکرم اللہ خاں صاحب بابو گردھاری لعل صاحب اور آخر میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب۔ عام حاضرین کا مقولہ یہ تھا کہ اگر مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے یہ لکچر نہ دیا ہوتا تو مجلس تعزیت پھیکی رہتی لکچر یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کو جاہیے وہ کوئی دن ہو یا کوئی تاریخ یا کوئی مہینا یا کوئی سال نحس یا سعد سمجھنا ہم مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے اور نہ اس کو عقل قبول کرتی ہے لیکن جب دنیا میں ملائم و ناملائم اتفاقات پیش آتے ہیں تو بتقاضائے ضعف بشریت ایسے خیالات خواہی نخواہی دل میں آہی جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا اور سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا کہ سنہ ۱۸۹۲ء کے انجام تک کیا ہو۔ مگر اس کا آغاز تو ایسی آفتوں سے ہوا ہے کہ خدا ہی خیر کرے۔ روس کہ وہاں کے باشندے بھی آخر ہیں تو اپنے ہی ابنائے جنس قطعہ

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش ز یک گوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہا را نماند قرار

غرض روس اور اتنی دور روس بھی کیوں جاؤ۔ بنگالہ مدراس اور بمبئی کے بعض اضلاع۔ ان سب مقامات کی خشک سالی سُن سُن کر طبیعتیں تو اُداس تھیں ہی کہ دفعۃً ملکۂ وکٹوریہ کے بڑے پوتے وارث تخت و تاج پرنس وکٹر کی مرگ مفاجات کی خبر آئی۔ جیسے آسمان سے بجلی گر پڑی۔ جوانی اور جوانی کا

بھی عنفوان ع این ماتم سخت ست کہ گویند جوان مُرد۔
اور پھر سلسلہ بسلسلہ سلطنت کی امیدواری اور سلطنت بھی انگلستان اور ہندوستان کی سلطنت یعنی دنیا کی بہشتِ بریں۔ اور سب سے بڑھ کر عین ارمان کے دنوں میں کہ تاریخ ٹھہر کر بیاہ کی طیاریاں ہو رہی تھیں ایسے مرنے سے زیادہ اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے خود مرنے والے کے حق میں۔ بوڑھی بیوہ غم زدہ یک سرو ہزار سودا ملکہ کے حق میں۔ مائیوں کی رانڈ پرنسس میری آف ٹک کے حق میں۔ ہمارے شہزادے ولی عہد کے حق میں۔ ولی عہد بیگم کے حق میں۔ تمام خاندانِ شاہی کے حق میں۔ اور بلا امتیاز قوم و ملت تمام ملک کے حق میں ابھی اس صدمے سے ہم لوگ سنبھلنے نہیں پائے تھے کہ حکیم محمود خاں صاحب نے انتقال فرمایا۔ وہ بھی مفاجات۔ گویا آسمان سے پہاڑ ٹوٹ پڑا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حکیم محمود خاں صاحب سے پہلے بھی مشہور طبیب ہو گزرے ہیں۔ مگر ان جیسی شہرت کہ چہار دانگ ہندوستان میں ان کی حذاقت کا غلغلہ تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ متقدمین میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کا جھکڑ ایسے زور سے چل رہا ہے کہ ہمارے علوم و فنون کا ٹھہرنا مشکل بلکہ محال ہو گیا ہے طبِ یونانی کے اعتبار کو پبلک کی نظروں میں جمائے رکھنا اُن ہی مرحوم کا کام تھا۔ اِن ہی مرحوم کا حصہ اور اِن ہی مرحوم کا حق اِن کی شہرت کُبَرَّیِ[لہ] مَوْتُ الْکُبَرَاءِ کے طور کی شہرت نہ تھی بلکہ مبنی تھی ہزاروں مختلف الاعمار مختلف الاوطان مختلف الحالات آدمیوں کے ذاتی تجربے اور اجماع پر جن کو حکیم صاحب نے زبردستی بادِ ظاہر بات شکنجۂ عذاب سے بچایا۔ پنجۂ ہلاکت سے چھڑایا۔ اور موت کے حلق سے اُگلوایا چونکہ دنیا کے تمام کاروبار متفرع ہیں زندگی اور تندرستی پر جس کا محافظ باسباب ظاہر طبیب ہے۔ اس لیے میں حکیم محمود خاں صاحب کی وفات کو قومی بلکہ ملکی مصیبت خیال کرتا ہوں وہ مصیبت ہم دلّی والوں پر سب سے زیادہ شاق ہے اس واسطے کہ دلّی یہ بدنصیب دلّی یہ بدقسمت دلّی یہ بدبخت دلّی سینکڑوں برس دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے دولت اور حکومت اور عزت اور لیاقت کا مرکز رہ کر اب ایک ضلع رہ گیا ہے من مضافات

لہ بڑے مرتے گئے تو اُن کی جگہ چھوٹے ہوتے گئے ۱۲۔

لاہور تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ[1] جاگیر اور منصب اور معافی کا تو کیا مذکور ہے۔ ہماری اسی
چار دیواری میں سلطنتوں کے اخیر فیصلے ہوتے تھے۔ اب ہم ہیں کہ ذری ذری سے مقدمے کے لیئے
لاہور گھسٹنا پڑتا ہے۔ نہ ہمارے یہاں کسی قسم کا کالج ہے نہ کسی صیغے کے اعلیٰ افسر کا ہیڈ کوارٹر اس سے
بڑھ کر محرومی اور خفت اور سُبکی اور بے عزتی اور کیا ہوگی۔ عالم۔ مشائخ۔ صناع ہر فن کے اُستاد
ہر ہنر کے کامل۔ درجنوں کوڑیوں یا اب لے دے کر ایک حکیم محمود خاں صاحب کا دم رہ گیا تھا۔
صد افسوس ہزار افسوس یہ نعمت بھی سلب ہوگئی۔ یہ فخر بھی چھن گیا۔ یہ چراغ بھی گل ہو گیا۔
خود طبیب بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اصل میں طبیعت مدبر بدن ہے۔ اور طبیب کا کام ہے طبیعت
کی تقویت۔ لیکن اگر طبیب لوگوں کے دلوں میں ایسا اعتبار پیدا کرلے کہ اسی کی ذات خاص سے
طبائع کی تقویت ہو اور اُس کی طرف رجوع کرنے کو لوگ شفا کی ضمانت اور تن درستی کی کفالت سمجھتے
ہوں جیسا کہ حکیم محمود خاں صاحب کی نسبت لوگوں کا عقیدہ تھا۔ تو اب دوسرے کی نسبت
ایسی عقیدت پیدا ہونے کو عمریں چاہئیں۔ یہ بات طبیبوں میں کم دیکھی ہے کہ وہ جس فن کا عمل
دوسروں پر کرتے ہیں اپنے اوپر اُس کا عمل کرکے لوگوں کو اس فن کا گرویدہ کریں مگر ہمارے
حکیم محمود خاں صاحب طب یونانی کے صداقت کا خود ثبوت مجسم تھے۔ اگرچہ وہ ارذل العمر کو
نہیں پہونچے اور عمر کی اس حد کو پہونچ کر جینے کا مزہ بھی نہیں مگر انھوں نے عمر طبعی سے اَكْثَرُ
اَعْمَارِ اُمَّتِي بَيْنَ سِتِّينَ وَسَبْعِينَ[2] پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور جب تک زندہ رہے اعلیٰ درجے کی
تن درستی کا عمدہ نمونہ تھے اُنھوں نے اپنی حرارت غریزی کی جو مدار حیات ہے اس قدر احتیاط
کی تھی کہ اس عمر پر سخت سے سخت جاڑے کے دنوں میں کبھی کسی نے ان کو کسی وقت گرم کپڑے پہنے
نہیں دیکھا ہوگا وہ اپنی وضع کے ایسے پکّے تھے کہ ایسے مستقل مزاج لوگوں کا پیدا کرنا میں جانتا
ہوں خدا نے بند کر دیا ہے۔ کیا مِنْ حَيْثُ الْفَنِّ کیا مِنْ حَيْثُ الْعُمْرِ کیا مِنْ حَيْثُ التَّمَوُّلِ کیا مِنْ حَيْثُ الْاَخْلَاقِ

---

[1] جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے ۱۲ [2] یہ اشارہ ہے طرف اس حدیث کے کہ میری امت
کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر برس کے بیچ میں ہیں ۱۲۔

کیا من حیثُ الوجاہت کیا من حیثُ التعز زسب طرح پر حکیم صاحب مکرم و محترم تھے مگر وہ اپنے نیاز مندوں سے اور مساکین بے توسّل سے ایسے بے تکلفانہ طور پر ملتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنی حالت کی برتری پر کبھی نظر ہی نہیں کی اور یہی ہی خلاصہ تہذیب اور شائستگی و اخلاق اور حسن معاشرت کا۔ غرض ایسے اور اس سے بدارج بڑھ کر تھے وہ بزرگ قوم جن کی رسم تعزیت عام طور پر ادا کرنے کے لیئے ہم لوگ جمع ہوئے ہیں حکیم محمود خاں صاحب کی وفات سے جو نقصانِ عظیم قوم اور ملک کو پہونچا ہی اگرچہ فی حد ذاتہ ناممکن التلافی ہی مگر ؎

نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند	یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

بڑے شکر کا مقام ہی کہ ہم اُن کے فرزند اکبر حکیم عبد المجید خاں صاحب میں اُنکے نعم البدل ہونے کی توقع رکھتے ہیں اُنھوں نے باپ کی زندگی میں اپنی طبابت کا سکّہ بٹھالیا ہی بلکہ ایک بات میں اُن پر بھی سبقت لے گئے ہیں کہ اُن کو زمانے کی ضرورتوں پر نظر ہی اور مدرسہ طبیہ جس کے یہ بانی ہیں اس کا شاہد۔ پس میری اور ہم سب کی دلی آرزو اور تمنا ہی کہ خدا حکیم محمود خاں صاحب کی مغفرت کرے۔ اُن کے پس ماندوں کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حکیم عبد المجید خاں صاحب کی زندگی باپ کی زندگی سے زیادہ کامیاب زیادہ نامور اور زیادہ ممتد ہو۔

تیرھواں لکچر

جو مدرسہ طبیہ دہلی کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۱۵ جون ۱۸۹۲ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہاتف نے آج مجھ کو جگا کر علی الصباح	آواز دی کہ اتنا بھی بیگانہ خو نہ ہو
طبیہ مدرسے میں ہی ایک اژدحامِ خلق	ایسا نہ ہو کہ آج کے جلسے میں تو نہ ہو

اُٹھ چل خدا کے واسطے اور دیر مت لگا ۔۔۔ لوگوں کو زحمتِ طلب و جستجو نہ ہو

میں نے کہا کہ خیر مگر اس سے فائدہ ۔۔۔ قسمت کا چاک تا بقیامت رفو نہ ہو

تو چاہتا ہی سیر مجھے دُردِ جام سے ۔۔۔ اور یاں سبو بھی قطرہ ہی گرتا گلو نہ ہو

ضبطِ معطلات کو درکار ہی دماغ ۔۔۔ یہ منتظر تخم خربزہ و تخم کدو ہو

دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہی ۔۔۔ زر ہو۔ بلا سے رنگ نہ ہو گل میں بو نہ ہو

دنیا میں مفلسی مرضِ لاعلاج ہی ۔۔۔ اِس طرح کے مریض کو صحت کبھو نہ ہو

مجھ کو دبا گیا ہی وہ مایوس دل جسے ۔۔۔ احساس شادمانیِ لَا تَقنَطُوا[1] نہ ہو

دیکھے ہیں کتنے کھیل بگڑتے ہوئے بچشم ۔۔۔ کیوں کر یقین ہو کہ یہ چرچا فرو نہ ہو

جو آرزو ہی اس کا نتیجہ ہی انفعال ۔۔۔ اب آرزو یہ ہی کہ کوئی آرزو نہ ہو

اس قسم کے جلسے جیسا کہ یہ ہی اگر سال گزشتہ کی کارروائی کا نتیجہ کامیابی ہی تو خوشی کے جلسے ہیں اس صورت میں سکرٹری جو رپوٹ سُناتا ہی اُس کا انداز ہی دوسرا ہوتا ہی وہ آپ ہی آپ ہنسے دیتا ہی۔ خوب کڑاکے کی آواز سے ایک ایک جملہ پورا کرتا ہی۔ اور داد کے لیئے ہر چہار طرف دیکھتا جاتا ہی۔ اور اُس کی رپورٹ کی نسبت خیال کیا جاتا ہی کہ گویا ایک فتح مند جنرل کا کارنامہ ہی جیسے لارڈ رابرٹس کا وہ مشہور دھاوا جو اُنھوں نے کابل سے قندھار پر کیا تھا۔ اور اگر پچھلا برس منہسے کا گزرا ہی نئے چندہ دینے والے دام میں نہیں آئے۔ اور پُرانوں سے وصول نہیں ہوا۔ یا بقدر توقع وصول نہیں ہوا۔ مدرسوں کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور طالب العلموں کے وظیفے۔ اور جن کے راتب مقرر ہیں اُن کو گوشت کے عوض ملنے لگی دال وہ بھی اُبالی۔ جن میں ترمیے کا نام نہیں اور پتلی پانی۔ تو ایسی حالت میں جلسۂ سالانہ محرم کی سی مجلس ہو گی۔ چوں کہ عبدالمجید خاں صاحب رپورٹ سُنا چکے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ وہ شریکِ محفلِ خوشی ہی یا داخلِ مجلسِ عزا۔ میری طبیعت ایک خاص طور کی واقع ہوئی ہی کہ مجھکو موافق کم اور مخالف احتمالات بہت سوجھا

[1] اشارہ ہی طرف اس آیت کے جس میں ارشاد ہی لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ یعنی خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو۔

کرتے ہیں۔ یہ بیچارہ مدرسۂ طبیہ تو کی آمدی اور کی پیر شدی۔ میں تو علی گڈھ کالج کی طرف سے بھی پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں جس کی بنیاد کو سر سید احمد خاں نے اپنے پندار میں اس قدر مستحکم کر دیا ہی اور کرتے جاتے ہیں کہ فرانیٹر ڈیفنسیو ورکس[۵۱] کی بھی اُس کی مضبوطی کے آگے کچھ حقیقت نہیں۔ پس میں تو یہی کہوں گا کہ عبد المجید خاں اپنا مرثیہ پڑھ چکے اب میں کچھ تحت اللفظ پڑھنے کے لیئے کھڑا ہوا ہوں۔ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ نازک وقت بچپن کا ہی۔ کیوں کہ رجسٹر اموات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہی کہ بچے بہت کثرت سے ضائع ہوتے ہیں۔ کچھ یہیں ہندوستان میں نہیں بلکہ یوروپ میں بھی جہاں سینٹیفیک[۵۲] طور پر اطفال کی پرورش کی جاتی ہی۔ اس کی وجہ کا بتانا عبد المجید خاں کا کام ہی۔ اور اُن لوگوں کا جو مدرسۂ طبیہ میں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ لیکن میں کہ کوچۂ طبابت سے نابلد ہوں اور خدا مجھ کو نابلد ہی رکھے۔ کیوں کہ میں عمر طبعی کے قریب قریب آ لگا ہوں چلتے چلاتے کیوں اپنے ایمان کو ڈانواں ڈول کروں۔ غرض میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ سن طفولیت میں روح و جسد کا تعلق ہونا ہی جدید العہد۔ اعضا غلبۂ رطوبت کی وجہ سے جس کا ہونا نمو کے لیئے ضرور ہی نازک عمارت بدن تھوڑے سے جھکولے کی بھی مقاومت نہیں کر سکتی۔ بعینہ یہی حال ہی اس طرح کے قومی کاموں کا جیسا کہ مدرسۂ طبیہ ہی۔ مدرسۂ طبیہ کی عمر اب تین برس کی ہی۔ اگر یہ آدمی کا بچہ ہوتا تو آج کو دوڑا دوڑا پھرتا اور بلبل ہزار داستان کی طرح چہکتا۔ لیکن باوجودیکہ عبد المجید خاں کی سرپرستی میں اس نے پرورش پائی ہی میں اس کو ویسا چونچال اور توانا اور خوش حال نہیں پاتا جیسا کہ اس کو ہونا چاہیئے تھا۔ اس کا سبب یہ ہی کہ اس بیچارے معصوم کو پیٹ بھر کر دودھ نہیں ملتا یعنی کافی فنڈ نہیں۔ اور اگر ابھی سے اس کی انتڑیاں سوکھ گئیں تو سمجھ لو کہ ساری عمر کے لیئے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اس مدرسے کو تو اس طرح کا بنانا منظور تھا کہ ویسا بن گیا ہوتا تو ہندو اور مسلمان سب کی جنٹ پراپرٹی[۵۳] ہوتا۔ کیوں کہ پیش نہاد خاطر یہ تھا کہ ویدکی اور یونانی اور ڈاکٹری کے اجزائے ثلثہ کو ملا کر ایک معجون طبابت تیار کیا جائے۔ یہ خیال مجالس میں مجامع میں بار بار باعلان ظاہر کیا گیا۔ اور اخباروں میں اشتہاروں میں رسالوں میں

[۵۱] وہ قلعہ سرحدیں وغیرہ جو سرحد افغانستان پر حفاظت ہندوستان کے لیئے بنائے گئے ہیں ۱۲ [۵۲] علمی ۱۲ [۵۳] مال مشترک ۱۲ -

اس کی تحریری یادداشتیں موجود ہیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے سنتیں ماضیہ کی متصل اور متزائد کامیابی کے برتے پر حال میں الف آے کی ایک جماعت کھولی ہو جس کو کالج کی ابجد کہنا چاہیئے۔ اس پر سارا ہندوستان انجمن کی تحمیق کر رہا ہو کہ کم سے کم پندرہ لاکھ روپیہ نقد منضبط جمع کر کے کالج کا نام لینا تھا۔ وہ کالج جو انجمن حمایت اسلام لاہور کھولنا چاہتی ہو یہی متعارف طور کا کالج ہو۔ دوسرے کالجوں کی نقل محض۔ لیکن مدرسہ طبیہ ایک بالکل نئی چیز ہو جس کی نظیر دنیا میں کسی جگہ موجود نہیں۔ نہ یوروپ میں نہ امریکہ میں نہ قسطنطنیہ میں نہ مصر میں نہ ہندوستان میں ہم کو نئے کورس بنانے ہیں۔ نئی طور کی کتابیں تصنیف کرنی ہیں۔ نئے طور کے پروفیسر ہم کو پہنچانے ہیں۔ مطلب تو ایسا عظیم الشان اور ایسا عظیم الشان اور بے سامانی اس درجے کی کہ چند پیسوں کے سوا۔ دا ہو وہ چند ہزار ہو گئے تو بھی ایسے کام کے لیے پیسے ہی گننے میں آتے ہیں) گرہ میں کچھ نہیں اور سب سے بڑھ کر جلدی یہ کہ مدرسے کو جاری ہوئے اب چوتھا برس شروع ہی نتیجہ کیا ہو اور اس کے سوائے ہوتا بھی کیا تھا کہ بجائے اس عجیب خیالی مدرسے کے جس کا بانع سبز پراسپکٹس میں پبلک کو دکھایا گیا تھا۔ ایک سکول ایک ستی[1] ایجر آف سکول ہو جس میں صرف طب یونانی کا وہی پرانا دقیانوسی درس ہو۔ اور وہ بھی چنداں فخر و ناز کے قابل نہیں لیکن ہن ناکامیابی اس فیلیور[2] کا الزام کس پر ہو ہر متنفس پر جس کے اذعان میں اس مدرسے کی ضرورت ثابت کی گئی۔ اس پر جو اتنی بات سمجھ سکتا ہو کہ ہر بندہ بشر محتاج طب ہو اور مروجہ طب محتاج اصلاح و ترمیم جہاں تک اس مدرسے کو اور نہ صرف اس مدرسے کو بلکہ قومی یا ملکی یا پبلک اصلاح قومی یا ملکی یا پبلک کام قومی یا ملکی یا پبلک ترقی کو مسلمانوں کے ساتھ تعلق ہو۔ ان سے امداد و اعانت کی توقع لاحاصل سی ہو۔ مسلمانوں میں اپنی حالت کی اصلاح کی صلاحیت ہوتی تو یہ اس نوبت ہی کو کیوں پہونچتے ان کے حالات ان کے کمالات ان کے عادات ان کے معتقدات پر نظر کر کے میں نے تو یہ رائے قائم کی ہو کہ مسلمان یا تو کریں سلطنت اور یا مانگیں بھیک۔ یا رہیں اعلیٰ علیین پر یا گریں اسفل السافلین میں بیچ میں کہیں ان کا ٹھکانا ہی نہیں۔ سو سلطنت تو بہت کی اور ایسی کی کہ نہ کسی نے کی ہو گی اور نہ کوئی کرے گا۔ خدا کی طرف سے

---

[1] احمق بنا رہا ہو ۱۲ [2] نقد جمع ۱۲ [3] چھوٹے پیمانے کا اسکول یعنی اسکولچہ ۱۲ [4] ناکامیابی ۱۲

سلطنت کا کوئی استمراری ٹھیکہ نہ تھا ع

ہر کہ را پنج روز نوبتِ اوست

اب بھیک مانگنے کی باری ہے اور اس کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ سلطنتیں نکل گئیں اور نکلتی جا رہی ہیں۔ اور جو باقی ہیں یوماً فیوماً ضعیف ہوتی چلی جاتی ہیں۔ طبِّ یونانی جس کے سنبھالنے کا اس مدرسے نے بیڑا اُٹھایا ہے تو محتاج الیہ عام مگر پھر بھی اس کو مسلمانوں کے ساتھ ایک طور کی خصوصیت ضرور ہے۔ چاہے اس طب کا ماخذ اصلی یونان ہو لیکن ہندوستان میں اس طب نے مسلمانوں کی وجہ سے رواج پایا۔ یہ فن ہمیشہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ ہر زمانے میں اور ہر جگہ مسلمان ہی اس فن کے بڑے سے بڑے ماہر ہوتے چلے آئے۔ الیٰ یومنا ھٰذا[1] پس اگرچہ باشندگانِ ہند عموماً صدہا سال سے طب یونانی کے ممنون ہیں لیکن دوسروں پر طب کا استحقاق ہے تو مسلمانوں پر دعویٰ۔ خیرات۔ مبرات کی جیسی کچھ تاکید اسلام میں ہے، میں جانتا ہوں کہ کسی دوسرے مذہب میں نہ ہوگی میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذاہب میں اس کا حکم نہیں ہے۔ مگر نہ اس شد و مد کے ساتھ کہ قرآن میں جہاں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ[2] ہے اٰتُوا الزَّکٰوۃَ بھی ضرور ہے پھر میں اس کا بھی قائل نہیں۔ کہ مسلمان ایذائے[3] نیشن احکامِ مذہبی کی بجا آوری میں کاہل اور بے پروا ہیں۔ ابھی رمضان کو گزرے کے دن ہوئے۔ بلا کی گرمی اور پہاڑوں اور اس پر برودت ہوا اور شاید طبیبوں اور ڈاکٹروں کا اجماع کہ فاقہ محلِ خطر ہے۔ مگر اتنے بڑے شہر دلی میں دس مسلمان بھی ایسے نہیں نکلیں گے جنھوں نے تکلیف سے جان بچا کر یا دیا سے ڈر کر روزہ نہ رکھا ہو۔ اور جنھوں نے نہیں رکھا وہ ایسے با ہمت بزرگ تھے جو بردِ عجوز[4] کے رمضان میں بھی روزہ نہیں رکھ سکتے۔ بہرکیف میں مسلمانوں کو ایذائے نیشن ایسا گروہ خیال کرتا ہوں جو بجا آوری احکامِ مذہبی میں کسی دوسرے گروہ سے ہیٹے نہیں۔ بے خرچ کر دینے میں بھی ایسے دھنی ہیں کہ اگر مولویوں نے سب نہیں بلکہ اُن مولویوں نے جن کو دل آزاری کے لیے وہابی کہا جاتا ہے۔ روک ٹوک نہ کی ہوتی تو مسلمان شادی غمی یا اور دوسری تقریبات میں بہت سے فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کیے رہتے

---

[1] آج کے دن تک ۱۲ [2] قائم رکھو نماز اور دو زکوٰۃ ۱۲ [3] بحیثیت قومی ۱۲ [4] کڑاکے کا جاڑا ۱۲

بھلا پھر مسلمان باوجودیکہ مطیع مذہب اور خرچ کرنے پر دلیر بھی ہیں مدرسۂ طبیہ جیسے نیک کام میں جی کھول کر کیوں نہیں شریک ہوئے۔ اس کی دو وجہیں خیال میں آتی ہیں۔ اول تو لوگ ایسے کاموں کو مصرف خیرات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ بیمار کو دیکھ کر بے شک ترس کھائیں گے۔ اور دوا بلکہ غذا بہم پہونچانے میں بھی اُس کی مدد کو آمادہ ہوں گے۔ لیکن یہ خیال دور از کار اُن کے ذہن میں بھی نہیں گزرتا کہ کارِ ثواب سمجھ کر اپنی گرہ کے دام خرچ کریں لوگوں کو طب پڑھوائیں اس توقع سے کہ نئے طبیب تیار ہوں اور آخر کار مریضوں کا علاج کریں۔ دوسرا سبب اینڈ دی لاسٹ ٹو ناٹ دی لیسٹ ہی عموماً مسلمانوں کی بے قدری۔ یہ تو خاص ایک معزز لوگوں کا مجمع ہی اور جتنے مسلمان اس جگہ موجود ہیں ماشاء اللہ سب مقتدر ہیں لیکن میں عام مسلمانوں کی قوم کا مذکور کر رہا ہوں سو قوم تو بہت بڑی چیز ہی۔ ایک دلّی شہر میں ایسے مسلمان کتنے ہوں گے شاید مشکل سے محلے پیچھے ایک یا دو ہمارے شہر میں صرف پنجابیوں کی ایک قوم بدولت تجارت خوش حال ہی اور یہ لوگ مخیر بھی ہیں۔ مگر اُن کے مذاق ہمارے ڈھب کے نہیں۔ پس مدرسے کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے برابر۔ تو غرض یہ ہی کہ مدرسۂ طبیہ کو جہاں تک آسرا اور سہارا مسلمانوں کا ہی۔ مسلمانوں کا حال یہ ہی شعر

خداوندانِ نعمت را کرم نیست	کریماں را بدست اندر درم نیست

پس مدرسۂ طبیہ کی تقدیر حقیقت میں فیصل شدہ ہی۔ یوں بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا چھپر پھاڑ کر ہُن برسا دے تو کہی نہیں جاتی ورنہ باسبابِ ظاہر تو سکول کی حالت افسوس کے قابل ہی۔ اور یہ سالانہ جلسے اور اژدحام اور اجتماع اور رپورٹ اور لکچر سب چیزیں بے مناسبت معلوم ہوتی ہیں۔ اگر فنڈ جمع کرنے کی ایک عمدہ تدبیر فیزبل[۱] اور پریکٹیکبل[۲] میری سمجھ میں نہ آئی ہوتی تو میں اس جلسے میں شریک ہونے اور لکچر دینے پر ہرگز جرات نہ کرتا۔ ای حکیم عبدالمجید خاں صاحب آپ اپنے مدرسۂ طبیہ کے قایم کرنے اور اُس کو ترقی دینے کے لیے وہی یا ویسی ہی تدبیریں عمل میں لا رہے ہیں جو ہر ایک فونڈر[۳] آف سکول یا فونڈر آف کالج عمل میں لاتا ہی۔ لیکن میں آپ سے معافی مانگ کر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی

[۱] ترتیب میں آخری مگر درجے میں کم نہیں ۱۲ [۲] ممکن التعمیل ۱۲ اور سہل التعمیل ۱۲ [۳] بانیِ مدرسہ ۱۲

وہی مثل ہی ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں۔ اے جناب آپ کے فنڈ آپ ہی کی جیب میں آپ ہی کی مٹھی میں اور آپ ہی کے اختیار میں ہیں۔ دوسرے فونڈ بھیک مانگنے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور گڑگڑانے کے سوائے اور کچھ ہنر نہیں رکھتے۔ اگر آپ نے یہ سمجھا ہی کہ آپ بھی ان میں سے ایک ہیں تو آپ نے اپنی قدر نہیں پہچانی ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

آپ خدا کے فضل سے مشہور و نامی طبیب ہیں اور خدا نے ہزاروں دلوں کو آپ کے لیے مسخر کر رکھا ہی۔ تابحدیکہ لوگ آپ کو اپنی تندرستی کا نگہبان اور اپنی جان کا محافظ باور کرتے ہیں آپ کو بہت سی عام اور کثیر الوقوع بیماریوں کے لیسے مجرب اور بھروسے کے نسخے ضرور معلوم ہوں گے جو خطا نہیں کرتے آپ کی بڑی دولت یہی نسخے ہیں۔ اور اگر آپ چاہیں اور آپ کو چاہنا چاہیئے اور آپ ضرور چاہیں گے تو آپ یہ ایک مدرسۂ طبیہ ایسے ایسے کئی بے منت غیرے قائم و جاری کر سکتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرنی ہوگی کہ آپ اپنے نسخے کسی کو بتائیے نہیں۔ مگر اُن کے فوائد کو مشتہر کیجیے۔ مشتہر کرنے سے یہ مراد نہیں ہی کہ آپ اکمل الاخبار میں اشتہار دے کر فارغ ہو بیٹھیں۔ بلکہ اس کثرت سے اشتہار دینا ہوگا کہ بھلا زیادہ نہیں تو چپا رو انگ ہندوستان میں کشمیر سے لے کر مدراس بلکہ سلون تک اور پشاور سے لے کر برھما تک کوئی بستی جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہی ایسی باقی نہ رہے جہاں آپ کا اشتہار نہ پھونچا ہو۔ اے جناب اب وہ زمانہ آ گیا ہی کہ ہر چیز سینٹیفک ہوتی چلی جاتی ہی۔ اشتہار کا دینا بھی بجائے خود ایک سائنس ہی۔ اور ہر شخص اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اشتہار حقیقت میں خریداروں کے پھنسانے کا جال ہی۔ اور اس طریقے پر جال ڈالنا کہ خالی نہ آئے خاص سلیقہ چاہتا ہی لوگوں کی زبانیں مختلف ہیں مراسم و عادات مختلف ہیں۔ اُن کے مذاہب مختلف مذاق مختلف مشاغل مختلف ان سب کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور نہ صرف متوجہ کرنا بلکہ اُن کو شوق و رغبت دلانا ایک طرز خاص سے نہیں ہو سکتا۔ بے شک تحریر ہی ایک آلہ ہی جس کے ذریعے سے ہم کسی بات کو مشتہر کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ اخباروں میں اشتہار کا دینا ہی مگر متعدد اخباروں میں متعدد خطوں کی زبانوں میں۔ دوسرا طریقہ [illegible] اشتہار [illegible]

کرتا ہی۔ مناظر عام میں سب سے عمدہ ریل کے سٹیشن ہیں جن کی دیواریں مارے اشتہاروں کے لپی
پڑی ہیں۔ پھر نفس اشتہار کا پیرایہ غور طلب ہی۔ اکثر اشتہار میں کوئی عمدہ تصویر شامل ہوتی ہی کہ خواہی
نخواہی اُس پر نظر پڑے کبھی مضمون اشتہار ایسا دلچسپ ہوتا ہی کہ وہ توجہ دلاتا ہی۔ صرف توجہ دلانے کی
غرض سے تھا کہ ڈاکٹر سیکوا کو تم نے دہلی میں دیکھا ہوگا۔ ایک عجیب صنعت کی گاڑی میں عجیب الخلقت
اونٹ جوتے ہوئے سڑکوں پر اور گلیوں میں بگل بجاتے پھرتے۔ لوگ تمسخر کرتے تھے۔ مگر ڈاکٹر سیکوا
اسی تمسخر میں لاکھوں روپے کما کر چین سے اپنے وطن میں جا بیٹھے۔ غرض ادھر تو آپ اشتہار دینا
شروع کیجیے اور ادھر کارخانۂ دواسازی ہیں اگر ہو اور نہ ہو تو اس کو اب قائم کیا جائے دوائیں تیار کرائیے
اور پھر دیکھیے کہ کتنی فرمایشیں آگرتی ہیں میں کامل یقین کرتا ہوں اور آپ بھی کامل یقین کریں گے اور غالباً
تمام حاضرین کامل یقین کریں گے کہ آپ خاک کی چٹکی بھی دیں گے تو لوگ اکسیر سمجھ کر ہزار جان اُسی کے خواہاں ہوں گے
دوا فروشی کا فائدہ آپ مدرسے کو دیجیے اور ایک ٹکا فقیر کا بتایا ہوا بھی کام میں لا کر دیکھیے۔ خدا نے چاہا
تو وہ فائدہ جو دوا فروشی پر مترتب ہوگا مدرسے کے لیے کافی اور کافی سے بہت زیادہ ہوگا۔ ہاں ٹکا انگریزی
دوا کی طرح سریع التاثیر نہیں ہی دیر طلب لیکن اس کی کامیابی متیقن ہی۔ اور چندہ بھی آپ کو کون نقد
پرکھا رہا ہی۔ اور چندے کا نتیجہ مشکوک بلکہ موہوم۔ بلکہ معدوم ای جناب یہ میرا خیالی ڈھکوسلا نہیں ہی۔
میں اس کے اتنے شواہد پیش کر سکتا ہوں کہ پھر کسی کو گنجایش انکار نہ ہو۔ آپ صاحبوں میں سے اکثر نے
ہورڈس کونین۔ اینوز فروٹ سالٹ۔ گریمالٹ سرپ۔ فیلوز سرپ بیچمس پلز۔ کاکلس پلز۔ ہالوینز پلز
ہالوینز اوینٹمنٹ۔ کیلیپرس اکسٹراکٹ آف مالٹ۔ کالس براون کلوروڈین۔ ایلیمن فروٹ فوڈ ین۔ اور
اس طرح سے بہت سے انگریزی داؤں کے نام سنے اور نہ صرف سنے بلکہ اُن کو استعمال کیا ہوگا۔ مگر
ان دواؤں سے جو مالی منفعتیں اہل یورپ نے حاصل کی ہیں۔ شاید بہت کم لوگ اس کا صحیح اندازہ
کر سکتے ہیں۔ اندازے کے متعلق مجھ کو پنسچپلی باتیں یاد آتی ہیں کہ ہمارے دہلی کالج میں بڑے
مولوی صاحب یعنی عربی کے مدرس اول کو جن کی شاگردی پر مجھے ناز ہی سو روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور
اس پر وہ اکثر عسرت کی شکایت کیا کرتے تھے اور ہم طالب العلموں کے وظیفے چار روپیہ سے لے کر

بارہ روپیہ تک تھے۔ تو ہم لڑکے آپس میں کہا کرتے تھے کہ کیوں مولوی صاحب خلاف واقع اپنی تنگ دستی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ہم لوگ ان کی تنخواہ بڑھوانا چاہتے ہیں کہ دفع دخل مقدر کے طور پر اس تمہید کی ضرورت ہی۔ اُس وقت ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کوئی شخص سو روپیہ ماہوار کی آمدنی رکھ کر بھی تنگ دست رہ سکتا ہی۔ پھر ہم ان کے تفصیلی مصارف پر نظر ڈالتے۔ مثلاً کھانا۔ ایک دس روپے تجویز کرتا۔ تو دوسرا بڑی فیاضی کے ساتھ کہتا کہ دس نہیں بیس بلکہ پچیس[٢٥] اسی طرح ہر ہر بات اور ہر ہر رقم پر بحث ہوتی۔ اُسی یا اُس سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ جو گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کی بجٹ[1] پر ہوتی ہی۔ بہر کیف مصارف کا مجموعہ پچاس ساٹھ سے متجاوز نہ ہوتا۔ غرض اس خصوص میں مولوی صاحب کی طرف سے ہم سب کو بدگمانی رہی۔ آخر وہ دن آیا۔ اور آتا تھا کہ میں کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور بھتہ ملا کر پہلی تنخواہ سوا سو سے بھی زیادہ مجھکو ملی اور اتفاق سے اُس وقت وہ ناکافی بھی تھی۔ مجھ کو فوراً مولوی صاحب یاد آگئے اور اُن کی عسرت کی تصدیق ہوئی۔ اور اب تو یہ حال ہی کہ بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی جھوٹوں شکایت کرے سچ ل باور کر لیتا ہوں۔ اسی قبیل کی دوسری بات یہ ہی کہ جب مجھکو اول اول مدارج اعداد سکھائے گئے تو وہ بھی معمولی سلسلہ تھا۔ اکن۔ دہن۔ سہن ستھسن۔ دہ سہسن۔ لکھن۔ دہ لکھن۔ کروڑن۔ دہ کروڑن اربن۔ دہ اربن۔ کھربن۔ دہ کھربن نیلن دہ نیلن۔ پدمن۔ دہ پدمن سنکھن دہ سنکھن۔ مہاسنکھ۔ اس لیے بچپن میں تعلیم کی تاکید کرتے ہیں کہ اُس وقت کا سیکھا ہوا کالنقش فی الحجر[2] ہو جاتا ہی۔ اس سلسلے کے الفاظ جیسے بے گھڑت ہیں ظاہر۔ مگر چوں کہ بچپن کے یاد کئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں بھولے اگرچہ مدارج بے ترتیب یا متروک ہو گئے ہوں تو شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ سے صحیح کر لینا خیر تو غرض یہ ہی کہ مدتوں مجھ کو اس سلسلے پر اعتراض رہا۔ کہ دنیا کا کام لاکھوں کروڑوں سے چلتا اور چل سکتا ہی۔ یہ شیطان کی سی انتڑی بے فائدہ کیا بنا کھڑی کی ہی۔ بارے جب دائرۂ معلومات وسیع ہوا۔ تو سمجھ میں آیا کہ یہ فیبولس[3] فگرز نہ ہوں تو اہل یورپ کی تجارت اور اسٹرانمی[4] کے مقادیر کیوں کر سمجھائے جائیں۔

---

[1] تخمینہ آمدنی وخرچ آیندہ موازنہ ١٢ – [2] پتھر کی لکیر ١٢ – [3] یعنی اتنے بڑے بڑے اعداد جو افسانہ معلوم ہوتے ہیں ١٢ – [4] علم ہیئت ١٢ –

یہاں میرے ایک عزیز دوست حافظ عبدالمجید صاحب کسی جگہ موجود ہوں گے اُنھوں نے مسٹر بیچم کی گولیوں کے ٹرین میں انجن کا کام دیا ہے۔ وہ مجھ سے بیان کرتے تھے اور اُن کا بیان معتبر اور واجب التسلیم ہے کہ مسٹر بیچم نے سنہ ۱۸۹۰ء میں سولہ لاکھ سرسٹھ ہزار روپیہ گولیوں کے اشتہار میں صرف کیا۔ جو شخص ایک سال کے عرصے میں اس قدر انبار دولت صرف کرے۔ ہم لوگوں سے اُس کے مفاد کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جنھوں نے لاکھوں روپیے خواب میں بھی نہیں دیکھے۔ مسٹر ہالوے نے اپنی بیم کی یادگار میں رائل کالج بنایا۔ جس کی صرف عمارت میں ایک کروڑ سے زیادہ صرف ہوا۔ اُس کا ایک آرٹ گیلری جس میں تصویریں ہیں پندرہ لاکھ کی لاگت کا ہے۔ کالج کے سامنے شفاخانہ ہے جس میں چار سو اسی کمرے ہیں اور تین سو مریضوں کے رہنے کا ٹھکانا۔ اس کی تعمیر پر مسٹر ہالوے نے کالج کے علاوہ آدھا کروڑ اور خرچ کیا۔ یہ سب خرچ کہاں سے آیا صرف مرہم اور گولیوں سے۔ لیکن کیا مرہم اور گولیوں سے جو کچھ کمایا کالج و شفاخانے پر لگا بیٹھے نہیں۔ بلکہ نٹ پرافٹ کی ایک چھوٹی سی کسر کیا یہ رقمیں علم ہیئت کے ہندسوں سے کم حیرت خیز ہیں۔ میں نے انگلستان کے چند تاجروں کا مذکور کیا۔ اگر امریکہ کے تاجروں کا حال بیان کرتا اور صاحب ڈپٹی کمشنر پریسیڈنٹ نہ ہوتے تو جو صاحب پریسیڈنٹ ہوتے کبھی کا مجھ کو بیٹھ جانے کا حکم دے چکے ہوتے۔ یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا اور ان جیسے سینکڑوں پرنس مرچنٹ اس قدر مالدار ہیں کہ روے زمین کے بڑے مالدار، خاندان شاہی کے پرنس ان کے تمول پر رشک کرتے ہیں۔ تعجب سخت تعجب اور نہ صرف تعجب بلکہ افسوس سخت افسوس اور نہ صرف تعجب و افسوس بلکہ شرم اور نہایت شرم کی بات ہے کہ اہل یوروپ اور اہل امریکہ یہاں سے ہزاروں میل دور بیٹھے ہمارے ملک اجنبی میں اپنی دواؤں کا سکہ بٹھالیں اور ہمارے طبیبوں کی یہ معاش ہو کہ جس طرح کوئی عملہ رشوت لیتا یا چور چوری کرتا ہے عطاروں سے چپکے چپکے چہارم وصول کریں۔ بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ایجاد و اختراع کا تو کیا مذکور ہے نمونے موجود ہیں۔ ان کی بھی نقل کرتے بن نہیں پڑتی۔ اور اس پر بڑبڑاتا ہے کہ انگریز ہندوستان کی دولت گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔ سچ ہے گھسیٹے تو لیے جاتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے زور سے ایک پیسہ اور ہنرمندی کے دعوے سے ایک روپیہ

---

[1] نفع خالص [2] ملک التجار۔

ایسا کوئی قانون نہیں کوئی حکم نہیں کہ ہم خواہی نخواہی انگریزی دوائیں استعمال کریں۔ مگر اُن کے استعمال پر
ہم کو مجبور کر رہی ہیں واؤں کی منفعتیں اور ہماری ضرورتیں۔ کیا ہمارے ہاں اس قسم کی دوائیں نہیں ؟
ہیں۔ مگر ہم کو بلاد دور دست کا تو کیا مذکور ہی اپنے ہی وطن اپنے ہی مُلک اور اپنے ہی متعارفین میں اُن کے
رائج کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تجارت کی کامیابی کے دو بہت بڑے اصول ہیں۔ ارزانی قیمت اور اشتہار
سو ہمارے ہاں دونوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں۔ ایک شخص جو مال کو سوائے پر سال میں چار بار اُلٹ
پھیر کر سکتا ہے۔ وہ عقل کا دشمن اُس کے دونے کے انتظار میں چار سال تک روکے رکھنا پسند کرے گا۔
اور سوائے پر بیچنا کبھی جائز نہ رکھے گا۔ رہا اشتہار وہ تو ہمارے مُلک میں عموماً نقصانِ عاجل سمجھا جاتا ہے۔
جس طرح راجرس کے چاقو کے آگے ہاتھرس کی بھونڈی بھدی چھُری کا نام لینے کو جی نہیں چاہتا اسی
طرح یوروپ اور امریکہ کی تجارت کے مقابلے میں یہاں کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تاہم یہاں بھی
جو لوگ ارزانی قیمت اور اشتہار کے اصول پر چلتے ہیں وہ اپنے اقران میں ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔
ولایت میں ٹِٹ بِٹ اخبار کے چھ لاکھ پرچے نکلتے ہیں۔ یہاں اُردو ناگری بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ تلنگی۔
کنڑی۔ سارے ہندوستانی اخباروں کا مجموعہ بھی پچاس[۵] ہزار نہ ہوگا مگر بنگال میں بنگا باشی۔ مدراس میں
ہندو گجرات میں راست گفتار۔ اُردو میں پیسہ اخبار اور اخبار عام لاہور کا سرکیولیشن[۵] زیادہ ہے۔ اس لیے کہ
اِن کی قیمت سستی ہے۔ اسی طرح اشتہار کے مَیں مُلکی نظائر پیش کر سکتا ہوں۔ مگر کہاں تک بدنصیب
ہندوستان کا رونا روئے جاؤں۔

غرض فنڈ جمع کرنے کے لیے ایک صلاح کی بات سمجھ میں آئی تھی۔ حُبِ قومی کے تقاضے سے نہیں
کیوں کہیں کہو لگا کر شہیدوں میں نہیں ملنا چاہتا۔ بلکہ حکیم عبد المجید خاں کی خاطر سے میں نے وہ صلاح
کی بات بیان کر دی۔ یہی نہیں کہ میں نے لکچر کی بھرتی کے لیے ایک بات بنا دی نہیں۔ میں نے اس کو
وقتاً فوقتاً سوچا اور اس کے مالہ اور ماعلیہ پر نظر کی۔ اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی کہ اس تدبیر کو کیوں نہ اختیار
کیا جائے اور اختیار کیا جائے تو کیوں نہ چلے۔ ہاں جن لوگوں میں حسد کا مادہ ہے اور نہیں دیکھ سکتے کہ عبد المجید خاں سے

[۵] اشاعت ۱۲۔

کوئی نام ونمود کا کام ہو۔ یا خدا نے جن کی مت ماردی ہی اور وہ رفاہ قومی کے ہر ایک کام میں اڑنگے لگانے کو موجود ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ضرور تعریفیں کریں گے کہ حرص اور حُبِّ جاہ بھی کیا بُری بلا ہی عبدالمجید خاں جیسے شخص سے بھیک بھی منگوائی اور آخرِ کار دوا فروشی کرائی۔ مگر یہ لوگ کیا اب نہیں کہتے اور کیا نہیں کرتے عبدالمجید خاں صاحب اگر آپ ایسی بیہودہ باتوں کی پروا کریں گے تو مدرسۂ طبیّہ کا خیال چھوڑ دیجئے۔ متضاد باتیں ایک سر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ میں تو آپ کے مدرسے کے لئے دوا فروشی کی صلاح دیتا ہوں اگر آپ اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوا فروشی کریں تو عرفاً گو میں کہتا نہیں مگر شرعاً اور عقلاً آپ ویسے ہی معزز ومحترم ہوں گے۔ جیسے کوئی شریف آدمی دنیا میں معزز اور محترم ہوا ہی یا ہو سکتا ہی یا آیندہ ہوگا۔ ہمارے ملک پر یہ ایک عذاب آلٰہی ہی کہ پیشوں اور کاموں کے تعزز میں امتیاز کیا جاتا ہی اور تا وقتیکہ یہ امتیاز بالکل ملیا میٹ نہ ہو جائے گا۔ ملک اور قوم کی فلاح کی توقع رکھنی فضول ہی۔ ہم اگر اپنی دنیاوی حالت بہتر کرنی چاہتے ہیں تو ہم کو ناچار یوروپ کی تقلید کرنی پڑے گی۔ وہاں کا حال یہ ہی کہ مسٹر گلیڈسٹون کا نام اس وقت روئے زمین پر ہاؤس ہولڈ ورڈ[۱] ہی یہ شخص جس نے سینکڑوں سر اور لارڈ بنا دیئے آپ وہی سیدھا سادھا مسٹر[۲]

سینے میں قلزم کو سے قطرے کا قطرہ رہا
بل بے سمائی تیری اُف رے سمندر کے چور

تین بار انگلستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہی اور عجب نہیں نیو الیکشن[۲] میں جو عنقریب ہونے والا ہی پھر زیبِ دہ کرسی وزارت ہو۔ یہ عجیب شخص ایک اناج بھرتی کرنے والے کا بیٹا ہی اور خود اس کے بیٹے کی دکان کلکتے میں موجود ہی اور شاید اس کا بھتیجا یا قریب کا کوئی رشتہ دار برہما میں ڈپٹی کمشنر تھا یا ہی۔ لارڈ سڈلی جام یعنی مربّا بنانے والا ہی۔ چنبر جس کے قفل مشہور ہیں سر کا خطاب رکھتا ہی۔ ایک موچی سر ولیم پلیشر ہی۔ ہنٹلی پامر کے بسکٹ چائے کے ساتھ کھائے ہوں تو اس فرم کا مسٹر پامر پارلیمنٹ کا ممبر ہی۔ مسٹر ڈبلیو اپچ اسمتھ چند مہینے ہوئے ایک کروڑ چھتر لاکھ کا سرمایہ چھوڑ کر مرے ہیں۔ ایک کتاب فروش تھے۔ خدا نے برکت دی ہوتے ہوتے ہوس آف کامنس[۳] کے لیڈر اور

[۱] زبانِ زدِ خلائق ۱۲ [۲] انتخابِ جدید ۱۲ [۳] سر گروہ ۱۲

ٹریژری[1] کے فرسٹ لارڈ ہو گئے۔ اور مرتے دم تک تجارت سے دست کش نہ ہوئے۔ اُن کی میم کو ملکہ نے پیئرس کا خطاب دیا۔ مسٹر ہالوی جن کا میں مذکور کر چکا ہوں اُن کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ اُن کے کالج کو خود کوئین وکٹوریہ نے کھولا۔ نیشنل گیلری میں اُن کی تصویر تیسرے نمبر پر لگی ہوئی موجود ہے مسٹر کین ممبر پارلیمنٹ جو ہندوستان میں بھی گشت لگا گئے ہیں اور جنھوں نے انتظام آب کاری پر بڑا غل مچا رکھا ہے ایک ٹین والا ہے۔

غرض یورپ کا اصول تو یہ ہے کہ اصلی عزت دولت اور لیاقت کی ہے اور ہے بھی یوں ہی اور ہونا چاہیے بھی یوں ہی۔ کچھ ضرور نہیں کہ جو رائے میں نے پیش کی ہے ابھی اس کو رد یا قبول کیا جائے مگر اتنا اصرار ضرور کروں گا کہ اس سے قطع نظر نہ کیا جائے۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب! میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ اپنے مجربات کی رائلٹی[2] دینا چاہیں گے تو کوئی انٹرپرائزنگ[3] مین اس کا بڑا بھاری معاوضہ دینے کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔ اور آپ کے چندے کی فہرست میں وہ ایک بڑی رقم ہوگی۔

میں نے نہایت تعجب سے سُنا ہے کہ آپ نے مدرسے کے سرمائے کو جائداد اراضی میں مشغول کیا ہے۔ بے شک جائداد اراضی سے بھی کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس بات کو سعی دلانگی سمجھتا ہوں جس کو زیادہ کمائی کرنے کا سلیقہ نہیں وہ ہارے درجے اس تدبیر کو اختیار کرتا ہے۔ میں بہت زیادہ خوش ہوتا اور آپ بہت فائدہ حاصل کرتے۔ اگر یہ سرمایہ اُس طرح پر صرف ہوتا جو میں نے بیان کیا۔ میں مدرسۂ طبیہ کے مدرسوں کو تو نہیں طالب العلموں کو بھی دو چار صلاحیں بتاتا۔ مگر گرمی اور صاحب ڈپٹی کمشنر[4] کی پریذیڈنسی اور وقت کی تنگی اجازت نہیں دیتی۔ اگر بہ حکم اللہ بخیریت جیتا رہا تو اگلے سالانہ جلسے کے لیے لگا رکھتا ہوں۔ کیوں کہ اس مدرسے میں لکچر دینا اب مجھ کو لازم سا ہو گیا۔

---

[1] خزانے کا وزیر اعظم ۱۲ [2] حق ایجاد ۱۲ [3] جو حوصلہ مند ۱۲ [4] برخلاف ۱۲

چودھواں لکچر

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں سالانہ جلسے پر بمقام دہلی دسمبر ۱۸۹۲ء کو دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانو! اگر تم میں ہی کچھ فکرِ رسا باقی
تو بولو اُٹھو کہ ہی اسلام کے مٹنے میں کیا باقی

شجاعت تھی تو وہ ہم سے کبھی گزری ہوئی بالکل
نہ اب وہ مُلک گیری ہی نہ وہ حرب و غزا باقی

نہ ہمّت ہی نہ جرأت ہی نہ چستی ہی نہ چالاکی
نہ خو زحمت اُٹھاتے کی نہ زورِ دست و پا باقی

خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیوں کر تھی
کہ تاریخی کتابوں میں ہی جس کا تذکرہ باقی

یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاستہائے اسلامی
جنھیں روئے زمیں پر دیکھتے ہو جا بجا باقی

مگر اُس سطوتِ کبریٰ کی چندیں یادگاریں ہیں
مسافر جا چکا لیکن ہی اُس کا نقشِ پا باقی

عروسِ دہرِ زال زشت منظر ہو گئی ایسی
کہ جس میں دل ربائی کی نہیں کوئی ادا باقی

وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا
خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گئی پشتِ دوتا باقی

تغیر آ گیا نقش و نگارِ حسن میں یکسر
نہ وہ رنگِ حنا قائم نہ چشمِ سرمہ سا باقی

ملا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی
نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی

کہاں کی قوم کیسی خیر خواہی کس کی ہمدردی
کہ لوگوں میں نہیں ہی اب تو پاسِ اقربا باقی

کچھ ایسی اجنبیت اِن دنوں میں آ کے پھیلی ہی
نہیں گویا کہیں کوئی کسی کا آشنا باقی

بٹھا رکھا ہی آزادی نے وہ سکّہ۔ کہ لوگوں میں
نہ قانونِ ادب نافذ نہ آئینِ حیا باقی

وہی طرز ان میں ہی طرزِ پسندیدہ جو رہ جائے
بروئے شیوۂ دَعْ مَا كَدِرْ خُذْ مَا صَفَا باقی

قطعہ

یہ معیار لیاقت ہی خدا شرمائے ہم سب کو
کہیں ہی بھی اگر علم و ہنر تھوڑا ذرا باقی

کہ دار العلم دہلی میں فضیلت اس کو کہتے ہیں
کہ میری طرح کے چند اَور ہیں حرف آشنا باقی

قطعہ

مسلمان ہیں مگر صرف از برائے نام کہنے کو
کہ جیسے ذات کا ہی امتیاز و تفرقہ باقی

وگرنہ دین داری کی حقیقت اُس کی اتنی ہی
کہ ہم جیسے گنہ گاروں کا ہی پردہ ڈھکا باقی

یہ سارے کھیل ہیں دنیا میں دولت کے تمول کے
مرا بہتر ہی وہ جس کے نہیں پلے ٹکا باقی

ہماری قوم کو افلاس نے اس طرح گھیرا ہی
کہ فی صد ایک کچھ خوش ہی تو محتاج و گدا باقی

کسی کے کام آئیں یا کسی کو نفع پہونچائیں
جو ہوتے آج کو ایسے نفوس اولیا باقی

قطعہ

تو کیوں اکثر مسلمانوں کی حالت یوں ردی ہوتی
کہ گھر میں سر پہ بی بی کے نہیں ثابت ردا باقی

مسلمانوں کو ایسا تنگ پکڑا ہی زمانے نے
نہ مرنے کی گنجایش نہ جینے کی جگہ باقی

اسی کو ہم بڑی دولت بڑی حشمت سمجھتے ہیں
کہ مسجد میں ابھی ہی بوریا ٹوٹا پھٹا باقی

لیے جاتے ہیں ہم سب کو گھسیٹے قعر نکبت میں
اب ایسے رہ گئے ہیں مولوی اور پیشوا باقی

پڑھاتے ہیں سبق تحصیل حاصل زہد کا جب یاں
ہزاروں سے نہیں ہی ایک میں یُسر و غنا باقی

لڑے مرتے ہیں ادنیٰ بات پر انجام جو کچھ ہو
مزاجوں میں نہیں برداشت کا مطلق پتہ باقی

زمین و آسمان کو اپنا دشمن کر لیا لڑ کر
ہر ایک کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی خرخشہ باقی

غرض دنیا و دیں کے سب فضائل منتزع ہو کر
رہا ہی اک تعصب نامناسب ناروا باقی

قطعہ

وہ بیمارِ قریب مرگ ہی اسلام واویلا
مسیحا کو نہیں ہی جس کی امید شفا باقی

مسیحا کون سر سید پکارے سب میں کہتا ہوں
صد و سی سال اس کو اَور رکھیو الٰہی خدا باقی

بھلا ہی یا بُرا یہ جانے اور اس کا خدا جانے
مگر ہی کوئی اس کی شان کا اس کے سوا باقی

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا
قیامت کو بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

یہی اک فردِ اکمل ہی کہ جس کو دیکھ کر جاتا
ہماری ناؤ کا بارے ہی اب تک ناخدا باقی

جزاک اللہ خیراً قوم کی اصلاحِ حالت میں
دقیقہ ایک بھی تو نے نہیں رکھا اُٹھا باقی

خدا نے تجھ کو پہونچایا ہی اُن اعلیٰ مراتب پر — فزوں تر جن سے اب کوئی نہیں ہی مرتبہ باقی
طریقِ مختصر پر گر نبے القاب یکجا ہوں — تو مشکل ہی کہ ابجد میں رہے حرفِ ہجا باقی
مگر معلوم ہی تجھ کو مسرّت کچھ نہیں اس کی — کہ تو ہی دردمندِ قوم اور تیرا گلہ باقی
محالِ عقل ہی تجھ کو ہو اس دنیائے فانی میں — سوائے قوم کوئی آرزو یا التجا باقی
نہ ہو بے دل اور اپنی ہی کئے جا صرف ہمّت سے — کہ سب کے سر پہ اب تو ہی ہی اِک بوڑھا بڑا باقی
اگر انعام کی تجھکو توقع ہو تو یاد رکھ — خدا کے پاس ہی تیری جزا تیرا صلہ باقی
تجھے روئے گی سر پہ ہاتھ رکھ کر قومِ بدقسمت — اور اس کو دیکھ لے گا جو کوئی جیتا رہا باقی
نہ ہو دیں کارگر گر لاکھ تدبیریں تو کیا پروا — ابھی سب سے بڑی بھاری ہی تدبیرِ دعا باقی
تصور میں پکڑ کر اپنے نانا جان کا دامن — خدا سے عرض کر یا قاضی الحاجات یا باقی
تباہی چھا رہی ہی تیرے پیغمبرؐ کی اُمت پر — بجز تیرے کرم کے اب نہیں کچھ آسرا باقی
مسلمانوں کو ہمّت قرنِ اول کی عطا فرما — وقار و عزتِ اسلام تا روزِ جزا باقی
ذرا ٹھہر اے طبیعت کس بلا کی تیری آمد ہی — کوئی حد بھی ہی اس باقی کی آخر تا کجا باقی
یہ جو کچھ سُن چکے ہو اب تلک تمہیدِ مطلب تھی — ابھی ہی نثر میں کہنے کو اصلِ مدعا باقی

اگر اس ساتویں نوبت میں بھی ایجوکیشنل کانفرنس کے مفہوم اور اس کی غرض و غایت کے بیان کرنے کی ضرورت تھی تو میں خیال کرتا ہوں اُس ضرورت کو جلسۂ تمہیدی جو آپ سے چند مہینے پہلے دہلی کے میونسپل ہال میں منعقد ہوا پورے طور پر رفع کر چکا ہی۔ اس کانفرنس نے پچھلے سات برسوں کی کوشش میں مسلمانوں کی تعلیم پر جیسا کچھ اثر کیا ہو سر سید احمد خاں سے بہتر کوئی دوسرا اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ کانفرنس کا کوئی سالانہ اجلاس ابھی تک ناغہ نہیں ہونے پایا۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہی کہ لوگ کانفرنس کی قدر کرنے لگے ہیں۔ گو قدر کرنے والے سَو بلکہ ہزار بلکہ لاکھ میں ایک دو ہی کیوں نہ ہوں ہم کو ابتدائی ضعف کی وجہ سے نا امید نہیں

ہونا چاہیئے گریٹ تھنگز ہیو سمال بگننگز (بڑے سے بڑے کام بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوا کرتے ہیں) خدا جس کی بے انتہا قدرت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اگر چاہے اور برکت بھی دے تو کیا عجب نہیں ہو کہ کانفرنس جو آج سر سید احمد خاں کا خیالی ڈھکوسلا دکھائی دیتا ہو۔ اسی کی بدولت مسلمانوں کی لٹی گھسٹی مرجھائی ہوئی کھیتی از سرِ نو تازہ و شاداب ہو کر لہلہانے لگے ع

شاید کہ ہمیں بیضیہ برآرد پر و بال

اے کاش وہ دن ہماری زندگی میں ہو۔ اجلاس کی جگہ کا ہر سال بدلتے رہنا بھی یقیناً مفید ہو۔ اور اگر دلی والوں میں سے کسی نے جرأت نہ کی تو ان شاء اللہ قیامت کے دن سر سید احمد خاں کے مقابلے میں دلّی کی طرف سے میں جچ[1] ہوں گا کہ اُنھوں نے مسلمانوں کا کالج علی گڈھ میں رکھ کر دلّی کے گلے پر جو چھری پھیری تھی۔ سو پھیری تھی۔ مرے پر سو دُرّے اتنے برس کانفرنس کے یہاں لانے میں دیر کر کے دلّی کا یہ دوسرا حق تلف کیا۔

کانفرنس کے لیئے شہروں کے انتخاب میں جن باتوں پر نظر کی جاتی ہو۔ میں جانتا ہوں اُن باتوں کی جنرل کنڈیشن[2] پروفشنسی میں دلّی کسی شہر سے ہیٹی نہیں۔ بلکہ میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہیٹا نہیں اس کی عظمت اِن گئے گزرے ہوئے وقتوں میں بھی ایسی اعلیٰ درجے کی ہو کہ ہندوستان کا کوئی شہر اس کو لگّا نہیں کھاتا ؎

دل و دلّی ہیں گرچہ دونوں خراب		پہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہیں	

ہر چند لکھنؤ نے زبان اردو میں بہتیری خراش و تراش کی مگر جو فرق آمد و آورد میں ہو جو تفاوت بے ساختہ پن اور تکلف میں ہو وہی دلّی اور لکھنؤ کی اُردو میں ہو۔ ع

وَلَا التَّکَحُّلُ[3] فِی الْعَیْنَیْنِ کَالْکُحُلِ

دلّی کے بدون ہندوستان کی تاریخ ایسی اندھی ہو جیسے بے شکل کے اقلیدس۔ اگر ہمارے شمس العلما

---

[1] وکیل ۱۲ [2] حالتِ مجموعی ۱۲ [3] سرمہ لگانے سے آنکھ قدرتی سرمگیں آنکھ جیسی خوب صورت نہیں ہوتی ۱۲۔

خان بہادر مولوی ذکاء اللہ نے اس عمر میں کہ خود اُن کی وہ شکل وصورت نہیں رہی کوئی بے شکل کی اقلیدس ایجاد کی ہو تو خبر نہیں۔ مگر میں نے جس زمانے میں شوق و رغبت سے نہیں بلکہ سکالرشپ کے لالچ سے اقلیدس پڑھی تھی میرا تو یہی حال تھا کہ ایک آدھ شکل پر ہی تو دوسری عبارت پر۔ اگر قدامت اور واقعاتِ عظیمہ کی یادگار قدر و قیمت کی چیز ہو تو دلّی کا ایک ایک روڑا چکیگو کی نمایش گاہ میں بھیجنے کے قابل ہے جو صاحب دلّی کی سیر کی غرض سے تشریف لائے ہیں اور ایسے بیک کرشمہ دو کار بہت ہوں گے دو چار ہی دن کی سَیر گشت میں دیکھ لیں گے کہ چھ چھ سات سات کوس کے گھیر میں کتنی ایسی عمارتیں ہیں جو انجینیرنگ[1] سکل اور بناوٹ کی عمدگی کے اعتبار سے روئے زمین کی تو میں کہہ سکتا نہیں مگر ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مجھ کو ہندوستان کے اکثر نامی شہر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس قرینے سے شاہ جہاں آباد بسا بلکہ بسایا گیا ہے کسی دوسرے شہر کو نصیب نہیں۔ الغرض گزشتہ سے قطع نظر کرکے حالتِ موجودہ کے لحاظ سے بھی دلّی کے مفاخر کی فہرست دوسرے شہروں کی فہرستوں سے بالشت دو بالشت نکلتی ہوئی رہے گی۔ اور یہی مفاخر ہیں جو کشاں کشاں کانفرنس کو یہاں لے آئے۔ مگر لائے سے

کفر توڑا خدا خدا کر کے	لائے اُس بت کو التجا کر کے

لیکن میری نظر ان مفاخر پر نہیں ہے۔ یہ مفاخر بعض معدوم ہو کر اُن کا افسانہ باقی رہ گیا ہے بعض علیٰ شرف الزوال[2] ہیں۔ اور جو علیٰ شرفِ الزوال نہیں بھی ہیں اُن کو بھی کانفرنس کے مقاصد سے کچھ ایسا تعلق نہیں۔

میں جس بات کو دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دلّی کو دوسرے بلادِ ہند پر ایک دینی فضیلت ہے۔ یہ امام ہے اور دوسرے شہر مقتدی۔ یہ مجتہد ہے اور دوسرے شہر مقلّد۔ یہ اصل ہے اور دوسرے شہر نقل۔ یہ اسلام کا تنہ ہے اور دوسرے شہر فروع۔ میں اس کو ہرگز مبالغہ نہیں سمجھتا کہ اسلام کے اعتبار سے جو نسبت مکّے مدینے کو عرب سے ہے وہی نسبت دلّی کو ہندوستان سے ہے۔ ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے کے کئی پیرائے خیال میں آتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہوں گے جنھوں نے اس ملک کو فتح کیا اور یہیں رہ پڑے

[1] معماری سلیقہ ۱۲ [2] زائل ہونے کے قریب ۱۲

افسوس اُن پر اور اُن کی نسلوں پر۔ اور کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے بلکہ عجب نہیں ایسے اکثر ہوں۔ جنھوں نے طوعاً یا کرہاً مذہب اسلام اختیار کیا۔ لیکن چاہے پہلے کے مسلمان رہے ہوں یا بعد کو مسلمان ہوئے ہوں۔ ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے اُن دونوں کا اسلام خالص اسلام ہو نہیں سکتا تھا۔ اور افسوس ہے کہ اب تک بھی خالص نہیں اور شاید ہوگا بھی نہیں۔ اُفتاد تو بگڑی ہوئی پڑی تھی اور اسلام کے پنپنے کی کوئی توقع نہ تھی مگر سچا خدا اپنے سچے پیغمبر کی زبان سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ[۱]۔ اور وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ[۲] کی منادی کر چکا تھا اور اُس کی ڈگری جاری ہونی ضرور تھی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ[۳] ہمارے کفرستانِ ہند میں یعنی ہماری اِسی دلّی میں وہ خاندانِ ذی شان پیدا ہوا ع

ایں خانہ تمام آفتاب است

جو شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز سے شروع ہو کر مولوی شاہ اسحاق صاحب پر ختم ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ[۴] ان لوگوں نے اور بعض اِن کے معاصرین نے بھی قرآن اور حدیث کے ترجمے کیے۔ تفسیریں اور شرحیں لکھیں۔ دینیات کی کتابیں تصنیف کیں۔ درس دیے وعظ کہے۔ یعنی زمانے کی ضرورتوں پر نظر کر کے وہ یا ویسے کام کیے جو اپنے وقت میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین نے کیے تھے رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ غرض دلّی کی دینی عظمت دینی فضیلت دینی برتری دینی شرافت اُن بزرگوں کی قائم کی ہوئی ہے۔ خدا اُن کو جزائے خیر دے۔ یہ قطب مینار یا تغلق یا التمش یا کسی غوری یا شاہ جہان کی عمارتیں نہ ہوں جو یوماً فیوماً بلکہ ساعۃً فساعۃً بلکہ آناً فاناً فرسودہ و مندرس ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور ایک دن معدوم ہو کر رہیں گی كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ[۵] بلکہ یہ وہ باقیات صالحات ہیں جن کا قیام ذات خدا کے ساتھ وابستہ ہے۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ[۶]

---

[۱] اللہ اپنے نور ہدایت کو پورا کر کے رہے گا ۱۲ [۲] اور جو دین خدا نے اپنی مرضی سے مسلمانوں کو بتایا ہے اُس کو ضرور مستحکم کرے گا۔ ۱۲

[۳] اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا ۱۲ [۴] ہم اللہ کے لیے ہیں یا ہیں (جو چاہے سو کرے) اور ہم کو اُس کے پاس لوٹ کر جانا ہے ۱۲

[۵] گویا کل اُن کا کہیں نشان بھی نہ تھا ۱۲ [۶] اور پروردگار کی ذات ہمیشہ ہمیشہ کو باقی رہے گی جو عزت والا اور بزرگی والا ہے ۱۲

افسوس تو ہم کو مسلمان بادشاہوں کے مرنے کا بھی بہتیرا ہی کچھ ہو اور نہ کیوں ہو۔ وہ ایک نیچرل بات ہو اضطراری۔ اس کا چھپانا نااتفاق بُزدلانہ ہو اور ہم سے اس کی توقع رکھنا طلب محال بے شک ان شخصی حکومتوں میں سے اکثر قابل شرم ونفرت بھی تھیں۔ مگر ہم اُن کی اصلاح کی آرزو کرتے نہ ان کے زوال کی۔ اُن کی درستی چاہتے۔ نہ اُن کی تباہی۔ لیکن ہماری قوم کو اِن بادشاہوں کے مرنے سے اتنا بلکہ اُس کا عشر عشیر بھی نقصان نہیں پھونچا۔ جتنا ان بزرگانِ دین کے ناپید ہو جانے سے اگر مسلمان بادشاہ مرگئے اور اُن کے مرنے سے آخر کار اسلامی سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہی کہ اس عملداری میں ہم کو امن اور آزادی بشرطیکہ ہم اُس سے مستفید ہونا چاہیں اس قدر ہی کہ ہم کو اپنی سلطنت میں بھی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی ہم کو اگر ہندوستان سے اسلامی سلطنت جاتے رہنے کا خیال آتا ہی اور اکثر آتا ہی تو صرف اس وجہ سے کہ ہم کو برٹش گورمنٹ کی برکات سے متمتع ہونے کا سلیقہ نہیں۔ ورنہ ہم تو اسلامی سلطنت کو جیسی اکثر ہو گزری ہیں یا جیسی ضعیف و نامنتظم جابجا اب بھی ہیں کبھی بھول کر بھی یاد نہ کرتے۔ وردسر کم ترہ۔ لیکن علمائے دین کے اُٹھ جانے سے جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو پھونچا اور پھونچ رہا ہو اس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ﴿۵۱﴾ وَھٰکَذَا یَذْھَبُ الزَّمَانُ وَیَفْنِی الْعِلْمُ فِیْہِ وَیَدْرُسُ الْاَثَرُ۔ مدتوں تک میں یہ خیال کرتا رہا کہ جب قرآن میں خدا فرماتا ہو ﴿۵۲﴾ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ اور ﴿۵۳﴾ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ تو اب ہم کو دین کے لئے کسی خلیفہ یا امام یا مجتہد یا مجدّد یا آج کل کے محاورے کے مطابق ریفارمر کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور میرے اس خیال کی تائید ہوتی تھی واقعہ قرطاس سے۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ آں حضرت صلعم نے جاں کنی کی حالت میں فرمایا اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (کاغذ لے آؤ تو میں وصیت لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو) عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتِ وقت سمجھ کر لوگوں کو روکا کہ عین انزہاق روح کے وقت پیغمبر صاحب کو

---

۵۱ اسی طرح زمانہ گزرتا اور علم فنا ہوتا اور اس کے نشان ناپید ہوتے چلے جاتے ہیں ۱۲ ۵۲ تر و خشک سب کچھ قرآن میں کھلا ہوا موجود ہو ۱۲ ۵۳ آج ہم نے تمھارے دین کو کامل اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ۱۲

وصیت کی تکلیف دینی نامناسب ہی حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ[۵۱] لیکن اب جو ان تغیرات کو دیکھا جو انگریزی عملداری کی وجہ سے واقع ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ اُسی وقت کے لیئے کافی تھا کیوں کہ پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے سوائے مسلمانوں کی حالت میں کوئی انقلاب بیّن واقع نہیں ہوا تھا کہ ان کو کسی جدید یا مزید ہدایت کی ضرورت ہوتی۔ لیکن ہم پیغمبر صاحب کے زمانے سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ ہماری حالت اس قدر بدلی ہوئی ہی کہ ہم قرن اولی کے مسلمانوں کے مقابلے میں گویا بالکل دوسری قسم کی مخلوق ہیں۔ اُن وقتوں کے مسلمان بجائے خود بادشاہ تھے حاکم وقت رعایا تو رعایا پاس پڑوس کے بادشاہ ان کے نام سے تھرّاتے تھے سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ[۵۲] یا ہم ہیں نصاریٰ کے محکوم نصاریٰ کی رعیت ہر بات میں نصاریٰ کے دست نگر نصاریٰ کے محتاج اُن کو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ[۵۳] اور لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً[۵۴] پر عمل کرنا آسان تھا۔ اُن کو یہود اور نصاریٰ اور دوسرے مذہب والوں کی پرواہی کیا تھی۔ کہ ان کے ساتھ دوستی کرتے اور سازگاری رکھتے۔ مگر ہمارا کیا حال ہی یہود تو کسی گنتی میں نہیں ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ[۵۵] نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنا سازگاری رکھنا عزت اور حکومت اور دولت کو تو رکھو بالائے طاق شرط زندگی ہی۔ رہے ہندو ان میں اور ہم میں سینکڑوں برس سے ایسا میل جول چلا آتا ہی کہ اب ہم اور وہ بٹوارہ کرنا بھی چاہیں اور فریقین کے احمق چاہتے بھی ہیں تو ہو نہیں سکتا نہ تھوک بٹ نہ کھیت بٹ۔ دوسرا بڑا فرق ہم میں اور آغاز اسلام کے

[۵۱] ہم کو اللہ کی کتاب بس کرتی ہی ۱۲ [۵۲] ہم تمہارا دبدبہ کافروں کے دل میں بٹھا دینگے ۱۲ [۵۳] ای ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو یار مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے یار ہیں اور تم میں سے جو کوئی اُن سے یاری کرے گا تو وہ اُن ہی میں گنا جائے گا بے شک اللہ قوم ظالم کو ہدایت نہیں کرتا ۱۲ —

[۵۴] مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو یار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اللہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں مگر یہ کہ کافروں سے اپنا بچاؤ کرو ۱۲ [۵۵] ذلت اور محتاجی ان کو لازم کر دی گئی اور خدا کے غضب میں آ گئے ۱۲—

مسلمانوں میں یہ ہو کہ وہ پیغمبر صاحبؐ کے ہم عصر تھے۔ اُن میں سے اکثروں نے پیغمبر صاحبؐ کو دیکھا اور اُن کے ساتھ رہے اور نہیں دیکھا اور نہیں ساتھ رہے تو دیکھنے والوں کو دیکھا اور ساتھ رہنے والوں کے ساتھ رہے غرض وہ اسلام کی حقیقت سے پورے پورے واقف تھے جب کبھی کوئی نئی بات پیش آتی اور قرآن و حدیث میں سند نہ ملتی تو وہ خود اپنے اجتہاد سے ایک رائے قائم کر لیتے اور اُسی واقفیت کا نتیجہ تھا کہ اُن سے غلطی بھی کم ہوتی تھی۔ جس کو ایسا ملکہ ہو اصطلاح شرع میں اُس کو محدث کہتے ہیں۔ اور میں اس لفظ کا ترجمہ کیا کرتا ہوں مزاج شناسِ خدا۔ جیسے مثلاً عمر رضی اللہ عنہ کہ اُساراے بدر[۵۱] اور ضربِ حجاب[۵۲] اور حرمتِ خمر اور دوسرے مواقع میں جس طرف کو اُن کا ذہن منتقل ہوا آخرکار اُسی کے مطابق وحی بھی نازل ہوئی۔ تتبع کرنے سے اس طرح کی مثالیں دوسرے صحابہ کی بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ جب آیۂ[۵۳] وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ نازل ہوئی تو آں حضرتؐ نے ایک کاتب کو بُلا کر لکھوانا چاہا خَلْقًا اٰخَرَ تک بتایا تھا کہ اُس کے مونھ سے بے ساختہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ نکل گیا اور وہ جزوِ آیت تھا یہ بھی ایک طرح کی محدثیت ہی۔ صحابہ کے مدارج بھی دینی معلومات کے اعتبار سے متفاوت تھے۔ مگر وہ تفاوت اُن کے آپس ہی میں تھا۔ میرا خیال یہ ہو کہ نہ ہماری یاد نہ اُن کی بھول۔ نہ ہمارا اجتہاد نہ اُن کی تقلید۔ نہ ہمارا یقین نہ اُن کا شک۔ کیوں کہ وہ دیکھنے والے تھے اور ہم سننے والے ہیں ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ہمارا ایمان یا اسلام جو کچھ سمجھو بس اسی قدر ہی کہ ہم نے اس کو مثل[۵۴] سہام دنیوی کی طرح باپ دادوں سے میراث میں

[۵۱] جنگ بدر میں جو کافر پکڑے آئے تھے پیغمبر صاحب نے اُن کو تاوان لے کر چھوڑ دیا اور عمرؓ کے نزدیک وہ واجب القتل تھے ۱۲۔

[۵۲] عورتوں کو پردے کا حکم دینا ۱۲۔ [۵۳] ہم نے آدمی کو مٹی کے اَنس سے پیدا کیا۔ پھر اُس کو نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بندھی بوٹی پھر بوٹی کی ہڈیاں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا پھر اُس کو دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا بابرکت ہو اللہ سب پیدا کرنے والوں سے بہتر ۱۲۔ [۵۴] مال ۱۲۔

پایا ہی۔ بہتیروں نے تو متاع کس مپرس کی طرح اس کی پروانہ کی۔ بعض نے پروا کی تو دیکھا کہ بزرگوں کے پہننے کے کپڑے کچھ اُن ہی کے بدن پر ٹھیک تھے۔ اُنھوں نے بے مصرف سمجھ کر ڈال رکھے۔ اور کچھ ایسے سعادت مند بھی تھے جنھوں نے کھوتپ بھری رفو کیا کاٹا چھانٹا پیوند لگایا اور تبرکاً پہن بھرے۔ اِن باتوں کے علاوہ میں دیکھتا ہوں۔ زندگی کی کوئی حالت اور کوئی شان نہیں جس میں زمانے کے انقلاب کی وجہ سے اَن ہونی[۱] اور غیر متوقع معاملات بکثرت پیش نہ آتے ہوں۔ اور اُن کی نظائر زمانِ سلف میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ مال اور فوجداری اور دیوانی کے کل آئین اور تمام ضوابط اور ہمگین دستور بدل گئے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ ریل اور سٹیمر اور تار برقی اور ہزارہا قسم کی کلیں اور پوسٹ کارڈ اور ویلیو پیبل اور منی آرڈر اور سٹامپ اور بیمہ ور کرنسی اور پرامیسری نوٹ اور ساز وسامان معیشت کے قریب قریب کل چیزیں نکل کھڑی ہوئیں جن کا اگلے وقتوں میں کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ سائنس نے کہیں حضرت ہمارے زمانے کے شیطان ہیں تمام مذاہب میں ایک غدر مچا رکھا ہی۔ یہ اب حال کا مذکور ہی کہ دو طالب العلم مقلد و غیر مقلد جھگڑ پڑے۔ مقلد نے کہا اگر ائمہ کا اجتہاد نہ ہوتا تو دنیا کے کام بند ہو گئے ہوتے کیوں کہ بہت سی باتیں ہیں جن کے احکام قرآن اور حدیث میں نہیں نکلتے۔ غیر مقلد نے کہا کہ جزئی سے جزئی مسئلہ بھی نہیں جس کو ہم قرآن اور حدیث سے استنباط نہ کر سکیں۔ اور ہم کو کسی کے اجتہاد کی حاجت نہیں۔ مقلد نے ایک فرضی استفتا لکھ کر غیر مقلد کے حوالے کیا کہ اس کا جواب قرآن و حدیث سے دیا جائے۔ زید نے خالد سے مثلاً سو درم کے بدلے کوئی چیز مول لی۔ اب بائع و مشتری کیفیت ثمن میں مختلف ہیں۔ ایک کہتا ہی ثمر قندی دوسرا بخاری تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا[۲] کیا پیارا لفظ ہی۔ کیوں کہ اس میں اس کی صراحت نہیں کہ اجر جواب دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں۔ غیر مقلد نے حدیث[۳] اِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ فَالْقَوْلُ الْبَائِعِ پیش کی اس طرفین سے رسالہ بازی شروع ہوئی۔ اور مذہبی اختلافات کا قاعدہ ہی کہ ایک دفعہ چھڑ جائیں پھر اُن کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ ایک شخص نے اس اختلاف کو میرے سامنے نقل کیا۔ اور نقل کیا بھی تو اس

---

[۱] جو پہلے نہیں دکھائی دیے ۱۲ [۲] بتاؤ تم کو اجر ملے گا ۱۲۔ [۳] جب بائع و مشتری میں اختلاف ہو تو جو بائع کہے وہی سند ۱۲۔

تمہید ہے کہ جن دو طالب العلموں سے یہ مخاصمت شروع ہوئی ہی تم کو حکم گردانتے ہیں۔ یہ سُن کر مجھ کو
بے اختیار ہنسی آئی۔ اور ہنسی کے ساتھ غصّہ بھی۔ ہنسی تو اس وجہ سے آئی کہ مجھ میں مولویوں کی سی کوئی بھی بات
نہیں تو مولوی کی پھبتی بے تکی ہوئی۔ اور غصّہ اس سبب سے کہ میں نے اپنے جی میں کہا بھلا یہ تو لکھنے پڑھنے
کی بات ہی میں چاہوں تو آئیں بائیں شائیں کچھ ہانک بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر کل کو کسی نے میری
نسبت از خود خیال کر لیا کہ یہ بڑا کلاونت ہی اور مجھ سے فرمائش کی کہ یہ صبح کا وقت ہی۔ بھلا ایک بھیرویں تو
گا کر سناؤ تو میں کیا کروں گا۔ میں نے اُس شخص کو جو میرے روبرو یہ قصّہ لایا تھا مناسب وقت کچھ کہہ کر
ٹال دیا۔ یوں تو میں بھی غیر مقلدوں کے سے عقائد رکھتا ہوں۔ مگر اس مسئلہ خاص میں مقلدوں کے
ساتھ ہوں بلکہ اِن سے بھی دو چار قدم آگے بڑھا ہوا۔ کیوں کہ میرے نزدیک نہ صرف قرآن و حدیث
بلکہ قرآن و حدیث اور اجتہادِ ائمہ بھی اِس زمانے کی دنیاوی ضرورتوں کو ناکافی ہیں۔ ناکافی کا لفظ جو میں نے
استعمال کیا شاید اچھا نہ ہو مگر میری مراد یہ ہی کہ معاملات میں ہزارہا جزئیات ایسی پیش آتی ہیں جن کے
لیئے اجتہادِ جدید کی ضرورت ہی جس وقت دراہم سمرقندی و بخاری کا مسئلہ میں نے سُنا تھوڑی دیر بعد
انگریزی اخبار میں اتفاق سے خلاف ورزی کاپی رائٹ کا ایک مقدمہ نظر پڑا فوراً خیال میں آیا کہ دراہم
سمرقندی و بخاری کی جگہ یہ صورت ہوتی تو غیر مقلد کو قبہّت[۱] سُننا پڑتا۔ ایسی ہی باتوں نے میرے
خیالات کو بدلا ہی اور اب میری رائے یہ ہی کہ مسلمانوں کو مجدد یا مجتہد کی سخت ضرورت ہی۔
اور بدون ایسے شخص کے ہمارا کام چل نہیں سکتا۔ اور میں جو دلّی کے متقدمین علما کو یاد کرتا ہوں تو وہ
بھی اسی سبب سے کہ مجھ کو اُن لوگوں میں اس بات کا پتہ ملتا ہی۔ مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کتاب
حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔ اُن کو اس کتاب کے لکھنے پر ضرور یہی خیال باعث ہوا ہوگا کہ اب خدائے تعالیٰ
دینُ العجائز[۲] والکُتّاب کی قبول کرنے والی طبیعتیں پیدا نہیں کرتا۔ لوگ ہر ایک بات کو میزانِ عقل میں تولنا
چاہتے ہیں۔ یا جیسا مشہور ہی کہ مولوی شاہ عبد العزیز نے دلّی کی شاہی تنخواہوں کو دکہ اُن میں اور وثائق
لکھنؤ میں اور سرکار انگریزی کے پرامیسری نوٹوں میں کچھ بھی فرق نہیں) جائز ٹھہرا دیا تھا۔ کچھ شک نہیں

---

[۱] سنّاٹے میں آ گیا ۱۲ [۲] بوڑھی عورتوں اور مکتب کے لڑکوں کا دین ۱۲۔

کہ اُنھوں نے دیکھا عموم بلولے اور سمجھے کہ اِن آمدنیوں کو رِبوا قرار دے کر اتنے سارے مسلمانوں کو مصداق فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ[۱] بنانا اور خدا اور اُس کے بندوں میں وار[۲] ڈکلیر کرنا آسان ہی یا ربوا کے پیچ کو ذرا ڈھیلا کرنا۔ چنانچہ اُنھوں نے اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ کو اختیار کیا جو اُن کا کام تھا ؎

	تو برائے وصل کردن آمدی		نی برائے فصل کردن آمدی

وہ اگلے علما زندہ ہوتے یا اُن کے جانشین اُن کے سے دل ودماغ رکھتے ہوتے تو اسلام میں جس کو اپنے مِلَّةً سَمْحَةً سَهْلَةً[۳] ہونے پر ناز تھا اور نازِ واجب تھا۔ ایسی سختی ہرگز داخل نہ ہونے پاتی کہ واقع میں اس کا سنبھالنا دہکتے ہوے انگارے کو ہاتھ میں لیئے رہنا ہو رہا ہی۔ میں بھی اخبار میں لوِرپول کے نومسلموں کے حالات اور امریکہ میں اشاعتِ اسلام کی تجویزیں پڑھا کرتا ہوں مگر بے دلی اور استکراہ کے ساتھ۔ لورپول اور امریکہ کے نام سے مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا ہی اور جوش کی بات بھی ہی۔ مجھکو جو بے دلی ہی وہ اس سے ہی کہ ہم ممالک دور و دراز میں تو اسلام کے پھیلانے کی تدبیریں کرنی چاہتے ہیں اور گھر کی خبر نہیں کہ یہاں چھینکتے ناک کاٹی جاتی اور لوگوں کو مرتد اور کافر بنانے کے لیئے حیلے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ ایک طرف پیغمبر صاحب فرماتے ہیں اَنَا اُبَاهِي بِكُمُ الْاُمَمَ یعنے قیامت کے دن میں فخر کروں گا کہ میری اُمت میں اس کثرت سے لوگ ہیں کہ دوسرے کسی نبی کی اُمت میں نہیں اور ساری عمر آپ نے اور سلف صالح نے اسی کوشش میں صرف کر دی کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کا گروہ بڑھے۔ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا[۴] اور ہمارے ان وقتوں کے علما ہیں کہ لوگ پکار پکار کر کلمہ پڑھ رہے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں مسلمانوں کا سا ظاہر رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور مولوی ہیں کہ ذرا سی خفیف اور مختلف فیہ بات کا الزام لگا کر زبردستی اُن کو دھکے دیئے چلے جاتے ہیں یوروپ کے لوگ جب اُن ہی دنوں اسلام نہ لائے۔ جب اسلام ماننے کی چیز تھا تو اب ایسی حالت میں کہ ہم موروثی مسلمانوں کو اس میں رہنا

---

[۱] طیار رہو اللہ اور رسول کے ساتھ لڑنے کو ۱۲ [۲] جنگ کا اشتہار دینا ۱۲ [۳] مذہب آسان سلیس ۱۲ [۴] اللہ کے دین میں جوق جوق چلے آرہے ہیں ۱۲

دشوار ہو رہا ہے کون اسلام قبول کیئے لیتا ہے اور لاکھوں کروڑوں ہیں دو چار دس بیس اس خیال کے ہوئے بھی تو اس سے اشاعت نہیں ہوئی جاتی۔

بھلا جن کے تشبہ سے اور تشبہ بھی فی العقائد نہیں کہ وہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے نہ ہوسکتا ہے بلکہ تشبہ فی اللباس تشبہ فی الاکل[51] تشبہ فی الرکوب[52] تشبہ فی المشی[53] تشبہ فی القیام[54] تشبہ فی القعود[55] تشبہ فی ای شئ[56] سے ہم کافر ہوں۔ اُن کا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کے ہوتے مسلمان ہونا ہند کے مسلمان کیوں تسلیم کرنے لگے تھے اور کریں تو سید احمد خاں خوشی کے ڈھول بجائیں کہ یہ جیتے اور مسلمان ہارے۔

اُن لوگوں نے یقین ہے عقائد کے سوائے اپنی حالتِ ظاہری بالکل نہیں بدلی ہوگی یا بہت کم بدلی ہوگی۔ اُمید نہیں کہ مسلمان بیبیاں گھونٹ کر پردے میں بیٹھی ہوں یا آیندہ بیٹھیں۔ امید نہیں کہ ان لوگوں نے طرزِ تمدن تبدیل کیا ہو یا آیندہ کریں۔ امید نہیں کہ یہ نومسلم نئے اُصولِ معاشرت عمل میں لائے ہوں یا آیندہ عمل میں لائیں۔ میں تو اپنی ذات سے ان کے حالات کی تفتیش کے درپے رہتا نہیں۔ مگر یہ آواز بھی کسی طرف سے میرے کان میں پڑی کہ دن کے دس بجے بھی ایک نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ہارمونیم[57] پر قرآن گایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ ہند کے مسلمانوں کا سا اسلام بلکہ میں تو کہوں گا عام طور کا اسلام یوروپ اور امریکا میں کوئی قبول کر نہیں سکتا اور مُنہ سے قبول کر بھی لے تو اُس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ کہ خدا اُن کو ہجرت کی توفیق دے۔ اور حضرت سلطانِ روم کی عملداری میں جا بسیں اور اُن کے ہم حالت عرب کے ابتدائی مسلمانوں نے آخر یہی کیا تھا۔ اور جب اُن لوگوں نے اسلام اختیار کیا ہے تو ہم جیسے متشدد مسلمان نہ سہی ان کو پورا پورا مسلمان بننا تو ضرور ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ[58] اور یوروپ میں گھر بیٹھے تو پورا مسلمان بننا معلوم۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

---

[51] کھانا ۱۲ [52] سواری [53] رفتار ۱۲ [54] برخاست ۱۲ [55] نشست ۱۲ [56] کوئی سی چیز میں مشابہت ۱۲ [57] انگریزی باجا ۱۲

[58] ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو وہ تمہارا کُھلا دشمن ہے ۱۲ [59] کیوں نہیں ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ گھر سے نکلے تاکہ دین کو سمجھیں اور اپنی قوم پاس واپس جا کر ان کو ڈرائیں شاید وہ بچیں ۱۲

یَحْذَرُوْنَ بے شک جہاں تک ہوسکے ہم لوگوں کو بھی اُن کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں ہمارے ہم وطن اُن سے کہیں زیادہ محتاجِ مدد ہیں۔ کیا یہ اتلافِ حق نہیں ہوگا۔ کہ ہم یورپوں اور امریکا کے نومسلموں کو جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام چندے تے بھیجیں اور اپنے ہم وطن بھائیوں کو برباد و تباہ ہونے دیں۔ وہ اگر اسلام لائے تو اپنی عاقبت درست کی۔ یہاں کے مسلمانوں سے بڑھ کر وہ ہماری ہمدردی کے کس طرح حق دار بن بیٹھے یَمُنُّوْنَ[۱] عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اُن لوگوں کو چندہ دیا بھی جائے تو اس شرط سے کہ ہم میں آ کر رہیں اور اپنی قومی شایستگی اور تربیت کے نمونے دکھا کر ہماری اصلاح کریں۔ اور مسلمان مشنریوں کا کام دیں۔ کیا اسلام لاتے ہی اُن لوگوں میں سے بھی ہیومن[۲] سمپیتھی کا سنس[۳] نکل گیا۔ یا اسلام لانے کا عاجل صلہ ہے کہ کلمہ پڑھا اور سوال شروع کیا۔ لیکن اگر بالفرض والتقدیر امریکا یا یورپوں کے نومسلم ہمارے اِن اضلاع میں آنکلیں تو علی گڈھ کے سوائے اَلْجِنْسُ[۴] یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ۔ اور تو کہیں اُن کا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ یوروپ اور امریکا کو مسلمان کرنا چاہو گے تو وہ جہاد کی دلیل جس کے ماننے کے سوائے کوئی چارہ ہی نہ تھا وہ تو اب پیش رفت جانے کی نہیں۔ اب رہیں دلائلِ عقلی تو تم نے خود عقل کو دین میں معطل کر رکھا ہے۔ بلکہ دین کی تخصیص بھی کیوں کروں دنیا میں بھی عقل کو معطل کر رکھا ہے۔ بھائیو یوروپ اور امریکا کو مسلمان کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے جنّوں کا اُتارنا ہے۔ آج ترقی کی ٹرین میں یوروپ اور امریکا دونوں کا فورموسٹ[۵] ہیں۔ اگر اسلام متعارف کو یوروپ اور امریکا میں لے جانا چاہتے ہو تو از برائے خدا اسلام کو مت رسوا کرو۔ اپنا گھٹنہ کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا۔ اور اگر اسلام متعارف کے سوائے دوسری قسم کا اسلام ہے اور اشارے اور کنائے میں کہنا کیا ضرور ہے سید احمد خاں کا سا اسلام ہے تو اہلِ یوروپ اور اہلِ امریکا ایز اے نیشن[۶] اس کو مانیں گے تو کیا مگر ہاں اِس قدر

---

[۱] ہم پر اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں تم اُن سے کہو اپنے اسلام کا مجھ پر احسان مت رکھو بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطے کہ تم اپنے بیان میں سچے ہو ۱۲ [۲] انسانی ہمدردی ۱۲ [۳] صفت ۱۲ [۴] کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۱۲ [۵] سب سے آگے [۶] من حیث القوم ۱۲۔

وحشت جو اسلام متعارف سے کرتے شاید نہ کریں۔ مذہب کے اعتبار سے یوروپ اور امریکا ہم سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہاں کے ملکی دماغوں میں یہ خلل ہی۔ کہ سرے سے خدا ہی کو نہیں مانتے۔ کیسا مذہب اور کہاں کا اسلام یہ سمجھے رہنا۔ کہ میں ملک اور قوم سے بحث کر رہا ہوں نہ افرادِ خاص سے۔ بے شک اِن میں خدا کے بندے ایسے بھی ہیں۔ جو خدا کا ادب کرتے اُس سے محبت رکھتے۔ اور محبت کے ساتھ ڈرتے بھی۔ اور شاید اِن میں سے بعض کو عیسائیت سے تسلی نہ ہوتی ہو اور نجات کے لئے اُن کو دوسرے مذہب کی تلاش ہو۔ لیکن کوئی سا مذہب بھی ہو اُس میں خلافِ قیاس تو نہیں برتر از قیاس باتیں ضرور ہوں گی۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ تو جو شخص عقل کے بدون ٹکرحا توڑ تا نہیں چاہتا وہ کیوں کسی دین و مذہب کا معتقد ہونے لگا۔ ہر ایک چیز کا ایک وقت ہوتا ہی۔ یہ زمانہ افراطِ عقل کا ہی تو کل مذاہب شکی ہو رہے ہیں۔ ازاں جملہ اسلام بھی۔ تعلیم تو ناحق نکو بن رہی ہی میں کہتا ہوں اسلام شکی ہو رہا ہی تقاضائے وقت اور انگریزی عملداری سے۔ یہ کسی کمینے اور ناا حسان مند آدمی کا کام ہی کہ برٹش گورمنٹ پر مذہبی پارشیلٹی یا مذہبی انٹرفیرنس کا الزام دے لیکن نیوٹریلٹی ہی سے کوئی مذہب شکی ہونے لگے تو یہ مذہب کا قصور ہی نہ برٹش گورمنٹ کا۔ مثلاً گورمنٹ کی نیوٹریلٹی اس بات کی متقاضی ہی کہ وہ اپنی تمام رعایا کو کسی قوم کسی مذہب کے ہوں صداقت کے ایک درجے میں سمجھے۔ اور ان ہی اصول پر تمام معاملات تصفیہ پا رہے ہیں۔ لیکن فرض کرو ایک مذہب ایسا ہی جو دوسرے مذہب والوں کو صرف اُن کے مذہبی معتقدات کی وجہ سے عموماً جھوٹا سمجھتا ہی تو ایسا مذہب گورمنٹ کی نیوٹریلٹی سے کیوں کر ریکنسائل ہو سکتا ہی۔ یا مثلاً گورمنٹ اور اُس کی اکثر رعایا مسلمان نہیں ہی وہ بے محابا سود لیتی اور دیتی اور دلواتی ہی۔ سرکاری محاصل میں آبکاری اور بہت سی دوسری رقمیں شامل ہیں جو از روئے شرعِ اسلام ناجائز ہیں۔ سرکار رجم اور قطعِ ید کی جگہ جرمانے کرتی اور اِن ناجائز رقموں سے ملازم تنخواہ پاتے ہیں یک قلم

---

۵۱ ہرطرف اڑ رہے ہیں ۱۲ ۵۲ طرف داری ۱۲ ۵۳ مداخلت ۱۲ ۵۴ ناطرف داری ۱۲ ۵۵ متفق سازگار ۱۲۔
۵۶ سنگسار کرنا ۱۲، ۵۷ ہاتھ کاٹنا ۱۲۔

نوکری پیشہ لوگوں کی آمدنی شرعاً جائز یا ناجائز جیسی ہو خود نوکری پیشہ اس کا فیصلہ کریں۔ میں تو مدت ہوئی تو سوچے ہے پورے کر کے نوکری سے تائب ہو گیا ہوں۔ رہی تجارت تو کل اقسام تجارت میں صرف وہ تجارت قابلِ قدر ہی جو یوروپ کے ساتھ ہو اور گو بمبئی اور بوہرے اور پنجابی یعنی تمام ہندوستان کے تمام مسلمان سوداگر ایک زبان ہو کر انکار کریں تو بھی نہ ماننا۔ یوروپ کی تجارت سود سے پاک ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

زمینداروں اور کاشتکاروں کی حالت پر نظر کرو تو فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ [۵۱] کے مصداق ہیں کیوں ہیں۔ یہ محل اس بحث کا نہیں۔ مگر معلوم ہو کہ ہیں اور ان کو مردار بھی حلال ہو۔ اب ان کے سوائے معاش کا کوئی اور ذریعہ تم میں سے کوئی بتائے جو شائبۂ حرمت سے بری ہو پس مسلمانوں کا حال کیا ہو۔ حرام و حلال کا تفرقہ نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے۔ ہائے ہائے کیا حدیث یاد آئی ہو۔ یہ اُم الخبائث [۵۲] شراب اسلام میں ایک دم سے حرام نہیں ہوئی۔ مگر اس کی مذمت کی آیتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ صحابہ رضؓ میں جو لوگ محدَّث تھے تاڑ گئے کہ انجام کیا ہونا ہی۔ چنانچہ عمرؓ بار بار کہتے تھے۔ [۵۳] اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا۔ لیکن جن کے ذہن اتنے رسا نہ تھے اس نکتے کو نہ سمجھے اور کیوں کر سمجھتے۔ خدا فرماتا تھا يَسْأَلُونَكَ [۵۴] عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا تو اکثروں نے خیال کیا ہو گا کہ اِدمان [۵۵] یا افراط مذموم ہو۔ اور خدا کا مطلب یہ تھا کہ پہلے شراب اور جوئے سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو لے تو حکم حرمت نازل کروں تا کہ لوگ بطوعِ خاطر تعمیل کریں۔ چنانچہ آخر کار نصِ صریح نازل ہوئی يَا أَيُّهَا [۵۶] الَّذِينَ

۵۱ تو جو بھوک سے بے قرار ہو اور گناہ کی طرف اُس کے دل کا میلان نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہو ۱۲ ۵۲ ای خدا شراب کے بارے میں ہم کو کوئی صاف حکم ملے ۱۲ ۵۳ گندی باتوں کی جڑ ۱۲ ۵۴ لوگ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو تم یہ جواب دو کہ ان میں بڑا گناہ ہو اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور فائدے سے ان کا گناہ بہت بڑھ کر ہو ۱۲ ۵۵ شراب کو لازم کر لینا ۱۲ ۵۶ ایمان والو شراب اور جوا اور پرستش کے تھان اور پاسے نرے واہیات ہیں کارِ شیطان شیطان تو یہی چاہتا ہو کہ شراب اور جوئے سے تم میں عداوت اور دشمنی ڈال دے اور تم کو یادِ خدا اور نماز سے روکے تو اب بھی تم باز آؤ گے یا نہیں ۱۲

اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ ہَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ سُن کر سب پکار اُٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا[51] ایک وہ تھے کہ ایک بار ہَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ سُن کر اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا پکار اُٹھے اور خدا رحم کرے ایک ہم ہیں کہ تیرہ سو برس سے شہر شہر قصبے قصبے گانو گانو میں ہَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ کی آواز پڑی گونج رہی ہے اور بجائے اِنْتَهَيْنَا کے جواب دیا جاتا ہے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سنا مگر ہم مانتے نہیں)۔ خیر نص حرمت خمر سُن کر بعضوں نے گولیں لنڈھا دیں مٹکے توڑ ڈالے۔ مشکوں کے دہانے کھول دیئے اور بعض کو لالچ آیا کہ شراب جیسی قیمتی چیز مفت کیوں ضائع ہو سرکہ بنانا چاہا۔ آن حضرت ؐ تک خبر پہونچی۔ سُن کر بہت ناخوش ہوئے اور سختی کے ساتھ حکم دیا کہ جس کے پاس شراب ہو تلف کر دے جو تم کرنا چاہتے ہو ایسی ہی حرکت یہود بے بہبود نے بھی کی تھی حُرِّمَتْ[52] عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَاَجْمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا وَاسْتَصْبَحُوْا بِهَا۔ لیکن ہم مسلمانوں کا حال کیا ہے۔ کتاب اللہ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور کاش بالائے طاق رکھتے نہیں۔ نَبَذُوْهُ[53] وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ہم اپنے اعمال کو قرآن سے ملا کر دیکھیں اور دیکھیں بھی تو انصاف کے ساتھ تو پائیں گے کہ ہم میں نہ وہ اگلے مسلمانوں کی سی ہمدردی ہے اور نہ وہ اسلامی اخوت (بھائی چارہ) ہے نہ وہ اسلامی غیرت ہے نہ وہ اسلامی خودداری ہے نہ وہ دل ہیں نہ وہ دلوں کی نیکی ہے نہ وہ دماغ ہیں نہ وہ خیالات ہیں بذلِ اموال کا کیا ذکر ہے وہ لوگ خدا کی راہ میں بذلِ نفوس بھی دریغ نہیں کرتے تھے وہاں جان بازیاں تھیں یہاں نری بازی اور بازی بھی نہیں بازیچہ اور بازیچہ بھی بازیچۂ اطفال۔ ایک حدیث ایسی ہے کہ آن حضرت ؐ نے فرمایا ہے تم پچھلی امتوں کی تمام ادائیں پوری کر کے رہو گے شِبْرًا[54] بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ پچھلی اُمتوں سے مراد ہیں یہی یہود و نصاریٰ۔ سو یہود کا حال تو ناگفتہ بہ ہے۔ الفاظ و عبارت کی تو میں کہتا نہیں اُنھوں نے عملاً توراۃ کو منسوخ کر دیا تھا جو تحریف کا بدتر سے بدتر پیرایہ ہے۔ رہے نصاریٰ ان کے

---

[51] ہم باز آئے ہماری توبہ ہے ۱۲ [52] اُن پر چربیاں حرام کی گئیں تو اُن کو پگھلا کر بیچا اور چراغ جلائے ۱۲ [53] پس پشت ڈال دیا ۱۲۔

[54] بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر ۱۲۔

یہاں بھی کتاب میں کچھ ہی اور کرتے کچھ ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا وہی شیوہ مسلمانوں نے اختیار کیا ہی اور زمانہ اس حدیث کی پیشین گوئی کی تصدیق کر رہا ہی۔ یوں احکام شرع کی بجا آوری میں کوتاہی کس سے نہیں ہوتی قطعہ

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

نمازیں قضا ہوتی رہتی ہیں۔ مجھ جیسے کم ہمتے بندۂ شکم روزوں سے جان چُراتے ہیں۔ اس خیال سے کہ تمام عمر میں ایک حج فرض ہی۔ جاڑوں میں حج ہونے لگے تو نطینہ کی طرف سے اطمینان ہو تب دیکھا جائے گا۔ ابھی مرے تھوڑے ہی جاتے ہیں۔ غالب ہی کہ دنیا ہی سے ہجرت کریں تو کریں حج تو ہوتا ہوا تا معلوم ہوتا نہیں۔ اوامر شرعی میں سب سے زیادہ مبغوض ہی زکوٰۃ۔ سو اول تو مسلمان بہت ہی کم صاحب نصاب ہیں اور جو ہیں معلوم ہی کہ زکوٰۃ نہیں دیتے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اور دیتے بھی ہیں تو پوری نہیں اور زکوٰۃ کے طور پر نہیں۔ پس کیا فرق کیا جا سکتا ہی ہم مسلمانوں میں اور یہود و نصاریٰ میں۔ انھوں نے کتاب اللہ کو صرف تلاوت کے لیے رکھا تھا نہ عمل کے لیے ہم بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں عمل و لا خیر صلاح۔ قرآن میں ایک آیت ہی اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ[1] اور اس آیت کے متعلق ایک اثر بھی ہی صحابی صاحب اثر کہتے ہیں کہ ابھی ہم کو مسلمان ہوئے پورے چار برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ خدا کے نزدیک ہم قابلِ ملامت ٹھہرے جب صحابہ کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو وائے ہم چودھویں صدی کے مسلمانوں پر نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمَلَامَةِ[2] وَاَوْلٰى بِهَا وَاَحْرٰى بِهَا اگرچہ مسلمان کیا دنیا اور کیا دین دونوں کے اعتبار سے تنزل کے اسفل السافلین درجے میں پہونچ گئے ہیں۔ مگر ان کا تنزل اتنا قابلِ افسوس نہیں جتنا ان کا تنزل سے

---

[1] کیا مسلمانوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا اور ان سچے احکام کے لیے جو ان پر نازل ہوئے ہیں ان کے دل عاجزی کریں اور ان لوگوں جیسے نہ ہوں جن کو پہلے دی گئی کتاب اور وہ اکتا اٹھے اور ان کے دل سخت پڑ گئے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں ۱۲ [2] ہم ملامت کے زیادہ مستحق اور قابل ہیں اور اس کے سزاوار ہیں ۱۲

بے خبر ہونا۔ ان کو تنزل کا شعور ہو تو شعور کے ساتھ تنبیہ بھی ضرور ہو اور تنبیہ ہو تو لا جرم اُچکنے کی نہیں تو سنبھلنے کی تدبیر کریں پر کریں کتنے بہتیں قوم اور قوم کی وسعت پر نظر کر سکتے ہیں۔ پھر کتنے ہیں جو قوم کی تباہی دیکھ کر متاذّی ہوں۔ پھر کتنے ہیں جو متاذّی ہوں اور کچھ کرنا چاہیں۔ اگرچہ اِن سوالات کا جواب ہوتے ہوتے آخر کار صفر ہوگا یا صفر سے متجاوز ہو کر کوئی مقدار منفی لیکن طبیب اگر ہو بھی کیا کرے گا جب بیمار اپنے تئیں بیمار ہی نہ سمجھنا اور اُلٹا علاج سے گریز رکھتا ہو۔ جہاں کچھ نہ ہوا اور ہونے کی توقع بھی نہ ہو وہاں یہ جو کچھ ہو رہا ہے بس غنیمت ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جو لوگ مسلمانوں کے رفارمر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض اُن میں کے ہیں بھی اُس چیز سے جس کی رفارم کی سخت ضرورت ہے اور اُسی کے رفارم پر مسلمانوں کی تمام تر بہبود و فلاح موقوف و منحصر ہے اس کی طرف کسی قدر بے توجہی کی جاتی ہے یا جتنا اہتمام اُس کے بارے میں ہونا چاہیئے نہیں ہوتا۔ وہ کیا چیز ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی خیالات۔ وہ خیالات ہماری اسی دلّی میں پیدا ہوتے اور اسی دلّی میں نشو و نما پاتے اور اسی دلّی میں زور پکڑتے اور ان کی درستی بھی ہوگی تو اسی دلّی میں ہوگی اور اسی دلّی سے ہوگی شیعہ سنّی کی تو میں کہتا نہیں کہ یہ تفرقہ خاندانِ نبوت کے ساتھ پیدا ہوا۔ لیکن وہابی بدعتی مقلد غیر مقلد دو ‌الّین ضالّین وغیرہ وغیرہ کہاں سے نکلے۔ اسی دلّی سے۔ اور کون جانتا ہے کہ ابھی یہاں سے کیسے کیسے اختلافات پیدا ہوں گے اور مسلمانوں میں کیسے کیسے فتنے برپا کریں گے۔ سید احمد خاں اور اُن کے اعوان و انصار خوب سمجھے رہیں کہ جب تک دلّی کی اصلاح نہ ہوگی نہ ان کا علی گڈھ کالج کچھ کر سکے گا نہ کانفرنس نہ انسٹیٹیوٹ نہ لکچر نہ تفسیر نہ آرٹکل نہ اخبار نہ رسالے۔ جس طرح تھرمامیٹر سے سردی گرمی کا اندازہ کیا جاتا ہے جس طرح منی مارکٹ سے امن کا۔ جس طرح نبض سے مرض کا۔ جس طرح میٹیرولاجیکل آبزرویشن سے برسات کا۔ میں دلّی کے مسلمانوں سے عام مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کرتا رہتا ہوں۔ سید احمد خاں نے تعلیم سے اپنا نمونہ دکھانے سے باہر جو کچھ کیا ہو اُس کو بھی بہتر سمجھتے ہیں۔ دلّی کا یعنے سید احمد خاں کے وطن کا تو حال یہ ہے کہ ابھی دو یا تین مہینے کا مذکور ہے یہیں کے میونسپل ہال میں اسی کانفرنس کا تمہیدی جلسہ ہو رہا تھا

لے یہ لفظ ضالّین کے دو طرح پر پڑھنے کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۔ کے نقدی کا بھاؤ ۱۲ ۔ کے ستارے جو ٹوٹتے ہیں اُن کا حساب و کتاب ۱۲

اور باہر با ہر مولویوں نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اور مَنْ[1] كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی منادی ہو رہی تھی۔ کانفرنس تو تھیٹر کی کمپنیوں کی طرح ایک دن دو دن حد تین دن اپنا کھیل کر کے رخصت ہوگا اور پھر جو اس کی روئی دھنکی جائے گی دیکھیے کہاں کہاں پہل اُڑ کر جائیں۔ ای جناب زُرْ[2] غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا پر مغرور نہ ہو جیئے گا اگر آپ کو کچھ کرنا ہی اور بے شک کرنا ہی تو دلّی میں کانفرنس کی ایک پرمننٹ برینچ (مستقل شاخ) قائم کیجئے کہ وہ ہر روز نہیں تو ہر ہفتے اور ہر ہفتے نہیں تو ہر مہینے اور ہر مہینے نہیں تو ہر تیسرے مہینے بس اس سے زیادہ نہیں اجلاس کیا کرے تب کچھ اثر ہو تو ہو وہ بھی شاید اور کہیں مدتوں میں جا کر۔ اس برینچ کا صرف یہ کام ہو کہ مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح کرے تو اصلاح کس قسم کی۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو مذہبی ٹالریشن[3] سکھائے ٹالریشن اسلام کی ابجد ہی اسی سے اسلام شروع ہوا جب ٹالریشن حد سے گزر گیا مجبوری اپنے تحفظ کے لیئے لوگوں سے لڑنا پڑا۔ رفتہ رفتہ ٹالریشن میں کمی آتی گئی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو وہ سبق ایسا بھولا کہ اب ہر چند یاد دلایا جاتا ہی نہیں آتا۔ یہ کیا دوسروں کے ساتھ ٹالریشن سے پیش آئیں گے جب کہ آپس ہی میں سازگاری اور صلح کاری قائم نہیں رکھ سکتے اور اس کے بدون ان کو فلاح ہوئی ہی اور نہ ہوگی۔ مذہبی خیالات کے متعلق دوسری بات جس کی میں صلاح دیتا ہوں یہ ہی۔ کہ دائرہ مذہب اب بھی بہت وسیع ہو گیا ہی اور یوماً فیوماً وسیع ہوتا چلا جاتا ہی اگر اس کو سکیڑ نہ سکو تو خیر اتنا تو کرو کہ یہ زیادہ پھیلنے نہ پائے۔ دائرہ مذہب کے سُکڑنے اور پھیلنے سے میری مراد یہ ہی کہ مسلمان ہر ایک بات کو مذہب میں نہ گھسیں اور حتی الامکان آزادی رائے کو قائم رکھیں۔ آزادی رائے کے قائم رکھنے کو نہ میں اپنی طرف سے کہتا ہوں بلکہ خدا جس نے دین اسلام کو پسند کیا اور فرمایا رَضِيتُ[4] لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا اور إِنَّ[5] اللهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ اسی کی مرضی ہی کہ ہم آزادی رائے کو ضائع نہ ہونے دیں يَا[6] أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ

---

[1] جو اپنی شرکت سے کسی قوم کے گروہ کو زیادہ کرے تو وہ اُن ہی میں گنا جائے گا ۱۲ [2] بدیر ملو تو محبت زیادہ ہو ۱۲۔
[3] برداشت۔ درگزر ۱۲ [4] ہم تمہارے دین اسلام سے رضا مند ہیں ۱۲ [5] اللہ نے تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند کیا ہی۔ تو تم اسلام ہی کے دین میں مرنا ۱۲ [6] ایمان والو بہت باتیں نہیں اچھا کرتے اگر تم کو بتا دی جائیں تو بری لگیں اور جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہی پوچھو گے تو بتا یا بھی جائے گا اللہ نے تمہاری یہ خطا معاف کی اور اللہ معاف کرنے والا بردبار ہی ۱۲۔ تم سے پہلے بھی لوگوں نے باتیں پوچھیں پھر لگے نافرمانی کرنے ۱۲

تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ قَدْ
سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ یہ آزادی راے نہیں ہو تو کیا ہو۔ پھر بنی اسرائیل کا
وہ قصہ جو سورۂ بقرہ میں ہو کہ خدا نے ذبح بقرہ کا حکم دیا۔ میں اُس وقت ہوتا تو صلاح دیتا مگر موسیٰ کی
نہ سُنی جو اُن کو لاٹھی کے زور سے سُناتے تھے تو میری کیا سنتے بہرکیف میں تو صلاح دیتا کہ ہندوؤں
کو تو خبر نہ ہو چکپے سے کالی گوری موٹی دبلی بچھیا بوڑھی سستی مہنگی جیسی ملے ایک گاے کہیں سے پکڑ کر
حلال کردو۔ وہ لگے موسیٰ سے حجتیں کرنے اُدْعُ[۵۱] لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ - اُدْعُ[۵۲] لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
لَنَا مَا لَوْنُهَا جوں جوں چھانتے گئے کرکرا ہوتا گیا۔ یعنی قیدیں بڑھتی گئیں۔ آخر کار گاے تو ذبح کی مگر
بڑی ہی مشکلوں سے فَذَبَحُوهَا[۵۳] وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ میں ایسی بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں جو صرف
ریجس[۵۴] زیل کی وجہ سے داخلِ مذہب ہو گئی ہیں۔ اور اگر میری راے غلطی پر ہو تو خدا معاف کرے
اور مجکو سیدھا رستہ دکھاے۔ میرا خیال یہ ہو کہ یہ غلو ابتداے اسلام میں بہت ہوا کیوں کہ اُن لوگوں کے
مذہبی ولولے اور جوش و خروش بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ان کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی
محبت اور عقیدت تھی کہ اُن کے تمام افعال اور اقوال اور حرکات اور سکنات اور نشست و برخاست
اور عادات اور اطوار اور اوضاع سب کو دین ہی سمجھتے اور دین ہی سمجھ کر ان کی تعمیل اور تقلید اور
پیروی اور نقل کرتے تھے۔ اور اگر صحابہ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی محبت اور عقیدت نہ ہوتی
تو کیوں کر ممکن تھا کہ اس قدر جلد درختِ اسلام بویا بھی جاتا جڑ بھی پکڑ لیتا اور پھل بھی لے آتا یعنی
اسلامی سلطنت بھی قائم ہو جاتی اور سلطنت بھی قایم ہو جاتی تو ایسی زبردست کہ اس نے تمام ربع
مسکون کو اپنی مٹھی میں لیا وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ میں اس محل پر چند مثالیں بیان کروں گا۔
جن سے مستمعین صحابہ کی محبت اور عقیدت کا کچھ اندازہ کر سکیں۔ قریش کو تو پیغمبر صاحب کے ساتھ شروع
ہی سے جانی دشمنی تھی اور اُنھوں نے پیغمبر صاحب کے ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں کی خو یاد نہیں

---

[۵۱] ہماری طرف سے خدا سے پوچھو کہ وہ بتاے گاے سے مراد کیا ہو ۱۲ [۵۲] ہماری طرف سے خدا سے پوچھو کہ وہ بتاے
گاے کیسی رنگ کی ہو ۱۲ [۵۳] گاے حلال تو کی مگر اُن سے توقع نہ تھی ۱۲ [۵۴] جوشِ مذہبی ۱۲-

کہ صلح حدیبیہ کا مذکور ہی یا فتح مکہ کا۔ اور جو بات میں بیان کرنے والا ہوں وہ ابوسفیان کا مقولہ ہی یا
کسی اور شخص کا جو قریش کی طرف سے ایلچی بن کر آیا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ واقعہ تاریخی کہ قریش
اپنے اعوان و انصار سمیت لڑنے کے لئے طیار تھے یہ شخص قریش کی طرف سے لشکرِ اسلام میں آیا۔ اور اُس نے
واپس جا کر قریش کو سمجھایا کہ احمقو کس سے لڑنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ میں فارس اور روم دونوں سلطنتوں
کے حال سے واقف ہوں۔ محمد صلعم کے ساتھیوں کی سی جاں نثاری میں نے کسی بادشاہ کی فوج
میں نہیں دیکھی۔ جہاں محمد صلعم کا پسینہ گرے ان میں کا ایک ایک متنفس اپنا خون گرانے کو فوزِ عظیم سمجھتا ہی۔
صحابہ کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ پیغمبر صاحب صلعم کے وضو کے پانی کی آبِ حیات سے قطرات عرق
کی جواہرات سے زیادہ قدر کرتے تھے۔ خونِ حجامت۔ تراش ناخن۔ بال۔ کپڑے۔ یعنے ہر چیز جس کو
پیغمبر صاحب کے ساتھ کسی طرح کی نسبت یا ادنیٰ ملابست تھی اُن کو جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔ ان لوگوں
کی اس درجے کی ارادت دیکھ کر پیغمبر صاحب کو ہمیشہ خوف رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ میری تعظیم میں حد
سے زیادہ مبالغہ کرنے لگیں۔ اور اسی خیال سے کئی مواقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھنا میرے مرے
پیچھے کہیں میری قبر کو نہ پوجنے لگنا۔

غرض جس نے پیغمبر صاحبؐ کی لائف پڑھی ہی وہ ضرور میری اس رائے سے اتفاق کرے گا
کہ صحابہ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ اس درجے کی محبت اور عقیدت تھی کہ ان کے تمام افعال اور اقوال
اور حرکات و سکنات اور نشست و برخاست اور عادات اور اطوار اور اوضاع سب کو دین ہی سمجھتے
اور دین ہی سمجھ کر اُن کی تعمیل اور تقلید اور پیروی اور نقل کرتے تھے۔ لیکن اگر پیغمبر صاحبؐ کے تمام
افعال و اقوال اور حرکات و سکنات اور نشست و برخاست اور عادات اور اوضاع اور اطوار دین ہی
ہوں تو لازم آئے بشریت سے پیغمبر صاحبؐ کی تجرید[1]۔ حالاں کہ آپ پکارے فرماتے تھے اور چوں کہ خدا
کہلواتا تھا دوسری بات فرما نہیں سکتے تھے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ[2] یہ تو قرآن ہوا
اور حدیث میں ہی لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ اور اسی حدیث

[1] جدائی علی حدگی ۱۲ [2] تم اُن سے کہو کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی آتی ہی ۱۲-

مضمون کو سعدی نے اقتباس کیا ہی اور کہتے ہیں۔ گاہے بحفصہ وزینب پرداختے و وقتے بالملائکہ مقرب در نساختے ۔ یہی سعدی حضرت یعقوب کے بارے میں کہتے ہیں قطعہ

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند	کہ ای روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوے پیراہن شنیدی	چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہان ست	دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

غرض حقیقتِ نبوت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ پیغمبر برزخ ہی بَیْنَ الْبَشَرِیَّۃِ وَالْمَلَکُوْتِیَّۃِ تو جو کام وہ بشری حیثیت سے کرے یا جو بات وہ بشری حیثیت سے کہے وہ خلاف دین تو نہیں ہونے کی مگر جزو دین بھی نہیں۔ مثلاً یہ کہ جب[ا] حضرت ہجرت کرکے مدینے تشریف لائے دیکھا کہ یہ لوگ کھجوروں کے نر و مادہ درختوں کا گابھا ملاتے ہیں۔ آپ نے بتقاضاے بشریت خیال کیا کہ یہ لوگ شرک بت پرستی اور بے دینی کی وجہ سے مبتلاے اوہام تو ہیں ہی کہیں درختوں میں نر و مادہ کی تفریق اور گابھے کا ملانا اسی قبیل سے نہ ہو آپ نے گابھا ملانے کی ممانعت کردی نتیجہ یہ ہوا کہ درخت بارور نہ ہوئے لوگوں نے عرض حال کیا تو آپ نے فرمایا[۱] اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اس سے معلوم ہوا کہ گابھا ملانا دنیاوی بات تھی اور اس کے بارے میں آپ کا ارشاد واجب التعمیل نہ تھا۔ اس میں پیغمبر صاحب کی کچھ بھی کسر شان نہیں۔ وہ لوگوں کو خداے واحد کا گرویدہ کرنے آئے تھے نہ[۲] باغبانی سکھانے اسی طرح آپ کو شعر کہنا کیسا موزوں طور پر پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ تو کیا اس سے نبوت میں کسی طرح کا وہن آگیا۔ حاشا۔ یا مثلاً یہ کہ پیغمبر صاحب کو علمِ غیب نہ تھا[۳] لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ہی اس زمانے کے مشائخ میں کوئی جو اپنے مریدوں کے روبرو اپنی بے اختیاری اور درماندی کا اس طرح پر صاف صاف اقرار کرے؟ وہ دعوی

[۱] دنیا کی باتیں تم مجھ سے بہتر جانتے ہو ۱۲ [۲] علم فلاحت [۳] میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ فرشتہ ہوں ۱۲

نہ بھی کریں گے تو نجومیوں اور رمالوں کی سی مشتبہ بات کہیں گے تاکہ حاجت مند ہتے سے نہ اکھڑنے پائے
پیغمبر صاحب کی صداقت کی یہی تو بڑی دلیل ہو کہ اُنھوں نے فوق البشریت کسی بات کا دعویٰ ہی
نہیں کیا۔ اس کی تصدیق میں ایک بڑی عمدہ آیت پڑھتا ہوں [۵۱] وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ
اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ کس بلا کی تحدی ہو کہ
کیسے ہی ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہو گرما اُٹھے۔ مگر اس سب کا جواب کیا تھا۔ [۵۲] قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ تو مطلب یہ ہو کہ جس طرح لوازم البشریت موجب منقصت پیغمبر نہیں ہیں اسی
طرح جزو شریعت بھی نہیں ہیں بیر مونہ کے لوگ آئے اور جناب رسالت مآب سے درخواست کی کہ اصحاب
میں سے کچھ لوگ ہمارے ساتھ کر دیجیے کہ ہماری قوم کو چل کر احکام دین سکھائیں۔ آپ نے اُن کے کہنے
کو باور کر لیا۔ اُن نابکاروں نے صحابیوں کو راہ میں مار ڈالا۔ کوئی مسلمان کہہ سکتا ہو کہ پیغمبر صاحب
بحیثیت پیغمبری دھوکے میں آ گئے۔ یا مثلاً چند دیہاتیوں نے مدینے میں آ کر ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں
آب و ہوائے مدینہ نے اُن سے کی ناسازگاری۔ آپ نے حکم دیا کہ تم فلاں جگہ ٹھہرو اور صدقے کی
اونٹنیاں دودھ پینے کو عنایت فرمائیں۔ وہ اونٹنیاں لے چلتے ہوئے اس طرح کی میں سینکڑوں نہیں
ہزاروں مثالیں پیش کر سکتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ بہت سی باتیں ہیں نری دنیاوی اور وہ
شروع سے داخل دین سمجھی گئی ہیں۔ اور یہی وجہ ہوئی کتب احادیث میں ان کے لکھے جانے کی مثال
کے لیئے طب نبوی کو لو۔ بے شک ایسا ہوا ہو کہ بعض اوقات پیغمبر صاحب نے کسی مرض کے لیئے

---

[۵۱] اور کہتے ہیں ہم تم پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ تم زمین سے ایک چشمہ جاری کر دو یا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو
اور تم اُس میں نہریں بہا دو یا جیسا کہا کرتے تھے ہم پر آسمان کے ٹکڑے برسیں یا ہمارے مواجہے میں خدا اور ملائکہ کو لا حاضر
کر دو یا تمھارے یہاں سونے چاندی کا محل ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمھارے منتر کو ماننے والے نہیں مگر یہ کہ ہم پر کتاب
اُترے اور ہم اُس کو آپ پڑھیں ۱۲ [۵۲] تم جواب دو سبحان اللہ کیا میں آدمی اور خدا کا رسول ہونے کے علاوہ کچھ اور چیز ہوں ۱۲

کوئی دوا یا تدبیر بتادی۔ میں اس کو ایک دنیاوی بات کہتا ہوں اور میں کیا کہتا ہوں پوچھو حکیم عبد المجید خاں صاحب سے کہ یہ قانونِ شیخ پر علاج کرتے ہیں یا طبِ نبوی پہ تو کیوں طبِ نبوی دنیاوی بات ہوا اور ہی عمل کرنا غیر ضروری اور دوسری باتیں اس سے کہیں اخف و اَہوَن دنیاوی نہ ہوں۔ اگر صرف کتبِ حدیث میں ہونا دینی ہونے کی شناخت ہو تو طبِ نبوی اور دوسری بہت سی باتیں یکساں ہیں اسی طرح مثلاً یہ جو مشہور ہے کہ سر کے سارے بال رکھنے سُنت ہیں۔ بے شک معلوم ہے کہ پیغمبر صاحبؐ کے سارے سر پہ بال تھے مگر اس کو لغوی سنت کہنا تو ٹھیک ہے مگر دینی سُنت کہنے سے لازم آجائے گا اس کا اتباع۔ اور پھر ایک بال ہوں تو مضایقہ نہیں۔ اس طرح کی سینکڑوں باتیں نکلیں گی جتنی باتیں وتنی قیود جتنی قیود وتنی سختی جتنی سختی وتنا حرج۔ اگرچہ شروع شروع کے مسلمان عموماً ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں پیغمبر صاحبؐ کی پیروی اور نقل کرنی چاہتے تھے اور میں اُن کے اس خیال کو ایک طور پر بڑی عزت اور استحسان کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ پھر بھی اس بارے میں اُن کے مدارج کو متفاوت پاتا ہوں میں اکثر تعجب کیا کرتا ہوں حضرت عمرؓ اور اُن کے بیٹے عبد اللہ رضؓ پر۔ باپ کی وہ شدت کہ درخت بیعت رضوان کو جس کا مذکور قرآن میں ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ[1]۔ اکھڑوا پھینکا۔ بیٹے کی یہ احتیاط کہ پیغمبر صاحب کی کوئی ادا رہ نہ جائے۔ میں جانتا ہوں اگر اس کا پتہ مل سکتا کہ پیغمبر صاحبؐ ایک سکنڈ میں کتنے سانس لیتے تھے یا کَے بار آنکھ جھپکاتے تھے تو ابن عمرؓ اس کو بھی دین سمجھ کر کرتے اور التزام کے ساتھ کرتے۔ وہ ایسی ذری ذری سی باتوں کا خیال رکھتے تھے کہ اگر اُس راہ سے سفر کرنے کا اتفاق ہوا جدھر سے پیغمبر صاحب کا گزر ہوا تھا تو ادبداکر وہیں اُترتے جہاں پیغمبر صاحب اُترے۔ وہیں سوتے جہاں حضرتؐ سوئے۔ اور اُسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے جس جگہ حضرتؐ نے نماز پڑھی مثلاً راستے کے داہنے ہاتھ ٹیلے کے پاس نشیب میں ابن عمرؓ کے معاصر اُن کی ان باتوں کو جس نظر سے دیکھتے تھے وہ ایک اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیب یعنی مقام محصب میں ٹھہرنے کو ابن عمر سنتِ پیغمبر سمجھتے تھے اس واسطے کہ واقع میں پیغمبر صاحب مکے سے لوٹتے وقت وہاں ٹھہرے

---

[1] اللہ مسلمانوں سے خوش ہو گیا جب وہ ایک درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے ۱۲۔

تھے لیکن ابن عباس کہتے ہیں لَیْسَ التَّحْصِیْبُ بِشَیْءٍ اِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ[1] اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقولہ ہے اِنَّمَا نَزَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ کَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ[2] ان باپ بیٹوں میں میرا تو کیا مونھ ہے کہ ایک کا تخطیہ اور دوسرے کی تصویب کروں۔ لیکن یوں جس کا جی چاہے جتنا چاہے اپنے اوپر تشدد کرے۔ گفتگو اس میں ہے کہ وہ تشدد داخل دین بھی ہے یا نہیں۔ رہبانیت کیا چیز تھی وہ بھی ایک طرح کا تشدد تھا اِبْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ[3] آں حضرت صلعم نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا سواری کوتل اور آپ پاپیادہ حج کے لیے گھسٹتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ فرمایا نیک بخت کیوں لاحاصل زحمت اٹھاتی ہے۔ سوار کیوں نہیں ہو لیتی۔ ایک اور صاحب تھے انھوں نے ناک چھدوا کر ایک ڈوری پروئی تھی اور جس طرح مداری ریچھ کو لے چلتا ہے اُن کو کوئی آدمی اس خاص ادا سے حج کرانے لیے جا رہا تھا۔ پیغمبر صاحبؐ نے دیکھ کر یہ سوانگ موقوف کرایا۔ خود پیغمبر صاحبؐ کی صاحبزادی زینبؓ نے مسجد نبوی کی چھت میں ڈوری لٹکائی۔ رات کو ذکر الٰہی کرتیں اور بال ڈوری سے باندھے رہتیں کہ نیند آئے تو جھٹکے سے آنکھ کھل جائے۔ پیغمبر صاحبؐ دیکھ کر ناخوش ہوئے اور ڈوری کھلوا دی۔ ایک صحابی کھیتی کرتے تھے۔ شام کو تھکے ماندے گھر آتے سویرے سے جماعت کے ساتھ نماز عشا پڑھ کر سو رہتے۔ معاذ ابن جبل تھے امام ایک دن خدا جانے اُن کے جی میں کیا آئی کہ نماز عشا میں سورۂ بقر شروع کر دی۔ کاشت کار بیچارہ بہت سٹ پٹایا۔ اور سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ نیت توڑ الگ نماز پڑھ کر گھر کا رستہ لیا۔ آں حضرت کو اس کی خبر لگی تو آپ پر بہت ناخوش ہوئے اور تین بار فرمایا اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ[4]۔ ایک شخص نے تلاوتِ قرآن کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا مہینے میں ایک۔ اُس نے عرض کیا میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا دو۔ اُس نے عرض کیا میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں فرمایا تین۔ اُس نے پھر عرض کیا میں زیادہ پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا ہفتے میں ایک اس سے زیادہ نہیں۔ یہ رمضان کی تراویح جو

---

[1] محصب میں ٹھیرنا کچھ چیز نہیں وہ ایک اُترنے کی جگہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اُتر پڑے ۱۲ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم محصب میں صرف اس غرض سے ٹھہرے کہ مکے سے روانہ ہونے کی وہاں سے آسانی تھی ۱۲ [3] انھوں نے رہبانیت کو آپ ایجاد کیا ہم نے اُن پر فرض نہیں کی مگر انھوں نے اس کو ایجاد کیا اللہ کو خوش کرنے کے لیے ۱۲ [4] معاذ کیا تو لوگوں کو مصیبت میں ڈالتا ہے ۱۲

حضرت عمرؓ کے وقت سے شروع ہوئی ہو صحابہ نے آں حضرت کی زندگی میں بہتیرے ہی زور مارے
آں حضرت صلعم اس کو طرح ہی دیتے رہے صوم الدہر کی ممانعت آپ صاحبوں نے سُنی ہی ہوگی۔ بڑے متشدد
کو بھی آپ نے صوم داؤد دیتے ایک دن بیچ کی بمشکل اجازت دی پیغمبر صاحبؐ نے صحابہ میں مواخات
کرادی تھی۔ ان میں سے ایک صحابی اپنے برادرِ خواندہ کے یہاں مہمان گئے صاحبِ خانہ کی بی بی کو دیکھا
کہ شوہر دار عورتوں کی سی ان میں کوئی بات نہیں۔ پوچھا تو ان بی بی نے کہا تمھارے بھائی کو تو عبادت
آلہی سے فرصت نہیں۔ بناؤ سنگار کس کے لیئے رات کو دونوں بھائی ایک مکان میں سو گئے صاحبِ
خانہ جب جب نماز کے لیئے اُٹھنے کا قصد کرتے۔ مہمان کہتے ابھی نہیں۔ آخر جب تہجد کا وقت آیا۔ دونوں
نے نماز پڑھی۔ اور مہمان نے صاحبِ خانہ سے کہا کہ تم پر تمھارے نفس کا حق ہو تمھاری بی بی کا حق ہو مہمان کا
حق ہو۔ اور ایک خدا کا بھی حق ہو۔ تو ہر ایک حق دار کو اس کا حق پہونچاؤ۔ آں حضرت نے سنا اور مہمان
کی تصویب فرمائی۔ اور خود آں حضرت کا تو حال یہ تھا کہ نماز پڑھا رہے ہیں پیچھے سے کسی عورت کے بچے
کے رونے کی آواز آئی اور آپ نے جلدی جلدی نماز تمام کی۔ ان باتوں سے اور ایسی اور بہت سی
باتوں سے ثابت ہو کہ دین میں تشدد کرنا شارع اسلام کو ناپسند تھا۔ مگر لوگوں نے جوش میں آکر
از خود اپنے شوق سے کیا۔ اگلوں کا کرنا پچھلوں کے لیئے پسند ہوتا گیا۔ خیر ایک سنت پیغمبر تھی سو تھی۔
اس پر مستزاد ہوئی سنت صحابہ جس کو اصطلاح میں اثر کہتے ہیں وَھَلُمَّ جَرًّا ہر اُستاد کی سنت شاگردوں
کے اور ہر پیر کی سنت مریدوں کے لیئے۔ غرض ہر کہ آمد براں مزید کرد۔ کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس
لِم کو سمجھتا اور اسلام کو تشددات سے پاک کرتا۔ شدہ شدہ اب مسلمانوں کو دین نے ایسا اپنے شکنجے
میں کسا ہو کہ بیچاروں سے کچھ کرتے نہیں بن پڑتا۔ کانفرنس بڑا ہی ثواب لے اگر مسلمانوں کو ان
تشددات سے جو نہ داخل دین ہیں اور نہ شارع کی رائے تھی کہ داخلِ دین ہوں بچا لے۔ یکبارگی اور کچھ
نہ ہو سرِ دست اتنا تو ہو کہ دین اور زیادہ پاؤں نہ پھیلانے پائے۔ اگر مسلمانوں کا دین درست ہو جائے
تو اِن کا اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ لیکن مذہبی خیالات کے درست ہوئے بغیر تو سید احمد خاں
دوسرا جنم بھی لیں مسلمان دنیاوی ترقی نہیں کر سکتے۔

مذہب ہی کیا چیز - انسان کی نیچر کو گھڑی سمجھو تو مذہب اس کا رگیولیٹر[1] ہی - اس گھڑی کی سپرنگ[2]
کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ بے رگیولیٹر کی روک کے ہمیشہ تیز چلنا چاہتی ہی[3] اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ
بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ - یہ ہی ماخذ تشدید و تشدد کا جس سے کوئی مذہب خالی نہیں اور خالی ہونا
چاہیئے بھی نہیں - لوگ رگیولیٹر سے کام لینے میں غلطی کرتے ہیں - بجائے اس کے کہ رگیولیٹر کے ذریعے
سے سپرنگ کی رفتار کو دھیما کریں - چاہتے ہیں کہ سپرنگ کے زور کو معدوم کر کے گھڑی کو بے کار بنادیں
اسلام کی بڑی عمدگی یہی ہی کہ اس نے اس عام غلطی کی اصلاح کرنی چاہی - بے شک اصلاح ہوئی اور بہت
کچھ ہوئی[4] یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ - لیکن وہ تشدد جو شروع دنیا سے مذہب
کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا تھا دلوں سے کم تو ہوا مگر مٹا نہیں - حامل دین اسلام دو گروہ ہیں - علما اور
مشائخ - میں بیان میں اب تک علما کی طرف متوجہ تھا - حال آں کہ تشدید و تشدد کا الزام علما پر ایک
چھٹانک تو مشائخ پر ایک من نہیں بلکہ ایک ٹن - اگر تشدد نہیں تو طریقہ کوئی چیز نہیں - دیکھو ان کے
مجاہدات ریاضات ترک حیوانات اربعینات اور کیا اور کیا یہ لوگ اس کو کہتے ہیں نفس کشی اور میں کہتا ہوں خود کشی یہ سب
تدبیریں ہیں ابطالِ فطرت اور نقض قانونِ قدرت کی - اور یہی وجہ ہی - کہ دنیا میں کبھی کوئی مذہب
اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا - کامیابی سے مراد ہی اس مذہب والوں کا اطمینان کہ ہم امتحان
میں پاس ہوئے - جو مرتا ہی متشکی - کُنڈ منڈ[5] بائی ہم سلف - اور جب تک جیتا ہی اپنے قصور کا معترف اور
نجات سے مایوس - بات یہ ہی کہ مذہب کا کوہ گراں دیکھ کر لوگوں نے جوا چھوڑ دیا ہی - جس قدر بوجھ
اُٹھا سکتے اور خدا کو اُسی قدر اُن سے اُٹھوانا منظور ہی[6] لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُس کو بھی کندھا
نہیں دیتے - جانتے ہیں کہ قسائی کے گھر اول جانا آخر جانا کیوں لاحاصل زحمت اُٹھائی -
مذہب کی یہ حالت بڑی ہاربل[7] اور ڈِس اپوائنٹنگ[8] ہی - اور میں اس کو ہوپ فل[9] اور چیرنگ[10] بنانا چاہتا

---

[1] ایک پرزہ ہی جو کمانی کے کھلنے اور سکڑنے کو تیز یا سست کرتا ہی ۱۲ [2] کمانی ۱۲ [3] انسان کا نفس بدی کی خواہشیں بہت کیا کرتا ہی مگر یہ کہ خدا اپنی مہر رکھے ۱۲ [4] لوگوں سے ان کے بوجھ ہلکے کرتا اور ان پر جو قیدیں ہیں ان کو توڑتا ۱۲ [5] آزادی مجرد ۱۲
[6] اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر اس کی طاقت کے ۱۲ [7] خوفناک ۱۲ [8] مایوسانہ ۱۲ [9] امید دلانے والا ۱۲ [10] خوش کن ۱۲ -

ہوں۔ اور یہی اصل مطلب ہی جس کو کانفرنس پر موسٹ[1] فورسبلی پریس[2] کرتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ بات کا
پہلو بدلوں ایک دخل مقدر کے دفع کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہی۔ باوجودیکہ تشدد اعلیٰ درجے کا
تشدد صلیب عیسائیت میں داخل ہی اس پر بھی عیسائی دنیاوی ترقی کے معراج الکمال پر پہونچ گئے
ہیں۔ اور مسلمان ہرچند ان کے اصل مذہب میں تشدد نہیں سختی نہیں اور جو تشدد اور سختی دیکھتے ہو وہ خارج سے
اس میں گھس پڑی ہی۔ اس پر بھی ان کی دنیاوی حالت ابتر ہوتی چلی جاتی ہی۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ
عیسائی صرف نام کے عیسائی ہیں۔ ان میں جو تعلیم یافتہ صاحب الرائے ہیں اکثر دہریئے یا ان کے
چھوٹے بھائی نیچری ہیں اور جو مذہب کا ادب کرتے ہیں انھوں نے ایک ایبسٹریکٹ[3] ریلیجن بنالیا ہی اور
اس کی دنیاوی باتوں میں انٹرفیئر[4] نہیں کرنے دیتے۔ نہ لوتھر[5] پیدا ہوتا نہ مذہبی غلامی سے ان کو آزاد
کرے اور نہ دنیاوی ترقی کے رستے میں یہ لوگ ایک قدم سرکیں۔ ہمارے یہاں بھی خدا نے لوتھر تو پیدا
کر دیا ہی۔ قوم کو بھی اس کی رائے پر عمل کرنے کی توفیق خدا دے تو بس سب کام سدھ ہیں۔ پانی نے
جگہ کر لی ہی اور قطرہ قطرہ جمع ہو رہا ہی انشاء اللہ ایک نہ ایک دن تمام مزاحمتوں کو ایسا بہا کر لے جائے گا
کہ کہیں پتہ بھی تو نہیں لگے گا۔ جھینگر دیکھا ہی؟ دیکھا تو ہوگا مگر شاید خیال نہ کیا ہو۔ اس کی دو بڑی بڑی
مونچھیں سی ہوتی ہیں۔ ان کو انگریزی میں فیلرز کہتے ہیں۔ یہ فیلرز جھینگر کو وہ کام دیتی ہیں جو ہم میں
اندھوں کو ہاتھ۔ ایسے ہی دو فیلرز خدا نے اہل یورپ کو بھی دیئے ہیں۔ بھلا اس پہیلی کو بوجھو تو کہ ان کے
دو فیلرز کیا ہیں۔ طبیعت پر زور دو۔ ہارے تو میں بتاؤں۔ اہل یورپ کے فیلرز ہیں مشنریز[6] اور
مرچنٹس[7] یہی دو گروہ پہلے دوستانہ یا درستانی بسم اللہ رسد غیر ملکوں میں جاتے اور وہاں کے حالات
کی ٹٹول کرتے اور آخرکار یورپ سے جھینگر کو چاٹنے کے لیئے لا بٹھاتے۔ بس اتنی ہی بات سے
سمجھ لو کہ مشنری گاسپل[8] کی منادی سناتے آئے ہیں۔ یا کانکرنگ[9] کی۔ اور سوداگر مال بیچنے جاتے
یا ملک خریدنے۔

---

[1] نہایت زور سے ۱۲ [2] یعنے کانفرنس کو زبردستی اس کی طرف متوجہ کرتا ہوں ۱۲ [3] خلاصۂ مذہب ۱۲ [4] مداخلت ۱۲
[5] انگریزوں میں بڑا نامی ریفارمر ہو گزرا ہی ۱۲ [6] پادری ۱۲ [7] سوداگر ۱۲ [8] انجیل ۱۲ [9] فتوحات ۱۲۔

اب تک میں نے جو کچھ بیان کیا۔ اس سے لوگ ایسا سمجھے ہوں گے کہ میں دینیات کی تعلیم کا مخالف ہوں اگر فی الواقع ایسا سمجھا گیا ہو تو میرے بیان کا قصور ہی۔ میرا مطلب صرف اس قدر ہی کہ دنیا اور دین میں جتنی علیحدہ گی شارع کو رکھنی منظور ہی باقی رہے۔ اتنی بات ملحوظ رکھ کر دینیات میں جو چاہو پڑھو اور جتنا چاہو پڑھو۔ بلکہ میں تو دینیات کی تعلیم کو ضرورت سے کم بہت کم سمجھتا ہوں۔ مثلاً بلادِ اسلام کا جغرافیہ اور مسلمانوں کی تاریخ۔ میں ان دونوں کو ضروریاتِ دین میں سے خیال کرتا ہوں۔ اور ہمارے ہاں دونوں سلسلۂ درس سے خارج۔ نتیجہ یہ ہی کہ حدیث پڑھنے بیٹھو جگہ جگہ مقامات کے پہاڑوں کے نام آتے ہیں بے اختیار جی چاہتا ہی کہ ان کی لوکیلٹی (موقع) معلوم ہو نہ کسی نے کبھی نقشہ بنایا اور نہ دیکھنے میں آیا۔ بہت تفتیش کی تو اتنا پتہ لگا وہ بھی کسی کا۔ بَلَدٌ فِي الشَّامِ[1] جَبَلٌ[2] عَلَى مَسَافَةِ عَشْرِ لَيَالٍ مِنْ مَكَّةَ۔ اِسْمُ مَاءٍ[3] وَكَانَ بَنُو فُلَانٍ يَنْزِلُوْنَ بِهِ رہی تاریخ باوجودیکہ مسلمان ضبطِ تاریخ میں کسی قوم سے ہیٹے نہیں رہے اور چوں کہ ان کا زمانہ متاخر ہی ان کی تاریخ بھی سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہی لیکن ازبس کہ عموماً تاریخ داخلِ درس نہیں پڑھے لکھے یعنے مولوی تک اسلام کی تاریخ سے گویا کہ ناواقفِ محض ہیں اور عوام تو اپنے پیغمبر صلعم کے حالات سے بھی اچھی طرح آگاہ نہیں۔ حدیث بھی ایک قسم کی تاریخ ہی۔ مگر مسلسل اور جامع نہیں اور وہ تاریخ کی حیثیت سے مدوّن بھی نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کو گدگدانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہی کہ ان کو ان کے بزرگوں کے حالات سے آشنا کیا جائے۔ اور یہ سمجھیں کہ ان کے بڑے کیا تھے اور انھوں نے کیسے کیسے کارنمایاں کیئے تھے۔ پھر کہاں تک ان کو غیرت نہ آئے گی اور کب تک عرقِ حمیت پڑی سویا کرے گی۔ مگر یہ اس سے نہیں ہونے کا کہ موٹی موٹی ضخیم کتابیں جو اٹھائی نہ اٹھیں بنا کر مسلمانوں کے سر ماریں۔ کسی کو ان کے خریدنے کا مقدور ہوا اور اس کو افکارِ دنیا سے فرصت بھی ملی اور تاریخ دانی کا مذاق بھی ہوا تو اس نے کبھی کبھی مشغلے کے طور پر سرسری نظر سے دیکھ لیں۔ نہیں۔ تاریخ اور جغرافیے کو کورس میں لینا ہوگا۔ دینیات کا ہو یا علومِ دنیاوی کا۔ انگریزی تعلیم میں تاریخ بڑی اہم

---

[1] ملکِ شام میں ایک شہر ہی ۱۲ [2] مکے سے دس دن کے رستے پر ایک پہاڑ ہی ۱۲ [3] ایک تالاب کا نام ہی جو فلان قبیلے کے لوگوں کا تھا اور وہ اس کے پاس آکر رہا کرتے تھے ۱۲۔

چیز بھی گئی ہے اور بلاشبہہ وہ بڑی اہم چیز ہی تھی۔ لیکن سرکاری تعلیم میں جو تاریخیں ہیں وہ ان ہی کے مطلب اور ان ہی کے ڈھب کی ہیں۔ ہم کو اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق کتابیں بنوانی ہوں گی۔ میٹیریل (مسالے) موجود ہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ کانفرنس کے فنڈ (سرمایہ) اگر کچھ ہوں۔ اس سے کسی بہتر مصرف میں انویسٹ (مشغول۔ بکار آمد) کیئے جا سکتے ہیں۔ بات یہاں تک پہونچی ہے۔ اس بنا پر کہ میں کانفرنس کو مسلمانوں کے مذہبی خیالات کے اصلاح کی صلاح دیتا ہوں۔ اگرچہ اسلام میں بہت سی باتیں جن کو دین سے کچھ علاقہ نہیں داخل دین ہو گئی ہیں۔ مگر تاہم ہندوستان کے دوسرے ادیان کے مقابلے میں بہت کچھ آزادی اسلام میں باقی ہے۔ اور اگر آزادی اصلی آزادی جو اسلام میں ہے حاصل نہ کی جا سکے اور بلاشبہہ اس کا حاصل کرنا ہی بھی مشکل تو جس قدر باقی رہی ہے اسی کی احتیاط کی جاے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ اتنی ہی آزادی کی بنیاد پر مسلمان بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں۔ اور یہی آزادی جس کے لیئے میں اتنی دیر سے غل مچا رہا ہوں اس آپس کی پھوٹ کو بھی روکے گی۔ یا کم سے کم اس کو کم کرے گی جس کی وجہ سے اسلام ضعیف ہوتا چلا رہا ہے۔ میں نے تو اس خیال کو ایسا پکا یا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کی تو میں تارِ عنکبوت کی برابر بھی حقیقت نہیں سمجھتا اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ۔ وہ سنی شیعہ کا بڑا اختلاف جس نے شروع سے مسلمانوں کو دو بڑی پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اصل دین کے اعتبار سے میں اس کو بھی فضول و لایعنی خیال کرتا ہوں اور اگر مسلمان میری آج کی باتوں کو سنہ نکلے اگرچہ بد اقبالی کی وجہ سے جو ان کے سر پر سوار ہے سنتے ہوئے نظر نہیں آتے لیکن اگر سنہ نکلے تو ایک دن بشرطِ زندگی سنی شیعہ کے اختلاف پر ایک خاص لکچر دوں گا۔ اور شاید اسی کانفرنس میں۔ اب مجکو تعلیم دینیات کے متعلق کانفرنس کو ایک صرف ایک صلاح اور دینی ہے۔ وہ یہ کہ مولوی لوگ تعلیم دینیات کے گویا ٹھیکہ دار ہیں۔ لیکن جو مولوی تعلیم دینیات کے ٹھیکہ دار ہیں وہ توکل پیشہ بھی ضرور ہیں۔ یہاں تک کہ جو مولوی توکل پیشہ نہیں عالم دین نہیں سمجھا جاتا یعنی عالم دین نے ہو کے لیئے توکل

لے گھروں میں سب سے بودا گھر مکڑی کا گھر ۱۲۔

پیشگی لازم ہے۔ اب ہم اسی ایک بات کو دیکھتے ہیں کہ آیا دین میں اس کی بھی کچھ اصل ہے یا نہیں۔
قرآن سے اتنا پتہ تو چلتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[1]
اس سے علما کے گروہ باشکوہ کے ہونے کی ضرورت تو ثابت۔ اب رہی توکل پیشگی تو اگر مولوی اپنی
آمدنی سے (جو اکثر نہیں بلکہ کل صدقات کی قسم میں سے ہے گو اس کو زبردستی ہدیہ قرار دیا جاوے۔)
رضامند ہوں وہ ضرور رضامند ہیں مجکو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ لینے والے جانیں اور
دینے والے۔ مگر مولویوں کی توکل پیشگی سے جو ایک بڑی قباحت پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے انسداد
کے لیئے جہاں تک مجھ سے ہو سکے ضرور اصرار کروں گا۔ وہ قباحت یہ ہے کہ مولوی لوگ دینیات کی تعلیم
ڈیرکٹلی[2] جیسی کرتے ہیں سو کرتے ہیں۔ ایک ان ڈیرکٹ[3] تعلیم ان کے اپنے نمونوں کی ہے جو وہ اپنے
تلامذہ اور معتقدین اور پبلک کو دکھاتے ہیں۔ مولوی نہ بھی کہیں تاہم اُن کے نمونے لوگوں کو سکھاتے
ہیں کہ دین داری یا کمال دین داری کے لیئے زہد و توکل شرط ہے۔ اور یوں مسلمانوں کو دنیا کی طرف
سے نفرت اور بے دلی پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اور دنیا کا حال یہ ہے کہ طلب صحیح پر بھی اس کا حصول
دشوار تو نفرت اور بے دلی کے ساتھ اس کو محال ہونا چاہیئے اور وہ محال ہے بھی۔ آخر مولویوں کی
معاش لوگوں کی امداد پر ہے تو کیوں اس امداد کو قاعدے کے پیرایئے میں لا کر مولویوں کو دوسرے مدرسوں کی
طرح تنخواہ دار ملازم نہ بنایا جائے۔ مولوی بھی عار صدقات سے بچ جائیں گے اور زہد و توکل ہی
باقی نہ رہے گا کہ لوگ اس کی تقلید کریں۔

میں دو پیغمبروں کو دیکھتا ہوں۔ ایک نے ایسا نہ زندگی کی گو وہ زندگی بہت ہی مختصر تھی۔
نہ بیاہ کیا نہ گھر بنایا۔ نہ کوئی پیشہ لے کر بیٹھے۔ نہ دنیا سے کسی طرح کا تعلق رکھا۔ اور اپنی قوم و امت کو
تعلیم بھی کی تو ایسی ہی کہ کل کے لیئے ذخیرہ مت کرو۔ دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی صمیم قلب سے
ایسی محبت رکھو جیسی اپنے اکلوتے فرزند سے۔ اگر تمھارے ایک گلے پر کوئی طمانچہ مارے دوسرا

[1] تم میں ایک گروہ ایسا بھی ہونا چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائیں نیکی کرنے کو کہیں بدی سے منع کریں ۱۲ [2] صاف طور سے ۱۲ [3] ضمنی طور سے ۱۲۔

بھی اُس کے آگے کردو کہ بھلا یا با اُور مار۔ ان کی تلقین کا لب لباب تھا ُجوگ۔ سنیاس۔ زُہد۔ ترکِ دنیا فقر۔ درویشی۔ اُن کی اُمت کو دیکھتا ہوں سلطنت کرتے ہوئے۔ اور سلطنت بھی ایسی ہیکڑ کہ اگر کوئی نظر بھر کر دیکھے تو اُس کی آنکھیں نکالیں۔ اور کتنوں کی نکال لی ہیں اور اب نکال لینے کو طیار ہیں۔ دولت مندی کا یہ حال ہے کہ مٹی سونا ہے اور سونا مٹی۔ دوسرے پیغمبر صاحب کو دیکھتا ہوں تو اُن کے اُصول ہی دوسرے ہیں وہ دنیا کو دنیا کی جگہ سمجھتے اور جس قدر کی وہ لائق ہے اس کی قدر کرتے اور فرماتے ہیں [1] رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اور [2] كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اور [3] مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اور [4] زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ اور [5] وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور [6] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ غرض ان کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ تھا کہ دنیا دار خدا پرست بنو۔ ایسے ہی وہ آپ تھے اور اپنی اُمت کو بھی وہ ایسا ہی بنانا چاہتے تھے اور جیسا بنانا چاہتے تھے بنا گئے تھے۔ اب اُن کی امت ہے خستہ حال۔ خراب۔ تباہ۔ مفلس۔ محتاج دوسری قوموں کی محکوم۔ مغلوب۔ بے وقعت۔ ذلیل۔ خوار۔ یعنے مسلمانوں نے عیسائیوں کی شان اختیار کر لی ہے اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی ؎

[1] اے پروردگار تو نے اس دنیا کو نکما تو نہیں بنایا ۱۲ [2] کھاؤ اور پیو اور فضول نہ کرو ۱۲ [3] اللہ کی بنائی ہوئی زینت کی چیزیں جو اُس نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کیں۔ اور پاک روزی ان کا حرام کرنے والا کون۔ اِن لوگوں سے کہدو کہ جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں قیامت کے دن یہ چیزیں خاص کر اُن ہی کو ملیں گی ۱۲ [4] لوگوں کو فریفتہ کر دیا گیا ہے خواہشوں کا عورتوں سے اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے ڈھیروں سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے اور چارپایوں سے اور کھیتی سے۔ یہ جیتے جی کے فائدے ہیں اور اچھا انجام خدا کے پاس ہے ۱۲ [5] اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ ان پر سواری کرو اور زینت کی چیزیں ۱۲ [6] جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا مالک بنائے گا جیسے اِن لوگوں کو بنایا جو اِن سے پہلے ہو گذرے ہیں ۱۲۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ۔۔۔ ز خاکِ مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجبی ست

اس سے بڑھ کر بوالعجبی یہ ہے کہ نذیر احمد مسلمان ہو کر اسٹے بیر پنشنر آف ہز ہائینس دی نظام ۔ اور لارڈ لینسڈون کرسچین ہو کر وائسرائے ۔ ان کو پنشنر آف نظام نہیں تو کم سے کم مولوی لینسڈون ہونا چاہیئے اور مجکو وائسرائے نہیں تو کم سے کم لارڈ نذیر احمد ۔ لارڈ نذیر احمد کے نام سے تم کو بڑی ہنسی آئی اور بے شک ہنسی کی بات بھی ہو مگر ہمارے ہی بھائی بندوں نے سلطنتیں کی ہیں ۔ ملک گیریاں کی ہیں ۔ ملک داریاں کی ہیں ؎

آگے تھے ابتدائے عشق میں ہم ۔۔۔ اب جو ہیں خاک انتہا ہی یہ

پندرھواں[1] لکچر فطرت اللہ

یہ لکچر انجمن حمایت اسلام لاہور کے آٹھویں سالانہ جلسے میں توحید یہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء کو دیا گیا یہ وہ مشہور لکچر ہی جس کی بنا پر لاہور کے مشہور مقدمات لائبل (توہین مذہب) وغیرہ عدالت میں ظاہر ہوئے اور جس طور پر اس قضیہ نامرضیہ کا خاتمہ ہوا وہ محرم علی صاحب چشتی اڈیٹر اخبار رفیق ہند کے معافی نامہ مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

معافی نامہ

میں محرم علی چشتی نہایت عاجزانہ طور پر سچے دل سے مولوی نذیر احمد صاحب سے معافی کا ملتجی ہوں ۔ مجھے نہایت ہی رنج ہی کہ میں نے اپنی تحریرات میں ان کی نسبت متعدد سخت الفاظ اور بلا موقع اور نا ملائم اور بیجا فقرے اور گالیاں لکھیں جن کی وجہ سے ان کو رنج اور تکلیف ہوئی۔

[1] سرکار نظام کا ایک وظیفہ خوار ۱۲ ۔ اس لکچر کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہی ۔ ناظرین سے میری عاجزانہ التماس ہی کہ براہ مہربانی اس لکچر کو غور سے پڑھیں اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں کہ اس میں کیا بس گھول کر ملایا گیا تھا جو اس قدر شور و شغب مچایا گیا ۱۲۔

اِن سب کی تلافی کا جو کچھ مجھ سے ممکن ہو میں سچے دل سے اور نہایت انکسار سے بذریعہ اس تحریر کے کرتا ہوں اور یقین واثق دلاتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کی بیجا تحریریں اُن کی نسبت شائع نکروں گا۔ اور نیز صفحہ اول رفیق ہند میں اس تحریر کو چھاپنے کے علاوہ اخبارات پنجاب میں جن کی تفصیل ۱۹ اپریل ۱۸۹۳ء کے رفیق ہند میں ہی اور جنھوں نے مولوی صاحب کے برخلاف لکھا ہو ایک ایک بار معافی کو مشتہر ہونے کے لیے بھیجدوں گا۔ نیز یہ اقرار ہو کہ میری طرف سے جس قدر استغاثے مولوی صاحب پر دائر ہوئے ہیں اُن سب میں بازدعویٰ داخل کر دوں گا۔ میں نہایت افسوس اُن بیجا دلائل اور لاطائل الفاظ کی نسبت کرتا ہوں جو میں نے اپنی تحریرات میں استعمال کیے۔ مولوی صاحب نے مقدمہ کا خرچہ معاف کر دیا ہو۔ راقم محرم علی چشتی ۱۹ - جون ۱۸۹۳ء مقام لاہور

دستخط انگریزی

رام ناتھ مجسٹریٹ درجہ اول لاہور

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[1]

اب سے غالباً پینتیس برس پہلے کا مذکور ہو کہ ایسٹ انڈین ریلوے کا وہ حصہ جو الہ آباد اور فتح پور کے درمیان واقع ہی کھولا گیا۔ میں اُن دنوں مدارس الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور مجھکو دورے کی ضرورت سے اکثر ریل پر سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چوں کہ ریل نئی چیز تھی۔ انتظام میں بھی بہت سے نقص تھے۔ اور لوگ ریل کے ضبطِ اوقات اور اُس کی قوتِ رفتار سے بھی اچھی طرح آگاہ نہ تھے ایکسیڈنس۔ (حادثات) اکثر واقع ہوتے رہتے تھے اُس وقت کی دو باتیں ابھی تک مجھے یاد ہیں۔ ایک ہنسی کی اور ایک افسوس کی ہنسی کی بات تو یہ ہی کہ اتفاق سے خبر نہیں کہاں کے۔ مگر وضع سے معلوم ہوتا تھا لکھنؤ کی طرف کے دو صاحب ایک سٹیشن پر گھنٹوں پہلے سے ریل کے منتظر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں گھنٹی ہوئی

[1] اللہ کی بناوٹ جس کے مطابق لوگوں کو بنایا اللہ کی خلقت کو کون بدلے یہ ہی ٹھیک دین لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ۱۲-

اور ریل کے کسی ملازم نے آواز دی کہ پچھم کے جانے والو ٹکٹ لینے چلو۔ اِن دونوں نے بھی ٹکٹ لیئے اور پھر فراغت سے اپنی جگہ جاکر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ریل آموجود ہوئی! اور لوگ گاڑیوں پر سوار ہونے کے لیئے دوڑے یہ دونوں بھی ٹکے گز کی چال سے چلے۔ اول تو جس تکلف سے اُنھوں نے اسباب اُٹھایا ہی قابل دید تھا۔ دونوں ہاتھ اور بستر۔ اسباب کی گٹھری۔ پاندان۔ حقہ اور اُس کے اجزاے ثلاثہ نیچہ چلم ٹکیوں کی تھیلی۔ ایک کفِ دست کے برابر ٹوپی جو سر پہ اوڑھے تھے یا اُنھی کے محاورے میں کیوں نہ کہوں سر پر دیئے تھے۔ وہ اور شاید ناشتہ بھی۔ اتنی چیزیں سنبھالنے کو اب مجھے یاد نہیں کہ اُنھوں نے اِن چیزوں کو کیوں کر سنبھالا۔ مگر گٹھری کو تو میں دیکھتا تھا۔ الگ سے چنگلی میں پکڑے تھے اور کمر بل کھا کھا جاتی تھی۔

اللہ اللہ کیا اختلاف اوضاع ہی ایک تو وہ ٹوپی تھی کہ میں نے اُس کو کفِ دست کے برابر بتایا اور ایک تمھارے صافے ہیں کہ باقی سارا لباس ایک طرف اور ایک سر بند ایک طرف۔ پھر مختلف بندش کی پگڑیاں ہیں اپنے ہاتھ کی باندھی ہوئی۔ دستار بندوں سے بندھوائی ہوئی۔ ایک منی ایچر آف دی پرامِڈز آف ایجپٹ آن دی سمالسٹ سکیل یعنی ننھا مُنّا اہرام مصر کا نمونہ پارسیوں کی پگڑی اگر کہیں نظر پڑی ہو۔ اور ایک منصب داری پگڑی ہمارے حیدر آباد کی ہی۔ ہلکی سبک۔ پگڑی کی پگڑی اور ٹوپی کی ٹوپی۔ عمامے ہیں پھیٹے ہیں۔ ہمارے ہاں کے نیچریوں کی وضع مختص لال پھُندنے دار ترکی ٹوپی ہی۔ نیچری تو یہاں بہت ہوں گے۔ مگر لال ٹوپیاں کم دکھائی دیتی ہیں اور خدا جانے کتنی قسم کی ٹوپیاں ہیں۔ جتنے سر اُتنی پوشتین اور وی لاسٹ وولوٹ دی لیسٹ (سب سے آخر مگر سب میں کم نہیں) ایک بنگالہ ہی کہ اُس کو ٹوپی یا پگڑی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ غرض ہمارا ہندوستان بھی عجیب مختلف الشئوون خطہ ہی۔ ہر ایک کی وضع نرالی۔ ہر ایک کی طرح جداگانہ۔ اور جتنا اختلاف ظاہر کا ہی اُس سے کہیں زیادہ مذہب کا معتقدات کا۔ تم کو تعجب ہوتا ہوگا کہ وہ بقدر کفِ دست ٹوپی سر پہ کیسے سنبھلتی ہوگی۔ اگر اوڑھنے کا ارادہ ہو تو تدبیر میں بتا دوں وہ ٹوپی آل پنیوں سے بالوں میں اٹکالی جاتی ہی لیکن اب پُرانی باتیں چھوٹتی چلی جاتی ہیں۔ اِلّا یہ ایک عجیب سیر دیکھنے میں آئی

ہی کہ جو صوبے بعد کو انگریزی عملداری میں آئے وہ جلد جلد انگریزی اثر سے متاثر ہوتے گئے۔

خیر تو وہ ریل کے دو مسافر اپنا سارا بکھیڑا لیئے ہوئے سوار ہونے کی غرض سے چلے پلیٹ فارم جانے کو اکیلے اکیلے ایک گلیارے میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ گلیارے کے سرے پر دونوں ٹھٹکے اب یہ اُس سے کہتا ہی کہ ای قبلہ آپ اور وہ اُس سے اصرار کرتا ہی۔ ای قبلہ آپ۔

یہ قبلہ قبلہ بیت المقدس تو نہ تھا کہ حکم آیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (ای پیغبر اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف کو پھیرلو اور تم لوگ کہیں بھی ہو اکرو مسجد حرام کی طرف اپنا مُونھ پھیر لیا کرو) اور حکم کے ساتھ سب کے سب کعبہ شریف کو مڑ گئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تحویل قبلہ کے بعد پہلی نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر جا رہے تھے راہ میں ایک مقام پر بیت المقدس کی طرف کو نماز جماعت ہو رہی تھی اُنھوں نے نمازیوں سے کہا تم کدھر کو نماز پڑھ رہے ہو۔ قبلہ تو بدل گیا اور میں آں حضرت صلعم کے پیچھے ابھی کعبہ کی طرف نماز پڑھے چلا آتا ہوں وہ لوگ رکوع میں تھے سنتے ہی کعبہ کو پھر گئے۔

غرض ہمارے ان لکھنوی دوستوں کا قبلہ قبلہ بیت المقدس تو نہ تھا کہ ایک حکم میں اس کی تحویل ہو جاتی۔ بلکہ وہ قبلہ تھا تکلف اور ظاہر داری کا۔ وہ قبلہ تھا دکھاوے کا۔ تپاک کا۔ وہ قبلہ تھا وقتی ضرورت پر نظر نہ کرنے کا۔ وہ نام کو قبلہ تھا اور حقیقت میں قطب از جا نجنبد۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریل نکل گئی اور یہ دونوں افسوس کرتے رہ گئے۔

دوسری حکایت یہ ہی کہ ایک مقام پر ریل کی سٹرک دور تک اونچا ٹیلا کاٹ کر نکلی تھی دونوں طرف ٹیلی کی سلامی دیواریں۔ بیچ میں سٹرک۔ میں نے کہا تھا نہ کہ یہ اُن دنوں کا مذکور ہی کہ ریل نئی نئی جاری ہوئی تھیں معلوم بیلوں کا ایک گلّے کا گلّہ کیوں کر سٹرک میں اُتر آیا۔ ڈرائیور نے دیکھ کر دور سے ڈراؤنی آوازیں نکالنی شروع کیں۔ پانی اُڑایا۔ غل مچایا۔ بیل کیا بھیں۔ یہاں تک کہ ریل اُن دونوں دیواروں کے بیچ میں آداخل ہوئی۔ دو بیلوں نے عجیب تماشا کیا۔ ایک تو بیچ سٹرک میں گردن جھکا کان کھڑے کر پھنکارے مارتا ہوا ریل سے ٹکر لینے کو تیار ہوا۔ اُس نے ریل کو شاید

بھینس سمجھا ہوگا۔ اور دوسرا دُم دبا کر نہیں بلکہ اُٹھا کر ریل کے آگے ہو لیا۔ اور باقی حیران و مبہوت ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کدھر جائیں کدھر نہ جائیں چٹکی بجاتے ہیں ریل نے اُس کا جو لڑنا چاہتا تھا اور اُس کا جو ریل کے آگے آگے بھاگتا تھا مگر ریل کی تیزی کو کیا پاتا اور اُن کا جو حیران و مبہوت تھے مگر کچھ کرتے نہ تھے غرض سب ہی کا قیمہ کر دیا۔ وہ ہائے ریل سین (منظرِ خوفناک) مجھے ابھی تک بھولا نہیں اور بھولے گا بھی نہیں۔

اِن دونوں حکایتوں سے سوچنے اور سمجھنے والے کے لئے بہت بڑی نصیحت نکلتی ہے۔ ریل کو سمجھو کہ وہ زمانہ کا نمونہ ہے۔ اور بیلوں کا گلہ ہم لوگ ہیں۔ اگر ہم زمانہ کی قوت رفتار سے واقف نہ ہوں تو۔ اور اُس کا مقابلہ کرنا چاہیں تو۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ نہ چل سکیں تو اور کچھ نہ کریں تو زمانے کی ریل ہم میں سے کسی کو سپیئر کرنے والی (چھوڑنے والی) نہیں۔ یہ وہ چکّی ہے کہ خدا کسی کو اس کے پاٹوں میں ڈالے ہی نہیں۔ پاٹوں میں آیا اور چاہے آٹا ہو یا گھن سب کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔ یہ وہ درانتی ہے کہ گیہوں یا سرسوں یا اسی جو کچھ اس کے مُنہ پر چڑھ گیا بے کاٹے نہیں چھوڑتی۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ زمانہ کی رفتار کو پہچانو۔ اُس کی قوت کو سمجھو۔ اور پھر یہ دیکھو کہ تم کن میں ہو۔ اُن لکھنؤ والوں کی ٹکے گز کی چال چل کر ریل پر سوار ہو لوگے یا زمانے کی ریل کا مقابلہ کروگے یا بھاگ کر اُس کی زُو سے بچ جاؤ گے۔ یا آنکھوں پر پٹّی باندھ کر کانوں میں روئی (پرانی روئی) ٹھونس کر زمانے کی ریل کی آمد سے بے خبر ہو رہو گے۔ گم سُم کھڑے دیکھا کروگے اور ریل اوپر اوپر چلی جائے گی۔ ریل کے پہنچنے میں اب کچھ دیر نہ سمجھنا۔ وہ آئی یہ آئی۔ بھاگو بھاگو بچو بچو۔

اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَا فَالنَّجَا

یہ عربی جملہ ؟ حدیث شریف ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اہل مکہ میں منادی کرائی کہ مجھکو تم لوگوں سے کچھ ضروری بات کہنی ہے فلاں وقت فلاں مقام پر جمع ہو جاؤ تو جو کچھ مجھ کو کہنا ہے تم کو اس سے آگاہ کر دوں۔ لوگ جمع ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ بھلا اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن کی فوج تم کو لوٹنے مارنے کے ارادے سے اس پہاڑ کی آڑ میں آکر چھپی بیٹھی ہے تو تم میری بات کا یقین کروگے یا نہ کروگے سب بولے کہ ضرور یقین کریں گے۔ کیوں کہ تم اپنی قوم کے بدخواہ نہیں جھوٹ بولنا تمھارا شیوہ

نہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ تمھاری خرابیاں حد سے گزر گئی ہیں اور نزولِ عذاب کا وقت آ گیا۔ اور اور میں نے مارے جلدی کے کپڑے بھی نہیں پہنے اور جیسا بیٹھا تھا تم کو ڈرانے کے لیئے بھاگا ہوا آیا ہوں۔

یہی مضمون قرآن میں بھی ہے مگر دوسرے الفاظ میں فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں مگر میں نے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقولہ سے تمثّل کیا تو صرف اتنی بات پر کہ میرا نام نذیر ہے اور جا بے یوں سمجھو کہ مجھی کو سوجھی۔ یا کسی دوسرے کے سمجھانے سے سوجھی مگر میں تمھارے اس بھرے مجمع میں اقرار کرتا ہوں وَلَا اُبَالِیْ کہ دوسرے کے سمجھانے سے نہیں بلکہ اُس کی دیکھا دیکھی سوجھی۔ کہ مسلمان دُنیادی تعزّز دُنیاوی تمول کے اعتبار سے تباہ اور برباد ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اصل میں غل مچانے والا سوتوں کو جگانے والا اُدر ہے اور میں تو اُس کی ہاں میں ہاں ملانے والا ہوں۔ وہ بھی اُس کی سی دل سوزی سے نہیں۔ اُس کی سی انگیزاہٹ سے دبے قراری نہیں میں تو سمجھا تھا کہ مسلمانوں کا بدقسمت گروہ اُبھرتا چلا ہے۔ اور جب **سر سید احمد** نے اہلِ پنجاب کو زندہ دل کا خطاب دیا تو میں نے ایسا خیال کیا کہ ایسا دور اندیش۔ ایسا تجربہ کار جس نے مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اور شبانہ روز اسی دُھن میں غلطاں پیچاں ہے۔ ایک خطہ کے مسلمانوں کی نسبت ایسی عمدہ رائے ظاہر کرے تو یہاں کے مُسلمان ضرور ایسے ہی ہوں گے لیکن سوائے اس ایک انجمن حمایت اسلام کے پنجاب کے مسلمانوں میں اور کوئی فلاحِ قومی کا کام کیا ہو تو بول اُٹھو۔ کیا اتنے بڑے پنجاب کو پنجاب کے اتنے سارے مسلمانوں کو بس اِس ایک انجمن کی اور ایسی انجمن کی حاجت تھی جس کی گزران محض توکل پر ہے **شعر**

زیادہ ہو گا توکل سے بھی کہیں روزہ	کہ اس میں آئی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

یاد تو کیوں نہ ہو گا مگر ایک مہینے سے بھی کم میں رمضان شریف تشریف لانے والے ہیں۔ اگرچہ گزشتہ سالوں کی سی سختی اب کے رمضان میں نہیں ہو گی۔ مگر آخر روزہ روزہ ہے۔ اُس وقت انجمن کی حالت کی تم کو قدر ہو گی اور تم پھر بھی جیسی قدر ہونی چاہیئے نہیں ہو گی کیوں کہ تمھارے یہاں

برس دن بعد رمضان آئے گا اور انجمن میں بارہ مہینے امیر خانی رمضان رہتا ہے۔

امیر خانی رمضان کا قصہ یہ ہے کہ امیر خان پنڈارا ایک لٹیرا آدمی تھا اور اُس نے اپنی قسم کے سپاہی جمع کر لئے تھے۔ ان لوگوں کو کبھی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ اتفاق سے نقالوں کا ایک طائفہ اس کے لشکر میں پہنچا اور لوگوں کو اپنا تماشا دکھانا چاہا۔ لوگوں نے عذر کیا کہ ہم کو دانے گھاس کی مشکل پڑی رہتی ہے۔ تم کو انعام واکرام کہاں سے دیں گے۔ سرگروہ طائفہ نے کہا کہ ہمارا تماشا کراؤ تو ایسی نقل کریں گے کہ شاید تمھاری تنخواہیں بھی تقسیم ہو جائیں۔ چنانچہ ایک شخص بہت بزرگ صورت جیسے ہماری انجمن کے نقیب الاولیاء (خان نجم الدین صاحب)[۱] موجود ہوئے طائفے میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کون بزرگ ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ رمضان شریف اتفاق سے وہ مہینہ شاید ربیع الاول کا تھا تو دوسرے نے حیران ہو کر پوچھا کہ رمضان شریف کے اس مہینے میں آنے کا کون سا موقع ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ تم کو معلوم نہیں میری تعیناتی امیر خاں کے لشکر میں ہے۔ صرف ایک مہینے کی رخصت ملتی ہے اسی میں سارے جہان میں پھر آتا ہوں اور پھر اپنے ٹھکانے آ لگتا ہوں سُنا ہے کہ یہ حکایت امیر خاں کے کان تک پہنچی اور اُس نے تنخواہ کے تقسیم کیے جانے کا حکم دیا۔

کیا ہمہ وقت کوئی آدمی تمھارے آگے جھولی پھیلائے کھڑا رہے۔ یا ہر ماہواری رسالہ میں تمھارے پاس عرضیاں بھیجی جایا کریں۔ یا ہر سالانہ جلسے میں تم کو یاد دلایا جائے کہ ایک انجمن ہے اور اُس نے قوم کی اُمید پر رفاہ قومی کے بہت سے کام اُٹھا رکھے ہیں۔ اُس نے ہول پراونس (دکن صوبے) کے یتیموں کو اپنی حفاظت میں لیا ہے اور یتیم آدمی کے بچے ہیں لاوارث بے کس اُن کو تمھاری طرح دو وقت بھوک لگتی ہے۔ جاڑوں میں سردی اُن کو رہنے کا مکان۔ ستر عورت کے لیے کپڑا درکار ہے۔ غرض وہ بھی آدمیوں کی سی ضرورتیں رکھتے ہیں اور سوائے خدا کی ذات کے کوئی اُن کی ضرورتوں پر نظر کرنے والا نہیں۔ یا ہیچ تم۔ اگر خدا تمھارے دل میں رحم ڈالے

[۱] یہ انجمن کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ لکچر کے وقت جلسے میں لوگوں کو یہی با ترتیب بٹھا رہے تھے۔

اور یتیموں کا ترس کھاؤ۔ یا انجمن بیوہ عورتوں کی پرداخت کرتی ہو۔ یا انجمن نے اسکول جاری کیا اور اب وہ اُس کو کالج کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور ان سب باتوں کو چاہیئے خرچ۔ انجمن کیمیا بنانی نہیں جانتی۔ اُس کو دستِ غیب کا عمل نہیں آتا۔ اُس نے کہیں سے دبا گڑا خزانہ نہیں پالیا۔ انجمن کے ممبر چور نہیں۔ ڈاکو نہیں کہ کسی کا مال جا کر مار لائیں۔ اُس کا سرمایہ وہی جو تم ہاتھ اُٹھا کر دے دو تم میں سے کون انجمن کی سی بے آس بے سہارے زندگی پسند کرے گا۔ کون ایسی زندگی کرتا ہو۔ کون ایسی زندگی کر سکتا ہو۔ تم کو شروع میں سمجھنا چاہیئے تھا کہ یہ انجمن کہاں تک پاؤں پھیلائے گی۔ اور پبلک کی نظر میں۔ غیر قوموں کی نظر میں۔ خدا و رسول کی نظر میں اُس کے جاری ہوتے سے تم کہاں تک ذمہ دار ٹھیرو گے۔ اگر یہ انجمن سسک سسک کر جی جیسی کہ اب تک جی اور ابھی جی رہی ہو تو مجھ کو میرے منہ میں خاک یہ اک دن مرے گی اور ضرور مرے گی لیکن خدانخواستہ مری تو اکیلی نہیں مرے گی مسلمانوں کی عزت کو ساتھ لے کر مرے گی مسلمانوں کی غیرت کو ساتھ لے کر مرے گی۔ مسلمانوں کی حمیت کو ساتھ لے کر مرے گی۔ میں انجمن کے استثبات کو بھی اپنے زمانے کا اسلامی معجزہ سمجھتا ہوں۔

سرسید پر جنھوں نے ہندوستان میں اس طرح کی بناشئی (کفن کھسوٹی) کو رواج دیا جیسی چاہو بدگمانیاں کر لو۔ میں سرسید احمد کا بھاٹ نہیں۔ وہ اگر پیر ہوں تو اُن کا مرید نہیں۔ اُستاد ہوں تو اُن کا شاگرد نہیں۔ مرثیہ خواں ہوں تو اُن کا بسوریا نہیں۔ امیر ہوں اور مجھ کو معلوم ہو کہ نہیں ہیں۔ لیکن اگر امیر ہوں تو اُن کا دستِ نگر نہ کبھی تھا نہ اب ہوں۔ اور نہ ان شاء اللہ مدت العمر ہوں گا۔ مگر ہی کیا آدمی ہوں۔ دوست دشمن میں تمیز کرنے کی۔ قومی حالت اور قومی ضرورتوں کی شناخت کی عقل رکھتا ہوں۔ تمھارے اس لاہور میں اور لاہور کیا چیز ہو علی گڈھ میں اور علی گڈھ کے شہر میں بھی نہیں۔ نیچر گڈھ میں یعنی محمڈن کالج میں خود سرسید اور اُن کے حواریین کے روبرو میں نے اس بات کے کہنے میں مطلق باک نہیں کیا۔ اور کیوں کرتا کہ میں اُن کے سب نہیں بعض معتقدات کو غلط سمجھتا ہوں۔ لیکن جیسا مجھ کو اُن کی غلطیوں کا تیقن ہو۔ اس بات کا بھی تیقن ہو کہ وہ شخص منافق نہیں۔ بزدل نہیں۔

مکار نہیں اور قومی خیرخواہی سے ایسا سرشار ہے کہ اُس کا بس چلے تو اپنی تو پہلے ہی سے اُتار رکھی ہے۔ دوسروں کی پگڑی بھی اُتار کر مسلمانوں کے حوالے کر دے وہ جو کہتے ہیں حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ (آدمی کو ایک چیز کی محبت اندھا بہرا کر دیتی ہے) سید احمد خاں کو مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح کی دُھن میں آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا۔ افراط تو ہر ایک چیز میں مذموم ہے۔ پس میرے نزدیک سید احمد خاں میں عیب ہے تو یہ ہے۔ میری رائے سید احمد کی نسبت اگر صحیح ہے تو میں کسی سے اُس کی تائید نہیں چاہتا اور اگر غلط ہے تو اصلاح کے لیے اس کو کسی کے روبرو پیش نہیں کرتا۔ میں نے سید احمد خاں کے ساتھ کسی امر میں مخالفت کی ہو تو سب سے زیادہ مجھی کو اس کا افسوس ہے۔ اگر مجھ سے اُس میں کسی طرح کی بے تہذیبی سرزد ہوئی ہو۔ اُن کو خدا نے شرف دیا ہے باعتبار عمر کے شرف دیا ہے باعتبار نسب کے شرف دیا ہے باعتبار تعزز دنیاوی کے۔ بہت بڑا شرف دیا ہے باعتبار خیرخواہی قومی کے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا (جو چھوٹے پر مہربانی نہ رکھے اور بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں کا نہیں) حدیث میں صغیر و کبیر دونوں لفظ مطلق واقع ہوئے ہیں۔ صغیر سے نہ صرف بیٹا یا چھوٹا بھائی مراد ہے اور کبیر سے نہ صرف باپ یا رشتہ کا کوئی بزرگ اور نہ اس میں مذہب و عقائد کی قید ہے بلکہ جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں کچھ وفود یعنی ایلچی آئے اور وہ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے سرگروہ کو آتا ہوا دیکھ کر اصحاب سے جو حاضر خدمت تھے فرمایا۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ (اپنے سردار کو استقبال کر کے لو) غرض مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا الخ ایسا گولڈن رُول (قاعدہ زریں) ہے کہ اگر مسلمان اس پر پورا پورا عمل کریں تو ان کی سوسائٹی سے بہتر شائستہ و مہذب اور متفق و یک دل دنیا میں کوئی سوسائٹی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر مسلمان اپنے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور لوگوں کو زبان و قلم سے ایذائیں دیں اور اپنے بڑوں کا ادب ملحوظ نہ رکھیں اور یوں مسلمانوں میں رنجشیں اور عداوتیں پھیلیں اور وہ سنار کی سی کھٹ کھٹ کرتا ہی رہے اور یہ ایک لوہار کی سی جڑ دیں اور یہ سارا نزلہ آخر کار اسلام پر گرے تو آئین اسلام اور بانی اسلام کا کیا قصور ہے۔

مسلمان رسول کی کیا مانیں گے جب وہ خدا کی نہیں مانتے۔ میں اس کی تائید میں قرآن کی چند

چند آیتیں پڑھتا ہوں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ۔ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (ای ایمان والو کوئی گروہ دوسرے گروہ کی ہنسی نہ اُڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی وہ ہنسی اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اُڑائیں عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی وہ ہنسی اُڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور اپنوں کو چھیڑو مت اور نہ بُرے لقبوں سے یاد کرو ایمان لائے پیچھے نافرمانی بڑی بدنامی کی بات ہی اور جو توبہ نہیں کرے گا تو وہی لوگ ظالم ٹھیریں گے۔ ای ایمان والو اکثر بدگمانیوں سے بچتے رہو کیوں کہ بہت سی بدگمانیاں داخل گناہ ہیں اور لوگوں کے حالات کی ٹوہ میں مت لگے رہو اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا۔ کہ اپنے مردہ بھائی کے گوشت کو کھائے اِس سے تو تم کو ضرور گھن آتی ہوگی! اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہی۔)

اور خیر سید احمد خاں سے یہاں بحث بھی کیا ہی۔ وہ اِس انجمن کے سکرٹری نہیں۔ ممبر نہیں۔ پیٹرن (مربی سرپرست) نہیں۔ بلکہ من وجہ یہ چاہتے ہوں تو تعجب نہیں کہ انجمن کے فنڈز جو کچھ ہوں لے جاکر علی گڈھ کالج میں ٹھونس دوں کہ نہ ہزار ادھورے اور نہ ایک پورا۔ مگر جن کی طبیعتیں نیش زن واقع ہوئی ہیں وہ ہر ایک کی گاڑی میں کسی کی بھی ہو بے روڑہ اٹکائے نہیں رہتے۔

دو دشوند از بد ماسغے رسند	با دشوند از پچیراسغے رسند

اِن کی مثال خچر کی سی ہی کہ گدھوں کو لادنے لگے تو کہا میں گھوڑا ہوں گھوڑوں پر زین کسنے کی نوبت آئی تو لگا ہیچوں ہیچوں کرنے اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (سب سے بُری آواز گدھے کی ہی) ای ظالم کہیں تو لدا اور لدے گا نہیں تو یہ قومی بوجھ کیوں کر اُٹھے گا۔ یہ لوگ کیسا ہی نیک کام ہو ہمیشہ

بڑے موٹوز (اغراض) پر ڈھال لے جاتے ہیں۔ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اور کوئی جمتی ہوئی پھبتی نہیں سوجھتی تو مذہب کا حیلہ نکال کھڑا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تعدیہ امراض میں اختلاف کر رہے ہیں۔ لیکن جس میں اختلاف ہے وہ تعدیہ امراض جسمانی ہے۔ روحی امراض کے متعدی ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں۔ ایک گندہ دل سارے کمیونٹی (جماعت) کے دلوں کے بگاڑ دینے کو کافی ہے۔ جیسے ایک دیا سلائی ایک شہر کے جلا دینے کو بس کرتی ہے۔ اگر میٹریل ڈرائی (چیزیں خشک) اور ہوا موافق ہو فکونوا علیٰ حذر (خبردار رہو)

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست	پس بہر دستے نباید داد دست

میں اپنے زعم میں بہت ہی آزادانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ نہ کسی کالج کا بانی ہوں۔ نہ کسی انجمن کا سکرٹری نہ کسی اخبار کا اڈیٹر۔ لوگوں کی مدح و ذم سے مستغنی تحسین و تحمیق سے بے نیاز۔ میں نے ساری عمر لکچر نہیں دیئے۔ خدمت سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہوا نہیں معلوم لوگوں نے کیوں کر سمجھ لیا کہ میں ہوا کا رُخ پہچانتا ہوں جو کچھ آپ سمجھتا ہوں دوسروں کو سمجھا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ سمجھنا چاہیں اور سمجھ کے پیچھے لاٹھی لیئے نہ پھر رہے ہوں۔ دس دفعہ بلایا ایک دفعہ آ کھڑا ہوا تو کیوں کر ہو سکتا ہے کہ دل میں ہو کچھ اور کہوں کچھ

راست می گویم و یزدان نہ پسندد جز راست	حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

مجھ سے اختلاف ہو تو مجھے جو جی چاہے کہو اور جو جی چاہے سمجھو۔ مگر برائے خدا یہ نہ کرنا کہ جیسے سید احمد خاں کے ساتھ مجھ کو سمیٹ لیا۔ میرے ساتھ اس بیچاری انجمن کو سان لو۔

مجھ کو تو نیچری کہلانا عار تھا۔ مگر نیچریت کے اب وہ معنے نہیں رہے۔ جن کی وجہ سے میں نیچریت کو عار سمجھا کرتا تھا اب نیچریت یہ ہے کہ سید احمد خاں کو علی گڈھ کالج کا بانی کہو۔ نیچری علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا اڈیٹر کہو۔ نیچری۔ سر کہو۔ نیچری ڈاکٹر کہو نیچری۔ آدمی کہو۔ نیچری۔ تو ایسی نیچریت کا قبول کرنا اس سے زیادہ موجب عار نہیں ہونا چاہیئے جیسے دو اور دو کا چار کہنا۔ میرا نیچریت کو تسلیم کرنا اسی

قبیل سے ہی جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فلیشہد الثقلان انی رافضی	ان کان رفضا حب آل محمد

(اگر آل محمدؐ کے ساتھ دوستی رکھنا رفض ہی تو دونوں جہان اس پر گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔
میں جو اپنے نفس کا احتساب کرتا ہوں تو میرا صرف ایک ہی خیال ایسا ہی جس کو کوئی
معاند نیچریوں سے ملتا ہوا کہہ سکتا ہی۔ یہ میری رائے ضرور ہی کہ تاویل کرنے سے کسی حکم کی ایسی
بے حرمتی نہیں ہوتی جیسے اصرار اور اعلان اور تعمیم کے ساتھ اس کی تعمیل نہ کرنے سے بات کو صبر و
سکون کے ساتھ سنو ہی نہیں تو اس کا کیا علاج ہی۔ مگر سنو گے۔ اور زمانہ ہماری دعا تو یہ ہی
کہ تم ہی کو سنائے ورنہ تمھاری پہلی نسل نہیں تو دوسری اور دوسری نہیں تو قسم کھانے کی بات
ہی کہ تیسری ضرور سنے گی کیا چھوٹی چھوٹی باتوں کی فکر میں پڑے ہو انگریزی ایجوکیشن (تعلیم) کو
روکو۔ اگر تم سے روکی جاسکے اور اب تو یہ ایسی جڑ پکڑ گئی ہی کہ بعض انگریز بھی جن کی یہ بلا لائی ہوئی
ہی ع ای صبا این ہمہ آوردۂ تست۔

اس کو روکنا چاہتے ہیں اور نہیں رکتی۔ جن لوگوں نے ایجوکیشن کی قدر و قیمت کو جانا
پہچانا وہ ایسے اس کے گرویدہ ہیں کہ اگر گورنمنٹ اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے دست کش ہونا چاہے تو
مارے اجیٹیشن کے یہاں سے ولایت تک گورنمنٹ کی دھجیاں بکھیر دیں۔ لیکن اگر گورنمنٹ
اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے دست کش ہو بھی جائے تو وہ لوگ چاہے بھوکے مریں ننگے پھریں۔
بھیک مانگیں۔ مگر ایجوکیشن کا بال بیکا نہ ہونے دیں۔ بنگالی تو بنگالی ہمارے نارتھ ویسٹرن پراونسز
(ممالک مغربی و شمالی) میں گورنمنٹ نے دو کالج بند کر دیئے لوگوں نے چندہ کر کے دونوں کو بدستور
قائم رکھا۔ تو جو لوگ اسلام کو معرض خطر میں سمجھتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ ایجوکیشن کو روکیں۔ اگر
اُن سے روکی جائے اور یہ نہ رکی اور نہیں رکے گی تو جن باتوں کا سننا ناگوار ہی وہ اور اُن سے
بڑھ بڑھ کر تم آپ کہو گے یہ اپنے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں کہ جن باتوں کی اب کوئی مطلق پروا
نہیں کرتا۔ اب سے چالیس برس پہلے ایک ایک بات کفر و زندقہ سمجھی جاتی تھی۔ میں ایسے بایکا

بیٹا ہوں کہ دہلی کالج کے پرنسپل نے ہرچند چاہا کہ میں انگریزی پڑھوں والد مرحوم نے جو ایک غریب آدمی تھے مگر اپنے وقت کے بڑے دین دار صاف لکھ دیا کہ مجھے اس کا مرجانا منظور۔ اس کا بھیک مانگنا قبول مگر انگریزی پڑھنا گوارا نہیں۔ میں ایسے مولوی کا شاگرد ہوں جنھوں نے لاٹ صاحب سے باستکراہ ہرچہ تمام تر اور بمجبوری ہاتھ ملا کر اُس ہاتھ کو مٹی سے رگڑ رگڑ کر دھو ڈالا تھا۔ انگریزی صابون سے نہیں جنہوں نے پانی پینے کا مٹکا جو جماعت میں رکھا رہتا تھا تُڑوا ڈالا تھا۔ اس واسطے کہ اُس میں سے ایک شامت زدہ انگریزی خوان مسلمان پانی پی گیا تھا۔ تم کیا دین داری برتو گے۔ دین داریاں یہ تھیں جو ہم نے دیکھیں ہیں اور اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ اور ایک دین داری یہ ہی جو ہم اور تم سب دیکھ رہے ہیں۔ ان تینوں کا ہی بیکھ۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ اور ایک دین داری اب سے پچاس برس بعد ہوگی اگر امام مہدیؑ نہ آ گئے۔ تم ایک سرسید کو لیئے پھرتے ہو۔ کچھ خبر بھی ہے۔ زمانہ کتنے سرسید پیدا کرچکا اور کرتا چلا جا رہا ہے جن میں کے سرسید ہیں۔ ان کا تو یہ مقولہ ہے ؎

	قَؤُلٌ لِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٗ		اِذَا مَاتَ مِنَّا سَیِّدٌ قَامَ سَیِّدٌ

(جب ہم میں سے ایک سردار مرجاتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا سردار کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ بھی بزرگوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے اور اُنھیں کے سے کام)

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ پر جہاں اور اعتراض ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ تمھاری کتاب میں لکھا ہے اس پر تو عمل کرو فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ (توریت لے آؤ اگر تم سچے ہو تو اُسے پڑھ کر دیکھو۔ اور جن پر انجیل اتری ہے اُن کو چاہیئے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں اُتارا ہے اُس کے مطابق تو حکم دیں) یا اُن وقتوں کی باتیں رہنے دو۔ احکام عشرہ میں سے یہ احکام کہ کل کے لیئے ذخیرہ مت کرو۔ یا تمھارے داہنے گلے پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا اُس کے سامنے کردو ہم نہیں کہتے کہ خدا نے یہ ناممکن التعمیل احکام بھیجے تھے شاید اُس زمانہ میں ایسے متوکل ایسے بے نفس لوگ رہتے ہوں گے۔ مگر اب ہمارے وقتوں میں کوئی ایک یہودی کوئی ایک نصرانی یا کوئی ایک آدمی ان حکموں کی تعمیل کرتا یا کرسکتا ہے۔ تو خود اُن ہی کا

لا (قانون) اُن کو گنڈِمن کر رہا ہے (مجرم قرار دے رہا ہے) اب تم اپنی جگہ آپ احتساب کرلیں کہ مسلمان کسی ایسے الزام کے مورد ہیں یا نہیں۔ کیوں کہ معاملہ خدا کے ساتھ ہے ؎

زورت از پیش می رود با ما		با خداوندِ غیب داں نہ رود

کوئی نہیں کہتا اور کسی کو کہنا چاہیئے بھی نہیں کہ مذہب سے قطع نظر کرو۔ مذہب قطع نظر کرنے کی چیز نہیں ہے آدمی کی اور خصوصاً ہم مسلمانوں کی دنیاوی اور دینی فلاح موقوف ہے مذہب پہ۔ ہم اُس گروہ کے لوگ ہیں جن کو مذہب نے کھڑا کیا۔ مذہب نے ہم کو ترقی دی۔ مذہب نے ہماری حالت درست کی۔ مفلس تھے مذہب کی بدولت امیر ہوگئے۔ خاکِ مذلت پر پڑے تھے۔ مذہب کی بدولت اوجِ عزت پر متمکن ہوئے۔ محکوم تھے مذہب کی بدولت حاکم بنے۔ رعیت تھے مذہب کی بدولت بادشاہ بنے۔ شاہنشاہ بنے۔ غرض کچھ نہ تھے مذہب کی بدولت سب کچھ ہوگئے۔ کیا یہ کچھ کم افسوس کی بات ہے کہ اب وہی ہم ہیں اصل ابتدائی حالت سے بھی کم تر۔ فرو تر حالت میں اتنا انقلاب ایسا ردّ و بدل۔ اس قدر اختلاف۔ یہ کیوں؟ یہ وہی مذہب کا مس یُوز یعنی مذہبی غلط فہمی۔ مذہب کو بُری طرح سے عمل میں لانا۔ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ اس کا فیصلہ کرلے۔ کہ ہم مسلمان ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری میں اسلام کو دنیاوی عزت۔ دنیاوی تموّل کے ساتھ جمع کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کرسکتے۔ تو کچھ بحث نہیں۔ تکرار نہیں لڑائی نہیں جھگڑا نہیں۔ چلو اپنا اپنا بوریا بدھنا باندھ باندھ کر ان ظالموں کی عملداری سے نکل بھاگیں لیکن کتنے آدمی ہیں جو ایسا ارادہ کریں یا چلنے والوں کے ساتھ چل کھڑے ہوں جس سے کہو گے وہی کانوں پہ ہاتھ دھرے گا کہ نابابا ہم ایسا امن۔ ایسی آسایش۔ ایسی آزادی کہاں پائیں گے۔ رہا مذہب وہ ہمارے دل کے ساتھ ہے جہاں ہم وہیں مذہب ؎

میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں		میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

یہاں ہم کو کاہے کی روک ٹوک ہے۔ نماز پڑھنی چاہیں روزہ رکھنا چاہیں۔ کوئی مانع نہیں۔ زکوٰۃ دینی چاہیں یعنی انجمن حمایت اسلام کی مدد کرنی چاہیں۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ حج کو جانا چاہیں کوئی

مزاحم نہیں ہاں روک ٹوک سمجھو تو صرف اتنی کہ دوسرے مذہب والوں کے حقوق میں دست انداز نہ ہوں۔ لیکن کچھ ایسے بھی نکلیں گے جن کے حق میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سات سو برس پہلے کہہ مرے ہیں ؎

ترکِ دنیا بمردم آموزند ۔ خویشتن سیم و غلّہ اندوزند

اور شاعر عربی کہتا ہے ؎

عَجِبْتُ مِنْ شَيْخِيْ وَمِنْ زُهْدِهٖ ۔ وَذِكْرِهِ النَّارَ وَاَهْوَالَهَا
يَكْرَهُ اَنْ يَشْرَبَ مِنْ فِضَّةٍ ۔ وَيَسْرِقُ الْفِضَّةَ اِنْ نَالَهَا

(مجھ کو اپنے پیر صاحب اور اُن کی پرہیزگاری پر تعجب آتا ہے اور وہ جو دوزخ اور اُس کی ہولناک باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں اس سے بھی تعجب آتا ہے چاندی کے باسن سے تو پانی پینا مکروہ سمجھتے ہیں اور اگر دست رس ہو تو چاندی چرا کر ڈب میں رکھ لیتے ہیں حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد ۔ کہ مے حرام و لے بہ ز مالِ وقاف ست

یہ ہیں جو مسلمانوں کو اُبھرنے نہیں دیتے عام مسلمانوں میں اتنی لیاقت نہیں کہ انجام کار کو سوچیں بیچارے بہکائے پھسلائے میں آجاتے ہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ رفتار يُقَدِّمُ رِجْلاً وَيُؤَخِّرُ اُخْرٰى (ایک پاؤں آگے رکھیں اور ایک پیچھے) اس بعد مسافت نظر کرتے کچھ بھی نہیں جو ہم کو طے کرنی ہے۔ کب تک اس تذبذب میں رہو گے بات کو یکسو کر چلو۔ یا تو کچھ مت کرو کہ اوپر والوں کو صبر آجائے اور کرتے ہو تو جی کھول کر کر دو یا مُرغے لڑانے منظور ہیں اور اسی میں کچھ مزا ملتا ہے تو ویسی کہو۔ میں تو اس مرتبہ تم سے دو ٹوک بات کرنے آیا ہوں۔ میری نسبت اگر بدگمانی ہے اور میرے عقائد بُرے ہیں تو مجھ کو اُن کا وبال بھگتنے دو۔ میں تم میں کسی سے شفاعت کا خواستگار نہیں ؎

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر ست ۔ رفتن بہ پائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت

یہ میری کبھی خواہش نہیں ہوئی اور انشاء اللہ ہو گی بھی نہیں کہ لوگوں کو مذہبی عقائد میں اپنا ہم خیال بناؤں اور اقل جماعت کا بھی لیڈر سمجھا جاؤں۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مجھ سے میرے اور لوگوں سے

اُن کے افعال و معتقدات کا حساب لیا جائے گا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (ایک کا بوجھ دوسرے پر
نہیں ڈالا جائے گا) لیکن کہلواتے ہیں تو کہتا ہوں۔ پوچھتے ہیں تو بتاتا ہوں۔ سوال کرتے ہیں تو جواب
دیتا ہوں کہ میرے نزدیک اسلام لازمۂ انسانیت ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ
لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اللہ کی بناوٹ جس کے مطابق
لوگوں کو بنا دیا اللہ کی خلقت کو کون بدلے یہی ہے ٹھیک دین لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں) کھانے
سے پینے سے پہننے سے۔ کسی وضع میں رہنے سے کسی زبان کے سیکھنے سے کسی علم کے پڑھنے سے اب
ہوا ہے۔ دنیاوی حکومتوں کے ردوبدل سے اس میں فرق نہیں آسکتا۔ اگر انسان ایک خدا کا
قائل نہیں تو وہ اوجِ انسانیت سے ساقط ہو کر حضیضِ حیوانیت پر آگرا ہے۔ اور اگر ایک خدا کا قائل
ہے۔ اور بندہ بشر ہے کوئی امر نامشروع بھی اُس سے سرزد ہو جاتا ہے تو وہ ڈسپلن (قواعد) کو توڑتا ہے اور
اُس کی پاداش میں شاید اُس کی ڈسپل بولی جائے یا اُس کا رینک (درجہ) توڑ دیا جائے یا اُس کا
ریشن (مراتب) گھٹا دیا جائے یا اُس کا بھتہ موقوف یا اور کوئی سزا دی جائے
مگر فوج سے اُس کا نام نہیں کٹے گا۔ اُس کو گولی نہیں ماری جائے گی اُس کو پھانسی نہیں لگے گی۔
دیٹس آل (بس ہو چکا) اسلام کی جنریلٹی (عمومیت) کہ قیامت تک اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا
كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے رسول ہیں جن پر نبوت ختم
ہو گئی اور ہم نے تم کو کل دنیا کے سارے لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا ہے) غرض کیا بلحاظ زمان
اور کیا باعتبار مکان اسلام کی جنریلٹی (تعمیم) پڑی پکار رہی ہے کہ اس کو کیا ہونا چاہیئے اور لوگوں نے
اس کو کیا بنا رکھا ہے۔ مگر وہ اپنی اصلیت پر آئے گا ضرور آئے گا۔ اور یہی ایجوکیشن اس کو اس کی اصلیت پر
لائے گی۔ لیکن یہ جنریشنز کے کام ہیں۔ ایجوکیشن اور مذہب یعنی مذہب متعارف میں کسر و انکسار
ہونے کو مدتیں چاہئیں۔ اُس وقت تک پیشین گوئی کے جرم میں جس جس کی قسمت میں گالیاں کھانی
لکھی ہیں گالیاں کھائے اور جس جس کی تقدیر میں لعنتیں بدی ہیں لعنتیں سُن لے۔ پھر جو ہوتا ہے وہ ہو گا سو

	نویسندہ را نیست فردا امید	نوشتہ بماند سیاہ بر سفید	

ایسا پریکٹیکبل (ممکن التعمیل) ایسا سمپل (سلیس) ایسا ریزنیبل (معقول) مذہب جیساکہ حقیقت میں اسلام ہے کوئی شخص جس کو خدا نے کامن سینس (معمولی عقل) دیا ہے اس کو ریجکٹ (نامنظور) نہیں کرسکتا۔ وہ صرف تنکے کے اوجھل پہاڑ ہے۔ ذرا از برائے خدا اس نکتے کو سمجھو کہ فطرت انسانی اسی طرح سے واقع ہوئی ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ تمام بنی آدم اصل خلقت کی رو سے مسلمان ہیں یہ وہی بات ہے کہ کسی نے پوچھا ناک کدھر ہوتی ہے ایک نے سامنے سے ناک پر انگلی رکھ کر بتا دیا کہ یہ ناک ہے دوسرے نے گدی کے پیچھے سے ہاتھ لے جا کر بتایا کہ یہ ناک ہے۔ ناک تو جہاں ہے وہیں ہے۔ صرف بتانے کے طریقے مختلف ہیں قرآن سے تو اس کی سند سن ہی چکے ہو وہی فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ اب لو حدیث۔ ایک بار اُس رحمت اور شفقت کے جوش میں جو پیغمبروں کا خاصہ ہے۔ ہمارے پیغمبر صاحب نے اپنے خادم بلال رضؓ کو حکم دیا کہ اے بلال رضؓ جا مدینے کی گلی کوچے میں یہ طرف سے پکار پھر مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جو ایک خدا کا قائل ہو وہ جنتی ہے) بلال رضؓ چلے۔ راہ میں ملے عمر رضؓ پوچھا بلال رضؓ کدھر اُنھوں نے بیان کیا تو عمر رضؓ اُن کو آں حضرت صلعم کی خدمت میں لوٹا لائے۔ اور عرض کیا اے جناب کہیں ایسا نہ ہو۔ یہ حکم عام سُن کر لوگ نیک کاموں کے کرنے سے باز رہیں۔ وہ حکم ایک مصلحت سے اُس وقت مشتہر نہ ہوا۔ مگر لکھا ہوا موجود ہے۔ اور پڑھے لکھے اِس سے واقف ہیں۔ اگر اسلام کو اس کے اصلی پیرائے میں پیش کیا گیا ہوتا تو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ اسلام کو لیا ہوتا۔ مگر دنیا کی بدنصیبی سے وہ پیش کیا گیا غارت گری اور خوں ریزی کے پیرائے میں پیش کیا گیا عذاب اور مصیبت کے پیرائے میں اور پیش کرنے والے کون۔ دنیا کے بادشاہ۔ جاہ و ثروت کے فریفتہ ملک گیری کے حریص پس لوگ اسلام کی ڈراؤنی صورت سے لگے بھاگنے اور افسوس ہے کہ اب بھی مسلمانوں کی طرف سے استمالت اور تالیف قلوب کی مطلق کوشش نہیں کی جاتی۔ وہ پشت ہا پشت کے موروثی مسلمانوں کو اسلام سے نکال دینے کی فکر میں لگے ہیں مسلمانوں کو کافر کہہ بیٹھنا مرتد بنا دینا یہ تو اُن کی ایک معمولی بات ہے۔ جن طبیبوں کے پاس مرجوعہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ موسمی امراض کے

کسی ایک نسخے کی بہت سی نقلیں کرا رکھتے ہیں۔ نہ نبض دیکھیں نہ حال پوچھیں مریض آیا اور اُنھوں نے
مسند کے تلے سے نسخہ نکال حوالے کیا۔ اُدھر ایک عطار لگا ہوا ہی وہ حکیم صاحب کے دستور سے واقف
ہی اُس نے پہلے ہی سے پڑیاں باندھ رکھی ہیں اتنا دیکھ لیا کہ نسخہ حکیم صاحب کا ہی۔ دواؤں کے نام
اور اوزان پڑھے اُس کی بلا لونڈے سے کہا فلاں خانے میں جو پڑا رکھا ہی اِن کو لا کر دے دے۔
لائیے حضرت ساڑھے چار پیسے۔ قریب قریب یہی حال ہی۔ اِس زمانے کے کفر کے فتووں کا
لیکن اے آریو۔ اے برہمو۔ اے ہندو بھائیو۔ اے عیسائیو۔ اے اسلام کے سوا کسی اور مذہب کے ماننے والو۔
اے مذہب کی تلاش رکھنے والو۔ ان لوگوں کی بات پر مست جاؤ۔ اگر تم آدمی ہو اور ضرور آدمی ہو
اگر تم عقل بھی رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو تو تم خدا کو مانتے ہوگے اور اُس کو ایک بھی جانتے ہوگے اب تم ساری
دنیا کو چھان مارو دیکھو تو اتنی ہی بات پر کوئی بھی تم پر ہاتھ دھرتا کوئی بھی تم کو نجات ابدی دلا دینے کا
وعدہ کرتا ہی۔ ہاں ایک شخص ہی محمد عربی اسلام کا پیغمبر منکسر متواضع سیدھا سادہ۔ بے تصنع۔
بے تکلف۔ بے طمع وہ اطمینان کرتا ہی کہ چلو۔ میں تم بخشوا دیتا ہوں۔ بے شک لوگوں نے اس کی
بُرائیاں تم سے کی ہوں گی اور اب بھی کرتے ہوں گے لیکن اگر کوئی تم سے کہہ دے کہ کوا تمھارے
کان لے گیا۔ تو کیا سننے کے ساتھ کوّے کے پیچھے دوڑے دوڑے پھروگے۔ کیوں نہیں پاس
کے پاس ٹٹول لیتے کہ سر میں کان بھی ہیں یا نہیں۔ اس کی بات کو تو جانچو کہ کہتا کیسے پتے کی ہی۔
ابدی نجات اور ایسی سستی۔ اور اگر نجات کی قدر ہی نہیں اور دوبدے میں مرنا منظور ہی تو ٹپو چلے ہیں
ہم تو اپنا اُلاہنا اُتار چکے۔

مذہب کا گڈ یوس (یعنے اچھا استعمال) یہ ہی کہ ہم اپنے نفوس کی اصلاح کریں ہم کو آپ اپنا جج بننے
کا کوئی استحقاق نہیں لَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (اپنے مونھ آپ نیکو کار مت بنو
خدا ہی کو خبر ہی کہ اُسکے نزدیک کون نیکو کار ٹھیرتا ہی) میں خیال کرتا ہوں کہ انسان کو اپنے نفس کی
اصلاح کا ایسا شغل ہی کہ اگر وہ اس ڈیوٹی کو اچھی طرح ادا کرے تو اُس کو دوسروں کے حالات کی
تجسس کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ میری باتوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہوگا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں

اُس پر عمل کرتا ہوں لیکن اگر عمل کرتا ہوتا تو تم سب پر عمل مقناطیسی کر رہا ہوتا۔ اثر جو نہیں ہوتا اسی سے نہیں ہوتا کہ کہا سب کچھ جاتا ہے اور کیا کچھ بھی نہیں جاتا ہے

ہر یکے ناصح برائے دیگراں	ناصح خود یافتم کم در جہاں

کہنے کو تو چھوٹے چھوٹے دو جملوں میں سارے اسلام کا خلاصہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (خدا ایک محمد برحق) لیکن منہ سے ایک اور برحق کہنے کی سند نہیں۔ کردار سے۔ گفتار سے۔ رفتار سے ثابت کرو کہ تم نے خدا کو ایک اور محمدؐ کو برحق سمجھا لیکن توحید ہی کی ایسی ٹیڑھی کھیر ہے کہ بہتیں کی بہتیں اسی امتحان میں فیل ہو گئیں۔ باوجودیکہ عقلی شہادت موجود ہے اور جو عقل ہم کو بتاتی ہے کہ خدا ہے۔ وہی یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ ایک ہے۔ مگر آدمی کچھ ایسا ڈھلمل یقین مخلوق ہے کہ وقت پر بہک ہی جاتا ہے اسلام سے پہلے خدا ہی کی اُتاری ہوئی شریعتیں تھیں۔ اِن شریعتوں میں اوامر تھے۔ نواہی تھے آداب تھے مواعظ تھے حکم تھے۔ سب ہی کچھ تھا یہی باتیں تھوڑی رد و بدل سے اسلام میں بھی ہیں۔ پھر کیا ضرورت داعی ہوئی کہ ایک نیا مذہب جاری کیا جائے کہ وہ جورو کو خصم سے۔ باپ کو بیٹے سے۔ دوست کو دوست سے مالک کو جائداد سے۔ گھر سے۔ وطن سے۔ آدمی کو آدمی سے جدا کر دے اور ایک جدید قانون ہو اور وہ فیصلہ کرے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (ایک گروہ جنّت میں ایک گروہ دوزخ میں) ہاں وہ ضرورت تھی اُسی توحید کی خامی۔ اُسی توحید کا تزلزل۔ بس بڑی بات سب سے بڑی بات۔ مہتم بالشان بات جو اسلام میں ہے وہ توحید ہے۔ پاک صاف۔ خالص۔ بے آمیزش۔

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ ساری عمر اسی کی رخنہ بندیوں میں لگے رہے۔ اپنی تعظیم تک جائز نہیں رکھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ مبالغہ کرنے لگیں۔ اور میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو یہود نے حضرت عُزیر اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے ساتھ کیا۔ بدر کی لڑائی فتح ہوئی تو انصار کی لڑکیاں بیت الرسالت میں آکر شادیانے گانے لگیں۔ آپ خاموش پڑے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے کہا ہم میں رسول ہیں جو غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ جھٹ اُٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا کہ نہیں نہیں وہی اپنا پہلا گیت گائے جاؤ۔ اپنی

قبر کے بارے میں تو آپ نے بار بار فرمایا کہ دیکھنا میرے بعد میری قبر کو نہ پوجنے لگنا تصویر کے کھینچنے تصویر کے رکھنے کے باب میں جیسے جیسے وعید ہیں وہ سب تدبیریں تھیں سدباب بُت پرستی کی ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر انسان اور کیا کر سکتا ہے۔ کہ پانچوں وقت نماز میں ہر مسلمان کے مُنہ سے کہلوایا جاتا ہے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔

اس نبی موحد علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی اُمت کو دیکھو۔ ہم کو دوسرے ملکوں کی تو خبر نہیں مگر غالب ہے کہ یہی حال ہوگا جو یہاں کا ہے کہ بزرگان دین کی تعظیم کو حد عبادت تک پہنچا دیا ہے۔ جب تک مُنہ سے نہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کس سے حاجت طلب کر رہے ہیں اور کس کی شفاعت چاہتے ہیں اور اگر خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (بہتر لوگ میرے زمانے کے پھر جو اُن کے بعد پھر جو اُن کے بعد) کے سلسلے کی رعایت کی جائے اور رعایت ہونی چاہیئے کیوں کہ وہ فرمودۂ رسول ہے۔ تو ان بزرگوں کی نوبت بھی نہ آئے لیکن مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب۔

معدودے چند مسلمان ہیں جو توحید کا پاس کرتے ہیں سو اُن کو وہابی وہابی بک کر اس فکر میں لگے ہیں کہ اُن کو باغی سرکار ٹھہرا کر بن پڑے تو جلا وطن کرا دیجیے۔ سورۂ مائدہ کا اخیر رکوع میرے اس مطلب سے بہت ہی چسپاں ہے فرماتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھکو اور میری ماں کو معبود قرار دو تو حضرت عیسیٰ بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گے

کہ اے خداوند تو عارِ شرک سے بری ہے بھلا یہ کہیں مجھ سے ہو سکتا تھا کہ جو بات مجھ کو سزاوار نہیں منھ سے کالوں اگر میں نے کہی ہوگی تو اے خدا ضرور تجھکو اُس کا علم ہوا ہوگا۔ کیوں کہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے۔ اور مجھکو تیرے اسرار قدرت کی کچھ خبر نہیں میرے دل کی بات کیا تجھ کو غیب کی ساری باتیں معلوم ہیں۔ مجھ کو جو تو نے ارشاد فرمایا تھا وہی جوں کا توں میں نے اُن لوگوں کو کہہ سنایا تھا اس کے سوا ایک حرف نہیں کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں اُن کے ساتھ موجود رہا میں اُن کے حالات دیکھتا رہا جب تو نے مجھ کو اپنے پاس بلا لیا۔ تو تو اُن کا نگراں حال تھا۔ اور تو سبھی چیزوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اگر تو اُن کو سزا دینی چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں تیرے حکم سے باہر نہیں اور اگر معاف کر دے تو تو اختیار رکھتا ہے اور مصلحت شناس ہے۔ اس پر اللہ جل شانہ فرمائے گا۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ کام آئے گا ان کے لیئے باغ ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اُن میں رہیں گے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے خوش یہ ہے بڑی کامیابی۔)

انبیا کے بھی مدارج ہیں چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (یہ ہمارے رسول ہیں۔ اِن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر مدارج کے اعتبار سے بزرگی دی اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے معجزے دیئے اور روح القدس سے مدد دی)

جب تک قرآن یا حدیث میں صراحت نہ ہو ہم کسی پیغمبر کے درجے کی تعیین نہیں کر سکتے اس آیت میں جو میں نے ابھی پڑھی عیسیٰ علیہ السلام کا بالتخصیص مذکور ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ (تمہارے لیئے دین کی ایسی راہ نکالی جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور اسی کی وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی اور اسی کی وصیت ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کی تھی) اور ایک جگہ فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ثُمَّ قَفَّيْنَا

عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ (اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو رکھا تو اُن میں سے بعضے راہ یاب ہیں اور اکثر اِن میں کے بدکار ہیں۔ پھر انہیں کے قدم بقدم ہم نے اپنے دوسرے رسولوں کو چلایا اور انہیں کے قدم بقدم عیسیٰؑ کو چلایا اور ہم نے اُن کو انجیل بھی دی) اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عیسیٰ بھی بڑے درجے کے پیغمبر ہیں اور صاحب کتاب ہونے میں تو کچھ شک ہی نہیں۔ ایک بات اُن میں خاص ہی کہ دوسرے انبیا کو معجزے دیئے گئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو بھی دیئے گئے تھے مگر وہ خود بھی ایک معجزہ تھے۔ کیوں کہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ بہرکیف وہ ایسے کچھ تھے کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں نے غلطی کی۔ بے جا کیا، بُرا کیا۔ مگر اُن کو خدا مانا۔ اچھا خدا مانا تو کیا کیا۔ وہ کیا جو خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔ اُن سے دعائیں مانگیں۔ اُن سے حاجتیں طلب کیں اُن کو خدا کی طرح متصرف با اختیار سمجھا۔ اُن کی وہ تعظیم کی جو خدا کی کی جاتی ہی۔ اسی کا نام ہی شرک اور یہی وہ بلا ہی جس کی خدا کو چڑ ہی۔ وہ فرماتا ہی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (شرک بڑی ہی ظلم کی بات ہی۔ فرماتا ہی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (اللہ کے ہاں سے اُس کی تو مغفرت نہیں جو شرک کرتا ہی لیکن شرک سے کم جو گناہ ہوں وہ جس کو چاہے معاف کر دے) اور واقع میں شرک تو کھُلی کھُلی بغاوت ہی جب ایک شخص خدا کو خدا ہی نہیں مانتا۔ پھر اُس سے اُمید مغفرت کیسی۔ جو تیرا خدا ہو اُس کے پاس جا اور اُسی سے مغفرت مانگ۔ خیر تو لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اور اُن کی والدہ کو شریک خدائی گردانا۔ آدمی سے سب حمق ہو سکتے ہیں۔ مگر نہیں ہو سکتا تو یہ کہ وہ اپنے تئیں خدا سمجھے اور فرعون کا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى سنا ہو تو وہ اُس کی بیہودہ شیخی تھی۔ اور خوش حالی اور حکومت کے غرّہ میں آ کر حضرت موسیٰؑ کی ضد سے اُس نے نالائق بات مُنھ سے بک دی۔ عجز و بے کسی کا وقت آیا تو اُس کی ساری قلعی کھُل گئی۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (جب لگا ڈوبنے تو بول اُٹھا کہ میں ایمان لایا اس بات پر کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مان نکلا

اور فرعون پر کیا موقوف ہی تمام آدمیوں کا یہی حال ہی کہ مصیبت کے وقت اُن کو خدا یاد آتا ہی اور خوش حالی میں خدا کی کچھ پروا نہیں کرتے چنانچہ انسان کی اس عادت کو خدا تعالیٰ نے اس طرح پر بیان فرمایا ہی حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور بادِ موافق اُس کو لے چلتی ہی اور مرضی کے موافق ہوا پاکر خوش ہوتے ہیں تو ہوا کا جھونکا ناؤ کو آلگتا ہی اور ہر طرف سے موجیں آنے لگتی ہیں اور لوگوں کو خیال ہوتا ہی کہ اب تو ہم گھر گئے تو بڑے خلوص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہم کو اس بلا سے نجات دے تو ہم تیرے شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے جب اُن کو خدا نجات دیتا ہی تو ناحق خشکی میں جا کر بغاوت کرنے لگتے ہیں لوگو یہ بغاوت تمھارے ہی حق میں مضر ہی دنیا کے جیتے جی کے فائدے ہیں پھر تم کو ہمارے ہی طرف لوٹ کر آنا ہی اُس وقت ہم تم کو بتادیں گے کہ تم نے کیسے عمل کیے) منھ بھر بھر کر فرعون پر لعنت کرنے کو تو سب ہی ہو جاتے ہیں اور مجھے ایک دن خیال آیا کہ فرعون کی طرح اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ (کیا میں ملک مصر کا مالک نہیں ہوں اور یہ نہریں میرے محلوں کے تلے پڑی بہ رہی ہیں) ہو اور پھر آدمی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی نہ کہے تو جانیں۔ وہ شیخی جو مادۂ فرعونیت ہی ہمارے ہاں کے ناموں اور خطابوں میں بڑی جھلک رہی ہی تو غرض یہ ہی کہ حضرت عیسیٰ کی شان سے نہایت بعید تھا کہ دعوی خدائی کریں اور اپنی پرستش کرانا چاہیں۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کسی بشر کا کام نہیں کہ خدا اُس کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے لگے کہنے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو بلکہ

وہ تو یہ کہے گا کہ خدا پرست بنو کیوں کہ تم کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اور تم کو ایسا حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم تو اسلام سے آ لئے اور وہ تم کو کفر کا حکم دے) لیکن حضرت عیسٰی کے معتقدین نے ان کی پرستش کی اور اُن کو اور اُن کی والدہ کو خدائی کے درجہ میں لیا۔ لیکن یہ انسان کو سیرمی ہی نیل (خلاف قیاس) خیال ہے کہ واقع میں سخت تعجب ہوتا ہے۔ لوگوں نے کیوں اس کو ایک لمحہ کے لیئے بھی دل میں آنے دیا۔ مگر پھر کچھ بھی تعجب نہیں ہوتا۔ کیوں کہ حضرت عیسٰی تو پھر بھی بڑے رتبے کے پیغمبر تھے۔ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے معجزے کی طاقت سے مردوں کو جلاتے۔ اندھوں کو بینا۔ کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے۔ ان کی نسبت ایسا شبہہ کر لیا گیا ہو کہ یہی خدا ہیں یا یہ بھی خدا ہیں تو انسان کے ضعف سے کچھ بھی بعید نہیں لیکن ہم مسلمانوں کا کیا حال ہے کہ ہم میں کا ایک جم غفیر قریب قریب اسی طرح کی مدارات ہر ایک شخص کے ساتھ کرتا ہے جس کو وہ بزرگ سمجھ لے تو ہم کس مُنھ سے اعتراض کر سکتے ہیں۔ یہود پر نصاریٰ پر مشرکین پر۔

باقی رہی تاویل کہ ہم ان کی تعظیم کرتے ہیں نہ پرستش ہم اُن سے شفاعت چاہتے ہیں نہ حاجت سو یہ تاویل تو نئی نہیں بلکہ مشرکین سے لی گئی ہے اور خدا کی جناب سے نامنظور ہو چکی ہے، وہ بھی یہ کہتے تھے هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہ ہیں ہمارے سفارشی اللہ کی سرکار میں۔) مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (ہم تو ان کی پرستش اسی لیئے کرتے ہیں کہ اللہ کی سرکار میں ہماری رسائی کی تقریب کر دیں) کیا انصاف ہے کہ وہ خدا کی نظر میں ایسی ہی شفاعت اور ایسی ہی تقریب کے ہوتے مشرک ٹھہریں اور ہم موحد کے موحد توحید نہ ہوئی بی بی تمیز کا وضو ہوا کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں۔ پس ہم نے بنی اسرائیل کی طرح خدا کے ساتھ ایک ادعائی خصوصیت پیدا کر رکھی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (ہم اللہ کے فرزند ہیں اور اُس کے دوست) لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (سوائے چند روز کے ہم کو آتش دوزخ چھوئے گی بھی تو نہیں) اُن سے پوچھا جاتا ہے اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہو کہ خدا اپنے عہد کے خلاف نہیں کر سکتا یا بے جانے بوجھے خدا پر بہتان بندی کرتے ہو) اگر ہم سے پوچھا جائے تو کیا جواب؟

تو ٹو اصل مطلب کی طرف دو باتیں متیقن تھیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی اور اپنی والدہ کی پرستش نہیں کرانی چاہی دوسری یہ کہ خدا کو بھی علم تھا کہ انھوں نے نہیں کرانی چاہی با ایں ہمہ چوں کہ خدا کو شرک سے حد درجہ کی ناراضی ہو خدا نے نہ تو حضرت عیسیٰؑ کے تقرب کا پاس کیا اور نہ اُن کی برائت پیش نظر فرمائی۔ اور ہمارے محاورے کے مطابق اُن سے نہ صرف کیفیت دریافت کی بلکہ جواب طلب کیاءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (کیا تو نے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا سمجھو) حضرت عیسیٰؑ کو اپنی برائت معلوم تھی اور یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کو بھی میری برائت معلوم ہو۔ چاہیئے تھا کہ ہیکڑی اور بے باکی سے جواب دہی کرتے مگر وہی ؎

	بہ تہدید بر کشد تیغ حکم	بماند کرّوبیاں صُمٌّ و بُکْمٌ	

سوال سن کر تھرّا اُٹھے اور جواب دہی کا وہ پیرایہ اختیار کیا کہ اقراری مجرم بھی نہیں کرتا ؎

	گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ	تو در طریق ادب کوش گو گناہِ من ست	

چھوٹتے ہی تو یہ عرض کیا سُبْحٰنَکَ ای پروردگار تیری شان اس سے کہ کوئی تیرا شریکِ خدائی ہو ارفع و اعلیٰ ہو۔ ای عیسیٰؑ تم پر خدا کی رحمت اپنی صفائی ظاہر کرتے ہیں مگر کس خوبی سے۔ تعلیم شرک کا الزام تھا پہلے ہی شرک کی جڑ کاٹ دی۔ اس کے بعد عرض کیا مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ (بھلا میں اور ایسی بات کہتا جو مجھ کو کہنی سزاوار نہ تھی) میں تو تیری طرف سے رسول بن کر گیا تھا اگر خدائی کا دعویٰ کرتا تو اپنے تئیں آپ ہی جھٹلاتا۔ اور مجھ کو وہ خدائی پھبتی ہی کب تھی۔ دوسرے لوگوں میں اور مجھ میں رسالت کے سوائے امتیاز ہی کیا تھا کہ میں خدا بننا چاہتا۔ ساری حاجتیں اور ضرورتیں جو دوسروں کو پیش آتی ہیں مجھ کو بھی پیش آتی تھیں بے اختیاری اور درماندگی جیسی دوسروں میں ویسی مجھ میں حضرت عیسیٰ چاہتے تو صرف سُبْحٰنَکَ کہہ کر چپ کر جاتے۔ یا خیر مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ پر بس کرتے کیوں کہ اتنا کہنے سے وہ اپنی صفائی کر چکے تھے۔ مگر انبیا تو تقرب کے بھوکے

ہوتے ہیں ان کو خدا سے بات کرنے کا موقع ملے تو ایک منٹ کی جگہ ایک گھنٹہ لگا دیں۔
جس وقت حضرت موسیٰ کو خلعتِ پیغمبری عطا ہو رہا تھا تو خدا تعالیٰ نے پوچھا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ (موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟) عرض کیا هِيَ عَصَايَ۔ هِيَ کا لفظ بھی زیادہ ہی تھا مگر عَصَايَ سے هِيَ عَصَايَ کہنے میں کچھ دیر لگتی ہی ہے پھر موسیٰ تو هِيَ عَصَايَ پر بھی کب بس کرنے والے تھے۔ عرض کرتے ہیں اور کرتے ہی چلے جاتے ہیں أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور درختوں کے پتے جھاڑ کر بکریوں کو کھلاتا ہوں۔ اور اس سے میرے اور بھی مطلب نکلتے ہیں۔
یہی حال حضرت عیسیٰ کا ہوا۔ بلکہ اُن کو تو اپنی صفائی بھی کرنی تھی۔ جہاں تک زبان نے یاری دی کہتے ہی چلے گئے۔ کہ میں نے ایسی نالایق بات مُنہ سے نکالی ہوگی تو تجھ کو ضرور خبر ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ تُو تو میرے دل تک کا حال جانتا ہے۔ اور میں تیرے دل کی بات کیا جانوں کہ تو مجھ سے تبلیغ رسالت کے سوائے اور کیا چاہتا تھا۔ اور تجھ سے تو غیب کی بھی کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ ابھی حضرت عیسیٰؑ کیا چپ کر سکتے ہیں اُن کو اپنی برارت کا جوش آ رہا ہوا اور کہے چلے جاتے ہیں کہ مجھ کو تو جو حکم ملا تھا میں نے بے کم و کاست وہی کا وہی اُن کو سنا دیا تھا کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا تمھارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک اُن کا میرا ساتھ رہا۔ اُن کی خبر رکھتا رہا کہ کہیں تو جو رستے بھٹک نہ جائیں۔ پھر جب تو نے مجھ کو اپنے پاس بلا لیا تو اے خدا تو آپ اُن کا نگراں حال تھا تجھ کو خبر ہوگی کہ اُنھوں نے میرے بعد کیا کیا۔ ہائے ہائے نبوت کی شان نہیں جاتی۔ اُمت کی وجہ سے مفت جواب دہی میں پکڑے گئے اپنا قصور نہیں۔ لگاؤ نہیں مگر اُمت کے حال پر جو شفقت تھی اُس میں کمی نہیں آئی۔ وہ لوگ خدا کے ساتھ شرک کریں۔ ان کو جواب دہی میں کھچوائیں اور یہ اُن کی سفارش کریں کہ اے خدا اگر تو ان کو سزا دینی چاہے تو تیرے بندے ہیں تیرے حکم سے باہر نہیں جو چاہے سو کر اور اگر تو ان سے درگزر فرمائے تو کوئی تیرا ہاتھ پکڑنے والا نہیں کہ تو کیوں ان کو معاف کئے دیتا ہے۔

اسی طرح میں ایک دن سورۂ یوسف پڑھ رہا تھا جب اُس مقام پر پہنچا جہاں حضرت یوسف قید
ہو چکے ہیں اور اُن کے ساتھ کے دو قیدیوں نے خواب دیکھے ہیں اور اُن سے تعبیر پوچھی ہی
تو آپ نے فرمایا لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا
عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ وَاتَّبَعْتُ
مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَٰلِكَ مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ
مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا
(حضرت یوسف بے گناہ قید ہو گئے تھے اول تو قید ہی بے حرمتی کی چیز ہی اور پھر ایک جھوٹی تہمت پر
ضرور مستعجل ہوں گے کہ کب وہ وقت آئے کہ میں عذاب سے چھوٹوں۔ بارے خدا کا کرنا۔
إِذَا أَرَادَ اللَّهُ شَيْئًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ (جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہی تو اُس کے اسباب مہیا
کر دیتا ہی) کیوں بادشاہی رکاب دار اور بٹلر (ساقی) یوسفؑ کے ساتھ قید میں جائیں اور کیوں
اُن کو خواب دکھائی دیں۔ اور کیوں حضرت یوسف سے تعبیر پوچھنے کی ضرورت واقع ہو اور
یوں یہ واقعہ قید خانے سے حضرت یوسف کے خلاص پانے کا سبب ہو جائے۔ اُنھوں نے
خواب بیان کئے تو حضرت یوسف نے کہا گھبراؤ نہیں کھانے کے وقت سے پہلے پہلے میں
تم کو تعبیر بتا دوں گا۔ خدا نے مجھ کو اس کا سلیقہ دیا ہی کیوں کہ میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو خدا کو
نہیں مانتے۔ اور آخرت کے منکر ہیں۔ میں اپنے آبائی دین یعنی ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوبؑ کے دین پر
ہوں ہم لوگ کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں سمجھتے۔ اور یہ اللہ کا احسان ہی کہ ہم پر اور لوگوں پر ولیکن اکثر
لوگوں کا دستور ہی کہ احسان نہیں مانتے) اے یارانِ مجلس بھلا سمجھو تو سہی کہ کئی خدا کا ہونا بہتر یا
ایک زبردست خدا کا جو سب پر حکم رانی کرے۔ خدا کے سوا سے تم جن کو پوجتے ہو بس اُن کا نام

نام ہے۔ خدا کے پاس سے تو اُس کی کوئی سند آئی نہیں اور خدا کے سوائے دوسرے کو حکم دینے کا اختیار نہیں اُس نے تو یہی فرمایا ہے کہ میری ہی پرستش کرو سچا دین یہی ہے مگر بہتیروں کو معلوم نہیں۔ اے یارانِ مجلس تم میں کا ایک) آگے چل کر خوابوں کی تعبیر کا بیان ہے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت یوسف سے پوچھی تو گئی خواب کی تعبیر وہ دوسرا دُکھڑا لے بیٹھے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ دُکھڑا رسالت کا دُکھڑا تھا جو ہمہ وقت حضرت یوسفؑ کے نصب العین تھا۔ ان کی تمام دنیاوی ضرورتوں پہ مقدم لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ۔ (مجھے اس کے سوا کہیں پناہ ہی نہیں کہ خدا کا پیغام پہنچا دوں اور حق رسالت ادا کر دوں) میں یہیں سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہوں اور اس کی وجہ ہے میری کم مشقی بے مہارتی۔

جب حضرت عیسیٰ اپنا اظہار دے چکے تو اللہ جل شانہ احکم الحاکمین نے یہ حکم اخیر صادر فرمایا کہ آج وہ دن ہے جو سچ بولتا ہے سچ اُس کے کام آئے اور وہ سچ سے فائدہ اُٹھائے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کی کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہاری اُمت آپ بہکی۔ تم نے کسی کو نہیں بہکایا۔ تم ہمارے بندے تھے اور بندگی کی شان سے رہے اور اب بھی ہمارے مقبول بندہ ہو۔ یہ باغ جن میں نہریں دوڑ رہی ہیں۔ تم ہی جیسوں کے لیئے ہیں یہ نہیں کہ دیکھا بھالا اور رخصت۔ بلکہ تم ہی ان باغوں کے مالک ہو اطمینان کے ساتھ ان میں رہو سہو ؏

چشم ما روشن و دلِ ما شاد

اِس مصرع کے پڑھنے سے ذہن میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ سے باز پرس کی گئی تو ایسا نہ ہو کہیں ان بزرگوں سے بھی خدا یہ پوچھ بیٹھے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہماری قبریں نشان دار بناؤ۔ اُن پہ قیمتی غلاف اُڑھاؤ پنکھے چڑھاؤ۔ روشنی کرو میلے جماؤ۔ ڈھول لک بجاؤ ناچ کراؤ اور ہماری ایسی تعظیم کرو کہ اس میں اور عبادت میں تمیز کرنی مشکل ہو۔ شفاعت کے لیئے ہمارے آگے گڑگڑاؤ۔ اور حاجت کے لیئے خدا کے آگے نہیں۔ یہ بزرگ تو حضرت عیسیٰؑ کی طرح عذر و معذرت کر کے چھوٹ ہی جائیں گے مگر دیکھیئے امت پہ کیا بیتی ہے۔

یہ ہی وہ اسلام جس کو لوگ منوانا اور یورپ اور امریکہ میں سے جانا چاہتے ہیں۔ بھلا کوئی شخص جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل اور عقل میں سلامت ہو ایسے اسلام کو مان سکتا یا ایسے اسلام میں رہ سکتا ہو اور پھر اس زمانے میں۔ وہی تمھارے قادیانی صاحب کی مثل ہوئی۔ مجھ کو تو اُن بزرگ کی خدمت میں نیاز نہیں۔ مگر میں نے اُن کا دہلی تشریف لانا سُنا اور یہ بھی سُنا۔ خدا جانے غلط یا صحیح کہ اپنے تئیں مسیح موعود کہتے ہیں میں نے تو سُن کر یہ کہا تھا کہ آج کو سچ مچ کے مسیح اُتر آئیں تو یہ ایسا ٹیڑھا اور بُرا وقت ہو کہ اُن کو بھی اپنا منوانا مشکل ہو۔ ان بیچاروں کو کون پوچھے گا۔ آخر وہی ہوا۔ کہ اب تو اُن کا غل دب دبا سا گیا لیکن میں مسلمانوں کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ نیچریت کا غل آسانی سے دبنے والا نہیں۔ اس واسطے کہ یہ شورش کسی ایک شخص خاص کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ ای کاشکے یہ شورش سید احمد خاں کی ذات خاص سے پیدا ہوئی ہوتی کہ ایک دن اُن ہی کے ساتھ مٹی میں دب جاتی۔ ع

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

نہیں نہیں۔ یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو زمانہ کی۔ یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو انگریزی عملداری کی۔ یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو انگلش ایجوکیشن کی یہ شورش پیدا کی ہوئی ہو لوگوں کے مخمصہ و اضطرار کی سید احمد خاں کو اگر اس سے تعلق ہو تو اسی قدر کہ اُن کو خدا نے گدھ کی سی آنکھ دی کہ جو بلا آنے والی تھی اور آ گئی انھوں نے اُس کو پہلے سے دیکھ لیا۔ پہلے سے ہوتے تو دیکھ کر چپ کر رہے ہوتے ع

خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

لگے غل مچانے۔ یہ شورش تو تب دبے کہ خدا انگریزی عملداری کو غارت کرے اور وہی اگلے وقتوں کی سی گھس گھس پھر ہونے لگے۔ نہ ریل ہو۔ نہ تار ہو۔ نہ ڈاک ہو۔ نہ منی آرڈر ہو۔ نہ ویلیوپی ایبل پارسل ہو۔ نہ دیا سلائی ہو۔ نہ چاقو ہو۔ نہ سوئی ہو۔ نہ انگریزی کپڑے ہوں۔ نہ امن ہو۔ نہ آسایش ہو۔ نہ آزادی ہو نہ حقوق کی حفاظت ہو۔ نہ فریاد کی شنوائی ہو۔ نہ بندوبست ہو۔ نہ انتظام ہو۔ اگر یہ منظور ہو تو میں قرآن کے لفظوں میں کہتا ہوں تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل

لَّعْنَتَ اللّٰهِ (آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بُلائیں اور تم بھی اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم بھی گھر کی بیبیوں کو بلائیں اور تم بھی گھر کی بیبیوں کو بلاؤ اور ہم بھی ہوں اور تم بھی ہو پھر خدا کے آگے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر لعنت کریں) نصاریٰ نجران میں سے چند لوگ آں حضرت صلعم کی خدمت میں مباحثہ مذہبی کے لیئے آئے اور جناب رسولِ خدا صلعم کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ تہ دل سے اپنے عقائد کے قائل نہیں ہیں اس پر آپ نے ان سے مباہلہ یعنی قسما قسمی کو کہا۔ اور آں حضرتؐ نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ۔ جناب بتولؓ اور دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کو لیا اور فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِ بَیْتِیْ (اے پروردگار یہ ہیں میرے گھر والے) لیکن نصاریٰ نکل بھاگے اور قسم کھانے پر رضامند نہ ہوئے۔

قرآن میں تو ہے عَلَی الْکَاذِبِیْنَ ہم کو کہنا چاہیئے عَلٰی اَھْلِ یُوْرپَ یا عَلَی الْاَدْکِلَیْرِ تو میں بھی تمھارے ساتھ قسما قسمی کرنے پر راضی ہوں۔ کوئی ایک تو تم میں سے آمین کہو۔ مگر یہ سمجھے رہنا کہ دن رات میں کوئی نہ کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ آمین کہنے کے ساتھ لاہور میں سکھ آکر اپنا عمل دخل کر لیں۔ اور حمایت اسلام کے ممبر جو ہوں سکے بلوں میں گھستے پھریں۔ غرض یہ نیچریت کی شورش تو تب دبے کہ انگریزی عملداری اُٹھ جائے۔ یا تب دبے کہ مسلمانوں کو کچھ کرنا نہ پڑے اور ان کی دنیاوی حالت آپ سے آپ درست ہو جائے۔ مگر یہ تو شیخ چلّی کے سے منصوبے ہیں نہ انگریزی عملداری کے اُٹھنے کی کوئی صورت ہے اور نہ اُٹھے گی۔ اور مسلمانوں کو اپنی دنیاوی حالت کے مزاج کو اصلاح پر لانے کے لیئے آج سے کل کل چاروناچار انگریزی تعلیم کا مسہل لینا پڑے گا۔ علی گڈھ کالج کا مسہل لیں تو اور حمایت اسلام کا مسہل لیں تو۔ وہ جلاب پاکسٹرآئیل کا جُلاّب ہے۔ اور یہ تمھارا ویسی املتاس۔ اب جس کو جو پچے بہتر ہے کہ یہ املتاس کا جُلاب تیار ہے۔ آنکھیں میچ کر پی بھی جاؤ۔ شاباش شاباش۔ وہ پی لیا وہ پی لیا۔ اب ذرا طبیعت کو میری باتوں میں مشغول کرو کہ جلاّب اچھی طرح اُتر جائے لیکن جن کی دُکان سے جلاب بندھ کر آیا ہے یعنی انجمن حمایت اسلام کے سکرٹری منشی شمس الدین صاحب دست جلاب کے دام بھی مانگ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں لکچروں کی اصلی شیرخشت اور نظموں کی ترنجبین قیمتی دوائیں ہیں تو بھائی مانگیں سو دو۔ بلا سے روپیہ ہاتھ کا میل ہے۔ تم اچھے ہو جاؤ گے تو بہتیرا کما لو گے۔

سولھواں لکچر

جو اجلاس ہشتم محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۸۹۳ء میں بمقام علی گڈھ دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھر آخر ہوا سال خورشید خاور — کہ ہو چکنے پر آیا ماہ دسمبر

لگا روز آہستہ آہستہ بڑھنے — بندھا ہی تنزل ترقی کا چکر

مسلمانوں پر صادق آئے تو جانیں — کہ ہی یہہ بھی اک رسم دنیا مقرر

اُچھل آئے ڈوبے ہوئے کتنے بیڑے — سنبھل جاتے ہیں لوگ کھا کھا کے ٹھوکر

ہم ان اپنی آنکھوں سے دیکھا کیے ہیں — ہلالوں کو بنتے ہوئے بدر انور

ہوئے ہیں بہت دانۂ بے حقیقت — بزور طبیعت درخت تناور

ولیکن بظاہر توقع نہیں ہی — کہ اسلام کو ہو بحالی مکرّر

اگر ہو تو سمجھو کہ جی اُٹھے مردے — اگر ہو تو جانو ہوئے موم پتھر

تو سمجھو ہوا خرقِ عادت محقق — تو جانو لگا بہنے اُلٹا سمندر

گئے دن کہ اسلام سے کانپتے تھے — زمان و زمین بید کی طرح تھر تھر

بہت دیر برہمن کی زبان پہ تھا جاری — دم نعرۂ ذکر اللہ اکبر

جدھر رُخ کیا سلطنت زیر فرمان — جدھر آنکھ اُٹھائی ممالک مسخر

یہ حاکم ہر اک شخص ان کی رعیت — یہ آقا تمام آدمی ان کے نوکر
زمانے میں اُس وقت جتنے ہنر تھے — یہی سب میں فائق یہی سب میں بہتر
یہ ممتاز تھے حق بجانب کہ کوئی — نہ ندِ مقابل نہ ثانی نہ ہمسر
طبیعت میں ہر ایک کے غمگساری — مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر
خدا نے عجب دل دیئے تھے کہ جن میں — کسی کی طرف سے نہ تھا کینہ مضمر
اگر صبح کو لڑلیے بھائی بھائی — تو پھر شام تک ہوگئے شیر و شکر
کبھی رونق افزائے بزمِ مسرت — کبھی مردِ میدان و سالارِ لشکر
لڑائی میں ایک ایک دس دس پہ بھاری — شہیدانِ بدر و شجاعانِ خیبر
لگیں دشمنوں کے تئیں ہوکے چھرے — اگر پھینک دیں لے کے مٹھی میں کنکر
بھگا یا ہے اعدا کو یوں غازیوں نے — اڑا کر ہوا جیسے لے جائے چھپر
خدا اور رسولِ خدا اُن کے حامی — کوئی آسکے اُن سے کس طرح برسر
ہلا ڈالی بنیادِ ایوانِ کسریٰ — رگڑ دی پکڑ کر دنِ ملکِ قیصر
پر اس سے کہ دادا کو تخمہ ہوا تھا — بھلا بھوکے پوتوں کو سیری ہو کیوں کر
بڑوں نے پیٹے ہوں شال اور دوشالے — میسر نہیں اُن کی نسلوں کو دھوتر
رہے ہوں گے اگلے خزانوں کے مالک — ہمیں ایک پیسا ہے کبریتِ احمر
ہمیں مرگئے جب کہ فاقوں کے مارے — بزرگوں کے کٹ کٹ کے نکلے قرعفر
خدائی بدل جائے واللہ باللہ — اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر
مگر کیا کیا جائے آخر تو دل ہے — سریع التاثر نہ لوہا نہ پتھر
پگلتا ہے دیکھے سے درد و مصیبت — اذیت سے ہوتا ہے بے چین و مضطر
خصوصاً وہ دل جس کو سینے ہیں اپنے — لیے بیٹھے ہیں یہ بزرگ[1] معمر

[1] لکچرار نے سرسید کی طرف اشارہ کیا ۱۲۔

لگایا تھا اک باغ[۵۱] نانا نے اِن کے — کئی سو برس تک رہا تازہ و تر
بکثرت رہا چمن و گلہائے رنگین — بافراط شمشاد و سرو و صنوبر
درختوں پہ پھل اور پھلوں پر پرندے — زمین پر دھرے دیتی ہیں ٹہنیاں سر
ہوئے ہیں مگر چہچہے سنتے سنتے — شب و روز صبح و مسا گوش گل کر[۵۲]
ہر اک قطعہ پھولوں کے تختے کے تختے — ہر اک حوض پانی کی چادر کی چادر
تعالی اللہ فواروں کی سربلندی — کہ قطرے سے بنتے انجم چرخ چنبر
فواکہ اگر کھائیے رزق طیب — شگوفے اگر سونگھیے مشک و عنبر
سُنے ہوں گر اوصاف جنت کے تم نے — اُسی کا نمونہ تھا روئے زمیں پر
نظر لگ گئی پھولتے پھلتے اُس کو — حوادث کی پیہم چلی بادِ صرصر
اب اُس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا — کفِ دست میدان ہے جیسے کلّر[۵۳]
نہ سبزہ نہ سایہ نہ اک قطرہ پانی — نہ لطف تفرّج نہ تفریح منظر
جہاں نغمہ خواں جھنڈ تھے طائروں کے — پڑے ہیں وہاں منتشر مشت[۵۴] پر
الٰہی وہ کیا ہو گئیں سب بہاریں — حزیں ہیں جن کے بیانوں سے دفتر
جہاں وہ گئیں یہ تمنا بھی جائے — کہ ہم بھی اُنھیں دیکھتے اک نظر بھر
خزاں ہو تو جائے شکایت نہیں ہے — کہ ہر باغ کے واسطے ہے مقدّر
مگر یہ تباہی اور اتنی تباہی — اور ایسی تباہی ہے اک امر آخر
نہ ہو حقِ ماتم ادا اس الم کا — اگر روئیے تا قیامت برابر
مگر صرف رونا ہے رانڈوں کا شیوہ — کہ اُن کو مناجاتِ حالی ہے از بر
یہ مردوں میں ہے وا ہے اور ہائے کیسی — کہ بیٹھو منغص اور اُٹھو مکدر
پہ تصمیمِ ہمت کمر چست باندھو — ذرا دل کو مضبوط رکھو برادر

[۵۱] یعنی اسلام ۱۲ [۵۲] بہرے ۱۲ [۵۳] بنجر۔ افتادہ۔ ریتی۔ [۵۴] مٹھی ۱۲

خدا کے لیئے کوئی صورت نکالو
بتاؤ کوئی ایسی تدبیر مل کر

مسلمان فاقوں سے مرنے نہ پائیں
کہ اب ان کی حالت ہی بدتر ز کمتر

اگر تم میں ہی مردمی اور مروت
اگر کچھ ہی پاس خدا و پیمبر

جو تم کو حمیت ذرا چھو گئی ہی
اگر تم پہ چلتا ہی غیرت کا منتر

سہارا لگاؤ علیٰ قدرِ طاقت
اسی طرح اُٹھتے ہیں لوگوں کے پیچر

جو سر کو تو منزل پہ پہنچو ہی پہنچو
بشرطیکہ ان کو کرو اپنا رہبر

بہت سو چکے کھو چکے اب تو جیتو
کہاں تک کروگے ستم اپنے اوپر

کوئی حد بھی ہی بدگمانی کی آخر
ارے ظالموں! خیرخواہوں سے بدتر

سنا بھی کرو گوش دل سے نصیحت
کہ سوء مظنہ ہی ممنوع مُنکر

جو دنیا و دین میں ہو ایسا تخالف
کہ یہ جائے دکھن تو وہ جائے اُتر

تو تم کس طرف کے ہوئے منہ سے پھوٹو
کشاکش میں دونوں کی مجبور و مضطر

کوئی بات ہو اُس میں دیں کے اڑنگے
کوئی کام ہو اُس میں مذہب کی پچّر

یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں
اُٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر

مگر ترکِ دنیا کچھ آساں نہیں ہی
دکھائے کوئی کرکے بر زعم نیچر

ضوابط یہ باندھے ہوئے ہیں خدا کے
نہ بدلے نہ بدلیں الیٰ یوم محشر

یہ طامات و دعوے ہیں ہوسکے کی ٹٹّی
اگر زہد ہی بھی تو زہدِ مزوّر

پڑے کیا ہو سید مذہب کے پیچھے
سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر

وے گر کہے دنیوی فائدے کی
تو کیا ضد سے کرلوگے نقصان سراسر

سیادت کا دعویٰ اور امت کا دشمن
ہمیں تو نہ آیا نہ آئےگا باور

اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اُجاڑے
کہ جو باغ ہی اس کی میراثِ مادر

جو کہیئے کوئی بات ایسی تو کہیئے
کہ دائر ہو امکانِ عقلی کے اندر

نہ ایسی کہ سُن کر جسے گر پڑے جھٹ
نکل جائے کتنوں کا دیں کر کے جو مر

پڑھا ہوگا قرآں میں روز اُخُسرہی
کریں یہ تو تم کیوں بھرو اُس کا کیفر

خدا کو بھی سمجھے ہو کیا اپنے دل میں
کہ جج ہے سشن جج تم اُس کے اسیسر

و یا اُس کے ہاں بھی کوئی کونسل ہے
تم اُس کونسل کے ارکین و ممبر

اُسے رائے لینے کی تم سے ضرورت
خدا ہو کے محتاج تعلیم دیگر

پڑی کیا پرائی تم اپنی نبیڑو
فکُلٌّ رَهِينٌ وَّ كُلٌّ مُيَسَّرٌ ۵

ہر یکے را بہر کارے ساختند
میل آن اندر دلش انداختند

اب ہم اسرار الٰہی کی سرحد پر پہنچ گئے ہیں ؎

اگر یک سر موے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ یہ ٹکڑا ہے قرآن مجید کی ایک آیت کا جو سورہ ن میں واقع ہے وَدُّوا کا مادہ ہے وُدّ اور اسی سے ہے مَوَدَّة وِدَاد مثلثہ جس کے معنی ہیں دوستی محبت رغبت خواہش میلانِ خاطر و امثالہا تُدْهِنُ اور يُدْهِنُونَ دونوں باب اِدْهَانٌ سے ہیں اور اُس کا مادہ ہے دُهْنٌ جس کے معنی تیل کے ہیں اور چونکہ تیل کا خاصہ ہے چکنا ہٹ۔ اِدہان اور مداہنت کے معنی ہیں نرمی ملائمت وَدُّوا اور يُدْهِنُونَ کی ضمیریں راجع ہیں کفارِ قریش کی طرف اور تُدْهِنُ خطاب ہے جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تو وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ کے معنی ہوئے کہ اے پیغمبر کفارِ قریش چاہتے ہیں کہ تم اُن کے ساتھ نرمی اختیار کرو تو وہ بھی تمہارے ساتھ نرمی اختیار کریں قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ کفارِ قریش پیغمبر صاحب سے کس طرح کی نرمی چاہتے تھے۔ اور نہ اُس نرمی کا

۵ کُلٌّ رَهِينٌ اشارہ ہے كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ کی طرف اور كُلٌّ مُيَسَّرٌ سے مراد ہے كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ - ۱۲-

مذکور ہی جس کے کرنے پر کفارِ قریش آمادہ تھے۔ اس کا پتہ چلتا ہی احادیث سے سیر سے۔ اس بارے میں بڑی لمبی لمبی حدیثیں نظر سے گزری ہیں۔ اور توضیح مطلب کے لیئے اُن کے سُنانے کو بھی جی چاہتا ہی۔ مگر مجکو معلوم ہی کہ کتنے مسلمان عربی سمجھ سکتے ہیں اور جو سمجھ سکتے ہیں۔ اُن میں کتنے ہیں جو عربی سن کر خوش ہوتے ہیں اور یہ جو میں کہہ رہا ہوں حاضرین پر نظر کرکے کہہ رہا ہوں جو تعلیم کے اعتبار سے مسلمانوں میں منتخب اور سرآوردہ ہیں ورنہ عام مسلمانوں کے شمار کی رو سے بلکہ خواندہ مسلمانوں کی شمار کے رو سے بھی مجکو کہنا چاہیئے کہ ایک مسلمان بھی عربی داں نہیں کیوں کہ کوئی چھوٹی سی کسر ہوئی بھی تو وہ کس گنتی میں جنھوں نے برٹش انڈیا کے زمانۂ جاہلیت میں یعنی ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے یہ نادانی کی۔ اور انگریزی عملداری کے لحاظ سے طالبِ دنیا کے حق میں عربی کے حاصل کرنے کو نادانی کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہی۔ غرض جنھوں نے ۱۸۵۷ء سے پہلے عربی حاصل کی تھی اور اُن میں ایک کم سواد ساکٹھ ملا میں بھی ہوں میرا یہ خیال ہی کہ ایسے سب لوگ افسوس کرتے ہیں کہ کیوں ہم نے عربی جیسی بے کار چیز کے پیچھے اپنا وقت ضائع کیا۔ اور غدر کے ادھر جو لوں ہی سا چرچا عربی کا دیکھتے ہو۔ ان میں مدرسے کے پڑھے ہوؤں کو تو میں کچھ عربی داں سمجھتا و مجھتا نہیں۔ اور وہ بیچارے عربی داں ہو بھی کیسے سکتے ہیں کسی نے بڑی ہمت کی عربی کو سکنڈ لینگویج[1] کے طور پر اختیار کر لیا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ وہ کیسی عربی جانتے ہیں اور کیسی عربی جان سکتے ہیں فرسٹ اور سکنڈ کیسی یہاں ساری عمر عربی دی اونلی لینگویج[2] رہی اور آئی تو اتنی ہی آئی کہ یوں تنہائی میں شاید صفحے کے صفحے اپنے دل میں گھڑتا چلا جاؤں مگر احیاناً کسی عرب سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہوتا ہی تو پہلے ہی جملے میں سٹی بھول جاتی ہی۔ دو سطری خط قلم برداشتہ نہیں لکھ سکتا۔ سبب کیا؟ بے مہارتی۔ اور عدمِ مزاولت۔ یہ ہیں زمانے کے خلاف کوشش کرنے کے نتیجے۔ عربی تو سوائے کتابوں اور پرانے کھنڈروں اور قبروں کے کتبوں کے اور کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اور نہ سوائے نماز کی اس کی کہیں آواز سُن پڑتی ہی مگر ہاں انگریزی ہی کہ ریل پر سوار ہو گاڑی گاڑی اور اسٹیشن کے دروازے دروازے پر انگریزی ہی دیاسلائی کے بکس پر

۱؎ دوسری زبان ۱۲ ۲؎ صرف یہی ایک زبان ۱۲۔

انگریزی سوت کی پیچک پر انگریزی۔ چاقو پر انگریزی۔ مقراض پر انگریزی۔ کپڑے کے تھانوں پر انگریزی کہ نہ دیکھو تو دیکھو اور نہ سنو تو سنو۔ عربی ہماری ملکی زبان نہیں۔ دنیاوی کوئی حاجت اس پر بند نہیں پھر مہارت اور مزاولت ہو تو کیوں کر ہو۔ شکر ہے کہ سنسکرت اور لیٹن جیسی تو نہیں کہ روئے زمین سے ناپید ہو گئی ہے۔ مگر اپنے حساب سے تو عربی بھی ڈیڈ لینگویج (زبانِ مردہ) ہی ہے اگر دین اسلام کا سہارا نہ ہوتا تو الحمد اور الحمد کے اختلافات کبھی کے نکل کھڑے ہوئے ہوتے۔ اتنا غنیمت ہے کہ کتاب اللہ عربی ہے۔ کتاب الرسول یعنی حدیث عربی ہے۔ نماز عربی ہے۔ اور ان شاء اللہ جنت میں بھی ہم تم جن کو عربی آتی ہے وہ اور جن کو نہیں آتی وہ سب عربی ہی بولیں گے۔ ورنہ ہندوستان میں اور انگریزی عملداری میں عربی ایسی ہی بے جوڑ ہے جیسے امریکا اور لورپول میں اشاعتِ اسلام مجھ میں ایک یہ بڑا سخت عیب ہے کہ تسلسل سخن قائم نہیں رکھ سکتا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ مداہنت کے متعلق جی چاہتا ہے کوئی حدیث پڑھ کر سناؤں۔ مگر پہلے ہی جی بیٹھا ہوا ہے۔ بادلِ ناخواستہ کچھ پڑھا بھی تو پڑھنے والے کا پڑھنا بے لطف اور سننے والوں کا سننا بدمزہ۔ مگر مداہنت کا مطلب تو بیان کرنا ضرور ہے۔ ایک مختصر سی حدیث اس بارے میں یہ ہے۔ إِنَّ نَاسًا مِنْ قُرَيْشٍ اجْتَمَعُوا فِيهِمْ أَبُو جَهْلِ بْنُ هِشَامٍ وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَالْأَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْأَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ يَغُوثَ فِي نَفَرٍ مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْطَلِقُوا بِنَا إِلَى أَبِي طَالِبٍ فَلْنُكَلِّمْهُ فِيهِ فَلْيُنْصِفْنَا مِنْهُ فَلْيَكُفَّ عَنْ شَتْمِ آلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَإِلٰهَهُ الَّذِي يَعْبُدُهُ فَإِنَّا نَخَافُ أَنْ يَمُوتَ هٰذَا الشَّيْخُ فَيَكُونُ مِنَّا إِلَيْهِ شَيْءٌ فَتُعَيِّرُنَا بِهِ الْعَرَبُ يَقُولُونَ تَرَكُوهُ حَتّٰى إِذَا مَاتَ عَنْهُ تَنَاوَلُوهُ فَبَعَثُوا رَجُلًا مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ الْمُطَّلِبُ فَاسْتَأْذَنَ لَهُمْ عَلٰى أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ مَشْيَخَةُ قَوْمِكَ وَسَرَاتُهُمْ يَسْتَأْذِنُونَ عَلَيْكَ قَالَ أَدْخِلْهُمْ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَبَا طَالِبٍ أَنْتَ كَبِيرُنَا وَسَيِّدُنَا فَأَنْصِفْنَا مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَمُرْهُ فَلْيَكُفَّ عَنْ شَتْمِ آلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَإِلٰهَهُ قَالَ فَبَعَثَ إِلَيْهِ أَبُو طَالِبٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا ابْنَ أَخِي هٰؤُلَاءِ مَشْيَخَةُ قَوْمِكَ وَسَرَاتُهُمْ وَقَدْ سَأَلُوكَ أَنْ تَكُفَّ عَنْ شَتْمِ آلِهَتِهِمْ وَيَدَعُوكَ وَإِلٰهَكَ قَالَ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَا عَمِّ اَفَلَا اَدْعُوْھُمْ اِلٰی مَا ھُوَ خَیْرٌ لَھُمْ قَالَ وَ اِلٰی تَدْعُوْھُمْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَدْعُوْھُمْ اَنْ یَتَکَلَّمُوْا بِکَلِمَۃٍ تَدِیْنُ لَھُمْ بِھَا الْعَرَبُ وَیَمْلِکُوْنَ بِھَا الْعَجَمَ فَقَالَ اَبُوْجَھْلٍ مِنْ بَیْنِ الْقَوْمِ مَا ھِیَ وَ اَبِیْکَ لَنُعْطِیَنَّکَھَا وَعَشْرَ اَمْثَالِھَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ تَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَنَفَرُوْا وَقَالُوْا سَلْنَا غَیْرَھَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَوْ جِئْتُمُوْنِیْ بِالشَّمْسِ حَتّٰی تَضَعُوْھَا فِیْ یَدِیْ مَا سَاَلْتُکُمْ غَیْرَھَا فَقَالُوْا مِنْ عِنْدِہٖ غَضْبَانًا وَقَالُوْا وَاللّٰہِ لَنَشْتُمَنَّکَ وَاِلٰھَکَ الَّذِیْ اَمَرَکَ بِھٰذَا وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰی اٰلِھَتِکُمْ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ اس حدیث کا حاصل مطلب یہ ہو کہ رؤسائے قریش نے جمع ہو کر مصلحت کی کہ چلو ابوطالب پاس چلیں اور اُن سے چل کر درخواست کریں کہ تمھارے بھتیجے صاحب ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اس کا انصاف آپ کے ہاتھ ہی ایسا ہو کہ یہ گالیاں دینے سے باز رہیں۔ اور ہم بھی اُن سے اور اُن کے خدا سے متعرض نہ ہوں۔ چنانچہ سب لوگ ابوطالب پاس گئے اور اپنا مدعا ظاہر کیا اُنھوں نے پیغمبر صاحب کو بلا کر کہا بھتیجے یہ لوگ تمھاری قوم کے سردار ہیں اور تم سے اتنی بات چاہتے ہیں کہ ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہو تو یہ بھی تم سے اور تمھارے خدا سے دست بردار رہیں پیغمبر صاحب نے کہا تو کیا چچا جان آپ کی یہ مرضی ہی کہ میں ان کے فائدے کی بات بھی ان سے نہ کہوں۔ ابوطالب بولے آخر وہ کیا بات ہی پیغمبر صاحب نے فرمایا میں ان سے ایسے دو اَنچھر کہلانے چاہتا ہوں جن کی برکت سے کیا عرب کیا عجم سب ان کے مطیع ہو جائیں یہ سن کر ابوجہل بول اُٹھا وہ کون سے دو اَنچھر ہیں۔ اگر ان میں ایسی برکت ہے تو دس بھی کہنے کو ہم طیار ہیں۔ آپ نے فرمایا بس وہ انچھر ہیں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" یہ کہنا تھا کہ سنتے ہی سب بکھرے اور لگے کہنے یہ نہیں اس کے سوائے کوئی اور بات کہیے آپ نے فرمایا تم روٹھو یا بگڑو ویسی میں تو یہی ایک بات چاہتا ہوں۔ اور اگر آسمان سے آفتاب کو اُٹھا کر میری مٹھی میں رکھ دو تو بھی میں دوسری بات کہنے والا نہیں۔ اس پر سب کے سب خفا ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور لگے کہنے بخدا ہم تم کو گالیاں دیں اور تمھارے خدا کو گالیاں دیں تو سہی۔ اس حدیث کے متعلق مجھکو ایک ذرا سی بات

جملہ معترضہ کے طور پر کہنی ہی کفار قریش کو گالیوں کی شکایت تھی تو کیا واقع میں پیغمبر صاحب اُن کے
معبودوں کو گالیاں دیا کرتے تھے ۔ حاشا و کلاّ پیغمبر صاحب کی لائف نہایت شرح و لبسط کے ساتھ
لکھی ہوئی موجود ہی اور پیغمبر صاحب کا کوئی قول کوئی فعل اس سے چھوٹنے نہیں پایا ۔ حتیٰ کہ پردے
تک کی باتیں لوگوں نے قلم بند کر دی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہی کہ پیغمبر صاحب کی لائف کو لوگ
دین دارانہ زندگی کا نمونہ بنانا چاہتے تھے تاکہ اُس کی تقلید کر سکیں ۔ اور ایسی کاوش کے ساتھ
واقعات کی تفتیش کی گئی ہی کہ از آدم تا ایں دم کسی شخص کے ایسے تفصیلی حالات معلوم نہیں پیغمبر
صاحب کی لائف کو بالاستیعاب پڑھو اور بار بار پڑھو اور موافقت اور مخالفت دونوں سے قطع نظر
کر کے پڑھو تو ضرور تمہارا دل اندر سے گواہی دے گا کہ اس طرح کی بے داغ بے لوث پاکیزہ اور
مقدس زندگی پیغمبر کے سوائے کسی بشر سے ہو نہیں سکتی ۔ میں نے جو پیغمبروں کی طرف سے اپنے
دل کو مطمئن کیا ہی تو اُن کی لائف ہی سے کیا ہی ۔ مثلاً حضرت یوسف ہی کو لو ۔ عام مسلمانوں کا
یہ خیال ہی کہ ان کی پیغمبری کا ثبوت تھا اُن کا حسن کیا تم نے یہ شعر نہیں سنا ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بے شک میرے نزدیک کوئی پیغمبر کریہ المنظر مبعوث نہیں ہوا اور چاہیے بھی تھا کہ نہ ہو تاکہ لوگ نہ تو
اُس سے وحشت و نفرت کریں اور نہ اُس کو نظرِ حقارت سے دیکھیں مگر حسنِ صورت کو کسی پیغمبر کا
معجزہ قرار دینا ہم تو ایسی باتوں کے قائل نہیں ہیں ۔ لوگوں کو گرویدہ حسنِ یوسف ہونے کا اختیار ہی
میں تو حضرت یوسفؑ کی ان اداؤں کا فریفتہ ہوں ۔ ایک تو اُن کا امراۃ العزیز سے کہنا اِنَّهٗ رَبِّیْۤ
اَحْسَنَ مَثْوَایَ ۔ کہ عزیز میرا آقا ہی اور میرے ذمّے اُس کے حقوقِ پرورش ہیں مجھ سے ایسی نمک
حرامی نہیں ہو سکتی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف کی طبیعت میں اعلیٰ درجہ کی احسان شناسی
اور مروّت کی صفت ایسی راسخ تھی کہ کوئی ترغیب اُن کو متزلزل نہیں کر سکتی تھی ۔ یہ ہی یوسفؑ کی
پیغمبری کی ایک شناخت ۔ یا اُن کا ایک معجزہ ۔ دوسرے حضرت یوسف کا بھائیوں سے کہنا ۔
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔ مجھ کو تم سے کچھ شکایت نہیں ۔

میں نے تمہارا قصور معاف کیا۔ خدا بھی تمہارا قصور معاف کرے۔ یہ ہی عفو بعد القدرت۔ یہ ہی صلۂ
رحم۔ یہ ہی پاس اُخوت تیسرے یوسف ع کی آخری تمنا[۵۱] تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یوسف ع
نے سلیمان ع کی طرح نہیں کہا ھَبْ[۵۲] لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اور اگر یوسف ع نے ایسا
کہا ہوتا تو کچھ تعجب نہ تھا۔ کیوں کہ وہ غلامی اور قید کی مصیبتیں میں جھیل کر سلطنت پر پہنچے تھے۔ اور
ان کو سلطنت زیادہ عزیز ہونی چاہیے تھی۔ لیکن خدا کا بندۂ فرماں بردار رہ کر دنیا سے اُٹھ جانے اور
اللہ کے نیکوکار بندوں میں جا شامل ہونے کو وہ سلطنت سے زیادہ عزیز رکھتے تھے جس سے کمال
عبودیت ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کی بہت باتیں ہیں جن کو میں حضرت خاتم النبیین کی لائف میں پاتا
ہوں۔ از انجملہ حلم و انکسار۔ عجز و تواضع چشم پوشی و درگزر۔ تہذیب و شائستگی۔ نرمی۔ و لینت۔ پیغمبر
صاحب کو بہت کثرت سے غیظ و غضب کے مواقع پیش آتے تھے۔ کیوں کہ مذہبی پرخاش
کی وجہ سے لوگ اُن کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے رہتے تھے کبھی کبھی بشریت پر غصہ کے آثار کا مترتب
ہونا تو کتابوں سے ثابت ہے۔ مگر کسی دشمن نے جھوٹوں بھی بدزبانی اور سخت کلامی اور درشتی
کا الزام نہیں دیا اُن کی ہدایت تھی۔ اِدْفَعْ[۵۳] بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ
کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ لَا[۵۴] تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ
الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ لَا[۵۵] تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا
بِغَیْرِ عِلْمٍ حضرت کے خادم انس رض گواہی دیتے ہیں کہ میں نے دس برس حضرت کی خدمت کی۔ اس اثنا
میں خدمت کے متعلق میرے کسی فعل پر آں حضرت صلعم نے اعتراض نہیں فرمایا یعنی میں نے کوئی کام کیا
تو نہ پوچھا کہ کیوں نہ کیا۔ اور کیا تو نہ پوچھا کہ کیوں کیا۔ اور حالاں کہ حضرت انس رض اُن دنوں لڑکے تھے نو عمر

---

[۵۱] موت دے مجکو اسلام پر اور ملا مجکو نیک بختوں میں [۵۲] بخش مجکو وہ بادشاہی کہ نہ چاہیے کسی کو میرے پیچھے ۱۲۔
[۵۳] جواب میں تو کہہ اُس سے بہتر پھر دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست ناتے والا اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو
جو سہار رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اُس کو جس کی بڑی قسمت ہے۔ [۵۴] جھگڑا نہ کرو کتاب والوں سے مگر اس طرح پر جو
بہتر ہو ۱۲ [۵۵] اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ سوا کہ وہ بُرا کہیں اللہ کو بے ادبی سے نہ سمجھ کر ۱۲۔

آں حضرت کسی کام کو بھیجتے۔ اور یہ جیسے لڑکوں کا قاعدہ ہے کھیل میں لگ جاتے۔ ایک یہودی کا آپ پر قرض آتا تھا۔ اُس نے ایسی سختی سے تقاضا کیا کہ صحابہ کو ناگوار ہوا تو آپ نے فرمایا اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا[1] ایک یہودی نے آکر السلام علیکم کہنے کے عوض دبی زبان سے اَلسَّامُ عَلَیْكَ کہا اور سام کے معنی ہیں موت تو اُس نے دعا کے بدلے بددعا دی۔ حضرت تو عَلَیْكَ کہہ کر خاموش رہے۔ حضرت عائشہ رض نے سُن پایا تھا۔ اُنھوں نے کہا عَلَیْكَ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ جناب رسول خدا ناخوش ہوئے اور زجر فرمایا۔

مالِ غنیمت میں سے ایک چادر گم ہو گئی۔ کسی بدنفس نے کہا پیغمبر صاحب نے لے لی ہو گی۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں خدا مجھکو رسالت کے لیئے امین سمجھے اور میں ایسی ادنی چیز پر نظر کروں وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ[2] قصہ افک سے بڑھ کر بھی کوئی بات ہو گی اور مسطح نے جو حضرت ابوبکر رض کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان ہی کا دیا کھاتے تھے۔ اس نالایق بات کو شہرت دی تھی۔ ابوبکر اُن کی اعانت سے دست کش ہو بیٹھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[3] مجکو تو پیغمبر صاحب کی نبوت اور ابوبکر رض کی صدیقیت پر ایمان لانے کے لیئے بس یہی ایک آیت بس کرتی ہے۔

غرض پیغمبر صاحب کی بُردباری اور تہذیب تو اس درجہ کی تھی کہ اپنی زبان سے بُرا کہنا کیسا وہ اس کو بھی جائز نہیں رکھتے تھے کہ ان کے دشمن سے دشمن کو بھی کوئی ان کی طرف سے سخت بات کہے۔ پس ہونہ ہو وہ سب دشمنوں کی شکایت کفار قریش ابوطالب پاس لے کر

---

[1] صاحبِ حق جو کچھ کہے اُس کو زیبا ہے ۱۲ [2] اور نبی سے خیانت نہیں ہو سکتی اور جو کوئی خیانت کرے گا قیامت کے دن اُسی چیز کو لا حاضر کرے گا ۱۲ [3] اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے تم میں اور کشایش والے اس پر کہ دیویں ناطے والوں کو محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۱۲

گئے تھے وہ اس قسم کی باتیں تھیں [۱۵] یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ
مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ [۱۲] اِنَّكُمْ وَمَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا
وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ۔ ضرور یہی باتیں تھیں جن کا بتنگڑ بنا لے
کے لیئے اینڈ لو گو کلر ٹو دیر کمپلینٹ (اپنے بیان شکایت کو رنگ مبالغہ دینے کے لیئے) سب و شتم
سے تعبیر کیا۔ پس مداہنت جو پیغمبر صاحب سے چاہی جاتی تھی یہ تھی کہ بتوں کو عاجز و مجبور و جماد کہنے سے
فی زعم معتقدیہم اُن کی توہین ہوتی ہے پیغمبر صاحب اس سے باز آئیں۔ یا بعبارتِ دیگر خدائے واحد
کی منادی جس کے لیئے وہ مبعوث ہوئے تھے بند کریں۔ یا بہ تغیر الفاظ منصب رسالت چھوڑ
بیٹھیں۔ یا دوسرے پیرایہ میں اُس وقت کے ادیانِ باطلہ میں سے کسی دین میں رہیں پس یہ
مداہنت کاہے کو تھی۔ کفارِ قریش پیغمبر صاحب سے اقبالِ دعویٰ داخل کرا کے اپنے حق میں ڈگری
چاہتے تھے مع خرچہ۔ اچھا تو اس مداہنت کے بارے میں خدا نے پیغمبر صاحب کو کیا حکم دیا۔ درخواست
مداہنت کو دو ممانعتوں کے بیچ میں رکھا۔ پہلے فرمایا فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ اور پھر وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ
فَیُدْهِنُوْنَ سے درخواست مداہنت کا بیان کر کے ارشاد کیا وَلَا تُطِعْ [۱۳] كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ هَمَّازٍ
مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ قرآن میں جا بجا کافروں کی ہجو و مذمت ہے مگر وہ
غلطے ہیں تو یہ گریب ہے میں چاہوں تو اس مضمون کو اتنی وسعت دے سکتا ہوں کہ تمام وقت جو میرے لیئے

---

[۱۵] اے لوگو ایک کہاوت کہی ہے اُس کو کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہر گز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر
کچھ چھین لے اُن سے مکھی نہ لے سکیں وہ اُس سے لوداہی چاہنے والا اور جس کو چاہتا ہے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اُس کی قدر
ہے بے شک اللہ زور آور ہے زبردست ہے ۱۲ [۱۲] تم جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا جھونکنا ہے دوزخ میں تم کو اُس پر پہنچنا ہے اگر ہوتے
یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اور سارے اس میں پڑے رہیں گے ان کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے ۱۲ [۱۳] اور کہا نہ مان
کسی قسم کھانے والے بے قدر کا طعنے دینا اور چغلی کرنا پھرتا بھلے کام سے روکنا حد سے بڑھتا بڑا گنہگار ۱۲۔

مقرر ہی اس ایک آیت۔ اور آیت بھی نہیں جزو آیت میں تمام ہو جائے جب میں جانتا ہوں کہ
لوگوں کو سوائے خاموش بیٹھے سنتے رہنے کے اور کچھ چارہ نہیں تو رطب و یابس جو کچھ مونھ میں آئے
کہتا چلا جاؤں مگر یہ تو فرمائیے کہ جو کچھ میں نے اب تک کہا اُس کو اس مجمع سے اس تقریب سے
اس حال سے مناسبت کیا؟ ہاں تو مناسبت یہ ہی کہ میں کئی کئی برس سے دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے
بزرگ سر سید نے مداہنت کی پالیسی اختیار کی ہی اور اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے
اکثر لوگوں کو کہتے سُنا ہی کہ سر سیّد اگر مذہب کی کرید نہ کرتے تو وہ لوگوں میں زیادہ مقبول ہوتے
اور علی گڈھ کالج کبھی کا یونیورسٹی ہو گیا ہوتا۔ مجکو اس رائے سے اتفاق نہیں میرا خیال یہ ہی کہ اگر مذہب
کی کرید نہ ہوتی تو سر سیّد کو کوئی پوچھتا بھی تو نہیں کہ کدھر رہتے ہیں۔ اور یونیورسٹی ہونا تو درکنار
علی گڈھ کالج حقیقی لو ور سکول ہی میں پڑا سڑتا۔ سر سیّد کے مقبول و مردود ہونے کی تو میں جانتا
نہیں مگر یہ جو کچھ ہوا ہی اور بہت کچھ ہو رہا ہی اور بہت کچھ ہونے کی امید ہی یہ سب متفرع ہی اس پر کہ
سر سید نے مسلمانوں کے اصلی مرض کو دریافت کیا۔ اس کے اسباب تحقیق کیے اور آخر کار ازالہ
سبب کے قاعدے کے مطابق علاج شروع کیا۔ علاج تو ٹھیک ہی۔ اور بیمار کی حالت میں افاقہ بھی ہی۔ مگر
خدا جانے کیا سمجھ کر بیمار کو بد پرہیزی کی اجازت دے دی ہی اور مجکو بڑا خوف ہی کہ کہیں خدانخواستہ مرض
عود نہ کر آئے اگر نکس ہوا تو پھر جالینوس بھی قبر سے اُٹھ کر آئیں تو بیمار سنبھلنے والا نہیں تشبیہ و استعارہ
کو الگ رکھ کر صاف صاف کیوں نہ کہوں۔ مسلمانوں کو بیماری کیا تھی؟ افلاس اور ذلت اور غلامی
اور محکومی یہ سب اس کے لوازم۔ پھر مسلمانوں میں اکثر ایسے تھے جو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ہم بیمار ہیں
رو گی ماں باپ کی روگی نسل۔ اُنھوں نے سمجھا ہماری خلقت ہی ایسی ہی اور جب بیماری مزمن ہو جاتی
ہی تو اس کی ایذا کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ یا مدہم پڑ جاتا ہی۔ بعض نے اپنے تئیں بیمار سمجھا تو اُن سے
تشخیص سبب میں غلطی ہوئی۔ تقدیرِ الٰہی پر صبر و شکر کرکے بیٹھ رہے۔ اَلْیَاسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْنِ۔
مسلمانوں میں یہ تقدیر کا مسئلہ ایک اعتبار سے عمدہ بھی ہی تو حد سے زیادہ عمدہ اور ایک اعتبار سے
بُرا بھی ہی۔ تو حد سے زیادہ بُرا اور حد سے زیادہ عمدہ ہی اس اعتبار سے کہ مرتے کو سکرات تک کی تکلیف

نہیں ہونے دیتا اور بُرا اور حد سے زیادہ بُرا ہی اس اعتبار سے کہ انسان کو اُبھرنے نہیں دیتا غرض جنھوں نے تقدیر الٰہی پر حوالہ کیا وہ تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے کہ خدا ہی کو منظور نہیں تو ہمارے کیے کیا ہوتا ہی اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ[1] چند روز کی بات ہی۔ ان شاء اللہ عاقبت میں جھونپڑوں کے بدلے زمرد و یاقوت کے محلوں میں چل کر رہیں گے۔ یہاں آٹھ آنے مہینے کی ماما نوکر رکھنے کا مقدور نہیں نہ سہی وہاں حوروں سے خدمت لیں گے۔ رہی ظاہری عزت۔ دو دن کی کوتوالی پھر وہی کھرپا اور جالی۔ اصلی عزت ایمان کی جیسا کہ اللہ خود قرآن میں فرماتا ہی۔ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ[2]

الٰہی بحق بنی فاطمہ ۔۔۔ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

جن کے ایسے خیالات تھے اُن کا مرض بڑھتے بڑھتے اُس میں ایسی ردائت آگئی کہ متعدی ہو گیا جو اُن کو چھو گیا وہ بھی انھیں کی طرح لنج لنج کرنے لگا۔ سامری نے حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی ترغیب دی تھی حضرت موسیٰ نے واپس آکر دیکھا تو بڑے ناخوش ہوئے اور سامری کو بد دعا دی۔ اُس کا حال یہ ہو گیا تھا کہ احیاناً کسی سے اُس کی بھینٹ ہو جاتی تو دونوں کو بخار چڑھ آتا۔ پس وہ لامساس لامساس (بچنا بچنا) کہتا ہوا اکیلا جنگلوں میں مارا مارا پڑا پھرتا۔ کوئی ہی جو ایسی ہی بد دعا اُن لوگوں کو دے جو آپ کاہل ہیں اور دوسروں کو بہکا کر اپنے برے نمونے دکھا کر کاہل بناتے ہیں۔ نہ صرف ہم معدودے چند مسلمانوں میں بلکہ شاید نارتھ ویسٹرن پراونسز بلکہ شاید انڈیا کی ہول محمڈن کمیونٹی میں سر سید ہی ایک ایسے مسلمان ہیں جنھوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کا یہ مرض افلاس زوال پذیر ہی۔ اور جہالت سے پیدا ہوا ہی اور اگر ان کو علوم مفیدہ سکھا پڑھا کر ان کی جہالت دور کر دی جائے تو یہ خاصے بھلے چنگے جنٹلمین ہو سکتے ہیں مال دار مرفہ الحال۔ دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قایم ہی اس قاعدے کے مطابق مسلمانوں کے افلاس کا سبب تھا۔ (اور تھا کیا معنے ؟) ان کی جہالت۔ پھر ان کی جہالت کا سبب تھا (اور تھا

[1] دنیا مومن کو قید خانہ اور کافر کو بہشت ہی ۱۲ [2] اصلی عزت تو اللہ اور رسول اور مسلمانوں ہی کی ہی ۱۲۔

کیا معنی ؟ ہی ان کا تعصب مذہبی۔ اس گرگو بہت تھوڑے آدمیوں نے سمجھا ہی کہ مذہب کے صحیح و غلط ہونے کا معیار شناخت کیا ہی ؟ اب میں کہتا ہوں ولااُبالی۔ اینڈ ڈونٹ فیر کنٹرڈکشن (اور میں مخالفت سے نہیں ڈرتا) کہ اس کا معیار شناخت ہی دنیاوی رفاہ۔ دنیاوی فلاح۔ دنیاوی بہبود اور اس کی تصدیق ہوتی ہی کلام خدا سے [51] وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ اس آیت میں کوئی لغت غریب نہیں۔ تعقید نہیں۔ اس کے سیدھے اور متبادر معنی یہ ہیں کہ ہمارے نیک بندے بادشاہ یا حاکم وقت ہوتے ہیں مشکل یہ آکر پڑی کہ لوگوں نے صلاح کو منحصر سمجھ رکھا تھا نماز و روزہ میں اور اب بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہی اور دیکھا تو ایسی صلاح اور وراثت الارض کو اپنے زمانے میں مالحت الجمع پایا تو ضرور ہوا کہ دونوں میں سے ایک کی تاویل کریں پس صالحوں کو نکالا صلاحیت سے۔ اس تدبیر سے وہ اشکال دفع تو کیا ہوتا مگر من بھوتی سی ہوگئی اشکال دفع نہ ہوا اس واسطے کہ [52] اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ تاویل کو جمنے نہیں دیتا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص انگریزوں کی طرح ملک داری کرے۔ اور خلق اللہ کو آسائش پہنچائے گو وہ معتقد اسلام نہ بھی ہو تاہم اُس سے صالح اور عابد کے خطاب کو کیوں دریغ کیا جائے آخر عدل کے لیئے حدیث میں آیا ہی کہ ایک ساعت کا عدل ایک برس کی عبادت سے بہتر ہی۔ اسی طرح کی دقت ایک اور آیت کی تفسیر میں بھی واقع ہی [53] وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یہاں مسلمان اپنے تئیں اور صرف اپنے تئیں اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ کا مصداق سمجھتے ہیں تو چار و ناچار ان کو فوقیت کے معنی اَلْغَلَبَۃُ بِالْاِسْتِدْلَالِ کرنے پڑتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ڈر سے اس تاویل کو مان بھی لیا جائے تو دل کو تسلی نہیں ہوتی۔ ایک تاویل مجکو سوجھی ہی مناسب مقام مقام سے میری مراد سباق

---

[51] اور ہم نے لکھ دیا زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے ۱۲ [52] اس میں مطلب کو پہنچے ایک لوگ بندگی والے ۱۲ [53] جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ دُنیا میں تمھارے رہنے کی مدت پوری کر کے ہم تم کو اپنی طرف اُٹھا لیں گے اور پاک کریں گے کافروں سے اور رکھیں گے تیرے تابعوں کو اوپر منکروں سے قیامت کے دن تک ۱۲

سباقِ عبارت نہیں بلکہ یہ مقام جہاں میں کھڑا ہوں کیوں کہ اس قسم کی تاویلیں ہیں بہت سوجھا کرتی ہیں وہ تاویل یہ ہی کہ یہود نے مذہبی غلامی کو حدِ غایت تک پہنچا دیا تھا یہی مذہبی غلامی ہی جس کو قرآن میں اِصْر اور اَغْلَال سے تعبیر کیا گیا ہی۔ یَضَعُ عَنْهُمْ[1] اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ان کی مذہبی قیود اور رسوم اس قدر سخت ہیں کہ اگر اُن کی پوری پوری تعمیل کی جائے تو حقیقت میں زندگی وبال ہی۔ ہمارے ملک کے ہندوؤں کو بھی بڑی بڑی مذہبی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں اگر کریں تو۔ مگر یہود کے مقابلے میں وہ ایسے ہی دنیا کے مزے اُڑاتے ہیں جیسے ہندوؤں کے مقابلہ میں ہم وَذٰلِكَ[2] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ سنا ہی اور سنا ہی ہیں اس لیے کہتا ہوں کہ اول تو یہود اس ملک میں بہت ہی کم ہیں اور کثرت سے ہوتے بھی تاہم ان کو خاص کر ہم مسلمانوں سے سخت مذہبی عداوت ہی لَتَجِدَنَّ[3] اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اور ہم مسلمان تو کچھ ایسے کھرّے مزاج کے ہیں کہ نصاریٰ جن کی نسبت اسی آیت میں ارشاد ہی۔ وَلَتَجِدَنَّ[4] اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى اور یہ لوگ کثرت سے بھی ہیں۔ اور حاکم وقت بھی ہیں۔ کم بیش سو برس ان کو ہم پر حکومت کرتے ہوئے ہو گئے اِن ہی سے ہم نے کونسا ربط بڑھا لیا ہی سید احمد خاں پر یہ ساری کھبر مار ہو کیوں رہی ہی اُسی لیئے نہ کہ انگریزوں سے ربط رکھتے اور مسلمانوں کو اُن کے ساتھ ربط پیدا کرنے کو کہتے ہیں۔

غرض سُنا ہی آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ یہودیوں کے یہاں ایک ذبیحے میں ایسی ایسی نازک اور باریک احتیاطیں کرنی پڑتی ہیں کہ ایسا ویسا ربّی ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مذہبی غلامی کا نتیجہ کیا تھا۔ اور اس کے سوائے نتیجہ اور ہوتا بھی کیا کہ یہود کی دنیاوی حالت یوماً فیوماً اور ساعۃً فساعۃً اور آناً فآناً متنزل ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک بڑی عظیم الشان سلطنت کھو کر ضُرِبَتْ[5] عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

---

[1] اور اُتارتا ہی اُن سے بوجھ اُن کے اور طوق جو اُن پر تھیں ۱۲ [2] یہ اللہ کا فضل ہی جسے چاہے دے ۱۲ [3] تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود اور شرک کرنے والوں کو ۱۲ [4] اور تو پاوے گا سب سے زیادہ محبت میں مسلمانوں کی وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں ۱۲ [5] ماری گئی ہی اُن پر ذلت جہاں دیکھیے سوائے دستآویز اللہ کے اور دستآویز لوگوں کے۔ اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری گئی اُن پر محتاجی ۱۲-

أَيْنَمَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ
کی لتاڑیں آگئے اور جہاں حضرت مذہب نے دنیا میں اس طرح پر ڈسل دیا ہو وہاں دنیا کی ایسی ہی مٹی پلید
ہوئی ہو ہم مسلمانوں ہی کی دنیا کو کہ معراج الکمال ترقی پر پہنچ کر اسفل السافلین تنزل میں آگرے اور
ابھی ٹھیرے نہیں گرتے چلے جاتے ہیں لیکن دنیا کو خدا نے کسی مصلحت سے بنایا ہو رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا[۱] اور اس کو منظور ہو بلکہ اس کا حکم ہو اور حکم بھی موکد لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ
إِصْلَاحِهَا[۲] کہ یہ کارخانہ ایک وقت خاص تک اسی طرح چلتا رہے اور اس کو چلائے کون۔ چلائیں ہم
اور تم جن کو اللہ میاں نے روئے زمین پر اپنا خلیفہ یعنی نائب بنا کر بھیجا ہو وہ سند خلافت ہی پڑھ کر نہ
سنا دوں وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً[۳] اور یہ تو ظاہر ہو کہ دنیا کا کتنا بڑا
عظیم الشان کارخانہ ہو اور اس کے سنبھالنے کو بڑی محنت اور مستعدی اور ہوشیاری درکار ہو تو جب
جب خلیفہ جی خود ہی خبر نہ لیں کارخانہ میں بدنظمی پھیلا ہی چاہے مشکل یہ آ کر پڑی ہو کہ خلیفہ جی کو مکتب
کی خبرگیری کے علاوہ گھر کا سودا سلف بھی لانا ہو اور خلیفہ جی ہیں بھی بھدّے پھپھس ان سے محنت
ہو نہیں سکتی۔ مکتب کو دیکھتے ہیں تو سودا سلف رہا جاتا ہو اور سودے کو جاتے ہیں تو مکتب میں
لونڈے اودھم مچاتے ہیں۔ اور میاں جی ہیں کہ خلیفہ جی کی ایک نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں جھک مارو
مکتب کی بھی خبر رکھو اور گھر کا سودا سلف بھی کرو جتنے دن یہود خلیفہ رہے سودے سلف کے پیچھے
مکتب کا ناس مار دیا۔ تو اس حکیم برحق نے پہلے حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث کیا۔ اور غرض ان کی بعثت سے
کیا تھی۔ یہود کو مذہبی غلامی سے آزاد کرنا۔ بعض اس آزادی سے مستفید ہوئے اور اکثر نہیں۔
جیسے ایک جانور قفس میں پیدا ہوا۔ اور ساری عمر قفس میں رہے اور اس کو اگر رہا کر دیا جائے تو وہ
آزادی سے متاذّی ہوتا ہو اور اس سے اڑا نہیں جاتا ؎

قفس میں آ کے کھولی آنکھ ہم پرواز کیا جانیں		پروں کا باندھنا صیاد کی اک بدگمانی ہو

[۱] اے رب تو نے ان کو بے کار پیدا نہیں کیا ۱۲ [۲] اور زمین میں سنورے پیچھے خرابی نہ ڈالو ۱۲ [۳] اور جب کہا تیرے
رب نے فرشتوں کو مجکو بنانا ہو زمین میں ایک نائب ۱۲

جن دنوں میں پرنس آف ویلز صاحب تشریف لائے تھے تو انھوں نے کچھ قیدی بھی آزاد کیے تھے کوئی سکھ تھا عمر قید۔ وہ جو چھوٹ گیا تو دیکھا گاؤں کے جان پہچان والوں میں کوئی باقی نہیں۔ اور ساز و سامان زندگی کا بہم پہنچانا اُس کو ایک کھٹراگ معلوم ہوا تو اُس نے واپس آکر حاکم ضلع کو عرضی دی کہ اس سے تو مجکو قید خانہ ہی میں زیادہ آسائش تھی یہی حالت یہود کی ہوئی کہ اُن کو مذہبی غلامی سے نکلنا ایک مصیبت معلوم ہوتا تھا حضرت عیسیٰ بہت تھوڑے دن دنیا میں رہے اور شروع سے اُن کے مشن پر کچھ ایسی اوس سی پڑ گئی تھی کہ وہ پنپا ہی نہیں۔ اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہمارے پیغمبر صاحب آخر الزمان بھیجے گئے۔ وہ کیا مشن تھا؟ ایک دفعہ اس کی پھر صراحت کرلو۔

مذہبی غلامی سے جس نے یہود کو دنیا کے کام کا نہ رکھا تھا آزادی

اس تمہید کے بعد اس آیت کو لو جس کے معنی میں بحث کی جارہی ہے۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اب معنی ایسے سلیس ہیں جیسے لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ اور ایسے صاف ہیں جیسے آئینہ میں کہتا ہوں جن لوگوں نے یہود یا نہ مذہبی غلامی۔ سے جو مانع اصلاح معاش تھی آزادی حاصل کی کسی دین و مذہب کے ہوں وہ سب اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ میں داخل ہیں۔ اور جب یہ لوگ اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ ہوئے تو جو اِن کے ضد ہیں اور دین کو مانع اصلاح معاش جانتے ہیں سمجھ لو کہ وہ خود کون ٹھیرے؟ اب دیکھو اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ آیت میں کیسا بیٹھا ہے جیسے نمیوے میں نگینہ غرض میں نے دنیاوی بہبود کو دین حق کی شناخت ٹھیرا رکھا ہے اگر دین و دنیا میں ایک ایسی حد فاصل قرار دی جاسکتی کہ دونوں میں سے کوئی دوسرے کے علاقے میں مداخلت نہ کرسکتا تو شاید اختلافات سے بہت کچھ نجات ملتی۔ مثلاً موت ایک سرحد ہوتی اُس سے پہلے پہلے دنیا۔ اور اُس کے بعد دین لیکن دنیا کا فائدہ اسی میں تھا کہ دین اس کا سرپرست ہو مسلمانوں نے دین و دنیا کے باہمی

؎ دودھ خالص گوش گوار پینے والوں کو۔۱۲

تعلق کے سمجھنے میں غلطی کی۔ اسی سے وہ اس نوبت کو پہنچے۔ اور جب تک وہ غلطی میں مبتلا ہیں وہ اپنی دنیاوی حالت درست کر نہیں سکتے۔ منطقی اصطلاح کے مطابق تو لوگوں نے دنیا اور دین میں تبائین کی نسبت قرار دے رکھی ہے اور واقع میں ہے عموم و خصوص من وجہ جس کو چاہیئے۔ ایک مادہ اجتماع کا اور دو مادے افتراق کے موجود ہیں یعنے بعضے کام صرف دین کے ہیں مثلاً جیسے نماز اور بعضے کام صرف دنیا کے جیسے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ[۵۱] اور بعضے مشترک جیسے حَتّٰی اللُّقْمَۃَ یَضَعُ فِیْ فَمِ اِمْرَأَتِہٖ کہ جورو کو کما کر کھلانا بھی عبادتِ مالی سمجھا گیا۔ اور لقمہ کا تذکرہ تو تمثیل کے طور پر فرما دیا ہے۔ ورنہ مقصود ہے کسبِ معاش۔ نوکری سے ہو یا کاشتکاری سے یا حرفت سے یا کسی اور پیشے سے۔ بس یہ مادۂ اجتماع محل غلطی ہے کہ اس کو خالص دنیاوی سمجھ کر مادہ افتراق بنا لیتے ہیں۔ اور جب افتراق ہی افتراق ہو تو آپ سے آپ تباین ہوا۔ پھر دین و دنیا کے باہمی تعلقات پر غور کیا جاتا ہے تو دین و دنیا میں ایک طرح کی ورزش (محاسدت) ضرور ہے اور جلسی نہ ہوئی تو ایک چھوڑ دو مادے افتراق کے کہاں سے آتے مگر یہ جلسی دنیا کے طرف سے زیادہ ہے یعنی دنیا نہیں اجازت دیتی کہ دین کا کوئی کام کیا جائے۔ مگر دین کا ہرگز یہ حال نہیں۔ وہ دنیا کے اکثر کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا ہے بشرطیکہ [illegible] الشروع ہوں لوگوں کو دین کی اس فیاضی اور کشادہ دلی اور وسعت پر نظر نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح دنیا اجازت نہیں دیتی کہ دین کا کوئی کام کیا جائے۔ اسی طرح دین بھی اجازت نہیں دیتا کہ دنیا کا کوئی کام کیا جائے یہی وہ غلطی تھی جو یہود نے کی۔ اور جس نے اُن کی دنیا کو تباہ کرایا۔ اور یہی غلطی ہم مسلمان کر رہے ہیں۔ اور ہم بھی اپنا دنیا کو بے حساب تباہ کر چکے ہیں ہم مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[۵۲] کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ہم کو سوائے نماز روزے کے دنیا کا کوئی کام کرنا نہیں چاہیئے ہم دنیا میں پیدا کیئے گئے ہیں۔ مگر دنیا کے کام کرنے کے واسطے نہیں۔ بلکہ صرف عبادت کرنے کے لئے۔ لیکن اگر یہ مطلب ہوتا تو رہبانیت کو کیوں منع کیا جاتا۔ نکاح کی نسبت کیوں فرماتے اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ[۵۳] وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ سفر میں نماز کی قصر کا کیوں حکم دیتے۔ بلکہ سرے سے سفر ہی کی مناہی کر دیتے۔ پارسال کے

---

[۵۱] اپنے دنیا کے کام تم ہی خوب جانتے ہو ۱۲ [۵۲] ہم نے انسانوں اور جنوں کو عبادت ہی کے لیئے پیدا کیا ہے ۱۲ [۵۳] میری سنت ہے اور جو میری سنت سے بیزار ہے مجھ سے نہیں ۱۲

دلّی والے لکھر کی وہ حدیث یاد کرو کہ ایک صحابی دوسرے صحابی کے مہمان رہے - مہمان نے صاحب خانہ کی بی بی کو دیکھا میلی کچیلی معلوم ہوا کہ صاحبِ خانہ خانہ داری کی طرف متوجہ نہیں - رات ہوئی تو صاحبِ خانہ نے عادت کے مطابق ساری رات کی نماز کی طیاریاں کیں - اور مہمان کو بھی ساتھ کھڑا رکھنا چاہا - مہمان نے کہا یہ کہاں کی عبادت نکالی ہی - تم پر ایک خدا ہی کا تو حق نہیں - اُس کے حق کے علاوہ بی بی کا حق ہی میرا حق ہی کہ تمھارا مہمان ہوں - پھر تمھارے اپنے نفس کا بھی حق ہی کہ اتنی زحمت اُٹھاؤ گے تو دنیا کے کام کے نہ رہو گے اور یہ نہیں کہ یہ اس مہمان صحابی کی ذاتی راے تھی اور بس نہیں پیغمبر صاحب کے سمع مبارک تک یہ حکایت پہنچی اور آپ نے اس کی تصویب فرمائی - اِلّا لِیَعْبُدُوْن کے یہ معنی ہوتے جو تم سمجھے ہو تو ملک گیریاں - انتظام سلطنت شام و روم تک کے دھاوے - تجارتیں اور اُن کی سی خانہ داریاں کہ ایک ایک کی درجنوں بیبیاں اور کوڑیوں بیٹے بیٹیاں یہ سب کام کیسے ہوتے تھے - دن رات تو اُن کے بھی چوبیس ہی گھنٹے کے تھے - بات یہ ہی کہ ان کے پاس دنیا کے کام تم سے بہت زیادہ تھے اور وہ اُن کو انجام دیتے تھے عبادت سمجھ کر یہ ہیں معنی اِلّا لِیَعْبُدُوْن کے سو تم بھی ایسا ہی کیوں نہیں کرتے - تم نے تو خدا سے لڑائی ٹھانی کر رکھی ہی - وہی مکتب کے خلیفہ والی بات کہ مکتب کی نگرانی اور گھر کا سودا سلف دو دو کام تو مجھ سے نہیں ہو سکتے - غرض یہ ہی کہ مسلمان اُس زمانے کے مسلمان دین و دنیا کے باہمی تعلق کے سمجھنے اور اندازہ کرنے میں سخت غلطی کرتے ہیں اور ہمارے زمانے کے ریفارمر کا کام ہی کہ اس غلطی کی اصلاح - علی گڈھ کالج ہوا یا کانفرنس ہوا یہ تو از قسم فروعات ہیں - بڑا کام جو سیّد احمد خاں نے شروع کیا تھا یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کی دینی غلط فہمیوں پر اُن کو متنبہ کرتے تھے لیکن میں دیکھتا ہوں تو اب انھوں نے اس کو سکنڈری کام بنا لیا ہی - اگر انھوں نے یہ سمجھا ہی کہ کالج قایم کر دینے سے ان کے مشن کا کام پورا ہوا تو میں دبھ ڈیوڈ فرنس ٹو ہز اکسیلینسی ٹو ہز ایج اینڈ ٹو ہز ٹیلنٹس (اُن کے تجربے اور عمر اور دانش مندی کے ادب کے ساتھ) بڑے زور سے اُن کے ساتھ مخالفت کرتا ہوں - اگر مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی اصلاح نہ ہوئی - اور افسوس ہی کہ نہیں ہوئی اور اب اس کی چھیڑ چھاڑ بھی نہیں تو جو عمارت سید احمد خاں نے کھڑی

کی ہی میرے مُنھ میں خاک۔ اُس کی بنیاد بالکل پادر ہوا ہی۔ سید احمد خاں سے بڑھ کر کوئی اس کو
نہیں سمجھ سکتا اور ہم میں سے کوئی کچھ سمجھتا ہی تو اُن ہی کے سمجھانے سے کہ مسلمانوں مذہبی غلط فہمیوں نے تعلیم
سے محروم رکھا۔ اُنھوں نے اس کے لیئے کمیٹیاں کیں جوابی مضمون لکھوائے۔ انعام دیئے۔ اور
باطمینان ایک رائے قائم کرکے اُسی پر کارروائی کرنی شروع کی۔ اور یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اُسی
کارروائی کا نتیجہ ہی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اور ساری کوششیں ایک طرف اور تہذیب الاخلاق مرحوم
ایک طرف۔ اُس کے سٹرلی سے سٹرلی پرچے کو علی گڈھ انسٹیٹیوٹ وتھ ورچ ارامٹیلگیڈ دہاٹ آئی
فارگیٹ دی نیم (جس کے ساتھ مجھے یاد نہیں کون سا اخبار مدغم ہو گیا ہی) کے عمدہ سے عمدہ پرچے سے مقابلہ
کرکے دیکھو تو معلوم ہو کہ سید احمد خاں پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم	ہو گئے خاک انتہا ہی یہ

خود سید احمد خاں کو اور آپ صاحبوں میں سے اکثر کو معلوم ہی کہ میں بعض مذہبی عقائد میں سید
احمد خاں سے اختلاف کرتا ہوں اور اس کو خفت سمجھو یا بے پروائی یا خود پسندی کہ میں کبھی سید
احمد خاں کی تصنیفات کا سبسکرائبر نہیں رہا ایں ہمہ میں تہ دل سے ان کا معتقد تھا کہ تہذیب الاخلاق
مسلمانوں کی رفارم کی دی اونلی (صرف یہی) تدبیر ہی۔ مسلمان بعض مذہبی غلط فہمیوں کے اعتبار سے
محتاج تنقیہ تھے۔ تہذیب الاخلاق میں کبھی کبھی ایسے آرٹیکل بھی نکلتے تھے جن کو میں نے وری سٹرانگ
پرگیٹو ڈبل زبردست مسہل) سمجھا۔ مگر جب معدہ عاصی ہوتا ہی اور مادہ سوداوی عسیر الانقلاع تو بدون
سٹرانگ پرگیٹو کے کام نہیں چلتا۔ دہلی میں علماء کا ایک نامی گرامی خاندان ہو گزرا ہی۔ اُنھوں نے ترجموں سے
تصنیفات سے۔ پند و نصیحت سے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے لیئے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں
اور یہ ان ہی بزرگوں کی کوششوں کے نتیجے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو تجوزاً مسلمان کہا جا سکتا
ہی۔ ورنہ یہاں کے مسلمانوں میں اور ہندؤں میں صرف انگرکھے کے پردے ہی کا فرق رہتا تو رہتا۔
وہ بھی شاید۔ شاید کا لفظ میں نے اس لیئے کہا کہ آخر وہ دن آنے والا تھا کہ سید احمد کوٹ پتلون کو
رواج دے کر اس امتیاز کو بھی اُٹھا دیں تاکہ مذہب کا یہ وہ ڈھکا رہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم

؎ لوگ بادشاہوں کے دین پر ہو جاتے ہیں

بھی اپنی جگہ صحیح ہی لیکن میں سمجھتا ہوں۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ اس سے زیادہ صحیح ہی عبارت نہیں بلکہ مطلب یہ مسلمان جب ہندوستان میں آکر رہے اور اُن میں اور ہندوؤں میں اختلاط ہوا۔ تو کیا صرف ہندوؤں نے مسلمانوں کی مذہبی رسمیں اختیار کرلیں نہیں بلکہ مسلمان بھی ہندوؤں سے متاثر ہوگئے اور بہت کچھ متاثر ہوئے۔ جو شخص اسلام کی اصلیت سے آگاہ ہی وہ سمجھ سکتا ہی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا اسلام کس قدر اصلیت سے بدلا ہوا ہی۔ علماے دہلی کا وہ خاندان جس کا میں ابھی ذکر رہا تھا اُس خاندان کے ممبروں نے اسلام کی بڑی بڑی اور متنوّع خدمتیں کی ہیں مگر سب سے بڑی اور سب سے عمدہ اور سب سے زیادہ اِن شاءاللہ مقبول عنداللہ وہ خدمت تھی جو مولوی اسمٰعیلؒ کی اُنھوں نے اسلام کو شائبہ ہندویت سے پاک کرنا چاہا۔ مگر ہندویت مدتوں کے اختلاط کی وجہ سے اسلام کی روگ وپے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس مادّۂ فاسد کا اخراج آسان نہ تھا مولوی اسمٰعیل رح نے کسی قدر تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم اور اسی قسم کی اور چند کتابیں لکھنے سے اور بہت کچھ خارا شگاف وعظوں سے مسلمانوں کو جُلّاب دیا۔ جلّاب تھا کڑوا اور کرّوا۔ اکثر نے تو پیتے کے ساتھ اُگل دیا بعض پیتے پی گئے مگر وہ اُن کی چھاتی پہ دھرا رہا۔ اور بعض کو راس بھی آیا۔ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ[1] قریب قریب یہی حال سید احمد خاں کا ہی۔ اور نہ صرف سید احمد خاں کا بلکہ ہر شخص کا جو رفارمر بنا چاہیے میں پلپلک میں سر سید کو تہذیب الاخلاق کے بند کرنے کا الزام دیتا ہوں مگر یہ نہیں سمجھا کہ سر سید جلّاب کے اُگلنے والوں کی مکروہ آوازوں سے ڈرے ہوں۔ اگر وہ ڈرپوک دل کے ہوتے تو اُن کے دل میں رفارم کا خیال ہی پیدا نہ ہوتا۔ رفارم کا بیڑا اُٹھانے سے ظاہر ہوتا ہی کہ سر سید اُن لوگوں میں ہیں جن کا مولو ہی لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ[2] اچھا پھر اُنھوں نے تہذیب الاخلاق کو کیوں بند کیا۔ اس کا جواب تو سر سید ہی کو دینا چاہیئے مگر میں بھی تو اپنے احتمالات عقلی دوڑا لوں۔ اس احتمال کا تو ذکر بھی نہ کرو کہ تہذیب الاخلاق سر سید کے مشن کے مقاصد کے لیئے ضروری نہ تھا اگر تہذیب اخلاق ضروری نہ تھا تو خود سر سید احمد خاں کا ہونا بھی ضروری نہیں علی گڈھ کالج بھی ضروری نہیں کانفرنس بھی ضروری نہیں مسلمانوں کی تعلیم بھی ضروری نہیں یعنی مسلمانوں کا ہونا ہی ضروری نہیں۔ ایک احتمال یہ

[1] اور وہ تھوڑے ہیں ۱۲ [2] نہیں ڈرتے ملامت کرنے والوں کی ملامت کرنے سے ۱۲۔

کیا جا سکتا ہی کہ سید احمد خاں نے فی زعمہ تفسیر کو تہذیب الاخلاق کا نعم البدل سمجھا ہو تفسیر اُس کے متن کے اعتبار سے تو دونوں جہاں کے عوض میں بھی سستی ہو ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ	نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

رہے اُس کے مضامین یعنی وہ مضامین جو حضرت کے ایجاد طبع ہیں اُن کے اعتبار سے شب برات کے دنوں میں اس تفسیر کی کچھ قدر ہو جاتی ہو تو خبر نہیں اور یوں تو عام مسلمان اُس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں یعنی لوگ قرآن کے ٹائٹل پیج یا جلد کے پشتے پر لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1] لکھوا دیا کرتے ہیں۔ لیکن سید احمد خاں کی تفسیر کی تو نسبت پوچھا جائے تو معدودے چند نیچری مسلمانوں کے سوا باقی مسلمان تو یہی رائے دیں گے کہ اس پر لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[2] لکھوانا مناسب ہی اگرچہ تہذیب الاخلاق اور تفسیر دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں مگر ایک بات تفسیر کے پیرائے میں کہی جاوے اور وہی بات اسی (جواب مضمون یا آرٹیکل کے طور پر اخبار میں شایع ہو دونوں میں بڑا فرق پڑ جاتا ہی شَتَّانَ بَیْنَهُمَا غرض تہذیب الاخلاق بمعائبہا عام مسلمانوں میں اتنا مردود نہیں جیسی سید احمد خانی تفسیر بمحاسنہا۔ علاوہ بریں تفسیر کی اشاعت بھی تو تہذیب الاخلاق کی اشاعت کو نہیں پاتی۔ ایک وجہ تہذیب الاخلاق کے بند ہونے کی سمجھ میں آتی ہی اور یہی بھی قرین قیاس سید احمد خاں کو فرصت نہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے ہیں کہ سید احمد خاں نے جو نیچریوں کا اتنا بڑا کثیر الانفار گروہ کھڑا کیا ہی اُن میں سے کسی میں اتنی لیاقت یا ہمت یا حمیت نہیں کہ تہذیب الاخلاق کے چلائے ہیں سید احمد خاں کی نیابت کرتا پس سید احمد خاں کے مشن کو ٹوٹل فیلیور (ناکامی محض) کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہی جب سر سید کی سرپرستی میں ان لوگوں سے اتنا کام نہیں ہو سکتا تو اُن کے بعد یہ کون سے قلعے فتح کریں گے۔ پھر صرف تہذیب الاخلاق کے بند ہونے کا رونا نہیں ہی بڑا رونا اس کا ہی کہ سید احمد خاں اور کارروائیاں بھی اسی طرح کی کرتے ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہی کہ اُن میں وہ اگلا سا جوش نہیں رہا۔ یا آن شور اشوری و یا بایں بے نمکی۔

[1] اس کو پاک ہی لوگ ہاتھ لگائیں ۱۲ [2] اس کو پاک لوگ ہاتھ نہ لگائیں ۱۲۔

ہر چند مجکو ایک طرح کی ارادت سید احمد خاں کے ساتھ ہی مگر میں اُن کے پہلے طرز کو حال کے طرز سے یکسانئل (متحد و مطابق) نہیں کرسکتا اور شاید یہ میری سمجھ کا قصور ہو سہ

گرداب وار یار تیرے صدقے جائیے ۔۔۔ دریا کا پھیر پائیے تیرا نہ پائیے

غرض سید احمد خاں کی کارروائی میں مجکو بوے مداہنت آتی ہی جس سے میں نے لکچر شروع کیا تھا اور جس کو میں ان کے مشن کے حق میں سخت مضر سمجھتا ہوں۔ اس کو استمالت اور تالیفِ قلوب کہنا بھی غلطی ہی بے شک استمالت اور تالیف قلوب کی سند ہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال میں ملتی ہی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] مگر وہ پولیٹکل معاملات میں بھی۔ مولفۃ القلوب کے ساتھ مصالح ملک داری کے لحاظ سے خاص خاص رعایتیں کی جاتی تھیں تاکہ گروہ مسلمانان ان کی گزند سے محفوظ رہے مثلاً کبھی مالِ غنیمت سے ان کو زائد از استحقاق دیا جاتا تھا۔ اور بعض ناعاقبت اندیش مسلمان اُس وقت بھی معترض ہوتے تھے لیکن خدا نے مسلمانوں کو سمجھا دیا تھا وَاعْلَمُوا[2] أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ۔ چنانچہ جنگِ حنین کے بعد تقسیمِ غنائم میں ایسا اتفاق پیش آیا اور اس واقعے کے متعلق چند اشعار مجکو یاد ہیں

اشعار

أَتَجْعَلُ نَهْبِي وَنَهْبَ الْعَبِيدِ[3] ۔۔۔ بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْأَقْرَعِ
فَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ ۔۔۔ يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِي مَجْمَعِ
وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِنْهُمَا ۔۔۔ وَمَنْ تَضَعِ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

یہ اُن وقتوں کے مولفۃ القلوب اسی قسم کے تھے جیسے ہماری سرکار میں امیر عبدالرحمٰن خاں اور فرانٹیر سٹیٹس (علاقہ جات سرحدی) کے جرگے۔ اس تالیف قلوب کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ

[1] تم کو بھلی ہی سیکھنی رسول کی چال ۱۲ [2] جانو اگر رسول ہر بات میں تمہارا کہا مانے تو تم کو مشکل پڑ جائے گی ۱۲ [3] کیا میرا اور میرے گھوڑے کا حصہ آپ عیینہ او اقرع کو دیتے ہیں حالاں کہ نہ تو ان دونوں کے باپ ہمارے باپ سے کسی کام میں بڑھے ہوئے تھے اور نہ میں ان میں سے کسی سے ہیٹا ہوں اور جس کو آج آپ ہیٹا کریں گے وہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گا ۱۲

پیغمبر صاحب اِن کے ساتھ کسی طرح کی مذہبی رعایت کرتے تھے۔ ایسی رعایت کی جاتی تو وہ داخل
مداہنت ہوتی جس کی سخت ممانعت تھی۔ غرض تالیفِ قلوب تک کا تو مضایقہ نہیں لیکن یہ رفیر
وگر بنو کارروائی۔ یہ ریجبت قہقری جس پر ہیں معترف ہوں تالیف نہیں ہے۔ بلکہ کھلی کھلی
مداہنت ہے قطع نظر از ین کہ مداہنت دلیل ضعف ہے۔ وہ حقیقت میں دشمن کا بغل میں پالنا
اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ اور پھر مداہنت سے ہوتا بھی کیا ہے۔ اور ہونا بھی کیا ہے۔
اگر سید احمد خاں قرآن کا جامہ بھی پہن کر آئیں تو جو پرکچوڈ دشٹد (پہلے سے بدگمان ہیں) وہ اُن کو ایک
دام فریب سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں اور جو نیولی کنورٹڈ (معتقدانِ جدید) تھے اُن کے عقائد میں تزلزل آتا
جاتا ہے سو الگ۔ ہم کو تو لارڈ مکالے کی وہ ادا پسند ہے کہ جب نیٹیوز (دیسیوں) کو تعلیم دینے کا مسئلہ پیش ہوا
تو اس فیاض دل اور نیک دل نے دوٹوک بات کہہ دی کہ اگر ان کو مفید تعلیم دینی منظور ہے تو ان کو انگریزی
پڑھاؤ اور وہ علوم پڑھاؤ جو یورپ میں پڑھائے جاتے ہیں اور اس گاڑی کو میرے حوالے کرو کہ
میں اسکو چلا کر دکھا دوں۔ اور اگر ان کو ایشیائی تعلیم کی بھول بھلیاں میں بھٹکانا ہے تو میرا کانشنس
(ایمان) اس کو جائز نہیں رکھتا میں اس کو چھوؤں گا بھی تو نہیں۔ کانگرس والے نہ مانیں تو اس
ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔ مگر ہم کو تو خوشامد کے طور پر نہیں بلکہ اظہارِ حق کے طور پر مَنْ لَمْ
يَشْكُرِ النَّاسَ فَلَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (جو شخص انسان کا شکرگزار نہ ہو وہ خدا کا شکرگزار کیا ہوگا) کہنا پڑتا ہے کہ
ہندوستان پر انگریزوں کی کیوں کہوں کہ خوشامد پر محمول ہو۔ انگریزی عملداری کے بے شمار احسان
ہیں۔ ریل اور تار برقی اور ڈاک اور سٹیمر اور سڑکیں اور نہریں اور مدارس اور شفاخانے اور کیا اور کیا
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکو گے) لیکن سب میں
بڑا احسان وہی تھا جو لارڈ مکالے ہم ہندوستانیوں پر کر گیا۔ وہ ہمارے لیے تمام دنیاوی برکتوں کو
شوور اور سرٹن (یقینی اور محتم) کر گیا ہے۔ بشرطیکہ ہم آنکھ بند کر کے اُس کی بنائی ہوئی سڑک پر چلے جائیں۔
ہم چلتے ہیں یا یوں کہو کہ گورنمنٹ ہم کو اُسی رستے ہانکتی ہے لیکن ایشیاٹک تعلیم کی لٹک ہمارے
سروں سے نہیں گئی ہم کبھی اس کو مذہب کے حیلے۔ اور کبھی نیشنیلٹی کی یادگار کے بہانے سے تازہ کرتے

رہتے ہیں اور ان دونوں تعلیموں میں رقابت کا سا ہیر ہو ؎

ہم اور رقیب ہرگز یک جا بہم نہ ہوں گے　　ہم ہوں گے وہ نہ ہوں گے وہ ہوں گے ہم نہ ہوں گے

میں مسلمانوں کو گنگا جمنی آدھا تیتر آدھی بٹیر تعلیم کی طرف بہت راغب دیکھتا ہوں۔ اور یہ آثار کچھ اچھے نہیں۔ اور افسوس یہ ہی کہ اگر میری رائے غلطی نہیں کرتی تو یہ کانفرنس مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا ہی یہ سچ ہی کہ مسلمانوں کو نئے طور کی تعلیم سے اگلی سی نفرت نہیں لیکن نفرت نہیں تو شوق و رغبت بھی نہیں۔ اور تعلیم کا جو رنگ اس وقت ہی اُس کے اعتبار سے میں کہہ سکتا ہوں کہ ہونا چاہیئے بھی نہیں۔ کیوں کہ شوق و رغبت متفرع ہی انڈیوسمنٹ (ترغیب) پر ہمارے اِن بیچارے طالب العلموں کو لے دے کر ایک انڈیوسمنٹ نوکری کا اور اس کا نا کافی ہونا اظہر من الشمس با وجود یکہ بچے بچے کو یہ بات معلوم ہی مگر تنگی معاش لوگوں کو مجبور کرتی ہی کہ امیدِ موہوم پر اپنے جگر گوشوں سے تعلیم کی مصیبتیں اُٹھواتے ہیں پیشین گوئی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی کہ تعلیم کے متعلق رِنی اَگلِشن ذکس پیشے عود ہرفیں اگر شروع نہیں ہوا تو انگریزی بیسیوں صدی کے غالباً پہلے ہی ربع میں ضرور شروع ہو جائے گا۔ کیا مشکل کی بات ہی کہ ایک طرف تو ترغیب سے تحریص سے تطمیع سے افہام و تفہیم سے تعبیر و تحمیق سے لوگوں کو تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہی اور دوسری طرف کیا حکّام کیا رفارمر کیا واعظ کیا ناصح سب کے سب طالب العلموں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ احمق صرف نوکری کی امید سے پڑھتے ہیں۔ تعلیم جو دی جاتی ہی نوکری کے سوائے اور کسی مصرف کی ہی بھی ؟ اگر یہ تعلیم اور کسی مصرف کی ہوتی تو کسی ایک تعلیم یافتہ نے کچھ کر کے دکھایا ہوتا۔ اور جب کسی نے کچھ کر کے نہیں دکھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تعلیم نوکری کے سوائے کچھ اور کرنے کے لیئے طالب العلموں کو طیار نہیں کرتی۔ پس ایسی صورتوں میں اگر صرف نوکری طالب العلموں کا ایم (نصب العین و مقصد) ہو تو الزام کی کیا بات ہی ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

میں گورمنٹ کے کسی انتظام کو اتنا ناقص و قابل اعتراض نہیں پاتا۔ جتنا انتظام تعلیم کو تمام تعلیم کو گورمنٹ نے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہی۔ اور جب رعایا کو آپ اپنی تعلیم کے سنبھالنے کا سلیقہ نہ ہو تو

بلاشبہہ گورمنٹ کا فرض ہی کہ وہ تعلیم کا انتظام کرے۔ لیکن گورمنٹ نے جو کچھ اب تک کیا ہی اُس کا نتیجہ تو یہ ہی کہ کچھ لوگ نوکریاں پا گئے ہیں اور وہ اپنی جگہ خوش بھی ہیں اور اکثر بے معاش پڑے پھرتے ہیں۔ نوکری ملتی نہیں اور سوائے نوکری کے نہ اُن سے کوئی کام ہو سکتا اور نہ اُن کو کوئی کام آتا ہی۔ یہ لوگ تعلیم کے بڑے خطرناک نتیجے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی ناکامیابیوں کو گورمنٹ کا مظلمہ قرار دے کر ملک میں عام نارضامندی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں جس کو تمہید بغاوت کہا جا سکتا ہی۔ اشاعت تعلیم کے لیئے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں سب ایک طرف اور اِن لوگوں کا نمونۂ عبرت ایک طرف۔ فارسی خواں ناکاموں کے لیئے ایک ہندی دوہا مشہور تھا؎

	پڑھیں فارسی بیچیں تیل		یہ دیکھو قدرت کے کھیل	

اب انگریزی خواں ناکاموں کے لیئے ایسا ہی کوئی دوہا بن گیا ہوگا۔ یا نہیں بنا تو اب بن جائے گا۔ مگر ابھی تک تو سننے میں نہیں آیا۔ جب تعلیم کی یہ حالت ہی تو میں نہیں سمجھتا کہ کانفرنس کس مرض کی دوا ہی۔ تعلیم تو ٹھیری گورمنٹ کے قبضہ قدرت میں کہ جو سٹینڈرڈ (معیار) وہ قرار دے وہی سٹینڈرڈ اور جو کورس (نصاب تعلیم) وہ تجویز کرے وہی کورس۔ کانفرنس بہت کرے تو مسلمانوں کو گھیر گھار کر اس تعلیم کی طرف لائے تو پھر وہی دور تقی لازم آیا۔ کانفرنس اگر تعلیم مروجہ کے نقصانوں کو دور نہ کر سکے تو وہ ایک باڈی (جماعت) ہی بے کار محض۔ اس احاطے میں مسلمانوں کے شوق و رغبت کا اندازہ طالب العلموں کے شمار اور اُن کے نتیجۂ امتحان اور بورڈنگ ہوسوں کے خالی بھرے ہونے سے کیا جاتا ہوگا اور میں مسلمانوں کے شوق و رغبت کا اندازہ اسی کانفرنس سے کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ پانی کے بتاشے کی طرح بیٹھا چلا جا رہا ہی جس طرح علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ گرتے گرتے کالج کا سب سے ردیٹڈ آرگن (آلۂ سطلوع) ہو کر رہ گیا ہی مجھے وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ یہ کانفرنس بھی سمٹتے سمٹتے گھٹتے گھٹتے آخر کار کالج کے ٹرسٹیوں میں محدود ہو جائے گا مجھ کو حقیقت میں تعلیم کی نسبت اپنے خیالات کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔ اور میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ یہ وہی باتیں ہیں جو بار بار کہی جا چکی ہیں۔ مگر ہاں سید احمد خاں کے حالات سے میں نے اس مرتبہ زیادہ تعرض کیا ہی۔ اس واسطے کہ

سید احمد خاں کے حالات اور تعلیم۔ اور کانفرنس اور مسلمانوں کی رفارم (اصلاح حال) یہ کل مضامین ایسے ایک دوسرے میں مشتبک اور گڈمڈ ہیں کہ کوئی اور شخص ان مضامین کو ایک دوسرے سے جدا کرکے بیان کرنے پر قادر ہو تو ہو میں تو نہیں ہوں بے شک میں نے سید احمد خاں کی مخالفت کی ہے اور مخالفت بھی کی ہے تو شاید بری طرح تو کیا مجکو اس مخالفت کے لیے معذرت کرنی چاہیے اگر میں سمجھوں کہ سید احمد خاں مجھ سے معذرت کے متوقع ہوں گے تو پہلا آدمی جو منصب رفارمری سے ان کے معزول کیے جانے کی راے دے میں ہوں۔ کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو آزادی راے سکھائیں اور جب وہ آزادی ان کے مقابلے عمل میں لائی جاے تو برا مانیں۔ ہاے ہاے یہی تو وہ صفت تھی جو ہم میں سے نکل گئی ہے۔ اور اسی کے نکل جانے کی وجہ سے ہم مسلمان اس روز بد کو پہنچے ہیں۔ معاویہؓ کی نسبت کسی کتاب میں نظر پڑا ہے[۱] كَانَ رَجُلٌ يَقُولُ لِمُعَاوِيَةَ وَاللهِ لَتَسْتَقِيمَنَّ بِنَا يَا مُعَاوِيَةُ أَوْ لَنُقَوِّمَنَّكَ فَكَانَ يَقُولُ بِمَ فَيَقُولُ الْقَائِلُ بِالْخَشَبِ فَيَقُولُ مُعَاوِيَةُ إِذًا نَسْتَقِيمُ سو میں نے بھی سید احمد خاں کے مقابلے میں ان شروع کے مسلمانوں کی نقل سی کی ہے ؎

دل میں ہمارے بات کا آنا ہی شرط تھی		سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

میں نے اب تک تعلیم کی پکچر کا ڈارک سائیڈ (رخ تیرہ گوں) دکھایا ہے لیکن ؏

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اس کا ایک برائیٹ سائیڈ (رخ روشن) بھی ہے۔ اور اگر اس کو نہ دکھاؤں تو تعلیم کا بڑا بھاری حق میری گردن پر رہ جائے گا۔ اور بجاے دال علی الخیر ہونے کے میں اپنے تئیں مناع للخیر سمجھوں گا۔ بے شک تعلیم کی حالت بہت ہی ہوپ لس (ناامید ہے) مگر وہ اسی سبب سے ہوپ لس معلوم ہوتی ہے کہ ریفلکشن (تعقل) کو سٹینڈرڈ قرار دیں اور جو کام جنریشنز (نسلوں) میں ہونے کے ہیں۔ ان کو ایک دن بلکہ ایک گھنٹے میں پورا کرنا چاہیں ہم اپنی حالت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اہل یوروپ کے ساتھ یعنی ایک

[۱] ایک شخص معاویہؓ سے کہہ رہا تھا قسم خدا کی یا تو تم خود سیدھے ہو جاؤ یا تم کو ہم آپ سیدھا کریں گے معاویہ نے کہا کاہے سے وہ بولا لکڑی سے معاویہ بولے خیر تو ہم سیدھے ہو جائیں گے ۱۲۔

بتدی ابجد خوان کا ایک منتہی فارغ التحصیل کے ساتھ یا ایک پیادہ پا کا اکسپرس (نہایت
تیز رفتار ریل) کے سوار کے ساتھ۔ اگر اہل یوروپ کے مقابلے میں ہیٹے ہونے کی وجہ سے ہم تعلیم سے
بے دل ہوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم تجارت۔ حرفت۔ صنعت فلاحت وغیرہ وغیرہ۔
غرض دنیا کے سب کاموں کو چھوڑ بیٹھیں۔ ابھی حال ہی میں نے کسی اخبار میں پڑھا کہ ولایت
کے اخبار ٹائمز۔ نے جو اپنے خاص خاص کارسپانڈنٹوں کی اُجرت مقرر کر رکھی ہے۔ اس کا سالانہ
بجٹ کچھ اوپر ساڑھے چار لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے اور یوروپ میں ایسے کتنی اخبار ہیں جو آمدنی میں ٹائمز
کے ہم پلّہ ہیں۔ یہاں سارے ہندوستان کے اخباروں کو اب سے سیکڑوں برس تک بھی یہ
بات نصیب ہونے والی نہیں۔ یہ اخبار کا تذکرہ میں نے اتفاقیہ طور پر کر دیا کہ فی الوقت ایک بات یاد
آ گئی۔ ورنہ دولت اور ایجاد اور ہنرمندی کے متعلق یوروپ کی ایسی بے شمار باتیں ہیں کہ ان میں سے
ایک چھوٹی سی بات بھی بیان کی جائے تو یہاں کے لوگوں کو الف لیلہ کی حکایت معلوم ہو فرضی
دل سے بنائی ہوئی۔ ہم تو ایسے گئے گزرے ہیں کہ یوروپ کے مقابلے میں ہماری کچھ ہستی ہی نہیں
یہ انسان کی ایک نیچرل بات ہے کہ جب وہ اپنے ابنائے جنس میں کسی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا
ہے تو اسکو اپنی حالت سے ایک طرح کی بے دلی پیدا ہوتی ہے اور بے دلی کے دو نتیجے ہوتے ہیں یا تو وہ
اپنی حالت کے بہتر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے لوگ کم ہیں۔ اور یا وہ ہمت ہار کر کاہل و نکمّا
ہو جاتا ہے اور ایسے بہت ہیں۔ اور اسی مصلحت سے شارع تعلیم یہ ہے کہ اگر تم شکر گزار بندے بننا
چاہتے ہو تو ہمیشہ اپنے سے فروتر حالت پر نظر رکھو لیکن میں تعلیم کے متعلق سٹوڈنٹس (طلبہ) کو جو آڈینس
(حاضرین) میں مجکو الگ پہچان پڑتے ہیں یہی نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے سے بہتر حالت کے لوگوں کو
دیکھو یعنی اہل یوروپ کو اور اپنی حالت کے بہتر کرنے کی کوشش کرو۔ یوروپ بھی دو چار دس بیس
برس میں یوروپ نہیں ہو گیا۔ روم واز ناٹ بلٹ ان اے ڈے (شہر روم ایک دن میں تو نہیں بن گیا
تھا) بلکہ یہ اس کی صدیوں کی نہیں تو ڈیڑھ پونے دو صدی کی کوششوں کے نتیجے ہوتے ہیں شک بھی نہیں۔
پس ہم کو بقول شخصے کہ آدمی کی بیپر شدی ہاٹر پڑا سنے اور بے دل ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس مضمون کو

حکیم سنائی نے کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں ادا کیا ہے۔ اس واسطے میں وہ نفیس قطعہ آپ صاحبوں کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ قطعہ

قرن ہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع ۔۔۔ عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سال ہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب ۔۔۔ لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ماہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشتِ میش ۔۔۔ صوفئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبۂ از آب و گل ۔۔۔ شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن
روز ہا باید کشیدن انتظار بے شمار ۔۔۔ تا کہ در جوفِ صدف باراں شود درِّ عدن

یوروپ کی ہم سری کا خیال تو بیہودہ سری ہے کیوں کہ یوروپ ہمارے حسابوں منزل مقصود تک پہنچ گیا ہے اور ہم کو سینکڑوں برس کی مسافت طے کرنی ہے۔ مگر یوں ہم اپنی ابتدائی حالت کے لحاظ سے تعلیم میں بھی ایسے بُرے نہیں ہیں کہ ماسٹر پکٹ ہم کو یو آیڈل لواسے (تم سست لڑکو) کہہ کر خطاب کریں۔ چاہے پلاسی کی لڑائی سمجھو یا اس سے بھی پہلے کی کوئی تاریخ ٹھیرالو۔ مگر ہم تو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے انگریزی عملداری کا آغاز شمار کرتے ہیں۔ اور در واقع میں جس کو انگریزی عملداری کہنا چاہیئے اُس کا آغاز غدر کے بعد سے ہی ہوا ہے ورنہ غدر سے پہلے تو ایک جماعت تاجران کی عملداری تھی۔ غرض اِن سینتیس برس کے عرصہ میں ہم نے یہ کچھ کر لیا تو ہم کو شاباش ملنی چاہیئے تعلیم کی اُفتاد اگر بہت اچھی نہیں تو بہت بُری بھی نہیں۔ بُری تو ہوتی اور بہت بُری ہوتی اگر علی گڈھ کالج نہ ہوتا یعنی خدانخواستہ سید احمد خاں نہ ہوتے پڑھائی تو جیسی اور کالجوں کی ویسی علی گڈھ کالج کی اور جب گورنمنٹ اور مذہب دو رسٹرکشنز (مانع و مزاحم) ہمارا گلا گھونٹتے رہتے ہیں تو ہم سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

مگر پھر بھی سر سید احمد خاں کا انفلوئنس (اثر و اقتدار) ان ڈائرکٹلی (بالواسطہ) اپنا کام کر رہا ہے ان ڈائرکٹلی میں نے اس واسطے کہا کہ یوں دیکھیئے تو کالج کے متعلق کوئی انتظام اکسکلوسولی (بلا شرکت غیرے) سید احمد خاں کے اختیار میں نہیں۔ ہر کام کی جدا جدا کمیٹیاں ہیں اور کمیٹیوں کے ضوابط

مقرر ہیں۔ اُن کے مطابق ممبران کمیٹی کارروائی کرتے ہیں مگر ہم تو سید احمد خاں ہی کو کالج کا الفا

اور اومیگا یعنی ابتدا و انتہا یا ہمہ اوست سمجھتے ہیں اور ہیں بھی یوں ہی ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِلِ کوزہ

لیکن کیا سید احمد خاں دوسروں کو دخل دینے میں مضایقہ کرتے ہیں حاشا و کلا۔ بلکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اِن کے اعوان و انصار ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اُن میں بھی معدودے چند ایسے ہیں جن کو سچے دل سے اس دردِ سر کے اپنے ذمے لینے کا شوق ہو اور شوق کے ساتھ اہلیت اور صلاحیت بھی ہو۔ یہ ہی اصلی علت اس ناشدنی پھوٹ کی جو آج سے چند برس پہلے سید احمد خاں کے کیمپ میں ظاہر ہوئی تھی۔ سید احمد خاں سے بڑھ کر اور کس کو اس کی تمنا ہو سکتی ہے کہ یہ گھروندا اور اُس غایت پر نظر کرتے جو سید احمد خاں کو مدِ نظر ہے یہ گھروندا نہیں تو کیا ہے۔ غرض سید احمد خاں سے بڑھ کر اور کس کو اس کی تمنا ہو سکتی ہے کہ یہ گھروندا اُن کے ساتھ مٹی میں مل نہ جائے۔ مگر جب کوئی سہارا لگانے کی ہامی نہیں بھرتا تو بے چارہ بوڑھا اکیلا اس عمر میں اپنی ہڈیاں پیل رہا ہے۔

اب میں ایسی چند باتیں بیان کروں گا جن کی وجہ سے میں علی گڈھ کالج کو عزیز رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اور لوگ بھی خصوصاً مسلمان اس کی قدر و وقعت کریں۔ کیوں کہ اس وقت قومی خیر خواہی اسی میں منحصر ہے کہ مسلمان تعلیم پائیں اور تعلیم بھی پائیں تو اسی علی گڈھ کالج میں۔ پہلا سبق جو مسلمانوں کو اس کالج سے سیکھنا چاہیے وہ سلف ہلپ (اپنی مدد آپ کرو) کا سبق ہے یہ سبق ترقی کا پہلا سٹپ (قدم) ہے میں اس کالج کو اس شیخی کے نظر سے نہیں دیکھتا کہ یہ ہم مسلمانوں کا کیا ہوا کام ہے۔ مگر ہاں کالج کو دیکھ کر اس وجہ سے خوش ہوتا ہوں کہ مسلمانوں نے سلف ہلپ کے رستے میں پہلا قدم رکھا ہے۔ اس سے دو مطلب نکلتے ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں نے اپنے تئیں محتاج مدد سمجھا اور دوسرے یہ کہ اپنی مدد آپ کی۔ یہی دو خیال اگر خدا مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دے تو دنیا میں وہ کون سا کام ہے جو مسلمان نہیں کر سکتے۔ پھر نظر ظاہر بیں میں یہ کالج بھی ایک ایجوکیشنل انسٹیٹیوشن ہے اور ایسے کتنے انسٹیٹیوشن برٹش انڈیا میں بکھرے پڑے ہیں اور اب تو یہ نکتہ سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ انگریزوں کو دام میں لانے کا یہ سبب

آسان بیٹ (دانہ دام) ہی کہ چار لونڈے گھیر کر ایک سکول جاری کر دیا کلکٹر ڈپٹی کمشنر کا بلا لینا تو کچھ بات نہیں ممکن ہی کہ ان سے کوئی بڑی مچھلی آ پھنسے ۔ بے شک پڑھائی کے اعتبار سے تو یہی حال ہی جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ہم کوئی اور سٹینڈرڈ نہیں ٹھیرا سکتے ۔ کوئی دوسرا کورس نہیں تجویز کر سکتے لیکن کورس کے علاوہ ایک اشراقی طور کی تعلیم خاص کر اس کالج میں اور صرف اسی کالج میں دی جاتی ہی جس کے ذریعے سے سید احمد خاں طالب العلموں کو اپنے طور کا بناتے ہیں ۔ مذہبی عقائد میں نہیں ۔ بلکہ اُن صفتوں میں جن کے بدون اس زمانہ میں کوئی آدمی جنٹلمین ہو نہیں سکتا ۔ قسم کھانے کی بات ہی کہ سید احمد خاں نہ اپنے عقائد کو کسی پر فورس (جبر) کرتے اور نہ فورس کر سکتے ۔
مگر نفس انگریزی بے شائبہ تعلیم مذہبی طبیعتوں میں مذہب کی طرف سے شکوک پیدا کر دے تو اس میں سید احمد خاں کا کیا دوش ہی ۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پادری اور پادریوں کی مذہبی تعلیم اور اُن کا پریچنگ (وعظ) یہ چیزیں طلبہ کو عقائد سے متزلزل کرتی ہیں میں کہتا ہوں ۔ انگریزی نقوش چاہے ان میں حساب اور جغرافیہ اور تاریخ ہی کیوں نہ ہو مذہب سے متزلزل کرنے کے لیئے کافی ہیں ۔ اگر سید احمد خاں طلبہ کو نیچری بنانے کی کوشش کریں تو ہم مسلمانوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے کیوں کہ لڑکے اگر نیچری مسلمان نہ ہوں گے تو وہ لامذہب ہوں گے یا کرسٹان گو کسی مشن سکول میں نہ جائیں گو کوئی مذہبی کتاب نہ دیکھنے پائیں ۔
لفظ جنٹلمین کی پورٹی فیٹیشن (تعریف) بیان کرنے کو تو بڑا وقت درکار ہی اور میں اپنے میں اتنی قابلیت بھی نہیں دیکھتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تتبع ذات کمالیہ انسانی میں جنٹلمین کا سنس آ جاتا ہی ۔ گلیم خویش بر دں می برد زموج کی قسم کے لوگوں سے ہماری کار برآری نہیں ہو سکتی اگرچہ ہم مسلمانوں میں ایسے بھی کم ہیں ھسم کو در کار ہیں دین سعی می کند کہ بگیرد غریق را کے ٹائپ کے آدمی اور ایسے لوگ طیار ہوں گے تو اسی کالج سے طیار ہوں گے کیوں کہ یہاں اور صرف یہیں اس کا اہتمام کیا جاتا ہی جب کہ دوسرے انسٹیٹیوشنوں میں اس کی ضرورت ہی تسلیم نہیں کی گئی اس واسطے کہ کورس سے خارج ہی ۔ یہ بات کہ علی کالج طالب العلموں کو بی اے ۔ ایم اے کے علاوہ جنٹلمین بھی بناتا ہی

اس کے متعدد شواہد موجود ہیں امتحان میں انٹرنس سے اور عمر میں ٹین[1] سے متجاوز نہیں ہوئے اور یہاں کے طالب العلم ان فکروں میں لگے ہیں کہ ننھے ننھے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی چندوں کی تھوڑی تھوڑی رقمیں جمع کر کے ایک فنڈ بنا دیں جو بے مقدور لڑکوں کو سپورٹ (تکفّل) کرسے یہ وہ لیاقت ہے کہ آکسفورڈ اور اڈنبرا کی یونیورسٹیوں کی ڈگریوں کو ایسے کران پر سے قربان کر کے پھینک دیا جائے۔ اگر گورنمنٹ ان باتوں پر نظر نہیں کرتی۔ تو کچھ پروا نہیں افسوس یہ ہے کہ پبلک کی آنکھوں پر بھی خدا نے پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ پڑھنے والے لڑکے اور علی گڑھ کالج میں نہ ہوں اس کے معنی کیا یہ تو میں نے مثال کے طور پر ایک بات بیان کی مشتے نمونہ از خروارے ورنہ کوئی آدمی کالج میں کر بورڈرز کے ضبط اوقات کو محتسبانہ دیکھے تو جانے کہ کیوں کر یہ لڑکے خوش دلی اور چاؤ کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغول رہتے ہیں ہم نیٹوز میں غلط فہمی یہ واقع ہے کہ دن بھر کتاب سے رٹتے رہنے کو شرط طالب العلمی قرار دے رکھا ہے اس طرح کی طالب العلمی کرنے والوں میں ایک میں بھی ہوں۔ دن کا تو کیا حساب دو ل مجھے یاد نہیں کہ زمانِ طالب العلمی میں میں کسی ایک رات نیند بھر کر سویا ہوں میں سکالرشپ ہوئے پیچھے ایک چوکیدار کو چند پیسے مہینا دیا کرتا تھا کہ وہ مجھ کو رات کے دو بجے کتاب بینی کے لئے جگا دے۔ میں گرمیوں میں مکان کے اندر گھٹ اور جاڑوں میں باہر صحن میں بیٹھ کر کتاب دیکھتا تھا تاکہ سو نہ جاؤں مجھ کو کئی قسم کے عطسہ[2] آور ٹٹکے معلوم تھے اور اگر میں سمجھتا کہ اس طرح کی طالب العلمی علی گڑھ کے طالب العلموں کے حق میں مفید ہوگی تو یقین جانو میں اُن ٹٹکوں کے بتا دینے میں دریغ نہ کرتا غرض مجھ کو کئی قسم کے عطسہ آور ٹٹکے معلوم تھے اور اب میں خیال کرتا ہوں کہ غالباً اسی آل ورک اینڈ نو پلے (کام ہی کام اور کھیل نہیں) کا نتیجہ ہوا ہو تو عجب نہیں کہ ساری عمر مجھے ریاضی نہ آئی ایک زمانے میں شطرنج کھیلا کرتا تھا تو ہمیشہ ماتیں کھاتا۔ بُرد لینے کو بڑی جیت سمجھتا ہندوستانیوں کے ذہنوں میں یہ غلط خیال ایسا جما ہوا ہے کہ اگر کھیل کو کمپلسری (جبری) نہ کیا جائے تو یہ خالی بیٹھے رہیں اور دوڑ دھوپ کے نام گھر سے باہر پاؤں نہ نکالیں ایسے قدر ناشناسوں سے توقع رکھنی فضول ہے کہ یہ علی گڑھ کالج کے ٹیم (کھیلنے والوں کی

---

[1] نوجوانی۔ کم عمری ۱۲ [2] چھینک لانے والی ۱۲

جماعت) کی داد دیں گے۔ مگر ایک وقت آنے والا ہی اور اُس کو دور نہ سمجھو کہ آج جن پر لعنت کی جاتی ہی اُن کے عرس ہوا کریں گے۔ اور پھر ایک بات جس پر اعتراض کیا جاتا ہی دستور العمل ٹھیرائی جائے گی ای کاش میں اُس وقت کے دیکھنے کے لیئے زندہ رہوں۔ اور تم سب بھی۔ خیر تو علی گڈھ کالج کی ایکسولیئر ٹیز (خصائص) ہیں ایک ایکسولیئرٹی یہ بھی ہی کہ ایسے کھیل جن سے قوائے دماغی شگفتہ اور جسم چست و چالاک اور تندرستی نہ شوئر (متیقن) اور سیکیور (محفوظ) ہو یہاں کے روٹین (سلسلۂ درس) میں داخل ہیں۔ اور اُن پر ویسی ہی توجہ کی جاتی ہی جیسی تعلیم کتابی پر علی گڈھ کالج کے خصائص میں سے ایک بڑا مفید اور بڑا بکار آمد یہاں کے طلبہ کا ڈبیٹنگ (بحث مباحث) کلب ہی جہاں یہ لوگ جمع ہو کر گویائی کی مشق بہم پہنچاتے۔ استدلال رد و قدح حاضر جوابی یعنی داب مناظرہ سیکھتے اور اہم معاملات میں رائے زنی کرنے کی عادت کرتے ہیں۔ یہ ہی ماحصل تمام تعلیم کا تعلیم تھیوری (منصوبہ) ہی اور یہ ہی اس کا پریکٹس (عمل) اور جب میں ایسی باتوں پر نظر کرتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علی گڈھ کالج کے ہوتے لوگ اپنے بچوں کو دوسری جگہ کیوں پڑھواتے اور کیوں پڑھنے والے دوسری جگہ پڑھتے ہیں۔ پڑھواتے ہو اور پڑھتے ہو تو یہاں پڑھواؤ اور یہاں پڑھو۔ ورنہ امتحان بھی پاس کر لوگے ڈگری بھی مل جائے گی اور شاید کوئی معقول نوکری بھی۔ غرض اشرفی ہو جاؤ گے۔ مگر ٹکسالی نہیں۔ وثیقہ کہلاؤ گے۔ مگر رجسٹرڈ نہیں ؎

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

خلاصۂ مطلب یہ ہی کہ تعلیم تو اور جگہ بھی ہوتی ہی مگر تربیت جو نتیجہ اور ماحصل تعلیم ہی وہ یہیں ہوتی ہی اور بس ابھی حال میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر صاحب نے طالب العلموں کو بڑی عمدہ نصیحت کی ہی کہ نیشنل کانگرس کی شرکت سے محترز رہیں اور واقع میں نیشنل کانگرس کا انعقاد خود غرضی اور فساد نیت پر مبنی ہو یا نہ ہو اور اُس کا سرمایہ درست ہو یا نہ ہو اور اُس کی غرض و غایت ممکن الحصول ہو یا نہ ہو لیکن اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ نیشنل کانگرس میں نظم و نسق ملک کے متعلق ایسے پیچیدہ اور اہم مطالب پیش ہوتے ہیں کہ ان میں رائے زنی کرنے کو بڑی عقل بڑی معلومات اور بڑی لیاقت درکار ہی اور طالب العلم اپنی جگہ کتنے ہی لائق ہوں۔

امید نہیں کہ ان شرطوں کو پورا کر سکیں تو نیشنل کانگرس میں شریک ہونے سے ایسے اناڑی ناتجربہ کار نوعمر بجائے اس کے کہ ملک کو فائدہ پہنچائیں غالب ہے کہ نادان دوست کی طرح اُلٹا نقصان پہنچانے کے باعث ہوں گے اور اپنا وقتِ عزیز مباحثِ لاطائل میں ضائع کرنے سے امتحانوں میں فیل یا پھسڈی رہیں گے سوا الگ۔ پس ان لوگوں کو خواجہ حافظ کے شعر سے بہتر اور کیا صلاح دی جا سکتی ہے

رموز مصلحتِ ملک خسرواں دانند	گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

۵۷ء کے غدر کے دنوں میں جب باغیوں نے دہلی کے سرکاری میگزین کو لوٹا اور لٹوایا تو بازاری لوگوں میں کمتر کوئی بچا ہوگا جو کوئی نہ کوئی ہتھیار جزائل بندوق طپنچہ اُڑا کر نہ لے گیا ہو۔ ہمارے محلے میں پنجابی کٹڑے کی ایک بڑی مشہور مسجد تھی۔ اُس میں بہت سے مجاہدین آبھرے تھے۔ اُن میں اکثر باہر کے گنوار تھے۔ اُس خدائی لشکر کے ریکروٹ سپاہیوں کا حال یہ تھا کہ نشانہ لگانا اور بندوق چلانا کیسا بیچارے بندوق کو بھرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ تھا۔ اِن لوگوں کی بڑی بڑی جماعتیں دھاوا کرنے کو جاتیں۔ شام کو فتح پا کر واپس آتے۔ اور یہی واپسی اُن کی فتح ہوتی تھی تو وہ چار دس پانچ آدمی زخمی بھی ہوتے لوگ جانتے کہ لڑائی میں زخمی ہوتے اور ان کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ مگر وہ لڑائی کے زخمی نہیں ہوتے تھے۔ وہ زخمی ہوتے تھے اس طرح پر کہ بندوق بھرنی چاہیئے۔ مثلاً ایک انچ ڈیڑھ انچ انھوں نے ناواقفیت کی وجہ سے (اور اناڑی کی بندوق مشہور ہی ہے) بھر دی ایک بالشت سوا بالشت۔ ادھر بچارج کرنے سے بندوق پھٹی اودھر پھٹی ہی تھی اپنی ہی طرف کے دو چار دس پندرہ جن کا وقت آ لگا لوٹ گئے اور بندوق اپنے فرض سے ادا ہوئی۔ تو یہ مجاہد انگریزوں کو گالیاں دیتے کہ ان ایتیسوں نے اسی دن کے لیئے یہ دھوکے کی بندوقیں بنا بنا کر رکھی تھیں یک نشد دو شد۔ تو اگر طالب العلم نیشنل کانگرس کے شریک ہوتے تو وہ ایسے ہی کچھ کار نمایاں کرتے جیسے غدر کے اناڑی مجاہد کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر پنجاب کے لاٹ صاحب کو علی گڈھ کالج کے ڈبیٹنگ کلب کا حال معلوم کرا دیا جائے تو وہ غالباً ہمارے طالب العلموں کو مستثنیٰ کریں گے۔ لیکن ہم پھر بھی اس رعایت کو ڈکلائن (نامنظور) کریں گے وِدھ تھینکس (بشکر گزاری) کیوں کہ ہم نیشنل کانگرس کو بڑے سوچ بچار کے بعد کنڈم (مطرود)

کر چکے ہیں۔ اور ہم اس رائے سے ایک انچ کی قدر بھی تو ہٹنے والے نہیں مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ[1]
کیا پنجاب کے لاٹ صاحب ہمارے کالج کے ساتھ ساتھ یہ خاص رعایت کرتے ہ گورمنٹ ہمارے
ساتھ اور بہت رعایتیں کرتی ہے اس لئے کہ ہم نے اپنے تئیں اُن کا مستحق ثابت کیا ہے۔ گورمنٹ کو
ہم پر پورا پورا اعتبار ہے۔ اور ہم سچے دل سے پورے پورے اس کے خیر خواہ ہیں اور یہ ہمارے
کالج کا بڑا ایم (مقصود) ہے میں نے اس بات کو سٹر کچر (طنز و اعتراض) کے طور پر بیان کیا تھا کہ مروجہ
تعلیم کلرکل تعلیم ہے یعنی لوگ نوکری کے لئے طیار کیے جاتے ہیں اور بس بے شک دور کے خیال سے
تو تعلیم پر یہ اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے اور جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا اس تعلیم کا ناقص اور غیر
مفید ہونا ثابت ہو اور ہو مگر ہم مسلمانوں کی حالت موجودہ کے لئے کافی اور مفید دونوں ہے ہم لوگ
نوکری ہی کو معاش پیدا کرنے کا معزز ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہمارے اس خیال کے بدلنے کو مدتیں
چاہئیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ نوکری کو جس کے لئے ہم بنائے گئے ہیں اپنے لئے مونوپولائز (محفوظ)
کرلیں اور اُن لوگوں کو جن کا یہ کام نہیں۔ اور دوسرے پیشے اختیار کرنے میں ان کی طبیعتیں مضایقہ
نہیں کرتیں اور نہ اُن کو مضایقہ کرنا چاہئیے نوکری میں نہ گھسنے دیں۔ یہ تعلیم کیسی ہی ناقص و ناتمام سہی
اس میں اتنی خوبی تو ضرور ہے کہ آدمی کو سر کارہ بنا دیتی ہے پانچ ہم نے بھی بیلے ہیں اور قریب قریب
اسی طرز پر تعلیم پائی ہے۔ فرق اگر تھا تو یہ کہ یہی علوم ہم کو ورنکیولر (زبان ملکی) میں پڑھائے گئے۔ اور
جب تک جئیں گے اس ورنکیولر کا افسوس کریں گے تو میں نے اپنے ساتھ کے طالب العلموں کو دیکھا کہ
مختلف کاموں میں مشغول ہوئے۔ مگر خدا کے فضل سے جو جس شان میں تھا یا اب ہے اپنے
اقران میں مشار الیہ اور امثال میں ممتاز۔ رہا یہ کانفرنس اس وقت تو علی گڈھ کالج کی ہاں میں
ملانے والا ہے۔ مگر یہ ایک تخم (بیج) ہے اگر جم گیا تو آگے چل کر اس کا مزہ آئے گا۔ جب ملک تعلیم کی
پوری پوری قدر کرنے لگے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ زمانہ کس طرح کی تعلیم کا مستقاضی ہے۔ گورنمنٹ تعلیم
سے دست بردار ہو بیٹھے گی اور لوگ تعلیم اولاد کو ان کی پرورش کا جز و اعظم سمجھیں گے اور اس کا انتظام

[1] ہماری بات بدلتی نہیں ۱۲۔

تمام وکمال اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ اُس وقت اور صرف اُسی وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہمارے بوڑھے رفارمر سید احمد خاں کو بھی کتنی دور کی سوجھی تھی سید احمد خاں اور اِن کے کابینیٹ سٹاف کے ہوتے ہر ایک کا کام نہیں کہ یہاں کے طالب العلموں کو نصیحت کرنے یا کسی بات کی صلاح دینے کی جرأت کرے کیوں کہ کسی نے سوچ کر کوئی بات نکالی بھی تو وہ دیکھ لے گا کہ اُس کے ذہن میں ہی اور یہاں عمل درآمد میں مگر مجھکو تو جو کچھ کہنا ہی اپنی طرف سے کہہ ہی گزروں گا یہی نہ کہ بات مکرر ہوگی اچھا اگر مکرر ہوگی بھی تو قندِ مکرر۔ ایک اعتراض تو عموماً انگریزی خواں طالب العلموں کی طرزِ تعلیم میں ہی طالب العلمی میں نے بھی کی ہی اور ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کو طالب العلمی کرتے دیکھا ہی مگر وہی پرانی ایشیائی تعلیم۔ یہ بات دوسری ہی کہ جو علوم ہم لوگ پڑھتے تھے وہ بے کار تھے یا بکار آمد۔ مفید تھے یا نامفید۔ مگر وہ ایک طرح کی طالب العلمی تو تھی ہی۔ میں علم کا علم سے مقابلہ نہیں کرتا۔ بلکہ طرزِ تعلیم پر کچھ ریمارک کرنے چاہتا ہوں۔ ہم لوگوں میں مطالعہ بڑی ضروری چیز سمجھا جاتا تھا۔ یعنی اگلے سبق کو زورِ طبیعت سے آپ نکالنا۔ اس میں ایسی زحمت ہوتی تھی کہ جس نے مطالعہ کیے ہیں بس اُسی کا دل جانتا ہی گھنٹوں کتاب پر سر جھکائے جھکائے گردن شل ہو ہو جاتی تھی۔ اور دماغ پر جو فشار پڑتا تھا بس اُس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہی کہ دو گھنٹے کے اچھے زبردست مطالعے کے بعد طبیعت اس قدر خستہ ہو جاتی تھی کہ گویا بڑی بھاری منزل طے کر کے آئے ہیں۔ زحمت تو بڑی سخت تھی مگر ویسے ہی اس کے فائدے بھی تھے کسی فن کی ایک کتاب بھی اس طرح پر نظر سے گزر گئی تو بس جانو کہ اُس فن میں اچھا خاصا عبور ہو گیا۔ استعداد جلد جلد بڑھتی تھی۔ مطالعہ کا پڑھا ہوا اس طرح ذہن نشین ہوتا تھا جیسے نقش فی الحجر کہ برسوں کے بعد خیال کرو اور تازہ۔ میں دیکھتا ہوں تو انگریزی خوانوں میں مطالعہ کا دستور بالکل نہیں اور شاید اوور ورکنگ (کثرتِ اسباق) کی وجہ سے اُن کو مطالعہ کی فرصت نہیں ملتی۔ مگر کچھ ہی سبب ہو نتیجہ یہ ہی کہ ان کی استعداد ڈیپ اور ساؤنڈ (غائر و عمیق) ہونے کے عوض شیلو اور سوپر فیشل (سطحی و قشری) ہوتی ہی نظر مطلب کے اطراف و جوانب اور پروفرانڈ کو نزنا یعنی حالۃً اور ما علیہ پر ایسا ابھار نہیں کرتی۔ اور خود مجھکو بار بار اس کا تجربہ ہوا ہی۔ بے شک اس آئیڈیل

ایکسپٹنز (مستثنیات لایقِ اعزاز) بھی ہوں گے۔ اور ضرور ہوں گے مگر لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ[1] چھوٹے بچوں کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں۔ اور اس سے بہت بہتر وہ طریقہ ہے کہ لکڑی کے ایک چوکھٹے میں جس کو عرفِ عام میں گھڑولنا کہتے ہیں پہیے لگا کر اُس کے سہارے سے بچے کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ چوکھٹا آگے کو لڑھکتا ہے اور بچے کو خود بخود پانوں اُٹھانے پڑتے ہیں۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ بچہ پانوں پر زور دینے کی عادت کرے چنانچہ اس تدبیر سے بچے گر پڑ کر چلنا سیکھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم بچوں کو کندھے پر چڑھائے چڑھائے یا گود میں لادے لادے پھریں اور خود بچے کو کسی طرح کی زحمت نہ اُٹھانے دیں تو وہ بچہ کبھی بھی پانو چلنا نہیں سیکھے گا۔ یہی حال ہے پڑھنے کا ہے کہ اُستاد صرف ایک سہارا لگانے والا ہے اور اصل میں پڑھنا وہی ہے جو سٹوڈنٹس اپنے آپ سے پڑھتے ہیں یعنی خود معلم ہوتے ہیں اور خود ہی متعلم۔ اب تم کو اپنی ایک حکایت سناؤں تو شاید تم سمجھو کہ کچھ شیخی بگھارتا اور خودستائی کرتا ہے۔ حالاں کہ شیخی اور خودستائی نہیں طالب العلموں پر مطالعے کی ضرورت کا ثابت کرنا منظور ہے۔ میں نے کالج میں سبقاً سبقاً انگریزی نہیں پڑھی اور کسرِ نفس تو اس کا متقاضی ہے کہ کہوں مجھ کو انگریزی نہیں آتی۔ لیکن آپ لوگوں میں انگریزی دانی کا اظہار نہ کروں تو کیا مولویوں میں کہتا پڑا پھروں اور اُن کو بیٹھے بٹھائے اپنی نسبت فتواے کفر لکھنے کی تکلیف دوں۔ بعدِ غدر میں الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھا کہ میں نے انگریزی کا شوق کیا۔ نہیں بلکہ ایک دوست نے رغبت دلائی۔ دورے کی نوکری پڑھنا تو کیا ہو سکتا تھا مگر ہیڈ کوارٹر میں (مستقر) آتا تو اُن ہی دوست سے بقدر دستِ داد فرصت کچھ دیکھ لیتا۔ اور دَورے میں بطورِ خود اُس کو یاد کرتا۔ چند روز میں اتنی استعداد ہو گئی کہ رومن کی سکول ڈکشنری کی مدد سے عبارت کا مطلب سمجھ لیتا تھا مگر بدقت تلفظ بہت ہی نادرست تھا اور اب تک بھی نادرست ہے۔ میں اُس عیب کی شکایت نہیں کرتا جس سے کمتر ہندوستانی خالی ہوتے ہیں بلکہ میں اپنے میں یہ عیب بہت زیادہ پاتا ہوں۔ اس واسطے کہ ساری عمر میں اہلِ زبان کے مُنھ سے انگریزی الفاظ بہت سُنے ہوں گے تو شاید ایک ہزار اور اگر مکررات کو خذف کر دوں تو چند درچند اور اسی نادرستیِ تلفظ کی وجہ سے مجھ کو انگریزی میں بات کرنے کی کبھی جرأت

---

[1] اکثر کل کے حکم میں ہے ۱۲۔

بھی نہیں ہوئی اور ضرورت بھی نہیں پڑی بہرکیف میری استعداد رومن کی سکول ڈکشنری تک تھی۔
اور اُسی زمانہ میں تمھارے اس پنیل کوڈ (تعزیرات ہند) کا ترجمہ ہو رہا تھا تو کس اہتمام سے کہ منشی
عظمت اللہ صاحب ترجمہ کرتے اور بہ ترتیب پہلے مولوی محمد کریم بخش صاحب پھر ہنری سٹوارٹ
ریڈ صاحب جو اُس وقت ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن تھے پھر آخر کار خود سر جارج ایڈمنسٹن صاحب
لفٹنٹ گورنر اُس میں حک و اصلاح فرماتے۔ اور اتنی نظروں کے بعد ترجمہ چھپنے کو دیا جاتا۔ اب
خدا کو منظور ہوا اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّاَ اَسْبَابَہٗ[1] کہ یہ ذرۂ بے مقدار روشناس آفتاب ہو یعنی نواب
لفٹنٹ گورنر نذیر احمد کا نوٹس لیں۔ اور نذیر احمد کا یہ حال کہ بابو شیو پرشاد صاحب کی ماتحتی میں بنارس
سرکل کے تمام ڈپٹی انسپکٹروں میں لیاقت اور کارگزاری کے اعتبار سے اَیٹ دی بوٹم آف دی لسٹ[2]
یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے بابو صاحب کی ماتحتی میں ایک سو بیس روپے ماہوار کی انسپکٹری
سے تنگ آکر اسّی روپیے ماہوار کی انسپکٹری منظور کر لی تھی اور وہ اتفاق سے علی گڈھ کی ڈپٹی انسپکٹری تھی
اگر میں علی گڈھ آگیا ہوتا اور سید احمد خاں بھی ان دنوں یہاں ہوتے تو میں آج کو ان کے خلفاے مہدیین میں ہوتا سہ

شکر پردے ہی میں اُس بت کو حیا نے رکھا | ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

بارے لاٹ صاحب دورہ کرتے کرتے الہ آباد آ گئے اور عاجلاً نہضت فرمائے بنارس ہوئے پنیل
کوڈ ٹرینسلیٹنگ سٹاف سب اُن کے ساتھ۔ الا ریڈ صاحب کہ وہ کسی ضرورت سے ایک ہفتے کے
لیے الہ آباد رہ گئے اور مجکو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ منشی عظمت اللہ صاحب کا کیا اور مولوی کریم بخش
صاحب کا اصلاح دیا ہوا نمبر بہ نمبر ریڈ صاحب کو سنا دیا کروں۔ دخل تو دینا پڑتا ہی تھا میں نے دو چار
ہی دن کی صحبت میں یہ ثابت کر دیا کہ میں پنیل کوڈ کو خوب سمجھتا ہوں۔ اور میری شرکت ترجمے کے
حق مفید ہے۔ ریڈ صاحب تو میری انگریزی دانی کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُنھوں نے اپنی روانگی
سے پہلے چٹھی دے کر مجکو لارڈ صاحب کے پاس چلتا کیا۔ اور میں ٹرینسلیٹنگ سٹاف میں جا داخل ہوا
اور آخر کار میں نے ہی دفعات کے خلاصے لکھے اور میں نے ہی اپنی نگرانی میں مجموعۂ تعزیرات ہند

[1] جب اللہ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اُس کے اسباب بھی بنا دیتا ہے ۱۲ [2] فہرست میں سب سے آخر ۱۲۔

چھپوایا۔ مطلب کی بات تو یہ ہی کہ جب ہماری ٹرینٹی (تثلیث) کو لاٹ صاحب نے ڈپٹی کلکٹریاں دینی تجویز کیں۔ ریڈ صاحب نے نومینیشن رول کے فارم میں میری انگریزی دانی کی بڑی مدح کی اور میرا وہی حال ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

تو کیا ریڈ صاحب نے میری مدح غلط کی۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ ہاں اُن سے غلطی ہوئی تو یہ کہ اُنھوں نے فی زعمہ میری استعداد کو انگریزی کی طرف منسوب کیا حالاں کہ وہ استعداد صرف قوتِ مطالعہ تھی جو میں نے اپنی طالب العلمی میں حاصل کی تھی اور اُس وقت تک ایسی فرسودہ نہیں ہوئی تھی جیسی اب ہو گئی ہی ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

آج کل کے انگریزی تعلیم یافتہ ہم اولڈ فیشن کے پڑھے ہوؤں کو بنظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بلاشبہہ پُرانی تعلیم اس جدید تعلیم کے مقابلے میں بنظرِ حقارت سے دیکھے جانے کی مستحق بھی ہی مگر میں تو طرزِ تعلیم میں بحث کر رہا ہوں نہ نفسِ تعلیم میں۔ ہم تعلیم کا اچھا بُرا تو جانتے نہیں اب بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہی اولڈ فیشن کے معدودے چند تعلیم یافتہ کر رہے ہیں ؎

رنگین سوا ہی اب سے گلِ نو بہار سے — پہلا جو برگِ زرد کوئی اس چمن میں ہی

ان میں سے کوئی بی اے ایم اے ایل ایل ڈی ہو تو بتا دو۔ ایک سید احمد خاں ایل ایل ڈی ہیں نہ وہ نہ تمھاری انگریزی کی وجہ سے۔ اور نہ ہماری پُرانی عربی تعلیم کی وجہ سے بلکہ اُس تعلیم کی وجہ سے جس کو علمِ لدنّی کہنا چاہیئے عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[1]۔ ایک شخص نہ عربی کا فاضل ہو نہ انگریزی کا پڑھا ہوا اور خدا اُس کے ذہن میں ایسی برکت دے کہ مولویوں اور پروفیسروں کو رستہ بتائے۔ انگریزی پڑھتے تو تم ہو مگر اے کاش میری برابر اُس کی قدر کرو کہ باوجودیکہ نہ تو جب پڑھنے کی عمر تھی انگریزی پڑھی اور نہ ساری عمر خدا نے انگریزی کو میرا ذریعہ معاش گردانا۔ تو انگریزی کی ایسی ہی قدر و قیمت

---

[1] ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم دیا ۱۲۔

دل میں تھی کہ بڑی عمر میں اس کو سیکھا اور بے تقاضائے معاش سیکھا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہمیشہ افسوس کرتا رہا اور کرتا ہوں کہ کیوں ابتدا میں میں نے انگریزی نہیں پڑھی۔ نوکری تو میں نے مولوی مہدی علی کی مہربانی سے ایسی بیش قرار تنخواہ کی کی کہ سیکڑوں انگریزی خوانوں میں سے ایک کو بھی نصیب نہیں ہوتی مگر میں اس کو چانس (بخت و اتفاق) ہی سمجھتا رہا کیوں کہ وہ اس لیاقت کے صلے میں ملی تھی جس کی انٹرنزک ویلیو (ذاتی قدر و قیمت) اس زمانے میں اتنی ہی تھی۔ تو اے عزیزو! انگریزی کی اتنی تو قدر کرو جتنی میں نے کی اور کرتا ہوں ورنہ معلوم ہوگا اس سے کہ معاش سے قطع نظر کر کے تم کو انگریزی کا شوق ہو۔ اگر تم یہ سمجھ کر انگریزی پڑھ رہے ہو کہ فی زمانہ معاش پیدا کرنے کا ذریعہ ہے تو میں تمہاری رائے کی تصویب کرتا ہوں۔ مگر میں اس کو شوق نہیں سمجھتا۔ شوق یہ ہے کہ جب خدا کرے تم امتحان پاس کر لو۔ اور خدا کرے تم کو نوکری بھی مل جائے اور نوکری بھی مل جائے تو معقول یعنی تم کو مدرسے سے طالب العلمی کا تعلق باقی نہ رہے اس کے بعد بھی تم سٹڈی (مطالعہ) کرتے رہو اور کتاب بینی کو اپنے جیتے جی کا مشغلہ بنا لو۔ روحانی لذتوں میں سے ایک لذت کتاب بینی کی بھی ہے کہ جس کو اس کی چاٹ پڑ جاتی ہو باقی تمام لذتیں اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہیں۔ شاید اس کا ظاہر حال خستہ و خراب ہو مگر میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں اس سے زیادہ کوئی خوش ہو سکتا ہے۔

نہیں ہے قانع کو حاجت زر وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانند کیمیا گر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے

میں جو کتاب بینی کی مدح کر رہا ہوں اور تم کو اس کی ترغیب دلاتا ہوں سنی سنائی نہیں کرتا میرے لیے تو یہ شرطِ زندگی ہو گئی ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ اگر مجھ کو کتاب بینی کا شغل بھی نہ ہوتا تو خدمت سے علیحدہ ہونے کے پیچھے کیوں کر زندہ رہتا اور ہاں نوکری کی حالت میں بھی کتاب بینی کی عادت نے بڑے بڑے کام دیے ہیں اور دو موقعوں کو تو میں کبھی بھول نہیں سکتا میں ایجوکیشنل لائن سے نکل کر اول اول سائٹھ سلیم پور ضلع کانپور میں تحصیل دار مقرر ہوا۔ آج تو میں تحصیلدار مقرر ہوا۔ اور دو تین مہینے بعد تحصیل داروں کا امتحان ہونے والا تھا۔ سر چارلس الیٹ جو ان دنوں بنگال لفٹننٹ گورنر ہیں مجسٹریٹ ضلع تھے۔

اُنھوں نے میری جدید العہدی پر نظر فرما کر مہربانی سے لکھا بھی کہ تم چاہو تو اگلے سال شریکِ امتحان ہونا۔ میں نے یہ سوچا کہ امتحان کا کھٹکا بُرا۔ اور میں نے صاحب مجسٹریٹ سے عرض کیا کہ فیل ہونے کی صورت میں میری جدید العہدی کا لحاظ فرمایا جائے۔ سررشتہ تعلیم کے ملازم کو مال گزاری اور فوجداری سے کیا نسبت تحصیل داری کے کاغذات کا ہڈ اور ٹیل (سر اور پاؤں) تک تو مجھکو معلوم نہ تھا۔ عملے انگلی رکھ کر بتاتے تو میں دستخط کرتا۔ عملوں نے امتحان سے بہتیرا ہی ڈرایا مگر میں اپنی قوتِ کتاب بینی کا بخوبی اندازہ کرتا تھا۔ ایک نہ سنی اور شریکِ امتحان ہوا۔ پہلی ہی دفعہ ہول ڈویزن کے تحصیل داروں میں تمیز اوّل۔ ڈپٹی کلکٹری میں پھر وہی امتحان کا مرحلہ پیش آیا۔ اور گو ر کھپور میں (یہ اُن وقتوں کا مذکور ہے کہ ضلع بستی علیحدہ نہیں ہوا تھا) کام کی یہ کثرت کہ خدا کی پناہ۔ مگر وہی کتاب بینی کی عادت ہول پراونس (صوبے) کے پاس شدگان میں ہڈ آف دی لسٹ اِنگلوڈنگ (سرِ فہرست بشمول) جائنٹ مجسٹریٹیں اسسٹنٹ کلکٹرز ڈپٹی کلکٹرز کینڈیڈیٹیں شاید یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک نیٹو ڈپٹی کلکٹر جنٹوں اور اسسٹنٹوں پر سبقت لے گیا کہ اُس کے بعد سے امتحان کا رزلسٹ (نتیجہ) دو حصے ہو کر مشتہر ہونے لگا۔ یوروپینز کا الگ الگ اور نیٹوز کا الگ۔

پس اے طالب العلمو! جہاں رہو اور جس حالت میں رہو عربی کے اس چھوٹے سے مصرعے کو جلی قلم سے خوشخط لکھوا کر سامنے میز پر رکھے ہو ع

وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ[1]

اس پر عمل کروگے تو تمام دینی اور دنیاوی برکتوں کا میں ضامن۔ میری ضمانت سے تو تم کو کیوں تسلی ہونے لگی کہو تو بڑے میاں کی ضمانت دلوا دوں مگر دینی برکتوں کے لیے بھی ان کی ضمانت لوگے؟ میں تو تم کو تعلیم کے متعلق بہتیری صلاحیں بتاؤں لیکن کچھ ایسے پیچ آ کر پڑے ہیں کہ تعلیم کا رو براہ ہونا ہے دیر طلب اور مشکل سیکولر (دنیاوی) تو کچھ ہے بھی اور شاید کچھ ہو بھی جائے گی کیوں کہ لوگ اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہیں۔ مذہبی تعلیم ہے جس کی طرف سے مجھکو اندیشہ ہے۔ وہ بلا مبالغہ جینونٹی پھسا

---

[1] زمانے میں سب سے بہتر رفیق کتاب ہے ۱۲۔

کیا ب ہو۔ مصیبت یہ ہو کہ لوگ صبر و سکون سے بات سنتے نہیں اور پہلے سنے پر بیچو ڈسٹر ڈ کارہ متنفرہ ہوں تو صبر و سکون کے ساتھ سنیں کیا خاک۔ مذہب کا نام زبان پر آیا اور اُنھوں نے کان کھڑے کیئے سننے کے لیئے نہیں بلکہ وحشت و گریز کے لیئے۔ اور بات جو میں کہنی چاہتا ہوں اسی قدر ہو کہ دین میں جو کچھ جمع کیا گیا اور جس ضرورت سے جمع کیا گیا اور جس طرح جمع کیا گیا وہ اُس وقت کے لیئے تو بہت ٹھیک تھا جس وقت جمع کیا گیا تھا لیکن اُس وقت میں اور اِس وقت میں نور و ظلمت کا فرق ہو گیا ہو ہم کو اس وقت کے لحاظ سے دینیات کو ترتیب دینا ہو لیکن ترتیب دے کون۔ اور کوئی اتنی جرات بھی کرے تو اس کی مانے کون۔ اس سے بہتر ہو کہ اس بحث کو یہیں رہنے دو کہا اس قدر لبس کرتا ہو کہ تم کو ایک ذرا سا ہمنٹ (اشارہ) کر دیا گیا کہ بات تمھارے کان میں پڑی رہے اور اس سے زیادہ کہا جا چکا ہو اُسی کا کیا اثر ہوا کہ آج کے کہے کا ہوتا۔ زمانہ کا رنگ دیکھ کر تعلیم کے متعلق جو سیفٹ (محفوظ و بے خطر) مشورہ دیا جا سکتا ہو یہ ہو کہ جو گورمنٹ کہے سو کرو اور جو تمھاری سوسائٹی کہے سو کرو ؎

کرو تحمل کہ عاشقی میں نہ یوں کروگے تو کیا کروگے		جو درد دیہ ہو تو درد مند و کہاں تلک تم دوا کروگے

اب اپنی طرز معاشرت کی نسبت ایک بات سنو۔ اس زمانے میں طالب العلمی سے بڑھ کر بھی کوئی مصیبت نہ ہوگی انگریزی نہیں پڑھتے تو پیٹ کو روٹی نہیں ملتی پڑھتے ہیں تو مذہبی طعنوں کے علاوہ مغرور اور بے ادب اور مسرف سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہو کہ گالی لاٹھی نہیں پتھر نہیں۔ چھری نہیں کہ خون نکلے ہڈی ٹوٹے گوشت پھٹے۔ رگ کٹے۔ مگر خدا جانے کیا چیز ہو کہ ان سب سے زیادہ ایذا دیتی ہو ؎

	جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ		وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

یہی حال ہو مطاعن کا۔ پہلے تو عام انگریزی خوانوں پر مذہبی ملاحی گالیاں پڑا کرتی تھیں۔ سو شکر ہو کہ اُن میں تو بہت کمی ہو اب سارا نچوڑ ہمارے اس کالج کے طالب العلموں پر ہو۔ سو ان حضرت سرسید کی بدولت اور میں دیکھتا ہوں تو سرسید بھی بجائے خود اپنے اور تمھارے حصے کی گالیوں کا خوب استقام لے رہے ہیں ؎

اسی طرح بہت بد خو کو رام ہیں نے کیا		جب اُس نے دی مجھے گالی سلام ہیں نے کیا

اور اس سے زیادہ شدید انتقام یہ ہی کہ پابندی مذہب کالج کے ڈسپلن (ضوابط و قواعد) میں داخل ہی لوگوں کو اِن کے تعصب نے اندھا بہرا کر رکھا ہی مگر کالج کے در و دیوار تو اندھے بہرے نہیں ہیں وَاِنْ[۹۱] مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ذرا صبر کرو۔ ایک دن ہوگا کہ مسجد کی اینٹیں گواہی دیں گی کہ اے خدا ان طالب العلموں کے سر تیرے لیئے ہم پر جھکے اور اُن کی لال لال ٹوپیوں کے پھندنے۔ اور پیشانیاں خاک آلودہ ہوئیں۔ اُس وقت تم کو سعدی کے اس مقولے کی تصدیق ہوگی

نیک باشی و بدت بیند خلق
به که بد باشی و نیکت بیند

آدمی کو خدا نے کئی فیکلٹیز (قابلیتیں) عطا فرمائی ہیں۔ اُن میں سے ایک مذہب بھی ہی[۹۲] فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ اور یہ فیکلٹی (خلقی قابلیت) پورے طور پر ڈولپ (تر و تازہ و شاداب) ہوتی ہی اُس وقت جب آدمی سن وقوف کو پہنچتا ہی اور انبیاء علیہم السلام جو چالیس برس یا اُس سے بھی زیادہ عمر میں مبعوث ہوئے تو اُس کی بھی یہی وجہ ہی تو میرے نزدیک تو عمر لڑکوں سے جیسے ہمارے طالب العلم ہیں اُسی قدر پابندی مذہب کرانی چاہیئے کہ اُن کی مذہبی فیکلٹی معدوم یا سٹنٹڈ (پژمردہ افسردہ) نہ ہونے پائے اور میں اس کے لیئے علی گڑھ کالج کی ڈسپلن (ضوابط و قواعد) کو کافی سمجھتا ہوں جو لڑکے قبل از وقت زیادہ پابندی مذہب دکھاتے ہیں میرا تجربہ یہ ہی کہ یا بان ہار ہوتے ہیں یا بڑے ہوکر ان کی مذہبی فیکلٹی (قوی) کند پڑ جاتی ہی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ دل میں تو تقاضا ہی نہیں اس واسطے کہ تقاضا پیدا ہونے کی عمر نہیں پس وہ جو زیادہ تر ریجس (مذہبی) بننا چاہتے ہیں ضرور ہی کہ متصنع اور مرائی ہوں اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ[۹۳] کتنا ہی طالب العلموں کو سمجھاؤ۔ منع کرو کہ مذہبی گورکھ دھندوں کے سلجھانے کا تمھارا وقت نہیں ہی مگر وہ کب باز آتے ہیں حقیقت میں یہ بیچارے بھی طبیعت سے مجبور ہیں۔ مذہبی اختلافات تو سدا سے

---

۹۱ سب چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہی لیکن تم نہیں سمجھتے ۱۲ ۹۲ اللہ کی بناوٹ جس پر لوگوں کو بنایا ۱۲

۹۳ اُن کے کیئے جیسے راکھ کہ اُڑا لے گئی اُس کو ہوا آندھی کے دن اپنے کیئے پر کچھ قدرت نہیں رکھتے ۱۲۔

چلے آئے ہیں اور نہ صرف چلے جائیں گے بلکہ بڑھتے چلے جائیں گے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ مگر ایسی چھیڑ چھاڑ
جیسی کئی کئی برس سے دیکھنے میں آتی ہی ہمارے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ اگلے وقتوں میں
مذہبی علما وہ بھی سب نہیں بلکہ بعض اپنی جودتِ طبع دکھانے کے لیئے علمِ کلام میں کوئی ایک آدھ رسالہ
لکھ مارا کرتے تھے ماوشما کو مباحثہ و مناظرہ سے کچھ سروکار نہ تھا عیسیٰ بدینِ خود موسیٰ بدینِ خود۔ یا اب تو
یہ حال ہوگیا ہی کہ جو جس دین کا ہی پڑھا ہی تو اور نہیں پڑھا ہی تو جانتا ہی تو اور نہیں جانتا ہی تو اپنی جگہ مجتہد
اور مجاہد بنا پڑا اکھڑتا ہی یہ ہیں نتیجے رعایا کی بے ہنگام آزادی اور گورمنٹ کی نیوٹریلٹی یا امپارشلیٹی کے
چاہے وہ مجبوری ہی سے کیوں نہ ہو معلوم ہوتا ہی کہ مذہب کے متوالے کو دوں کھا کر دنیا سٹری ہو گئی
ہی تو کیوں کر توقع کی جاے کہ طالب العلموں کے کانوں تک اس غل کی آواز نہ پہنچے۔ آواز پہنچتی ہی تو
خدا نے کان دیئے ہیں چار و ناچار سنتے ہیں اور سنتے ہیں تو خدا نے عقل دی ہی چار و ناچار طبیعت
لڑاتے ہیں۔ غرض طالب العلم بھی چاہیں تاہم اُن کو مذہب کی نسبت ایک نہ ایک راے قایم
کرنی پڑتی ہی۔ جب طلبہ میں اتنی صلاحیت نہ ہو کہ وہ پولیٹکل باتوں میں راے زنی کریں تو اُن میں
اس کی صلاحیت کہاں سے تسلیم کی جا سکتی ہی کہ مذہب کا فیصلہ کریں۔ کیا مذہب پولیٹکل باتوں
سے بھی گیا گزرا ہو جس کے اختلافات دنیا کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئے اور کتنے حکیم کتنے فلسفی کتنے
مناظر کتنے متکلم ہو گزرے اور یہ اختلافات رفع نہ ہوا پر نہ ہوا تو اے طالب العلمو! مذہب سے قطع نظر بھی نہ کرو اور
قطع نظر تم کر بھی نہیں سکتے مگر اتنا تو غل بھی نہ کرو کہ تمھارے پڑھنے لکھنے میں حرج واقع ہو جس کام میں
تم لگے ہو یہ بھی داخل عبادت ہی بشرطیکہ نیت بخیر ہو اور اس سے زیادہ اور کیا نیت بخیر ہو سکتی ہی کہ تم
مسلمانوں کی قوم کو معزز بنانا چاہتے ہو جس کا دوسرا عنوان ہی اعلاءِ کلمۃ اللہ دین و دنیا کے تعلق پر
ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں کچھ ریمارک کر چکا ہوں اب اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ہم کو خدا نے دین اور
دنیا پر اتنا اختیار دیا کہ چاہیں دونوں کو لڑا ماریں اور کبھی ملنے نہ دیں اور یہ بالکل خدا کی مرضی کے

ـلـه اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک سا کرتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر اللہ رحم کرے اور اسی لیئے ان کو پیدا کیا۔

خلافت ہی اور چاہیں دونوں میں ایسا اتحاد پیدا کردیں کہ دونوں یک جان دو قالب رہیں جیسے ہمارے
سر سید اور ہمارے جلسے کے پریزیڈنٹ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب
بہادر کہ ان دونوں میں سے ایک مرتبہ کسی نے لکھا تھا کلّا نا روحٌ واحدٌ حلّ فی جسدین [1] - یا
اسی طرح کی کوئی دوسری عبارت اور خدا کی بھی عین مرضی یہی ہی کہ دین و دنیا میں ایسا ہی گاڑھا
اختلاط ہو اور یہ کیوں کر ہوسکتا ہی۔ ہمارے اپنے صرف ارادے کہ پورد کو کما کر کھلائیں اور وہ
کمائی ہمارے نامۂ اعمال میں عبادت لکھی جائے۔ خدانخواستہ کوئی دوست بیمار پڑے اس کی
عیادت کو جائیں اور جو قدم اٹھائیں۔ جنت کی طرف۔ چاہے کوئی ہمیں مرتد بنائے یا کافر ٹھہرائے
مولویوں کے مسئلوں میں تو اپنی عقل کچھ کام کرتی ہی نہیں۔ سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہی اور نہ
کرو تو گنہگار اس واسطے کہ خدا اپنے بندوں پر آسانی کیسے اور وہ اس آسانی سے فائدہ نہ اٹھائیں
تو یہ ایک طرح کا کفران نعمت ہی بڑا عمدہ خیال ہی کاش اس کو اتنی وسعت دی جائے کہ لوگ
رو ٹیوں کا کچھ دھندا کریں اور خدا بھی خوش رہے۔

اب میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمھاری نسبت مغرور بے ادب و مسرف کے الزام کہاں تک صحیح ہیں
یہ اور اس طرح کے اور چند الزام متفرع ہیں اور خودداری پر جو ضروری نتیجہ انگریزی تعلیم کا ہی۔ لوگ تو تم کو
ملزم قرار دیتے ہیں اور میں کہتا ہوں اور پکار کے کہتا ہوں کہ تمھاری ساری اداؤں میں بس یہی
ایک ادا مجھکو سب سے زیادہ پسند ہی وہ جو کہتے ہیں ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔
بس اسی ایک ادا سے معلوم ہوتا ہی کہ تم کچھ کرکے دکھاؤ گے۔ خودداری ہی کیا چیز سلف ارسپکٹ۔ یعنی
آپ اپنی عزت کرنا۔ جب ہم آپ اپنی عزت نہ کریں تو ہم دوسروں سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔
کہ ہماری عزت کریں گے۔ آپ اپنی عزت کرنا ایسا اچھا خیال ہی کہ انسان کو کسب کمال اور
برتری اور ترقی اور لیاقت کی طرف برانگیختہ کرتا رہتا ہی بس وہ انسان کے حق میں ایک بڑا
عمدہ سائق ہی اس خیال کا آدمی کبھی فروتر حالت میں رہ نہیں سکتا کیا خوب کہا ہی ؎

---

[1] یعنی ہم دونوں ایک جان اور دو قالب ہیں ۱۲

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق	باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

پر ہاں اتنی بات ضرور ہی کہ خودداری میں افراط نہ ہونے پائے کہ خودداری میں افراط ہوئی اور وہ منجر بغرور ہوئی اور غرور تمام رذیلتوں میں بدتر رذیلت ہی کہ مغرور آدمی جتنا اپنے تیئں دور کھینچتا ہی وتنا ہی لوگوں کی نظروں میں گرتا اور ذلیل و مبغوض ہوتا چلا جاتا ہی ؎

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا	آفتاب آشنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

کچھ معلوم ہی کہ اگر ہم ایک قوم کی نسبت دریافت کرنا چاہیں کہ ان میں خودداری ہی یا نہیں اور ہی تو کتنی ہی تو اس کے معلوم کرنے کا کوئی معیار بتا سکتے ہو۔ نہیں بتا سکتے۔ مجھ سے سنو۔ اس کا معیار ہی اُن کا لٹریچر۔ خدا فارسی کا کھوج کھوئے اور الحمد للہ کہ ہمارے ہاں سے تو کھویا ہی گیا اس کمبخت نے مسلمانوں کے اخلاق پر ایسا بُرا اثر کیا کہ خودداری کا سنس نکل گیا۔ مبالغہ اور جھوٹ اور نفاق اور ریا اور تصنع اور تکلف اور خوشامد فارسی لٹریچر کے یہی کچھ ہنر ہیں اور جن لوگوں کی گھٹی میں یہ زہر پلایا گیا ہو وہ خودداری کو کبر و نخوت سمجھا اور کہا ہی چاہیں۔ عربی کا لٹریچر تم مجھ سے بہتر جانتے ہو اس میں کہیں مجُرا اور کورنش اور آداب و تسلیمات نظر پڑا ہی یہی سد تھا۔ سادہ السلام علیکم و علیکم السلام اور کسی نے إِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا[1] پر عمل کیا تو علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہہ دیا آؤ بھگت ہو چکی۔ گفتگو میں مخاطب کے لیے بادشاہ نہیں بادشاہ کا باوا کیوں نہ ہو دہی ایک لفظ أَنْتَ مراسلت کہ وہ بھی مکالمہ ہی ہی۔ مگر غائبانہ گفتگو کی ہو بہو نقل ایک خط تو قرآن میں موجود ہی إِنَّهُ[2] مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ اور پیغمبر صاحب کے خطوط احادیث میں منضبط ہیں مہربانی فرما کر اُن کو دستور الصبیاں سے لے کر انشاے طاہر وحید اور ابو الفضل تک کے خطوط سے ملا لینا اور ہاں مادھو رام نامی ایک ہندو صاحب بھی ہیں اور اُن کی انشا بھی داخل درس ہی عربی کے لٹریچر نے بھی عجم کے اختلاط کی وجہ سے وہی

[1] جب تم کو کوئی دعا دے تو تم اوس سے بہتر دعا دو ۱۲ [2] یہ خط سلیمان کی طرف سے اور شروع ہی اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہی کہ تم در تہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر ۱۲

فارسی کا رنگ پکڑنا شروع کیا تھا کہ شاید اُسی کی نحوست کی وجہ سے بنیادِ سلطنت ہی متزلزل ہو گئی۔

قدم بے فلاح و نامسعود		گر بدریا رود بر آرد دود	

لٹریچر کو تم نے ایسا سمجھا کیا ہے؟ لٹریچر قومی کیریکٹر کا فوٹو ہوتا ہے اور لٹریچر کا بگڑنا قومی ادبار کی نشانی ہے۔ غرض اگر ایڈیٹر تم کو بد دماغ سمجھیں تو یہ خود اُن کی اپنی سمجھ کا قصور ہے کیوں کہ ان کے مورل مذاق بگڑے ہوئے ہیں اُن کا خودداری کو غرور سمجھنا اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جیسے کسی شخص کو پتوں کا غلبہ ہوا اور اُسے میٹھی چیز کڑوی لگنے لگے۔ میں نے اس بات کو بہت ہی افسوس کے ساتھ سنا ہے کہ ایسا ہی خیال بعض صاحب لوگوں کا بھی ہے۔ اور ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ انگریزی خوانوں کو انڈین نیشنل کانگرس نے بہت بدنام کر دیا ہے اور سب ملنے اور اعتراض تو سہے بھی جا سکتے تھے مگر کانگرس والا کہلانے سے بے شک ایذا ہوتی ہے چاہیے اُن کو طبیعت کا بودا پن سمجھو یا انگریزوں کی خوشامد یا کانشنس کا تقاضا یا دوست دشمن کا تفرقہ اور لطف و ضرر کا امتیاز اگرچہ انگریزی لٹریچر عربی لٹریچر کی طرح فارسی کے عیوب سے پاک ہے اور اسی وجہ سے انگریز لوگ سب سے زیادہ خودداری کی قدر کرنے والے ہیں مگر نشہ حکومت میں بعض از خود رفتہ بھی ہو جاتے ہیں اور یہی ہیں جو نیٹو کی خودداری کو دیکھ نہیں سکتے۔ اُن کے نشے پر گزک کا کام دیتی ہے عملوں اور خدمت گاروں کی مدارات۔ جو کان کچہری میں اور بنگلہ پر ایک طرف غریب پرور اور حضور اور جناب عالی اور دوسری طرف فدوی اور نمک پروردہ اور غلام اور خانہ زاد سننے کے خوگر ہوں اُن کو آئی اور یو کی مکروہ آواز سے ایذا نہ ہو تو تعجب۔ مگر سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ جس میں خودداری نہیں اُس میں آنر (عزت) نہیں صداقت نہیں دیانت نہیں مروت نہیں وفاداری نہیں ہمت نہیں دلیری نہیں استقلال نہیں۔ بیشک چاپلوسی سے دنیا میں بہتیرے کام نکلتے ہیں۔ لیکن سلف ریسپکٹ (خودداری) کو سکریفائیس (قربان) کر کے کوئی کام نکلا بھی تو ایسی کامیابی پر لعنت۔ طالب العلمو! تم کو بڑی مشکل کا سامنا ہے شاید تم پر نالائقوں کو ترجیح دی جائے شاید تمھارے حقوق پامال ہوں مگر کچھ بھی ہو سلف ریسپکٹ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ یہ خود ایک ایسا سٹیسفیکشن (اطمینانِ قلب) ہے

کہ تمام فائدے اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں لیکن اس خیال کے راسخ کرنے کے لئے اخلاقی اور مذہبی خیالات کا پکانا شرط ہے ؎

کشود کار کسی سے یہاں ہوا بھی ہے
سماجت اتنی بھی آخر کوئی خدا بھی ہے

سترھواں لکچر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسے منعقدہ ۱۸۹۴ئ میں توحید پر دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظم

خدا شاہد ہے میرے دل میں گر کچھ بھی شرارت ہو
طبیعت ہی تو ہے مجھ سے تحمل ہو نہیں سکتا
گھلا کرتا ہوں اس غم میں مگر بے سود ولا حاصل
مسلمانوں کی حالت دیکھ میرا دم الٹتا ہے
کہاں وہ سلطنت اور وہ حکومت وہ جہانداری
کہاں یہ مفلسی یہ ناکسی یہ ذلت و خواری
یہ میری عمر آئی ہے اور اب تھوڑی سی باقی ہے
خدا کا شکر ہے میں حال میں اپنے بہت خوش ہوں
مجھے پوری سبکدوشی ہے افکار معیشت سے

مگر دیکھا نہیں جاتا کہ اپنی قوم غارت ہو
کہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت ہو حقارت ہو
کہ اس قابل نہیں مجھ سے کوئی تقدیم خدمت ہو
الٰہی دشمنوں کی بھی نہ اس درجے بری گت ہو
معاذ اللہ خدا ہو جائیں گر اُن کی سی حشمت ہو
کہ اپنی قوم کو خود نام سے اپنے ندامت ہو
اگر واقع میں باقی ہو۔ اور اُس میں کچھ طوالت ہو
نہیں ہے یہ کہ مجھ کو خاص کر کوئی شکایت ہو
بڑی دولت ہے جب جس حال میں جس کو قناعت ہو

میں اپنی نیند سوتا ہوں مزے سے پاؤں پھیلا کر
نہ گردن میں مری طوقِ غلامی ہی کسی شہر کا
نمک خوارِ نظامِ حیدر آبادِ دکن ہوں میں
مجھے ملتا ہی گھر بیٹھے جو یاں پر مل نہیں سکتا
یہ سُن کر حاسدِ بد نفس مر جائے تو مر جائے
نہ طالب جاہ کا ہوں اور نہ خواہاں ہوں تعزز کا
یہ کس سے ہو کہ مارے مارے کتے کی طرح پھرئیے
خدا تک پہنچنا آسان اور اِن تک پہنچنا مشکل
بصد دقت جو پہنچیے بھی تو صاحب لیٹے کیا ہیں
یہ کالا لوگ کا عادت ہی میلا گھر میں رکھتا ہی
گھڑی کو دیکھ کر فرماتے ہیں خلق و مروت سے
یہ ملنا ہی اگر ملنا اسے کہئیے تو فرماؤ
نہ میرا مدعا ہی نامور ہونا زمانے میں
کسی کی ایک کوڑی مجھ کو دینی ہو تو بول اٹھو
اگرچہ ساز و سامانِ تکبر جمع ہیں سارے
پر استغنا و خودداری کے ہوتے کیا تعجب ہی
فقط اک مشغلے کے طور پر تھوڑی تجارت ہی
اگر کچھ فائدہ ہونا ہی ہو گا۔ لاجرم ہو گا
پہنچتا ہی ہر اک کو جس قدر جس کا مقدر ہی
و گر نقصان خدا نخواستہ قسمت میں لکھا ہی
ولیکن یہ نہ ہو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاؤں

اگرچہ سر پہ میری شور و غوغائے قیامت ہو
نہ حاکم ہوں کہ مجھ کو فکر بہبودِ رعیت ہو
جب ایسے کا توسل ہی تو مجھ کو کیوں نہ ثروت ہو
اگرچہ نوکری میں عمر ساری صرف زحمت ہو
کہ ہم سب کو بھی طمینان ہو اُس کو بھی راحت ہو
مصیبت ہی اگر حکام میں رشد و وجاہت ہو
سلام از دور کر لیتے اگر صاحب کو فرصت ہو
مگر ہاں خانساماں جی کی تقریب و شفاعت ہو
کہ دل بتلاؤ گر آب و ہوا میں کچھ برودت ہو
اِسی سے کالرا اور انفلوئنزا کی شدت ہو
کہ پرسوں چل جانے کو ہی اچھا آپ رخصت ہو
کہ اس جلدی میں کیوں کر عرضِ مطلب کی جسارت ہو
نہ مجھ کو شیخی ہی اگر لوگوں میں شہرت ہو
تنازع کس لیے ہو وارثوں سے کیوں عدالت ہو
مگر حاشا کہ مجھ سے بھول کر ایسی حماقت ہو
کسی نادان کو گر مجھ پر گمانِ عُجب و نخوت ہو
اب اس میں آگے چل کر فائدہ ہو یا خسارت ہو
حسد ہو کس لیے اور کیوں کسی کو رشک و غبطہ ہو
موافق چاہیئے تقدیر ہو تدبیر یا مت ہو
اسے برداشت کرنے کی الٰہی مجھ کو ہمت ہو
مجھے آ جائے مرگِ ناگہاں گر ایسی نوبت ہو

مسلمانوں کو بھی توفیق دے یارب کہ گھر گھر میں
نہ شیخِ وقت ہوں اس بات سے ڈر کہ لوگوں
کوئی قائل ہو میری خرقِ عادت کا کرامت کا
ابھی سلبِ مرض ہو گر کسی پہ پڑھ کے چھو کر دوں
لطیفات الحیل جاری ہوں میرے ہر بُنِ مو سے
فقیری دوسرے لفظوں میں ہے فرمانِ آزادی
کوئی اولاد کی درخواست سے کر میرے پاس آئے
اگر چاہوں زن و شو باپ بیٹے کو لڑا ماروں
غرض دنیا میں جتنی حاجتیں انسان کو پیش آئیں
ذریعہ مجھ کو گردانے جو خواہاں ہو تقرب کا
نہ مُلّا ہوں کہ مسجد ہی میرا کاسا گدائی کا
قضا ہونے نہ دوں تکبیر اولیٰ ہر جماعت کی
تباہی جو نہ آتی ہے مسلمانوں پہ آ جائے
ارادہ ہے کہ اب اک مدرسے کا جال پھیلاؤں
کمالِ دین داری کی صفت سے متصف لیکن
نہ لوگوں کو پڑھانا درس دینا کام ہے میرا
میں تم میں آ کھڑا ہوتا ہوں سب مجبور کرتے ہیں
تم آ جاؤ۔ اور آ کر اپنا لکچر دو تو جلسے میں
کوئی بھاری سی مقدار رقم چندے کی آ جائے
کما لیتے ہیں کتنے آدمی میرے ذریعے سے
اگر اپنے لیے چاہوں تو کتنا کچھ نہ حاصل ہو

تجارت ہو تجارت ہو تجارت ہو تجارت ہو
ارادت ہو عقیدت ہو میرے ہاتھوں پہ بیعت ہو
کوئی گرویدۂ رمزِ دعا و سرِّ ہمت ہو
توجہ ڈال دوں تو مرغِ بسمل کی سی حالت ہو
قبولِ خلق و جلبِ منفعت سے خاص نسبت ہو
وہ مرفوع القلم کیا ہو جو محکوم الشریعت ہو
کشایش کا کوئی طالب ہو تا روزی میں وسعت ہو
رکھوں دل پہ تو جاتی دشمنوں میں اُنس و الفت ہو
ہر اک حاجت کے بر لانے کی مجھ کو پوری قدرت ہو
وسیلہ مجھ کو ٹھہرائے اگر مشتاقِ جنت ہو
مجھے دعوت میں جانا فرض ہو اور دل کی سنت ہو
مری موجودگی میں ہو اذاں ہو یا اقامت ہو
مجھے کیا چاہیے ہے میں ہوں مسجد ہو امامت ہو
کہ اس تدبیر سے چندے کے ملنے میں سہولت ہو
دکھاوے کا تقدس ہو نمایش کی عبادت ہو
کہ یہ سب دردِ سر از بہر اظہار لیاقت ہو
کہ گر تشریف لاؤ مہربانی ہو عنایت ہو
ہجوم و ازدحامِ خلق ہو لوگوں کی کثرت ہو
ہماری انجمن کو فخر و استحکام و قوت ہو
تمھیں ہو اجر ان کو فائدہ مجھ کو مسرت ہو
بہت کچھ ہو گدائی کی اگر میرے تئیں لت ہو

یہ دلوانا بھی دینے ہی میں داخل ہی اگر سمجھو
کہ مثلِ خیر ہی گر خیر کے اوپر دلالت ہو

پھر آتا ہوں تو کہہ دیتا ہوں جو کچھ میرے دل میں ہی
خوشی ہو اس کے سننے سے کسی کو یا کہ نفرت ہو

اگر لوگوں کے خوش کرنے کی حاجت ہی تو اُس کو ہی
کہ جو اُمیدوارِ بخشش و انعام و خلعت ہو

یہاں تحسین تک اور داد تک کی بھی نہیں پروا
سخن بے قدر و کاسد ہو اگر شاباش قیمت ہو

دلوں کو مول لے لیتے ہیں ہم لطفِ مضامیں سے
مگر دل حق پسند و شیوۂ انصاف طینت ہو

کوئی سی انجمن میں نے کھڑی کی ہو تو بتلا دو
ہی کوئی کارخانہ میرے ذمے جس کی خدمت ہو

غرض ہوتی ہی ہر ایک کام میں انساں کے مضمر
کرے انکار گر کوئی تو انکارِ بداہت ہو

کسی مطلب کو تم میری طرف منسوب کر دیکھو
خدا نے عقل دی ہی صاحبِ فہم و فراست ہو

اور اس کے بعد سوچو تو تمہارا دل گواہی دے
کہ نا ممکن [illegible] اصلاح میری کوئی نیت ہو

بتاؤ کچھ مفاد ان لکچروں کا ان سپیچوں کا
بجز اس کے کہ لوگوں کے تئیں تنبیہ عبرت ہو

غلط فہمی بتائی جائے تا آگے کو سیدھے ہوں
خطا کاری دکھائی جائے تا آئندہ عصمت ہو

لگا دے تازیانہ گر کسی کو سست رو دیکھے
چبھو دے آر گر اُس کے چبھونے کی ضرورت ہو

پھٹی ہی کی پھٹی رہ جائیں آنکھیں سننے والوں کی
کھلے ہی کے کھلے رہ جائیں مُنہ حیرت سی حیرت ہو

وہ افسانہ ہو نیندیں جس کے سُننے سے اُچٹ جائیں
وہ نوحہ ہو در و دیوار تک کو جس سے رقت ہو

وہ چورن چھانٹ دے یادش تصبہائے سب جا بجی
وہ چٹنی ترش و مست مئے پندار و غفلت ہو

نہیں کچھ مگر آئینۂ صافی درون جس میں
بعینہ منطبع ہوتی ہی جیسی جس کی صورت ہو

اگر آئینہ دکھلاتا ہی زنگی کی سیہ روئی
اُسے آئینے سے کس واسطے بغض و کدورت ہو

کوئی غازہ بہم پہنچائے ایسا جس کے ملنے سے
کلف چہرے کا اُس کے دور ہو کر گوری رنگت ہو

نہ میں نے عمر بھر اخبار کی جانب توجہ کی
یہ وہ کرتا ہی جو درماندۂ تدبیرِ وجاہت ہو

کسی کی ہجو لکھے یا کسی کی مدحت بے جا
مُحالِ عقل ہی بے اس کے ترویج و اشاعت ہو

مذاقِ قوم بگڑے ہیں کچھ ایسے ان دنوں آ کر
نہ پوچھے کوئی گر پابندیٔ صدق و دیانت ہو

میں سمجھتا ہوں مسلمان (اہلِ قلم مسلمان) جن کے لیئے لکھنا پڑھنا تحصیلِ معاش کا ذریعہ ہے
اب مان نکلے ہیں کہ اس زمانے میں انگریزی تعلیم رزق کی ڈوئی ہے اور میں خیال کرتا ہوں تعلیم
انگریزی اب بہت اچھی طرح رواج پا گئی ہے اور پاتی چلی جاتی ہے۔ عربی فارسی کا کچھ یوں ہی سا چرچا
جو دیکھتے ہو مہمان چند روزہ ہے ع

ہمچو یخ اندر آفتاب تموز

آفتاب کے لفظ پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی ہے تو فرضی اور خیالی مگر اس کا نتیجہ بڑا عمدہ ہے کہ ایک مرتبہ آندھی اور آفتاب میں بحث ہو پڑی کہ دونوں میں کون زیادہ طاقت ور ہے۔ کوئی راہ گیر لبادہ اوڑھے چلا جاتا تھا بیچارے کی شامت جو آئی تو یہ ٹھیری کہ آؤ اس پر زور آزمائی کریں۔ اور اس کا لبادہ اُتروائیں۔ پہلے ہوا کا ایک ایسا زور کا جھونکا آیا کہ راہ گیر کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ لگا غبارے کی طرح معلق اُڑا اُڑا پھرنے۔ اتفاقاً کسی گڑھے میں گرا تو وہیں زمین پکڑ کر بیٹھ گیا۔ آندھی جھکڑ بنی۔ بگولا بنی مسافر ہے کہ مزے سے اس کے گنبد میں بیٹھا ہے۔ اُس کے بعد آفتاب نے دھوپ نکالی۔ اور آہستہ آہستہ دھوپ تیز ہوتی گئی چند منٹ نہیں گزرے تھے کہ مسافر نے آپ سے آپ لبادہ اُتار پھینکا اور بازی آفتاب کے ہاتھ رہی۔

آفتاب کیا ہے زمانہ کی رفتار مقتضاے وقت جس کا دوسرا نام ہے ڈکری آف گاڈ۔ یعنے حکمِ خدا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ دہر یعنے زمانے کو بُرا نہ کہا کرو۔ کیوں کہ جس کو تم لوگ دہر سے تعبیر کرتے اور اس کو متصرف فی الامور سمجھتے ہو۔ وہ متصرف فی الامور میں ہوں ۔۵

	زمیں تا رود تا نگوئی بسیار		نبارد ہوا تا نگوئی بسیار	

اس میں ایک مذہبی تعلیم مضمر ہے جو اسلام کے ساتھ خاص ہے کہ سواے خدا کے کسی کو فرشتہ ہو یا پیغمبر انتظام دنیا میں چھوٹا کام ہو یا بڑا کچھ دخل نہیں۔ اور یہ اسباب کا سلسلہ جو دیکھتے ہو ایک دام ہی ابلہ فریب ۔۵

	این نقش که دانش نمونہ		کنش زدہ نقل واژگونہ	

جو شارٹ سائٹڈ (نزدیک بین) ہیں اور دور کی چیز دیکھ نہیں سکتے۔ اُن کو اسباب ظاہر نے گھیر رکھا ہی۔ اُن کی نظر کی رسائی اُن ہی اسباب ظاہر تک ہی اور بس۔ مگر اسلام دنیا کو فارسیٹگ (دوربین) بناتا ہی کہ یہ اسباب ظاہر مامور اور مجبور ہیں عین لڑائی کے وقت کسی صحابی کی چادر ہوا[1] اڑا لے گئی۔ وہ جیسا دستور ہی ناخوش ہو کر لگے ہوا کو بُرا کہنے۔ فرمایا۔ لَا تَسُبُّوا الرِّیحَ فَاِنَّھَا مَامُورَۃٌ تو بات وہی نکلی کہ جو کچھ ہو رہا ہی وہ اُسی ذات پاک کے حکم سے ہو رہا ہی لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ[2] اُس کو مت قیاس کرو دنیا کے بادشاہوں پر کہ ان میں سے جو بڑے بیدار مغز ہیں۔ وزیروں کی آنکھوں سے دیکھتے اُن ہی کے کانوں سے سنتے اور کہا جا سکتا ہی کہ اُن ہی کے ہاتھوں سے لکھتے۔ اور اُن ہی کی زبان سے بولتے بات کرتے ہیں جس طرح کسی مصلحت سے جس کو ہم نہ سمجھتے ہیں اور نہ انشاءاللہ کبھی سمجھیں گے۔ اسباب کا سلسلہ قایم کیا ہی۔ اسی طرح اگر اُس کی سرکار میں فرشتے ہوں اور اگر ہوں کیا معنے۔ یقیناً ہیں۔ کیوں کہ ہم کو مخبر صادق نے ایسی خبر دی ہی تو ہم کو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں غایت مافی الباب وہ بھی من جملہ اسباب ہوں جس طرح دوسرے اسباب جو مرئی اور مشاہد ہیں۔ اُس کی قدرت کاملہ۔ اُس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان میں سے ایک فرشتے بھی سہی۔ جب اس طرح اسباب ظاہر کو اور اسباب ظاہر کی تخصیص بھی کیوں کروں بلکہ ماسوی اللہ کو انتظام دُنیا سے بے دخل محض سمجھو گے تب تم کو ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ[3] کے معنی معلوم ہوں گے۔ کہ شارٹ سائیٹڈ کی نظر میں وہ اگر ہی تو صرف سبب اول و باطن ہی اور فارسیٹنگ کی نظر میں جیسا وہ اول و باطن ہی ویسا ہی آخر و ظاہر بھی ہی کیوں کہ درمیانی اسباب عجز و بے اختیاری کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہیں۔ اور اسلام جو بت پرستی کا سخت مخالف ہی۔ اس کی وجہ بھی یہی ہی کہ بت پرستی اسباب ظاہر کی پابندی ہی اور شارٹ سائیٹڈنس سکھاتی ہی۔

[1] ہوا کو بُرا مت کہو وہ تو پرائی تابعدار ہی ۱۲ [2] اُس کے حکم بغیر ذرہ تک نہیں ہلتا ۱۲ [3] سب سے پہلے وہی ہی اور سب آخر بھی وہی ظاہر و آشکارا ہی اور وہی چھپا اور پوشیدہ ہی ۱۲ -

مگر انسان کچھ ایسا بودا مخلوق ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا[1] اس کا جسم تو بہت سے جانوروں کے مقابلے میں جیسا کمزور ہے سو ہے۔ اس کا دل اس کے جسم سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ وہ ایک بات کو سمجھتا ہے اور سمجھتا بھی ہے تو ایسا سمجھنا کہ سوائے تسلیم کوئی چارہ نہیں ہوتا اور پھر اس سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اس بات سے منکر ہے مثلاً موت ایک ایسی یقینی چیز ہے کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر یقین اور کیا ہوگا۔ بلکہ قرآن میں جو ایک مقام پر آیا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[2] تو یقین سے موت ہی مراد ہے۔ اور جس طرح موت کا آنا یقینی ہے بیت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر آخر کو مرنا ہے حضرت سلامت

اسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ اس کا وقت مقرر نہیں۔ آج تک تو کوئی آدمی ایسا پیدا ہوا نہیں اور پیدا ہوگا بھی نہیں جس کو بچپنے میں جوان ہونے کا اور جوانی میں بوڑھے ہونے کا کامل یقین رہا ہو۔ ہمارے ملک میں تو زندگی کے بیمہ کرانے کا کچھ ایسا دستور نہیں۔ مگر شاید کسی زمانے میں کسی قوم نے زندگی کی ایسی قدر و حفاظت نہیں کی۔ اور نہ زندگی سے ایسا فائدہ اٹھایا۔ جیسا اہل یورپ نے ان لوگوں میں زندگی کے بیمے کا بڑا رواج ہے۔ لیکن بیمہ نکلا ہے بیم سے یعنی بیم مرگ ان سے بیمہ جوتے کھلواتی ہے۔ اور بیمہ جوا نہیں تو کیا ہے۔ غرض زندگی کی بے ثباتی کا تو حال ہے کہ اس کو احلی البدیہیات۔ حق الیقین جو کہو سو بجا ہے مگر میں پوچھتا ہوں آپ صاحبوں میں کوئی ایک بھی ہے جس کو اس جلسے میں تشریف لاتے وقت یہ وہم بھی گزرا ہو۔ کہ دیکھئے انجمن کے مکان تک پہنچتا بھی ہوں یا نہیں۔ اور پہنچتا ہوں تو لیکچر سننے پاتا ہوں یا نہیں۔ اور لیکچر ختم ہوئے پیچھے صحیح سلامت گھر لوٹ کر آتا ہوں یا نہیں۔ میں یہ بات آپ لوگوں کو الزام دینے کے لئے نہیں کہتا۔ خود میرا کیا حال ہے۔ دلی سے ریل میں آیا ہوں۔ اور ریل ہی میں واپس جاؤں گا۔ اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ریل بجائے خود محل خطر ہے۔ اخباروں میں ہمیشہ پڑھا کرتا ہوں۔ ریلوں کا ٹکرانا پٹڑیوں سے اترنا۔ مشینری کا بگڑنا۔ مگر جب دلی سے چلا تو پورے یقین سے چلا کہ ضرور لاہور

---

[1] انسان کی خلقت بودی واقع ہوئی ہے ۱۲ [2] اپنے رب کی عبادت کر جب تک کہ وہ وقت آئے جس کا آنا یقینی ہے ۱۲

پہنچوں گا تو ضرور لکچر دوں گا۔ اور اتفاق سے دے بھی رہا ہوں۔ اور ضرور دلّی واپس جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے آدمیوں سے کہہ آیا ہوں کہ اسٹیشن پر حاضر ہوں۔ اسی طرح جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مثلاً جیسے میں ہوں چاہیئے کہ تصورِ مرگ ہمہ وقت اُس کے نصب العین رہے۔ لیکن واقع میں حال کیا ہے۔ ع

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد

جیسے طفل امروز آیندہ زندہ رہنے کی توقع کر سکتا ہے ویسی ہی توقع ایک پیر فرتوت بھی کرتا ہے اور اگر عمر کے کسی درجے میں زندگی کی طرف سے بے اعتمادی ہو تو انتظام دنیا درہم برہم ہو جائے۔

فرض کرو کہ آسمان میں کوئی ایسا فرشتہ ہو جس کو زمین کا کچھ حال معلوم نہ ہو اور اُس سے کہا جائے کہ قدرت کے کارخانے میں ایک زمین بھی ہے اُس پر آدمی بستے ہیں ذی شعور۔ اور اُن کا حال یہ ہے کہ اُن کی بڑی سے بڑی عمر ستّر برس کی ہوتی ہے[1] اَعْمَارُ اُمَّتِیْ بَیْنَ سِتِّیْنَ وَسَبْعِیْنَ اور وہ بھی غیر مقرر جس کا وقت آدمی کو نہیں بتایا جاتا۔ اچھا تو وہ فرشتہ ہماری نسبت ایک خیال پیدا کرے گا۔ اور ضرور سمجھے گا کہ ہم لوگ دنیا میں اُٹھاؤ چولھے کا سا رہنا رہتے ہوں گے۔ ہمہ وقت سفرِ عاقبت کے لیئے کمربستہ طیار۔ اور وہ فرشتہ یہ بھی ضرور سمجھے گا کہ جب یہ لوگ ذی شعور ہیں اور اُن پر خدا کے احکام نازل ہوتے اور اِن پاس پیغمبر جاتے رہے ہیں تو یہ لوگ نیک بھی پہلے ہی درجے کے ہوں گے۔ اور اپنی تمام مختصر اور بے ثبات زندگی عبادتِ الٰہی میں صرف کرتے ہوں گے۔

بہت خوب۔ اب فرض کرو کہ اُن فرشتے صاحب کو حکم ہوا کہ زمین پر جاؤ اور آدمیوں کے حالات دیکھ کر رپوٹ کرو اور اپنی [illegible] یہی لکھو فرشتے صاحب آ گئے اور تمام روئے زمین کی سیر کی ہر ملک اور ہر قوم اور ہر شہر کے آدمیوں سے ملے [illegible] حالات دریافت کیئے اور سب کچھ دیکھ بھال کر رپوٹ لکھنے بیٹھے۔ تو فرماؤ وہ فرشتہ کیا رپوٹ لکھے گا یہی کہ اگر میں نے زمین اور آدمیوں کی شناخت میں غلطی نہیں کی تو میں اِن کا عجیب حال دیکھتا ہوں۔ یہ تو ایسے اطمینان سے

[1] میری اُمّت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستّر کے درمیان ہوا کریں گی۔

بیٹھے ہیں کہ گویا ان کو مرنا ہی نہیں۔ عمارتیں بنواتے ہیں پکی مستحکم جن میں یہ تو یہ ان کے بیٹے پوتے پڑپوتے پڑپوتے بڈھے پھونس ہو ہو کر مر کھپ جائیں۔ اور عمارتیں جیسی کی تیسی قائم۔ باغ لگواتے ہیں ایسے کے دادا، پردادا، سکڑدادا لگائے اور اولاد۔ اولاد کی اولاد۔ اور اولاد کی اولاد کی اولاد پھل کھائے۔ جتنی چیزیں ان کے مصرف کی ہیں۔ یہاں تک کہ جوتی اور کپڑا وہ بھی پائدار اور چلاؤ دیکھے بدون نہیں لیتے۔ ان کی زندگی محدود ہے بے شک۔ بے ثبات ہے بے شک۔ اور یہ ان باتوں کو جانتے اور مانتے بھی ہیں بے شک۔ مگر یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

جب موت جیسی چیز کے ساتھ آدمی کا یہ برتاؤ ہے تو کیوں کر اس سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اسباب ظاہر سے قطع نظر کر کے ایسے سبب کا قائل ہو یعنی خدا پر ایمان لائے جس کو وہ دیکھ نہیں سکتا لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ[1]۔ یہ ہی منشا بُت پرستی کا۔ یہ ہی منشا شرک کا۔ یہ ہی منشا کفر کا۔ یہ ہی منشا اختلاف مذہب کا۔ اگر دوسرے مذہب کے لوگ خدا کے بارے میں غلطی کرتے ہیں تو وہ کسی قدر معذور بھی سمجھے جاتے ہیں کہ ان کو ان کے بزرگوں نے یہی سکھایا یا سمجھایا ہے۔ سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلمان بھی کثرت سے اس قسم کی غلطیاں کرتے ہیں۔ حالاں کہ اسلام کا سارا زور توحید پر ہے یعنی اس بات پر کہ خدا ایک ہے وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اُس کی وحدت اِس طرح کی وحدت نہیں ہے جیسے پنجاب میں ایک لفٹنٹ گورنر یا برٹش انڈیا میں ایک ویسرائے یا ایک امپریس وکٹوریا۔ یہ وحدتیں تو اسم اور برائے نام ہیں۔ اصلی وحدت اُس خدائے پاک کی ہے جس کی نہ ذات میں کوئی شریک اور نہ صفات میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[2] تو وہ نہ صرف اس سے نقص توحید ہوتا ہے کہ معاذ اللہ دوسرا خدا مانا جائے۔ بلکہ اس سے بھی کہ معاذ اللہ دوسرا اُس کے اختیارات میں دخیل مانا جائے اور اس سے بھی کہ معاذ اللہ دوسرا مستحق عبادت سمجھا جائے بے شک ہر ایک مسلمان کہے گا کہ میں ایسی کامل اور اصلی توحید کا معتقد ہوں مگر اُس کا یہ کہنا اس سے زیادہ صحیح نہیں ہوگا جیسے وہ کہے کہ میں زندگی کے محدود اور بے ثبات ہونے کا معتقد ہوں اس کے معتقد

---

[1] نظریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نظروں پر محیط ہے ۱۲ [2] اُس جیسی کوئی چیز ہی نہیں ۱۲۔

ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ انکار نہیں کرسکتا۔ نہ یہ کہ اُس کا کردار اُس کی گفتار کا مصدّق ہے
وہ جو پیغمبر صاحب نے دہر اور ریح کو بُرا کہنے سے منع فرمایا۔ اس کی لم بھی یہی تھی کہ دہر اور ریح مجبور اور
مامور ہیں اور اُن کا بُرا کہنا موہم ان کے متصرف فی الامور اور مختار ہونے کا ہے اور وہ شرک ہے۔ اصل توحید
تو یہ چاہتی ہے کہ یہ بھی نہ کہو کہ کونین دافع تپ ہے بلکہ یوں کہو دافع تپ حکم خدا ہے اور بس۔ رہی کونین اس کو
کسی مصلحت سے سبب ظاہری ٹھیرا دیا ہے مگر اُن باتوں کا لحاظ کون کرتا ہے۔ ایشیائی شاعروں کے
وصل و ہجر۔ گل و بلبل۔ شوق و انتظار۔ جہاں اور معمولی مضامین ہیں ان میں سے ناصح یا شیخ یا زاہد کو بُرا
کہنا اور آسمان کو اُلاہنا دینا بھی ہے۔ شیخ و زاہد کو بُرا کہنا دین کے ساتھ استہزا کرنا ہے اور آسمان کو اُلاہنا
دینا وعید لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ[1] میں داخل۔ بیت

از آسمان و زمین شکوہ می کنی شب و روز
چہ دادۂ بزمین زآسمان چہ می خواہی

بحث تو دلچسپ ہے مگر میں مطلب سے الگ جا پڑا۔ آندھی اور آفتاب کی حکایت کو میں تطبیق دینا
چاہتا ہوں مسلمانوں کی حالت پر۔ میں نے مسلمانوں کو وہ راہ گیر سمجھا ہے جس پر آندھی اور آفتاب نے
زور آزمائی کی تھی لبادہ مسلمانوں کے اوہام اور تعصبات۔ آندھی اصل کہانی میں ہے مگر ہم اس کا
کوئی نمونہ نہیں پاتے اگر ہم خدانخواستہ کسی ظالم بے انصاف بادشاہ کے محکوم ہوتے۔ اور
وہ ہم کو ترک اسلام پر مجبور کرتا۔ تو میں اُس کو بے تامل آندھی قرار دیتا۔ اور آفتاب کو تو میں کہہ ہی
چکا ہوں۔ زمانے کی رفتار مقتضائے وقت جس کا دوسرا نام ہے ڈگری آف گاڈ۔ یعنی حکم خدا۔
زمانے کی رفتار دھیمی ہوتی ہے مگر سٹیڈی یعنی اس کا قدم سست پڑے چھوٹا پڑے۔ مگر
پڑے گا آگے ہی کو۔ زمانہ حرکت میں آکر رُکنا اور پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں۔ احمق اور بدبخت ہیں وہ لوگ
جو زمانے کی رفتار کو روکنا چاہیں۔ اے مسلمانان پنجاب میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم ایسی
حمق اور بدبختی میں چنداں مبتلا نہیں ہوئے اس کی مصیبت کوئی پوچھے پنجاب کے سوا کے دوسرے
مقامات کے مسلمانوں سے اور خاص کر ہم دلّی والوں سے کچھ خبر بھی ہے دلّی ہے کیا چیز؟ وہ سیکڑوں

---

[1] زمانے کو بُرا مت کہو ۱۲۔

برس ہندوستان کا دارالسلطنت رہی ہی۔ اس کو دوسرے بلادِ ہند سے وہ نسبت تھی جو دل کو
اعضاے بدن سے ہوا کرتی ہی۔ اگرچہ بہت سے مابہ التشبیہ سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر سب سے عمدہ
وہ ہی جس کا ماخذ حدیث ہی[1] اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ
فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ اسی طرح سارے ہندوستان کا بگاڑ یعنی ادبار اور تنزل اور
زوالِ سلطنت اور مفلسی وغیرہ وغیرہ خرابیاں اس سے پیدا ہوئیں کہ پہلے دلّی خراب ہوئی۔ دوسرے
اعضا کا فساد کمتر مہلک ہوتا ہی۔ مگر ہارٹ ڈیسز (بیماری دل) کا بیمار جاں بر ہو نہیں سکتا۔ دلّی کا
خراب ہونا تھا کہ تمام ہندوستان تباہی میں آگیا۔ بے شک اب دلّی کچھ نہیں اور کچھ نہیں سے بھی
بدتر ہی اور اس کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر جیسے میر تقی صاحب فرماتے ہیں بیت

دل و دلّی ہیں گرچہ دونوں خراب	پہ کچھ لطف اس اجڑے گھر میں بھی ہیں

دلّی سے اُس کی تمام عظمتیں چھین لی گئی ہیں۔ اس واسطے کہ وہ چھینی جا سکتی تھیں۔ مگر اس کی حکومت
زبانِ ملکی پر بدستور باقی ہی۔ اور ابھی سینکڑوں برس باقی رہے گی۔ اگر سچ پوچھو۔ تو ہندوستان
میں اسلام کی اشاعت دلّی سے ہوئی ہی وَکَفٰی بِہٖ فَخْرًا[2]۔

اشاعتِ اسلام سے میں یہ مراد نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے دلّی میں سلطنت قائم کی جس کی
وجہ سے اشاعتِ اسلام ہوئی۔ بلکہ میں اشاعتِ اسلام سے وہ اشاعت مراد رکھتا ہوں جو علمائے
دین کی وجہ سے ہوئی میں نے اشاعتِ اسلام کو دلّی کے مفاخر میں گنا ہی۔ اور واقع میں وہ اسی
قابل ہی۔ لیکن افسوس ہی کہ وہی اسلام جس کو سرتاسر رحمت اور برکت اور یُسر اور سہولت ہونا
چاہیئے مسلمانوں کی غلط فہمی اور سوءِ اعمال کی وجہ سے ان کو پریشان کر رکھا ہی۔

آفتاب بہ مقتضاے وقت ہی کہ سمت الراس پر آ پہنچا اور لبادۂ تعصب نے اس قدر ایذا

[1] سُن رکھو جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہی جب تک وہ ٹھیک ہی سارا جسم ٹھیک ہی۔ اور اُس میں بگاڑ پڑا تو سارا جسم
بگڑا میں تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ وہ لوتھڑا دل ہی ۱۲[2] اس کو یہی فخر کافی ہی یعنی اگر اور موجبات فخر بھی ہوں تو ایک فخر اشاعتِ
اسلام بس کرتا ہی ۱۲۔

دے رکھی ہی کہ دم گھٹا جاتا ہی پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ بدن میں مرچیں سی لگی ہیں۔ اتنا تو ہوا ہی کہ آگے سے زیادہ کھول دیا ہی کہ کچھ ہوا لگے اور ذرا تسکین ہو۔ مگر یہ نہیں کہ اُتار پھینکیں۔ اب تجویزیں کیا درپیش ہیں۔ کہ تعلیم انگریزی اور مذہب دونوں کو کیوں کر جمع کیا جائے۔ پہلے بسم اللہ ہی غلط۔ اگر تعلیم انگریزی اور مذہب میں اتنی مخالفت بھی ہو جتنی اُڑد پر سفیدی۔ تو آفتاب مغرب سے طلوع کرے تو کرے۔ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکلے تو نکلے۔ ہمالیہ پہاڑ دکن میں سمندر سے جا لگے تو جا لگے۔ میری آج کی بات کاغذ پر نہیں پتھر پر لکھ رکھنا۔ انگریزی تعلیم اور مذہب دونوں جمع نہیں ہوئے نہیں ہوتے نہیں ہوں گے تاریخ سے استشہاد کیسے ہماری بلا ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی کہ مذہب دنیا کی مقاومت کر نہیں سکتا۔

ہم تو اس بات کے قائل ہیں نہیں کہ کوئی آدمی اپنے مادری مذہب کو بتقاضاے حقانیت چھوڑتا ہی اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ انسان کے دل ہی کو خدا نے اس طرح کا بنایا ہی کہ وہ جس سوسائٹی میں رہتا ہی۔ اُسی کے سے خیالات پیدا کر لیتا ہی۔ یہ تو بڑی بے انصافی ہو گی کہ تم دوسرے مذہب والوں کو صرف اس وجہ سے کہ وہ تمھارے ہم عقیدہ نہیں متہم کرو۔ اور لوگوں میں بھی خداترسی ہی جیسی تم مسلمانوں میں۔ وہ بھی کانشنس رکھتے ہیں۔ جیسے تم مسلمان رکھتے ہو۔ اوروں کے دل بھی نیکی سے تسلی پاتے ہیں جیسے تم مسلمانوں کے دل تسلی پاتے ہیں۔ ایک مسلمان جس ارمان سے آبِ زمزم نوش فرماتا ہی۔ اُسی ارمان سے ایک ہندو گنگا جل پیتا ہی۔ پانی مختلف ہیں اور ارمان یکساں۔ ایک مسلمان جس خوش دلی سے سفر حج کی تکالیف کو برداشت کرتا ہی ایک ہندو اسی خوش دلی سے تیرتھ جاترا کے دُکھ سہتا ہی۔ زیارت گاہیں الگ الگ ہیں۔ مگر تکالیف اور خوش دلی برابر۔ جس اُمید سے ایک مسلمان حرمین شریفین میں مرنا چاہتا ہی۔ اُسی اُمید سے ایک ہندو کاشی میں پران چھوڑنے کی اِچھا رکھتا ہی۔ مرنے کے مقام جدا۔ امید ایک اور یہ نہ صرف میرا خیال ہی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہی كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔

لہ مگر جو اللہ نے چاہا ۱۲ ۲ہ ہر فرقہ اپنے خیال میں مگن ہی ۱۲

زاہد بہ نماز و روزہ ضبطے دارد	عاشق بہ خیالِ دوست ربطے دارد
معلوم نہ شد کہ یار خورسند زکیست	ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد

اس قطعہ کا قائل اختلافات دیکھ کر حیران رہ گیا ہوگا اور اسی لیئے کہتا ہی کہ معلوم نہ شد کہ یار خورسند زکیست۔ مگر ہر ایک اہل مذہب جانتا ہی کہ یار خورسند از دوست پس حیرت کا کیا محل ہی۔ اپنا تو مسلک ہی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[1]۔ اگر تم خدا کو غفور اور رحیم اور رؤف اور بخشندہ بخشایندہ اور مہربان سمجھ کر تقرب کرتے ہو وہ ویسا ہی ہی جیسا تم نے سمجھا۔ اور اگر تم اُس کو ہوّا سمجھ کر اُس کے پاس جاتے ہو تو ذرا سنبھل کر جانا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ سے پوچھا تھا کہ تم تو ایک نیا خدا تصنیف کر کے لائے ہو۔ ہزاروں لاکھوں آدمی جو پرانے عقیدے کے ہو گزرے اُن کا کیا ہونا ہی مَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی اگر حضرت موسیٰ کی جگہ ہمارے زمانے کے علما ہوتے تو فرعون کا سوال پورا ہونے نہ دیتے اور جھٹ سے بول اٹھتے حَصَبُ جَهَنَّمَ[2] مگر موسیٰ نے۔ اُس بڑے صاحبِ عزم پیغمبر نے جس کے حالات ہمارے پیغمبر آخر الزمان سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہی کہ قرآن میں جگہ جگہ حضرت موسیٰ کا تذکرہ ہی۔ دنیا کے اُس بڑے مقنن نے مَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی کا کیا جواب دیا تھا۔ عِلْمُهَا[3] عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا يَنْسَى الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ٥ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى موسیٰ بڑے بولنے والے

---

[1] یہ حدیثِ قدسی ہی یعنی خدا فرماتا ہی کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسی عقیدت رکھتا ہی میں بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں ۱۲ [2] دوزخ کا ایندھن ۱۲ [3] اُن کا حال تو میرا پروردگار ہی جانتا ہی اُس نے ازل سے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہی نہ بھولتا ہی نہ چوکتا ہی۔ اُس نے تمہارے آرام کے لیئے فرش زمین بچھا دیا ہی اور اُس میں رستے جاری کر دیئے اور اوپر سے پانی برسا کر طرح طرح کے گھانس بوٹے پیدا کیئے کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ عقلمند اِن واقعات کو قدرت الٰہی کی نشانیاں سمجھتے ہیں دیکھتے نہیں کہ تم کو مٹی ہی سے پیدا کیا اور پھر اُسی میں ملا دیتے ہیں اور پھر اُسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے ۱۲

پیغمبر ہوئے ہیں۔ اور پارسال اسی جگہ میں بیان کر گیا ہوں کہ خدا نے اتنا ہی پوچھا تھا۔ [۵۱] وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ۔ جواب میں موسٰیؑ نے ایک تار باندھ دیا۔ [۵۲] هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ جب خدا کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو فرعون کیا بلا تھا۔ اُس نے مَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ تین لفظ کہے حضرت موسٰیؑ نے تین لفظوں کے جواب میں اتنا کچھ کہہ ڈالا اور گویا کی اس قدر تھی کہ خدا سے عذر کیا تھا کہ میرے بھائی ہارونؑ کو میری مدد پر آمادہ کر کہ وہ مجھ سے زیادہ گویا ہے [۵۳] رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا دوسری جگہ صاف فرماتا ہے [۵۴] وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي بات یہ ہے کہ دل میں جوش نبوت تھا۔ ہمارے پیغمبر صاحب کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ آپ نماز پڑھاتے ہوتے تھے تو پیچھے سننے والوں کو آپ کے سینے سے ایسی آواز آتی تھی کہ گویا دیگ اُبل رہی ہے۔ موسٰیؑ کی زبان آفتِ لکنت کی وجہ سے اچھی طرح یاری نہ دیتی ہوگی مگر وہ دل کا جوش کہاں جائے۔ خود موسٰیؑ اس کے ضبط پر قادر نہ تھے۔ خیر تو موسٰیؑ کے جواب میں بات تو اتنی ہی تھی [۵۵] عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي یعنی جو لوگ پرانے عقیدے پر مر گئے۔ اُن کا حال خدا جانے۔ کیا فرعون و موسٰیؑ کا سوال و جواب ہم کو ایک حکایت سمجھ کر سن لینا چاہیئے اور بس نہیں یہ تو معمولی طور کی سمجھ ہے اور کچھ زیادہ تعریف کے لائق نہیں۔ ایسی ہی سمجھ کی نسبت مولانائے روم فرما گئے ہیں بیت

---

[۵۱] موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے ۱۲ [۵۲] یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی بہت سے کام نکلتے ہیں ۱۲ [۵۳] اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میری مہم آسان کر دے اور میری زبان کی لکنت ... کر دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے ہی گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا قوت بازو بنا کر میری کمر مضبوط کر دے اور اس امر (تبلیغ رسالت) میں میرا ساجھی کر دے تاکہ ہم دونوں مل کر تیرا تقدس کثرت سے بیان کریں اور کثرت سے تیری یادگاری میں لگے رہیں ۱۲ [۵۴] اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اُس کو میرے ساتھ بھیج دے کہ میرا قوت بازو ہو کر میری تصدیق کرے ۱۲ [۵۵] اُن کا حال تو میرا پروردگار ہی جانتا ہے ۱۲

من ز قرآں مغز را بر داشتم
استخواں پیش سگاں انداختم

ذرا اونچے چلو - اس سے ایک نہایت ضروری - نہایت بکار آمد - نہایت عمدہ ہدایت نکلتی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا میں امن آجائے - وہ کیا ہدایت نکلتی ہے کہ خدا کے ساتھ ہر شخص ایک خاص معاملہ رکھتا ہے ؎

ای ترا با ہر دلے رازے دگر
ہر گدا را بر درت نازے دگر

اور کسی دوسرے آدمی کو اس کے معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں - موسیٰؑ نے صرف قرون اولیٰ کے بارے میں خدا پر حوالہ کیا - اور ہم کو چاہیئے کہ کسی کی نسبت کوئی رائے ظاہر کریں کیوں کہ کوئی شخص ہم سے کیسا ہی اختلاط رکھتا ہو ہم کو اُس کے دل کا حال تو معلوم نہیں ؎

تواں شناخت بیک روز از خصائل مرد
کہ تا کجاش رسیدست پایگاہِ علوم

ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو
کہ خبثِ نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم

غیر تو کیا جانے گا خود صاحب دل کو اپنے دل کی چوری کی خبر نہیں ہوتی جس لفافے کو خدا بند رکھنا چاہے کس کی طاقت ہے کہ کھول سکے -

عمر بھر مستور رکھا رازِ دل
قبر میں جا کر لفافہ کھل گیا

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا مَا تَقُوْلُ فِیْ یَزِیْدَ[1] آپ سُن کر خاموش ہو رہے - یہ خاموشی ہی حضرت موسیٰؑ کی عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتَابٍ کی مرادف تھی - اور حکم شرعی بھی یہی ہے کہ بالتعیین کسی کو کافر کہنا درست نہیں - مگر حکم شرع کو اور صرف حکم شرع ہی کو نہیں بلکہ عقل و انصاف کو بھی مانتا ہی کون ہے - اب تو لوگ تعیین سہی پر بھی قناعت نہیں کرتے جب تک اُس وہمی مقتدی کی سی تعیین نہ کر لیں - جو نماز کی نیت کرتے وقت اِقْتَدَیْتُ[2] بِهٰذَا الْاِمَامِ کے کہنے پر بس نہ کر کے مُنہ سے امام کی طرف اشارہ بھی کیا کرتا تھا - پھر اس کا وہم ترقی کرتا گیا - تو حد سے نکل کر امام کو ہاتھ سے چھونے لگا - تو اگر لوگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح

[1] یزید کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ۱۲ [2] میں اس امام کے پیچھے ہو لیا ۱۲

چپ رہیں۔ یا موسیٰ کی طرح علم خدا پر حوالہ کریں۔ تو پھر ہماری ہندوؤں کی۔ ہماری عیسائیوں کی۔ ہم میں سُنّی شیعوں کی۔ مقلدوں غیر مقلدوں کی۔ دوالین زوالین کی لڑائی کیا۔ اگر کوئی جنت میں جانا چاہتا ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ وہ کوئی دنیا کا سا مکان تو ہے نہیں کہ بہت آدمی جمع ہو گئے تو جگہ گھر جائے گی تو اسکی وسعت تو عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ[1] سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی جہنم کی طیاری کر رہا ہے۔ تو اُس کی خوشی آخر جہنم بے چاری بھی تو ھَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ پڑی پکار رہی ہے۔ اُس کی فریاد بھی تو کسی کو سننی چاہیئے۔ لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض تو پورے پورے ادا کر چکے آدمی خالی بیٹھا کیا کرے۔ چلئے خدا کا ہاتھ بٹوائیے ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی		کہ با آسماں نیز پرداختی

بات یہ ہے کہ انسان ایسا مخلوق خود غرض ہے کہ اگر اُس کی حاجتیں خدا سے متعلق نہ ہوں تو یہ بھول کر بھی خدا کو یاد نہ کرے کہ وہ ہے کون۔ اور کدھر رہتا ہے ہم جیسی نمازیں پڑھتے ہیں اگر واقع میں پڑھتے بھی ہوں تو انصاف کی بات یہ ہے کہ نہ پڑھنے سے بدتر ہے کیوں کہ حکم کا نہ بجالانا نافرمانی ہے لیکن اس کو بُری بھونڈی طرح پر بے دلی سے تو بھی بے پروائی سے بجالانا بے ادبی اور گستاخی بعض صورتوں میں نافرمانی سے زیادہ ناگوار ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز جو بے حضور قلب ادا کی جائے وہ اُلٹی پڑھنے والے کے مُنھ پر مار دی جاتی ہے وہی دوسرے کے مافی الضمیر کے جاننے کی مشکل ہے لیکن میں اپنے اوپر قیاس کر کے کہتا ہوں کہ اگر لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں جیسی میں ساری عمر پڑھتا ہوں۔ تو افسوس اس نماز پر۔ افسوس اس کے پڑھنے پر۔ افسوس اس کی مقبولیت کی اُمید پر۔ افسوس اس کے صلے کی توقع پر۔ یہ نماز اس سے زیادہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی جیسے کسی سکول کا لڑکا سکول کے وقت میں حاضر ہوتا۔ اور پڑھتا لکھتا خاک نہیں کیا صرف حاضر رہنے سے وہ امتحان پاس کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اتنا کہنے کو ہو جائے گا کہ فلاں سکول کا لڑکا ہے۔ سو میں اس کو بھی بس غنیمت سمجھتا ہوں کہ اسلامیہ کالج کے رجسٹر میں

[1] اُس کا پھیلاؤ زمین سے لے کر آسمان تک ہے ۱۲

نام تو لکھا رکھا ہی کیا عجب ہی کہ کوئی بھوپال کی بیگم جیسی اللہ کی بندی اتفاق سے لاہور میں آنکلے اور مطلق اسلامیہ کالج کا نام سُن کر کچھ دے وہ عطیہ حق تو ان کا ہی جو حق طالب علمی ادا کرتے ہیں مگر ان کے طفیل میں نکمّے طالب علم بھی کچھ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں ؎

شنیدم کہ در روز اُمید و بیم	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
چہ کم گردد ای صدر فرخندہ پی	ز قدر رفیعت بدرگاہ حی
کہ باشند مشتے گدایان خیل	بمہمان دار السلامت طفیل

مجھ کو سخت حیرت ہی کہ لوگوں کو نماز میں کیوں کر حضورِ قلب ہو جاتا ہو گا۔ اگر ہوتا ہو۔ نماز نام ہی ارکانِ خاص کا۔ اور ارکان ہیں کہ کسی میں قرارت ہی یعنے کچھ قرآن پڑھنا ہوتا ہی کسی میں تہلیل و تسبیح ہی کسی میں دعا ہی اور یہ سب کچھ زبانِ عربی میں پس حضورِ قلب کی ایک کیفیت خاص تو نہیں ہی کہ آدمی نے شروع سے ایک تصور جما لیا۔ اور آخر تک اس خیال کو بدلنے نہ دیا۔ بلکہ کبھی خدا کی عظمت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہی۔ جہاں خدا کی حمد ہی کبھی ابتہال و تضرع کرنا پڑتا ہی۔ جہاں دعا ہی کبھی اظہارِ ندامت کیا جاتا ہی جہاں اعترافِ گناہ ہی کبھی عبرت کبھی خوف کبھی رجا کبھی بیم کبھی امید یہ ہیں پیرائے حضورِ قلب کے۔ اور اُن کے لئے شرط ہی۔ فہم عربی۔ اور مسلمانوں کو جیسی عربی آتی ہی معلوم۔ پس ان کو حضورِ قلب ہوتا ہو گا تو ویسا ہی ہوتا ہو گا جیسے کسی جاہل نے کسی مولوی سے ہر ایک حالت اور ہر ایک موقع کے مناسب دعائیں سیکھ لی تھیں۔ بے فہم عربی اس کو ہوا خلطِ بحث تو وہ استنجا کرتے وقت دعا پڑھتا۔ اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ [۱] اور عربی نہ سمجھنے کا کیا الزام دیا جائے یہاں فہم عربی پر یہ شامت ہی کہ ساری عمر ایک رکعت بھی حضورِ قلب سے پڑھنی نصیب نہیں ہوئی ؎

تو کی بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی	جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

اگر آدمی اپنے فرائض کا ٹھیک طور پر اندازہ کرے۔ تو اُس کو اپنے ہی نفس کے احتساب سے

[۱] اے خدا مجھ کو جنت کی خوشبو سنگھا ۱۲-

فرصت نہ ملے کہ دوسروں کے ایمان کو جانچے اور اُن کی نیکی بدی کو تولے ایسی تو نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اگر پڑھی جاتی ہوں۔ اور اُن پر نازیہ ہو کہ دوسروں کو سگ وخوک کی طرح ذلیل سمجھا جاتا ہو اور خدا کا منت رکھی جاتی ہو سو الگ۔ اس کے صلے میں خدا جانے کیسے کیسے توقعات ہیں کہ جنت کو تو اُس کا رو کھن سمجھنا چاہیئے ؎

کیا زاہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

روزوں کا حال نماز سے بدتر۔ ہاں فِي زَعْمِهِمْ رضوان جنت باب الریان کھولے اُن کو اہلاً وسہلاً ومرحباً کہنے کے لیئے ان کا منتظر کھڑا ہے۔ حج اگر کرآئے ہیں تو جنسٹرڈ جنتی ہو چکے ہیں۔ اور اگر نہیں گئے تو لوگوں پر اپنی دین داری ثابت کرنے کے لیئے کیا کبھی اتنا بھی مُنھ سے نہ کہا ہوگا کہ خدا ہم کو بھی حج نصیب کرے پس کَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ بن گئے۔ اب آؤ انفاق فی سبیل اللہ جس کے لیئے یہاں جمع ہوئے ہو۔ میں تو عالم الغیبات ہوں نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اگر مسلمان خوش دلی اور کشادہ دلی کے ساتھ انجمن حمایت اسلام پر خرچ کرتے۔ اور دینا وہی ہے جو خوش دلی اور کشادہ دلی کے ساتھ ہو۔ تو اس انجمن کی یہ کیفیت نہ ہوتی کہ اس انجمن کے ممبروں کو چندیں شکل برائے اکل بنانی پڑتی ہیں۔ الفقراء کا سوانگ بھر کر گلی گلی کوچے کوچے بھیک مانگتے پڑے پھرتے۔ ہر ماہواری رسالے میں مضمون بھی لکھتے۔ آرٹیکل بھی دیتے۔ مگر ترجیع بند ع ماقیماں کوے دلداریم۔

وہی کہ کچھ دو ہمارے صوفی صاحب ہیں مع بھرز میں کہ رسیدیم آسماں پیداست۔ کوئی شہر تو انہوں نے چھوڑا نہ ہوگا اب گاؤں گاؤں دھاوے کرنے کی فکر میں ہیں۔ پھر گھر گھر پھیر متنفس متنفس۔

اچھا سالانہ جلسہ کیا ہے یہ بھی چندے کی مچھلیاں پھنسانے کا ایک دام ہے۔ اور لکچر اور وعظ اور رپورٹ اور کیا اور کیا۔ یہ سب بیٹ دلقمہ ماہی) اسلے ؎

لے گویا دعا آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۱۲۔

بھر رنگے کہ خواہی جسلوہ گر باش	کہ من آں قد رعنا می شناسم

سنتا ہوں کہ انگریزوں کی ولایت میں دستور ہے کہ گلی گلی کے نکڑ پر خیراتی بکس دھرے رہتے ہیں جس کو کچھ دینا منظور ہوا بکس میں ڈال دیا۔ ایک ہمارا ملک ہے۔ اونٹ رے اونٹ تیری کوئی بھی کل سیدھی۔ خیرات بھی ہے تو اکثر گدھے کا کھایا پاپ نہ پن۔ اس سے کچھ بچا تو چڑیا اپنی جان سے گئی۔ کھانے والوں نے مزہ نہ پایا۔ بات یہ ہے کہ نہ مانگنے والوں کو مانگنے کا ڈھنگ۔ نہ دینے والوں کو دینے کا سلیقہ۔ یہ نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں خیرات نہیں ہے۔ بہت کچھ ہے۔ مگر بے تمیزی کی وجہ سے ضائع۔ اکارت رائگاں۔

لوگوں کو خیرات کے بارے میں بڑی سخت غلطی واقع ہے۔ ان کو کسی نہ کسی طرح سمجھانا چاہیئے کہ محتاجی ایک مرض ہے اور بلا شبہہ اس کا علاج یہی ہے۔ اور یہی ہو سکتا ہے۔ اور یہی ہونا چاہیئے کہ محتاجی کی حاجت رفع کردی جائے۔ بھوکا ہے تو اس کا پیٹ بھر دو۔ ننگا ہے تو اس کو کپڑے پہناؤ۔ جیسے فرض کرو کہ بخار کی ہوا چلے تو اس کا علاج یہی ہے کہ کونین اور سنکونا اور فیور پل اور فیور ٹنکچر غرض وہ دوائیں جو دافع تپ ہیں تقسیم کرائی جائیں اور ایسا ہی ہوتا ہے اور ٹھیک ہوتا ہے اور بڑی ثواب کی بات ہے لیکن اس سے بہت زیادہ ثواب کی بات ہو اگر بخار ہی نہ آنے دیا جائے۔ ایک انگریزی مثل ہے پریوینشن از بٹر دین کیور (سلب مرض سے سد مرض کہیں بہتر) اس کلیے کو مرض محتاجی پر کیوں نہ جاری کیا جائے۔ اس سے کہ بھوکے کا پیٹ بھر دو۔ یا ننگے کا بدن ڈھانک دو بہت زیادہ بہتر ہو گا کہ لوگوں کو بھوکا ننگا ہونے ہی نہ دو۔ اب پوچھو ایسی کون سی تدبیر ہے جس سے لوگ بھوکے ننگے نہ ہوں۔ ہاں یہی وہ تدبیر ہے۔ جو انجمن حمایت اسلام اور اس کی سسٹر اسٹیٹیوشنز (اسی طرح کی دوسری انجمنیں) کر رہی ہیں۔ بھلا اور لڑکوں کو تو رہنے دو۔ یہ یتیم بچے جن کا کوئی سرپرست نہیں۔ اوپر خدا۔ یا نیچے انجمن حمایت اسلام اُن کی نسبت تم کیا خیال کرتے ہو۔ کیا خدانخواستہ یہ ننگے پھریں گے۔ کیا خدانخواستہ یہ بھوکے مریں گے۔ کیا خدانخواستہ یہ ٹوکریاں ڈھوئیں گے۔ اور اگر تم معمولی طور پر جیسا تمہارا دستور ہے۔ اُن کی مدد

کرتے تو قسم کھانے کی بات ہی کہ یہ بھیک بھی مانگتے۔ بھوکے بھی مرتے۔ ننگے بھی پھرتے۔ ٹوکری بھی ڈھوتے۔ اور اس سے بڑھ کر چوری بھی کرتے۔ قید بھی ہوتے۔ لیکن اب حمایت اسلام کی حمایت اور تربیت میں یہ ان شاء اللہ بھلے آدمی ہوں گے۔ خوشحال آرنمنٹ آف سوسائٹی (سوسائٹی کی زینت) ہیں میں نے ان کو یتیم کہا تو غلطی کی۔ کوئی اپنے باپ کا بیٹا ہوتا ہی اور یہ قوم کی قوم کے بیٹے ہیں لیکن اُسی وقت تک کہ انجمن حمایت اسلام ان کی پرداخت کرتی ہی بھائیو! کیوں نہیں اپنی خیرات کا قاعدہ ٹھیک کرتے۔ کہ ایسے عمدہ نتیجے دکھا سکو۔ جیسے تمھاری خیرات جو انجمن حمایت اسلام میں دیتے ہو دکھا رہی ہی اور آیندہ اس سے بہتر دکھائے گی۔ اور ضرور دکھائے گی۔ اگرچہ مانگنے والے بھی مانگنے کے طور پر نہیں مانگتے۔ بہتوں نے بلا استحقاق مانگنے کو پیشہ بنا لیا ہی۔ بہتیرے ہیکڑی سے دھرنا دے کر بہتیرے باڈیلی انفرمیٹیز (جسمانی عیوب) دکھا اور لوگوں کو نفرت دلا دلا کر مانگتے ہیں۔ اور یہ بدترین پیرائے ہیں ابرام کے۔ مگر یہ دینے والوں کی کمزوری ہی کہ ایسی نالایق گداگری کی مقاومت نہیں کر سکتے۔ دینا تو ہر حال میں اچھا ہی مگر ؎

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہی
وہ گدا جس کو نہیں خوئے سوال اچھا ہی

لیکن مانگنے والوں سے خوئے سوال چھوٹے تو کیوں کر چھوٹے۔ دینے والوں کے بے طلب دینے سے چھوٹے سو دینے والے طلب پر تو مشکل سے دیتے ہیں۔ اگر لوگ طلب کرنا چھوڑ دیں تو باب خیرات ہی مسدود ہو جائے فیاضی بھی عبادت ہی۔ بلکہ کل عبادتوں سے افضل۔ کیوں کہ یہی ایک عبادت ہی جس سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہی۔ لیکن وہ صفت انسانیت خود غرضی کہاں جانے لوگ دیتے ہیں۔ مگر یہ سن کر دیتے ہیں مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ [1] اگر قیامت کا اور خدا کا حق الیقین ہو تو کون ہی جو اس طرح کا سودی روپیہ نہ چلائے۔ ایک ایک کے سات سات سو۔ مگر ہمارے

[1] جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہی جیسے ایک دانہ کہ اُس سے سات بالیں اُگیں ہر بال میں سو دانے ۱۲۔

یقین کا تو حال یہ ہے اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ[1] یقین جس کو یقین کہتے ہیں۔ ہوتا تو آج انجمن
حمایت اسلام میں ایک لاہور سے لوگوں کی بیبیوں۔ بہو بیٹیوں کے زیوروں کے انبار لگ گئے
ہوتے کہ بھائی شمس الدین رکھتے اور سنبھالتے نہ بن پڑتا۔ تمھاری کیا تخصیص ہے۔ مسلمانوں میں تو
جیتے جی قیامت آگئی ہے کہ نفسی نفسی ہو رہی ہے اور نفسی نفسی نہ ہوتی۔ تو ہم اس روز بد ہی کو کیوں پہنچتے
تم نے دیا۔ اور دیتے ہو۔ اور دو گے۔ خوب کیا۔ بہت خوب کیا۔ خوب کرتے ہو۔ بہت خوب کرتے
ہو۔ خوب کرو گے۔ بہت خوب کرو گے اور میں مانتا ہوں کہ تمھارا دینا شیخی اور منّ و اذی سے بھی
پاک ہے مگر پھر بھی سچی فیاضی اور خالصۃً لوجہ اللہ اور چیز ہے۔ تم نے مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ
فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ یا مَنۡ ذَا الَّذِیۡ
یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِیۡرَةً[2] یا اسی طرح کی کوئی اور آیت کہ قرآن میں
شاید ہی کوئی ورق ایسی آیتوں سے خالی ہو۔ غرض ایسے ایسے لمبے چوڑے وعدے سن کر دیا۔
تو کیا دینے میں دیا۔ دنیا میں تو لوگ چند پیسے سیکڑے پر سودی روپیہ چلاتے ہیں۔ اور کن کی ضمانت پر
جن کی زندگی کا ٹھکانا نہیں۔ بات کا بھروسہ نہیں۔ یا جائداد ہے تو اس کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی
ہے اور خود معرض خطر میں ہے۔ تو تم نے خدا کی ضمانت پر اور ایسے بھاری سود پر کہ ایک ایک کے سات
سات سو۔ اور شاید اس سے بھی زیادہ کچھ دے دیا تو کون سا کمال کیا۔ سچی فیاضی اور خالصۃً
لوجہ اللہ دینا تو وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ[3]
وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا یُشۡرِكُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ
مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰی رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا

---

[1] گمان تو ہم بھی کرتے ہیں مگر یقین نہیں ۱۲ [2] ایسا کون ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے ۱۲ [3] جو
لوگ اپنے رب کے خوف سے بے چین رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے
ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں پھر بھی ان کے دل ڈرتے ہیں کہ دیکھیے خدا کے ہاں گئے
پیچھے قبول بھی ہوں یا نہ ہوں ایسے لوگ اچھے کاموں میں قدم بڑھا کر سب سے آگے ہو جاتے ہیں ۱۲۔

سَايِقُوْنَ جب تم میری ٹیسٹ (جانچ) میں نہیں ٹھیر سکتے کہ میں ایک بندہ ہوں۔ عاجز گنہگار۔ بدتر
سے بدتر۔ تو خدا کی بازپرس کی تم سے کیا مقاومت ہو سکے گی۔ اپنے منھ میاں مٹھو بننے سے کام نہیں چلتا
۱؎ لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اگر سب آدمی آپ اپنے جج ہوا کریں تو نیک و بد کا تفرقہ اٹھ
جائے۔ عذاب و ثواب کا امتیاز باقی نہ رہے ہم کو ایک ایسے جج کے حضور میں جواب دہی کرنی ہے۔
جس سے ہمارا فعل تو فعل کوئی راز تک مخفی نہیں ۲؎ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ
دنیا کے ایک ادنی سے ادنی حاکم کے پاس مقدمہ ہوتا ہے تو انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ
اس کا اختیار معلوم ہے ۳؎ اِنَّمَا تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تو کیا ہوتا ہے اس روز باز خواست کو
جس کو قیامت کہتے ہیں۔ اور جس کی نسبت خدائے تعالیٰ ۴؎ وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ فرماتا ہے
۵؎ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ
كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
شَدِيْدٌ جج کا وہ حال کہ اس کے اختیار کی کوئی حد نہیں ۶؎ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
مقدمہ کی روداد بگڑی ہوئی ۷؎ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ممکن ہے ان باتوں کا پورا پورا یقین ہو اور انسان ہنسے۔ ممکن ہے کہ ان باتوں کا پورا پورا
یقین ہو اور انسان غفلت کی نیند سوئے۔ ممکن ہے کہ ان باتوں کا پورا پورا یقین ہو اور انسان
اس طرح زندگی بسر کرے جس طرح کہ ہم کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ احتساب کریں
تو دین و مذہب کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خدا جیسا کہ عقل چاہتی ہے کہ ہو۔ اور جیسا کہ قرآن

۱؎ اپنے منھ سے پارسا مت بنو۔ خدا پارساؤں کو خوب جانتا ہے ۱۲ ۲؎ اس کو آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے بھید
معلوم ہیں ۱۲ ۳؎ تو بہت کرے گا ہماری جان لے گا ۱۲ ۴؎ اور وہ سب سے زیادہ سچ کہنے والا ہے ۱۲ ۵؎ بے شک قیامت
کا زلزلہ ایک بھاری حادثہ ہے جس دن اس کو دیکھو گے تو یہ حالت ہو گی کہ دودھ پلانے والی اپنے بچے کو بھول جائے گی
اور ہر پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دے گی لوگ متوالے دکھائی دیں گے حالاں کہ متوالے نہیں بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہو گا ۱۲
۶؎ آج کس کی حکومت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا ہے سب سے زبردست ۱۲ ۷؎ ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے مقابلے میں
ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ۱۲

پاک سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہی۔ وہ خدا تو ہمارے جیسے ادعائی دین داری سے رضامند ہو سکتا نہیں اور ہونا چاہیئے بھی نہیں۔ مگر ہاں وہ خدا جو ہم نے اپنے ذہن میں ٹھیرا رکھا ہی[1] اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ خدا کرے کہ خدا ایسا ہی ہو تو پھر سب بے حساب جنت پر جا قبضہ کریں۔ مجھ کو اس بارے میں جو کچھ بیان کرنا چاہیئے تھا ابھی میں نے ایک شمہ بھی نہیں کیا۔ مگر خیر جو کچھ ذرا ظہور بیان کیا اس کے بعد میں آپ سب صاحبوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے دل میں اسلام کا ایک سٹینڈرڈ قرار دے جیسا کہ مدرسوں کے امتحان میں نمبر کامل ہوتا ہی اور پھر اَلْاِنْسَانُ[2] مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ۔ وَخُلِقَ[3] الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا کا لحاظ کر کے پاس کرنے کی ایک حد ٹھیرائی۔ مثلاً نمبر کامل سو ہوں تو پاس کرنے کی حد تینتیس یا پچیس یا بیس پھر ٹھنڈے دل سے اور سچے دل سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے نفس کا احتساب کرے اور دیکھے کہ اسلامی امتحان میں اس کو پاس ہونا چاہیئے یا فیل۔ یہ میرا ایک پرانا خیال ہی۔ اور میں نے اپنے نفس پر اس کو اکثر آزمایا ہی۔ جوانی میں پیری میں۔ نوکری کی حالت میں خانہ نشینی میں سفر میں حضر میں۔ خلوت میں۔ جلوت میں اور میں پاس کے نمبر بھی کیسے لو دکم کے لیئے تھے سو میں دس تو میں اس بھرے مجمع میں اقرار کرتا ہوں کہ میں کسی ایک سبجکٹ میں بھی اپنے تئیں دس نمبر میں نے سکا سو میں دس ہمیشہ فیل۔ اور فیل بھی وِتھ ڈسگریس (بے عزتی کے ساتھ) اور اب تو امتحان کے لیئے پریپیر (طیار) ہونے کی نہ مجھ میں طاقت ہی اور نہ توانائی ہی۔ یہ تو میں عمل کے اعتبار سے کہتا ہوں۔ رہے خیالات معتقدات بھلا ساری عمر کے جمے ہوئے زنگ اب کیا [illegible] اپنی حالت تو ایسی ہوپ لس (مایوسانہ) ہی اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی نسبت ایسا ہی خیال کرے گا۔

گرت چشم خدا بینی بہ بخشد	نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

[1] بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا ہی جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہی ۱۲ [2] بھول چوک تو انسان کی سرشت میں رکھی گئی ہی ۱۲ [3] اور انسان کی خلقت بودی واقع ہوئی ہی ۱۲۔

اور یہ تو حقوق اللہ کے اعتبار سے کچھ یوں ہی سرسری سی جانچ کی تھی کہ ساری قلعی کھل گئی اور اگر حقوق العباد کی کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ہم صرف نام کے مسلمان ہیں۔ مردم شماری میں ہم کو مسلمانوں میں گن لیا ہے۔ ورنہ مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب تو مجھ کو رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اپنی یہ کیفیت ہو تو کس منھ سے کسی دوسرے پر اعتراض کیجیے۔ کیا کوئی اندھا کانڑے پر اور کیا کوئی کانڑا اُس بیچارے کی آنکھوں میں ناخنہ ہی ہنس سکتا ہے یا اُس کو چشم حقارت سے دیکھ سکتا ہے ؎

سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں		اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے

بات چلی تھی اس پر کہ انسان ایسا مخلوق خود غرض ہے کہ اس کی حاجتیں خدا سے متعلق نہ ہوں تو یہ بھول کر بھی خدا کو یاد نہ کرے کہ وہ کون ہے اور کدھر رہتا ہے۔ اچھا خود غرضی ہی سہی مگر تہ دل سے اُس کی یاد تو ہو۔ یاد کا جو حال ہے وہ سن ہی چکے ہو کہ کیا نماز کیا روزہ کیا حج کیا زکوٰۃ کوئی بھی تو ٹھیک طور پر نہیں۔ ان سب سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ انسان اپنی حاجتوں کو خدا سے متعلق کرنے میں بھی مضایقہ کرتا ہے حاجتوں کو خدا سے متعلق کرنے میں مضایقہ کرنا ادائے مطلب کا ایک پیرایہ ہے۔ دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ وہ خدا کے اختیارات گھٹانے اور کم کرنے کے پیچھے پڑا ہے۔ یہ کیوں کر؟ یہ اس طرح کہ انسان اپنی تدبیر پر بھروسہ رکھتا ہے تدبیر پر اعتماد کرنا کچھ بے جا نہیں ممنوع نہیں۔ تدبیریں بھی خدا ہی نے بتائی ہیں۔ اس واسطے کہ اُس حکیم برحق نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے۔ مگر اعتماد اعتماد میں فرق ہے۔ تدبیر پر اعتماد کرنا ایک درجے میں امتثال حکم الٰہی ہے ع

برتوکل زانوے اشتر بہ بند

اور ایک درجے میں شاید وہ شرک و کفر تک منجر ہو سکتا ہے۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے۔ کہ ہم جو اپنی تدابیر پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ کس درجے میں ہے۔ اس کا فیصلہ کرے خدا۔ یا ہمارا کانشنس (ایمان) مثال کے طور پر ایک رزق ہی کا معاملہ لو۔ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1] اور دوسری جگہ فرماتا ہی يَبْسُطُ الرِّزْقَ[2] لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کی تحریری ذمہ داری کر لی ہی - اس سے بڑھکر اور وثیقہ کیا ہو سکتا ہی - مگر میں پوچھتا ہوں - کتنے دل رزق کی طرف سے مطمئن ہیں اس واسطے کہ خدا کا وعدہ ہی میں سمجھتا ہوں کہ شاید آنوں میں ایسا ایک کا بھی دل نہیں - ہاں اگر ہم میں کوئی نوکری پیشہ ہی وہ رزق کی طرف سے مطمئن ہی اسواسطے کہ اس کی نوکری لگی ہی - یا اس واسطے کہ اس نے امتحان پاس کرکے نوکری کے لیئے استحقاق ثابت کیا ہی - اور کوئی حاکم اس کو زبان دے چکا ہی کہ جب کوئی جگہ خالی ہوگی میں تمہاری پرورش کروں گا - یا اس کے پاس دوسرے وسائل ہیں جو اس کو کبھی نہ کبھی نوکری کرا چھوڑیں گے - اگر تجارت پیشہ ہی وہ مطمئن ہی کہ اس کی تجارت چل رہی ہی - اور فائدے کی توقع ہی اگر کاشتکار ہی وہ پیداوار کے بھروسے پر اُدھار کھا رہا ہی - غرض ہر شخص کو خدا کے وعدے سے قطع نظر کرکے کچھ نہ کچھ وجہ تسلی ضرور ہی - بات وہی ہوتی ہی - مگر ذرا سا سمجھ کا پھیر آدمی کو خدا سے بے تعلق کر دیتا ہی یعنی ایمان جاتا رہتا ہی - نوکری کرو - تجارت کرو کاشتکاری کرو جو تمہارے جی میں آئے کرو مگر یہ سمجھو کہ اصل میں رازق وہ ہی - وہ چاہے تو بدون ان حیلوں کے بھی دے ؎

آنچہ نصیب ست بہم میرسد ‖ ورنہ ستانی بہ ستم میرسد

اور وہ نہ چاہے تو ایک نہیں ہزار حیلے کریں پھر بھوکے کے بھوکے ؎

گر زمین را باسمان دوزی ‖ نہ دہندت زیادہ از روزی

مگر عادت الٰہی یوں ہی ہی کہ ہم کو معاش کے لیئے کچھ نہ کچھ حیلہ کرنا ضرور ہی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ عَمَلَ[3] عَامِلٍ مِّنْكُمْ خیال کا ٹھیک رکھنا ہی تو کام رکھتا ہی - ورنہ مومن اور کافر بلکہ انسان اور حیوان میں کچھ بھی فرق نہیں - اگر ہم تدبیر اور اسباب ظاہر پر اعتماد کلی کر بیٹھیں - جیسا کہ افسوس ہی کہ ہم کر بیٹھے ہیں

[1] زمین میں جس قدر جاندار چیزیں ہیں سب کا رزق اللہ نے اپنے ذمے رکھا ہی ۱۲ [2] جس کو چاہتا ہی زیادہ روزی دیتا ہی اور جس کو چاہتا ہی کم ۱۲ [3] بلاشبہ اللہ کسی عمل کرنے والے کا عمل ضایع نہیں کرتا ۱۲ -

تو اس اعتماد کے سوائے اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے زعم میں خدا سے اُس کے اختیارات چھین کر اُن چیزوں کو دیدئے ہیں جو ان اختیارات کے اہل نہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ شرک نہیں تو کیا ہو۔ بُت پرستی نہیں تو کیا ہو۔ اور کفر نہیں تو کیا ہو۔ اچھا اگر اس بارے میں میری رائے سخت ہو اور تشدد سے جا کرتا ہوں تو از برائے خدا مجھ کو ان مشائخ کا معاملہ سمجھاؤ اختلافات سُنّی و شیعہ حنفی۔ شافعی۔ وغیرہ وغیرہ سے قطع نظر کرو۔ تو مسلمانوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک بیچارے ہم لوگ کلمہ گو اربابِ ظاہر جو پیری مریدی کے سلسلے میں نہیں ہیں ہماری موٹی سمجھ تو یہ ہو کہ خدا کو اپنے بندوں کی معاش و معاد کی صلاح کے لیئے جو جو ہدایتیں صادر کرنی منظور تھیں وقتاً فوقتاً پیغمبر صاحب پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوتی رہیں جب جب وحی نازل ہوتی پیغمبر صاحب کمال احتیاط و دیانت کے ساتھ اُس کو قلمبند کراتے جاتے یہاں تک کہ قرآن جیسا اب موجود ہو مدوّن ہو گیا۔ اور خدا نے فرما دیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[1] جس کے یہی معنی ہوئے کہ فرمان شاہنشاہی کو ختم کر کے اُس کے آخر میں مُہر لگا دی کہ آیندہ کوئی شخص اس میں کمی و بیشی نہ کر سکے۔ چنانچہ تیرہ سو برس گزر گئے آج تک ایک نقطے کا فرق تو پڑا نہیں۔ اور پڑے گا بھی نہیں۔ کیوں کہ خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ کر لیا ہو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ[2] یہ اسی وعدے کا ایفا نہیں ہو تو کیا ہو کہ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں اس کے زبانی یاد رکھنے کا شوق پیدا کر دیا ہو۔ ناسخین اور مترجمین کی پیری کیا چل سکتی ہو کہ اس میں تصرف کریں۔ اگر روئے زمین کے سارے قرآن معدوم ہو جائیں۔ ہو جانے دو۔ مسلمانوں کے دلوں میں اَبًا عَنْ جَدٍّ اس کا ایک ایک حرف کندہ ہوتا چلا آتا ہو جس کو نہ آگ جلا سکتی نہ پانی دھو سکتا ہو۔ ایک حافظ مرنے نہیں پاتا کہ ایسے ایسے پانچ اور برس کے برس رمضان میں نماز تراویح کی امامت کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سامان ہی ایسا آ کر بندھا ہو کہ یہ آواز الی انقراض دنیا پست ہونے والی نہیں ہو۔ خیر یہ تو قرآن اصل دین ہو جیسے تنہ درخت۔ اب رہی حدیث

---

[1] آج میں نے تمہارے [illegible] تمہارا دین کامل کر دیا ۱۲ [2] [illegible] قرآن [illegible]

فقہ اور دوسرے علوم دین۔ یہ سب فروعات ہیں۔ قرآن لَا یعنی قانون۔ حدیث پراسیڈیور۔ یعنی ضابطۂ کارروائی۔ فقہ نظائر۔ اور اسی طرح دوسرے علوم دین کے لیے بھی کوئی مابہ المماثلت پیدا کرلیا جاسکتا ہی۔ لَا۔ اور پراسیڈیور تو تبدیل پذیر نہیں۔ مگر نظائر کا بدلنا موقوف ہی۔ لوگوں کی ضرورتوں کے تجدد پر۔ اور تعجب ہی جب کثرت سے ضرورتوں کے تجدد کا زمانہ آیا۔ نظائر کا سلسلہ لوگوں نے موقوف کردیا۔ ابھی دو باتیں اور بھی ہیں کہ پیغمبر صاحب پر جو وحی نازل ہوئی آپ نے بے کم وکاست ہو بہو اُس کو لکھوا دیا۔ سُنا دیا۔ مشتہر کردیا۔ فرشتے نے تو کہا کان میں۔ اُنھوں نے کوٹھے پر چڑھ کر پکار دیا۔ دنیا جہان میں اُس کی منادی کی۔ ایسی کہ وہی بات ہر ہر مسلمان کے مُنھ میں تھی۔ اور مُنھ میں ہی۔ اور قیامت تک مُنھ میں رہے گی۔

اب میں اس کے چند شواہد بیان کروں گا۔ مثلاً عبداللہ بن ام مکتوم ایک صحابی تھے نابینا وہ حضرت سے ہدایت پانے کے لیئے حاضر خدمت ہوئے۔ اتفاق سے اُس وقت رؤسائے قریش جمع تھے۔ اور پیغمبر صاحب اُن کو تعلیم وتلقین فرما رہے تھے۔ عبداللہ نے قریب پہنچکر عرض کیا کہ یا حضرت مجھ کو بھی حق کی تلاش ہی آپ مجھ کو بھی راہِ راست بتائیے۔ پیغمبر صاحب نے سوچا کہ رؤسائے قریش کو خدا راہ پر لا کرد ے تو ان کے دیکھا دیکھی بہت لوگ اسلام لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ عبداللہ کی طرف ملتفت نہ ہوسکے۔ اور ملتفت ہونے کا موقع بھی نہ تھا۔ سورۂ عبس کے شروع کی آیتیں اِس واقعہ سے متعلق ہیں عَبَسَ[۱] وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّہٗ یَزَّكّٰی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَھُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی كَلَّآ اِنَّھَا تَذْكِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ

---

[۱] پیغمبر نے تیوری چڑھائی اور مُنھ پھیر لیا اس بات سے کہ اِن کے پاس ایک اندھا آیا۔ اے پیغمبر تم کیا جانو۔ شاید وہ (گناہ کی آلودگی سے) پاک ہوتا۔ یا تمھاری نصیحت سے نفع اُٹھاتا۔ جو پروا نہیں کرتا تم اُس کے پیچھے پڑے رہتے ہو حالاں کہ اُس کے راہِ راست پر نہ آنے کا تم پر کچھ الزام نہیں اور جو شخص تمھارے پاس دوڑ کر بھاگا ہوا آتا ہی تو تم اُس سے تغافل کرتے ہو خبردار پھر ایسا مت کرنا۔ یہ قرآن تو نصیحت عامہ ہی جو چاہے اِس سے نفع اُٹھائے اُن اوراق میں لکھا ہوا ہی جو بزرگی اور عالی رتبہ رکھتے اور پاک ہیں۔ بزرگ نیک لکھنے والوں کے

ذَكَرَهٗ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ دنیا میں اگر کوئی حاکم بالادست اپنے ماتحت پر عتاب کرتا ہے تو شخص معاتب اُس کو چھپاتا ہے کہ لوگوں میں اُس کی سبکی نہ ہو۔ یہاں ایک پیغمبر ہے اور خدا نے تادیباً زجر فرمایا ہے اور وہ ایک ایک کو فرمانِ عتاب آمیز سناتا ہے جنگ اُحد میں اصحاب سے ایک غلطی ہوگئی تھی کہ پیغمبر صاحب کے حکم کے خلاف اپنی جگہ سے ٹل گئے۔ لڑائی بگڑی۔ کفار نے مشہور کر دیا کہ پیغمبر مارے گئے۔ تو لشکر اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[1] دنیا کے کسی سپہ سالار نے اپنی نسبت ایسے کلمات کہے ہیں۔ جو اس کی توہین کے موہم ہوں۔ زید بن حارثہ رضؓ آپ کے غلام تھے۔ آپ نے اُن کو آزاد فرما کر اپنی پھوپی زاد بہن زینب کو اُن سے بیاہ دیا تھا۔ میاں بی بی میں موافقت نہ آئی۔ آخر زید نے اُن کو چھوڑ دیا۔ اور پیغمبر صاحب نے اُن بی بی سے اپنا نکاح پڑھا لیا۔ اور پیغمبر صاحبؐ کو زید رضؓ کے ساتھ ایسی محبت اور خصوصیت تھی کہ لوگ زید بن محمد پکارتے تھے۔ ان کی بی بی کے ساتھ نکاح کرنے کو لوگوں نے بہت ہی بُرا سمجھا کہ بہو کو گھر میں ڈال لیا اس کے متعلق سورۂ احزاب میں ایک بڑا رکوع کا رکوع ہے اس میں اس کا بھی بیان ہے کہ پیغمبر صاحب کی دلی آرزو تھی کہ زید چھوڑ دے تو میں ان بی بی سے نکاح کر لوں سوائے پیغمبرؐ کے کس سے ہو سکتا ہے کہ ایسے محل پر اپنا میل خاطر لوگوں پر ظاہر کر کے اپنے تقدس میں بٹہ لگوا لے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اور ٹھیک فرماتی ہیں کہ اگر پیغمبر صاحبؐ وحی میں سے کچھ چھپا سکتے تو زید کی بی بی کے ساتھ نکاح کرنے کا حال ضرور چھپا رکھے ہوتے۔ یا آپ کا فرمانا لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ[2] یا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[3] مَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ[4] یا سب سے بڑھ کر افک کا قصہ کہ لوگوں کو

---

[1] محمد بیش برین نیست کہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں تو اگر یہ مر گئے یا مارے گئے کیا تم (دین سے) اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے ۱۲ [2] اگر غیب کا حال معلوم کر لینا میرے اختیار میں ہوتا میں بہت سی منفعت کر لیتا اور مجھ کو کوئی بُرائی نہ پہنچتی ۱۲ [3] میں تو فقط تم ہی جیسا آدمی ہوں ۱۲ [4] مجھ کو معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ آیندہ کیا ہونے والا ہے ۱۲

پیغمبر صاحب کے ساتھ مذہبی عداوت تو تھی ہی اور سب عداوتوں میں یہی شدید تر ہوتی ہی۔ کفار پیغمبر صاحب کو ایذا دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ اتفاق سے غزوۂ بنی مصطلق میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رض پیغمبر صاحب کے ساتھ گئیں۔ واپس آتیوں کو کہ اگلے دن مدینہ پُہنچیں گی۔ قافلہ میں کچھ رات رہتے ہی الرحیل پکارا گیا۔ حضرت عائشہ رض رفع ضرورت بشری کے لیئے قافلے کے باہر گئی ہوئی تھیں۔ کہ ساربان نے اُن کی سواری کا کجاوہ اونٹ پر لاد لیا۔ اور سمجھا کہ یہ کجاوے میں ہیں اُنھوں نے لوٹ کر دیکھا کہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔ یہ وہیں بیٹھ گئیں۔ اس خیال سے کہ آخر میری ڈھنڈیا پڑے ہی گی اور کوئی نہ کوئی مجھکو آکر لے جائے گا۔ قافلے کے پیچھے ہمیشہ ایک شخص رہا کرتا ہی کہ قافلہ روانہ ہو چکتا ہی تو وہ لوگوں کی گری پڑی چیز سمیٹ لاتا ہی۔ اس قافلے ساتھ وہ شخص صفوان تھا۔ وہ جو آیا تو اُس نے آدمی کی پرچھائیں سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اُم المؤمنین ہیں خود تو اونٹ پر سے اُتر پڑا اور اُن کو سوار کر نکیل ہاتھ میں لئے آپ آگے آگے ہو لیا۔ دشمن تو ایسے موقع کی تاک ہی میں رہتے تھے۔ نابکاروں نے تمام قافلہ میں چرچا کر دیا۔ پیغمبر صاحب کو سُن کر سخت ایذا ہوئی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن کے میکے پہنچا دیا۔ اور وہ بھی مارے رنج کے بیمار پڑ گئیں کوئی دو مہینے کے قریب بیت الرسالت میں یہ آفت رہی۔ بارے سورۂ نور کی وہ آیتیں اُتریں جنھوں نے اُم المؤمنین کی برأت روز روشن کی طرح ظاہر کر دی۔ اِس سے دو مطلب نکلے ایک تو اس مذکور کا داخل قرآن ہونا دوسرے لوگوں کا وحی پر اعتماد کرنا۔ اور سری کا ہوتا تو اس تذکرے کو زبان پر بھی نہ لاتا کہ اب تک کبھی کا بھول بسر گیا ہوتا۔ جیسے اور بہت سے واقعات۔ نہ کہ جزو قرآن قرار دیتا کہ ہمیشہ اس تذکرے کی تجدید ہوتی ہے۔ بات یہ ہی کہ پیغمبر صاحب مامور تھے۔ اور ممکن نہ تھا کہ تبلیغ وحی نہ کریں وہ خود فرماتے ہیں قُلْ اِنَّمَا۔

؎۱ اے پیغمبر لوگوں کو سنا دو کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دو کہ میں تمھارے بھلے بُرے کا مالک نہیں کہہ دو کہ مجکو اللہ کے (عذاب سے) ہرگز کوئی پناہ نہیں دے گا۔ اور نہ مجکو اُسکے سوا کوئی ٹھکانا۔ ہاں اُسکے پیغام پہنچا دینے پر میں بری ہو سکتا ہوں (ورنہ نہیں) ۱۲

اَدْعُوْ رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِهٖٓ اَحَدًا قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ۔

پیغمبر صاحب کے اس کہنے کو دیکھو۔کہ میں تم کو نفع نقصان کچھ بھی نہیں پہنچا سکتا۔ہمارے زمانے کے مشائخ تو ایسے بنتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب ان ہی کے ایما سے ہو رہا ہے۔ان کے مرید اور معتقد ان کی تعظیم خلاف شرع کرتے ہیں۔اور وہ ان کو جائز رکھتے ہیں۔ان سے اُمیدیں لگائی جاتی ہیں۔اور وہ کبھی اپنا عجز ظاہر نہیں فرماتے۔اور دوسری بات ہے عموم اسلام وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کہ دعوت اسلام شامل تھی۔مرد اور عورت۔امیر اور غریب۔شہری اور دیہاتی مقیم و مسافر۔عالم و جاہل بلا استثنا سے احد سب پر۔اب ان سب باتوں کو جمع کرو۔یعنی تمام وحی کا قرآن میں مدون ہونا پیغمبر صاحب کا وحی کو اگرچہ وہ ان کی شان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اخفا نہ کر سکنا۔اسلام کا عام ہونا نتیجہ کیا نکلے گا۔کہ مجموع مسلمان بطور ایک کلاس کے تھے۔اور پیغمبر صاحب ان کے معلم۔کہ وہ ساری کلاس کو ایک ہی کتاب اور ایک ہی سبق پڑھاتے تھے۔تو پھر مشائخوں نے بلا تشبیہ فری میسنوں کی طرح یہ اپنا خاص گروہ کیا بنا رکھا ہے کہ ایک تعلیم ہے سینہ بسینہ اور وہ راز ہے درمیان پیر و مرید کے۔اگر تعلیم وہی تعلیم ہے جو قرآن و حدیث و فقہ میں ہے تو اس کا اخفا رکیا۔اور اگر اس کے خلاف یا مغائر ہے۔تو بڑی مشکل پیش آئے گی اور کچھ تاویل نہ کرتے بن پڑے گی۔اس آیت کی یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ کیا کوئی تعلیم ایسی بھی تھی۔کہ پیغمبر صاحب نے اپنے عزیزوں میں سے کسی کو یا اپنے حواریوں میں سے کسی کو اس لیے خاص کیا تھا۔ہم کو تو اس کی کوئی سند ملی نہیں۔اور عقل بھی اس سے ابا کرتی ہے۔معلوم ہے کہ بڑے بڑے بزرگان دین طائفہ علیہ صوفیہ میں ہیں۔مگر افسوس ہے کہ مجھ کو ان کے سیکرٹ (راز) میں دخل نہیں اور کیا ایک مجھ کو دخل نہیں۔لاکھوں کروڑوں مسلمان میری طرح اس نعمت سے اگر ہے

لہ ہم نے تو تم کو سبھی لوگوں کی طرف رسول کر کے بھیجا ہے ۱۲ سے اے رسول جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اترا ہے سب پہونچا دو۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے حق رسالت نہ ادا کیا ۱۲۔

محروم ہیں۔ اور چونکہ اوائل کار میں اشتباہات واقع ہوگئے کبھی ارادہ بھی نہیں ہوا کہ اس
راز کو معلوم کیجئے۔ یہ خدشہ جو میں نے بیان کیا۔ اس کے علاوہ دو باتیں اور بھی کھٹکتی ہیں۔ ایک تو
پیروں کی تعظیم میں اس قدر افراط کر دی ہو کہ اس کو ایک طرح کی پرستش کہا جا سکتا ہو یہ فنا فی الشیخ
اور تصور شیخ افراط التعظیم نہیں تو کیا ہو اس سے بہت کم درجے کی تعظیم صحابہ پیغمبر صاحب کی کرنی چاہتے
تھے۔ اور پیغمبر صاحب اُس کو جائز نہیں کہتے تھے اسی وجہ سے کہ کسی بندے کی تعظیم مفرط متلزم کسر شان
الوہیت ہو۔ ایسی قومیں موجود ہیں جنہوں نے انبیاءؑ کی تعظیم بڑھاتے بڑھاتے اُن کو خدا اور خدا کا فرزند
بنا دیا۔ لگے ان کی قبروں کی پرستش کرنے اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ[1] اور نہیں تو سدِ باب
فتنہ متقاضی ہو کہ یہ شیوہ ترک کیا جاوے ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا[2] ہم خواص مسلمانوں کی نسبت
بدگمانی نہیں کرتے۔ مگر وہ یہ تو فرمائیں کہ عوام مسلمان کیوں کر محترز رہ سکتے ہیں۔ ہندوؤں میں
بھی جو لوگ سمجھ دار ہیں بُت پرستی کو بُرا سمجھتے اور تاویل کرتے ہیں کہ بُت صرف آثار اور علامات ہیں یاد دہانی
اور خیال جمانے کے لیئے ممکن ہو کہ خاص خاص آدمیوں کا ایسا ہی خیال ہو۔ مگر عوام میں اتنی بلند
پروازی اور ایسا انتقال ذہن کیوں ہونے لگا وہ کیا سمجھیں کہ خواص جو اکثر متبوع عوام ہوتے ہیں
کس غرض سے بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ یوں بت پرستی ایسی جڑ پکڑ گئی کہ کسی کے اُکھاڑے نہ اُکھڑی
حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہو وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ
اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ[3] پس بتوں کی شکایت اُس وقت بھی تھی اب بھی ہو اور جب
سمجھنے والوں کی سمجھ پر پتھر پڑیں تو جب تک دنیا رہے گی یہ شکایت بھی رہے گی صرف پتھر یا سونے
یا چاندی پیتل کی مورتوں کا نام بُت نہیں۔ کوئی چیز ماسوا اللہ جس کی ایسی تعظیم کی جائے جو خدا کے
ساتھ مختص ہو۔ گو وہ کوئی فرشتہ۔ یا کوئی پیغمبر۔ یا اُستاد یا شیخ یا پیر ہی کیوں نہ ہو۔ اُس کو بھی ہم بُت
کہیں گے۔ وہ اپنی ذات سے بُت نہیں ہو مگر جو اس کی خدا کی سی تعظیم کرے۔ جو خدا کی طرح اُس کو

---

[1] اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ۱۲ [2] مومنوں پر نیک گمان رکھو ۱۲ [3] مجکو اور میری اولاد کو بتوں کی
پرستش سے محفوظ رکھ اے پروردگار ان کے سبب سے بہت لوگ گمراہ ہوگئے ۱۲۔

حاجت روا سمجھے اُس کا وہی بُت ہی۔ مجکو لوگوں کے احتساب کا کوئی حق نہیں مگر ظاہر حال کیا بتا رہا
ہی یہی بتا رہا ہی کہ جو حاجتیں انسان کو لاحق ہوتی ہیں۔ اِن سب کو ان ہی زندہ یا مردہ فقیروں
کی حضور میں پیش کیا جاتا ہی پیش کرنے والوں کے دل میں جو کچھ ہو۔ مگر دیکھنے والا یہی سمجھتا ہی کہ اِن کو
حاجت روا نہ سمجھتے تو حاجت لے کر کیوں آتے۔ بعینہ دنیا کے حاکموں کی سی مثال ہی۔ کہ گنوار
سے گنوار بھی حاکم اور اُس کے اہلکار پیشی میں فرق کرتا ہی خوب جانتا ہی کہ اہلکار حاکم نہیں۔ اس پر
بھی رشوت سے۔ خوشامد سے۔ خدمت سے۔ حاضر باشی سے اہلکار کو رضا مند کرنا چاہتا ہی۔
اور اس کو یقین ہی کہ وہ اہلکار اس کی کار برآری کرسکتا ہی یا کرا سکتا ہی۔ اگر ایسا اور اتنا خیال بھی خدا
کے بارے میں ہو تو میں اس کو بُت پرستی کہوں گا۔ خدا حاکمانِ دنیا کی طرح غافل نہیں بے خبر نہیں
[ل١]لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ [ل٢]یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ۔ یہ بحث ہم کو لے جاتی ہی مسئلہ شفاعت کی
طرف اور یہ مسئلہ بڑا مزلۃ الاقدام ہی۔ اور جو میں نے سمجھا ہی اگر اس کو بیان کروں۔ لوگوں کو کانونس
(یقین) کرانے کے وقت چاہیئے جس کو میں اپنے ڈسپوزل (اختیار) میں نہیں پاتا۔ لیکن اتنا
تو کہہ دینا ضرور ہی کہ خدا کو دنیا کے حاکموں یا بادشاہوں پر قیاس کرنا ایک طرح کی بدگمانی ہی اُس جناب کے
ساتھ۔ دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کا حال یہ ہی کہ ان تک ما و شما کی رسائی دشوار اور وہ دوجہان
کا بادشاہ فرماتا ہی [ل٣]نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ قطعہ

	دوست نزدیک تر از من بمن ست		وین عجب تر کہ من ازوے دورم
	چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او		در کنار من و من مہجورم

انسان سے بڑھ کر بھی کوئی احمق اور بدنصیب اور دشمن کام ہو سکتا ہی کہ خدا اس سے ملنا چاہے
اور وہ اُس سے بھاگے۔ وہ اس کی طرف جھکے۔ اور یہ اُس سے پرے ہٹے۔ اور پھر تری قربت
نہیں۔ فرماتا ہی [ل٤]اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ لیکن اگر بندہ اس کے ساتھ مغائرت اور اجنبیت سمجھے۔

[ل١] خدا اونگھتا اور سوتا نہیں ١٢ [ل٢] وہ پناہ دیتا ہی اور کوئی اُن کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا ١٢ [ل٣] ہم شاہ رگ
سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ١٢ [ل٤] مجھ سے مانگو اور لو ١٢۔

اور اپنے میں اور اس میں ذرائع اور وسائل کھڑے کرے تو اس میں خدا کا کیا قصور ہے شفاعت
اور توسل کے یہ معنی ہی نہیں جو لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں۔ ایسی شفاعت کی نسبت تو ایک نص صریح
موجود ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ
قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا[1] ۔ خدا تو اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[2]
کہ وہ آپ ہی شفاعت کرنے والا اور آپ ہی شفاعت شنیع والا حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد
رب العزت کی طرف سے ندا ہوتی ہے هَلْ مِنْ دَاعٍ اَسْتَجِيْبُ لَهٗ[3] لیکن اگر ان ہی معنوں میں جو
لوگوں نے ٹھیرا رکھے ہیں شفاعت اور توسل کی ضرورت ہے بھی۔ تو ایک طرف یہ ضرورت ہے۔ اور
دوسری طرف عوام کو روکنا تھامنا ہے کہ کہیں ہاویۂ شرک میں اوندھے منھ نہ گر جائیں اور وہ گراہے ہیں
اور ان کا وبال بھی ان لوگوں کی گردنوں پر ہے جو شرک و شفاعت میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ
کہتے ہیں۔ اور پھر اپنا ظاہری برتاؤ ایسے طور کا نہیں رکھتے کہ عوام کو مغالطہ واقع نہ ہو۔ کسی آدمی
کو اگر خدا نے نسب یا حسب یا جاہ یا حکومت یا علم یا کسی اور طرح کا امتیاز و تفوق دیا ہے تو اس کے
ساتھ مطبوع عوام ہونے کی ذمہ داری بھی ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ[4] پیغمبر
صاحب نے سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو ان میں لکھوایا تھا اَسْلِمْ تَسْلَمْ[5] وَاِلَّا فَعَلَيْكَ
اِثْمُ الْاَكَّارِيْنَ[6] یہ اس لیے کہ دیہاتی تابع رؤسائے قوم ہوتے ہیں نہ صرف دنیاوی امور
میں بلکہ دین و مذہب میں بھی اور اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ[7] سے بھی یہی بات نکلتی ہے۔ اور
نسب، حسب، جاہ و حکومت وغیرہ وغیرہ۔ جہاں اور اسباب امتیاز ہیں ایک سبب امتیاز تقدم

---

[1] کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا حمایتی ٹھیرا رکھے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ گو کسی چیز پر کچھ اختیار نہ رکھتے ہوں اور
نہ سمجھتے ہوں۔ پھر بھی تمھارے حمایتی کے حمایتی ان سے کہہ دو کہ ساری حمایت اللہ کی اور بس ۱۲ [2] بے شک اللہ
لوگوں پر ترس کھانیوالا مہربان ہے ۱۲ [3] کیا کوئی مجھکو پکارتا ہے کہ میں اس کی سنوں ۱۲ [4] تم سب کے سب کچھ نہ
کچھ ذمہ داری رکھتے ہو ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی جواب دہی لی جائے گی [5] سلامتی چاہتے ہو تو اسلام لاؤ
ورنہ دیہاتیوں کا وبال بھی تمھاری گردن پر رہے گا ۱۲ [6] لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں ۱۲-

زمانی بھی ہی۔ کیوں کہ متاخرین ہمیشہ متقدمین کو نیکی سے یاد کرتے اور ان کی سند پکڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں بھی ایک جگہ ہی۔ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ[1]

مسلمانو! اپنے پیغمبر کے حالات پر نظر کرو کہ ان کو توحید کے بارے میں کیا کچھ اہتمام تھا تصویر تک کا بنانا منع۔ رکھنا نا روا۔ اسی خیال سے کہ ایسا نہ ہو مسلمان پیغمبروں۔ بزرگانِ دین کی تصویریں بنا کر رکھیں۔ ان کی تعظیم کریں۔ اور رشدہ شدہ بُت پرست ہو جائیں جس تعظیم کے آپ پیغمبری سے قطع نظر یوں مستحق تھے۔ وتنی بھی لوگوں کو نہیں کرنے دیتے تھے۔ کہ کہیں غلو کرنے لگیں۔ مثلاً تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا۔ اتنا تک ناپسند تھا۔ اور اپنی قبر کے بارے میں تو آخری وقت تک یہی دعا فرمایا کئے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ ۔[2]

جنگ بدر فتح ہوئی۔ انصار کی لڑکیاں بیت الرسالت میں جمع ہو کر شادیانے گانے لگیں طبیعتیں تو سب کی موزوں تھیں ہی۔ کسی نے ایک مصرع یہ بھی موزوں کر دیا[3] وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ ۔ پیغمبر صاحب اندر لیٹے ہوئے سنتے رہے۔ علم الغیب کا ان کی طرف منسوب کرنا تھا کہ اُٹھ بیٹھے اور روک دیا۔ شراب حرام ہوئی تو جو برتن شراب کے لئے خاص تھے۔ دوسرے اغراض کے لئے بھی ان کے استعمال کو منع فرما دیا۔ یوں اللہ کے حدود کی حفاظت کی جاتی ہی۔ تب کہیں جا کر لوگ ٹھیک رہتے ہیں۔ حدود کی حفاظت کرنا تو درکنار ہم بے احتیاطیاں کرنے لگے ہیں خطرناک۔

اسلام کے احکام پر ایک اجمالی نظر ڈالو کہ مسجدیں سادہ۔ نہ ان میں کوئی تصویر۔ نہ مورت۔ بلکہ زیب وزینت اور نقش ونگار بھی ایجاد ما بعد ہی۔ اور دیواروں پر جو کلمہ یا درود یا آیات قرآنی لکھ دیا کرتے ہیں فقہا اس کو بھی نا درست لکھتے ہیں۔ پھر نمازیں نہ ڈھول ہی نہ ناقوس ہیں نہ گھنٹے ہیں۔

---

[1] دوزخیوں کی پچھلی جماعت پہلی جماعت سے یوں کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا ان کو ہم سے دُگنا عذاب دے ۱۲ [2] اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنائیو کہ لوگ اس کی پرستش کریں ۱۲ [3] اور ہم میں اللہ کا رسول ہی جو کل کی بات کو جانتا ہی ۱۲

نری قرارت - وہ بھی لَے نہ ہو۔ گٹکری نہ ہو۔ راگ نہ ہو۔ غرض داخل نماز اور خارج نماز کوئی چیز نہیں - کہ صارفِ توجہ ہو۔ یہ ایک شانِ عبادت ہو اور عبادت ایسی ہی ہونی چاہیئے ؎

سجدہ میں پائے خم مے پہ ہو کس لطف سے مست ۔۔۔ یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

اور ایک شان وہ ہو جو ہم بزرگانِ دین کے مزاروں پر دیکھتے ہیں - میں بہت بزرگوں کے عرسوں میں شریک ہوا ہوں تو کیا دیکھا کہ ٹھوس چاندی کے چوبوں پر زربفت کا شامیانہ تنا ہو - قبر پر قیمتی اور مکلف غلاف ہیں - تو دتو پھولوں کے انبار لگے ہیں - اگر کی بتیاں روشن ہیں - بیرونِ گنبد خدامِ درگاہ مثلِ چوبدارانِ شاہی صف بستہ کھڑے ہیں - مزار شریف کے روبرو مشائخ سرنگون اور مودب بیٹھے ہیں - جیسے ارکینِ سلطنت - پائیں حلقہ میں رنڈیاں کھڑی مجرا کر رہی ہیں اور کہیں شرع کی زیادہ پابندی ہی تو قوالوں کا طائفہ ہی - ایک خوش رو خوش گلو لڑکا غزل گا رہا ہو ؎

شراب لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں ۔۔۔ خلافِ مذہب آناں جمالِ ایناں بیں

ٹپہ اور ٹھمری - اور ہولی اور دادرا اور دلیس اور بہاگ اور بھیرویں اور پیلو جتنے راگ اور راگنیاں ہیں - اپنے اپنے وقت پر گائی جاتی ہیں - وجد کی حالت میں کوئی حضرت کھڑے ہو جاتے ہیں تو ساری محفل کو اُن کی تعظیم کے لیئے کھڑا رہنا پڑتا ہو - اب اس شان کو اُس سیدھی سادی مہذب باوقار متین شانِ نماز کے ساتھ ملا کر دیکھو - اور آپ ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لو - یہی وہ زیارتِ قبور ہی - جس کی نسبت پیغمبر صاحب فرما گئے ہیں - كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ عَنِ الدُّنْيَا وَتُرَغِّبُ فِي الْاٰخِرَةِ[1] - یہی وہ زیارتِ قبور ہو جس کے اجر و ثواب کی امید کی جاتی ہو ؟ یہی وہ زیارتِ قبور ہی جس سے خدا کی عظمت - اور بے نیازی - دنیا کی بے ثباتی - انسان کی گو وہ کیسا ہی بندۂ مقرب و مقبول کیوں نہ ہو - عاجزی اور بے اختیاری کا خیال تازہ ہوتا ہی ؟ ؎

بدنیا گر کسے پایندہ بودے ۔۔۔ ابوالقاسم محمد زندہ بودے

[1] میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اور اب ان کی زیارت کیا کرو کیوں کہ قبروں کی زیارت دنیا سے بیدلی اور آخرت کی طرف رغبت پیدا کرتی ہی ۱۲

یہ تھا وہ فتنہ جو پیغمبر صاحب کو پہلے سے دکھائی دے رہا تھا۔ اور اسی کے انسداد کے لیئے فرمایا کہ[1] اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ اسی کے انسداد کے لیئے قبروں کے اونچا کرنے پکا بنانے کی ممانعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ مشائخ میں بعض کو ایسا ملکہ ہوتا ہی کہ جس قبر کی طرف توجہ کریں۔ مقبور کا حال معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ وہ سعید ہی یا شقی۔ اور صلحا کی قبر سے ان کو فیضان کھنچتا ہی۔ شاید ایسا ہو۔ مگر ہماری جمع پونجی تو قرآن و حدیث ہی۔ سو ایک حدیث ام العلاء انصاریہ صحابیہؓ کی ہی وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کو ہم انصاریوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں سے عثمان بن مظعونؓ ہمارے حصے میں آئے۔ اتفاق سے بیمار پڑے اور مر گئے۔ جب ان کو ہم لوگ کفنا چکے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ میرے مُنھ سے ایسے الفاظ نکلے کہ ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہی یہ تو خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ تم نے کیوں کر جانا؟ میں نے عرض کیا یا حضرت یہ بھی برگزیدہ نہ ہوں تو اور کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔[2] اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ۔ اس کے بعد سے ام العلا کہا کرتی تھیں۔[3] فَوَاللّٰهِ لَا اُزَكِّيْ اَحَدًا بَعْدَهُ اَبَدًا عشرہ مبشرہؓ مشہور ہیں۔ یعنی ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ۔ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ۔ سعید بن زیدؓ۔ ابوعبیدہ ابن الجراحؓ۔ دس صحابی۔ جن کو پیغمبر خدا نے ان کی زندگی میں خدا کے حکم سے جنت کی بشارت دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ تم جنتی ہو۔ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور ام المومنین عائشہؓ وغیرہم چند لوگ اور بھی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں نہیں مگر جناب رسول اللہ صلعم کے فرمانے سے ان کا جنتی ہونا معلوم ہی مگر ان مبشرین بالجنۃ کا کیا حال تھا۔[4] اَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

---

[1] اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنا نہ لوگ اُس کی پرستش کریں ۱۲ [2] لیکن اُس شخص کو موت جو امر یقینی ہی آ پہونچی۔ اور خدا کی قسم میں اس کے لیئے بہتری کی امید کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں رسول ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا ۱۲

[3] خدا کی قسم میں اس کے بعد کبھی کسی کو بے گناہ نہیں کہتی ۱۲ [4] بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے نقل کیا ہی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں راستے کے کنارے پر ایک درخت ہوتا پس میرے پاس (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍؓ وَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ شَجَرَۃً اِلٰی جَنْبِ الطَّرِیْقِ فَمَرَّ عَلَیَّ بَعِیْرٌ فَاَخَذَنِیْ فَاَدْخَلَنِیْ فَاہُ فَلَاکَنِیْ ثُمَّ ازْدَرَدَنِیْ ثُمَّ اَخْرَجَنِیْ بَعْرًا وَلَمْ اَکُنْ بَشَرًا فَقَالَ عُمَرُؓ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ کَبْشَ اَھْلِیْ سَمَّنُوْنِیْ مَا بَدَا لَھُمْ حَتّٰی اِذَا کُنْتُ اَسْمَنَ مَا یَکُوْنُ زَارَھُمْ مَنْ یُحِبُّوْنَ فَذَبَحُوْنِیْ فَجَعَلُوْا بَعْضِیْ شِوَاءً وَبَعْضِیْ قَدِیْدًا ثُمَّ اَکَلُوْنِیْ وَلَمْ اَکُنْ بَشَرًا اور ان سے بھی بڑھ کر وہ حدیث ہی کہ حضرت عمرؓ زخمی ہوئے اور لوگوں کو لگ جاتا کہ اب مرنے کو ہیں تو ان کو تسلی دینے لگے کہ تم نے دین کی بڑی بڑی خدمتیں کیں ۔ اور یہ کیا اور وہ کیا۔ تو انھوں نے کہا اَمَّا وَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ خَرَجْتُ مِنْھَا کَفَافًا لَا عَلَیَّ وَلَا لِیْ وَاَنَّ صُحْبَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ سَلِمَتْ لِیْ ایک روایت ام المومنین عائشہؓ سے ہی کہ آں حضرت فرمایا کرتے تھے سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّہٗ لَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ اَحَدًا عَمَلُہٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ بِرَحْمَۃٍ یہ تو پیغمبرؐ اور ان لوگوں کے مقولے ہیں جن کو خدا کی طرف سے جنت کا وعدہ مل چکا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ سوائے رسولؐ کے کوئی کسی کی نسبت یقین کے طور پر جنتی ہونے کا حکم بھی لگا سکتا ہی اور جب یہ نہیں تو کہاں کا توسل۔ کیسا تقرب۔ پیر خود درماندہ شفاعت کرا کند اس کی تصدیق ہوتی ہی اس مشہور حدیث سے۔ کہ قیامت کے دن لوگ بدحواس پڑے پھریں گے۔ اور پیچھے بعد دیگرے آدمؑ اور نوحؑ۔ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب انبیاء کے پاس شفاعت کرانے جائیں گے کوئی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۶) ایک اونٹ آتا۔ اور مجکو منہ میں ڈال لیتا۔ پھر مجکو چباتا پھر نگل جاتا۔ پھر مینگنیاں بنا کر نکالتا لیکن میں آدمی نہ ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کاش میں دنبا ہوتا تو میرا مالک جہاں تک اُن سے بن پڑتا مجکو موٹا کرتے یہاں تک کہ میں بہت موٹا ہو جاتا تو اُن کے پاس اُن کا کوئی دوست آتا پھر مجکو ذبح کرتے پھر میرے گوشت کا کچھ حصہ تو بھون لیتے اور کچھ سکھاتے پھر مجکو کھاتے لیکن میں آدمی نہ ہوتا ۱۲ لہ سنو ایں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خلافت کی جوابدہی میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں کہ نہ لینا آئے نہ دینا تو بھی غنیمت ہی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا اجر پورا ملے تو قسمت ۱۲ لہ راست روی اور میانہ روی اختیار کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ کیوں کہ کسی کو اُس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں فرمایا مجکو بھی نہیں۔ مگر یہ کہ مجکو اللہ اپنی رحمت میں ڈھانک لے ۱۲

فتویٰ دیا کہ لونڈی ہے۔ اس کی عدالت مخدوش۔ گواہی۔ نامقبول۔ یہ ہے وہ گروہ ظاہر آباد باطن خراب
غیرت اجازت نہیں دیتی مگر مجبوری کہنا پڑتا ہے کہ کثرت سے بدمعاملگی اور خبثِ نفس دیکھتے دیکھتے
لوگ تشریع ظاہری سے بدگمان ہوگئے ہیں غرض جنھوں نے ظاہر کا پہلو اختیار کیا۔ اُس کی یوں
مٹی پلید کی۔ اور جو باطن پڑھ چلے لگے خدائی کا دم بھرنے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ[1]
فقیر اور درویش اور مشائخ یہ سب الفاظ ہیں مرادف ہم دگر۔ ان لوگوں کی تعلیم کا لبِ لباب ہے زہد۔
ایک مثال ہے کہ جب مجھکو موقع ملتا ہے اسی کا اعادہ کیا کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ اُس سے بہتر کوئی
مثال نہیں سوجھتی۔ وہ یہ ہے کہ دین طبِ روحانی ہے طبیب کا کام ہے کہ ہر مریض کو اُس کے مناسبِ
حالت دوا دیتا۔ شاید کوئی مریض ضعیف وناتوان ہے۔ اُس کو دوائی مقوی دی جاتی ہے کوئی ہیجان
کی وجہ سے محتاج تنقیہ ہے۔ طب کی کوئی سی کتاب اُٹھا کر دیکھو نسخے ملیں گے۔ صدہا مگر بعض کمزور
کرنے کے ہیں۔ بعض طاقت بڑھانے کے۔ اب یہ طبیب کا حصہ ہے کہ کس کو کیا مرض ہے۔ اور
اسکو کون سی دوا دینی مناسب ہے طبیب نسخہ نہیں تصنیف کرتا۔ نسخے کتاب ہی میں لکھے موجود ہیں
بلکہ یہ تجویز کرتا ہے کہ اِن نسخوں میں کون سا نسخہ اس مریضِ خاص کو مفید ہوگا۔ بعینہٖ یہی حال ہے دین کا
ایک وقت تھا کہ مسلمانوں میں سلطنت تھی۔ حکومت تھی۔ دولت تھی۔ یہاں تک کہ لوگ جھولیوں
میں روپئے بھرے ہوئے مدینہ شریف کی گلیوں میں پکارتے پڑے پھرتے تھے۔ کہ کسی کو حاجت
ہو تو لو لو۔ کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ کیوں کہ ہر شخص بجائے خود مستغنی تھا وہ وقت تھا تعلیم زہد کا
جیسے برسات کی آمد میں صفرا کا جوش ہوتا ہے۔ اور زلالِ آلو بخارا۔ اور زلالِ تمر ہندی اور سکنجبین لیمو
وغیرہ صفرا شکن دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اگر اُس وقت زہد کا چرچہ پھیلایا جاتا تو مسلمانوں
کو دنیا کا تخمہ ہوگیا ہوتا۔ لیکن اب کیا حال ہے۔ خدا تعالیٰ سلطنتِ روم کو سلامت رکھے کہ وہاں سے
حرمین شریفین کے لوگوں کو بہتیری کچھ فتوحات ہے۔ ادھر موسمِ حج میں خاطر خواہ آمدنی ہوجاتی ہے
مگر ہمارے اپنے ہموطن برادرانِ اسلام کا کیا حال ہے۔ ماشاءاللہ آمنا بڑا پنجاب اس کثرت سے مسلمان

---

[1] خدا جو کچھ کرتا ہے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں اُن سے پوچھا جائے گی بازپرس کی جائے گی ۱۲

انجمن حمایت اسلام نے جلدی کی اور شاید خطرناک جلدی کی مگر کیوں؟ انھوں نے خدا پر
توکل اور اپنی قوم پر بھروسہ کیا انھوں نے سمجھا کہ مسلمان لاکھ بگڑ گئے ہیں تاہم ہیں تو مسلمان۔ ہیں تو اِن ہی
کی نسل اِن ہی کے نام لیوا انھوں نے خاکِ ذلت سے اُبھرنے کا ارادہ کیا تو فلک الافلاک عروج پر
جا براجے اتنی قلیل مدت میں جس کو دوسری قوموں کے مقابلے میں طرفۃ العین کہنا بھی مبالغہ نہیں
ہی کاش جس جلدی سے وہ بلند ہوئے تھے۔ ایک بارگی دھڑام سے گر پڑے ہوتے۔ وہ مرگِ مفاجات
بہت بہتر ہوتی اس سے کہ پڑے سسک رہے ہیں لَا یَمُوتُ وَلَا یَحْیٰی[1]۔ اور یہ نہیں کہ اِن کے
جاں بر ہونے کی اُمید نہیں اُمید ہے۔ اور تدبیر بھی معلوم ہے وہ تمھاری یہی حمایت اسلام ہے مگر بندگانِ
خدا ذرا تم بھی تو ہاتھ پاؤں ہلاؤ سالانہ جلسے کر کے دیکھ چکے الفقرا کے دیکھ چکے۔ کچھ ہوتا بھی ہے مگر اُس کام پر نظر کرتے
جس کو شروع کر بیٹھے ہو۔ اس قدر ہی جیسے پیاسے کو اوس۔ سرکار نے ہندوستان کی مردم شماری
کرنی چاہی۔ ایک دن ایک وقت مقرر کر دیا۔ اس سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان
کی مردم شماری ہو گئی تم سے اور کچھ نہ ہو سکے تو اتنا ہی کرو۔ کہ اسی طرح ایک دن مقرر کر دو اور اس کا
نام رکھو روزِ گدائی۔ یہ روز روز کے مانگنے سے لوگوں کو مساوات سی ہو گئی ہے اور رہی سہی اور
ہو جائے گی اس دن تمام پنجاب میں انجمن کے لیے بھیک مانگی جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں
کہ شاید وہ اخیر بھیک ہو گی۔ اغراضِ انجمن کے لیے بخوبی کافی۔ مگر تم تو یہ چاہتے ہو کہ لا دو لا دو
لا دینے والا ساتھ دو۔ سو مائی ڈیر آپ کا کام ہما کام خدا تمھارے دلوں میں القا کرے۔ کہ یہ تمھارا
اپنا کام ہے جس دن اس کو اپنا کام سمجھو گے۔ بس چٹکی بجاتے میں ہوا دھرا ہے۔ بھلا قوم کی یہ حالت
ہو کہ سارا پنجاب اتنا بڑا پنجاب ایک کالج نہ کھڑا کر سکے۔ تو اس قوم کو زندہ رکھنے کا کیا موقع ہے۔ نہیں نہیں۔ میں
اپنے اس فقرے کو ممبرانِ انجمن حمایت اسلام کی مخالفت کے ڈر سے واپس لیتا ہوں۔ اور کہتا ہوں
کہ جب مسلمانانِ پنجاب اپنا ایک کالج قائم نہ کر سکے۔ اور یہ جو تم نے اس بے سہارے ایک ڈھونڈا
ماکری آف اے کالج (کالج کی ہنسی) کھڑا کر لیا ہے اس کی تو میرے ذہن میں کچھ بھی وقعت نہیں

[1] نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے ۱۲۔

غرض جب مسلمانانِ پنجاب اپنا ایک کالج قدیم نہ کر سکے تو ان کو تعلیمِ زہد کی سخت ضرورت ہے۔ مگر کس طرح پر۔ کہ جو کچھ لوگوں کی زاہدانہ ضرورت سے زائد ہو۔ اور جب آدمی نے زہد کا دم بھرا تو سوائے اس کے کہ دفع حرّ و برد کے لیئے کچھ موٹا جھوٹا کپڑا پہن لے اور قوتِ عبادت کی غرض سے بقدرِ کفاف کچھ کھا لیا کرے۔ اُس کو اور کیا ضرورت ہو سکتی ہے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسبابِ جہاں	آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست

اس اصل ممبرانِ انجمن حمایت اسلام تو یہی رائے دیں گے کہ مسلمانوں کو زہد کی تعلیم دی جائے تاکہ جو کچھ لوگوں کی زاہدانہ ضرورت سے زائد ہو۔ وہ سب انجمن کے حوالہ کریں۔ مگر ایسے زہد کی تعلیم کہیں ہے بھی۔ ایسا زہد کوئی کرتا بھی ہے۔ کوئی کر بھی سکتا ہے۔ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ وہی جیسے میں نے اب سے دو مہینے پہلے علی گڑھ کالج میں کہا تھا ؎

مگر ترکِ دنیا کچھ آساں نہیں ہے	دکھائے کوئی کر کے بر زعمِ نیچر
ضوابطِ یہ باندھے ہوئے ہیں خدا کے	نہ بدلے نہ بدلیں الیٰ یوم محشر
یہ طامات و دعوے ہیں دھوکے کی ٹٹّی	اگر زہد ہے بھی تو زہدِ مزوّر

جو لوگ زاہد بنتے۔ اور دوسروں کو زاہد بنانا چاہتے۔ وہی لوگ ملکی خیرات میں سے لائنز شیر (غالب حصے) پر قابض و متصرف ہیں۔

اگرچہ دین اسلام کے ہر ہر شعبے میں فتور واقع ہو گیا ہے۔ مگر شعبۂ فقر میں سب سے زیادہ وہ گھاٹی تھی ہی دشوار گزار۔ مشائخ نے ایک دم سے بلا امتیاز سب کو موںڈنا شروع کر دیا۔ ہر چہ آید در پیش۔ نگذارد درویش۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فقیری متہم ہو گئی بجا۔ بدنام ہو گئی بواجب۔

آدمیوں کی طبیعتیں اس قدر مختلف واقع ہوئی ہیں کہ سب کو ایک طرح کی تعلیم دینے سے فائدے کے عوض اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔ اور جو حال دنیاوی تعلیم کا ہے وہی دینی تعلیم کا بھی ہے۔

ملہ جن کو ضرورت سے زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو نہیں بانٹ دیتے کہ وہ ان کے برابر ہو جائیں ۱۲

ہمارا سررشتہ تعلیم کیا غلطی کر رہا ہے یہی کہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا چاہتا ہے جس کا ثمر پیش
رس ہے نیشنل کانگرنس رعایائے ہندوستان ہیں ہم مسلمانوں سے بھی بڑھ کر کسی قوم کو سلطنت
کے پھر حاصل کرنے کی خواہش ہو سکتی ہے۔ ہم سے سلطنت چھنے ہوئے بہت سے بہت تین چار
پشتیں ہوئی ہوں گی جب کہ دوسری قوموں کی بیس بیس پچیس پچیس پشتیں غلامی میں گل گئیں۔
ہماری سلطنت کے آثار مدہم پڑ گئے ہیں مگر مٹے نہیں۔ اس کا وہ غل نہیں کہ کان پڑی آواز
سنائی نہ دے۔ مگر بھنبھناہٹ سی اب بھی ہے جب کہ دوسری قوموں کے پاس شاہ نامے کا ایک
افسانہ ہے۔ اور بس مسلمان سلطنت کو اس طرح یاد کرتا ہے جیسے ایک سال کا دودھ چھوٹا ہوا بچہ دودھ
کو اس کے مقابلے میں دوسری قوم کا بڈھا پھونس ہے اور اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اس نے بچپن میں
دودھ پیا تھا۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے بایں ہمہ ہم میں جو سمجھ دار ہیں اس بات کو اچھی طرح
سمجھتے ہیں۔ کہ جن دنوں ہم کو سلطنت حاصل تھی یا حاصل تھی باتفاق اب اگر چھن گئی ہے تو چھن بھی گئی ہے باتفاق
اب زمانے کا وہ اگلا سا رنگ نہیں رہا۔ دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ ہم میں سلطنت کرنے کی صلاحیت
ہی نہیں کہ اس کی آرزو کریں۔ زوال سلطنت کچھ بچوں کا کھیل نہیں۔ کہ تھی تھی نہیں تو نہیں سہی سلطنت
کے مٹ جانے سے قومیں مٹ گئی ہیں۔ گویا سلطنت قومی زندگی کی تھی شکر ہے کہ ہم رعایا بھی بنے تو ایسوں
کی کہ جنکی عملداری میں ہم کو اپنی سلطنت سے زیادہ آرام و آسائش ہے۔ اب اگر ہم مٹتے ہیں اور مٹتے
ہیں باقی ہی کیا ہے تو اپنی کاہلی اور نااہلی سے بے شک سلطنت بڑی چیز ہے اور کیوں نہ ہو اَلسُّلْطَانُ[51]
ظِلُّ اللّٰہِ۔ اَلْحُکُوْمَۃُ نِصْفُ الْکَرَامَۃِ مگر اہل یورپ نے ثابت کر دکھایا کہ علم و ہنر بڑی چیز ہے۔ انسان
کی شیخی نے سلطنت کی قدر بڑھا رکھی ہے یا اس کی قدر و منزلت کریں تو وہ لوگ کریں۔ جو حکومت کے سوا
اور کسی تدبیر سے دولت نہیں کما سکتے۔ مگر بادشاہ جیسے رعایا سے خراج لیتا ہے ویسے ہی اس کو ملک کی
حفاظت اور انتظام کے لئے خرچ بھی کرنا پڑتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا اتنی بڑی سرکار کہ آج کوئی سلطنت
حاصل ہیں ٹکا نہیں کما سکتی۔ مگر چندروز سے چاندی کا بھاؤ تنزل ہو رہا ہے گورنمنٹ آف انڈیا ہے کہ

[51] بادشاہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور حکومت آدھی کرامت ہے ۱۲

بدحواس ہی۔ آمد کم۔ خرچ زیادہ۔ ٹیکس لگاتی ہی تو رعایا ناخوش ہوتی ہی نہیں لگاتی تو پورا نہیں پڑتا یوروپ یوروپ نہیں ہوگیا سلطنت کی بدولت۔ بلکہ علم و ہنر کی بدولت۔ سو علم و ہنر کے حاصل کرنے کے لیئے نہ کوئی ہم کو روکتا نہ روک سکتا۔ بلکہ ہر طرح کی ترغیبیں دیں اور سہولتیں ہم پہنچائی جاتی ہیں لوگوں نے تو اس لائن میں کچھ کیا بھی ہی۔ مگر بدنصیب مُسلمان اس نعمت سے گویا کہ محروم مطلق ہیں۔ اسے کرنا چاہتا تھا من بھر۔ اور کیا چھٹانک۔ تو اس کرنے کو کرنا نہیں کہتے۔ اس کا تم کو کیوں کر یقین آئے اس کا یقین آنکے مشاہدے سے۔ کہ جس آفس میں جاؤ بھرا ہندو۔ ادھر تو کوئی اللہ کا مارا اکّا دُکّا مُسلمان دکھائی بھی پڑتا ہی۔ ذرا ہماری طرف چلو۔ بمبئی مدراس۔ بنگالے پر نظر ڈالو تو مُسلمان دوا کو ڈھونڈا نہیں ملتا۔ اور شاذونادر ہی بھی تو وہ ایسا بے مناسبت۔ بے جوڑ معلوم ہوتا ہی۔ جیسے ہنسوں کی پنچایت میں کوّا مگر مسلمان کہاں نہیں ملتا۔ کچہریوں میں آفسوں میں۔ زمرۂ تاجران مال دار میں۔ گروہ زمینداران و کاشتکاران مرفہ الحال میں۔ غرض کسی کی جماعت خوش پوش میں مگر ہاں کنجڑے قلعی گر گھٹکے لوہار۔ بڑھئی۔ معمار۔ بیلدار۔ درزی حجام سقّے۔ دھوبی پھیری پھیرنے والے مہاجنوں کے دربان۔ چوکیدار۔ خدمت گار۔ ڈھول تاشے۔ نفیری بجانے والے۔ غرض جتنے مبتذل کام ہیں۔ مُسلمان بھائی گویا اُن کے ٹھیکہ دار ہیں۔

تعلیم کے اعتبار سے مُسلمانوں کا پھسڈّی ہونا جاننے والے تو جانتے تھے۔ مگر وہ جاننا ایک مبہم طور کا۔ اب کے علی گڑھ کے کانفرنس میں مسٹر سید محمود اور نواب محسن الملک نے ڈائیگرام نقشے بنا کر ہال میں لٹکا دیئے اور سب نے مشاہدہ کر لیا مُسلمان تعلیم کے کس درجے میں ہیں اور کس درجے میں ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ اور کتنے ہیں اور کتنے ہونے چاہیئے تھے۔ مجکو ایسا خیال پڑتا ہی کہ مُسلمانوں اور ہندوؤں میں تقریباً ایک اور تین کی نسبت تھی نہیں نہیں مجکو کہنا چاہیئے ہندو اور مُسلمانوں میں تین اور ایک کی نسبت تھی۔ اور کچھ یہ تو ایک خاص بات تھی جو حالت کا اصلی معیار نہیں۔ اگر اسی طرح کے ڈائیگرام تجارت اور زمینداری اور دستکاری کے اعتبار سے ہزارپتی اور لکھپتی اور کروڑپتیوں کی بنائے جاتے۔ تو میں خیال کرتا ہوں کہ مُسلمان آدھی پتی

یا چھ کوڑی ہتی ہوں تو ہول یہ تو حالت ہی۔ اور خدا جانے کس جنم کا بیر نکال رہے ہیں۔ کہ ہم کو بھوکا ننگا بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مسلمان کچھ ایسے احمق ہیں۔ اور تعلیم دقتی سے گریزاں ہیں۔ تو ان کے احمق ہونے میں ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ غرض کچھ ایسے احمق ہیں کہ جھٹ سے جھانسے میں آجاتے ہیں اور انجام کار نہیں سوچتے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے دن کی بات ہی۔ ہندو سپاہی کارتوس پر بگڑے مسلمان یہ سمجھ کر ہمارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہی ان کے پیچھے ہو لیے۔ بھگتا سو بھگتا اور جھیلا سو جھیلا۔ ابھی وہ زخم اچھی طرح مندمل نہیں ہوئے کہ ہندوؤں نے کانگریس نکال کھڑا کیا اور جیسا ان کا قاعدہ ہی مسلمانوں کو بھی اکسایا۔ خدا اس نیچری سر سید کا بھلا کرے کہ اس آگ میں گرنے سے روکا۔ ورنہ مسلمانوں کے حصے کی یہ دوسری قیامت تھی کہ ان کم بختوں کے دلوں میں مارشل سپرٹ (سپہ گری) کا شعلہ تو ٹمٹما ہی رہا ہی۔ خدا نہ کرے کہ ان کو گورمنٹ سے بدگمانی ہو جو نیشنل کانگریس کا ضروری نتیجہ ہی۔ گورمنٹ کا تو یہ اور ایسے ایسے ہزار کیا کر سکتے ہیں۔ مگر ہاں اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیتے اور ہم ان کو رو پیٹ چکتے کہ بس اب یہ نہیں پنپتے۔ انسان کچھ ہی کافر نعمت اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ (انسان ناشکر ہی) جو نعمت اس کو حاصل ہوتی ہی وہ اس کی قدر نہیں کرتا جب تک کہ وہ نعمت اُس سے سلب نہ کر لی جائے۔ قدرِ نعمت بعد زوال ایک مشہور بات ہی اور جیسی مشہور ہی ویسی صحیح بھی۔ ہم نے تو خدا کے فضل سے انگریزی عملداری میں آنکھ کھولی ہی۔ خدا اُس کو ابدالآباد تک سلامت رکھے پچھلی عملداریوں کی مصیبتیں۔ روز کی لوٹ مار۔ ڈاکے۔ بے اطمینانی۔ بدامنی۔ حاکموں کے ڈنڈ چٹی۔ بے گار۔ ہنگامے۔ خانہ جنگیاں۔ قحط مری۔ دیکھیں نہیں۔ اور خدا دکھائے بھی نہیں تو کسی قدر بزرگوں سے سنیں اور بہت کچھ کتابوں میں پڑھیں مجکو تو حیرت ہوا کرتی ہی کہ ایسی بدعملیوں میں نسل آدم منقطع کیوں نہیں ہو گئی۔ اب چشم بدور ایک عملداری یہ ہی کہ شیر بکری کا ایک گھاٹ پانی پینا ایک شاعری خیال تھا۔ یہاں ہر جگہ اور ہمہ وقت یہی ہو رہا ہی جیسا کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی۔ یا دوسرے بلاد میں جو گورمنٹ سیٹ (دارالحکومت) ہیں

ویسا ہی پہاڑ کی کھوہوں میں۔ جنگلوں میں۔ شہروں میں۔ قصبوں میں۔ گاؤں میں۔ آبادی میں۔
ویرانے میں ریل تار برقی۔ ڈاک۔ مدرسے۔ شفاخانے۔ نہریں کلیں۔ انواع و اقسام کے ساز و سامان
زندگی۔ ہر طور کے انتظام۔ ہر طرح کے بندوبست۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بہتر اور کیا عملداری ہو سکتی
ہی ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھتے رہے۔ اترسوں سے پرسوں بہتر تھا۔ پرسوں سے کل۔
کل سے آج۔ اور آج سے ان شاء اللہ آنے والا کل ضرور بہتر ہوگا۔ اور کل سے پرسوں۔ پرسوں سے
اترسوں۔ اور اسی طرح برسوں برسوں۔ پھر ہیں تو آدمیوں ہی کے انتظام۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ہی
کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اپنے تئیں تو خدا کا بیٹا نہیں کہتے۔ کچھ نہ کچھ نقص تو آدمی کے انتظام میں
رہے گا۔ دنیا ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ نئی نئی حاجتیں لیکن گفتگو
اس میں ہے کہ آیا یہ نقص ایسے ہیں کہ ان کے لئے اتنا شور و غل مچایا جائے۔ عرضِ حاجت کو کوئی منع
نہیں کرتا پیرایہ قابلِ اعتراض ہے بات ایک ہی ہوتی ہے اور طرزِ ادا مختلف۔ نوش جان فرمائیے تناول
کیجئے کھائیے۔ ایک طرز ہے نگلو۔ ٹھونسو۔ زہر مار کرو۔ یہ دونوں طرزیں جیسا کہ مقتضا اثر رکھتی ہیں ہر شخص
سمجھ سکتا ہے نیشنل کانگریس نے ایک تو پیرایہ عرضِ مطلب برا اختیار کیا ہے۔ وہ مانگتے ہیں گڑگڑانے کی
جگہ بگڑ کر دعا کے عوض گالیاں دے کر خوشامد کے بدلے ہیکڑی سے۔

دنیا کا انتظام مبنی ہے فرقِ مراتب پر۔ کہ ایک امیر ہے ایک غریب۔ ایک حاکم ہے۔ ایک محکوم۔
ایک باپ ہے ایک بیٹا۔ ایک استاد ہے ایک شاگرد وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ سُخْرِيًّا ؏

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب سلف رسپکٹ (خودداری) کیا سکھائے گا کہ خدا سے غیر مرئی و ناشنیدہ
کے سوا [illegible] مسلمان کسی کے آگے جھکتا ہی نہیں۔ اس پر بھی تو حکم ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [illegible]

[illegible] سے ایک کو ایک کا تابع بنایا [illegible]

[illegible] سے تشبیہ ہے۔ ۱۲

لازم ہے وہ ہم میں سے ہونا چاہیئے - یعنے مسلمان - حالاں کہ مِنکُم کی قید قید اتفاقی ہے اور [۱] لَا تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا - اس کا اتفاقی ہونا پکار رہا ہے پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعتِ حکام پر
مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو - ہمارے یہاں منہیاتِ شرعیہ میں سے ہے - بے شک جن نیشنل
کانگریس عبارت ہے اس الزام سے بہت چڑتے ہیں - اور ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ حکام کے نہیں
گورمنٹ کے سچے خیر خواہ ہیں مگر یہ تو فرمائیں - کہ عوام جو حکام اور گورمنٹ میں کچھ فرق نہیں کرتے -
اور نہیں کر سکتے - اور انھوں نے برٹش گورمنٹ کے اصول کو نہ سمجھا ہے نہ سمجھیں گے - اپنے دل میں
کیا کہتے ہوں گے -

اس معاملہ خاص میں ہماری اور ہندوؤں کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گاڑی میں دو گھوڑے
جوت دیئے گئے ہوں ایک ہٹا کٹا اور تیز رو - اور دوسرا مریل سست قدم یہ تیز رو دانہ
گھاس کے لیئے جلدی مچا رہا ہے - اور مزاج کا ہے کڑوا - ایک طرف ساتھ والے جانور پر منہ مارتا ہے اور
دوسری طرف دولتیاں جھاڑتا ہے - ایسی بے طرح کہ شاید ساز توڑ ڈالے گا - یا گاڑی کو نقصان پہنچائے گا -
افسوس ہے کہ اس کو اپنے زور کے گھمنڈ میں اپنے ساتھی کے حال پر مطلق نظر نہیں - ورنہ ذرا صبر کرے -
اور اس کو بھی نباہ لے جائے - کوچبان اگر ہوشیار ہے - اور بے شک ہوشیار ہے تو وہ ساز اور بگھی کو
ٹوٹنے پھوٹنے نہیں دے گا - مگر اس مریل کو کیا کرنا چاہیئے - سوائے اس کے اور کچھ چارہ نہیں کہ جان
توڑ کر محنت کرے - اور اپنے زبردست ساتھی کا ساتھ دے - ورنہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے
کوئی اس کو گاڑی سے کھول تو دے گا نہیں - ایسے کوڑے پڑیں گے کہ یاد ہی تو کرے گا - اس کا اپنے
توانا ساتھی سے امید کرنا کہ وہ اپنی رفتار کو مدھم اور دانہ گھاس کی خواہش کو دور کرے - توقع فضول ہونے
کے علاوہ اس کی ناکسی اور ناتا اور پست ہمتی کی دلیل ہوگی -

جن بانیان [illegible] نیشنل کانگریس [illegible] چھپا رکھی ہے [illegible]
[illegible]

---

[۱] ملک میں امن قائم ہو جانے کے بعد فساد مت پھیلاؤ -

کانگریس کے مطالب گروہ خاص کی خودغرضی پر مبنی نہ ہوں۔ اور فرض کرو کہ نیشنل کانگریس کو اپنے مقاصد میں کامیابی بھی ہو۔ اور فرض کرو کہ مسلمانوں کے حقوق بھی پامال نہ ہوں تاہم افسوس مسلمانوں پر اگر وہ ایسے کھلونے پاکر خوش ہوں۔ ہم تو اس سے رضا مند ہونے والے ہیں نہیں۔ کہ چند مسلمان کلکٹری نوکریاں پاجائیں۔ گو وہ نوکریاں کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہوں۔ قوم تو جب سنبھلے گی۔ اگر سنبھلنا تقدیر میں لکھا ہے۔ تو تعلیم ہی سے سنبھلے گی۔ پس یک در گیر و محکم گیر۔ جو قومی خیرخواہی کا دم بھرتے ہیں۔ وہ اور جن کے حق میں خیرخواہی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ۔ سب کے سب کنفسٍ واحدۃٍ ستو باندھ کر تعلیم کے پیچھے پڑو۔ اور جب اس کا مزہ چکھ لوگے تو تم آپ پروا بھی تو نہیں کرنے کے کہ نوکری ہے کیا بلا۔

میں نے چاہا تھا کہ نیشنل کانگریس کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ مرض آج کل کے تعلیم یافتوں ہی کو ہوتا ہے۔ اور ان کے دماغ اس خلل سے ماؤف ہونے کے لیئے زیادہ آمادہ ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ اول تو تعلیم پوری نہیں۔ تعلیم پوری ہوتی تو ان کی یہ کہاوت ہوتی جیساکہ اہل کتاب کے حق میں خدا نے فرمایا ہے [لہ] لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اور [لہ] لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم غضب خدا کا تعلیم یافتہ اور محتاجِ رزق! معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ بھاڑ جھونکتا رہا ہے۔ اس کو ہونا چاہیئے تھا ذوفنون نوکری ہے۔ تو نوکری ورنہ سہ

تو ہی ہرجائی تو اپنا بھی یہی طور سہی		تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی

نقصان تعلیم کے علاوہ ایک نقصان ہے اس کی تعمیم کہ جس کی طبیعت مناسب ہے وہ اور جس کی طبیعت مناسب نہیں وہ جس کا پیشہ ہے وہ۔ اور جس کا پیشہ نہیں وہ۔ جس کو ضرورت ہو وہ۔ اور جس کو ضرورت نہیں وہ۔ بھیڑ بادے کی طرح تعلیم میں ٹھسے چلے جاتے ہیں۔ اور مزہ یہ ہے کہ سب کا مقصود اصلی نوکری۔ یاالہی نوکریاں آسمان سے برسیں گی یا زمین سے اُبلیں گی۔ اور نہیں برسیں گی۔

[لہ] تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ضرور کھول دیتے ۱۲ [لہ] اُن کو روزی ملتی پڑ ملتی اوپر سے یعنی آسمان سے اور پاؤں کے تلے سے یعنی زمین سے ۱۲

اور نہیں اُبلیں گی تو یہ ٹڈی دل کہاں سے پلے گا۔

یہی غلطی جو تعلیم کے بارے میں ہو رہی ہے اور اس کے آثار بد مرتب ہو چلے ہیں یہی غلطی اور میں پھر کہتا ہوں یہی غلطی اس مذہبی تعلیم میں ہوئی۔ اور ہو رہی ہے جس کا نام ہے درویشی فقیری زہد۔ اصلاح باطن۔ طریقت۔ پیری مریدی۔ دنیاوی تعلیم بھی دو قسم کی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ۔ ادنیٰ تعلیم وہ ہے جو اکثر افراد کو ہونی چاہیئے۔ تاکہ جو جس شان میں ہو۔ بھلا آدمی ہو۔ اگر وہ سوسائٹی کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے۔ تو وہ سوسائٹی کو درہم برہم بھی نہ کرے۔ کسی سے لڑے نہیں جھگڑے نہیں کسی کو گالی نہ دے۔ چوری نہ کرے جُوا نہ کھیلے۔ بدمعاش نہ ہو لینے پبلک پیس (امنِ عام) میں اس کی وجہ سے کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اس سے بڑھو تو وہ اعلیٰ تعلیم ہے۔ کہ جس نے اس درجے کی تعلیم پائی ہو اُس کو ہونا چاہیئے۔ سوسائٹی کا بنیفیکٹر (نفع رساں) اور ظاہر بات ہے کہ ایسی تعلیم صرف خاص خاص آدمی پاسکتے ہیں۔ اسی طرح دینی تعلیم کے دو درجے ہیں۔ عام اور خاص۔ عام وہ ہے جس کو شریعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خاص وہی درویشی فقیری وغیرہ وغیرہ جس کے لیئے خدا خاص خاص طبیعتیں پیدا کرتا ہے۔ جب وَضْعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَحَلِّہٖ کیا جائے گا اس کا یہی حال ہوگا جو اس زمانے میں درویشی کا ہو رہا ہے۔ غرض دین کے دینِ اسلام کے یہی دو بڑے رکن تھے۔ شریعت طریقت۔ جن کی حقیقت میں نے بیان کی۔ اور بیان بھی کی ڈرتے ڈرتے کہ اپنا گھنڈا کھولنا اور آپ ہی لاجوں مرنا۔ دین کا تو ہم لوگوں نے یہ حال کر رکھا ہے۔ اور خوئے بدرا بہانہ بسیار تجویزیں یہ ہو رہی ہیں کہ انگریزی تعلیم اور مذہب کو کیوں کر جمع کیا جائے۔ خیر شکر ہے اتنا تو ہوا کہ دونوں کے جمع کرنے کی صلاحیں درپیش ہیں پہلے تو اسلام ایسا اکھل کھرا دکھا کھڑا چڑچڑا تھا کہ انگریزی تعلیم کے نام سے چڑتا تھا۔ دونوں ہیں رقابت کا سا بیر تھا ؎

ہم ہوں گے وہ نہ ہوں گے وہ ہوں گے ہم نہ ہوں گے		ہم اور رقیب دونوں ہرگز بہم نہ ہوں گے

یا وہی آفتاب اور لبادہ۔ اب مسلمانوں کو مقتضائے وقت کا احساس ہوا اور لبادہ لگا کاٹنے کہتے ہیں کوئی ایسی صورت نکالو کہ لبادہ اُتارنا نہ پڑے۔ اجی جناب یہ اُترے اور اس کا

باپ دادا اُتر سے پایہ کہ تم سمندر پار اُتر جاؤ وہاں ایسی گرمی نہیں ہے تم تو جب ہی بیٹھ گئے تب ہی بیٹھ گئے جب
بگلو گئے تب بگلو گئے۔ لبادہ کی خبر لو کہ وہ بگل چلا مسلمانوں کو انگریزی وضع سے کیسی نفرت تھی۔
اب ہے ؟ بالکل نہیں یا اُس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ممکن تھا کہ مسلمان انگریز کے ساتھ کھانا کھائے
اور مسلمان بھی رہے اب کیا حال ہے ہم جیسے غریب آدمیوں کو تو پوچھتا کون ہے جن کو خدا نے دنیا کی
عزت دی ہے۔ اور خدا اُن کی عزتوں کو برقرار رکھے۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں۔ ہاں
فخر تو بے شک کرتے ہیں خیر ان زبانی تکوں کو رہنے دو۔ وہ باتیں لو جن کے بارے میں قرآن
ناطق ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔[1] اس آیت کے لفظوں کو دیکھو اس سے
بڑھ کر عتاب اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ سے اور کفر و ارتداد کے ایک ہی معنی ہیں۔ دیکھنا ہے کہ
وہ موالات جس پر خدا کا غیظ و غضب ہے آخر کیا چیز ؟ ہمارے علم میں ایک مدت تک مطلق دوستی
اور محبت کے معنی لیئے جاتے رہے۔ اب بھی لیئے جاتے ہیں لغت میں بھی یہی معنی نکلیں گے مگر کسی کی
شامت آئی ہے کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر کرے۔ ناچار موالات کی تاویل بالتخصیص کرنی پڑی کہ
مراد ہے موالات فی الدین۔ لیکن یہ تاویل کس نے سجھائی۔ آفتاب اور لبادے نے۔ ذرا
روم اور مصر اور فارس اور دوسرے ممالک اسلامی ہیں تو جا کر تحقیق کرو۔ وہاں کے علماء وہی
مطلق محبت اور دوستی بتائیں گے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ ایک رکوع میں تین
جگہ ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ وہ لوگ کافر ہیں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ لوگ
ظالم ہیں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ وہ لوگ فاسق ہیں۔ اب جو مسلمان ڈپٹی کلکٹر اکسٹرا اسسٹنٹ
جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر یا جج۔ مالی۔ فوجداری۔ دیوانی خدمتیں رکھتے ہیں اور معلوم ہے کہ ان کو
قانون انگریزی کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ قانون انگریزی قانون شریعت کے خلاف ہے

[1] اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ بعض اُن کے بعض کے دوست ہیں جو شخص تم میں سے ان کا دوست ہوگا
وہ انہی میں سے ہوگا۔ اللہ ظالموں کو رستہ نہیں بتاتا ۱۲۔

تو مَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ میں داخل ہوئے یا نہ ہوئے۔ ہوئے اور ضرور ہوئے۔ پھر یہ خدمتیں کیوں کر جائز ہو سکتی ہیں۔ مگر جو ان کو جائز بتاتے ہیں۔ اگر ان کو مل جائیں۔ تو کافروں اور ظالموں اور فاسقوں کی کچھ تاویل کریں گے کیوں وہی آفتاب اور لبادہ۔ یا سود کے بارے میں جیسا وعید شدید نازل ہی کسی کے بٹے نہیں مٹ سکتا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ[1] اور کَاتِبُهٗ وَشَاهِدُهٗ وَ اٰكِلُهٗ وَمُوْكِلُهٗ کا تازیانہ اوپر سے۔ اب مسلمان اپنی اپنی جگہ احتساب کریں اور سمجھیں کہ کتنے مسلمان اس سے بچے ہیں۔ اور بچ سکتے ہیں اُن کو حساب سے خارج کر دیجئے کو مقدور نہیں۔ یا موقع نہیں یا ضرورت نہیں تو پاؤ گے کہ مسلمان یا لیتا ہو گا یا دیتا ہو گا۔ یا دلواتا ہو گا۔

دین کو خارج سے ہرگز اتنا خطر نہیں۔ جتنا کہ داخل سے۔ یعنی ہم مسلمان آپ اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور اگر خارج سے خطر ہی اور خارج سے مراد ہی مقتضائے وقت۔ تو اسلام مقتضائے وقت کی مقاومت کر نہیں سکتا۔ مسلمانوں کی یہی بڑی غلطی ہی کہ وہ دنیا کو ایک خاص حالت کا چاہتے ہیں کہ ان ہی کی سلطنت ہو۔ ان ہی کی حکومت ہو۔ ان ہی کے پاس دولت ہو۔ اور اسلام کا یہ رنگ ہی۔ اور یہی رنگ ہونا چاہیئے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً[2] کہ مسلمان غالب ہیں یا مغلوب دولت مند ہوں یا محتاج۔ ایشیا میں ہوں یا یورپ میں۔ اسلام ہر رنگ کے ساتھ کھلتا ہی مت کوشش کرو اس کی کہ تعلیم مذہبی کو داخل اوقات درس یا خارج از اوقات درس ایجوکیشن۔ (تعلیم) کا جزو قرار دو۔ پھر بھی کرو طالب علموں کی توجہ منقسم ہو گی دو چیزوں کی طرف۔ اور مسلمان ایجوکیشن میں ایسے ہٹے ہیں۔ کہ اپنی ساری ہمت ساری توجہ ساری فرصت ایجوکیشن میں محصور رکھیں تب کہیں جا کر دوسری قوموں کے ساتھ کمپیٹ (مقابلہ) کر سکیں تو کر سکیں۔ میں ایک تدبیر

---

[1] اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے۔ اور اگر تم میں ایمان ہی تو جو سود چڑھا ہوا ہو چھوڑ دو۔ اگر تم یہ نہیں کرتے تو خدا اور اُس کے رسول سے لڑنے پر طیار ہو جاؤ ۱۲ [2] ہم نے خدا کا رنگ (دین) اختیار کیا ہی۔ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو ۱۲۔

بتاتا ہوں کہ نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری - نہ طالب علموں کا وقت مشغول ہو اور نہ اُن کی توجہ منقسم - اور دین کی حفاظت - اگر اس کو حفاظت درکار ہی ایسی ہو کہ اس سے بہتر ہو نہیں سکتی - جی تو نہیں چاہتا کہ کلمہ حکمت ان لوگوں سے کہا جائے - جو نہ اس کی قدر کریں - نہ اس پر عمل - مگر کیا یاد کروگے بچوں کے دین کی حفاظت کی عمدہ تدبیر یہ ہی کہ گھروں میں دین داری پھیلاؤ - تمہارا دین دارانہ زندگی کرنا اور اپنے اچھے نمونے اولاد کو دکھانا - اولاد کے دین دار ہونے کی ضمانت کافی ہی - کبھی دیکھا نہیں گیا کہ نیم میں انگور لگے ہوں کبھی دیکھا نہیں گیا - کہ انگور کی بیل میں نبولیاں پھلی ہوں - اگر انگریزی خواں لڑکے بے دین ہوتے ہیں - تو نہ تعلیم انگریزی کی وجہ سے - بلکہ اس وجہ سے کہ ماں باپ دین دار نہیں - گھر میں دین داری کا چرچا نہیں - ورنہ انگریزی تعلیم انگریزی عملداری کوئی چیز بچوں کو متزلزل کر نہیں سکتی - اور اس کے شواہد بیندرہ بیس تو مجکو معلوم ہیں - اور اس تدبیر کے اختیار کرنے میں یہ کتنا بڑا فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں کی قوم کی قوم درست ہو جائے گی - اور نری بچوں کی حفاظت سے کیا ہوتا ہی - زمانِ طالب علمی میں ان کے دین کی حفاظت کی بھی - تو جب یہ گندی سوسائٹی میں جا کر ملیں گے ضرور گندے ہو جائیں گے - کیوں کہ جو انڈے بُری طرح سیئے جاتے ہیں وہ گندے ہی نکلا کرتے ہیں -

اٹھارواں لکچر

جو سر سید کی ڈیپوٹیشن کے ساتھ پنجاب کے مختلف مقامات میں اپریل سنہ ۱۸۹۴ء کو دیا گیا

جو دن آتا ہے زبان ملکی [illegible] مولوی حافظ محمد نذیر احمد [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

جواب اچھے لکھنے والوں سے ان کی طرز کی تقلید نہیں بن پڑتی۔ غرض وہ ایک طرز تھا سو تھا انہوں نے حیدرآباد سے آکر لکچر دینے اختیار کیے۔ اور معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف تحریر کے حاکم ہیں بلکہ تقریر کے بھی۔ پھر انھوں نے نظم کا طریقہ لیا تو اوروں کی نظم اور اپنی نثر کو بھی مات کیا ؎

بہ امر ہندی تیزی دہد ز آب سخن
ز تیغ مصری گوہر دہد زکان بیان

بہ نثر داغ نہد بر جبین نظم حریر
بہ نظم باز ستاند ز گفتۂ سحبان

چناں نگار سخن را بدانش آراید
کہ نوک خامۂ مانی رخ نگارستاں

بکارگاہ سخن گستری ہمی شاید
دہان شخص خرد راز نوک خامہ زباں

خرد پناہ فرزانہ کہ در آفاق
چنیں یگانہ نیامد پس از ہزار قراں

اسی اپریل کے مہینے میں آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر ایک ڈیپوٹیشن ساتھ لے کر علی گڑھ محمڈن کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے پنجاب گئے اور مولوی صاحب کو ساتھ لیا۔ مولوی صاحب نے لاہور پہونچ کر ایک نظم پڑھی جس نے لوگوں کو پھڑکا دیا۔ اب اس بات پر لوگوں کا اجماع ہے کہ مولوی صاحب کا یہ ڈیپوٹیشن والا لکچر وقت کے اعتبار سے متاخر مگر عمدگی کے لحاظ سے ان کے تمام لکچروں پر سبقت لے گیا ہے۔ چنانچہ ڈیپوٹیشن کی واپس آنے پر امرتسر اور جالندھر میں یہی نظم لوگوں نے درخواست کر کے مولوی صاحب سے پڑھوائی ہر چند ہم نے مولوی صاحب کے اصلی مسودے سے نقل لی۔ مگر جن لوگوں نے لکچر سنا اُن کا بیان ہے کہ مولوی صاحب کے لکچر کا طرز ادا جس کو انگریزی میں ڈلیوری کہتے ہیں تحریر میں آ نہیں سکتا۔ ان کا مسودہ بطور نوٹ کے ہوتا ہے اور وہ جولانی بیان میں ہرگز نوٹ کے پابند نہیں رہتے۔ سامعین ایسے محو ہوتے ہیں کہ ان سے لکھتے نہیں بن پڑتا۔

چنانچہ یہ نقل جو ہم کو حاصل ہوئی ہے ہرگز پوری نہیں مگر جیسی ہے ایسی بھی کسی اور کے پاس نہیں دعا یہ ہے کہ خدا مولوی صاحب کی زندگی کو دراز کرے اور لوگوں کو ان کے ملفوظات سے مستفید اور متمتع ہونے کا مدتوں مدتوں موقع ملے۔ آمین۔

مولوی صاحب کا یہ ڈیپوٹیشن والا لکچر تمام تر منظوم تھا۔ جو کچھ انھوں نے اوپر سے بیان کیا۔ جہاں تک دستیاب ہو سکا فٹ نوٹ کے طور پر لکھا گیا۔ اور جس قدر لکھا گیا بہت کم ہی بمقابلہ اُس کے جو لکچرار نے کہا تھا۔

تمہیدِ لکچر

میں لکچر دینے کے لیے کھڑا تو ہوتا ہوں۔ مگر میں نے بڑا آکورڈ[۱] پوزیشن اختیار کیا ہے۔ میں ممبر ہوں اس ڈیپوٹیشن[۲] کا جس کے معروضات سننے کے لیے اور نہ صرف معروضات سننے کے لیے بلکہ ڈیپوٹیشن کی جیب تمنا کو نقد مدعا سے بھرنے کے لیے آپ سب حضرات بتقاضائے حُبِ قومی جمع ہوئے ہیں ایک طرف تو میں ڈیپوٹیشن کا ممبر ہوں اور دوسری طرف مجھ کو ایک نظر شفقت[۳] ہے انجمن حمایت اسلام سے۔ میں پانچ پانچ چھ چھ برس سے انجمن حمایت اسلام کی کارروائی کو دیکھتا چلا آتا ہوں۔ اور میرے مائنڈ[۴] پر انجمن کی نسبت جو امپرشن[۵] ہے وہ یہ ہے کہ انجمن قومی خدمات کی وجہ سے ہم مسلمانوں کی شکر گزاری کی مستحق ہے۔

اس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ انجمن نے اس بے سر و سامانی کے ساتھ اسلامیہ کالج کھول دینے سے ایک رَش[۶] سٹپ لیا ہے۔ لیکن یہ ایک ٹرو[۷] اسلامی کیرکٹر ہے۔ جو ممبرانِ انجمن سے ظاہر ہوا۔ اُن کی نیت اُن کی سرگرمی اُن کی کوشش پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جب دو یا زیادہ انسٹیٹیوشنوں[۸] کا ایک ہی مطلب ہو تو ان میں کامپٹیشن[۹] کا قائم ہونا ایک ضروری بلکہ عمدہ بات ہے لیکن جیسے کامپٹیشن کا ہونا ضروری اور عمدہ بات ہے ویسے ہی جلسے[۱۰] کا ہونا نامناسب اور

له بے ڈھب اور مشکل موقع ۱۲ سله چند آدمی جمع ہو کر کسی پاس کوئی غرض لے کر جائیں وہ مجمع ڈیپوٹیشن کہلاتا ہے اور یہاں مراد ہے وہ لوگ جو اپریل ۱۸۸۸ء میں سید احمد خاں کے ساتھ علی گڑھ محمڈن کالج کے لیے چندہ فراہم کرنے کی غرض سے پنجاب گئے ۱۲ سه دل ۱۲ سه نقشہ اور اثر ۱۲ ه اپنے پیش قدمی کرنے میں جرأت بے جا کی ۱۲ له مسلمانوں کی پہلی عادت کہ وہ محض توکل پر پڑھنے سے بڑا کام شروع کر بیٹھتے ہیں ۱۲ شه کارخانوں اور یہاں مراد ہے درسگاہوں ۱۲ شه بحثا بحثی ۱۲ له جلنے بھننا ۱۲

ناشایستہ ہی۔ جہاں تک میرا خیال ہی علی گڈھ محمدن کالج اور لاہور اسلامیہ کالج دونوں کے فونڈ[1] اُس الزام[2] سے
بالکل بری ہیں اور یہ اوپر کے لوگ ہیں جو کامپٹیشن کو جلسی بنانا چاہتے ہیں۔ پیران نمی پرند مریدان
می پرانند۔ اگر سر سید اپنے کالج کی تکمیل کے لیے مستعجل ہیں تو اُن کی یہ خواہش بجائے خود
نیچرل[3] اور ریزن ایبل اور سر تا سر قابلِ تحسین ہی لیکن انجمن حمایت اسلام جو سٹیپ لے چکی گو اُس کو
مسٹیک[4] بھی سمجھا جاسے۔ تاہم اُس کی اصلاح پیچھے ہٹ جانا نہیں ہی بلکہ جو کچھ کر چکے ہو اُس کو
فرم[5] فٹنگ پر لانا اور اُن لوگوں سے جو محمدن کالج کی طرفداری کے جوش میں آکر انجمن کو نقصان
پہنچانا چاہتے ہیں (اگر ایسے لوگ ہوں) تو اُن[6] صاف لفظوں میں کہدینا کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ
اللّٰہُ عَلَیْکُمْ مجھ کو محمدن کالج داہنی آنکھ ہی تو اسلامیہ کالج بائیں۔ اور میں قوم سے دونوں کی سفارش
شیخ ابراہیم ذوق کے شعر سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا

چارہ گر سے کروں دل سے کہ نہیں ہو سکتا
لب کو دوں رُخ کہ نہ دوں۔ زلف کو دوں تل کو نہ دوں

علی گڈھ محمدن کالج اور لاہور اسلامیہ کالج دونوں مل کر بھی تو ایک پورا کالج نہیں بنتا۔ اور ابھی سے
خرچ کی تراہ تراہ مچی ہی سوبلائزڈ[7] بننا کیا ہنسی کھیل ہی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو سوبلائزڈ بننے کا
حوصلہ کیا ہی تو ایسے ایسے کتنے خرچ اُٹھانے پڑیں گے

ابتداے عشق ہی روتا ہی کیا
آگے آگے دیکھ تو ہوتا ہی کیا

یہ سوبلیشن[8] پہلے تو تم کو لنگوٹی بند ہوا دے گی اور پھر خلعت فاخرہ بخشے گی۔ تم[9] کو نہیں بلکہ
تمھاری آنے والی نسلوں کو۔

[1] بانی ۱۲ [2] مقتضاے طبیعت ۱۲ [3] معقول ۱۲ [4] غلطی ۱۲ [5] ثبات و استحکام ۱۲ [6] تم بھی پہلے
ایسی ہی تھے اور خدا نے تم پر احسان کیا (کہ تم اس درجے پر پہنچے) ۱۲ [7] مہذب و شایستہ ۱۲ [8] تہذیب شایستگی ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ اللہ العظیم و نصلی علی رسولہ الکریم

نظم

	سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم		بحمد اللہ بھائی مسلمان ہیں ہم تم

لہ سلام تو ایک ہی بس کرتا تھا کیوں کہ علیکم میں جو کم ہی ضمیر جمع حاضر ہے اور اُس کے مخاطب کل حضرات آڈینس (سامعین) مگر مجھ کو ڈبل (دوہرا) سلام کرنا منظور تھا اور اسی لیئے میں نے نظم کا ایک ایسا وزن اختیار کیا ہے جس میں ڈبل سلام کی کھپت ہو۔ ڈبل سلام میں ایک تو نماز کی تقلید ہے کہ اُس میں بھی دو سلام ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک سلام شعار اسلام ہے کہ جب مسلمان مسلمان ملیں چاہیئے کہ ایک دوسرے کو سلام کریں اور دوسرا سلام سلام روستائی ہے جس کی نسبت آپ نے سنا ہوگا ع سلام روستائی بے غرض نیست۔

وہ غرض جس کے لیئے سلام روستائی کیا گیا ہے آپ کو معلوم ہے مگر تھوڑی دیر بعد میں اُس کو مُنہ پھوڑ کر بھی بیان کر دوں گا اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اُس ہی کی تمہید ہے۔

آداب معاشرت میں سلام ادب موکد ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً یت جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنے تئیں سلام کر لیا کرو یعنی دوسرے کے گھر اور سلام کریں اپنے تئیں۔ اس کے معنی کیا؟ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم مسلمان مسلمان آپس میں سب ایک ہو تو تم دوسرے مسلمان بھائی کو کیا سلام کرتے ہو گویا اپنے ہی تئیں سلام کرتے ہو۔ اور اس تادیل کے شواہد قرآن میں کئی جگہ موجود ہیں مثلاً لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اپنی عیب چینی مت کیا کرو۔ مراد ہے کہ ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو کیوں کہ کوئی اپنی عیب چینی نہیں کیا کرتا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اور اگر انسان

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸۰۳

اپنی عیب چینی کیا کرتا تو زمین پر آدمی نہ بستے بلکہ معصوم فرشتے اسی طرح وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ میثاق (عہد) تھا لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور الزام ہی تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ یہود سے خدا نے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کی خونریزی نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو دیس نکالا دینا۔ لیکن اس عہد کو ان الفاظ سے بیان کیا کہ اپنی خونریزی نہ کرنا اور اپنے تئیں جلا وطن نہ کرنا۔ ادائے مطلب کے اس پیرائے سے ظاہر ہی کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہی کہ بندے التیام اور صلح کاری سے رہیں۔ اور اپنے میں اور ابنائے جنس میں دوئی نہ لگائیں مگر ہم کمبخت نافرمان بندے آپس میں لڑے مرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ کی دوسری تاویل لوگوں نے یہ بھی کی ہی کہ جب تم دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کروگے تو وہ خواہی نخواہی جواب سلام دے گا۔ اور جواب سلام بھی بجائے خود سلام ہی تو تمہارا دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرنا انجام کار اپنے تئیں سلام کرنا ہی۔ تو اس صورت میں ادائے مطلب کا یہ پیرایہ ہوا جو وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (قصاص کا قاعدہ جاری رکھنے میں تمہاری زندگی ہی) کا ہی۔ انگریزی اٹیکٹ (آداب مجالس) تو یہ ہی کہ جب تک کوئی تم کو انٹروڈیوس (تقریب) نہ کرے تم اجنبی آدمی سے شناسائی مت پیدا کرو۔ اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ لوگ مہینوں ایک ہوٹل یا ایک جہاز میں رہے اور ایک میز پر کھانا کھایا کیئے۔ اور اُن میں صاحب سلامت کی نوبت نہ آئی۔ مگر اسلامی اخلاق اس روکھے پن۔ اس کھُردرے پن کو جائز نہیں رکھتا۔ پس ایک ایسی بات جسے تم خود اپنے منہ سے کہو ملنساری کی کن باتوں اور کیا کیا تمہیں۔ اور ملنساری نہیں ہی مگر حسن اخلاق کا دوسرا نام اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (اے پیغمبر تم بڑے ہی خلیق ہو) ہمارے ہاں اگر معرفت سابقہ ہو تو السلام علیکم سے اظہار خلوص کیا جاتا ہی اور اس کی تجدید۔ اگر معرفت نہیں تو بھی السلام علیکم

تقریب ہی اور یہی اَلسَّلامُ عَلَیکُمْ کا انٹروڈکشن ۔انٹروڈکشن ہی کیا چیز یہی نا کہ ایک متوسط ایک
اجنبی سے دوسرے اجنبی کا مُعرِّف ہوتا ہی لیکن جب مُعرِّف اور مُعرَّف الیہ دونوں مسلمان ہیں تو اجنبیت
گئی گذری ہوئی۔ وہی اسلام جس کے دونوں معتقد ہیں ۔ایک دوسرے کا مُعرِّف کافی ہی۔ پھر سلام
کے بھی آداب ہیں۔ کہ سوار پیادے کو سلام کرے۔ جو کھڑا ہی بیٹھے ہوؤں کو جیسا میں نے کیا اس میں
بھی تواضع کی ایک اخلاقی تعلیم ہی۔ پھر سلام ایک حق ہی من جملہ حقوق العباد کے وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ
فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْہَا اَوْ رُدُّوْھَا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا اگر تم کو کوئی سلام کرے تو تم اُس کے
لفظوں سے بہتر لفظوں میں اُس کا جواب دو۔ یا خیر ویسے ہی لفظوں میں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ذری
ذری بات کا حساب لے گا۔ رُدُّوْھَا کے یہ معنی کہ میں نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے اس کے جواب
میں کہا وَ عَلَیْکُمُ السَّلَامُ۔ بِاَحْسَنَ مِنْہَا سے یہ مراد ہی کہ میں نے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تم نے
کہا "وَ عَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" مگر یہ تو اسلامی سلام کا جواب ہوا۔ سلام روستائی
کے جواب میں بہترین الفاظ سے کام نہیں چلتا وہاں چاہیئے بہترین سلوک۔

شروع شروع میں مسلمانوں سے ایک دو بار ایسی غلطیاں ہوئیں کہ اپنے تحفظ کی ضرورت سے
دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ انھوں نے اسلامی قاعدے سے اُن کو سلام کیا اور سلام کو طلب امن کا
مرادف سمجھا مسلمانوں نے خدع کے خیال سے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ (لڑائی نام ہی فریب کا) سلام کی
پروانہ کی تو اس پر بڑے غصے کی آیت نازل ہوئی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اے مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں یعنے
جہاد کے لیئے سفر کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تم کو سلام کرے تم اُس سے یہ بات نہ کہو
کہ تو مسلمان نہیں) ذرا قرآن کے لفظوں پر نظر کرو۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا
مسلم سے مومن کا درجہ بڑھا ہوا ہی کیوں کہ اسلام کے معنی ہیں گردن نہادن۔ اور یہ ہی فعل ظاہر
جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہی اور ایمان ہی فعل قلب جس پر سوائے خدا کے کوئی مطلع ہو نہیں سکتا۔ قَالَتِ
الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (عرب کے

گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے - ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہنوز تمھارے دلوں تک پہونچا بھی نہیں) تو فرمایا کہ جو تم کو اسلامی قاعدے سے سلام کرے تم کو کوئی حق نہیں کہ اس کو مومن نہ سمجھو تم تو ظاہر پر حکم لگانے والے ہو۔ کسی کا اسلامی قاعدے سے سلام کرنا تمھارے لیے اس کے مومن ہونے کا ثبوت کافی ہے۔

قریب قریب اسی طرح کی ایک غلطی خالد بن ولید سے بھی ہوئی تھی کہ ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمی ساتھ دے کر دعوت اسلام کی غرض سے قبیلۂ بنی جذیمہ کے لوگوں پاس بھیجا یہ جو نہی کہ اُن کے سر پر جا موجود ہوئے تو وہ گھبرا کر لگے کہنے صَبَانَا صَبَانَا صابی ایک لقب حقارت آمیز تھا جو کفار قریش نے اس وقت کے مسلمانوں کو دے رکھا تھا۔ اس کے لغوی معنی تو کنورٹڈ (نو مسلم) کے تھے۔ مگر کفار قریش اس کو ڈزرٹر (خارجی) کی جگہ استعمال کرتے تھے۔

قبیلۂ بنی حنیفہ میں کا ایک شخص تھا ثمامہ بن اثال مسلمان۔ اس کو گرفتار کر کے حضرت پاس لائے حضرت نے پوچھا مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ (ثمامہ کیا خبر ہے) تو اُس نے کہا عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مَا شِئْتَ (اے محمد خیریت ہے اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو میری قوم کے لوگ تم سے میرا خون بہا لیں گے اور احسان کرو گے تو میں احسان فراموش نہیں اور تمھیں مال درکار ہو تو جو مانگو میں دینے کو موجود ہوں) یہ جواب تیج سیاق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقولے سے کیسا اشبہ ہے إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ خیر تو آں حضرت نے اپنی عرحمت جبلی کے مطابق ثمامہ کو چھوڑ دیا اور وہ حضرت کا طرز مدارات دیکھ کر ایمان ہی لے آئے ان کو عمرہ کرنا تھا گئے مکے۔ قریش کے لوگوں نے پوچھا أَصَبَوْتَ (کیا تم نے ترک دین کیا) ثمامہ کہتے ہیں لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ (نہیں تو بلکہ میں مسلمان ہو گیا) اسی طرح بنی جذیمہ کو أَسْلَمْنَا کہنا چاہیے تھا نہ صَبَانَا کہ صبانا سے اسلام کی توہین نکلتی تھی۔ اور اسی لیے خالد بن ولید نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا

جو دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بنی جذیمہ کے کچھ آدمی مارے گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضرت خالد پر سخت ناخوش ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر فرمایا الٰہی میں خالد کی اس حرکت سے بیزار ہوں۔ اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ حضرت علی کو بنی جذیمہ میں بھیج کر ایک ایک مقتول کی دیت دلوائی۔ خالد اسلام کے بڑے مشہور جنرل ہیں اور اُنھوں نے اسلام میں بڑی بڑی فتوحات نمایاں کی ہیں (ہائے ہائے کی تھیں) اور اُن کو سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ اور خطاب کے ملنے کا قصہ بیان کیا جائے تو شاید چنداں بے محل نہ ہوگا۔ اور اسلام کی ابتدائی ہسٹری (تاریخ) ہی ہی ایسی دل چسپ کہ جس بات پر نظر کرو کیوریاسٹی (شوق) کسی طرح سیٹسفائی (سیر) نہیں ہوتی ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

موتہ ایک مقام ہے علاقۂ شام میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے خطوط ملوک کے نام لکھے تو ہرقل روم کے نام کا خط حاکم بصریٰ کے پاس بھیج دیا۔ کہ اس کو ہرقل پاس پہنچادو۔ ہرقل کی طرف سے شام کا گورنر تھا شرجیل۔ اس کی جو شامت آئی تو اُس نے پیغمبر صاحب کے قاصد حیرث بن عمیر کو مرواڈالا۔ آں حضرت نے شرجیل کی سرکوبی کو لشکر روانہ کیا جس کے کمانڈر تھے زید بن حارثہ۔ اور آں حضرت نے لشکر کو رخصت کرتے وقت فرما دیا تھا۔ کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو اُن کے بعد جعفر بن طالب اور اُن کے بعد عبداللہ بن رواحہ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ تینوں کمانڈر یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے جعفر بن طالب کی لاش کو دیکھا۔ نوّے سے اوپر تیروں اور تلواروں کے زخم تھے اور ایک بھی پُشت کی جانب نہ تھا۔ حضرت جعفر کو شہادت کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذوالجناحین فرمایا۔ یعنی دو بازو والے۔ کیوں کہ اسلامی جھنڈا لڑتے وقت ان کے داہنے ہاتھ میں تھا وہ کٹ گیا تو اُنھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو ٹانگوں سے دبا کے کھڑے رہے اور جھنڈے کو گرنے نہ دیا اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ جب زید اور جعفر اور عبداللہ

تینوں کمانڈر شہید ہوگئے تو لوگوں نے خالد کی جلادت دیکھ کر ان کو کمانڈر بنا لیا۔ اور خدا نے ان کو فتح دی۔ یہاں مدینے میں خبر آنے سے پہلے آں حضرت نے بیان فرما دیا تھا اور اس میں خالد کی نسبت ارشاد ہوا تھا کہ عبداللہ کے بعد اَخَذَ الرَّایَةَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (آخرکار اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلامی جھنڈا لیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی) تو خالد ایک تو خود اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے ایسے لوگوں میں شدّت کا ہونا ضرور ہے اس وجہ سے بنی جذیمہ کے مقہور کرنے میں جلدی کی یا عجب نہیں خالد نے ان لوگوں کے سلام کو توبہ پر قیاس کیا ہے جس کی نسبت ارشاد ہے اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (اللہ تو اُن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جن سے نادانستہ ایک خطا ہوگئی اور انھوں نے جلدی سے توبہ کر لی) وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (اور اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو بدیاں کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی تو لگے کہنے اب میری توبہ اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کافر ہوں اور کفر پر مر جائیں، فقہا نے غرغرہ کو حد توبہ قرار دیا ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ فرعون کے ساتھ ہوا۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً (یہاں تک کہ آخرکار جب لگا ڈوبنے تو بولا میں ایمان لایا کہ بنی اسرائیل کا خدا چھوڑ کر اور کوئی خدا نہیں اور اب میں مانتا ہوں۔ اب مانا تو کیا مانا اور اس سے پہلے تو سرکشی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

آخر میں ایک ریمارک سلام کے متعلق اور کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح فوج میں پرول ہوتا ہے جس سے اپنے لشکر کا آدمی پہچانا جاتا ہے اسی طرح اسلامی شعار ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ" مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس شعار کو ترک کرتے چلے جاتے ہیں میں انگریزی داں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ یا فقط جنبشِ سر سے کام لیتے ہیں یا ہاتھ کے اشارے سے۔ یا وہی انگریزی سلام

	ہمیں ہیں کے تم ہو تمھیں ہیں کے ہم ہیں نہیں فرق[3] یاں کچھ عجم اور عرب کا		مسلمان سب ہم دم[1] و ہم قدم[2] ہیں خدا اور رسول خدا ایک سب کا	

کہ سلام کا بھی کام دیتا ہے۔ اور سرسری طور سے وقت بھی بتاتا ہے۔ گڈ مارننگ (صبح کا سلام) گڈ ڈے (دوپہر کا سلام) گڈ آفٹر نون (تیسرے پہر کا سلام) گڈ ایوننگ (شام کا سلام) گڈ نائٹ (رات کا سلام) عجب نہیں کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے آیندہ گھڑی اور گھنٹے کی سوئیوں کی طرح بقید گھنٹہ و منٹ ٹھیک وقت بتانے لگے۔ گڈ سکس او کلاک پی ایم (شام کے چھ بجے کا سلام) گڈ ہاف پاسٹ یا کوارٹر ٹو سکس اے ایم (صبح کے ساڑھے چھ یا پونے چھ بجے کا سلام) و قس علیٰ ہذا۔ تو اُس وقت سلام اچھا خاصہ ریلوے ٹائم ٹیبل ہو جائے گا۔ اے کاش ہمارے دلی واپس جانے سے پہلے ہو کہ ہمارے بھی کام آئے۔ بشرطیکہ وایا (براہ) کا لکا بھی ہو۔ یہ صرف انگریزی پھٹکار نہیں ہے مدتوں سے مسلمانوں نے سلام کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ بادشاہوں امیروں کا تو نام نہ لو کہ وہ اسلام سے مستثنیٰ ہیں لیئے خارج۔ چھوٹوں کی طرف سے آداب۔ بڑوں کی طرف سے دعا۔ لکھنؤ کے جھرے کورنش تسلیمات بندگیاں۔ زنان خانوں میں ٹھنڈی سہاگن سائیں جیئے۔ بچے جئیں۔ بس ایک سلام ہی سے خیال کر لو کہ مسلمان کہاں تک اپنے مذہبی رسومات کے پابند ہیں سو بھئی مجھ کو تو ایسے سلاموں کی عادت نہیں۔ نہ میں ان کو پسند کرتا ہوں۔ میں نے تو سیدھا سادہ مسلمانوں کا سا سلام کھینچ مارا ہے لگا تو تیر نہیں تُکّا ۱۲۔

[1] ہم دم اس اعتبار سے کہ سب کلمہ گو ہیں ۱۲ [2] ہم قدم اس لیئے کہ ایک شریعت پر چلتے ہیں ۱۲

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے تم کو جتھوں اور برادریوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور یعینہٖ یہی مضمون ہے حدیث کا۔ یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ ان

وہ ختم الرسل وہ خدا دانِ اُمّی
اُسی دین کی کرتے سیوا ہیں ہم بھی

بسالی وآلی بنفسی واُمّی
اُسی شخص کے نام لیوا ہیں ہم بھی

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ لوگو تمھارا پروردگار ایک۔ تمھارا مورث اعلیٰ (آدم) ایک۔ تو عرب کو عجم پر اور کالے رنگ کے آدمی (عرب) کو لال رنگ کے آدمی (رومی) پر کوئی برتری نہیں۔ خواجہ حافظ شیراز کہتے ہیں ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

سلہ اُمّی۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ اُمّی واقع ہوا ہے۔ پہلے سے مراد ہے اَن ایجوکیٹیڈ (تعلیم نایافتہ) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (وہ جو پیروی کرتے ہیں اَن پڑھ پیغمبر کی جس کے مذکور کو پاتے ہیں اپنے پاس لکھا ہوا توراة اور انجیل میں) بجائے اس کے کہ اَن ایجوکیٹڈ ہونا پیغمبر صاحب کے لیے موجب کسر شان ہو وہ اُن کے معجزات باہرہ میں سے ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ نہ پڑھے نہ لکھے اور قرآن جیسی لاجواب کتاب زبانی لکھوا دی ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر (علم ادب یا زبان دانی) کے جوبن پر ایک بہار آ رہی تھی۔ لوگوں میں یہ مادہ ایسا ڈیولپ (بسر ترقی) ہوا تھا کہ کیا شہری کیا دیہاتی۔ کیا مرد کیا عورت۔ کوئی متنفس مذاق شعری سے خالی نہ تھا۔ بدیہہ گوئی حاضر جوابی اُن کے نزدیک ایک بات تھی۔ رنج اور خوشی صلح اور جنگ سفر اور اقامت کوئی حالت خیال میں نہیں آسکتی جس میں اُن کے قول کے اشعار کے انبار نہ ہوں غرض اُن کی زندگی کے جہاں اور طرز تھے ایک طرز ضروری شاعری بھی تھی کسی قوم نے شاعری کو ایسا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا جیسا اُن وقتوں کے عرب نے۔ فضائل انسانی اور بھی تھے جیسے شجاعت۔ سخاوت۔ مہمان نوازی شرافت حُسن صورت وغیرہ مگر شاعری کو ایک لگا نہیں لگا تا تھا۔ شاعری نے اُن دنوں اچھی حکومت کرلی کہ شاعر لوگ قبیلوں کو آپس میں لڑاتے تھے۔

جیسے بادشاہ بادشاہ ملکوں کو۔ اور پھر عرب نے اس وقت تک سولزیشن میں کچھ ترقی کی نہ تھی۔ پس ان کی شاعری نیچرل تھی بلا تصنع۔ آمد تھی نہ آورد۔ اور اسی لیئے مؤثر بھی پرلے ہی درجے کی تھی۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا (بعض بیان تو واقع میں جادو کا اثر رکھتا ہی) اور خیر یہ تو زبان عربی کے عروج کا زمانہ تھا یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا۔ اور اُن کی بولی ناز کے قابل ہی بھی کہ اُنھوں نے اپنے سوائے دوسروں کا نام رکھا تھا عجم یعنے گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ ایسے لوگوں سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو اُن کے کان پر جوں بھی تو چلتی اور وہ اُس کو اس کان سنتے اور اُس کان اُڑا دیتے۔ پس ضرور تھا کہ اُن کو اُسی داؤ سے پچھاڑا جائے۔ جو داؤ اِن کو خوب رواں تھا یعنے فصاحت۔ قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سر سید اور نواب محسن الملک اور سید محمود اور حالی اور شبلی سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ کہ تری دین داری خداپرستی اخلاق اور نیکی کے مضامین اور اس خوبی کے ساتھ ادا کیئے جائیں کہ دلوں کو موہ لیں یہ بھید کیا ہی؟ سمجھ تو گئے تھے مگر غرور اور حسد اقرار حق کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (ان کے دل تو مان گئے تھے مگر زبردستی اور ہیکڑی سے اُنھوں نے خدا کے کلام سے انکار کیا) غضب خدا کا ابوطالب جیسے شخص رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حقیقی چچا جنھوں نے پیغمبر صاحب کو پالا پرورش کیا اور وہ اُنھیں کے کنار عاطفت میں پڑے ہوئے اور اُن ہی کی مدد تھی کہ پیغمبر صاحب مکے میں رہنے بھی پائے۔ پیغمبر صاحب کا رقت رقتی حال اُن کو معلوم۔ بستر مرگ پر پڑے ہیں اور پیغمبر صاحب منت کر رہے ہیں کہ چچا جان ایک بار میرے کان میں کہہ دیجیے کہ خدا ایک ہی تو مجھکو خدا سے آپ کی مغفرت کے لیئے عرض معروض کرنے کی گنجایش ہو۔ اُدھر ابوجہل بیٹھا ہوا بھکار رہا ہی کہ بس یہی وقت آزمایش استقلال کا ہی۔ آخر کار ابوطالب نے پیغمبر صاحب سے کہا بھیتجے کہتے تو سچ ہو۔ مگر لوگ خیال کریں گے کہ بڈھا مرنے سے ڈر گیا۔ سو میں تو اپنے باپ کے مذہب پر مرتا ہوں۔ ابوطالب کا یہ ایک سیاہیانہ اکھڑپن تھا ورنہ اگر اُن کا دل مسلمان نہ تھا تو دنیا میں کوئی دل مسلمان ہو نہیں سکتا۔ بہرکیف قرآن کی فصاحت و بلاغت سے تو

انکار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور پیغمبر صاحب کا اپنا سرمایۂ علمی سب کو معلوم کہ حضرت کی طبیعت تک
ناموزوں واقع ہوئی تھی اور لکھنے پڑھنے کا حال یہ کہ وحی نازل ہوتی تو کاتب کی ڈھنڈیا پڑتی۔ حدیبیہ کا
صلح نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس کے کاتب تھے اُنھوں نے لکھا ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (یہ ہیں وہ شرائط جن پر اللہ کے رسول محمد نے صلح کی) اُس پر فریق ثانی نے
اعتراض کیا کہ محمد رسول اللہ کیسا۔ اگر ہم کو آپ کی رسالت تسلیم ہوتی تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں۔
اور خانۂ کعبہ کے طواف سے روکتے ہی کس لیئے۔ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھیئے آں حضرت
تو جہاں تک بن پڑتا تھا لڑائی کا پہلو بچا جاتے تھے حضرت علیؓ کو ارشاد ہوا کہ رسول اللہ کے لفظ کو
مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ اَبَدًا (خدا کی قسم میں تو ہرگز آپ کے نام کو نہیں
مٹاؤں گا) قریب تھا کہ صلح جھنڈ ہو جائے آں حضرت نے طرفین کے اصرار کو دیکھ کر حضرت علیؓ سے
پوچھا اچھا وہ لفظ کس جگہ ہے مجھ کو بتاؤ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اُنگلی رکھ دی آپ نے خود اُس لفظ کو مٹا دیا
یعنے اتنا نہیں جان سکتے تھے کہ رسول اللہ کہاں لکھا ہے۔ پس کفار اعتراض تو بہتیرے کرتے تھے
مگر کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ شاعر کہتے ہیں تو ناموزونی طبیعت اس کا جواب دنداں شکن دے رہی ہے جھوٹا
بتاتے ہیں تو یہ شخص جھوٹے پر لعنت کرتا ہے اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ اور کہتا ہے کہ جو شخص
جھوٹ بنائے گا قیامت کے دن اُس کا کالا منہ ہوگا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰہِ
وُجُوْھُھُمْ مُّسْوَدَّۃٌ اور جو غلط دعویٰ نبوت کرے گا مرتے وقت بڑی مشکل سے اُس کی جان نکلے گی۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ
مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَکُمُ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ
تَسْتَکْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ
وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا
کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ یہ ایسی سخت قسمیں ہیں کہ کیسا ہی آوارہ اور بے باک آدمی ہو ایسی قسموں کے ساتھ جھوٹ بولنے پر

(انجام آتھم صفحہ ۵۰)

جرأت نہیں کرسکتا مجنون خیال کرتے ہیں تو اس میں کوئی بات دیوانگی کی پائی نہیں جاتی اس کی رفتار
گفتار کردار کوئی چیز بھی تو باولوں کی سی نہیں قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ
تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ غرض جتنی تہمتیں تھیں پھبتیاں تھیں مگر بونگی۔ اور جو کہتے تھے اُس کا ٹکا سا جواب
مل جاتا تھا مثلاً وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ
عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اس کو کوئی آدمی سکھا جاتا ہے سو جس کی نسبت شبہہ کرتے ہیں وہ
عجم کا رہنے والا ہے اور قرآن ٹھیٹھ فصیح عربی تو ان کا شبہہ بے اصل محض ہے یہاں لفظ لسان سے بھی ظاہر ہوتا ہے
کہ استدلال کا سارا زور قرآن کی فصاحت لفظی پر تھا۔ بعضے کہتے تھے کیوں جی قرآن سارے کا سارا ایک دم سے
کیوں نہیں اُترا۔ جواب ملتا تھا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ تاکہ پیغمبر کے دل میں جو ارشاد الٰہی ہے نقش ہوتا چلا جائے اور
لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ اور تاکہ پیغمبر لوگوں کو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سنائیں۔ غیر کفار تو الْغَرِيْقُ
يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ (ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑا کرتا ہے) ایسے ایسے بودے پھسپھسے احتمالات پیش کرتے تھے اور اُدھر
تحدی پر تحدی ہو رہی تھی۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (بنائی ہوئی دس سورتیں لاؤ) فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بات کے پورے ہو تو اس جیسی ایک سورت پیش کرو اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے
مددگاروں کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لو۔ اور اگر تم نہ کرسکو اور نہیں کرسکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جو بلا امتیاز آدمی اور پتھر
سب کو جلا کر بھسم کر دے گی) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر انسان اور جنات اس بات پر یکدل ہوں کہ قرآن جیسا کلام
بنا لائیں تو ہرگز بنا کر نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد پر کمربستہ ہی کیوں نہ ہوں) ایک بات کفار یہ بھی کہا کرتے تھے وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (اور جب ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں
ہاں جی ہاں ہم نے سنا اور چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں) اور ابھی تک اس کا اعادہ ہوا کرتا ہے مگر چودہ سو برس سے تو وہ مشیت کبھی قوت سے
فعل میں نہیں آئی۔ قرآن کی وجہ سے خون کی ندیاں نالیں بہ گئی ہیں اور ہزارہا کتابیں اسلام کی تردید میں لکھی جا چکی ہیں اور
لکھی جا رہی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک صفحہ آدھا صفحہ دس سو نہیں ایک سورت بنا کر شہرہ دیتی کہ لو قرآن کا جواب دنیا انصاف کر لیتی

ہی اسلام واحد اور ایمان واحد	ہمارا تمھارا ہی قرآن واحد
بھلا ایک ہونے میں کچھ اب بھی شک ہی	وہ[۵] مکہ کا گھر قبلۂ مشترک ہی

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی بشمول ہمارے پیغمبر صاحب کے معجزات کے جہاں تک کتابوں سے تحقیقات ہوسکے ایک فہرست بنائی جائے تو کوئی معجزہ قرآن کی فصاحت کے معجزہ کو نہیں پائے گا۔ کیوں کہ تمام معجزات واقعات تاریخی ہوگئے ہیں اور سوائے شہادت در شہادت کے کوئی ثبوت اُن کے وقوع کا ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر قرآن ایسا معجزہ مستمرہ ہو کہ ہمہ وقت تازہ ہی اب بھی جن کو میرے جتنی بھی عربی آتی ہی قرآن کے معجز ہونے میں شک و شبہہ کر نہیں سکتے لیکن افسوس ہی کہ خود مسلمان چونکہ عربی نہیں جانتے اس نعمت۔ اس کافی ذریعۂ اطمینان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے معجزہ بے قدر نہیں ہی مگر انھوں نے عربی نہ جاننے کی وجہ سے اپنے حق میں بے قدر کر رکھا ہی۔ ایک طبیب حاذق نے اشتہار دیا کہ میرے پاس ایک ایسا اچھا سرمہ ہی کہ کور مادرزاد کو بینا کرتا ہی۔ ہزاروں کور مادرزاد گئے اور سرمہ کی برکت سے بینا ہو کر چلے آئے۔ ایک شخص جس کی دونوں آنکھیں کٹورے کی طرح کھلی ہیں سرمہ کی تاثیر میں شک کرتا ہی تو اُس کو اس کے سوائے کیا جواب دیا جاسکتا ہی یا کور مادرزاد بن کر آ اور سرمے کی تاثیر کو آزما۔ یا جو کور مادرزاد سرمے سے اچھے ہوتے ہیں اُن سے پوچھ۔ معجزہ فصاحت خود بڑی قدر و قعت کا تھا مگر اس کی قدر و قعت کو اضعافاً مضاعفہ بڑھا دیا پیغمبر صاحب کے اُمی ہونے نے۔ مَا کُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (اے پیغمبر تم اس سے پہلے نہ کتاب پڑھتے رہے ہو نہ تم کو لکھنا آتا ہی کہ جو لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں جھٹلاتے بھی بھلے لگتے یہ تو اللہ کی کُھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور جاننے والوں کے دلوں میں ان کا اثر پڑتا ہی اور ہیکڑی کے سوائے کوئی اور وجہ ہماری آیتوں سے انکار کرنے کی نہیں) غرض شعر کے پہلے مصرع میں جو اُمی ہی اُس سے یہ اُمی مراد ہی اور دوسرے مصرع کا اُمی بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ (میرے ماں باپ آپ پر قربان) کا اُمی ہی ۱۲۔

[۵] قرآن پاک میں ہی اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (پہلا گھر

ہمیں اپنی نیچری خیر سمجھو | ولیکن غضب ہی اگر غیر سمجھو
نہ ہو مجتمع گر اُمومت اُبوت | بدستور قایم ہی دینی اُخوت
تعلق نہ ہوں یا بہت ہوں کہ چھوٹے | یہ رشتہ نہ ٹوٹے کسی طرح توڑے
عزیزوں سے بڑھ کر یہ پایا ہوا ہی | یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہی
یہ رشتہ جو اللہ صاحب نے جوڑا | تو لوگوں نے اس کے لیے سب کو چھوڑا

جو اس غرض سے بنایا گیا کہ لوگ سچے ایک خدا کی بندگی کریں وہ ہی جو مکے میں واقع ہو اس گھر میں اللہ کی دی ہوئی برکت اور ہدایت ہی اہل جہان کے لیئے، غرض شعر میں مکے کے گھر سے خانہ کعبہ مراد ہو زادہا اللہ شرفا ۱۲

ف مگر نیچری سمجھو تو قرآن کی اس آیت کا خیال رکھنا یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (ای مسلمانو کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی ہنسی اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اُڑائیں عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہو وہ ہنسی اُڑانے والیوں سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں کسی کی عیب جوئی نہ کرو اور لوگوں کو بُرے لقب پکار و مت ایمان لانے بعد بُرے کام کا نام بھی بُرا، اور جو باز نہ آئے گا تو اللہ کی نظر میں وہی ظالم ٹھیرے گا ۱۲

ف اس سے میری مراد ہی اشارہ کرنا طرف اُس مدارات کے جو انصار نے مہاجرین کے ساتھ کی مہاجرین اور انصار دو خطاب ہیں جو شروع شروع کے مسلمانوں کو ملے تھے۔ اسلام تھا ضعیف اور مسلمان معدودے چند۔ کفار قریش مسلمانوں کو مذہبی مخالفت کی وجہ سے ستاتے اور ایذائیں دیتے تھے پیغمبر صاحب کو اپنی ہی حفاظت کی مشکل پڑی تھی اور نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا تو عیسائی مگر وہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا جیسے ہماری برٹش گورنمنٹ اور یہ جو محرم دسہرے وغیرہ مذہبی تہواروں میں حکام کی مداخلت دیکھتے ہو یہ سب کچھ ہمارے ہی کرتوت ہیں

کہ ہم آپس میں فسادات کرتے اور چار و ناچار بقائے امن کے لیئے سرکار کو دست اندازی
کرنی پڑتی ہی اور مجھ کو وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ عجب نہیں جمعہ و جماعت کے لیئے بھی سرکار
کی اجازت درکار ہونے لگے تو یہ ہمارا قصور ہوگا نہ سرکار کا۔ بہرکیف نجاشی بادشاہ حبشہ رعایا
کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ پیغمبر صاحب نے چند مسلمانوں کو اجازت دی
کہ نجاشی کی عملداری میں چلے جائیں جن مسلمانوں نے پہلے پہل ہجرت کی اُن میں پیغمبر صاحب
کی صاحبزادی اور اُن کے شوہر حضرت عثمان بھی تھے ان لوگوں نے آرام پایا تو دوسری بار
بہت سے مسلمان نجاشی کی عملداری میں جا بسے اور یہ دوسری ہجرت تھی۔ اُدھر مکے میں قریش
کے وہی زور و ظلم چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صاحب کے قتل کے مشورے ہونے لگے
وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ (اور ایک وقت وہ بھی تھا کہ جو
لوگ مذہبِ اسلام سے منحرف تھے ایسی تدبیروں میں لگے تھے کہ اے پیغمبر تم کو قید کر دیں یا مار ڈالیں
یا دیس سے نکال دیں) اور انجام یہ ہوا کہ خود پیغمبر صاحب مکہ چھوڑ مدینے چلے گئے اور یہ تیسری ہجرت
ہوئی جس سے ہجری سنہ چلا۔ اگر کبھی موقع ملا تو میں ہجرت کا بیان مسلسل کروں گا کہ وہ
بڑا ہی موثر اور بڑا ہی دلچسپ ہی۔ پیغمبر صاحب کا مدینے میں آنا تھا کہ سب مسلمان اپنی اپنی جگہ سے
مدینے میں آ سمٹے۔ اور یہ لوگ مہاجرین کہلائے۔ ہجرت نبوی سے پہلے مدینے میں اسلام جڑ پکڑ چکا
تھا۔ ان لوگوں نے مہاجرین کی ایسی مدارات کی کہ کیا کوئی عزیز اپنے کسی عزیز کی کرے گا۔
اُس وقت سارا عرب مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کو پناہ دینا اہل
مدینے کے عقیدے کی مضبوطی کی بڑی مضبوط دلیل ہی وَاذْکُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ
(اور وہ دن یاد کرو کہ تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور اس کا ڈر لگا رہتا تھا کہ
کہیں لوگ تم کو اچک نہ لے جائیں تو خدا نے تمہارا ٹھکانا کر دیا اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور
تم کو اچھی روزی دی) مہاجرین بے سر و سامان تو تھے ہی پیغمبر صاحب نے مہاجرین اور انصار

میں بھائی چارہ کرا دیا تھا انصار نے اس مواخات کو جس عمدگی کے ساتھ نباہا اُس کی بہت سی
حکایتیں کتب سیر و احادیث میں منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ابتداے آمد مہاجرین سے پیغمبر صاحب پر
برابر انصار کا یہ تقاضا رہا کہ ہمارے مسلمان بھائی مہاجرین بے سر و سامان ہیں۔ اور ہم لوگ باغات
رکھتے ہیں آپ اِن باغات میں ہم کو اور ہمارے مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک کر دیجئے۔
آن حضرت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مہاجرین و انصار میں مواخات ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف
اور سعد بن ربیع بھائی بھائی بنے۔ سعد نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم ٹھیرے بے کس و کو اور بے
مقدور اور مجھ کو خدا نے مال بھی دیا ہے اور ایک چھوڑ دو دو بیبیاں۔ ایسا کرو کہ مال میرا تمھارا آدھا آدھا
اور جس بی بی کو کہو میں تمھارے لیے اُس کو طلاق دے دوں عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ سب تمھاری
مہربانی ہے۔ مجھ کو صرف بازار بتا دو میں آپ اپنی سب حالت درست کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
ایک انصاری کی وہ حکایت مجھ کو کبھی بھولتی ہی نہیں کہ پیغمبر صاحب کے پاس کوئی مہمان آیا۔
آپ نے اپنے گھروں میں دریافت کیا تو معلوم ہوا مہمان کے لیے کچھ موجود نہیں آخر ایک انصاری اُس کو
لے گیا۔ لے جاتے تو لے گیا مگر اُس کے ہاں بھی صرف بچوں ہی کا آسرا تھا اور بس۔ کمال تو یہ کیا
کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ اور چراغ کو کر دیا ٹھنڈا۔ مہمان کے ساتھ آپ خالی مُنھ چلاتا رہا۔
اور مہمان اکیلا کھا یا کیا۔ اس طرح ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے کام آتا تھا۔
تب کہیں جا کر دین قایم ہوا تھا۔ اگر کہیں خدانخواستہ ہمارے جیسی آپا دھاپی ہوتی تو آج اسلام
کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ پیغمبر صاحب نے جو مہاجرین اور انصار کا ایسا ربط ضبط دیکھا تو مہاجرین کو
انصار کا وارث ٹھیرا دیا۔ یعنی کوئی انصاری مرتا تو اُس کا بھائی مہاجر اُس کے عزیزوں کی طرح
اُس کا ترکہ پاتا جب مہاجرین کے پیر پرزے درست ہو گئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا
اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا (مسلمانوں اور مہاجروں کے [illegible] اللہ کی کتاب میں
ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ اپنے دوستوں کے ساتھ [illegible] اس کے [illegible]

وطن[۴] چھوٹے اور مال و اسباب چھوٹے — زن و خویش و فرزند و احباب چھوٹے

قرابت یہ تھی کس ثنا و صفت کی — کہ بنیاد تھی دنیوی سلطنت کی

اسی نے جماعت نئی اک بنائی — لگی پھرنے دنیا میں اُن کی دہائی

گدا[۵] تھے مگر بادشاہ ہوگئے وہ — تھے بندے ولیکن خدا ہوگئے وہ

اُخوّت پہ موقوف ہیں کام سارے — ہم آئے ہیں تم تک اسی کے سہارے

مسلمانوں کی جیسی حالت ہے ابتر — لکھے جا چکے اُس کے دفتر کے دفتر

نہ محتاج اظہار و ذکر و بیان ہے — کہ جو کچھ حقیقت ہے سب پر عیاں ہے

ذرا دیکھئے کیا سے کیا ہوگئے ہم — سبب کیا؟ کہ باہم جُدا ہوگئے ہم

سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہے اُخوّت — یہی ہے یہی ہے یہی اصل قوّت

یہ باہم ترقی پہ اُڑنے کا پر ہے — یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہے

(بقیہ حواشی صفحہ ۵۱۷) وراثت مواخات موقوف ہوئی۔ اور شعر میں یہ جو کہا ہے یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہے تو اس کی سند یہی مواخات جو پیغمبر صاحب نے انصار اور مہاجرین میں کرادی تھی اور قرآن میں بھی ارشاد ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۱۲

ے۵ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (مال غنیمت میں سے رسول کا حصہ اُن محتاجوں کا ہے جو مہاجرین کہلاتے ہیں جو اپنے وطن اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں سچے مسلمان)۱۲ ے۶ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ جس طرح اگلے لوگوں کو ملک کی خلافت یعنی سلطنت دی تھی ان کو بھی سلطنت دے گا اور جس دین کو اُن کے حق میں پسند کیا ہے اس کو بھی ثبات دے گا اور ان کے ڈر کو طمینان سے تبدیل کردے گا

یہی قوم کی جان روح و رواں ہی
یہی جسم قومی کی تاب و تواں ہی

الٰہی ہمیں بھی اُخوّت عطا کر
دکھا اپنی قدرت سے مُردے جِلا کر

خدا نے رسولِ عرب کو جو بھیجا
لگا بکنے کفار کے سر میں بھیجا

کہ ہم میں سے بعضے بڑے آدمی ہیں
مگر وہ رسالت کے شایاں نہیں ہیں؟

خدا اگر کسی کو پیمبر بناتا
تو جبریلؑ ان میں کسی پاس آتا

جب اس پاس کچھ مال و دولت نہیں ہی
تو اس کی رسالت رسالت نہیں ہی[۵]

خدا نے کہا تم ہو شدت سے احمق
نہیں تم کو فہمید سے بہرۂ مُطلق

رسالت نہیں ہی مگر فضلِ باری
یہ انعام ہی محض رحمت ہماری

اسے دیتے ہیں اہل پاتے ہیں جس کو
ذرا تم تو درمیاں سے دور رکھو

[۵] پیغمبر صاحب پر کافر اعتراض تو بہتیرے ہی کیا کرتے تھے مگر جواب بھی ایسے سنتے تھے کہ اُن کا جی ہی جانتا ہوگا من جملہ اعتراضات کے اس مقام پر دو اعتراضوں کی طرف اشارہ ہی ایک تو یہ کہ جزیرۂ عرب میں مکہ اور مدینہ یہی دو شہر مشہور ہیں۔ اور ان میں ہر طرح کے آدمی بستے ہیں یہ عیب کیا کہ خدا نے پیغمبری کے ان کو اختیار کیا اور بڑی بڑی لمبی چوڑی عزت والوں کو محروم رکھا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ دوسرا اعتراض گستاخی میں اس سے بھی بڑھا ہوا تھا کہ جو فضیلت پیغمبر صاحب کو عطا ہوئی ہی ہم کو بھی ملے تو ہم ایمان لائیں۔ مطلب یہ کہ ہم پر بھی وحی نازل ہو لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ سو جس طرح نظم میں دونوں اعتراض ایک جگہ بیان ہوئے اسی طرح دونوں کے جواب ایک ساتھ مذکور ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب ہی اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (کیا لگے اللہ کی رحمتوں کو آپ تقسیم کرنے) اور دوسرے اعتراض کا جواب ہی اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ کو خوب معلوم ہی کیسی جگہ رسالت کو ودیعت رکھتا ہی ہم دنیا کی برکتوں اور رحمتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا علم و ارادہ سے لوگوں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ ورنہ اپنی بہتری کے لیے کون کوشش نہیں کرتا تو منصبِ رسالت بدرجۂ اولیٰ ۱۲

ہمارے یہاں بخل و منّت نہیں ہی
بنی نوع انساں ہیں سب برابر
برستا ہی[51] مینہ سارے روئے زمیں پر
ہر اک امر[52] طی ہو چکا ہی ازل میں
دکھاتا ہی قدرت کے اپنی نمونے
بد[53] و نیک دونوں کا دیکھو تماشا
جو بالفرض بد ہی ہمیں اُس سے کد کیا
پہ ہر شخص شایانِ منت نہیں ہی
مگر کوئی ہیرا ہی اور کوئی کنکر
کہیں پھول اُگتے ہیں کانٹے کہیں پہ
کہ کیا کس کو کرنا ہی دار العمل میں
مگر بھید پایا نہ اُس کا کسو نے
و لے یہ معما کبھی حل ہو جا شا!
و گر نیک ہی ہم کو اُس کا حسد کیا

[51] شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ٭
فیضانِ رحمت الٰہی یکساں ہی۔ مگر ہر ایک کا مادۂ قابل مختلف ۱۲

[52] حدیث شریف میں آیا ہی اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَالشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ یعنی سعادت و شقاوت عالم کون و فساد میں آنے سے پہلے فی علم اللہ مقرر ہو چکتی ہی اور پھر ہر شخص دنیا میں آکر اسی کے مطابق عمل کرتا ہی۔ ایک دوسری حدیث اور بھی ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ ایک آدمی اہل جنت کا سا عمل کرتا رہتا ہی یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک بالشت کا فصل رہ جاتا ہی۔ مگر چوں کہ اللہ کے علم میں وہ شقی ٹھیر چکا تھا۔ کوئی گناہ اس سے ایسا سرزد ہوتا ہی کہ انجام کار وہ دوزخی ہو جاتا ہی۔ اسی طرح ایک آدمی ساری عمر دوزخیوں کے سے کام کرتا ہی اور آخر کار جنتی ہوتا ہی ۱۲۔

[53] یہ بحث ہی جبر و قدر کی جس میں غور اور غوض کرنے کی سخت ممانعت ہی۔ اس لیئے کہ اس قسم کی باتیں عقل انسانی سے بالاتر ہیں اور ان میں غور کرنا اسرارِ حکمت الٰہی میں دخل دینا ہی۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ ٭ تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من ست

ایک ہندی شاعر کہتا ہی ؎ نیاؤ نہ کیں کیں ٹھکرائی ٭ بن کینے لکھ لین برائی یعنے انصاف تو کیا نہیں نری زبردستی کی کہ ابھی ہم سے گناہ سرزد بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔ یہ بڑی خطرناک باتیں ہیں اور تقدیر کے مسئلے میں بحث کرنے سے کفر کا خوف ہی ۱۲۔

بہر کیف اُسی کی تھی اک شان یہ بھی
کیا لطف و انعام و احسان یہ بھی

کہ جب حدِّ غایت کو پہونچی تباہی
بڑھا مدِّ دریائے رحمِ الٰہی

خدا نے کیا ہم میں اک شخص پیدا
مسلمانوں کی قوم کا دل سے شیدا

ہو اسلام کا بول بالا کسی ڈھب
یہی اُس کا دیں ہے یہی اُس کا مذہب

جو ہو حُبِّ قومی میں ہر وقت شاغل
وہ بیچارہ کیا جانے فرض و نوافل

یہ بے دین ہے یا کہ دیندار ہے یہ
تمھاری ہی کارن دل افگار ہے یہ

مہ مہر پوجے ہیں پتھر کسی نے
مگر کی ہے قومی پرستش اسی نے

سخن قوم کا قوم سے ہی سخن ہے
اسے جاگتے سوتے بس اک دُھن ہے

نہ کیوں کر رہے ہر گھڑی دل فسردہ
کہ ہے عاشقِ قوم اور قوم مردہ

سنے ہیں بہت عاشقوں کے فسانے
جو عاشق ہو وہ عشق کی قدر جانے

مگر جب سے سرسید احمد کو دیکھا
تو سمجھے کہ ہاں عشق ہوتا ہے ایسا

محبت بجائے خودش بد بلا ہے
ذرا پوچھیئے حال قوم ان کی کیا ہے؟

مناسب[1] طبیعت کے ہوتے ہیں رشتے
کہ جس طرح کی روح ویسے فرشتے

بقدرِ طلب گر خدا اُس کو زر دے
گورمنٹ کو یہ مسلمان کر دے

مسلماں[2] کلکٹر مسلماں کمشنر
مسلمان ہر ایک صیغے میں افسر

---

[1] یہ مثل قرآن سے استنباط کی گئی ہے اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے) اور یہی مطلب ہے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کا۔ حاصل مطلب یہ کہ ممدوح کی طینت پاک تھی تو وہ مسلمانوں کی خیرخواہی کی طرف مائل ہوا۔

[2] یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ابھی حال میں ایک بنگالی صاحب [illegible] وہاں کے کمشنر مقرر ہوئے ہیں تو اگر مسلمانوں میں لیاقت و قابلیت ہو ان کو بھی عہدہ ہائے جلیلہ مل سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی ہے۔

یہی چیف جسٹس یہی سول جج ہوں — توکس دھوم سے چل کے مکّے میں حج ہوں

خدا نے اسے عقل دی فکر ثاقب — نتائج سمجھنے لگا اور عواقب

تو دیکھا مسلمان ہیٹے ہیں سب میں — مگر آگئے ہیں خدا کے غضب میں

جگر جل گیا ہوگئے دل کے ٹکڑے — یہ وہ درد ہی جو کرے دل کے ٹکڑے

لگا رونے بالائے سر ہات رکھ کر — وہ اور بیٹھنا ہات پہ ہاتھ رکھ کر

تفحص کیا کیا ہی؟ کیوں کر؟ کیوں ہی — کہ دنیا میں اسلام خوار و زبوں ہی

کھلی آخرش وجہ پستی حالت — جہالت! جہالت!! جہالت!!!

زمیں بدلی بدلا ہوا آسماں ہی — زمانہ کی اگلی سی حالت کہاں ہی

بتاتا ہی یار تیغ بکف غیر کی طرف — ای کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

اس وقت تمام برٹش انڈیا میں صرف ایک مسلمان ہائی کورٹ بنگال کے جج ہیں اور بس۔ بنگال، مدراس اور بمبئی تینوں پریزیڈنسیوں میں ایک شریف بھی مسلمان نہیں۔ اور دادا بھائی نوروجی جس مرتبہ عالی پر پہنچے سب کو معلوم ہی ۱۲ ؎ قرآن میں غضب کا لفظ صرف قوم یہود کی نسبت آیا ہی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ان پر لازم کردی گئی ذلت کہیں بھی ہوں مگر اللہ اور لوگوں کے سہارے سے اور آگئے اللہ کے غضب میں اور لازم کردی گئی ان کو خواری، سو یہود کا کیا حال ہی کرۂ زمین کے ایک چپے پر ان کی سلطنت نہیں جہاں ہیں ذلیل و خوار گویا زمین ان کو قبول نہیں کرتی اور اس وقت کے مسلمانوں کا حال یہود سے بہت باتوں میں مشابہ ہوگیا ہی اور ہوتا چلا جاتا ہی ویسے ہی مذہبی تعصبات ہیں ویسی ہی بداقبالی ہی إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۱۲ ؎ اشارہ ہی اس بات کی طرف کہ سید احمد خاں نے ولایت سے واپس کر علی گڈھ محمدن کالج کھولنے سے پہلے ایک مضمون مشتہر کیا کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے کیوں متنفر ہیں اور اس مضمون کے جوابوں پر انعام تجویز کیے۔ جواب مضمون کے بہت سے رسالے لوگوں نے لکھے اور آخر کار ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے کالج کی ضرورت ہی ۱۲

(ضمیمہ حواشی صفحہ ۵۲)

یہ ریلیں سٹیمر کلیں تار برقی ۔۔ بھلا ان کو کیا جانیں ہم لوگ شرقی
کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی ۔۔ کہ یورپ کے لوگوں کے اذہانِ عالی
نہ کرتے ہوں اک تازہ ایجاد کوئی ۔۔ ہی تم میں بھی اے قوم ناشاد کوئی
وہی جانور ہیں وہی ہیں صفیریں ۔۔ مسلماں۔ اور اپنی پرانی لکیریں
سرِ چشمۂ آبِ حیوان پیاسے[1] ۔۔ سبب کیا؟ کہ لڑتے ہیں احمق خدا سے
گئے وقت شمشیر و تیر و تبر کے ۔۔ بس اب دور دورے ہیں علم و ہنر کے
گورنمنٹ[2] کے کالجوں پر نظر کی ۔۔ تو پیٹر کی بو سے جو پوچھی مسر کی
یہ ٹھہری کہ کیوں پارسنٹ اٹھائیں ۔۔ مسلمان آپ اپنا کالج بنائیں
مگر اپنا کالج بنائیں تو کیسے ۔۔ کہاں پائیں اس کے لیے نقد پیسے
مسلمان کہتے ہیں ہاں سنکے پکارے ۔۔ کہ تعلیم کے نام سے جلتے انگارے
یہ تعلیم ہے دین و مذہب کی دشمن ۔۔ دیا ادبنٹ نارِ دوزخ کے ایندھن
جو کالج میں دینے کو سمجھے اکارت ۔۔ وہ انسٹ کا اتنا ہی ہو جائے غارت
جو کہتے ہیں بے سود مطلق ہے کالج ۔۔ گرے ایسے بہکانے والوں پہ فالج
وہ دشمن خدا کا وہ دشمن نبی کا ۔۔ ہمارا تمھارا خود اپنا سبھی کا
غرض اہلِ اسلام ہیں ایک یہ ہیں ۔۔ بدوں کا تو کیا ذکر ہیں نیک یہ ہیں
کہاں یہ لیاقت کہ دولت کمائیں ۔۔ خوشا وقت اُن کے کہ میراث پائیں
پھر آئی بھی گر مفت کی ہاتھ دولت ۔۔ تو عقل و خرد ہو گئی سر سے رخصت

لہ۔ تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ۔۔ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را ۱۲

۲ہ سلسلۂ سخن کے لیے مضمون کو یوں منتظم کر لو کہ جب مسلمانوں کی پستی حالت کی وجہ ان کی جہالت ثابت ہوئی تو خیال آیا کہ سرکار نے تعلیم کا بڑا بھاری انتظام کر رکھا ہے جگہ جگہ سکول ہیں۔ کالج ہیں یونیورسٹیاں ہیں۔ غرض سامانِ تعلیم بہتیرا کچھ مہیا ہے۔ لیکن ان میں ایک نقص ہے جس کو آگے بیان کیا ہے ۱۲۔

نہ شرم و حیا ہی نہ غیرت نہ دیں ہی
ہوا و ہوس کی جوڑ اسکے ہیں پھندے
تعلق نہیں ان کو مطلق خدا سے
تو ایسوں سے کالج کا قائم کرانا
مگر اس نے ہمت۔ خدا نے مدد کی
فقط عزم صادق کے ہیں یہ نتیجے
پسیجے و لیکن سسکتے سسکتے
سو کالج کی حالت ابھی ڈھانچ کی ہی
غضب ہی کہ مسجد پڑی ہی اُدھوری
نہ دیوار ہی اور نہ چھت ہی نہ در ہی
نہیں[1] کرتے مسجد بنا کر تو دیکھو
یہ مسجد اور اللہ کی شان اونچی
ٹھکانا نہیں ہی کہیں بورڈر کا
بہت سے ہیں تعلیم پانے کے لائق
و لے دسترس اُن کو مطلق نہیں ہی
کوئی سے چلو ہم کو کندھے چڑھا کر
بہت پاؤں پیٹے بہت ہاتھ مارے

بس اک آپ ہیں اور دلِ بے یقیں ہی
تو بس ہو گئے عیش و عشرت کے بندے
اگر قوم مٹ جائے اِن کی بلا سے
جو نے شیر کا تھا حقیقت میں لانا
جلا کی پڑی آگ رشک و حسد کی
کہ آخر مسلمان رہتے ہیں پیچھے
زبان وہاں تھک گئے بکتے بکتے
بنی کیمیا پر کسر آنچ کی ہی
بتاؤ ضروری ہی یا ناضروری
وہ کس کا خدا ہی کہ جس کا یہ گھر ہی
پر اپنے گھروں سے ملا کر تو دیکھو
وہی پھیکا پکوان دُکان اونچی
وہ بیچارہ نہ گھاٹ کا اور نہ گھر کا
لکھانے پڑھانے سکھانے کے لائق
تو کیا قوم پر اُن کا کچھ حق نہیں ہی
کہ ہم تھک گئے [illegible] منزل پہنچ کر
بنو خضر بیڑا لگا دو کنارے

[1] یعنی یوں تو مسجد کے بنانے والوں کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہی کہ جو اللہ کے لیئے دنیا میں مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اُس کے لیئے جنت میں ایک گھر بنوا دیگا آخر اس بشارت پر عمل کرنے کو چاہیئے حُسن عقیدت۔ مگر اتنا تو کرو کہ اللہ کے اس گھر کو جو علی گڑھ محمدن کالج میں ہی یعنی مسجد کو اپنے گھروں کے مقابلہ کرکے دیکھو کہ تمہارے گھر اچھے ہیں یا یہ خدا کا گھر جس کی نہ دیوار ہی اور نہ چھت ہی نہ در ہی ۱۲-

لبِ بام دور اور کمند اپنی چھوٹی
کہاں تک کفایت کرے اک لنگوٹی

بہت آرزوئیں ہیں ارماں بہت ہیں
ابھی ہم کو درکار ساماں بہت ہیں

یہ جی چاہتا ہے کہ کالج ہمارا
ہو تعلیم کا اک چمکتا ستارا

کہ ہم کو ترقی کا رستہ دکھائے
ہمیں اہلِ یوروپ کا ثانی بنائے

دلوں کو خوش و خرّم و شاد کر دے
اس اُجڑے نگر کو پھر آباد کر دے

یہ کھیتی جو مدت سے سوکھی پڑی ہے
لگے لہلہانے کھڑی یا پڑی ہے

نہ اس کی سی اعلیٰ عمارت کہیں ہو
جو کالج کی خوبی ہے وہ سب یہیں ہو

پروفیسر اس کے گر جتنے برستے
اگر ڈبل[۱] پے پر بھی مل جائیں سستے

ہر اک فن میں ہو ان کو کامل بصیرت
ہو انگریز لیکن مسلمان سیرت

ہر اک بورڈر پاس ایسا مکاں ہو
کہ آسائشِ جسم و آرامِ جاں ہو

بہت لوگ ہیں ہم کو مُسرف بتاتے
پر اے کاش وہ اصل مطلب کو پاتے

ہمیں پاس اسلام کا آپڑا ہے
کہ اس کا خدا رکھے رتبہ بڑا ہے

تو جو چیز اسلام کے نام کی ہو
وہ ایسی ہی عزت کی اور کام کی ہو

نہیں ہم کہ ہو جائیں خوش دال کھا کر
اگر ہم جئیں گے تو تر مال کھا کر

بہت دور ہیں ہم نراسوں کی آسیں
بجھیں وہیں زور داروں کی پیاسیں

رہیں گے تو ہم ہو کے برتر رہیں گے
وگرنہ اسی رنج میں مر رہیں گے

اگرچہ چند شخصوں نے زحمت اٹھائی
اور آخر کو بالفرض ڈگری[۲] بھی پائی

لگی نوکری خوب کھایا کمایا
مگر قوم نے اُن سے کیا نفع پایا

یہ سب مدرسے ہیں فضول اور زائد
کہ شخصی منافع ہیں ذاتی فوائد

۱؎ دوچند تنخواہ ۱۲۔

۲؎ درجۂ فضیلت جیسے بی اے ایم اے وغیرہ ۱۲۔

رہے ہم تو ویسے ہی بدتر کے بدتر
بنائیں گے یہ قوم کیا خاک پتھر

نہیں کہتے ہم مت پڑھاؤ پڑھاؤ
مگر دستداران اُمت بناؤ

دلوں میں بھرو ان کے اونچے ارادے
کہ اے بندے تجھ کو نیکی خدا دے

حمیّت وہ اسلام کی جوش مارے
کہ سب ساتھیوں کو لگا دے کنارے

ہماری غرض اور غایت یہی ہے
ہمارے سفر کی نہایت یہی ہے

تو فرمائیے کس کی منزل کڑی ہے
ہمیں قوم کی۔ ان کو اپنی پڑی ہے

ہمارے اور ان کے طریقے جُدا ہیں
کہ ہم عرش پر اور یہ تحت الثریٰ ہیں

اگرچہ[1] ابھی کورس میں منحصر ہیں
مگر ہم فقط وقت کے منتظر ہیں

دکھائیں گے گر پا گئے مال و زر ہم
اُڑیں گے نکالیں گے جب بال و پر ہم

ہو کالج میں یہ امر بالشان مہتمم
کہ تعلیم پر تربیت ہو مقدم

سٹوڈنٹس پہ ایسی جاوی نظر ہو
کہ گر خواب دیکھیں تو سب کو خبر ہو

وہ ڈسپلن اور ضبط اوقات سیکھیں
شریفانہ طرز مدارات سیکھیں

ہو عنوان خط جوں لفافے سے ظاہر
طبیعت کی نیکی قیافے سے ظاہر

جو دل میں ہو صاف اُس کا اظہار کر دیں
خطا ہو گئی ہو تو اقرار کر دیں

ہو قومی محبّت دلوں میں سمائی
وہ اسلام کے نام پر ہوں فدائی

کیا ہو جو کالج نے ہموار اُن کو
کریں اپنے بیگانے سب پیار اُن کو

نمونے ہوں شاگرد و اُستاد دونوں
تو پھر دین و دنیا ہوں آباد دونوں

کچھ ایسا وقار اُن میں آیا ہو بڑھ کر
کہ آپ اپنی عزت کریں سب سے بڑھ کر

ہو گر حاصل ہست آمد کسی کی
نہ بن آسکے اُن سے خوشامد کسی کی

مطیع اولی الامر و منقاد ہوں وہ
رعایا سے محکوم و آزاد ہوں وہ

[1] یعنی علی گڈھ محمڈن کالج کی پڑھائی وہی ہے جو دوسرے کالجوں میں ہے ۱۲-

سٹوڈنٹس تیغِ دو دم ہو کے نکلیں	سپاہی اور اہلِ قلم ہو کے نکلیں
نہ مضرت شستہ سے جائیں حسب آئیں	نکل جائیں کوسوں جو چلنے پہ آئیں
رہی ہو جو مشتاقِ صبح خیزی	طبیعت میں جودت ہوا سوں میں تیزی

سلہ جب سے مسلمانوں کی روئی دُھنکی جانی شروع ہوئی یعنی جب سے رفارمر پیدا ہوئے (اور بڑھے ہیں تو کیا ہے رفارمر کے ہر انداز سے ابھی بچے ہی ہیں ہمارے سامنے جنم لیا اور ہمارے ہی سامنے بولنا سیکھے) تب سے اور صرف تب ہی سے مسلمانوں کے عیب و صواب پر نظر پڑنے لگی۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی اوہام اور تعصبات ان کو دنیا میں پنپنے نہیں دیتے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان کو انگریزوں سے اور ہر چیز سے جو انگریزوں کو چھو گئی ہو نفرت اور گریز ہے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ گارے پیر باندھ کر دریا میں رہنا چاہتے ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ علوم جدیدہ سے جو شرطِ زندگی قرار پا گئے اور پاتے چلے جاتے ہیں ناواقفِ محض ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ کم ہمت بلکہ بے ہمت اور کاہل ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان میں خود غرضی اور پھوٹ اور نااتفاقی ہے۔ غرض تب سے اور صرف تب ہی معلوم ہوا کہ مسلمان چیونٹیاں بھرے کباب ہیں۔ معلوم ہوتے ہی جن کے دلوں میں قومی ہمدردی اور اسلامی محبت تھی بعض اپنے دلی تقاضے سے اور بعض دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی اپنی جگہ رفارم کی تدبیریں کرنے لگے۔ جگہ جگہ مدرسے بن گئے۔ انگریزی کلاسوں میں مسلمانوں کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ بعض نے ڈگریاں اور ڈگریوں کے ساتھ نوکریاں بھی پائیں۔ بعض نے میرے خلافِ رائے انگریزی طور طریقے بھی اختیار کر لیے۔ کتنی انجمنیں بن گئیں۔ کتنی سوسائٹیاں کھڑی ہو گئیں۔ اخباروں کی حالت ورنیکولر لٹریچر (زبانِ اردو کی انشا پردازی) کی ٹون (لَے) بدل گئی۔ مذاق پلٹ گئے۔ سروں میں اونچی ہوس کے خیالات گونجنے لگے۔ غرض رفارم کی لائین (رستے) میں کچھ بلکہ مجھے کہنا چاہیے بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ اور بیان مختصر کچھ نہ کچھ چلتا پھلتا ہے۔ مگر ایک بات ہے جس پر رفارمروں نے پورا پورا زور نہیں دیا۔ اور مسلمانوں کے ذہن اس کے لیے اچھی طرح سے نہیں کھولے گئے وہ کیا ہے؟ مارشل سپرٹ (سپاہیانہ مزاج) ہے اس کو قوم کی لائف (زندگی) سمجھتا ہوں یہی ٹھہرا معیار اس امر کی شناخت کا کہ قوم مر گئی یا زندہ ہے۔ اور

(بقیہ حواشی صفحہ ۲۹۵)

زندہ ہی تو اُس میں کتنی جان ہی۔ قوموں کا عروج اور تنزل ایک معمولی بات ہی اور جب سے دنیا کا آغاز ہی تب ہی سے اس انقلاب کا بھی پتہ چلتا ہی۔ مگر تاریخ ہم کو پورا پورا یقین دلاسکتی ہی کہ مارشل سپرٹ ہی اس انقلاب کا فیکٹر (مدار و معیار) رہی ہی۔ اسلام نے بھی اسی نیچرل قاعدے سے ترقی کی تھی۔ یعنی اُس وقت کے مسلمانوں میں مارشل سپرٹ بڑے زوروں پر تھی۔ پھر جب وہ سلطنت پاکر عیش و آرام میں پڑگئے۔ مارشل سپرٹ کم ہوتے ہوتے سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اب جو کہیں کہیں کسی قدر برائے نام باقی ہی۔ چوں کہ مارشل سپرٹ سے اُس کو کافی مدد نہیں ملتی اس کا بقا بالکل بھروسے کے قابل نہیں عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (کنارے پر تیلی ڈھانگ کے جس کو دریا کاٹتا چلا جارہا ہی) ع

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

لیکن کیا سلطنت کے ساتھ ہم کو مارشل سپرٹ سے بھی صبر کرلینا چاہیئے۔ اگر ایسا کریں اور افسوس ہی کہ ہم ایسا ہی کررہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم برسوں کے مٹتے کل اور کل کے مٹتے آج اور آج کے مٹتے ابھی مٹنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم میں سے مارشل سپرٹ نکل گئی تو رفارم کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکے گی۔ مارشل سپرٹ کے نکلنے پیچھے ہم میں نہ غیرت باقی رہے گی نہ حمیت نہ سلف رسپکٹ (خودداری) نہ سلف ہلپ (آپ اپنی مدد) نہ ترقی کی گدگدی۔ یہ امن جو ہم کو برٹش گورمنٹ کے ظلِّ عاطفت میں حاصل ہی چپکے چپکے مارشل سپرٹ کو گھٹاتا اور کمزور کرتا چلا جارہا ہی۔ اور مارشل سپرٹ کے گھٹنے اور کمزور ہونے کے آثار ہم پر مترتب ہوچلے ہیں۔ نہ ہم میں وہ اگلی نسلوں کی سی توانائیاں ہیں نہ ویسی پھرتی ہی نہ ویسی جفاکشی ہی۔ نہ ویسے دل مضبوط ہیں۔ غرض ہم مسلمانوں کی مارشل سپرٹ سیکڑوں برس سے روبہ انحطاط ہی۔ تاہم اپنے زمانہ سلطنت میں مرتے سے پڑے ایڑیاں رگڑتے گئے۔ اب اس عہد عافیت مہد میں مارشل سپرٹ ایسی غفلت کی نیند پڑی سو رہی ہی کہ بیچاری کو کروٹ بدلنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ آدمی تو آدمی ہم دیکھتے ہیں دیوار پر جس زور سے گیند مارو اُسی زور سے دیوار گیند کو اُچاٹ دیتی ہی۔ یعنی جمادات تک میں ایک قسم کی مارشل سپرٹ ودیعت رکھی گئی ہی اور جانوروں میں تو ظاہر بات ہی کہ چیونٹی پر پاؤں پڑ جاتا ہی تو وہ بھی اُلٹ کر کاٹے بدون نہیں رہتی۔ گو آخرِ کار دب کر اُس کا کچلا ہی کیوں نہ ہوجائے کیا عقل جائز رکھ سکتی ہی کہ ایک قوت ایک ضروری اور بکار آمد قوت جو جا فزا نظامِ نوعی ہی

جمادات کو ملے نباتات کو ملے حیوانات کو ملے اور انسان اشرف المخلوقات کو نہ ملے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے یہی مارشل سپرٹ انسان کا ہتیار ہے۔ سرکار نے بتقاضائے مصلحت انتظامی ہم لوگوں سے ہتیار لے لیئے ہیں مگر یہ ہتیار یہ مارشل سپرٹ کا ہتیار نہ ہم سے لیا جا سکتا تھا اور نہ سرکار نے اس کے لینے کا قصد کیا بلکہ استحقاق حفاظت خود اختیاری کا تسلیم کیا جانا اس سلاح کے رکھنے کا لیسنس ہے۔ اگر صرف خواص کے برتے پر رہتے تو مارشل سپرٹ اب تک کبھی کی مسلمانوں میں سے ناپید ہوگئی ہوتی۔ مگر ہم اپنے عوام کے بہت شکرگزار ہیں کہ اُن کی بدولت یہ چراغ ابھی تک ٹمٹما رہا ہے۔ اگرچہ ہم اُن کو سخت ملامت بھی کرتے ہیں کہ وہ اس قوت سے اکثر نہایت نامناسب طور سے کام لیتے ہیں۔ مارشل سپرٹ فی نفسہٖ ہی عمدہ چیز ہے اور اس میں بُرائی ہے تو یہ ہے کہ وہ نااہلوں کے بس میں پڑی ہے۔ اگر اس بُرائی کی نظر سے مارشل سپرٹ کے دبا دینے اور کچل دینے کی صلاح دی جائے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے بعض لوگ تعلیم نسواں کے مخالف ہیں اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ مستورات لکھنے پڑھنے کی قوت سے نامناسب کام لیں تو کیوں نہ یہ ہاتھ خشک کر دیئے جائیں کہ ایسا نہ ہو کسی کو ماریں۔ کیوں نہ آنکھیں پھوڑ دی جائیں کہ ایسا نہ ہو نظر بری جگہ پڑے۔ اگر مارشل سپرٹ کو عوام بُرے طور پر کام میں لاتے ہیں تو اس کا الزام کس پر ہے؟ خواص پر جن کی مارشل سپرٹ آرام طلبی اور بزدلی اور کاہلی کی وجہ سے منطفی (بجھ) ہوگئی ہے اور وہ اُس کو ریوائیو (دوبارہ زندہ) بھی نہیں کرنا چاہتے اور نہ عوام کے لیئے تعلیم کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو نیک و بد کی تمیز ہو۔ مارشل سپرٹ لوگوں کے اسٹیمیٹ (اندازہ) میں ایسی ذلیل ہوگئی ہے کہ وہ اُس کو عیب سمجھنے لگے ہیں دون مرتبت شرافت۔ اور جب تک وہ صرف عوام کے ہاتھ میں ہے بے شک عیب ہے۔ اور دون مرتبت شرافت بھی ہے۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں جتنے ریفارم سوچے جاتے ہیں مارشل سپرٹ کا ریوائیول ریفارم کرنا سب پر مقدم ہے اگرچہ یہ محل پولیٹکل باتوں کے بیان کرنے کا نہیں ہے اور نہ میں ان معاملات میں رائے زنی کی لیاقت رکھتا ہوں۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب بھی مسلمانوں کو اگر کچھ یوں ہی سی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو اسی مارشل سپرٹ کے لحاظ سے۔ کیا شمار کیا دولت۔ کیا لیاقت کل اعتبارات سے ہم ایسے ضعیف ہیں جیسے مچھر۔ مگر مارشل سپرٹ کا ایک ذرا سا ڈنک ہمارے پاس ہے گو وہ سانپ اور بچھو کا سا ڈنک نہیں ہے مگر ذرا کی ذرا

نہ شطرنج و گنجیفہ کی بازیاں ہوں — اُچھل کود ہو اور کلا بازیاں ہوں
ہر اک بات میں اُن کی کردار مردی — نزاکت ہو اُن کے لیئے عار مردی

بے چین کرنے کے لیئے کافی ہی۔ جو شخص اخبار پر نظر رکھتا ہی وہ جان سکتا ہی کہ یورو پین پُورز (سلطنت ہائے یوروپ) میں کس درجے کا محاسدہ ہی۔ ہر چند بعض صلح پسند سٹیٹسمین (منتظمانِ ملک) کی تدابیر سے یہ آگ دبی ہوئی ہی لیکن کیا جانیں کب بھڑک اُٹھے گی۔ اگر خدانخواستہ بھڑکی تو مسلمان نرے تماشائی نہیں ہوں گے لیکن کون مسلمان؟ وہی جن میں مارشل سپرٹ ہی؟ — نہ ہم بیٹھے لکھنی چند کہ جن میں کا ایک میں ہوں۔ باوجودیکہ نو برس حیدرآباد رہ آیا ہوں۔ اور یہ میری عمر ہی مگر آج تک اپنے ہاتھ سے بندوق چھوڑنے کا اتفاق نہیں ہوا مارشل سپرٹ کے اعتبار سے اس کو چاہو میری عمر کے کارناموں میں گن لو کہ میں بندوق کی آواز سے ڈرتا نہیں۔ مگر ہاں چونک تو پڑتا ہوں۔ اور یہ ہمت بھی اس سے ہوئی ہی کہ ہمارے یہاں ہر روز ایک چھوڑ دو دو توپیں چلتی ہیں۔ دوپہر کی ایک اور رات کے ساڑھے نو بجے کی ایک۔ مارشل سپرٹ کو جیتا جاگتا رکھنے کے لیئے گورنمنٹ کی پالیسی (منشا) کے لحاظ سے جو ہم کر سکتے ہیں اور جو ہم کو کرنا چاہیئے یہی ہی کہ ہم مردانہ وار کھیلوں کو تعلیم کا کمپلسری سبجکٹ (مضمون جبری) قرار دیں جیسا کہ ہم نے علی گڈھ محمدن کالج میں کر رکھا ہی۔ اس سے مسلمان لڑکے ڈل (اھدی) اور آئیڈل (سُست) نہیں ہونے پائیں گے۔ اِن کی صحت بدنی محفوظ رہے گی۔ آیندہ نسلیں توانا اور چونچال ہوں گی۔ بالفعل یہ لوگ بلّے اور گیند سے کھیلیں گے اور آیندہ شاید ایسے مواقع پیش آئیں کہ بلّے کی جگہ تلوار ہو اور گیند کی جگہ سر۔ مگر کن کے؟ دشمنانِ برٹش گورنمنٹ کے غرض سپاہی اور اہلِ قلم سے میری مراد یہ تھی جو میں نے بیان کی ۱۲۔

[5] یہی اُچھل کود ہی جس کو شیخ ابراہیم ذوق نے بڑی حسرت کے ساتھ یاد کیا ہی فرماتے ہیں ؎

عہدِ پیری نے چھڑایا دوڑ چلنا کودنا — ہائے طفلی کھیلنا کھانا اُچھلنا کودنا

اُچھلنے کودنے کا مرثیہ ظفر نے کیسے عمدہ لفظوں میں کہا ہی ؎

ایک وقت تھا کہ اُڑتے تھے وقت دو دو — پھر یہ ہوا گزر نے لگے پھل کود کے
اب حال یہ ہی عالمِ پیری میں اے ظفر — باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

تکلف سے دور اور تصنع سے عاری — بجا لائیں خود اپنی خدمت گزاری

نہ کاہل نہ عاجز نہ بے دست و پا ہیں[1] — یہی لوگ مخدوم خادم نما ہیں

یہ کالج ہی جیسا کہ ہم چاہتے ہیں — کچھ اب سمجھے کیوں ہم رقم چاہتے ہیں

اگر پل ہی یا باغ ہی یا کنوا ہی — کوئی کام دنیا میں بے زر ہوا ہی

تو کیوں کر یہ اتنا بڑا کارخانہ — کہ کھپ جائے قاروں کا اس میں خزانہ

سوا ایسے ہی کالج کی تدبیریں ہیں — اٹھائیں گے نخرے جو تقدیریں ہیں

برا بھی سنیں گے کڑی بھی سہیں گے — یہ کالج تو ہم بھی بنا کر رہیں گے

تمھاری سی قسمت ہمیں بھی خدا دے — کرے قوم اور سید احمد دعا دے

کہاں یہ مقدر نصیب ایسے کس کے — کہ اکسیر مہماں ہو گھر میں مس[2] کے

مگر تجھ پہ پنجاب فضل خدا ہی — کہ نازل ترے سر پہ قومی ہما ہی

برہمن نے مر کر رسوئی بنائی — اور آخر کو لالہ نے کھائی اڑائی

لڑائی نہ ٹنٹا نہ جھگڑا نہ قصہ — ہی تکمیل کالج تمھارا ہی حصہ

ہوئی ہی کسی کو بھی یہ بات حاصل — لگا لو لہو اور شہیدوں میں داخل

عمارت میں کیا ہی بس ایک اینٹ باقی — پلاتے تو ہو دُرد دیتے ہو ساقی

اگر بے دیئے ہم کو دے دو گے دھکے — تو فریاد دے جائیں گے ہم بھی سکے

---

[1] دسمبر ۱۸۹۳ء کی کانفرنس میں علی گڈھ محمدن کالج کے تمام طلبہ باوجودے کہ ان میں اکثر خوش حال اور معزز تھے کانفرنس کے مہمانوں کی کل خدمتیں اپنی ذات سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کی پاسبانی حقیقت میں ان لڑکوں کا برتاؤ دیکھ کر علی گڈھ محمدن کالج کی قدر معلوم ہوتی تھی کہ یہیں کیا جاتا ہے جو لڑکوں کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ جری اور بے تکلف اور ملنسار بناتی ہے۔

[2] مس سے مراد ع

سخاوت [illegible]

مدینے میں جاکر کے ہم دیں گے دھرنا
رسولِ خدا سے شکایت کریں گے
نہیں تم ہماری طبیعت سے آگاہ
ہم اک اک سے اور اُسکے اچھے سے لیں گے
نہ کیوں لیں کہ تعلیم کے پیشوا ہیں
از آنجا کہ کالج کے ہم ہیں ٹرسٹی
ہم اپنے اُدھارے ویئے مانگتے ہیں

تو اُس وقت پر کوئی شکوہ نہ کرنا
نہ ہم پھر کسی کی رعایت کریں گے
ہم۔ ادر یئے لیئے جائیں استغفر اللہ
بڑے دل سے دے پاکر اچھے سے لیں گے
امینانِ کالج ہیں قومی گدا ہیں
ضرور آ پڑی ہے ہمیں سرپرستی
کہ تم سے تمھارے لیئے مانگتے ہیں

بڑی گفتگو اور بہت بات ہولی
تو بھر دیجئے اب فقیروں کی جھولی

اُنیسواں لکچر

جو مدرسۂ طبیہ دہلی کے پانچویں سالانہ جلسے میں ۲۸۔ اپریل سنہ ۱۸۹۴ء کو دیا گیا

اس جلسے میں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور ڈسٹرکٹ جج و سول سرجن و سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس صاحبان اور تقریباً کل عمایدِ شہر ہندو مسلمان جمع تھے۔ مولوی صاحب اپنی عادت کے موافق بڑا لکچر دینے والے تھے مگر وقت اور موسم اور صاحبانِ انگریز کے لحاظ سے صرف ایک گھنٹہ تک لکچر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیا تو ہوں کہ کچھ حقِ خدمت ادا کروں
لیکن خیال میں نہیں آتا کہ کیا کروں

کھڈا کے سینگ تیر سے بچھڑوں میں آ ملوں
قانونِ شیخ مول لوں اور طب پڑھا کروں

جو کچھ پڑھائیں کاوش و تحقیق سے پڑھوں
یعنی کہ بات بات پہ جھگڑوں لڑا کروں

تحصیلِ طب میں محنت و زحمت کی داد دوں
سالانہ امتحانوں میں اول رہا کروں

انعام میں کتاب اگر دیں تو صبر و شکر
تمغا ملے تو فخر سے زیبِ قبا کروں

حاضر رہوں مطب میں بلا ناغہ صبح و شام
مشقِ علاج کے لیے نسخے لکھا کروں

آنکھوں کے بند کرتے گزر جائیں پانچ سال
لیکن حیات کہتی ہے میں بھی وفا کروں

اچھا اگر یہ ہو نہیں سکتا تو کم سے کم
عبدالمجید خاں کی مدح و ثنا کروں

یہ مدرسہ انھیں کی عنایت کا فیض ہے
میں وہ نہیں کہ جھوٹ کہوں ادّعا کروں

ممکن نہیں ہے ان کے فضائل کا عد و حصر
گو عمر بھر قصائدِ مدحی کہا کروں

احسان ان کے کس سے عوض ہو سکے مگر
بہرِ جزا حوالہ بذاتِ خدا کروں

لیکن نہ اپنا شیوہ خوشامد نہ ان کا عُجب
کیوں ترکِ وضع کر کے انھیں بدمزہ کروں

ایک کام اور بھی ہے اگر مجھ سے بن پڑے
پھر پھر کے اپنے آپ پہ صدقے ہوا کروں

مل جائے کوئی گانٹھ کا بھرپور سادہ دل
لگ چل کے اس سے اپنے تئیں آشنا کروں

پھر بعد معرفت کے بڑھے اس سے ربط و ضبط
وہ میرے دل میں اور میں اس کے میں جا کروں

افسانے میں کہا کروں اور وہ سنا کرے
مذکور وہ کیا کرے اور میں سنا کروں

صحبت ہو سازگار تو اک وقتِ خاص میں
اظہارِ مطلب و غرض و مدعا کروں

طرزِ سخن میں جادوئے بابل کا رنگ دوں
الفاظ میں کرشمۂ معجز نما کروں

طلبۂ مدرسے کے بیاں کر کے فائدے
چندے کی اس سے آرزو و التجا کروں

وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکا سا جواب دے
یا وعدہ جو کہ تا بہ قیامت وفا نہ ہو
کیوں کر ہو کس کے دل سے ہو کس طرح اختیار
واللہ مجھ سے ہو نہیں سکتا (ہو کار خیر)
اگر کہتے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں
دیوار و در کو وجد ہو رگ جاں میں ہچکیاں
اے قوم تیری ہمت و غیرت کو کیا ہوا
پر قوم (ہائے قوم) ہے مصداق صم و بکم
تجھ کو قسم ہے سننے کی اور مجھ کو بات کی
القصہ میں عجیب عبث ہیچ کارہ ہوں
سعی لزعیم اگر نہیں جہد المقل تو ہے
پیدا ہو غیب سے کوئی مرد خدا کہ میں
ان وسٹ کر دوں اس میں کفایت کی قدر فنڈ

یا چپ رہے کہ میں اُسے بیٹھا تکا کروں
کچھ خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں
آئین وطرز و عادت و شان گدا کروں
مثل فقیر ہاتھ پساروں صدا کروں
محفل میں شور شیون و ماتم بپا کروں
گر حال زار قوم پہ قصد بکا کروں
تو ہی قصور وار تو کس کا گلہ کروں
ناخن کہاں سے لاؤں کہ یہ عقدہ وا کروں
کیا میرا سر پھرا ہے کہ ناحق بکا کروں
بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں
اس مدرسے کے حق میں خدا سے دعا کروں
طبی سکول چھوڑ کے کالج بنا کروں
دار الشفا کو رشک دار البقا کروں

اگر میں اس قسم کی باتیں کروں کہ مدرسۂ طبیہ دہلی کا پانچواں سالانہ جلسہ ۲۸- اپریل ۱۸۹۴ء کی صبح کو مدرسے کے بانی مدرسے کے سکرٹری مدرسے کے پروفیسر مدرسے کے الفا اور اومیگا یعنی مدرسے کے ہمہ اوست اور ہمہ از وست حکیم عبد المجید خاں کے مکان میں منعقد ہوا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر زیب دہ کرسی صدارت اور انکے صاحب ادر ڈھکلے صاحب اور فلاں صاحب یعنی کریم اوف دی سوسائٹی آف ڈہلی (رؤسائے شہر دہلی) محمڈنز اینڈ دل آینہ ہنڈوز (مسلمان اور ہندو) رونق افزائے جلسہ تھے۔ سکرٹری نے خوش الحانی کے ساتھ بے تکان رپورٹ پڑھی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے اپنے دست خاص سے کامیاب طلبا کو تمغے اور انعام تقسیم کیے اور جلسہ بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تمام ہوا۔ اگر میں اس قسم کی باتیں کروں تو میں آپ اپنے تئیں ملامت کروں گا کہ میں لکچرار کی ڈیوٹی کے ادا

کرنے میں قاصر رہا۔ ایسی باتیں تو ایک سٹریل نیٹو اخبار کا تکیل کارسپانڈنٹ بھی کرسکتا ہے اور مجھ سے
بہتر کرسکتا ہے اور میں پہلے بھی اسی مدرسے کے کسی سالانہ جلسے میں کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں۔
اور خدا جانے کتنی بار اور کہوں گا کہ مدرسۂ طبیہ کے جلسوں میں لکچر دینے کے لیئے چاہیئے پروفیشنل
مین (طبابت پیشہ) اگر وہ طب یونانی اور انگریزی ڈاکٹری کا جامع ہو تو سبحان اللہ۔ نورٌ علیٰ نور۔ ورنہ
نرا ڈاکٹر ورنہ نرا طبیب۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت ست۔ مگر نہیں معلوم ایسا لکچرار بہم نہیں پہنچتا یا کسی
مصلحت سے اُسے کھڑا نہیں کیا جاتا۔ لاکر کھڑا کر دیتے ہیں مجھکو کہ میں خوش قسمتی یا بدقسمتی سے (اور
چوں کہ میں بے مدد طبابت عمر طبعی کے کنارے آلگا ہوں میں تو اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گا) غرض لاکر
کھڑا کر دیتے ہیں مجھکو۔ کہ میں اپنی خوش قسمتی سے اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ طبابت ہے کس مرض کی دوا۔
اس مجبوری پر نظر کر کے گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت ست۔ کی جگہ یوں کہنا چاہیئے گندم اگر بہم نرسد بھس
غنیمت ست۔ اب جو میں کرسکتا ہوں وہ اس سے زیادہ نہیں کہ عام طور کے کچھ ریمارک کر دیتا ہوں
نہیں معلوم پروفیشنل مین ان کو سُن کر ہنستے ہیں یا خوش ہوتے ہیں۔ پروفیشنل مین نہ ہونے کے علاوہ
ایک رکاوٹ اور بھی ہے کہ طبیہ مدرسے کی سلو پروگرس (دھیمی رفتار) یا اُس کی بے سر و سامانی۔ یا
اس کی مایوسانہ حالت پر جو ریمارک کیئے جائیں اُن کی نسبت ایسا خیال کیا جاسکتا ہے کہ اعتراض
ہے عبدالمجید خاں پر اور اُن کی کارروائی پر۔ اول تو میرا یہ قصد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ہو بھی تو میں نہیں
سمجھتا کہ عبدالمجید خاں پوست کے ایسے ہلکے ہیں۔ اے جناب طبی مدرسہ اور عجیب طرح کا طبی مدرسہ
یونانی اور وید کی اور انگریزی طبابتوں کا معجون مرکب جس کی نظیر نہ کبھی تھی اور نہ کہیں ہے ایسا عجیب مدرسہ
بنانے کا۔ یعنی ایجاد مشکل ہی نہیں بلکہ ایجاد محال کا۔ بیڑا اُٹھایا ہے تو اوکھلی میں سر دیئے پیچھے دھمکوں سے
ڈرنا کیا۔ اگر آپ کا خیالی پلاؤ پک گیا اور دنیا ایک عجائب خانہ ہے۔ انچہ در وہمت نیاید آں کنند
اس میں خیالی پلاؤ کا پک جانا کچھ چنداں عجب بھی نہیں۔ اور پھر آپ کا خیالی پلاؤ۔ غرض آپ کا یہ خیالی پلاؤ
پک گیا تو اس کا کریڈٹ۔ (صلہ) بھی تو آپ ہی لیں گے۔ اس معجون کے نسخے کے موجد بھی تو آپ ہی
سمجھے جائیں گے۔ مسلمانوں کی چودھویں صدی کے بڑے ریفارمر اور بنی نوع انسان کے بڑے

محسن اور بڑے شخص بھی تو آپ ہی کہلائیں گے۔ لیکن جب تک یہ خیالی پلاؤ پکے بدگمانیوں کا دھواں اور اعتراضات کی چنگاریاں۔ اور طعن و تشنیع کی حرارت یہ مصیبت بھی آپ ہی کو برداشت کرنی پڑے گی۔ کیا آپ وہ قاعدہ جاری کرنا چاہتے ہیں کہ کڑوا کڑوا تھو تھو اور میٹھا میٹھا ہپ ہپ۔ یہ طبابت نہیں کہ جو مریض مرتا گیا خدا کے نامۂ اعمال میں لکھواتے اور جو اچھا ہوتا گیا اپنے خوارق العادات کی فہرست میں شامل کرتے گئے یہ فونڈر (بانی) آف کالج بننا ہی عشق ہست ہزار گونہ خواری۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کام جو آپ نے شروع کیا ہے اس کا حال بھی آدمی کا سا ہے۔ آپ کا مدرسہ عمر کا جو حصہ طے کر چکا ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اے حکیم عبد المجید خاں صاحب آپ مجھے معاف کیجیے گا کہ میں خدانخواستہ مخالفت یا شماتت سے نہیں بلکہ دل سوزی سے کہتا ہوں کہ اس مدرسے کی افتاد توقع کے مطابق نہیں۔ اگر یہ مدرسہ سن طفولیت میں ایسا ٹھٹھرا ہوا ہے تو ہم اس سے بڑے ہونے کی اور بڑے ہو کر توانا و تن درست ہونے کی امید نہیں کر سکتے۔ میں خدا کے فضل سے نہ صرف علی الرغم طبابت یونانی۔ بلکہ ان سپائٹ آف انگلش میڈسن تو (برغم انگریزی ڈاکٹری بھی) بہت کم بیمار ہوتا ہوں بلکہ نہیں ہوتا اور اس کا سبب جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہی ہوگا کہ میں نے دوا اور علاج کا روگ اپنے پیچھے نہیں لگایا۔ مجھے بعض دوست ترغیب دیا کرتے ہیں کہ فلاں حبوب جاڑے میں ایک چلّہ بھر کھا لو تو از سر نو جوان ہو جاؤ انگریزی اخباروں میں بہت سی دواؤں کے اشتہار نظر سے گزرتے رہتے ہیں مگر میں ہمیشہ ایسی ترغیبات کے دفع کرنے کے لیے دل میں کہہ لیا کرتا ہوں کہ لنڈورا ہی بھلا ہوں مجھے جینے تو دو۔ سو اگرچہ میں خدا کے فضل سے بہت کم بیمار ہوتا ہوں بلکہ نہیں ہوتا۔ لیکن با ایں ہمہ میں آپ کی حذاقت آپ کے دستِ شفا کا ایسا ہی معتقد ہوں جیسے آپ کے سدا کے روگی۔ میں اپنے اوپر آزماتا نہیں تو ہمیشہ دیکھتا اور سنتا رہتا ہوں۔ آپ کے ایسے معرکوں کے حکمی علاج جنھوں نے مجھ کو طبِ یونانی کا گرویدہ بے غرض کر رکھا ہے لیکن میں آپ کا اسی قسم کا مرید ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت تو کر لی اور آپ نے ریاضات اور مجاہدات کے رستے پر لانا چاہا تو آپ کا کلاہ و شجرہ آپ کے حوالے کیا۔ میں کیا۔ آپ کی نسبت

کوئی شخص وہم بھی تو نہیں کر سکتا کہ آپ اتنی بات نہیں جانتے کہ آدمی کا بچہ کیوں کر پرورش پاتا اور بڑا ہوتا ہی اُس کو ایک وقت خاص تک وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اُس کے ماں کے پیٹ میں رہنے اور دودھ چھوٹنے کی مدت ڈھائی برس، غیب سے روزی ملتی ہی قطعہ

ای کریمے کہ از خزانۂ غیب	گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم	تو کہ با دشمناں نظر داری

پھر جوں جوں وہ بڑا ہوتا جاتا ہی اُس کو نمو اور بالیدگی کے لیئے غذا درکار ہوتی ہی۔ اب ہم اس مثال کو منطبق کر کے دیکھتے ہیں آپ کے اس طفل دست پرورد مدرسہ طبّیہ کی حالت پر۔ اس کی شیرخوارگی کے زمانے تک آپ کے پاس اپنی انفلوئنس درسائی اکا الغاروں دودھ تھا۔ لیکن اب اس بچے نے دانت نکالے ہیں کنار دایہ سے اُتر کر دوڑنے پھرنے لگا ہی اور دودھ سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ نتیجہ کیا ہی اور اس کے سوائے ہونا بھی کیا تھا کہ جیسا ہم نے اس کو اب سے دو ڈھائی برس پہلے دیکھا تھا ویسے کا ویسا ہی ہی۔ پژمردہ۔ افسردہ۔ مضمحل۔ اونگھتا ہوا کھی بھنک میں جانتا ہوں کہ اگر دودھ کی کمی ہوتی تو آپ دایہ کو ستا دل پھنکوا کر بہتیرا دودھ اُتار لیتے۔ مگر اس کو اب دودھ درکار نہیں تو فرمائیے کہ آپ نے اس معصوم بچے کے کھانے پینے کا کیا انتظام کیا ہی یا یہ بیچارہ اسی طرح مارے فاقوں کے تحلیل ہوا کرے گا۔

یہ لوگ جو جمع ہوئے ہیں بشمول میرے ان میں اکثر تماشائی ہیں آپ ہر برس بیٹے کی سالگرہ کا جلسہ کرتے ہیں لوگوں کا کیا جاتا ہی۔ مفت کرم داشتن آئے۔ گپ شپ اُڑائی مفت میں کچھ سنے اور آپ کو مبارک باد دے کر رخصت ہوئے ان میں سے کسی کو اس بچے کی مامتا نہیں اور کسی کو غیر کے بچے کی مامتا ہوا کرتی ہی۔ آپ تو مجھ سے بہت زیادہ عقل رکھتے ہیں گو عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں بزرگی بعقل است نہ بسال آپ نے [illegible] ہوگا کہ اس بچے کی وانٹ اور [illegible] بات کی کمی ہی اور سب کمی [illegible] گورنمنٹ کی انفلوئنس کی۔ ایک [illegible] کی صورت [illegible] بھی دی ہی مگر آپ نے [illegible] ہو گیا ہوگا کہ [illegible] الااست کہتے ہیں وہ [illegible]

حکومت نہیں ہے۔ بلکہ وہ حکومت ہی جو ہمارے صاحب ڈپٹی کمشنر لیئے بیٹھے ہیں اور تفرع ہی الملک للسیف پر یہی وہ حکومت ہی جس کی ڈکشنری میں مشکل اور محال ڈفکلٹ اور امپاسبل اور امپرابسل اس قسم کے الفاظ ڈھونڈھے نہیں ملتے بے شک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ پرائیویٹ کوششوں سے بڑے بڑے کام سرانجام پاگئے ہیں۔ مگراے حکیم صاحب ایسی مثالیں ہوں گی بھی تو انگریزوں کی ولایت میں ہوں گی میں کہتا ہوں اور زور سے کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں اور مجھ کو کنٹریڈکشن (مخالفت) کا ذرا بھی خوف نہیں کہ ہمارے ہندوستان میں کوئی اس قسم کا کام بے مدد حکومت نہ چلا ہی اور نہ چل سکتا ہی۔ اور اگر کہیں پرائیویٹ کوشش کی کامیابی دکھائی بھی دے تو آپ بلاتحقیق یقین کرلیا کیجئے کہ حکومت اس میں ڈائرکٹلی (بلاواسطہ) شریک نہیں تو انڈائرکٹلی (بالواسطہ) ضرور شریک ہی۔ آپ عام فائدے اور ضرورت کے کاموں میں سے کسی ایک کام پر بھی نظر کریں۔ مثلاً ایک مختصر سی واٹر ورکس ہی سہی کہ باوجودیکہ پانی مدار حیات ہی وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ ہم لوگ بدررووں کی کیچڑ تک پیتے اور پیتے ہی تھے اور ہیضے کر کر مرتے اور مرتے ہی تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ واٹر ورکس کا انتظام کرسکیں۔ اور یہی حال ہی مدرسوں کا۔ شفاخانوں کا۔ سڑکوں کا۔ پلوں کا۔ نہروں کا۔ ریل کا۔ تار کا۔ نہیں معلوم آب و ہوا کا اثر ہی۔ یا اگلی ڈسپاٹک سلطنتوں کا نتیجہ ہی کہ سلف ہلپ کی صلاحیت سلب ہو کر ہم کچھ ایسے احدی ہوگئے ہیں کہ لادو لدادو لادنے والا ساتھ دو تب کہیں جگہ سے ہلیں تو ہلیں۔ سرکار یعنی حاکم وقت کو ماں باپ کہنا ہمارے روزمرہ میں داخل ہی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری تمام ضرورتوں کا مہیا کرنا سرکار کا کام ہی۔ اگر وہ ہمارے ہی پیسے سے کرے مگر کرے سرکار ہی۔

پس میری آج کی بات آپ لکھ رکھیئے گا کہ آپ کے منصوبے کی کامیابی موقوف اور منحصر ہی۔ انضمام حکومت پر۔ آپ کے مدرسے کے طالب العلم وقت سے جالینوس ہی کیوں نہ ہوں اور وہ حکمی علاج ہی کیوں نہ کریں اور تندرستی کے ٹھیکے ہی کیوں نہ لیں اور طب یونانی حضیض ظلمت سے نکل کر اوج یقین ہی پر کیوں نہ پہونچ جائے۔ اور سالانہ جلسوں کے عوض آپ روزانہ جلسے ہی کیوں نہ کریں۔ مدرسۂ طبیہ جیسا کہ آپ چاہتے ہیں اور جیسے کا آپ نے دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا ہی یہ تو بے

انضمام حکومت چلتا چلاتا نہیں آج کا آج اور کل کا کل - دی ڈیزاوف دی گورمنٹ آران کو ہر ہی ہنس ایبل جس کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ ہے سرکار کی لیلا بھی اپرم پار ہے سرکار ہماری پرانی ملکی عمارتوں کی مرمت کر کے اُن کو باقی رکھنا چاہتی ہے سرکار ہندوستان کی صنعتوں اور دستکاریوں کو ترقی دینا چاہتی ہے سرکار ہمارے علوم و فنون کو بھی حفاظت کا دعویٰ کرتی ہے سرکار جاتریوں حاجیوں کی آسایش تک کا انتظام کرتی ہے - ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار ہمارے رسم و رواج اور سوپرسٹشنز (اوہام) اور پری جوڈیسز (تعصبات) کا ریسپکٹ (پاس) رکھتی ہے تو طب یونانی نے اور خاص کر اس مدرسے کی طب یونانی نے جس میں انگریزی طبابت کا بھی کسی قدر شمول ہے اور جس کے معتقد انگریزی طبابت کے معتقدوں سے اضعافاً مضاعفہ زیادہ ہیں - ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کی امداد سے بالکل کنارہ کش ہے - مگر شاید یہ مسئلہ گورمنٹ کے کان تک پہنچا یا نہیں گیا اور پہنچائے کون یہی ہمارے ڈپٹی کمشنر - اجی گورمنٹ تو بجا سے خود میں کہتا ہوں کہ اگر لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ ڈپٹی کمشنر تہ دل سے اس مدرسے کی سرپرستی فرماتے ہیں تو مدرسۂ طبیہ آج سلف سپورٹنگ (مستغنی) پرمننٹ (مستقل) - گرینڈ (عظیم الشان) کالج ہوا جاتا ہے مگر اس بات کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لیئے کہ صاحب ڈپٹی کمشنر تہ دل سے اس مدرسے کی سرپرستی فرماتے ہیں سالانہ جلسوں میں شریک ہونے سالانہ جلسوں کی پریسیڈنسی کرنے سالانہ جلسوں میں انعام بانٹ دینے کے علاوہ کچھ اور بھی کرنا ہوگا - اور وہ کیا کرنا ہوگا - یہی ڈپٹی کمشنر صاحب ہم سب سے بہتر جانتے ہیں - کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند -

اے حکیم صاحب فنڈز کی وانٹ آپ کو ایذا تو ضرور دیتی ہوگی مگر یہی فنڈز کی وانٹ ہے جس نے آپ کو میرے حملوں سے بچا رکھا ہے کیوں کہ میں جانتا ہوں مدرسے میں جتنی خرابیاں ہیں سب فنڈز کی وانٹ کے سبب سے ہیں - اور میرا منہ نہیں پڑتا کہ آپ پر اعتراض کروں - اور جب خدا آپ کو فنڈز سے مستغنی کر دے گا تو پہلا شخص جو آپ کو نکتہ چینیوں سے پریشان اور دق کرے وہ شاید آپ کا یہی نیازمند ہوگا کہنا تو بہت کچھ مگر صاحب ڈپٹی کمشنر مدرسے کی رعایت جب کریں گے تب کریں گے میں تو سردست اُن کی رعایت کرتا ہوں کہ اُن کو زیادہ ٹھہرنے کی تکلیف نہیں دیتا -

بیسواں لکچر

یہ لکچر ایجوکیشنل کانفرنس کے نویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۴ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دسمبر مہینا ہی تو سردی کا مہینا اور چاہیئے تھا کہ ڈل دست ہوتا، لوگ اپنے اپنے گھروں میں آگ تاپتے یا رضائیوں اور لحافوں میں دبے سکڑے بیٹھے ہوتے مگر برس کے بارہ مہینوں میں ایکٹیوٹی یعنے دوڑ دھوپ شور و شغب غل غپاڑے کا ایسا کوئی مہینا نہیں جیسا دسمبر۔ انگریز اگر اس مہینے کے آخری ہفتے عشرے میں خوشی مناتے ہیں تو ان کا مذہبی تیوہار ہے۔ نیٹو زد ہندوستانی خوشی نہیں مناتے تو ان میں دو بڑے مجمعے ہوتے ہیں ایک تو یہی ایجوکیشنل کانفرنس جس میں یہ فقیر بھی اکثر حاضر ہوتا ہی۔ تو اب سمجھ کر نہیں کہ ایسی توفیق نہیں اور نہ صلاح دینے کی نیت سے کہ اتنی لیاقت نہیں اور نہ لوگوں سے تجدید ملاقات کے لیئے کہ اس کا شوق نہیں بلکہ سید احمد خاں کی ایک طرح کی عظمت دل میں بیٹھی ہوئی ہی وہ بھی کچھ اس وجہ سے نہیں کہ سر ہیں یا ڈاکٹر ہیں یا سرکار دربار میں ان کی بڑی لمبی چوڑی عزت ہی۔ یا ان کو مسلمانوں کا ایک گروہ من حیث المذہب رفارمر مانتا ہی بلکہ اس وجہ سے اور صرف اسی وجہ سے کہ مسلمانوں کے سچے اور دلی خیر خواہ ہیں اور اپنی سمجھ کے مطابق (اور جس نے اپنی سمجھ کے موافق کیا تو اُس نے سب کچھ کیا) غرض اپنی سمجھ کے مطابق جہاں تک ہو سکا اور ہو سکتا ہی افہام و تفہیم سے وعظ و پند سے دینے سے دلانے سے دلالت علی الخیر سے مسلمانوں کی اصلاح حالت میں جان توڑ کر کوشش کرتے ہیں۔ یوں سید احمد خاں کی ایک طرح کی عظمت دل میں بیٹھی ہوئی ہی۔ بلاتے ہیں تو انکار کرتے نہیں بن پڑتا۔ خیر تو نیٹوز کے دو بڑے مجمعوں میں سے جو

دسمبر میں ہوتے ہیں ایک تو یہی ایجوکیشنل کانفرنس۔ اور دوسرا بھٹر بھڑکے اور طمطراق میں اس سے
کہیں زیادہ جس نے اپنا نام نیشنل کانگرس رکھ چھوڑا ہی۔ کچھ بھی ہو کانگرس والے ہیں بڑے ہوشیار
اور اِن کو بہت دور کی سوجھتی ہی من جملہ اور تدبیروں کے جو یہ لوگ اپنی رونق کے لیئے کرتے ہیں
ایک یہ بھی ہی کہ اُنھوں نے نام ایسا اختیار کیا ہی جس کو سُن کر آدمی خواہی نخواہی دھوکے میں
آجاتا ہی۔ خاص کر اہل یوروپ جن کو سمجھانا مشکل ہی کہ دنیا میں ایک بدنصیب ملک ہندوستان بھی
ہی جہاں نیشنیلٹی کا نام نہیں۔ اور اختلافِ مذاہب کی وجہ سے خدا نے چاہا تو کبھی ہونے کا بھی نہیں۔
رفارمر پڑے ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

کیا کریں یہی تو بڑا سبب ہوا کہ ہم مسلمانوں کو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد بنانی پڑی ورنہ کیا اتنے لوگوں کا
سر پھرا تھا کہ کانگرس میں تو نہ جائیں جہاں جیسا سُنا جاتا ہی آتے جاتے کا کرایہ ملے علی قدر مراتب
ہر ایک کی آؤ بھگت اور مدارات ہو۔ اور آئیں تو کہاں اس منحوس ٹٹ پونجیے کانفرنس میں کہ
سید احمد خاں ایک بلاوا تو بھیج دیتے ہیں وہ بھی شاید نام بنام نہیں اور پھر آئے پیچھے کوئی
اتنا بھی نہیں پوچھتا کہ کون ہو اور کہاں آئے ہو جہاں جس کے سینگ سمائیں پڑ رہو اپنی گرہ
سے کھاؤ ممبری کے چندے دو اور جتنی توفیق ہو دینے والوں کی نہیں بلکہ لینے والوں کی بڑے میاں
کی نذر کرو اور رخصت سید احمد خاں کا ماٹو دشعار بھی سنا ہی آتے تو کیا لائے اور جاؤ گے تو کیا
دے کر جاؤ گے چکوتھیوں اور آسایش یعنے مہمان نوازی پر نظر کرو تو ایجوکیشنل کانفرنس میں آنے
کے موجبات ترغیب کچھ بھی نہیں مگر شکر ہی کہ مسلمانوں کو اپنے نیک و بد کے سمجھنے کی عقل آگئی ہی یا اتنی
عقل نہیں آئی تو اِن میں ایک ع

مرد آخربیں مبارک بندہ الیست

سید احمد خاں ہیں اور مسلمان دینیات میں نہیں تو دنیاوی امور میں اور سب نہیں تو جو سمجھ دار ہیں
ان کی رائے پر عمل کرنے لگے ہیں۔ ہم کو خدانخواستہ ہندوؤں کے ساتھ ضد نہیں عداوت نہیں کچھ

ہم اُن کے مدِمقابل نہیں۔ مردم شماری میں دولت میں لیاقت میں خدا نے اِن کو ہم پر برتری دی ہے
تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (یہ دنوں کے پھیر ہیں کہ لوگوں میں ہم نے اِن کا چکر باندھ رکھا
ہے) لیکن یہ ایک نیچرل (طبعی) بات ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی ہنڈیا کی خیر مناتا ہے۔ اگر ان لوگوں نے اپنے
کچھ خاص حقوق قرار دے رکھے ہیں اور کانگرس کے ذریعے سے اُن حقوق کو لینا چاہتے ہیں تو چشمِ ما
روشن دلِ ماشاد (وہ جائیں اور اُن کا کام جانے) ع

ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

ہم تو ابھی اسی فکر میں پڑے ہیں کہ اپنے تئیں کسی حق خاص کا اہل بنائیں غرض ہم میں اور ہمارے
ہندو بھائیوں میں اتنا بڑا تفاوت ہے کہ وہ حلوا خوردن کی کوشش میں ہیں اور ہم روئے باید
کی۔ اور روئے باید بے تعلیم کے ہونے والا نہیں جس کے لیے یہ تمام دردِ سر کیا جا رہا ہے۔ لیکن اگر
خدا کبھی وہ دن کرے گا کہ ہم کو روئے باید حاصل ہوگا تو کیا حلوا خوردن کے لیے ہم اسی طرح مچلیں گے
ہرگز نہیں۔ ہم کو برٹش گورمنٹ پر پورا اعتماد ہے کہ اُس کے ہاتھ سے نہ صرف ہماری۔ بلکہ کسی کی
بھی حق تلفی ہوئی نہیں اور ہوگی بھی نہیں۔ اور یہ جو بعض باتوں کی لم ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو
جب تک ہم خود گورمنٹ کے پوزیشن (جگہہ) میں نہ ہوں گورمنٹ کی مشکلات کو ہم رایلائز (بخوبی
اندازہ) کر نہیں سکتے۔ ہم پر گورمنٹ کے احسانات اتنے ہیں کہ ہم کو اُن ہی کی شکر گزاری سے فرصت
نہیں ہونی چاہیئے۔ پس بجائے اس کے کہ گورمنٹ کی کارروائیوں پر بیٹھے نکتہ چینیاں کیا کریں
ہمارے حق میں کہیں زیادہ مفید ہوگا کہ اس مبارک گورمنٹ کی مہربانیوں اور فیاضیوں سے
پورا پورا استفادہ کریں اور یوں آدمی ناحق ناروا بدگمانی کرنے پر آئے تو وہ ہر ایک بھلائی کو بُرائی کے
ڈھال سے جا سکتا ہے۔ اب یہ تمھاری تعلیم ہی ہے کہ یوں گورمنٹ نے ہمارے ساتھ بے انتہا سلوک
کیے ہیں مگر یہ تعلیم کا سلوک گورمنٹ کے احسانات کی بڑی لمبی فہرست کے سرے پر بڑے موٹے
موٹے حرفوں میں جن کو اندھا بھی پڑھ سکے آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ یہ وہ سلوک نہیں ہے جو کبھی
کسی بہتر سے بہتر حاکم نے اپنی رعیت کے ساتھ کیا ہے بلکہ وہ سلوک ہے جو کبھی کسی مہربان سے

مہربان باپ نے اپنے عزیز سے عزیز فرزند کے ساتھ کیا ہوگا۔ تاہم ایسے بہت سے لوگ ہیں خاص کر ہم مسلمانوں میں جن کے دل تعلیم کی طرف سے ابھی تک بھی صاف نہیں۔ یوں لوگوں میں طرح طرح کے اختلاف ہیں۔ زبانیں جدا جدا ہیں۔ ایک کی صورت ایک سے نہیں ملتی سب کی طبیعتیں یکساں نہیں سے

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن		اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

لیکن یہ اختلافات باہمی دوستی اور محبت اور ارتباط کے مانع نہیں ہوتے۔ یہ شرف خدا نے کچھ مذہبی ہی اختلاف کو دیا ہے کہ اس کدورت کو کبھی دلوں سے نکلتے دیکھا ہی نہیں۔ برٹش گورنمنٹ ہند وستانیوں کے پیچھے کتنی ہی اپنی جان کیوں نہ مارے چاہیئے کہ یہ اس کا احسان حق قدرہ (جیسا ماننا چاہیئے) مانیں یا اُس کی طرف سے پورے پورے مطمئن ہوں۔ کیا مذکور۔ یہ نہیں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں ناحسان مند اور بے مروت واقع ہوئی ہیں نہیں۔ وہ کمبخت مذہبی اختلاف اعتماد کے پیدا ہونے کا مانع ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ اختلاف مذہب پر اختلاف ملک اختلاف قوم اختلاف زبان اختلاف رسم و عادت چند در چند اختلاف مستزاد ہوں۔ اور یہ عام انسانی نیچرل ویکنس (طبیعی کمزوری) ہے اور خود انگریز اس سے کب بری ہیں الا ماشاء اللہ۔ سو ویسے ہی الا ماشاء اللہ ہم میں بھی ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو سید احمد خاں کو چھو بھی گیا ہے وہ بھی الا ماشاء اللہ میں ہے جو لوگ گورنمنٹ کی طرف سے بدگمان ہیں اگرچہ ناحق بدگمان ہیں ملک کی سرسبزی اور رونق اور امن اور اطمینان اور عافیت اور ترقی سے تو انکار کر نہیں سکتے۔ ورنہ آسمان کا تھوکا اُلٹا منہ پر آئے یہ کہہ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیا کرتے ہیں کہ انگریز سر سہلا کر کھیسا کھانے والے ہیں۔ کوئی کام نہیں جس میں اُن کی ذاتی منفعت مضمر نہ ہو یعنے جو کچھ ظاہر میں پبلک کے فائدے کے لئے کرتے ہیں اس میں بھی تو پہلے اپنا فائدہ سوچ لیتے ہیں۔ یا اگر یہ تاویل بھی کرتے نہیں بن پڑتی جو چیز مدح و تحسین کے لائق ہے اُس کی داد کے دینے میں بخل و مضایقہ کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھ سے لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی انگریزوں کی صنعت و ایجاد کا مذکور تھا ریل کا نام آیا تو ایک

صاحب بولے کہ خدا جانے کن مدتوں سے قسطنطنیہ میں حضرت سلطان روم کے اصطبل کی لید وغیرہ اُٹھانے کے لیئے ریل کام میں لائی جاتی ہی کسی انگریز کی نظر پڑ گئی اور وہ نمونہ اُڑا لایا۔ بات تو کچھ نہیں مگر ایسی ہی ایسی باتوں سے پتہ لگتا ہی کہ انگریزوں کی نسبت لوگوں کے کیسے خیالات ہیں۔ اور جب ایسے خیالات ہیں تو کیا وہ انگریزی عملداری کی قدر کریں اور کیا اس کی برکتوں سے مستفید ہوں۔ آدمی جب پریجوسڈ (بدگمان) ہوتا ہی تو اُس کو ایسی ہی ایسی بے تُکی سوجھا کرتی ہی۔ تعلیم پر تو بدگمانی کرنے کی ظاہرا کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر مذہبی تعصب کی آگ بھڑکتی ہی تو تر و خشک سبھی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہی۔ تعلیم پر جیسے جیسے حملے ہوئے اور ہو رہے ہیں کوئی سید احمد خاں کے دل سے پوچھے۔ اگر تعلیم شرط نوکری نہ ہو تو پارسیوں اور بنگالیوں کی تو کہی نہیں جاتی پسلمان بھائی تو بھول کر بھی اس رستے نہ چلیں حال تو یہ ہی کیا کہا جا سکتا ہی کہ اسلامی زمین میں تعلیم کے پودے نے جڑ پکڑ لی ہی۔ ہرگز نہیں كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (جیسے گندی جڑی بوٹی مٹی کے اوپر اوپر جم کھڑی ہوئی جس کی جڑ نہیں) اس سے کہ علی گڈھ محمڈن کالج ماشاء اللہ چشم بد دور روز افزوں ترقی پر ہی طلبہ کا شمار بڑھ رہا ہی نئے بورڈنگ ہوسوں (طلبہ کے رہنے کے مکانوں) کی سخت ضرورت ہی یا اس سے کہ یہاں کی دیکھا دیکھی برٹش انڈیا میں ہر طرف تھوڑی یا بہت تعلیم کی تحریک مسلمانوں میں ہو رہی ہی ان باتوں سے اتنی خوشی تو بے شک ہی کہ نوکری کی طمع ہی سے سہی لالچ ہی سے سہی وہ اگلی سی مخالفت کچھ تو کم ہوئی کہ انگریزی تعلیم انگریزی نوکری انگریزی وضع یعنے ہر چیز جو انگریزوں کے ساتھ کسی طرح کی نسبت رکھتی ہی سب کو کفر و ارتداد سمجھا جاتا تھا رنگ تو کٹ گیا مگر دھبہ نہیں گیا۔ ورنہ اصلی خوشی تو اُس دن ہوگی اور اُسی دن ہوگی جب تعلیم کو اور کھُل کر اور پکار کر کیوں نہ کہوں انگریزی تعلیم کو مسلمان طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (ہر مسلمان پر علم کا سیکھنا فرض ہی) کہ کلیئے میں داخل سمجھیں گے مگر وہ دن افسوس ہی کہ زمانے کی نیچرل رفتار کے لحاظ سے اتنا دور معلوم ہوتا ہی کہ اس نسل اور اُس نسل کی نسل اور اس نسل کی نسل کو تو شاید دیکھنا نصیب نہ ہو مجکو اگر پبلک میٹنگز (مجامع عام) میں شریک ہونے کا شوق ہوتا اور مجکو میرا انکانشنس (ایمان)

اُس کانگرس میں شریک ہونے کی اجازت بھی دیتا جو اِن دنوں کالے پانی کے اس کنارے
مدراس میں جمع ہے یا سید احمد خاں کے سے قومی جاذبے کا کوئی شخص ہوتا اور مجھکو زبردستی پکڑ بلاتا تو
میں کانگرس میں یہ تو ضرور پرپوزل (تجویز پیش) کرتا کہ مسلمانوں کے لیئے انگریزی تعلیم کے لیئے کمپلسری
(جبری) کر دیا جائے ورنہ اِن مسلمانوں کے اختیار میں چھوڑ دیا جائے گا تو بس یہ ایسے ہی کندۂ
ناتراش رہے جیسے ہیں یہ وہ ٹٹو نہیں جو باگ کے اشارے سے چلیں۔ لگام کی ٹھمکی سے چلیں۔
ٹٹکاری سے چلیں۔ ایڑ سے چلیں۔ چہمنر سے چلیں یا تازیانے سے چلیں۔ ان کو چاہیئے ادگھی جوان کے
پٹھوں کا مارکے قیمہ کر دے سو گورنمنٹ تو ماشاء اللہ ایسی ڈرپوک ہے یا ڈرپوک کے لفظ سے بو سے
بغاوت آتی ہو تو ڈرپوک نہ سہی محتاط ہے کہ بھولوں بھی مذہب کا نام آیا اور اس کے بدن میں تھرتھری
چھوٹی۔ تو اس اڑیل ٹٹو کو ہانکیں نہ ہانکیں سید احمد خاں۔ سو انھوں نے اپنی سی بہتیری کی۔
ہارے خدا خدا کرکے وہ پیچھے ہٹتا تو گیا۔ ٹٹو آگے کو پاؤں بھی ڈالنے لگا مگر جھجکتے جھجکتے۔ سو یہ جھجک
مذہبی جھجک ہے۔ نکلے بھی یا نہ بھی نکلے۔ کیوں جی اگر ہمارے دل کانگرس والوں کے سے ہوں
تو کیا ہم شبہہ نہیں کر سکتے کہ گورنمنٹ جو تعلیم کو کمپلسری (جبری) نہیں کرتی اس کی اصلی وجہ مذہبی
انٹرفیرنس (مداخلت) سے بچنا نہیں ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ڈرتی ہے کہ ہمیں ہندستانی تعلیم پاکر
برابری اور ہمسری نہ کرنے لگیں۔ ویسی ہی آزادی کے دعویدار ہوں جو رعایائے یورپ نے بزور
لے رکھی ہے۔ صناعی اور ہنرمندی کے بل پر یورپ کو مارکٹ سے مار ہٹائیں۔ اگر ایسا ہو تو یورپ
کے حق میں قیامت آجائے وہاں کی خلقت بھوکوں مرنے لگے۔ یہ اللے تللے جو یورپ میں
ہو رہے ہیں سب متفرع ہیں ہندوستان کی جہالت پر کہ ان کو سوئی اور بیچک اور دیا سلائی
اور ضرورت کی کل چیزوں کے لیئے یورپ کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ رہی مذہبی مداخلت
سو کچھ پتی بات نہیں کیا گورنمنٹ نے ستی اور دختر کشی کے رواج کو موقوف نہیں کر دیا۔ ابھی
چند روز کی بات ہے کہ ہندو مجتہد اپنی غل مچاتے رہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کے بیاہ کو سنگین
[illegible] میں شرع و شاستر کی [illegible] ہو رہا تو لڑکیوں کو

کہ تعلیم کے عام کرنے کو کسی اور وجہ سے جی نہیں چاہتا۔ بہانہ یہ نکال کھڑا کیا کہ لوگ کمپلسری (جبری) تعلیم کو مذہبی انٹرفیرنس (مداخلت) سمجھ کر ناراضامند ہوں گے۔ اور یہ بات گورمنٹ کے فنڈامنٹل پرنسپلز (اصل الاصول) کے خلاف ہے۔ لیکن گورمنٹ لوگوں کے ایسے بیہودہ اور بے اصل اشتباہات سے اب بھی کب محفوظ ہے۔ خیر یہ تو کانگرس والوں کی سی باتیں ہیں اور یہ محل ان کے کہنے اور ظاہر کرنے کا تھا بھی نہیں۔ گورمنٹ پر اپنا کچھ زور نہیں نہ وہ ہمارے سمجھانے کی محتاج ہے ہمارے اور گورمنٹ کے تعلقات کارڈیل (مخلصانہ) رہنے کے لیئے حافظ شیرازی کی وہ نصیحت بس کرتی ہے ؎

رموزِ مصلحتِ ملک خسرواں دانند	گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اچھا گورمنٹ کے سامنے تو ہم نے اپنا کان اُمیٹھا کہ اس کے خلاف ان شاء اللہ ایک لفظ بھی نہ نکالیں گے مگر مسلمان چاہیں کہ نیچری ان کو چین سے بیٹھنے دیں تو یہ ہونا نہیں یہاں تک کہ انگریزی ایسا رواج پا جائے جیسے کبھی عربی فارسی مروج تھی۔ یہ بات تو بالاجماع طے پا چکی ہے کہ انگریزی سے مسلمانوں کے گریز کرنے کی وجہ ان کے مذہبی سکروپلز (شکوک) ہیں۔ آج میں اس مسئلے کے مالہ اور ماعلیہ پر ذرا کسی قدر تفصیل کے ساتھ نظر کرنی چاہتا ہوں کہ ان سکروپلز (شکوک) کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں۔ اگر ان کی کچھ اصل نہیں اور یہ لوگوں کا نرا واہمہ ہی واہمہ ہے تو کچھ خوف کی بات نہیں واہمے کا ثبات بس اتنا ہی ہو سکتا ہے جیسے بچوں کو ہیچا کا خوف کہ ایک وقت تک اُس کے نام سے ڈرتے پھر تمیز آئے پیچھے اُس کی آنکھوں میں اُنگلیاں کرتے۔ اُدھر زمانہ مجبور کر رہا ہے اِدھر سید احمد خاں نے دھوم مچا رکھی ہے ع

کیا نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائیں گی

لیکن اگر کہیں مسلمانوں کا انگریزی تعلیم سے بدکنا واہمۂ بے اصل نہیں اور مذہب میں کسی جگہ پانی مرتا ہے تو بھی زمانہ کی زبردستی سے تعلیم تو رواج پا کر رہے گی مگر کہیں سینکڑوں برسوں میں جا کر اور پھر بھی ویسی عام اور سونڈ (پختہ) اور سالڈ (مستحکم) نہیں ہو گی جیسی کہ ہم چاہتے ہیں اور تعلیم

جب تک عام اور سوئنڈا اور سالِڈ نہ ہو ملک اور قوم کے حق میں چنداں مفید نہیں ہوسکتی خصوصاً اس کامپٹشن (منافست) کے زمانے میں کہ لوگ ترقی کے کسی برینچ (شاخ) میں کسی حد پر قانع نہیں مجکو بار بار انگریزی تعلیم انگریزی تعلیم کہنا پڑتا ہی تاکہ لوگ سمجھیں کہ جس تعلیم پر میں لکچر دے رہا ہوں اس سے انگریزی تعلیم مراد ہی لیکن میں ایک دم سے قطعی طور پر ظاہر کیئے دیتا ہوں کہ مطلق سے ہمیشہ فرد کامل مراد ہوتا ہی اور اقسامِ تعلیم میں سے صرف انگریزی تعلیم ہی کو فردِ اکمل کہہ سکتے ہیں تو اب میں انگریزی تعلیم نہیں بلکہ مطلق تعلیم کہوں گا اور اس سے انگریزی تعلیم ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح میں مطلق مذہب بولوں گا اور اُس سے میری مراد ہوگی اسلام کیوں کہ میں بھی مسلمان ہوں اور میرے مخاطب بھی مسلمان ہیں اور جس طرح اقسامِ تعلیم میں انگریزی تعلیم فردِ اکمل ہی اسی طرح اور میں اس سے کہیں زیادہ قوّت اور وثوق کے ساتھ یقین کرتا ہوں کہ دنیا میں جتنے مذہب کبھی تھے یا اب ہیں یا آئندہ ہوں گے سب میں فردِ اکمل اسلام ہی اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک دین تو بس دین اسلام ہی ہی)۔ اب پھر اصل مطلب کی طرف عود کرتے اور دیکھتے ہیں کہ تعلیم اور مذہب یعنی وہی انگریزی تعلیم اور مذہب اسلام دونوں کنسائل (متفق) ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں اور اس میں کلام کرنا نری ہٹ دھرمی ہی کہ تمام مذاہب کی غرض و غایت ایک ہی اس غرض و غایت کو مختلف عبارتوں سے تعبیر کرسکتے ہیں مگر ہم اس کے لیے عام اور مختصر الفاظ اختیار کرتے ہیں انسان کی معاش اور معاد کی اصلاح کسی ایک مذہب کا نام لو جس کو تم ضعیف سے ضعیف اور سخیف سے سخیف سمجھتے ہو اور پھر انصاف سے دیکھو تو پاؤ گے کہ اس کے بانی کا یہی مقصود تھا اور بس چوں کہ دنیا اور ما فیہا کی حالت میں تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں اور سب سے زیادہ انسان کی ممکن ہی کہ کسی مذہب کی کوئی خاص بات ایک وقت کے لیے مناسب ہو اور دوسرے وقت کے لیے نامناسب۔ لیکن اس سے اُس مذہب کی غرض و غایت پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ اس مذہب کے شارع نے اپنے نزدیک اپنے عہد میں وہی قاعدہ جو اُس نے قرار دیا انسان کی اصلاح کے لیے بکار آمد سمجھا اگر وہ قاعدہ بکار آمد نہیں رہا تو اس سے کہ وہ وقت نہیں رہا ویسے آدمی نہیں رہے ویسی اُن کی حالت نہیں ہی۔

یا بہت سے بہت سے جو تم کہہ سکتے ہو یہ کہ اس مذہب کے شارع نے غلط سمجھا نہ یہ کہ اُس کا ارادہ فاسد تھا اور انسان کی اصلاح اُس کو مقصود نہ تھی نہ صرف یہ ہی کہ آدمیوں کی حالت مرورِ زمانہ سے بدلتی ہی بلکہ ایک ہی عصر میں اختلافِ امزجہ اختلافِ آب و ہوا اختلافِ مراسم و عادات کی وجہ سے لوگوں کی حالتوں میں اِس قدر تنوع دیکھا جاتا ہی کہ گویا وہ ایک آدم کی اولاد نہیں۔ ایک قانون جو ایک ملک میں امن کے قایم رکھنے کی کافی ضمانت ہو سکتا ہی شاید دوسرے ملک میں اُس کا اتنا بھی رعب نہ ہو جتنا آج کل کے لوئر سکولوں (ادنیٰ درجے کے مکتبوں) میں ایک ٹیچر (معلم) کا ہوتا ہی۔ جو مارنا پیٹنا تو درکنار لڑکوں کی طرف نظر تیز سے بھی تو نہیں دیکھ سکتا۔ لاہور میں لارڈ لارنس کا سٹیچو (بُت) کھڑا ہی اِن کے ایک ہاتھ میں قلم ہی اور دوسرے میں تلوار اور سٹیچو کے نیچے لکھا ہی یہی یا اِس کے مماثل کوئی دوسری عبارت ڈو یو لائک ٹو بی گورنڈ بائی پن اور بائی سورڈ (ان دو باتوں میں سے تم کو کون سی بات پسند ہی کہ تم پر قلم کے زور سے حکم رانی کی جائے یا تلوار کے زور سے) اس عبارت کا اِس کے سوائے اور کیا مطلب ہو سکتا ہی کہ آدمی بعض قلم کا دباؤ مانتے ہیں اور بعض تلوار کا کوئی کین (بید) سے ہانکا جاتا ہی کوئی آئرن راڈ (لوہے کی سلاخ) سے۔ امیر کابل جو پچھلی دفعہ راول پنڈی کے دربار میں تشریف لائے سُنا کہ بعض انگریزوں نے محض بتقاضائے خلوص اِن کو صلاح دی کہ حکومت کے پیچ کو ذرا ڈھیلا کریں امیر نے کہا کہ میری کرسی پر بیٹھو تو جانو کہ مجکو پیچ کے زیادہ کسنے کی ضرورت ہی۔ پیچ کو ذرا ڈھیلا کروں تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ کابل کی حکومت سے دست بردار ہو جاؤں۔ اور سچ بھی تو ہی ایسا ہی کانگرس جیسا ان دنوں مدراس میں ہو رہا ہی کابل میں ہو تو ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگ جائے جب یہاں میں اور کابل میں اتنا فرق ہی تو یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکا یعنے ساری دنیا کے لوگ کیوں کر ایک سے ہو سکتے ہیں۔ اور جب آدمی ایک سے نہیں تو مذہب کا وہ حصہ جو اصلاحِ معاش سے متعلق ہی کیوں یکساں ہونے لگا۔

سب سے بہتر ہوتا کہ مذہب دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتا مگر یہ ممکن نہ تھا۔ انسان کی

طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر شخص ایک مُصَیْطِر چاہتا ہے جو کراماً کاتبین کی طرح ہمہ وقت اُس کی گردن پر سوار رہے اور وہ نہیں ہے مگر مذہب۔ باوجودیکہ مصیطر مذہب ہر ایک کے ساتھ لگا ہے
اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (جب دو دو سُننے والے داہنے بائیں بیٹھے ہوئے جو کچھ وہ کہتا ہے سنتے جاتے ہیں کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر پاسبان اُس کے پاس موجود) اس پر بھی انسان کج سرشت بدی اور فساد سے باز نہیں آتا دنیا کا کیا حال ہو اگر لوگ قید مذہب سے آزاد ہو جائیں۔ اُس وقت تو سید احمد خاں کو بھی چار و ناچار جہنم کا قائل ہونا پڑے ؎

اس جبر پہ تو ذوق بشر کا یہ حال ہے	کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

یورپ میں فرانس اور اٹلی دو سلطنتیں ہیں جنہوں نے فی زمانہ ایڈمنسٹریشن (طرز حکومت) سے مذہب کو خارج کر رکھا ہے سو خونریزی خودکشی اور بدکاری اور دغابازی اور انواع و اقسام کے فسادات اس قدر شائع ہو گئے ہیں کہ آخر کار مدبران ملک مان گئے ہیں کہ مذہب کو ایڈمنسٹریشن میں شامل کیے بدون ملک کی حالت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ غرض دنیا کی درستی کے ساتھ چلنے کے لیے مذہب کا ہونا ضرور ہے کوئی سا مذہب بھی ہو۔ لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب جس کی غرض و غایت ہی اصلاح وہی لوگوں میں فساد کا موجب ہو جیسا کہ ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے تو جو لوگ صلح کل ہیں اور دنیا ایسے لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہی وہ غرض و غایت کو دیکھتے اور مذاہب کے اندرونی اختلافات پر نظر نہیں کرتے ہندوؤں کے ویدانت اور مسلمانوں کے تصوف میں یہی رنگ جھلکتا ہے ع بامسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ	چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اور اگر ان دونوں فرقوں میں [illegible] فرقے تھے تلوار کی [illegible] کے مارے ان کے دائرے گھٹتے ہی ہوتے رہتے اور ان کو اپنے [illegible] حاصل کرنے میں اگر ان کا [illegible] رہا ہوتا [illegible]

لوگوں کو اپنا ہم خیال نہ کر سکے اس واسطے کہ انھوں نے اپنا ماٹو رکھا تجرد اور گوشہ گیری اور یوں بھی غرض وغایت پر نظر رکھ کر مختلف مذہبوں کے ریکنسائل کرنے کا ارادہ اس سے زیادہ کیا کامیاب ہو سکتا تھا جیسے کوئی شخص طبِ یونانی اور طبِ انگریزی کو ریکنسائل کرنا چاہے صرف اتنی بات پر کہ دونوں کی غرض وغایت دفعِ مرض اور حفظِ صحت ہے۔ غرض وغایت کے متحد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مختلف ذریعے اس غرض وغایت کے حاصل کرنے کے لیے کام میں لائے جا رہے ہیں وہ سب یکساں طور پر موصل الی المطلوب بھی ہیں۔ اگر صرف شرائع کا اختلاف ہوتا تو شاید وہ چنداں پروا کرنے کے لائق نہ تھا اور شرائع کا حسن وقبح شاید ہم دنیا میں بھی معلوم کر سکتے تھے مگر مذہب کے ساتھ ایک دوسرا جزو اہم اصلاحِ معاد کا بھی لگا ہے اور جو طریقے اصلاحِ معاد کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں اُن کی صحت اور غلطی ہم پر اِس ہستی میں منکشف ہو نہیں سکتی وہ طریقے متعلق ہیں اُس ہستی سے جس کو آخرت یا عاقبت کہتے ہیں۔ اس آنے والی ہستی کے بارے میں ہماری ذاتی معلومات کچھ بھی نہیں۔ روئے زمین کی وسعت پر نظر کریں تو اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہمارا چشم دید ہے اس پر بھی علم جغرافیہ کے ذریعے سے ہم زمین کے چپے چپے کا حال معلوم کر سکتے ہیں کیوں کہ اگر ہم ساری زمین کا احاطہ نہیں کر سکتے تو کسی حصے میں زید کسی میں خالد کسی میں ولید پہنچا ہے اور ان لوگوں کے مشاہدات کتابوں میں مدون ہیں اُس آنے والی ہستی میں گئے تو بے شمار آدمی مگر کسی کو لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا۔

حال عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہیں رفتگاں پہ کیا ۔۔۔ کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بری بھلی

سرے سے اس ہستی کا ہمارے پاس کچھ ثبوت نہیں اور ہے تو بس اسی قدر کہ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ ہماری روح فانی نہیں اور دنیا کا انتظام متقاضی ہے کہ انسان کو اس زندگی کے بعد ایک دوسری ہستی ہو اور اُس ہستی میں اُس کو اپنے کیے کا بدلہ ملے۔ مذہب کی اتنی بڑی وسیع عمارت بس ایک خیال پر مبنی ہے۔ اِس خیال کو اگر کوئی واہمہ سمجھے تو یہ ایسا واہمہ ہے کہ دنیا میں کوئی یقین اس کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ یقینیات کا انحصار انہی چیزوں میں تو نہیں ہے جو ہم کو اپنے حواسِ ظاہری

سمع وبصر وغیرہ کے ذریعے سے دریافت ہوں۔ حواسِ ظاہری کے علاوہ ہم کو حواسِ باطنی بھی عطا ہوئے ہیں مگر یہاں تک مبدءِ فیاض جلّ وعلا شانہٗ کا فیضان عام ہے جس سے کوئی جاندار محروم نہیں کسی کو کم کسی کو زیادہ حواس ظاہر و باطن کے علاوہ ایک حاسۂ عقل اور بھی ہے کہ وہ انسان کے سوا کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوا جو معلومات ہم حواس کے ذریعے سے جمع کرتے یہ حاسۂ عقل ان میں طرح طرح کے تصرفات کرتا ہے ازاں جملہ جزئیات سے کلیات کا استنباط کرنا اور پھر کلیات سے نئی نئی جزئیات پیدا کرنا۔ اور دنیا میں جتنی ایجادیں ہوئی ہیں اور ہوتی ہیں وہ سب متفرّع ہیں اسی اصول پر۔ یہ نہیں کہ اس کی توضیح مزید کے لیے میں سائنس (علومِ حکمت) کی کوئی مثال نہیں دے سکتا ایک دو نہیں بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں۔ مگر وہی دقیانوسی مثال کیوں نہ لوں جس سے ہم مسلمانوں کے کان اَباً عن جدٍ آشنا ہیں۔ كُلُّ حَيَوَانٍ يَتَحَرَّكُ فَكُّهُ الْأَسْفَلُ عِنْدَ الْمَضْغِ۔ (جتنے جاندار ہیں کھاتے وقت اُن کے مُنھ کا نیچے کا جبڑا حرکت کرتا ہے) ایک کلیہ ہے ہم نے بہت سے جانور دیکھے ہوں گے تو فرض کرو کئی سو قسم کے اور دنیا کے تمام آدمیوں نے ابتدا سے لے کر اب تک کئی سو نہیں کئی ہزار سہی لیکن سو ہوں یا ہزار یا لاکھ یا کرور ہم کو کلیہ بنا لینے کا منصب نہیں تاوقتیکہ کُل جزئیات ہمارے مشاہدے میں نہ آجائیں اور یہ ہو نہیں سکتا تو معلوم ہوا کہ مشاہدۂ جزئیات کی ایک حد ہے جس پر پہنچ کر ہم کلیہ بنا لیتے ہیں جس کے یہ معنے ہیں کہ جو حیوانات ہماری نظر سے گزرے نہیں دیکھے ہوئے جانوروں کے قیاس پر ہم اُن پر بھی وہی حکم لگا دیتے ہیں اب اگر کوئی جانور ہمارے سامنے آئے جس کو ہم نے کبھی دیکھا ہو اسی کلیہ کل حیوان يَتَحَرَّكُ الخ کے بنا پر ہم یقین کر لیں گے کہ اس کا بھی فکِ اسفل عند المضغ متحرک رہتا ہوگا گو ہم نے اُس کو مضغ کرتے نہ دیکھا ہو۔ اور جب ہم اس کو مضغ کرتے اور فکِ اسفل ہلاتے دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہم نے کلیے کے بنانے میں غلطی نہیں کی یہ حاسۂ عقل ہی تو ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلایا اور وہ اشرف المخلوقات ہے بھی۔ ورنہ بعض بعض باتوں میں جانور بمدارج اس سے افضل ہیں ایک ذاتی بات [illegible] قوت [illegible] وہ ذرا سی [illegible] سے [illegible] کو سے اور مچھر اور [illegible] تک

بے تکلف اڑتے اڑتے پھرتے ہیں۔ مگر انسان کے لئے وہ ایسی مشکل ہی کہ یورپ کے بے چین لوگ ہاتھ پاؤں بہتیرے مارتے ہیں مگر آج تک تو کوئی پرواز پر قادر ہوا نہیں۔ لیکن کیا اس ایک پرواز سے طیور انسان سے افضل ہو گئے حاشا و کلا لاکھوں کروروں طیور انسان کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں اور لاکھوں کروروں اس کی قید میں ہیں۔ تو انسان کی فضیلت کا سبب میں ہی۔ اس کے حاسۂ عقل ہیں۔ کہ گو اس کا جسم پرواز نہیں کر سکتا مگر اس کے ذہن کو بلا کی قوت پرواز دی گئی ہی ؎

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے		واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

وہ ذہنی پرواز کیا ہی یہ کہ وہ پرندوں کی پرواز کی کنسٹرکشن (ساخت) کو دریافت کرتا ہی کہ پرندوں کے جسم کی ترکیب کس طرح پر واقع ہوئی ہی کہ وہ پرواز کر سکتے ہیں۔ گو آدمی اڑ نہیں سکا۔ مگر اس نے اڑنے کے لم دریافت کر لی ہی اور اس سے کچھ دور نہیں۔ بے پر کی تو وہ اب بھی اڑاتا ہی کسی نہ کسی دن آپ بھی بے پر کے اڑنے لگے۔ کیوں کہ پرواز سے بہت زیادہ زیادہ عجیب عجیب کام اس نے کیئے ہیں اور کر رہا ہی۔ لیکن یہاں آدمیوں کا مذکور ہی یعنی اہل یورپ کا نہ ہم نیٹیوز کا کہ ہم تو ان کے مقابلے میں جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ہماری پرواز کی حد تو یہیں تک ہی کہ علی گڈھ کالج کے سٹریچی ہال میں جلسہ ہونے کو ہوا طالب العلم اچک اچک اور پھدک پھدک کر اوپر گیلری میں جا بیٹھے۔ خیر تو غرض یہ ہی کہ انسان میں حاسۂ عقل بڑی چیز ہی اور ادراکات عقلی ہم کو ایسا ہی یقین دلا سکتے ہیں۔ جیسے مشاہدات۔ اور دنیا کے تمام کاروبار اسی بنا پر چل رہے ہیں۔ تو اگر ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ خدا ہی اور ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ ہماری روح فانی نہیں۔ اور ہمارا دل گواہی دیتا ہی کہ دنیا میں نیکی اور بدی دو چیزیں ہیں ضد یکدگر۔ اور ان کے نتیجے ہیں اچھے اور برے اور جس طرح ہم اوپر سے وزنی چیز گرائیں اور وہ فاصلے اور وزن کے لحاظ سے اوپر یا سویر زمین پر گر رہے گی۔ اسی طرح نیکی اور بدی کے نتیجے ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اور جس دن وہ نتیجے کامل طور پر ظاہر ہوں وہی آخرت یا عاقبت یا قیامت ہی۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ ان باتوں کو فیکٹس (واقعات نفس الامری) ماننے

کے لئے ہم کو کسی ثبوت کی بھی ضرورت ہے جس طرح ہم کو ایک چیز سفید دکھائی دیتی ہے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ واقع میں وہ سفید ہے جس طرح ہزاروں عقلی باتیں ہم کو سوجھتی ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ واقع میں وہ ویسے ہی ہیں جیسے ہم نے سمجھیں تو کیوں ہم خدا کے ہونے اور روح کے باقی رہنے اور آخرت کے آنے کا یقین نہ کریں۔ ہماری فطرت۔ ہماری بناوٹ۔ ہماری ہستی جیسے مشاہدات کا ثبوت ہے ویسے ہی ادراکاتِ عقلی کا بھی ثبوت ہے فرق صرف اتنا ہے کہ مشاہدہ مابعد سے دوسرے ادراکاتِ عقلی کی تصدیق ممکن ہے اِن ادراکات مذہبی کے لئے دنیا میں ایسی تصدیق کا موقع نہیں اور جب تصدیق کا وقت آئے گا تو اُلٹ کر اس متقدم زندگی دنیا پر اپنا اثر نہیں ڈال سکے گا یَوْمَ یَأْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِھَا خَیْرًا (جس دن پروردگار کی نشانیوں میں سے قیامت کی نشانی آموجود ہو گی تو اگر کوئی شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا یا اُس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہیں کی اب اس وقت اُس کو ایمان لانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا) دنیا میں مذہبی ادراکاتِ عقلی کی تصدیق مشاہدہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے بہت سے لوگ لگے عاقبت سے انکار کرنے مگر اِن کا یہ انکار من چاہے منڈیا ہلانے کیا مستند ہو سکتا ہے جب کہ اندر سے اِن کے دل بول رہے ہیں کہ قیامت آنی ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیْبَ فِیْھَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَۃُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (اور جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں ذرا شک نہیں تو تم اس کا جواب دیتے ہو ہم کو تو معلوم نہیں۔ ہاں ایک یوں ہی سا خیال تو ہم کو بھی ہے مگر جس کو یقین کہتے ہیں وہ نہیں) ذرا ان لفظوں پر خیال کرنا اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا انکار نہیں ہے مگر ویسا یقین بھی نہیں جو ایک ادراکِ عقلی کی نسبت ہونی چاہئے بس جس پہلو سے دیکھئے ہیں انسان حقیقت میں عجائب مخلوقات ہے اس کے ارادے اس کے حوصلے اس کی ہمت کو دیکھئے تو زمین و آسمان [illegible] تنگی [illegible] رہا ہو اور جیسے آپ ضعیف البنیان ہیں علوم ہستی مختصر بے ثبات [illegible] ناقص [illegible]

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور	فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور

سینے میں قلزم کو سے قطرے کا قطرہ رہا		دل ہے سمائی تیری اُف رے سمندر کے چور

خدا نے آنے والی ہستی کی اِس کو ایک جھلکی تو دکھا دی کہ اِس کے دل میں اُس کی گواہی موجود ہی
اور کسی مصلحت سے بچشم سر دکھانے میں کیا مضایقہ طبیعت تو اس کی بے چین تھی ہی اب اِس کا حال یہ
ہی کہ نہ تو اِس خیال کو چھوڑ سکتا ہی کہ طبیعت نہیں مانتی اور نہ اُس ہستی کی پوری پوری کیفیت معلوم
کر سکتا ہی کہ وہاں تک رسائی نہیں پس اِس کی مثال اُس انجینیر کی سی ہی جو ایک نئی کل کے بنانے
کی فکر میں ہی منصوبے تو بہتیرے ذہن میں ہیں مگر آلات مساعد نہیں کہ کسی منصوبے کو عمل میں لاکر دیکھے
اور یہ کلیں جو ایجاد ہوا کرتی ہیں تو اِن کا یہی قاعدہ ہی کہ ایک منصوبہ ذہن میں آیا اُس کو بنا کر دیکھا
بسا اوقات ایسا ہوا ہی کہ سوچا کچھ اور نکلا کچھ آخر کار بن بگڑ کر ایک بات پیدا ہو جاتی ہی اور اُس میں
اصلاح و ترمیم ہوتی رہتی ہی۔ مذہبی منصوبوں میں یہ بڑی قباحت ہی کہ اِن کا صحیح و غلط ہونا ہم کو اس
زندگی میں معلوم نہیں ہو سکتا یعنی مذہبی منصوبوں پر کوئی چک (روک) نہیں۔ ہر شخص ایک منصوبہ
سوچتا ہی اگر وہ صحیح ہی تو دوسرے سے اُس کی صحت تسلیم کرانی مشکل اور غلط ہی تو اس کی غلطی کی گرفت
دشوار ہی۔ یہ اصلی سبب ہی کہ کیوں مذاہب میں اِس کثرت سے اختلاف ہی اور کیوں اختلاف مذاہب
یوماً فیوماً بڑھتا چلا جا رہا ہی وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ
رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اور اگر خدا چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی مذہب کا کر دیتا اور
ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر خدا کی مہر ہو اور اسی لیئے انسان کو پیدا کیا ہی) اختلاف
مذاہب کو بڑھتا ہوا دیکھ کر لوگوں کی طرف سے بدگمان نہیں ہونا چاہیئے کہ دنیا میں بے دینی پھیلتی جاتی
ہی نہیں اختلاف کی ترقی اِس بات کی دلیل ہی کہ لوگ کثرت سے دین پر متوجہ ہیں۔ اختلاف
مذاہب میں لوگوں کا قصور نہیں۔ قصور اگر ہی اور میں اِس کو قصور سے تعبیر بھی کر سکوں تو نفس مذہب
کا ہی۔ وہ مضمون ہی ایسا ہی جس کے شکوک اِس دنیا میں حل ہو ہی نہیں سکتے اگرچہ یقیناً
معلوم ہی کہ اختلافِ مذہب تا قیامت رفع نہیں ہو سکتا اور اسی لیئے روز قیامت کا دوسرا نام
ہی یَوْمُ الْفَصْل اور اِس کی وجہ تسمیہ بھی قرآن میں جا بجا اور بار بار بیان فرما دی ہی فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ

فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (جن جن باتوں میں تم لوگ اختلاف کر رہے ہو قیامت کے دن خدا سب تم کو بتا دے گا) غرض اگرچہ اختلافِ مذہب تا قیامت رفع ہونے والا نہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہم رفع اختلاف میں کوشش نہ کریں۔ اس اختلاف کے خطرناک نتیجے عاقبت میں تو جب ظاہر ہوں گے تب ہوں گے کہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ۔ (یہ وہ دن ہی جس میں سب آدمی ایک جگہ جمع کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہی جس کو سب آدمی دیکھ لیں گے اور ہم اُس کے لانے میں دیر بھی کر رہے ہیں تو معدودے چند دنوں کی جس وقت وہ دن آموجود ہوگا کسی کو بات کرنی کی مجال نہ ہوگی مگر خدا کے حکم سے۔ پھر لوگ بعض بدبخت ہوں گے اور بعض خوش نصیب تو بدبخت لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں چلائیں اور دھاڑیں گے اور اسی حالت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں مگر جو خدا کو منظور ہو خدا جو چاہتا ہی کر گزرتا ہی اور جو خوش نصیب ہیں وہ بہشت میں ہوں گے اور اُسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہی مگر جو خدا کو منظور ہو یہ بخششیں ہیں جن کو انقطاع نہیں) غرض اختلافِ مذہب کے خطرناک نتیجے عاقبت میں تو جب ظاہر ہوں گے تب ہوں گے۔ اس اختلاف نے دنیا ہی کے برباد کرنے میں کیا اُٹھا رکھا ہی سب سے بڑا جرم جس کا انسان مرتکب ہو سکتا ہی قتل اور خونریزی ہی اور خونریزی کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں لیکن تمام اسباب کثیر الوقوع اور نادر الوقوع ایک طرف اور اختلافِ مذہب ایک طرف اس پر بھی اختلافِ مذہب ہی کا پلہ بھاری رہے گا۔ میرا خیال تو یہ ہی کہ جتنے خون ابتدائے دنیا سے آج تک اختلافِ مذہب کی وجہ سے ہوئے ہیں اگر سب کا جمع کیا جانا ممکن ہوتا تو ایک دریا سے خون بہتا ہوتا لیکن مذہب ایسا سفاک ہی کہ وہ اس کو بھی بکجگہ

پکار اُٹھتا هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (کچھ اور بھی ہی) بات یہ ہی کہ لوگ اس قدر مستعجل ہیں کہ قیامت کے فیصلے کا انتظار نہیں کر سکتے اور ہر مذہب والا چاہتا ہی کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو صفحۂ ہستی سے معدوم کر دے۔ مسلمان تو ناحق میں بدنام ہیں گودِیْ ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ہنگ ہم اوُٹ (کتے پر ناحق الزام لگاؤ اور لات مار کر باہر کرو) کوئی ایک مذہب والا تو کہے کہ اُس نے موقع پاکر ٹالریشن (تحمل) دکھایا ہی عیسائی جن کے مذہب کا یہ اصول ہی کہ اگر تیرے ایک گلّے پر کوئی طماچہ مارے تو دوسرا بھی اُس کے آگے کر دے کہ اس پر بھی دستِ شفقت پھیر اور جب تک آدمی ایسی موم مٹی نہ بن جائے آسمانی باپ کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ کروسیڈ (عیسائیوں کے جہاد) کے ہاربل کانسیکوئنسز (خوفناک نتائج) سے قطع نظر کرو عیسائی اگر ایسا مزاج رکھتے ہوتے تو انڈیا میں دوا کو ڈھونڈے نہ ملتے۔ مین از دی میں آل دی ورلڈ اوور (تمام دنیا کے آدمی کچھ ایک ہی طرح کے نہیں ہیں) ؎

ناصح خود یافتم کم درجہان	ہر یکے ناصح برائے دیگراں

الغرض مذہب کا یہ بڑا خطر عاجل ہی کہ وہ لوگوں میں التیام وارتباط قایم نہیں ہونے دیتا اور نااتفاقی ایسی بد بلا ہی کہ شخصوں شخصوں میں ہو تو اور قوموں قوموں میں ہو تو دونوں ہی فریق اس سے نقصان اُٹھاتے ہیں تو اگر ہم اس آگ کو بالکل بجھا نہ سکیں کم سے کم اتنا تو کریں کہ اس کو اور زیادہ نہ بھڑکنے دیں۔ مگر سخت افسوس کی بات ہی کہ جن لوگوں نے اس آگ کو بجھانا چاہا پانی کی جگہ لگے کروسن آئل (مٹی کے تیل) کی بھرمار کرنے پس اب وہ آگ ایسے زوروں پر ہی کہ شاید سمندر کا پانی بھی اس کو نہیں بجھا سکتا۔ آپ سمجھے کہ کروسن آئل سے میں نے کیا مراد رکھی ہی کروسن آئل سے میری مراد ہی مذہبی مناظرے۔ کہ مناظرے کے جو طریقے مناظرین نے اختیار کیے دلوں کے دُکھانے والے اور ضد اور مخالفت کے پیدا کرنے والے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ مناظرے سے التیام کی کوئی صورت پیدا ہو عداوتیں قائم ہو گئیں۔ وہی جیسا ابراہیم ع نے فرمایا تھا۔ بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا (ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے کھُلی دشمنی ہو گئی) اگر

مذہب دنیا سے سروکار نہ رکھتا ہوتا تو کچھ بھی بات نہ تھی موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود۔ مگر بڑی مشکل یہ آ کر پڑی ہے کہ بے مذہب کے دنیا کا کام چل نہیں سکتا۔ انسان اس طرح کا منھ زور ٹٹو ہے کہ مذہبی لگام کے بدون کسی ڈھب سے قابو میں آنے والا نہیں۔ یہ جو اتنا امن دنیا میں دیکھتے ہو گو سلطنت اور حکومت کو بھی اس میں کسی قدر دخل ضرور ہے مگر بڑا دخل مذہب کا ہے۔ ایک ملک فرض کرو جس کے باشندوں کو نہ خدا کا خوف ہو نہ عاقبت کا اندیشہ پھر دیکھیں تو کون سے منتظم گو وہ انگریز ہی کیوں نہ ہوں اس کا انتظام کیے لیتے ہیں۔ غرض مذہب سے تو کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ آدمی ہے تو جس طرح وہ بادی البشرہ مستقیم القامہ عریض الاظفار ہے ریلیجس (مذہبی) بھی ضرور ہے اور ریلیجن (مذہب) ہے تو ریلیجن کے اختلاف بھی ضرور ہے اور اختلاف ہے تو اس کے ساتھ کشمکش بھی ضرور ہے۔ یہ کشمکش ہمارے اس بدنصیب ملک میں چندروز سے بہت ہی اشتداد پکڑ گئی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمان جن کا چولی دامن کا ساتھ ضرب المثل تھا۔ اب ایک جگہ امن سے نہیں رہ سکتے اور سچ بھی تو ہے جب تک انگرکھے تھے چولی اور دامن کی ضرورت تھی اب نئی قسم کے کوٹ چل پڑے ہیں جو چولی اور دامن دونوں سے بے نیاز ہیں۔ کبھی آپ صاحبوں نے اس بات میں غور کیا ہے کہ برغم ما مضیٰ ہندو مسلمانوں کے جھگڑے کیوں ازسرنو تازہ ہو گئے ہیں ہم کو تو یہ توقع تھی کہ انگریزی تعلیم ٹالریشن سکھاتی اور تعصب جہالت کی ظلمتوں کو دور کرتی ہے عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمان ایک ہو جائیں۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ ایک ہونا کیسا ہندو مسلمان دو خط ہیں متنفر الملاقات لیکن ہندو مسلمان اس ملک میں کوئی نئے آ کر نہیں بسے دونوں مذہبوں میں کوئی انوکھی بات پیدا نہیں ہوئی سلطنت جس کے پیچھے ایک کو ایک کھائے جاتا تھا خدا نے دونوں سے لے کر تیسرے حق دار کے حوالے کر دی پھر یہ بیٹھے بٹھائے ہوا تو کیا ہوا کہ جبھی کی اگلی بھولی بسری خصومتیں ازسرنو تازہ ہو گئیں۔ ہاں تو ہوا یہ کہ انگریزوں نے دونوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آزادی کے خبط سے لوگوں کی انگریزی دماغ [illegible] آپ [illegible] نے سمجھا کہ دنیا میں لاکھ دولتوں کی ایک دولت آزادی ہے

اور یورپ میں ساری رونق اور خوش حالی اسی آزادی کے دم قدم سے ہے۔ رعیت پروری کے جوش میں آکر اس بات پر تو افکر کی نہیں کہ نیٹوز کو اس نشے کی سہار بھی ہے یا نہیں۔ بے سوچے سمجھے سب کو خودمختار کر دیا۔ پس انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ویسی ہی مثال ہو گئی کہ ایک نادان ماں نے دودھ پیتے ننھے بچے کو قوی قوی غذائیں کھلانی شروع کیں کہ جلدی سے بڑا ہو جائے۔ بچہ قوی غذاؤں کو ہضم نہ کر سکا اور آخر کار ہلاک ہو گیا۔ انگریزوں کی سلطنت کو ایسے کون سے قرن گزر گئے تھے چند سے اور صبر کیا ہوتا ہندوستانیوں میں انگریزی مذاق اچھے طرح سے رچ جاتے تو بتدریج ان کو آزادی دینے کا مضایقہ نہ تھا۔ انگریزی مذاقوں کا حال یہ ہے کہ معدودے چند کو توڑ الو بھاڑیں ہندو اپنے سوائے سبھی کو بھرشٹ (ناپاک) سمجھتے ہیں ازاں جملہ انگریزوں کو بھی رہے مسلمان سوان کے مذاقوں کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقیر اپنی اسی پرانی وضع کو نباہے چلا جاتا ہے مجکو اسی میں آسایش بھی ملتی ہے اس پر صرف اتنے تعلق سے کہ کانفرنس میں برسویں دن آکر لکچر دے دیتا ہوں وہ بھی طوعاً نہیں بلکہ کرہاً او ما اپنے زعم میں سید احمد خاں کی لاگ لپیٹ کی بھی کوئی بات نہیں کہتا مگر چوں کہ کانفرنس کی ابتدا سید احمد خاں سے ہے اور سید احمد خاں مسلمانوں میں انگریزی کا رواج دینا چاہتے ہیں اور انگریزی انگریزوں کی زبان ہے اور انگریز نصاریٰ ہیں اور نصاریٰ مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں اور کافر مستوجب نار ہیں اتنے تعلق سے اگر اس کو تعلق کہہ سکتے ہیں تو فقیر کو لوگ کافر بتاتے ہیں اور کافر نہ بھی کہیں مگر قسم کھانے کی بات ہے کہ مسلمان تو نہیں سمجھتے ؎

	یک مومن با صفا و او ہم کافر	پس در ہمہ ملک یک مسلمان نبود	

کفر تو آپ نے بہت سنے ہوں گے مگر میرے کفر مسلسل کو دیکھیے گا کہ کیسا درجہ بدرجہ قلیٹ ہوتا چلا آیا ہے۔ کافر بہت مگر کوئی ایک تو کفر کا ایسا شجرہ دکھائیے۔ مجکو اپنے کفر کے سلسلے پر بچوں کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک چڑیا کہیں سے ایک دانہ اناج کا اٹھا لائی اور وہ دانہ اس نے ڈال کر کسی ایک لکڑی پر رکھا کہ اطمینان سے بیٹھ کر کھائے لکڑی میں تھا شگاف وہ دانہ

درز میں چلا گیا اب یہ بہتیرے جتن کرتی ہی چونچ دانے تک نہیں پہنچتی۔ ناامید ہو کر بیچاری فریاد
کرتی پھرتی تھی۔ کاٹ دانہ دیتا نہیں چگوں سو کیا۔ کوّے نے کہ یہ بڑا سیانہ جانور ہی اور اس کے
سیان پت کا نتیجہ بھی معلوم ہی اس کو صلاح دی کہ کسی بڑھئی سے جا کر کہہ وہ کاٹ چیر دے گا۔
اور تیرا دانہ تجکو مل جائے گا۔ چڑیا دوڑی دوڑی بڑھئی پاس گئی اس نے کاٹ کے چیرنے سے
انکار کیا تو چڑیا ہر ایک سے فریاد کرتی پھرتی تھی۔ بڑھئی کاٹ چیرتا نہیں کاٹ دانہ دیتا نہیں
چگوں سو کیا۔ پھر وہ راجہ پاس گئی کہ بڑھئی پہ ڈنڈ کرے۔ راجہ نے بھی اس کی فریاد نہ سنی تو وہ کہتی
تھی راجہ بڑھئی ڈانڈتا نہیں بڑھئی کاٹ چیرتا نہیں کاٹ دانہ دیتا نہیں چگوں سو کیا۔ پھر چڑیا
رانی پاس گئی کہ راجہ سے روٹھ جاؤ اس نے بھی نہ مانا تو چڑیا کہتی تھی رانی راجہ سے روٹھتی نہیں۔
راجہ بڑھئی ڈانڈتا نہیں بڑھئی کاٹ چیرتا نہیں کاٹ دانہ دیتا نہیں چگوں سو کیا۔ اسی طرح چڑیا
چوہے اور بلی اور کتے اور لاٹھی اور آگ اور پانی سب کے پاس فریاد لے گئی اور کاٹ سے دانہ
اگلوا کر رہی۔ میں دیکھتا ہوں تو اس کی فریاد کا سا سلسلہ کفر کے سلسلے کے متوازی چلا جاتا ہی
غرض کیا ہندو کیا مسلمان آزادی کے ضبط کرنے کا ظرف نہ ان کا تھا نہ ان کا۔ انگریزوں نے آکر پلائی
آزادی کی دو آتشہ برانڈی۔ پینا تھا کہ لگے بہکانے۔ کچھ تو مدراس میں پڑے بہک رہے ہیں۔
یقین نہ ہو تو جا کر سن آؤ۔ ڈر ہی کہ کہیں سمندر میں نہ گر پڑیں۔ کتنوں کو پمفلٹس (رسالوں) اور آرٹیکلوں
کی ٹر لگی ہو۔ یہ لوگ گورنمنٹ کے احسانات کی تحریری مکافات ہی۔ رہی زبانی سو انگریزی خوانوں کی گفتگو
کا معمولی ٹاپک (مضمون) گورنمنٹ کی بدیوں کا رونا ہی اور بس۔ اس آزادی بے ہنگام نے گورنمنٹ
اور رعایا کے باہمی تعلقات کو توپوں اسٹرینڈ (منقبض) کیا اور بس نہیں رعایا با رعایا جیسی کچھ
جوتیوں میں دال بٹ رہی ہی اعظم گڈھ غازی پور بمبئی پونا جونا گڈھ وغیرہا کے افسوسناک واقعات
اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اس پر بھی گورنمنٹ ہندوستانیوں کو آزادگی دینا جائز رکھتی ہی تو یوں
سمجھو کہ گورنمنٹ آپ اپنی خرابی کر رہی ہی اور اپنے ساتھ ہندوستان کی بھی۔ مذہب کے لحاظ سے
جس ملک کی یہ حالت ہو جو سارے ہندوستان کی ہی کوئی مذہب کے خبط سے خالی نہیں۔

کسی میں ٹالریشن کا نام نہیں جتنے آدمی وتنے مذہب اور ہر شخص بجاے خود مطلق العنان کہ دوسرے
مذہب والوں کی بدتر سے بدتر مذمت لکھے اور مشتہر کرے سر بازار پکار پکار کر بُرا کہے کسی طرح کی ممانعت
نہیں۔ ایسے ملک کے امن کا خدا حافظ۔ مگر ایک بار میں آپ صاحبوں سے پوچھنا چاہتا ہوں
کہ ہم ہندوستانیوں کے یہ مذاق بگڑے تو کیوں بگڑے۔ بگڑے انگریزی تعلیم سے۔ اس سے کوئی
صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں انگریزی تعلیم کا مخالف ہوں میں کچھ کرتا نہیں اور مجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا
اور مجھکو انگریزی آتی بھی نہیں۔ یہ باتیں تو ہیں دوسری میں انگریزی تعلیم کی ضرورت کو مسلمانوں
کی تمام دنیاوی ضرورتوں پر مقدم رکھتا ہوں بشرطیکہ اس کی تعلیم علی گڈھ کالج کے طور پر ہو کہ
لوگ انگریزی بھی پڑھیں اور بھلے مانس بھی رہیں۔ نہ تو گورنمنٹ کو ان کی طرف سے کسی طرح کا کھٹکا
ہو اور نہ ہمسایوں کو ان سے کسی قسم کی ایذا پہونچے لیکچر خود بخود ابنٹی کانگرس کا سا رنگ آگیا اگرچہ
میرا یہ مقصود نہ تھا۔ لیکن میں اس کو کانفرنس کا لیجٹمٹ (باقاعدہ) کام سمجھتا ہوں کہ وہ تعلیم مروجہ کے
نتائج میں غور کرے۔ میں نے علی گڈھ کالج کی تعلیم کے علاوہ عموماً تمام تعلیم کو کنڈمن (قبیح) کر دکھایا ہے۔
سو یہ کچھ سید احمد خاں کی مونھ دیکھے کی بات نہیں ہے۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو سر آکلنڈ کالون جیسا
سٹیٹسمین (مدبر) اس کی تصدیق کر گیا ہے اور سب سے بڑی تصدیق تو ان طالب العلموں کا ٹریننگ
(تربیت) ہے کہ پڑھانے لکھانے کے علاوہ ان کے اخلاق ان کی تہذیب چال چلن کی نگرانی اور
خیالات کی اصلاح کی جاتی ہے اور مجھکو پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ یہ لوگ سید احمد خاں کی سرپرستی
میں تعلیم پاکر ایجوکیٹڈ جنٹلمین (تعلیم یافتہ شریف) کے عمدہ نمونے ہوں گے اور کالج کی ناموری کو ہمیشہ
کے لیے قائم رکھیں گے۔ آمین۔ اب میں انگریزی خوان طالب العلموں کو عموماً اور علی گڈھ کالج کے طالب العلموں
کو خصوصاً تعلیم کے ایک اور خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ طالب العلمو ذرا متوجہ ہو کر سنو۔ میں نے ابھی
تھوڑی دیر ہوئی مذہبی اختلاف کو آگ سے اور مذہبی مناظرے کو کروسن آئل سے تشبیہ دی تھی
اگر مذہبی اختلاف آگ اور مذہبی مناظرہ کروسن آئل ہے تو جس خطر کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں کنسٹبل
مینٹلٹی کے سواے میں ہی اس کا دوسرا نام تجویز کر نہیں سکتا۔ سر جارج ایڈمنسٹن کے زیر نظر انڈین پینل کوڈ کے

(مجموعہ تعزیرات ہند) ترجمے میں شریک مغلوب میں بھی تھا اس وقت کمبسٹبل میٹر کا ورنیکولر
اکویویلنٹ (مرادف اُردو) رکھا گیا تھا بھک سے اُڑ جانے والا مادہ۔ مدتوں کی بےتعلقی کے سبب
اور تو سارا ترجمہ بھول گیا مگر انتب لفظ کی وجہ سے جب کبھی کمبسٹبل نظر سے گزرجاتا ہی فوراً اُس کا ترجمہ
"بھک سے اُڑ جانے والا" یاد آجاتا ہی۔ پہلے ہی سے ہمارے ملک میں خدا کے فضل سے مذہبوں
کی کچھ کمی نہ تھی معلوم نہیں اور ملکوں کا کیا حال ہی مگر یہاں تو مذہب انڈے بچے دئیے چلا جاتا ہی ہمارے
دیکھتے دیکھتے بہت سے نئے مذہب پیدا ہو گئے بلکہ یہ عملداری مذہب کو کچھ ایسی سازگار آئی ہی کہ
مذہب کی اس حال کی نسل میں کچھ اُچھل کود زیادہ معلوم ہوتی ہی یا تو بچپن کا تقاضا ہی یا جہاں
سب چیزیں اپنی اپنی جگہ ترقی کر رہی ہیں مذہب نے بھی نسل میں ترقی کی ہی نئے مذہبوں میں بڑے
بڑی اودھم مچا رکھی ہی سائنٹفک مذہب یعنے فلسفی ہی جس کو لوگ نیچر کے نام سے پکارتے
ہیں سائنٹفک کہو یا نیچر مطلب ایک ہی ہی اتنا فرق ضرور ہی کہ لوگ لفظ نیچر کی بڑی مٹی پلید کر چکے
ہیں اور اب تک بھی کر رہے ہیں اور یہ لفظ بتقاضائے بشریت نیچریوں کے سامنے پر ضرور گراں
گزرتا ہوگا۔ لفظ سائنٹفک میں سوائے اس کے کہ انگریزی ہی اور کوئی عیب نہیں۔ اختلاف مذہب
تو ایسی بدبلا ہی کہ اتنے بڑے ہندوستان میں صرف دو ہی مذہب ہوتے اور ایک دوسرے
سے اختلاف کرتے تو سارے ہندوستان کو بے چین رکھنے کے لیے بس کرتے تھے نہ کہ کوڑیوں
مذہب اور سب میں پھوٹ۔ اس پر آشریف لائے سائنٹفک صاحب کہ بڑے میاں
سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ انھوں نے تو آتے کے ساتھ کل مذہبوں پر جھاڑو
پھیرنی شروع کی مسلمان جو انگریزی سے بدکتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہی انگریزی میں کیا دھرا ہی
خدا نہ کہا۔ گاڈ کہا۔ لیس کی جگہ تو مسٹ کہا جیسا اسلام کا دشمن ویسا ہی ہندوؤں کے
مذہب کا۔ اور مسلمان جس کو بڑا تعجب کریں گے ویسا ہی بلکہ سب سے بڑھ کے خود انگریزوں
کے مذہب عیسائیت کا۔ اگر مسلمان سائنس کو جانتے ہوتے تو ایسے لغو اور بے اصل بات کبھی
بھی منھ سے نہ نکالتے کہ لوگوں کو عیسائی کرنے کی غرض سے انگریزی پڑھوائی جاتی ہی انگریزی

پڑھ کر مسلمان مسلمان رہے یا نہ رہے قسم کھانے کی بات ہے کہ عیسائی تو نہیں ہو سکتا ہرگز نہیں ہو سکتا
اگر کسی کو سائنس چڑ گیا اور اُس نے دیکھا اسلام کی آنکھ میں تاب نہ تو وہ عیسائیت کو دیکھے گا دو نو
دیدے پھٹ مسلمان تو بھلا انگریزی پڑھ کر کیا عیسائی ہوگا جو اصل نسل سے عیسائی ہیں ہم کو تو اُن
کے عیسائی ہونے میں بھی تامل ہے۔ اور یوں مذہب کو قوم کا مرادف سمجھا چاہیئے تو لا مُشَاحَّۃ
فِی الاِصْطِلَاح بیچارے نیچریوں ہی نے ایسا کس کا پاپ مارا ہے کہ یہ قسمیں کھا کھا کر اپنے تئیں مسلمان
کہیں اور ان کو مسلمان نہ سمجھا جائے۔ ابھی لوگوں پر نیچریوں کی حقیقت ہی منکشف نہیں۔
نیچریوں کے اصل معتقدات تو کتاب الملل و النحل میں لکھے ہوں گے یا اس سے اُتر کر (نہیں اُس
سے بڑھ کر) سر سید قبلہ کو معلوم ہوں گے مگر جہاں تک سُنے سنائے مجکو معلوم ہیں اُس کی رو سے
نیچری مسلمانوں میں وہ مذہبی فرقہ ہے۔ جو اسلام اور سائنس میں توافق دینا چاہتا ہے۔ اِن کی نیت کے
بخیر ہونے میں تو ہرگز شک آرد کافر گردد۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اسلام اور سائنس میں توافق
پیدا کرنے کے لیئے اِن لوگوں نے جو اصول اختیار کیئے ہیں ٹھیک بھی ہیں یا نہیں۔ اگر ہم اِن
باتوں کی فہرست بنانی چاہیں جو اسلام میں اور دیگر مذاہب میں مختلف فیہ ہیں تو شاید ہر ایک
مذہب کے مقابلے میں چند آیٹم (مدات) سے زیادہ اس فہرست میں نہ ہوں مثلاً ہم اسلام
اور عیسائیت میں مقابلہ کرتے ہیں تو جن باتوں میں جھگڑا ہے اسی قدر ہیں کہ عیسائی تثلیث کے قائل
ہیں ہم نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مصلوب ہوئے۔ ہم کہتے ہیں نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں
خدا عدل اور رحم کو جمع نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے کفارے کی ضرورت واقع ہوئی ہم کہتے ہیں کر سکتا
ہے اور کفارہ کوئی چیز نہیں۔ مقدمہ تو اس قدر پیچیدہ ہے کہ تیرہ سو برس سے آج تک فیصل نہیں ہوا۔
مگر امور متنازع فیہ یہی دو چار ہیں اور بس۔ لیکن نیچری ٹھیرے گھر کے بھیدی یہ اصول اور فروع
جہاں کہیں فی زعمہم ضعف پاتے ہیں حملہ کیئے بدوں نہیں رہتے اور اسلام اور نیچریوں کے جھگڑے
کا ایک طومار بن گیا ہے اور سید احمد خاں کی کل مصنفات بیا پیا تا تہذیب الاخلاق اور نو مسلموں کے
نام کیا گنواؤں۔ مولوی مہدی اور مولوی چراغ علی کے تمام ملفوظات اور میں اپنے تئیں بھی

کیوں مستثنیٰ کروں خدا گناہوں کو معاف کرے کبھی نہ کبھی نیچریوں کی سی کوئی نہ کوئی بات میرے قلم سے بھی ضرور نکلی ہوگی یہ سب ملا کر نیچریوں کے مذہبی لٹریچر کا بجائے خود ایک کتاب خانہ ہے اُس سب کو کریدنے اور پھندوڑنے کے لیئے تو مدتیں چاہئیں مگر میں اس مقام پر صرف ایک یادوہی ریمارک کرنی چاہتا ہوں۔ مجکو خوب معلوم ہے کہ یہ کانفرنس مذہبی کانفرنس نہیں ہے اور یہاں دین و مذہب کی گفتگو آنی چاہیئے نہیں۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ مسلمان ہر ایک بات میں مذہب کو لے دوڑتے ہیں اور تعلیم پر تو ساری پھیر مار مذہبی توپ خانے ہی سے ہو رہی ہے میں نے اپنے نزدیک مذہب حق کی شناخت یہ قرار دے رکھی ہے کہ اس کے احکام ناممکن التعمیل نہ ہوں اور مذہب اسلام کی حقانیت کی طرف سے جو میرے دل کو تسلی ہوئی ہے تو زیادہ تر اسی سے ہوئی ہے کہ میں اسلام کے کسی حکم کو ناممکن التعمیل نہیں پاتا۔ اسلام نے نیکی کا ایسا سٹینڈرڈ رکھا ہے کہ آدمی وقتی ضرورتوں اور خواہشوں کی بلاؤں میں مبتلا رہ کر بھی آسانی کے ساتھ اس درجے پر پہنچ سکتا ہے۔ انسان کی ایک خاص طرح کی بناوٹ ہے اور گو وہ اشرف المخلوقات ہے پھر بھی معذوریاں ہیں مجبوریاں ہیں کمزوریاں ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا انسان کو ضعیف بنانا اور اُس پر احکام سخت کا اتنا بوجھ لادنا جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے ظلم صریح ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ پھر ناممکن التعمیل کے پیرائے ہیں دو۔ عملیات میں یہ کہ ہم تعمیل نہ کر سکیں مثلاً فرض کرو کوئی مذہب ہم کو ایسے روزہ کا حکم دے کہ ایک ہفتے تک نہ کچھ کھاؤ نہ پیو تو یہ روزہ خودکشی کا مرادف ہوا۔ پھر دالیسے روزہ کا حکم سن کر ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ نہ یہ حکم خدا کا حکم ہے اور نہ یہ مذہب مذہب حق اسی طرح معتقدات میں کوئی بات ناممکن الیقین تو ہم اس کو بھی ناممکن التعمیل ہی کہیں گے اور وہ ناممکن التعمیل ذہنی ہے مثلاً فرض کرو کوئی مذہب تعلیم کرتا ہو کہ زمین گول نہیں ہے تو مجرد اتنی ہی بات سے ہم سمجھ لیں گے کہ یہ ناسب خدائی مذہب نہیں ہے۔ سائنس اور اسلام میں جو تنازع آکر قایم ہوا ہے وہ اکثر اسی قسم کا ہے کہ جو باتیں سائنس کی رو سے پایہ تحقیق کو پہونچی ہیں۔ اسلام جیسا کہ عموماً لوگوں نے سمجھ رکھا ہے ان کے خلاف ظاہر کرتا ہے اور مشکل

یہ آکر پڑی کہ سائنس کے مسائل مبنی ہیں مشاہدات پر جس سے لازم آتا ہی کہ اسلام کو نا ممکن الیقین سمجھا جائے۔ اب سمجھے سائنس اور اسلام یعنی اسلام متعارف میں کیا جھگڑا ہی۔ اس روداد سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہی کہ سائنس بر سرِ حق ہی کیوں کہ سائنس جو بات کہتا ہی اُس کا مشاہدہ کرا دیتا ہی اور مشاہدے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ثبوت ہو نہیں سکتا جب تم نے سائنس اور مذہب دونوں کی حقیقت کو سمجھا اور دونوں کی نزاع کو بھی سمجھا تو اب تم کو نیچریوں کی قدر آئے گی کہ یہ ملعون فرقہ اسلام کی کیسی خدمت کر رہا ہی۔ فیکٹس (واقعات نفس الامری) کو تو کوئی رزسٹ (دفع) کر ہی نہیں سکتا تھا اور بدی ہوئی بات تھی کہ سائنس کے مقابلے میں اسلام متعارف کی ڈفیٹ (شکست) ہو نیچریوں نے اپنی تدبیر سے اس ڈفیٹ کو آنریبل رٹریٹ (عزت کے ساتھ لوٹ جانا) بنا دیا کہ اس کو بھی ایک طرح کی ظفر ہی سمجھو۔ تاکہ تم ڈفیٹ اور رٹریٹ میں فرق کر سکو میں قرآن کی ایک آیت مناسبِ مقام پڑھتا ہوں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ (اے مسلمانو جب کافروں سے سب مل کر لڑو تو دشمن کے سامنے سے بھاگو مت اور جو بھاگے گا تو خدا کے غضب میں آگیا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہی فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ میں ڈفیٹ یعنی ہزیمت کی طرف اشارہ ہی اور مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ رٹریٹ ہی۔ مسلمانوں کی ابتدائی لڑائیوں میں احد کی لڑائی بگڑ گئی تھی اور اس کے بگڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ پیغمبر صاحب نے مسلمانوں کے ایک دستے کو ایک ناکے پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ لڑائی بنے یا بگڑے تم اسی جگہ جمے رہنا۔ دوسرے دستے نے دشمنوں کو بھگا دیا ناکے والے سمجھے کہ بس لڑائی جیت لی جگہ سے ٹل گئے دشمنوں نے ناکہ خالی دیکھ مسلمانوں پر ایسا دباؤ ڈالا کہ سب کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ایسے بدحواس ہو کر بھاگے کہ پیغمبر صاحب کی بھی خبر نہ لی۔ یہی وہ لڑائی تھی جس میں پیغمبر صاحب زخمی ہوئے اور دشمنوں نے تو یہاں تک اُڑا دی تھی کہ مارے گئے چند مسلمان جو پیغمبر صاحب کے ساتھ سے الگ نہیں ہوئے تھے اُن میں حضرت عباسؓ بھی تھے اور یہ دیکھ بھی

جہیر الصوت اُنھوں نے بھاگتوں کو ڈانٹا کہ لوگو کدھر چلے جا رہے ہو پیغمبر صاحب تو یہ موجود ہیں بارے پھر مسلمان سمٹ آ لئے اور لڑائی سنبھل گئی مگر چوں کہ مسلمانوں کے بہت آدمی ضائع ہوئے تھے کچھ شکست ہی سی رہی جس کی وجہ سے مسلمان بہت ہی شکستہ خاطر ہوئے لڑائی کا شکست ہو جانا چنداں پروا کی بات نہ تھی مثل مشہور ہے الحرب سجال لڑائی کنوئیں کا ڈول ہے اس سے کبھی کوئی پانی بھرتا ہے کبھی کوئی مگر دلوں کا شکست ہو جانا غضب تھا چنانچہ جب لوگ جھینپتی ہوئی تیوریں لے کر پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مواعظ بلیغ سے ان کی بڑی تسلی کی اور یہ بھی فرمایا کہ تم نے حکم لَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ کا نقض نہیں کیا بلکہ تمہارا جنگ سے ٹل جانا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ کی قسم کا تھا۔ سو جس طرح لوگوں نے جنگ احد کے نتیجے کو اسلام کی ڈفیٹ سمجھا اور پیغمبر صاحب نے اس کو ریٹریشن قرار دیا۔ یہی حال سائنس اور اسلام کی لڑائی کا ہے کہ عام مسلمان نیچریوں کی تاویل اور توفیق کو اسلام کی ڈفیٹ سمجھتے ہیں مگر وہ ڈفیٹ ہی نہیں بلکہ ریٹریشن ہے اور ریٹریشن بھی آنربل ریٹریشن۔ بایں ہمہ نیچریوں کی کارروائی کی نسبت میرا ایک خیال ہے جس کا ظاہر کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ خیر خواہی اسلام کے جوش میں کسی قدر حد اعتدال سے اکسیڈ (متجاوز) ہو گئے ہیں اور ان کا اکسیڈ ہونا میرے نزدیک اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے یہاں اسلام سے میری مراد اسلام متعارف نہیں کہ وہ تو اگر نیچری لاکھ جتن بھی کرتے سائنس کی زد سے محفوظ رہ نہیں سکتا تھا بلکہ وہ سچا اسلام وہ خالص اسلام ہے جو خالص سونڈ مخر اینڈ پرفیکٹ دکامل اسلام مراد ہے جس کی بنیاد اس قدر محکم اور مضبوط اور استوار اور مشید ہے کہ سائنس کے کیسے ہی جھکڑ چلا کریں اس کو خبر بھی تو نہیں ہوتی۔ دو مخالفوں میں التیام کرنے کا یہ دستور ہوتا ہے کہ کچھ اس کو دبایا کچھ اس کو دبایا دونوں مخالفت ایک بات پر رضامند ہو گئے مگر میں دیکھتا ہوں نیچری ہر ایک بات میں اسلام ہی کو دبائے چلے جاتے ہیں۔ پس یہ حکم کا ہے کے ہیں خالصے سائنس کے وکیل ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سائنس اور اسلام کے نزاع کی روداد یک طرفہ ہے اس لیے کہ سائنس کی طرف ثبوت میں ناممکن التردید سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ سائنس کے بعض مسائل قطعی طور پر ثابت ہو چکے ہیں اور

اگرکسی ایسے ایک مسئلے سے بھی اسلام مخالفت کرے اور اسلام توکیوں مخالفت کرنے لگا تھا مگر یوں کہو کہ اسلام متعارف جس کو لوگوں نے اسلام سمجھ رکھا ہی مخالفت کرے بے شک بے تامل سائنس کی جانب داری کرو اور عوام کو پڑا بکنے دو لیکن سائنس اسی حساب اور جبر و مقابلے اور اقلیدس کا نام تو نہیں ہی سائنس ایک دریا سے ناپیدا کنارہی جس کی نسبت سائنس کا گرو گھنٹال سر آیزک نیوٹن (تعجب ہی کہ تم لوگ اس شخص کا نام سن کر تعظیماً کھڑے نہیں ہو گئے نہ کسی نے نعرہ خوشی بلند کیا اور نہ ہتھیلیوں کے پٹنے کی آواز آئی) یہ سر آیزک نیوٹن کہہ مرا ہی کہ میری اور سائنس کی ایسی مثال ہی کہ ایک نادان لڑکا سمندر کے کنارے بیٹھا گھونگے اور سیپیاں جمع کر رہا ہی اور اپنے جی میں خوش ہی کہ حاصل بحر ہی چند گھونگے اور سیپیاں ہیں اس کو ان بیش بہا موتیوں کی خبر ہی نہیں جو قعر دریا میں مدفون ہیں۔ زمانہ ترقی کر رہا ہی اور نئی نئی باتیں نکلتی چلی آتی ہیں۔ بہت سی باتیں ہنوز زیر تحقیقات ہیں لوگ اٹکلیں دوڑا رہے ہیں دیکھئے گوہر مقصود ہاتھ لگتا بھی ہی یا نہیں۔ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (ان کو اس کا علم نہیں مگر زا گمان ہی گمان ہی) یہ کہاں کا انصاف ہی کہ ہم ان لوگوں کی تخمین و تحری کو بھی قطعی الثبوت میں داخل کریں۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ دنیا میں تاریخ کی سینکڑوں ہزاروں کتابیں ہیں نہ تو اُن کے مصنفوں کا حال معلوم نہ اُن کی صداقت کا یقین نہ اُن کا ماخذ متعین۔ بااینہمہ ان کے رطب و یابس کو کان دبا کر تسلیم کر لیا جاتا ہی اور انگریزی خوانوں کو ہم ان کی روایات سے استشہاد کرتے دیکھتے ہیں۔ اور ایک مذہبی تاریخ ہم مسلمانوں کی حدیث ہی جس کے پیچھے بڑے بڑے متقی پرہیزگار لوگوں نے عبادت سمجھ کر عمریں صرف کر دی ہیں اُن کی اتنی بھی تو وقعت نہیں جتنی انگریزی ناولوں (افسانوں) کی۔ اس واسطے کہ ان نیک بندوں نے صرف حدیث کی تنقید کے لیئے دور دراز ملکوں کے سفر کیئے ہزاروں راویوں کے لائف تحقیق کی کہ ان کی دیانت کیسی تھی ان کا حافظہ قوی تھا یا ضعیف پھر جس سے روایت کرتا ہی اُس سے اس کو ملنے اور حدیث سننے کا اتفاق بھی ہوا تھا یا نہیں پھر روایت کے وقت دونوں کی عمر کیا تھی اس طرح ایک بات کی بال کی کھال نکالی جائے گی تو اس میں ایسا تو کیا ہی کہ اختلاف نہ ہو تو جو اختلافات تحقیق ہوئے وہ بھی ان بزرگواروں نے بے کم و کاست ظاہر

کر دیئے۔ اب ان ہی اختلافات کی وجہ سے حدیث بے اعتبار ہے۔ ایک مجسٹریٹ تھا اور اس کو عام گواہوں کی طرف سے تھی بے اعتباری جب کوئی گواہ اس کی روبرو پیش ہوتا وکیل خصم کی طرح اس کے پیچھے پڑجاتا اور گواہ سے ایسے ایسے سوال کرتا کہ تم اس مکان میں گئے تو اس کی چھت میں کڑیاں کتنی دیکھیں۔ تم کہتے ہو کہ یہ لوگ دری بچھائے جوا کھیل رہے تھے تو دری میں کس رنگ کی کتنی دھاریاں تھیں زید کا منھ کس طرف کو تھا۔ دروازے میں سادہ کام دار کتنی جوتیاں تھیں سولھویں کتنی ساڑھے سولھویں کتنی۔ بعض گواہ جو واقع میں سچے ہوتے کہتے کہ ہم نے ان باتوں کا خیال نہیں کیا یا ہم کو یاد نہیں یا۔ جو جس کو یاد ہوتا بیان کرتا تو گواہوں میں ہوتا اختلاف مجسٹریٹ اس اختلاف کو ردِ شہادت کی دلیل قرار دیتا حال آں کہ اس قسم کے اختلاف کو گواہوں کے صدق کی دلیل ہونا چاہیئے۔ قریب قریب ایسا ہی حال ہے اختلاف احادیث کا۔ لوگ اختلاف سے گھبراتے ہیں اور میں یہی اختلاف دیکھ کر حدیث کا گرویدہ ہوتا ہوں کہ نہ ہونا اختلاف کا دلالت کرتا ہے تصنع پر۔ تو مطلب یہ ہے کہ سائنس کی تحری کو جو یقین کی سی وقعت دی جاتی ہے یہ ایک عامۃ الورود غلطی ہے جس کی وجہ سے اسلام کی بڑی حق تلفیاں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اب مثلاً ابتدائے آفرینش کی بحث جو چھڑی ہوئی ہے کہ پہلے اجزاء صغار دمیاطیسی (مجکو تو کم بخت نام بھی یاد نہیں کہ دمیاطیسی ہے یا دقیانوسی) بہے ہوں گے پھر ان کے اجتماع سے پانی ہوا ہوگا پھر پانی کے تموج سے کف اور کفوں کے متحجر ہوجانے سے زمین اور اجزاء ارضی کے اجتماعات خاص سے نباتات اور حیوانات اور از جملہ حیوانات بندر اور بندر سے آدمی اور یہ انقلابات کہیں لاکھوں کروروں برسوں میں جاکر ہوئے ہوں گے یہ ایسے منصوبے ہیں کہ میں تو ان کو تھری کہتے ہوئے بھی شرماتا ہوں۔ پھر اس بنیاد پر اس بنیاد ضعیف پر جو نتیجوں کی عمارت کھڑی کی جائے اس کا استحکام دیکھنے کے لائق ہے کَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ۔ (جیسے مکڑی کہ اس نے ایک گھر بنایا اور سب گھروں سے زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے)

	مذہب ان کا سیر کے قابل		نئی کہے لڑدیر کے قابل	

ایک زمانہ پری ہسٹارک کہلاتا ہے یعنی تاریخ منضبط کرنے کا دستور تو بہت بعد کو چلا ہے۔ آدمی پر کتنی صدیاں گزری ہیں بلکہ کتنے ہزار برس کہ کسی نے ان وقتوں کی تاریخ نہیں لکھی تو اس زمانے کے حالات مرور دہور کی وجہ سے غیب بن جاتے ہیں جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ جب ہم پری ہسٹارک ایج (ضبط تاریخ کے پہلے کے زمانے) کا حال معلوم نہیں کر سکتے تو ابتدائے آفرینش کے اسرار کیا ہم خاک معلوم کر سکیں گے۔ اہرام مصر کیسے کچھ عجیب اور پائدار مینار ہیں کہ ہزار ہا برس سے کھڑے ہیں اور آج تک ان کی ساخت سمجھ میں نہیں آئی باوجودیکہ ان پر کتبے بھی ہیں مگر صفحۂ ہستی سے ان کے سمجھنے والے معدوم۔ پیغمبر صاحب کیسے نام و نمود کے شخص ہو گزرے ہیں کہ آج چھبیس کروڑ آدمی ان کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کی ولادت میں اختلاف عمر میں اختلاف وفات میں اختلاف اور ابتدائے آفرینش کے مقابلے میں یہ گویا کل کی بات ہے۔ عرب کے لوگوں کو انساب پر بڑا فخر تھا اور کسی قوم نے عرب کی طرح انساب کو محفوظ نہیں رکھا۔ اس پر پیغمبر صاحب عدنان تک اپنے نسب نامے کو صحیح فرماتے ہیں اُس سے اوپر مخدوش جب گزشتہ واقعات کے دریافت کرنے میں انسان عاجز ہے تو آئندہ کے واقعات کو اس کا علم کیوں کر احاطہ کر سکتا ہے اور آئندہ کے واقعات بھی وہ واقعات جو اس کے مرے بعد واقع ہوں گے جیسے قیامت کے حالات جنت اور دوزخ کی کیفیت۔ ثواب و عقاب کی نوعیت۔ بے شک انسان کی قوتوں میں سے ایک قوت کیوریاسٹی (تفحص استعجاب) بھی ہے کہ وہ ہر ایک چیز کی کُنہ کو دریافت کرنا چاہتا ہے اور یہی قوت ہے جو پرواز ترقی کے لئے بال و پر کا حکم رکھتی ہے اگر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان بھی دوسرے جانوروں کی طرح فطری حالت سے ایک انچ بھی آگے نہ سرک سکتا قطعہ

مرغک از بیضہ برون آید و روزی طلبد	آدمی زادہ ندارد خبر و عقل و تمیز
آن بناگاہ کسی گشت و بچیزے نرسید	وین بتمکین و فضیلت بگزشت از ہمہ چیز

لیکن مارل فلاسفی (علم اخلاق) کی کتابوں میں بجائے خود ثابت کر دکھایا گیا کہ انسان کی کوئی سی بھی قوت جب تک درجۂ اعتدال میں ہے فضیلت ہے اور درجۂ اعتدال سے گھٹی بڑھی اور رذیلت

ہوئی۔ مثلاً قوت غضبی۔ توسط کے مرتبے میں شجاعت ممدوح ہی افراط میں تہور تفریط میں جبن کہ یہ
دونوں مذموم ہیں۔ اسی طرح کیوریاسٹی حد سے بڑھ جائے تو اس کو گڑبڑی کہتے ہیں اور میں معافی
مانگ کر آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ انگریزی خواں اکثر اس قوت کیوریاسٹی کا
ابیوز (بُرا استعمال) کرتے ہیں یعنے جہاں مساغ عقل نہیں وہاں بھی عقل کو لے دوڑتے ہیں اور
اسلام سے اور ان لوگوں سے جو نہیں بنتی تو زیادہ تر اسی کیوریاسٹی کی وجہ کے ابیوز سے نہیں
بنتی۔ پیغمبر صاحب جن کے مشن کا خلاصہ تھا تتمیم مکارم اخلاق اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ انھوں نے
اس قوت کیوریاسٹی کے ضبط کی نسبت بہت کچھ فرمایا مگر افسوس ہی کہ ہم لوگوں کو اس پر نظر
نہیں اور اس کا ضرر عاجل یہ ہی کہ بہت سے لوگ گمراہی کے کنارے پر آ لگے ہیں۔ مجھکو
تقاضائے وقت نے مجبور کیا ہی کہ اس بارے میں جیسی جیسی ہدایتیں ہم کو شارع سے ملی ہیں ان میں
سے تھوڑا سا بیان کروں۔ خدا نے عقل کو مدار تکلیف قرار دے کر قرآن کے متعدد مقامات پر
عقل انسان کی رسائی کی ایک حد باندھ دی ہی کہ اس سے آگے نہ بڑھے۔ مثلاً روح کے بارے
میں فرمایا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا
(اے پیغمبر تم سے لوگ روح کا حال دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ روح خدا کا حکم ہی اور تم کو
تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہی) پس مسئلہ روح کی نسبت ہم کو صاف صاف منع کر دیا کہ یہ باتیں تمھاری
سمجھ سے باہر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (غیب کی کنجیاں
خدا ہی کے پاس ہیں اس کے سوائے کسی کو اس کی خبر نہیں) اور مزید توضیح کے لیئے غیب کی مثالیں
بھی بیان کیں اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ
نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (قیامت کا
علم خدا ہی کے پاس ہی اور وہی مینہ برساتا ہے اور پیٹ کے بچوں کو جانتا ہی کہ لڑکا ہی یا لڑکی اور
کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل اس کو کیا پیش آئے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس جگہ مرے گا
ان سب باتوں کا علم اللہ ہی کو ہی اور وہی سب باتوں سے خبردار ہی) لیکن اَلْاِنْسَانُ حَرِيْصٌ

عملی ہمارے مُنیح لوگ کیا بازآنے والے تھے شروع سے غیب کے پیچھے پڑے ہیں۔ نجوم اور رمل اور جفر یا ہمارے زمانے کے مثلاً میٹیر الاجکل آبزرویشنز وغیرہ یہ سب کیا ہیں اسی غیب کی جستجو اور تلاش ہی جس کو خدا فرما چکا کہ تمھارے بس کا نہیں سائنس کی شوخیاں تو اس حد کو پہنچیں کہ مینہ کے برسنے کا وقت تو وقت لوگ خود مینہ کو اپنا تابع فرمان کرنا چاہتے تھے کہ جب چاہا اور جہاں چاہا اور جتنا چاہا برسا لیا اس سے بڑھ کر یہ سُنا کہ لوگوں نے مرغی کو انڈے سیتے دیکھ کر سمجھا کہ مرغی اس کے سوائے کرتی کیا ہی کہ ایک وقت خاص تک دن رات انڈوں کو دبائے بیٹھی رہتی ہی تو انھوں نے پہلے اس حرارت کا اندازہ کیا جو مرغی کے جسم سے انڈوں کو پہنچتی ہی پھر چاہا کہ کسی تدبیر سے اتنی ہی حرارت خارج سے انڈوں کو پہنچا کر چوزے پیدا کرلیں بہتیرے جتن کیے جس انڈے پر خارج سے عمل ایصال حرارت کیا گندہ۔ مطلب یہ کہ نہ پانی برسا سکے اور نہ چوزے پیدا کرسکے مگر ہاں لوگوں پر یہ ظاہر کردیا کہ انسان کے خبط کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں۔ ان سے کچھ تعجب نہ سمجھو کہ مرغی کے سینے۔ بدول انڈے لیا سے چوزے نکلوانے کی جگہ کوئی تجویز سوچیں کہ آپ ہی انڈے بھی دے لیا کریں تو مجکو سائنس کی بے قدری کرنی منظور نہیں اور سائنس کی بے قدری کر نہیں سکتا۔ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ مگر ہاں نوجوان انگریزی خوانوں کو یہ بات سمجھا دینی ضرور ہی کہ سائنس کی اس قدر وقعت نہ کریں جس کا وہ مستحق نہیں اور یہ بھی نہ سمجھیں کہ ہر جگہ سائنس چل سکتا ہی ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن	کہ جاہا سپر باید انداختن

مذہب میں اکثر باتیں ایسی پاؤ گے جو سائنس کی رسائی کی حد سے باہر ہیں۔ مذہب میں زیادہ تر ایسے حالات ہیں جو انسان کو بعد مرگ پیش آئیں گے۔ مذہب ان مستقبلات کی پیشین گوئی کرتا ہی جو قیامت کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اشراط الساعہ کے طور پر آیندہ واقع ہوں گے مذہب خدا کے صفات کے متعلق کچھ عقیدے تعلیم کرتا ہی اور یہ سب معاملات ایسے ہیں کہ عقل کی عینک سے ہم کو دکھائی دیتے ہیں مگر اس قدر دھندلے کہ دیکھے نہ دیکھے برابر۔ ہم اپنی فطرت کی رو سے اتنا تو بے دلیل جانتے ہیں کہ ہم کو مرنے پیچھے ایک طرح کی ہستی ہوگی مگر کیسی کس وضع کی۔ اور

اور کیسی ہو گی یہاں عقل کچھ کام نہیں کرتی اور یہی توجہ داعی ہوئی ہی کہ مذہب ہو اور نور وحی ہم کو
اِس ورطۂ حیرت سے نکالے۔ اب جو کچھ ہم کو خدا نے بتایا اِس میں چون وچرا کرنا یا اُس سے زیادہ
کا حوصلہ کرنا یہی کرُیزی ہی۔ اور سائنس اس طرح کی غذا ہی کہ کرُیزی کی غلط فاسد کی طرف کو جلد
مستحیل ہو جاتی ہی۔ سائنس سے ثبوت دیکھتے دیکھتے ان لوگوں کا ہبٹ آف مائنڈ در جحان طبع
اس طرح کا ہو جاتا ہی کہ بدون اس قسم کے ثبوتوں کے ان کو تسلی نہیں ہوتی۔ اور یہ تو نہ آج تک کوئی
کر سکا ہی اور نہ کر سکتا ہی اور نہ آیندہ کوئی کر سکے گا۔ یہ اسی قبیل کا سوال ہی جو یہود نے موسیٰ سے کیا تھا
اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً (ہمیں خدا کو سامنے لاکر دکھاؤ) لیکن موسیٰؑ یہود کو کیا خدا کا دیدار دکھاتے جب کہ ان کا
اپنا وہ حال ہو گیا تھا جس کا بیان سورۂ اعراف میں ہی وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ
قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ
فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ
اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور جب ہمارے وعدے پر آحاضر ہوئے اور خدا نے ان سے باتیں کیں تو
موسیٰؑ نے عرض کیا اے خدا اتنی اجازت دے کہ میں تجھکو ایک نظر دیکھ لوں خدا نے فرمایا تم مجھکو
نہیں دیکھ سکوگے مگر ہاں سامنے کے پہاڑ پر نظر کرو کہ اس پر میں جلوہ گر ہوں گا اگر پہاڑ اپنی جگہ جما رہا تو
عجب نہیں تم مجھکو دیکھ سکو۔ پھر جب خدا پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ غش کھا کر
گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو بول اُٹھے کہ تو قید جسمانیت سے پاک ہو اور میں تیری جناب میں توبہ کرتا
ہوں اور سب سے پہلے تجھپر ایمان لایا) نہ میں اپنی طرف سے مذہب کے بارے میں تحقیقات کو
نہیں بلکہ کریزی کو منع کرتا ہوں قرآن میں اس کی سخت ممانعت ہی ایک جگہ فرماتے ہیں ھُوَ الَّذِیْٓ
اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ
فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا
اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ترجمہ
خدا وہی ہے جس نے تجھ پر قرآن اُتارا اس میں بعض آیتیں تو صاف ہیں اور وہی اصل کتاب

ہیں اور دوسرے مشتبہ ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فساد کی تلاش اور تاویل کی جستجو کے لیے متشبہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں حالاں کہ ان کی تاویل خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور جن لوگوں کی معلومات غائر یعنی گہری ہے وہ بول اُٹھتے ہیں ہمارا اس پر ایمان ہے یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کے یہاں سے اُترا ہے اور خردمند لوگ ہی نصیحت مانتے ہیں) بات یہ ہے کہ مذہب اصل مذہب تو محتاجِ کاوش و تفتیش ہے نہیں یہ سب خدع نفس ہے کہ لوگ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس کمال دینداری یہی ہے۔ جیسے کوئی بڑا شاطر گھر میں بیٹھا بیٹھا شطرنج کے مشکل سے مشکل نقشے حل کیا کرے اور جانے کہ میں بڑا جنرل ہوں۔ دین اور دین سے میری مراد ہے اسلام اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ چند خیالات ہیں فطری اِن کو نہ بہت ساری عقل درکار ہے اور نہ بڑی معلوت کی ضرورت ہے۔ مولانا ئے روم فرماتے ہیں

گر باستدلال کارِ دیں بدے
فخر رازی رازدارِ دیں بُدے

اور حدیث شریف میں پیغمبر صاحب نے دین العجائز و الکتاب کی مدح فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین داروں کی نظر میں استدلال کی کیا وقعت ہے انسان عقل رکھتا ہے تو استدلال اس کا خاصہ طبیعی ہے مگر میرا مطلب یہ ہے کہ اِس خاصے کو حد سے زیادہ کلٹیویٹ (تختہ مشق) نہ کیا جائے نہ کہ آپ ہی آپ شکوک پیدا کرنا جن کی طرف معمولی ذہن خواب و خیال میں بھی منتقل نہیں ہوتے اور آپ ہی اِن کے جواب دینا۔ اور پھر جواب کا مرتبہ تاویل کا مرتبہ ہے اور بسا اوقات تاویل سے پوری تسکین نہیں بھی ہوتی اور شبہے کا کچھ نہ کچھ اثر طبیعت میں رہ ہی جاتا ہے اور جب بار بار اور کثرت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں تو شک کو ترقی ہوتے ہوتے آدمی صاف و صریح باتوں میں بھی بے اصل شبہات کرنے لگتا ہے یہ ہے وہ خطرناک حالت جس کو بے دینی اور لامذہبی کی تمہید کہنا چاہیئے اور جس سے متنبہ کرنا میرا مقصود ہے فَكُونُوا عَلیٰ حَذَرٍ۔ وہ شیطان اور فرشتوں کا جھگڑا جس کا بیان قرآن میں ہے تمثیل ہی سہی مگر اُس سے جو بڑے کام کی بات مستنبط کی جا سکتی ہے ہے کہ اسی استدلال اسی کرپنی اسی کٹھ حجتی کی وجہ سے شیطان راندہ جا چکا ہے اُس کو حکم دیا گیا کہ آدم کو

سجدہ کرے اور وہ لگا بحث کرنے اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ علم جس کے
درجے کو کوئی فضیلت نہیں پاتی کر پڑی کے رنگ میں آکر ایسی منقصت بن جاتا ہی جس سے فروترکوئی
رذیلت نہیں اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اصحاب کو
بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ ایسی باتوں سے روکتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ
صحابی صفہ میں بیٹھے ہوئے قضا وقدر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضرت برآمد
ہوئے اور یہ معلوم کر کے کہ قضا وقدر میں بحث ہو رہی ہے سخت ناخوشی ظاہر فرمائی کہ کیا میں ایسے
ہی جھگڑے تمھارے لیئے لے کر آیا ہوں ایسی ہی باتوں میں پڑ کر تم سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک
ہو چکی ہیں تم بھی لگے ان ہی کی سی ریس کرنے خبردار جو آگے کبھی میں کسی کو ایسا کرتے دیکھا ہوگا۔
ایک ایمان وہ تھے کہ پیغمبر نے کہا رات ہم ساتوں آسمان کی سیر کر آئے ان کی اس بات کا ایسا
یقین کر لیا کہ اُلٹ کر یہ بھی تو نہ پوچھا کہ کیوں کر گئے اور کس طرح پر آئے اور جو کسی نے دریافت کیا کہ
تم کو کیوں کر یقین آگیا ہوگا تو کیسے کھلے دل سے کہتے ہیں پیغمبر کے فرمانے سے ایک ایمان وہ تھے
کہ کسی نے کلیلہ دمنہ کی سی حکایت بیان کرتے کرتے بھیڑیوں اور بکریوں کی کچھ گفتگو نقل کی
بھیڑیوں کی بھی بڑی پرانی کھوپریاں ہیں مستمعین میں کوئی نیچری طبیعت کا بھی آدمی رہا ہوگا اس نے
تعجب سا کیا تو پیغمبر صاحب نے فرمایا خدا کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں میرا تو یہی عقیدہ ہی اور
ایسا ہی عقیدہ ابوبکر اور عمر کا بھی ہی۔ اور ایک ایمان یہ ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ واقعات بھی نہیں۔
واقعات مستقبل یعنے عاقبت کے متعلق خلاف عادت ذری سی کوئی بات سُن پائیں تو مارے
اعتراضوں کے اُلّو کر دیں پچھلی گرمیوں میں جو سید احمد خاں کے ساتھ پنجاب جانے کا اتفاق ہوا
تو لودھیانوں کو ایک دن کے لیئے جالندھر میں مقام تھا۔ ایک بنگلہ ہم لوگوں کے لیئے خالی کرا لیا گیا
تھا اس میں ہم سب لوگوں کے سینگ نہ سماتے تو میں اور مولوی ذکاء اللہ پاس کے پاس ایک
دوسرے بنگلے میں جا پڑے جس میں صاحب مکان بھی رہتے تھے اور وہ تھے عیسائی۔ اور
عیسائی میں بھی پادری اور ہم کو ایسا ویسا مسلمان اپنے یہاں ٹھہرنے بھی کیوں دینے لگا تھا۔

صاحبِ خانہ کو تو یہ معلوم تھا کہ ہم لوگ سید احمد خاں کے ساتھ ہیں تو یہ بھی ضرور جانا ہوگا
کہ نیچری ہیں اور نیچری ہیں تو آدھے کرسٹان بھی ہوں گے رات کے وقت مجھسے باتیں ہونے
لگیں تو اُنھوں نے اسلام پر وہی معمولی بودے پھُسپھُسے اعتراض کرنے شروع کیے جو عیسائی کیا
کرتے ہیں ازاں جملہ اُنھوں نے بہشت کا بھی تذکرہ کیا کہ مسلمانوں کی کیسی لغو اور بیہودہ بہشت
ہی خدا کے تقدس کے بالکل خلاف۔ میں نے تو چلتا ہوا سا یہ جواب دے دیا تھا کہ دنیا ہی کے
پیدا کرنے سے خدا کے تقدس میں کون سا فرق آگیا ہی کہ بہشت کی وجہ سے آجائے گا۔

مضمون میں نے ایسا وسیع اختیار کیا ہی کہ میں اس پر بہت کچھ کہہ سکتا ہوں اور مجکو بہت کچھ
کہنا چاہیئے بھی۔ مگر وقت وسیع نہیں اور لوگ مذہبی باتوں سے جلد ملول بھی ہو جاتے ہیں میں نے
اس قسم کے خیالات میں ایک ناول لکھا ہی اور اُس کا نام ہی رویائے صادقہ وہ پبلک کے
روبرو پیش ہوگا۔ اور لوگ آپ اپنی جگہ فیصلہ کر لیں گے کہ میرے مذہبی خیالات درست ہیں
یا نادرست۔ طبیعت میری بھی نیچریوں ہی کی سی واقع ہوئی ہی۔ اتنا فرق ہی کہ نیچری حتی الوسع
سائنس کی طرفداری کرتے ہیں اور میں حتی الوسع اسلام کی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اکیسواں لیکچر

جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے دسویں سالانہ جلسے میں ۱۸۹۴ء میں دیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

یہ گولڈن رول یعنی قاعدہ کلیہ جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہی آپ صاحبوں نے سُنا تو ہوگا

مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر اُس کو کیوں کر عمل میں لایا جائے۔ مکان تو انجمن حمایت اسلام کا
مکان ہے۔ اور وقت اُس کا سالانہ جلسہ ہے تو جو کچھ کہا جائے ضرور ہے کہ اس مکان اور اس وقت
کے مناسب ہو یعنی ہر ایک بات سے اسلام کی حمایت نکلے لیکن اسلام کی حمایت کے پیرایے
ہیں مختلف۔ ایک وقت تھا کہ لوگ اسلام کے نام کو صفحۂ روزگار سے نیست و نابود کر دینا چاہتے
تھے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔
اُس وقت اسلام کو فوجی قوت کی ضرورت تھی اور اسلام کی حمایت اسی میں منحصر تھی کہ فوجی طاقت
سے اُس کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی حکم بھی تھا وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ
رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔

ابھی دو منٹ لکچر دیتے ہوئے نہیں گزرے کہ میں لگا عربی بگھارنے۔ یہ وقت مجھکو ہر جگہ اور
ہمیشہ پیش آتی ہے۔ کیا کیا جائے کہ یہی ٹوٹی پھوٹی عربی تو اپنی ساری عمر کا سرمایہ ٹھیری اور لکچر دینے
پڑتے ہیں اسلام پر مسلمانوں کی تعلیم پر مسلمانوں کی انجمنوں پر تو چار و ناچار قرآن و حدیث سے استشہاد
کرنا ہوتا ہے اتنا وقت نہیں ملتا کہ پہلے عربی ٹپہ پڑھوں پھر اُس کا ترجمہ کروں۔

اس پر مجکو اسد اللہ خاں غالب یاد آتے ہیں کہ وہ بڑے مشکل گو شاعر تھے۔ وہ ابتدا میں فارسی
کہا کرتے تھے بلکہ فارسی بھی نہیں پارسی اور پارسی بھی ناآمیختہ بتازی اس پر انوکھے استعارات
اچھوتی تشبیہات لفظی تعقیدات تو ان کا کلام مشکل ہوا ہی چاہے۔ کوئی شخص کہتا تھا کہ ایک مرتبہ
اُن ہی کے شعر کے اُن سے معنی پوچھے تو کچھ دیر تامل کرنے کے بعد فرمایا بھئی اس وقت تو کچھ سمجھ میں

لہ کافر یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا ہی کر کے رہے گا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نہیں آتا کہ کیا کہا تھا۔ ان کو اپنی فارسی پر بڑا ناز تھا۔ اور ریختہ گوئی کو مبتذل اور دون مرتبہ سمجھتے تھے چنانچہ ایک ریختہ گو معاصر کی طرف اشارہ کرکے ایک قصیدے میں تعریضاً فرماتے ہیں ع

انچہ فخر تست در گفتار آں ننگِ من ست

لیکن انگریزی عملداری کی وجہ سے جو انقلاب عظیم واقع ہونے والا تھا اُس کی صبح نمودار ہو چکی تھی اور زمانہ کہہ رہا تھا کہ مرزا صاحب اس لبساط کو تہ کیجئے کہ زبان فارسی نہ تو ہندوستان کی ملکی زبان ہے اور نہ اس میں علوم ہیں۔ کیوں آپ اس کے پیچھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اگلے لوگ کچھ مستقل مزاج بھی زیادہ ہوتے تھے مرزا صاحب مدتوں تک اسی فارسی کو پکڑے رہے۔ مگر زمانے کے ساتھ کسی کی ضد کیا چلے۔ خاص کر شاعری تو پیٹ بھرے کے مشغلے ہیں۔ اُس وقت جیسا کچھ شاہی دربار تھا وہاں ریختے ہی کی قدر تھی۔ ناچار مرزا صاحب نے بھی بادل ناخواستہ ریختے کا موتھ چڑھانا شروع کیا۔ میں صرف نمونے کے طور پر اُن کے اُس وقت کے چند شعر پڑھتا ہوں اشعار

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے	دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل	یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے
کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام	ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ایک اور تاکہ یہ خیال نہ ہو کہ میں قصداً اتفاقی بندشوں کو چھانٹ کر لایا ہوں ؎

لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا	زیارت کدہ ہوں دلِ آزردگاں کا
ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی	میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

مرزا صاحب کی شاعری اس بات کا نمونہ ہے کہ زمانہ کیوں کر اپنی جنتری میں سے لوگوں کو نکالتا ہے وہ مرزا جو ریختہ گوئی کو ننگ سمجھتے تھے آخر آخر اپنی اُردوے معلیٰ پر فخر کیا کرتے تھے مرزا کے موتھ سے اُردو ... [illegible] ... ان کی مشکل گوئی کی شہرت زوروں پر تھی۔ اُس کے بارے میں خود فرماتے ہیں ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل	سن سن کے اسے سخنورانِ کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش		گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل	

قریب قریب ایسا ہی حال میرا ہی۔ لکھ دوں گا تو عربی ضرور ہو گی سمجھو یا نہ سمجھو۔ مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ بھئی عربی پڑھو تو وہ اُلٹا بُرا مانتے ہیں۔ کیوں جی آج کسی ادنی درجے کے حاکم کا سمن آتا ہی یا کوئی ادنی درجے کا حاکم کسی کے مقدمے میں فیصلہ صادر کرتا ہی تو کوئی تم میں ایسا بے پروا ہی کہ پڑھنا جانتا ہو اور اُس کو نہ پڑھے یا پڑھنا نہ جانتا ہو اور اُس کو پڑھوا کر نہ سُنے۔ اور سمن اور فیصلے کو بھی پوچھے میں ڈالو۔ کبھی تار آ جاتا ہی تو اُس کے پڑھنے اور پڑھوانے تک گھر کے سارے کام بند ہو جاتے ہیں۔ ایک پیسے کے کارڈ کی بھی کچھ حقیقت ہی بے پڑھے نہیں رہا جاتا۔ لیکن قرآن احکم الحاکمین کا فرمان تیرہ سو برس کا آیا ہوا رکھا ہی اب اپنی اپنی جگہ سمجھ لو کس کس نے پڑھا اور کس کس نے پڑھوا کر سُنا اور اس پر اسلام کے لمبے چوڑے دعوے اور بڑے جوش و خروش۔ اور اگر کسی مسلمان بھائی کا دل جلے ع

دل ہی تو ہی نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

اور وہ تم کو سختی سے عربی کے پڑھنے کو کہے تو تم اُس کا منہ کھسوٹنے کو موجود ہو جاؤ۔

تم ہندو کیا خوش ہوئے۔ آخر ہو تو اسی ہندوستان کے مسلمانوں نے عربی کی قدر نہ جانی تو تم نے سنسکرت کی۔ اور افسوس ہی کہ دونوں زبانیں کلاسیکل (اُمّ الالسنہ) تھیں اور کلاسیکل ہونے کے علاوہ غضب یہ ہی کہ مذہبی۔ اب حال یہ ہی کہ سنسکرت کے لیئے جرمن جاؤ اور عربی کے لیئے فرانس اس سے بڑھ کر بے عزتی اور مصیبت کی کوئی اور بات بھی ہو سکتی ہی نتیجہ کیا ہی کہ ہندو اپنے وید سے بالکل بے خبر ہیں اور یہی حال مسلمانوں کا ہونے والا ہی کہ اگر عربی کی طرف سے یہی غفلت رہی تو اَلْحَمْدُ اور اَلْحَمَدُ پر لڑا کریں گے اور کوئی اتنا کہنے والا نہ ہو گا کہ صحیح لفظ اَلْحَمْدُ ہی۔ تم بوڑھے طوطے تو اب کیا پڑھ سکتے ہو لیکن اپنی نسلوں کو کیوں برباد کر رہے ہو۔ اچھا بھائیو جو تمھاری سمجھ میں آئے سو کرو۔ اپنا کام تو کہہ دینا ہی وہ بھی اس سبب سے کہ بلا بلا کر کہلواتے ہو۔ تمھارے سب بچے ہیں تو اپنی قوم کو چھوڑنے والے نہیں ہیں [illegible] اسلام نے نام کو [illegible]

نیست ونابود کر دینا چاہتے تھے اُس وقت اسلام کو فوجی قوت کی ضرورت تھی اور اسلام کی حمایت اسی میں منحصر تھی کہ فوجی طاقت سے اُس کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی حکم بھی تھا۔ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ میں اس آیت کے جزو اخیر کی طرف آپ صاحبوں کی توجہ کو زیادہ تر مصروف کرنا چاہتا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ اُس وقت جہاد ہی سبیل اللہ تھا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے یہی ایک معنی تھے کہ جس کو جتنا مقدور ہو ساز و سامان حرب کے بہم پہنچانے میں خرچ کرے ہتھیار خریدے اونٹ گھوڑے مول لے جو مسلمان بھائی آپ جہاد کی طیاری نہیں کر سکتے اُن کے لیئے ضرورت کی چیزیں مہیا کر دے۔ چنانچہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک وغیرہ سے جو کچھ آپ کی ذاتی آمدنی ہوتی وہ اور جو کچھ مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات کا وصول ہوتا وہ سب اسی تجہیز جیش کی مد میں صرف فرما دیا کرتے تھے زکوٰۃ اور صدقات کا وصول ہوتا سُن کر یہ خیال نہ کر لینا کہ پیغمبر صاحب ان رقموں میں سے کچھ اپنے خرچ میں لاتے ہوں گے۔ حاشا وکلّا۔ ان کو آپ فرماتے تھے لوگوں کے مال کا میل۔ اور زکوٰۃ وصدقات کو نہ صرف اپنے اور اپنی نسل کے لیئے حرام قطعی کر رکھا تھا بلکہ تمام بنی ہاشم یعنے اپنے جدی قرابت مندوں کے لیئے بھی زکوٰۃ وصدقات کے مصرف معین تھے[1] اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وہ پکارے کہتے تھے لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا (میں خدا کا حکم پہنچا دینے کے صلے میں تم سے کسی معاوضے کا طالب نہیں) تو کیوں کر

---

[1] صدقات تو بس فقیروں اور محتاجوں کے لیئے ہیں اور ان لوگوں کے لیئے جو صدقات کی تحصیل وصول پہ مامور ہوں اور اُن لوگوں کے لیئے جن کے مانوس کرنے کو مدد خرچ دیا جائے اُن کے علاوہ صدقات کو خرچ کیا جائے۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں لوگوں کا قرض چکانے میں اور اللہ کے رستے یعنی جہاد میں اور مسافروں کی امداد میں۔ یہ مصرف اللہ کے ٹھیرائے ہوئے ہیں اور اللہ سب کے حال سے واقف اور تدبیر والا ہی ۱۲۔

ہو سکتا تھا کہ زکوۃ و صدقات کو اپنی معاش کا ذریعہ قرار دیتے۔ یہی زکوۃ و صدقات ہیں یہی لوگوں کے
مالوں کے میل ہیں جن کو علماء اور مشائخ کے مذہبی گروہ نے اپنی وجہ معاش ٹھیرا رکھا ہے پیغمبر صاحب کا
اس دروازے کو اپنے اور اپنی نسل اور اپنے قرابت مندان جدی پر نہایت مضبوطی کے ساتھ ہمیشہ
ہمیشہ کے لیئے بند کر دینا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ اس میں ہم کو پیغمبر صاحب کی صداقت اور راستبازی
اور دیانت کی بڑی عمدہ اور مستحکم دلیل ملتی اور بے چون و چرا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دعویٰ رسالت کرنے
میں اُن کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی۔ بہر کیف زکوۃ و صدقات میں سے تو پیغمبر صاحب کبھی ایک کوڑی
ایک حبہ اپنے صرف میں نہیں لائے۔ اپنی ذاتی آمدنی میں سے بھی صرف ضرورت کی قدر گھر کا
خرچ نکال لیا کرتے تھے۔ سو کتنا؟ برس بھر کا غلہ جو زمین میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ بھی اس جزرسی
کے ساتھ کہ اُمہات المومنین ہمیشہ عسرت کی شاکی رہا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک بار اسی بات پر
ناخوش ہو کر ان لوگوں میں رہنے کی قسم کھائی تھی جس کو اصطلاح شرع میں ایلا کہتے ہیں اور اسی تقریب
میں وہ آیت اتری تھی عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ
قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا[1] ایلا بھی ایک قسم کا ترک ہے مگر ترک موقت۔
مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو ایسا ضروری سمجھتے تھے کہ گھر میں تنگی ہو گھر والے لڑیں
جھگڑیں کچھ پروا کی بات نہیں خدا کا کام کسی طرح اٹکا نہ رہے۔ پیغمبر صاحب کے غزوات میں اخیر غزوہ
تبوک کا تھا۔ تبوک ملک شام کا ایک شہر تھا جس پر پیغمبر صاحب چڑھ کر گئے تھے۔ لڑائیاں دو قسم کی
ہوتی ہیں۔ ڈفنسو کہ دشمن چڑھ کر آئے اور اُس کو مار کر ہٹا دیا جائے۔ دوسری آفنسو کہ ہم کسی پر
چڑھ کر جائیں۔ غزوہ تبوک ظاہر میں آفنسو معلوم ہوتا ہے مگر نہیں وہ بھی پیغمبر صاحب کے تمام غزوات
کی طرح ڈفنسو تھا۔ ملک شام میں بادشاہ روم کی عملداری تھی اور وہ تھا عیسائی۔ دشمنوں نے وہاں

[1] پیغمبر کی گھر والیو اس کو کچھ دور نہ سمجھنا کہ اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو تمہارے بدلے میں خدا ان کو تم سے بہتر
بیبیاں عنایت کرے مسلمان ایمان والیاں۔ حکم بردار خدا کی جناب میں توبہ کرنے والیاں اُس کی عبادت کرنے
والیاں۔ روزے رکھنے والیاں دوہاجتیں اور کنواریاں ۱۲

یہ مشہور کر دیا تھا کہ پیغمبر صاحب نے تو انتقال فرمایا اور ملک عرب میں قحط پڑ رہا ہے اس سے بادشاہ
روم کو حوصلہ پیدا ہوا اور اُس نے عرب کی طرف اپنا لشکر روانہ کرنا چاہا پیغمبر صاحب کو اس کی خبر
لگی تو آپ نے مناسب سمجھا کہ ہم ہی سبقت کریں تو اُس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہو۔ اُن دنوں سخت
گرمی پڑ رہی تھی اور مدینے کے نخلستان کہ یہی اُن لوگوں کی معاش تھی پکے ہوئے طیار تھے۔
بے سامانی اس درجے کی کہ سواری کیسی بیس بیس سپاہیوں میں اور سپاہی کون یہی صحابہ بردار
کا مشکل سے ایک اونٹ۔ رسد کا پتہ نہیں۔ درختوں کے پتے کھا کھا کر رہ جاتے۔ مگر ہمتیں ایسی قوی
تھیں کہ فوج روم پر چڑھ کر گئے تھے جس سے بہتر آراستہ اور باسامان فوج اُس وقت روئے
زمین پر کسی کی نہ تھی۔ کیوں جی ذرا انصاف کرو اگر ہم ہی جیسے مسلمان اُن وقتوں کے بھی ہوتے تو
آج شاید اسلام کا کوئی نام بھی نہ سنتا۔ یہ اُن ہی مسلمانوں کا طفیل ہے کہ خدا کے فضل سے آج بیس
اکیس کروڑ آدمی روئے زمین پر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ کیا اُن بزرگوں کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہم ادب
اور احسان مندی سے اُن کا ذکر خیر کریں۔ شاید اٹاوے کا اٹاوہ شریف کا مذکور ہے اور ۱۸۵۷ء کے
غدر سے پہلے کا۔ میں نے اٹاوے کو شریف اس وجہ سے کہا کہ محسن الاسلام محسن القوم نواب محسن الملک
بہادر کا وطن ہے جن کو میں آڈینس دعا خیر میں دیکھ لیتا ہے خوشی کے جامے میں نہیں سماتا۔
اٹاوے کو میں نے اٹاوہ شریف کہا تو سہی مگر بعد کو خیال آیا کہ ایک بار دلی میں فتوی نکلا تھا۔
کہ اجمیر اور کچھوچھہ اور تونسہ کو شریف کہنا درست بھی ہے یا نہیں ایک شخص نے مجھ سے بھی یہ مسئلہ
پوچھا میں تو اُس کو یہ جواب دے دیا تھا کہ اگر مزاج شریف کہنے میں شرعاً مضائقہ ہو سکتا ہے تو
بے شک اجمیر شریف میں تامل ہے بہر کیف شاید اٹاوہ شریف کا مذکور ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر سے
پہلے کا کہ وہاں شیعہ سُنی مذہبوں سے اس طرح ملے جلے ہوئے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔
ایک ہی گھر میں میاں سُنی بی بی شیعہ۔ ایک باپ کے چار بیٹے دو شیعے دو سُنی بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا
کہ اٹاوے کا ایک ہی شخص ایک وقت شیعہ ایک وقت سنی۔ یہ ہمارے نواب محسن الملک بہادر ہی پہلے شیعہ تھے
پھر سُنی ہوئے اور اب شیعہ سُنی دونوں سے بڑھ کر نیچری۔ اس کے بعد لکچرار نے اپنے ایک ہاتھ کی

چار انگلیاں (پھیلا کر لوگوں سے کہا کہ) یہ ویسی اُنگلیاں نہیں ہیں ایک سُتھیا کسی اندھے کی آنکھیں بنا کر پوچھا کرتا ہی کہ بتاؤ کی انگلیاں ہیں میری یہ اُنگلیاں مذہبی نردبان ہیں سب سے نیچے کی انگلی بنصر مطلق مذہب ہی۔ اس سے اوپر کی خنصر مذہبِ اسلام اس کے اوپر کی وسطیٰ وہابیت اور سبابہ جو سب سے اوپر ہی وہ نیچریت کی جگہ کو دکھاتی ہی۔ یعنی پہلے آدمی مطلق مذہب کا خیال کرتا ہی پھر مذہب کے خیال میں ترقی کرتا ہی تو اسلام میں آتا۔ پھر اسلام میں ترقی کرتا ہی تو وہ اس طرح کے عقائد بہم پہنچاتا ہی جن کو لوگ تَعْنتاً (جل کر) وہابی کہتے ہیں۔ پھر وہابیت میں ترقی کرتا ہی تو آخر کار نیچری ہوتا ہی اس کے بعد دخل الجنت کا مرتبہ ہی۔ مگر نیچریت سے وہ نیچریت مراد ہی جو اسلام اور دینِ حق کی مرادف ہی اور جس کی صراحت میں تھوڑی دیر بعد کروں گا۔ اور میں نواب محسن الملک کو اسی طرح کا نیچری خیال کرتا ہو اور اسی سے اُن کی عظمت میرے ذہن میں ہی خیر تو اٹاوہ شریف میں شیعے سُنی مدتوں سے اس طرح ملے جلے ہوئے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔ ایک ہی گھر ہی میاں سُنّی بی بی شیعہ۔ ایک باپ کے چار بیٹے دو شیعے دو سُنّی۔ شیعوں کی مجالس میں سُنّی شریک۔ سنیوں کی مذہبی تقریبات میں شیعے موجود ایسے اختلافات ہوں تو مسلمانوں میں بہتر نہیں بہتر ہزار فرقے صبح بہتر ہزار فرقے شام چشمِ ما روشن دلِ ماشاد۔ یہاں تو بڑی مصیبت ہی کہ تل برابر مذہبی اختلاف ہوا اور ایک دوسرے کی آبرو کا دولت کا جان کا لاگو بنا۔ اور جب تک ہندوستانیوں کا یہ حال ہی ہندو ہوں یا مسلمان عیسائی ہوں یا برہمو یا آریے کوئی بھی ہوں اور کسی شان میں بھی ہوں ع

	کہ من آن قدرِ رعنا می شناسم	بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

جب تک ہندوستانیوں کا یہ حال ہی اور جب تک مذہب کے پنجۂ آہنی میں یہ لوگ موم کی ناک ہیں جدھر کو چاہا پھیر دیا ان میں سے کسی ایک نہ فلاح ہوئی، وارد نہ ہوگی۔ انگریزی نہیں تم خود انگریز بھی بن جاؤ۔ تاہم جیسے بدنصیب اب ہو ویسے ہی بدنصیب انگریزی پڑھ کر نہیں (انگریز بن کر) بھی رہو گے ع

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را	تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

ہاں اٹاوے کے سُنی شیعوں کا سا اختلاف رکھوگے کہ عقائد مختلف اور پھر ایک کے ایک تو مبارک
تم مبارک تمھارے اختلاف خیر تو اٹاوے کے سُنی شیعے آپس میں ملے جُلے رہتے تھے کبھی کسی
نے یہ بھی نہ جانا کہ اِن کے دو مذہب ہیں۔ بدنصیبی سے کہ یہ بلا مدتوں سے مسلمانوں کے سر پر
سوار ہی کوئی ڈپٹی صاحب اِس شہر میں بدل کر آئے اور وہ تھے شیعہ اور شیعہ بھی متعصب۔ ڈپٹی
صاحب کو بدلے ہوتے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی کہ وہ جو کہتے ہیں کوڑھ میں کھاج محرم آپہنچا
اُنھوں نے دُلدل نکالنا چاہا جو کبھی نہیں نکلا تھا جھلکی بجوانی چاہی جو کبھی نہیں بجی تھی۔ بھوسا اُڑوانا
چاہا جو کبھی نہیں اُڑا تھا۔ مجالس میں علی الاعلان تبرا کرانا چاہا جو کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ تدبیریں ابھی
چپکے چپکے ہو رہی ہیں حکامِ انگریزی کو کچھ خبر نہیں اور نہ اچھی طرح سنیوں ہی کو معلوم۔ مگر ہاں چند
ناعاقبت اندیش نوجوان شیعے زیادہ تر ڈپٹی صاحب کی خوشامد اور کسی قدر مذہبی خیال سے
سنہ بھی ڈپٹی صاحب کے ساتھ ہیں اور منصوبوں کی کھچڑیاں پک رہی ہیں۔ اور اِس طرح کے
ہنگاموں کا کچھ دستور یہی ہی کہ اِن کی ابتدا ایسے ہی بدعقل لوگوں کی طرف سے ہوا کرتی ہی۔ چنانچہ کبھی
کے ہندو مسلمانوں میں جو فساد حال میں ہوا تھا اُس کے بارے میں گورنر لارڈ ہیرس نے
یہی رائے قائم کی تھی۔ اور لارڈ ہیرس اِس رائے میں منفرد نہ تھے ہر جگہ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا
کرتا ہی۔ کہ جو لوگ فرضوں کی پروا نہیں کرتے نفلوں کے لیئے لڑنے مرنے پر طیار ہو جاتے ہیں۔
ابھی چند روز کی بات ہی۔ ہماری دلی میں آمین پر مقلدوں اور غیر مقلدوں میں خوب سر پھٹول ہوئی۔
لوگوں پر جرمانے ہوئے مچلکے لیئے گئے اور مقدمات شاید لاہور تک آئے۔ اور میں نے سُنا
ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے بھول کر بھی خدا کو سجدہ نہیں کیا۔ اسی طرح ایک
شخص رمضان میں روزے تو رکھتا نہ تھا مگر سحری اور افطاری کا بڑا اہتمام کرتا۔ کسی نے کہا کہ تم کو
سحری اور افطاری کی کیا ضرورت ہی تو کہتے کیا ہیں۔ واہ روزے نہیں رکھتے تو کیا سحری و افطاری
بھی نہ کریں نرے کافر ہی ہو جائیں۔ غرض ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں بات کچھ بھی نہیں ہوتی
لوگ نادانی سے اُس کا بتنگڑ بنا لیا کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ہنگاموں کی کون کہے ۱۸۵۷ء

کے بڑے ہنگامے کا سمان میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ بازاری خلقت نے اُس آگ کو سُلگایا۔
اور آخر کار ایسی بھڑکی کہ ہزاروں ناکردہ گناہ خاندان کے خاندان اُس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایسا ہی ایک
واقعہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد میں بھی ہوا تھا کہ فتح مکّہ کے چند روز بعد حنین
کی لڑائی ہوئی اُس میں مال غنیمت بہت کثرت سے آیا تھا اور ویسا کثرت سے آیا تھا ویسا ہی
پیغمبر صاحب نے خوب ہی کھول کر لوگوں کو دیا بھی تھا۔ مکہ تھوڑے دن ہوئے تھے کہ فتح ہوا تھا
اور وہاں کے لوگوں کے تالیفِ قلوب کی ضرورت تھی شدید پیغمبر صاحب نے مصلحتِ وقت سمجھ کر
اہلِ مکہ کو یا یوں کہو کہ قریش کو مالِ غنیمت سے زیادہ حصہ دیا۔ تالیفِ قلوب کے معنی ہیں استمالت
پرچانا۔ ملاتا۔ یہ ہندی کی چندی میں نے اِس غرض سے کی کہ اب اِس طرح کے الفاظ مسلمانوں
کی ڈکشنری میں ڈھونڈے نہیں ملتے اور مسلمان سازگاری کے مفہوم ہی کو نہیں سمجھتے۔ خیر تو
حنین کی غنیمت سے قریش کو زیادہ حصہ ملا تو اِس پر بعض انصار کو حسد ہوا اور انھوں نے ایسا
خیال کیا کہ پیغمبر صاحب اپنی قوم کی رعایت فرماتے ہیں۔ لگے کہنے قریش کو مالِ غنیمت سے زیادہ
حصہ دیا جاتا ہے حالاں کہ اِن لوگوں کے خون ابھی تک ہماری تلواروں سے ٹپ ٹپ ٹپک رہے
ہیں۔ یہ ماجرا پیغمبر صاحب کے سمعِ مبارک تک پہنچا اور آپ نے رؤسائے انصار کو جمع کر کے پوچھا۔
انھوں نے عرض کیا کہ ہم میں بعض نادان نوجوانوں نے ایسی شکایت کی تو ہے مگر آپ ان کی بات پر
نہ جائیں ہم میں جو صاحب الرائے ہیں اُن کو تو کسی طرح کی شکایت ہی نہیں۔ بات دب دبا گئی۔
تو جس طرح کے سفہاؤ القوم نے انصار اور مہاجرین میں فساد ڈلوانا چاہا تھا اسی طرح کے سفہاؤ القوم
نے بمبئی کے ہندو مسلمانوں کو لڑا مارا۔ اور اسی طرح کے سفہاؤ القوم اٹاوے کے ڈپٹی صاحب
کے بھڑے میں آ گئے ضلع کا مجسٹریٹ خالی الذہن۔ کبھی سُنّی شیعوں میں تکرار ہوا ہو تو خیال میں
بھی آئے۔ کسی تازہ ولایت اسسٹنٹ کو چارج دے شکار کو تشریف لے گئے۔ یہاں جوں
جوں محرم نزدیک آتا جاتا ہے سُنّی شیعہ دونوں اپنی اپنی جگہ طیاریاں کر رہے ہیں اگر ڈلڈل۔
اور بعض اوباش [illegible] سے ارادے سے ازخود شیعوں [illegible] دل سے [illegible] شاید چنڈال [illegible]

نہ کرتے مگر چوں کہ ڈپٹی صاحب محرک تھے سنیوں نے جانا کہ حکومت کے بل بوتے پر سنیوں کے چھیڑنے کے لیے یہ تجویزیں کی گئی ہیں۔ دنیا میں کوئی چیز حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر مذہب ایسا زبردست ہی کہ جب کبھی اس کا اور حکومت کا مقابلہ آپڑا ہی ہمیشہ حکومت کو ہارتے دیکھا ہی برٹش گورنمنٹ نے جو نیوٹریلٹی (بے تعلقی) کی دانش مندانہ پالسی (تدبیر) اختیار کر رکھی ہی کہ اس کو کسی کے دین و مذہب سے کچھ بحث ہی نہیں وہ بھی ایسی پرنسپل (اصول) پر مبنی ہی۔ کہ کیوں مذہب سے چھیڑ چھاڑ کی اور کیوں اپنی ہیٹی کرائی۔ میں تو کسی نیٹو (ہندوستانی) رئیس کا رعیت ہوں نہیں۔ مگر مجھ کو معلوم ہی کہ پنجاب میں نیٹو ریاستیں بہت ہیں اور عجب نہیں ان ریاستوں کے باشندے بھی آڈینس میں ہوں تو جس سے بن پڑے اور جس طرح بن پڑے اپنے رئیس کے گوش گزار کر دینا اور رعیت گری کا حق ادا کرنے کا اس سے بہتر کوئی پیرایہ نہیں کہ اور باتوں میں برٹش گورنمنٹ کی پیروی کرو یا نہ کرو مگر مذہبی نیوٹریلٹی سے بال برابر ادھر ادھر کھسکے اور ریاست پر زوال آیا۔ افسوس ہی کہ اٹاوے کے ڈپٹی صاحب نے مذہبی تعصب کے جوش میں آکر اتنا بھی نہ سمجھا ڈپٹی کلکٹری کیا خاک کرتے رہے ہوں گے۔ مگر انگریزی عملداری میں زمانۂ جاہلیت تھا جیسے سیدھے سادے ہندوستانی حکام ہوتے تھے ویسے ہی بھولے بھالے انگریز۔ بارے کوتوال شہر نے تاڑا کہ لوگوں کے تیور بگڑے ہوئے سے ہیں اور چوں کہ وہ تھا سنی ڈپٹی صاحب کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اور تو کیا کر سکتا تھا مگر اُس نے روزنامچے رنگنے شروع کیے اور اسسٹنٹ صاحب ہیں کہ سمجھتے بوجھتے خاک نہیں۔ آخر اُس نے شاگرد پیشوں کی معرفت صاحب کے کان میں ڈالا کہ شہر میں بڑا بھاری بلوا ہونے والا ہی تب تو صاحب بڑے سٹ پٹائے اور وہ جو کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے کوتوال کے سر ہوئے کہ تم نے ہم کو اطلاع کیوں نہیں کی۔ کوتوال نے عرض کیا کہ حضور میرے روزنامچے منگوا کر دیکھیں میں دو دو ہفتے سے برابر لکھ رہا ہوں صاحب کو اُس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سُنی شیعوں میں کیا اختلاف ہی۔ انگریزی عملداری میں سب خوبیاں ہیں مگر رعایا کے اندرونی حالات سے حکام انگریزی کا ناواقف ہونا بڑا غضب ہی

بے شک اس کا انتظام بہت مشکل ہے مگر ایسی ہی مشکلات پر غالب آنے کا معاوضہ ہی سلطنت ہے۔ اور
یوں ٹوٹا پھوٹا انتظام کیا پہلے نہ تھا۔ یا اب ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ حکام کو رعایا کے ساتھ اختلاط کا
موقع دو۔ ان کو جلد جلد بدلو مت۔ واقفیت کو لیاقت کا اسٹینڈرڈ (معیار) بناؤ اور اُس کو ذاتی کوں
مدارِ ترقی ٹھہراؤ۔ پھر خانہ جنگیاں اور ہنگامے ہوں تو اُن کا ذمہ دار میں۔ بارے اٹاوے کے
اسسٹنٹ صاحب نے فریقین سے دریافت کر کے بڑی دیر میں ایک یادداشت مرتب کی۔ اور کلکٹر
دوڑے دوڑے جا الماری سے ایک انگریزی تاریخ نکال لائے اور اُس کو دیکھتے اور یادداشت
سے ملاتے رہے۔ اور ڈپٹی صاحب اور کوتوال ہیں کہ دونوں حکم اخیر کے منتظر بیٹھے ہیں۔ خیر تو اس
اسسٹنٹ نے وُلڈن وغیرہ کے نکالنے کی تو ممانعت کر ہی دی کہ یہ چیزیں اس شہر میں کبھی نہیں نکلیں
اور ڈپٹی صاحب پر بھی بہت تعجب کیا کہ آپ مسلمان ہو کر جنرل عمرؓ کی اسلامی خدمتوں کا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے
اور ہم جانتے ہیں کہ شاید اسی وجہ سے مسلمانوں کی سلطنت پر زوال آیا ہے۔ جب ایک قوم اپنے
فتح مند جنرل کی خدمتوں کی قدر نہیں کرتی تو یہ اُس قوم کے ادبار کی نشانی ہے۔ اس سے لوگوں کے
دل شکستہ اور اُن کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ہم ڈیوک آف ولنگٹن کو جس نے واٹرلو کی
مہم کو فتح کر کے نپولین شاہ فرانس کو قید کر لیا تھا ہم لوگ اُس ڈیوک آف ولنگٹن کو دیوتا کی طرح
مانتے ہیں۔ یہ اسسٹنٹ اگرچہ کوئی بڑا عہدہ دار نہ تھا مگر آخر تھا تو انگریز اور ایک دن چیف کمشنر
یا بورڈ آف ریونیو کا ممبر یا لفٹنٹ گورنر ہونے والا تھا بات اس نے لاجواب کہی۔ اسی طرح کا ایک
مذکور میں نے حال کے اخبار میں دیکھا ہو کہ بمبئی کے گورنر لارڈ ہیرس کی میعادِ ملازمت ختم ہو کر
وہ ولایت جانے لگے تو بکالا کلب نے اُن کو دعوت دی۔ دعوت میں جیسا ان لوگوں کا دستور ہے
تن درستی کے جام پیئے گئے۔ سپیچیں ہوئیں ایک سپیچ ایڈمرل کینیڈی کی بھی تھی اُنھوں نے منجملہ
اور باتوں کے ایک بات یہ بھی بیان کی کہ ایک بڑی نمایش ہوئی تھی تو اُس مشہور نپولین کے [illegible]
دانت دکھانے کے لیے لوگوں نے بھیجے تھے۔ ظاہر ہے کہ آدمی کے دانت جس قدر زندگی میں
مونہہ کی ڈبیا میں بند ہیں اس کے مرنے پیچھے بھی ایک ڈبیا میں آ سکتے ہیں اور یہ بھی تحقیق نہیں کر

بیچارے نلسن کے دانت اُکھاڑ لیے گئے ہوں۔ اس پر بھی لوگوں نے نلسن کی ایسی قدر کی کہ کسی کو اس کا جھوٹا یا سچا دانت ہاتھ آگیا تو اُس کو تبرک کی طرح محفوظ رکھا۔ قوم اس طرح پر قدردانی کرتی ہے تو لوگ قوم پر اپنی جانیں نثار کر دیتے ہیں۔ ایک ہماری قوم ہے کہ جو شخص ان کے فائدے میں کوشش کرے اُلٹے اُسی کے سر ہوں گالیاں دیں کافر بنائیں مرتد ٹھہرائیں تاکہ آگے کو کوئی ان کے فائدے کا نام نہ لے۔ میں نے اٹاوے کے اسسٹنٹ کی حکایت کچھ اس غرض سے بیان نہیں کی کہ مجھکو سنیوں کے حق میں ایک انگریز اسسٹنٹ کی رائے سے استشہاد کرنا منظور تھا۔ یہ بیچارہ اسسٹنٹ تو کس شمار میں تھا۔ میں تو ایسی طبیعت کا آدمی ہوں کہ ڈیوپورٹ اور لائل اور گبن اور کولیم اور ویٹ جیسے لوگوں سے استشہاد کرنے کو بھی وہن اسلام سمجھتا ہوں استشہاد کا کبھی خیال بھی آتا ہے تو ذہن منتقل ہوتا ہے بی بی خدیجہؓ کی طرف۔ بلالؓ کی طرف عمارؓ بن یاسر کی طرف۔ یا ایسے ہی دوسرے بزرگوں کی طرف مگر ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام پر ایک وقت ایسا گزرا کہ وہ فوجی قوت کا محتاج تھا اور اُس وقت جہاد ہی ایک متعین پیرایہ اسلام کی حمایت کا تھا۔ اس ضمن میں غزوۂ تبوک اور لشکر اسلام کی بے سامانی کا خیال آگیا۔ مسلمانوں کا لشکر جو تبوک پر چڑھ کر گیا تھا بے سامانی کی وجہ سے جیش العسرہ (لشکر بے سامان) اور غزوۂ تبوک ذات الرقاع[1] کے نام سے مشہور ہے اول تو اُن دنوں مسلمان ہی کتنے تھے اور جو تھے اکثر بے مقدور۔ اس پر بھی جتنا جس سے بن پڑا اپنے اوپر کوشش کی۔ اور خدائی لشکر کا بھرنا بھرا سب سے بڑا چندہ حضرت عثمانؓ کا تھا کہ اُنھوں نے بھلا آج کل کے بڑے مقدور مسلمانوں کی ہمتوں پر قیاس کرکے بتاؤ تو سہی کیا دیا ہوگا۔ اور یہ بھی خیال کرلینا کہ تبوک ہی کی ایک ضرورت نہ تھی ایسی ایسی ضرورتیں ہر روز پیش آتی رہتی تھیں۔ آئے دن خدا کے نام سے قرض مانگا جاتا تھا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً[2] جس کو سُن سُن کر یہود کہتے تھے یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَةٌ[3] قومی کاموں کا سرانجام ایسا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ تم اپنی اس انجمن

---

[1] وہ لڑائی جس میں سپاہی چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے ۱۲ [2] کون ہے جو خدا کو قرض حسن دے کہ خدا قیامت کے دن اس کے قرض کو کئی گونا کرکے ادا کرے ۱۲ [3] خدا کا ہاتھ تنگ ہو رہا ہے ۱۲

حمایت اسلام ہی کو کیوں نہیں دیکھتے کہ جتنا دیتے جاتے ہو اِن کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں اور ابھی یہ کیا بس کرتے ہیں۔ اور پھر یہ انجمن اُن وقتوں کی ضرورتوں کے آگے کیا چیز ہی۔ بہر کیف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس بیس پچاس نہیں ایک دم سے تین سو اونٹ باساز و سامان لشکر تبوک کی تجہیز میں دیئے اور صحیح روایت کے مطابق ایک ہزار اشرفیاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں لا کر ڈال دیں۔ اشرفیاں دیکھ کر آں حضرت کا تو یہ حال ہوا کہ مارے خوشی کے آپ کا چہرہ چمک اُٹھا۔ آپ اُن اشرفیوں کو اُچھالتے اور فرماتے جاتے تھے بس عثمانؓ کو اب کسی عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی پنجابی[1] شمس دین کو اشرفیاں دے تو ہم بھی دیکھیں کہ یہ کیوں کر خوش ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہی کہ جس طرح آدمی کی شخصی ضرورتوں کا کچھ ٹھکانا نہیں بھوکا ہی تو محتاجِ غذا ہی ننگا ہی تو محتاجِ لباس ہی بیمار ہی تو محتاجِ دوا ہی پیادہ ہی تو محتاجِ سواری ہی۔ اور جس کی جو ضرورت ہو اُس کا رفع کر دینا اُس کی امداد و حمایت ہی۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً اسلام کی ضرورتیں مختلف ہوتی رہی ہیں اور جو لوگ اسلام کے فدائی اور خیر خواہ رہے ہیں اُنھوں نے اِن ضرورتوں کو رفع کر دیا ہی تو ایک وقت اسلام کی فوجی مدد کا تھا اور اُن وقتوں کے مسلمان فوجی طاقت سے اُس کی مدد کو کھڑے ہوتے۔ اور ایک وقت وہ تھا کہ فلسفۂ یونانی نے اسلام کو بیخ و بن سے مستاصل کرنا چاہا تو اُن وقتوں کے علما نے علمِ کلام سے اس کی مدد کی۔ اور ایک وقت اسلام پر ہمیشہ رہا ہی اور ہمیشہ رہے گا اور اسلام کی خصوصیت نہیں ہر ایک مذہب پر یہ وقت ہمیشہ رہا ہی اور ہمیشہ رہے گا۔ کہ اُس کے ماننے والے جادۂ اعتدال سے منحرف ہوتے رہتے ہیں سو اِس مرض کی دوا بھی معلوم ہی مگر ذرا پرانی ہو گئی ہی اور اُس میں اگلی سی قوت نہیں رہی۔ وہ دوا کیا ہی یہی ہمارے مذہبی پیشوا۔ مولوی۔ واعظ۔ مشائخ۔ دنیا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ملک کے امن میں فتور ڈالنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بیرونی دشمن جو باہر سے چڑھ کر آتے اُس کے دفع کے لیئے شاہی فوج ہوتی ہی۔ دوسرے اندرونی دشمن چور اُچکے ڈاکو قطاع الطریق جن کی سرکوبی کے لیئے پولیس اور عدالت ہی یہی حال مذہب کا ہی

[1] پنجابی لہجے کی نقل ہی ۱۲

کہ اُس پر خارج سے بھی حملے ہوتے ہیں اور داخل سے بھی۔ اور مصیبت یہ ہی کہ دوہرے دوہرے
حملے اور اُن کو دفع کرنے والے ایک علماء۔ اور ای کاش علما سوچ سمجھ کر حملوں کا مقابلہ کریں
سو خارج کے حملوں میں سے بڑا زبردست حملہ سائنس (علوم جدیدہ) کا ہی بیچارے علماء کو اس کی
خبر ہی نہیں کہ سائنس ہی کیا چیز۔ اور وہ کہتا کیا ہی پس سائنس نے خالی میدان پا لیا ہی۔ اسلام پہ
بے محابا وار چلا رہا ہی۔ ادھر سے کوئی جواب دینے والا نہیں۔ رہے اندرونی حملے۔ سو ان کو
دفع کرنے کی عوض علماء باہم اختلاف کرکے خود ہنگاموں کو اشتعال دیتے ہیں کیا حال ہو ملک کا
جب کہ پولیس جس کا کام ہنگاموں کا روکنا دبانا ہی آپ ہنگامے برپا کرنے لگے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا
ہی کہ اسلام کی حالت کیا ہی آیا وہ اچھا چنگا تن درست ہی یا اس کو کچھ روگ ہی اور وہ کیا روگ ہی۔
اور اس کا کیا سبب واقع ہوا ہی اور اس کا علاج کیا ہی۔ اور ان باتوں کے معلوم کرنے کی ضرورت
اس وجہ سے ہی کہ اگر واقع میں اسلام محتاجِ مدد و حمایت ہو تو ہم اُس کی ویسی ہی مدد و حمایت
کرسکیں جیسی مدد و حمایت کی اس کو حاجت ہی ورنہ وضع الشئی فی غیر محلہ کرنے سے ہماری محنت
ناحق رائگاں جائے گی۔ اور اسلام کو بھی ہم کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ سو معلوم ہو کہ اسلام نہ
صرف بیمار ہی بلکہ بیمار محتضر۔ ہر چند بعض لوگ اس کا سبب زوالِ سلطنت کو ٹھیراتے ہیں مگر اپنی تو
میں کہتا ہوں کہ مجھکو سلطنت کے جاتے رہنے کی اتنی بھی تو پروا نہیں جتنی کسی کو مٹی کے ایک
کلھڑے کے ٹوٹ جانے کی ہوتی ہی جو حلوائی ایک پیسے کے دودھ دہی کے ساتھ مفت دے دیا
کرتے ہیں سلطنت کے ساتھ اگر اختیارات ہیں تو اختیارات کے ساتھ ذمہ داریاں بھی ہیں
اب وہ۔ مانتے نہیں رہے کہ حق ناحق جو کچھ بادشاہ کے دل میں آیا کر گزرا کوئی اُس سے بازپرس
کرنے والا نہیں۔ زمانے نے ڈسپاٹک گورنمنٹ یعنی شخصی سلطنت کا بیج مار دیا ہی اور پبلک اوپینین
(عام لوگوں کی رائے) کی ایک قاہرہ حکومت قائم ہوگئی ہی۔ کہ دنیا کی مجموعی سلطنتیں بھی اُس کی
مقاومت نہیں کرسکتیں۔ یہاں تک کہ جن سلطنتوں سے ہم کو کچھ بھی تعلق نہیں ہم اُن کے معاملات
میں بھی آزادی کے ساتھ رائے زنی کرتے ہیں۔ روئے زمین پر ایسا کوئی بادشاہ نہیں جس کے افعال و

اقوال پر جرح نہ کی جاتی ہو۔ بس اب سلطنت پھولوں کی سیج نہیں رہی۔ بادشاہ کو پبلک اوپینین کی (عام رائے) کی بنچ (عدالت) کے روبرو ہر ایک بات کی جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ اُس سے پیسے پیسے کا حساب لیا جاتا ہے اور یوں بھی ملک داری ایک بلائے بے درمان ہے سب سے زیادہ مطمئن ہماری برٹش گورنمنٹ سو اس کا ان دنوں کیا حال ہے۔ روپے کی قیمت گھٹتی چلی جا رہی ہے اور ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک غل سا مچا ہوا ہے۔ سکرٹری آف سٹیٹ نے روئی کو ڈیوٹی (محصول سے) مستثنیٰ کر دیا تھا آخر پبلک اوپینین نے اُس کا گلا دبا کر ڈیوٹی لگوائی پر لگوائی پھر بھی سکرٹری آف سٹیٹ ایک چال چل گئے کہ ویسی ہی ڈیوٹی ہندوستان کے بُنے ہوئے کپڑے پر بھی لگا دی۔ اس پر اخباروں میں سکرٹری آف سٹیٹ کی و لیسرائے کی وائسرائے کے کونسل کے ممبروں کی جیسی گت بنائی جا رہی ہے اخبار کے پڑھنے والوں سے مخفی نہیں اور آج کا آج اور کل کا کل یہ بڑی لمبی پوزیشن کے حکام کہ ان ہی کو من وجہ بادشاہ سمجھنا چاہیے۔ پبلک اوپینین کے مطیع ہو کر رہیں تو سہی۔ فرانس اور روس کے ساتھ جو کشیدگی ہے وہ ایک بڑی ہوئی بات ہے ہر چند پرنس آف ویلز نے زار روس کی تعزیت کی تقریب میں موقع پا کر بہت کچھ تو تھو کر دی ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے مگر پرنس آف ویلز اور زار روس میں کیا چیز جب تک دونوں قوموں کے دل صاف نہ ہوں اتحاد ہو نہیں سکتا رات دن امیر کابل کی خیر مناتے گزرتی ہے۔ پنجاب کی سرحد پر جو کچھ ہو رہا ہے آپ لوگ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ لڑیں چین اور جاپان اور تمام یورپ کی سلطنتیں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے کر دیکھیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے کہیں ایسا نہ ہو آٹے کے ساتھ گُھن پسنے لگے۔ پھر مصر اور افریقہ اور سوڈان کہاں کہاں کا نام لوں۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ٹھنڈی ہوا تو کسی طرف سے بھی نہیں آتی۔ یہ ہیں مشتے نمونہ از خروارے وہ چند در چند دقتیں جن میں ان دنوں برٹش گورنمنٹ مبتلا ہے سچ کہا ہے اَن ایزی لائز دی ہیڈ دیٹ ویئرز دی کراؤن

(جو سر تاج اوڑھتا ہی ہمیشہ دُکھتا ہی رہتا ہی) مدتیں ہوئیں کہ مجکو انگریزی گورنمنٹ سے سوا
اِس کے کہ اِن کے مُلک میں رہتا ہوں کچھ تعلق نہیں اور جن دنوں تعلق تھا کبھی تبھی پولیٹیکل معاملات
میں مجھے کون سا دخل تھا اور نیٹو کتنے ہی بڑے درجے کا کیوں نہو امور ملکی میں اُس کو اِس سے
کیا زیادہ دخل ہوسکتا ہی جیسا ہندوؤں کی رسوئی میں کہار کو۔ کہ چوکا دے کہار برتن دھوئے
کہار آگ سلگائے کہار چوکے کے باہر سے دال چڑھائے۔ کہار آٹا گوندھے کہار روٹی گھڑ کر
لالہ صاحب کو دے کہار۔ لالہ صاحب کیا کرتے ہیں کہ کہار کے ہاتھ سے روٹی لی توے پر
توے سے اُتاری مونھ میں مگر ہاں مجکو ایک ہندوستانی ریاست کی ملازمت کا اتفاق ہوا ہی
تھا تو وہاں بھی کچھ الگ تھلگ ہی سا مگر پھر بھی یہاں کے ہندوستانی عہدہ داروں سے بہت
بہتر حالت میں تھا۔ تو جن دنوں میں حیدر آباد میں تھا خدا اِس سلطنت کو کہ مسلمانوں کا ذریعۂ
فخر ہی اور میرے لیئے تو رزق کی ڈوئی ہی قیام دنیا تک قایم رکھے چوں کہ ایک مشہور جگہ ہی
یورپ کے سیّاح اکثر وہاں آتے جاتے رہتے ہیں اور جب کوئی شہزادہ یا لارڈ یا مشاہیر میں سے
کوئی اور شخص آتا ہی تو سرکار نظام کی طرف سے علی قدر مراتب بڑی سیر چشمی اور فیاضی سے اُس کی
مہمان نوازی ہوتی ہی۔ کمتر کوئی سال ایسی دعوتوں سے خالی جاتا ہوگا۔ مجکو بھی اِن دعوتوں میں
بارہا شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہی۔ اب یاد نہیں کہ کون آیا تھا مگر تھا کوئی بڑا جلیل القدر انگریز۔
معمول کے مطابق اُس کو ڈنر دیا گیا اور اُس میں رزیڈنسی اور سٹیشن کے کل انگریز مرد و زن اور
سرکار نظام کے تمام معززین مدعو تھے۔ ایوانِ وزارت میں دعوت تھی۔ ترتیب کے ساتھ میزیں
لگائی گئیں۔ البتہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اول صدر نشین تھے۔ اِن کے دائیں بائیں
بڑے بڑے انگریز اور اُن کی لیڈیاں۔ مجکو جس میز پر جگہ ملی وہ ایسے طور پر واقع ہوئی تھی کہ میری
پشت کسی قدر سالار جنگ کی طرف کو ہوتی تھی۔ تو میں مارے ادب کے اور کسی قدر کیوری آسٹی
(شوق) کی وجہ سے بھی بار بار مڑ مڑ کر سر سالار جنگ کو دیکھتا جاتا تھا ڈنر کا ساز و سامان کیا بیان کروں
بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سر سالار جنگ گویا تختِ سلطنت پر اجلاس فرما ہیں۔ گاس کی روشنی نے

رات کا دن کر دیا ہے سالیڈ سِلوَر (ٹھوس چاندی) کی قبعوں کا دور چل رہا ہے بینڈ کی آواز دلوں کو گدگدا رہی ہے ہنسی مذاق کی باتیں ہو رہی ہیں کھانے کے بعد بن بن کے پٹاخے چھوٹ رہے ہیں۔ پھر تھیٹر کا تماشا ہے۔ آتش بازی ہے۔ انگریزی ہندوستانی ناچ ہے یہ سُن کر سب کے دل تو ضرور بھر بھرائے ہوں گے۔ مگر نہیں ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ تو جس وقت میں مُڑ مُڑ کر سر سالار جنگ کو دیکھتا تھا۔ نواب محسن الملک بہادر سے کہ میں اور یہ دونوں ایک ہی میز پر تھے کہتا جاتا تھا کہ اِس وقت کوئی سرکار کے دل کو دیکھے مارے خوشی کے ڈبل سائز (دو چند مقدار کا) ہو گیا ہو گا۔ الحمد للہ سر سالار جنگ مرحوم و مغفور کس بلا کے تاڑنے والے سٹیٹسمین (مدبر) تھے۔ اُس مجمع میں میرے بار بار دیکھنے کو دیکھا اور اگلے دن نواب محسن الملک سے پوچھا انہوں نے بے کم و کاست عرض کر دیا تو فرماتے کیا ہیں ہاں جی آدمی دوسرے کی حالت کے اندازہ کرنے میں ہمیشہ غلطی کیا کرتا ہے۔ اِن کے نزدیک میں دکن میں سب سے زیادہ خوش ہوں اور میرا حال یہ ہے کہ دن رات چوبیس گھنٹوں میں مجھے چوبیس منٹ بھی کبھی بے فکری نصیب نہیں ہوتی۔ یہ حال تھا اُس شخص کا جو تھا تو وزیر مگر خود مختاری کے اعتبار سے اُس کو بادشاہ کہا جا سکتا تھا کیوں کہ حضور پُر نور نے ہنوز زمامِ سلطنت دستِ مبارک میں نہیں لی تھی اور امیر کبیر کو رنمنٹ انتظام میں کسی طرح کا دخل نہیں دیتے تھے۔ پس اتنی بڑی ریاست میں کہ آج ہندوستان میں اِس کا ثانی نہیں۔ سر سالار جنگ جو چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ سلطنت اور حکومت کی یہ چند دقتیں جو میں نے بیان کیں دنیاوی خرخشوں کے لحاظ سے بیان کیں اور اگر مواخذہ عاقبت کی نظر سے دیکھا جائے تو شاید سلطنت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں۔ اور جن لوگوں نے مواخذہ عاقبت کا صحیح صحیح اندازہ کیا وہ ہمیشہ اِس سے نفور رہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا حال تو سنا ہو گا کہ خلیفہ وقت نے اُن کو قاضی القضات بنانا چاہا اُن دنوں کی قضا ایسی تھی جیسی آج کل کی مدار المہامی کیوں کہ کل معاملات شرع شریف کے مطابق تصفیہ پاتے تھے۔ امام نے انکار کیا۔ خلیفہ بدگمان ہوا۔ امام نے قید بھگتی

لہ یہ دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے ہیں اور عاقبت کا اچھا ٹھکانا تو اللہ کے یہاں ہے ۱۲۔

کوڑے کھائے۔ اِن صدموں کی وجہ سے۔ تپ آئی مر گئے موت کی قضا اختیار کی اور مدارالمہامی کی قضا نہیں۔ عجب نہیں مولانائے رومؒ ان امام ابوحنیفہ رح کی طرف اشارہ کرتے ہوں کہ فرماتے ہیں ؎

قاضیئے بنشاندند او می گریست	گفت نائب قاضیا گریہ ز چیست
ایں نہ وقتِ گریہ و فریادِ تست	وقت شادی و مبارکبادِ تست
گفت آہ چوں حکم راند بیدلے	درمیانِ آں دو عالم جاہلے
آں دو خصم از واقعِ خود واقفند	قاضیئے مسکین چہ داند زاں دو بند
جاہل ست و غافل ست از حالِ شاں	چوں رود در خونِ شاں و مالِ شاں

ایک وہ تھے جو حقوق العباد کا اِس قدر پاس کرتے تھے کہ عاقبت کی جواب دہی کے ڈر سے حکومت کو فتنہ و ابتلا سمجھتے تھے اور ایک ہم ہیں کہ حقوق العباد کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور ہر دم آزاری کے مواقع کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور مزہ یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ اور ابراہیم ادہمؒ سے کہیں زیادہ خدا کی بار پرس سے مطمئن ہیں جس طرح ایشیائی شاعروں کے مضامین معین ہیں کہ وہ اُن کے دائرے سے باہر نہیں جاتے گل و بلبل وصل و ہجر شمع و پروانہ بہار و خزاں شوق و انتظار سبّ الشیخ استخفافِ مذہب۔ مدحِ ام الخبائث یا دو چار اَور۔ اسی طرح آج کل کے لکچراروں کے مضمون مقرر ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ مسلمانوں کو اِن کے بزرگوں کی عظمت اور شان و شوکت یاد دلائی جاتی ہے جیسے سُنتے ہیں کہ چیتے کو شکار کے لیئے لے جاتے ہیں تو اُس سے کہتے جاتے ہیں کہ تیرے باپ نے فلاں لومڑی اور دادا نے فلاں خرگوش کا شکار کیا تھا۔ مسلمانوں کو اِن کے بزرگوں کی عظمت کا یاد دلانا خیال تو اچھا ہے کہ غیرت کے لیئے اِس سے زیادہ کاری تازیانہ ہو نہیں سکتا۔ مگر اِس کا ایک پہلو بہت بُرا بھی ہے کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے کارنامے سُن کر شیخی میں آجاتے اور اپنے تئیں مظلوم سمجھ کر ناحق کا غصّہ کرنے لگتے ہیں اور معلوم ہے کہ کمزور کا غصہ مار کھانے کی نشانی۔ مسلمانوں کی بے دولتی کے جہاں اور اسباب ہیں ازاں جملہ ایک جھوٹی شیخی اور ناحق کی نمود بھی ہے دنیا کے سبھی کاموں کا دستور ہے کہ خاص کر ابتدا میں تھوڑی یا بہت

ذلت ضرور انگیز کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً نوکری کہ ایک دم سے کوئی اکسٹرا اسسٹنٹ یا اسسٹنٹ کمشنر نہیں نہیں ہوا کرتا۔ ہر ایک کو پہلے چھوٹی سی چھوٹی نوکری ملتی ہے پھر تدریج ترقی کرتے کرتے لوگ بڑے درجوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگر اس وقت فرض کرو کوئی لفٹنٹ گورنر یا چیف کورٹ کا جج ہے تو وہ ابتدا میں ضرور ادنیٰ درجے کا اسسٹنٹ کمشنر رہا ہوگا اسی طرح جن نیٹوز کو ڈپٹی کمشنر یا ڈسٹرکٹ یا ڈویژنل جج دیکھتے ہو وہ شروع میں شاید نقل نویس ہوئے ہوں گے یا ہنگامی محرر جو عارضی طور پر ردی چھانٹنے کے لئے مقرر کر لیے جاتے ہیں۔ غرض ابتدائی نوکریوں میں پتے کو بہت مارنا پڑتا ہے اور مسلمان اگر نالیاقتی کی وجہ سے بڑی نوکریوں سے محروم ہیں تو شیخی کی وجہ سے وہ چھوٹی نوکریوں میں رہ نہیں سکتے۔ ممالک مغربی و شمالی میں ایک ضلع ہے جون پور اور اُس کا ایک پرگنہ ہے مچھلی شہر۔ مچھلی شہر ایک مشہور مقام ہے اور اس کی شہرت کی وجہ علما کا ایک خاندان ہے یہ لوگ علما سے مستند ہونے کے علاوہ دنیاوی عروج بھی ایسا کچھ رکھتے تھے کہ مولوی شکور اور مولوی ظہور چار بھائی ایک دم سے چاروں صدر الصدور اتفاق سے ایک مسلمان تحصیلدار گورکھپور کا ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوا اور گورکھپور جاتے ہوئے ہم اُس کو مچھلی شہر سے ہو کر گزرنا تھا۔ اور وہ مچھلی شہر سے ہو کر گزرے ممکن نہ تھا کہ مسلمان ڈپٹی کلکٹر مچھلی شہر سے ہو کر گزرے اور ان بزرگوں سے نہ ملے۔ ایک زمانے وہ تھے اور ایک وقت یہ آیا ہے کہ دو صاحب حج کو گئے ہیں ایک کو وہابی کہنا چاہتا تھا دوسرے کو بدعتی۔ مگر نہیں ایک تھے غیر مقلد یا اہل حدیث اور دوسرے مقلد یا حنفی۔ ابھی جہاز ہی میں تھے کہ مدینہ طیبہ جانے کی صلاح کرنے لگے کہ حج سے پہلے ہو آئیں یا حج کے بعد چلیں۔ غیر مقلد نے کہا کہ مدینے جانا کچھ داخل ارکان حج تو ہے نہیں۔ میں نہ پہلے جاؤں نہ پیچھے۔ مقلد ای کاش یہ کہتا کہ بندۂ خدا مدینے جانا داخل ارکان حج نہ سہی مگر کب کب اس ملک میں آنا نصیب ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے مروتی اور حق ناشناسی اور ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم عرب آئیں اور اُس پیغمبر کے مرقد مبارک کی زیارت نہ کریں جس کی جوتیوں کے صدقے میں ہماری دنیا اور آخرت دونوں درست ہوئیں۔ لیکن غیر مقلد کی ضد میں آ کر مقلد نے یہ کیا کہ جہاز سے اُتر سیدھا مدینہ پہنچا اور وہیں سے بے حج کئے گھر کو لوٹ گیا۔ شاباش ہے ہمارے دوست

ڈپٹی کلکٹر کو کہ بزرگان پھلی شہر کو علماء دین سمجھ کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ایک بزرگ سے یہ بھی درخواست کی کہ مجکو دنیا اور دین کے متعلق نصیحت فرمائیے دین کے متعلق جو کچھ فرمایا ہو معلوم نہیں مگر دنیا کے بارے میں ارشاد کیا کہ حتی الوسع ہندوؤں سے ملے رکھنا اس ڈپٹی کلکٹر کو حیرت ہوئی کہ مولوی صاحب پیشوا ئے اسلام ہو کر ہندوؤں کی سفارش فرماتے ہیں۔ نہ رہ سکا اور پوچھا ہی پوچھا کہ اس میں کیا مصلحت ہی فرمایا اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ میری بہت سی عمر نوکری میں گزری ہی۔ اور جتنی عمر نوکری میں گزری ہی اُس کا اکثر حصہ حکومت کی نوکری ہیں۔ تو مجکو عملوں سے بہت سروکار رہا ہی اور میں نے ہندوؤں کو منقاد اور جفاکش پایا ہی مولوی صاحب نے اپنی ایک حکایت بیان کی کہ میں فلاں جگہ صدر الصدور تھا۔ اتفاق سے صدر دیوانی عدالت (ہائی کورٹ) کے حکام نے ایک بڑا طویل الذیل نقشہ طلب کیا۔ اور یہ اعلیٰ درجے کے حاکم خالی بیٹھے بیٹھے اکثر ایسے ہی خواب پریشان دیکھا کرتے ہیں۔ اور کام کی یہ کثرت کہ بیچارے معمولی عملوں کو سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ میں تو بہت گھبرایا کہ عملۂ زائد کی درخواست کرتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہی۔ یہ نقشے کا کام کیسے سرانجام ہوگا۔ مگر سررشتہ دار نے کہا کچھ تردد کا محل نہیں۔ یہ امیدوار لوگ جو حاضر رہتے ہیں اِن سے مدد لی جائے گی۔ غرض نقشے کے کئی ٹکڑے کر کے اُمیدواروں کو تقسیم کر دیئے گئے۔ ازاں جملہ ایک ٹکڑا ایک ہندو امیدوار کو دیا جانے لگا تو اُس نے خود درخواست کر کے ایک ٹکڑا اَور لیا اور میں نے دیکھا کہ اُسی وقت سے اُس نے کمر سے قلمدان نکال ہاتھ بھر کے زنگ آلود چاقو سے سرکنڈے کا قلم بنا اپنا کام شروع کر دیا۔ باوجودے کہ دو ہفتے کی مہلت تھی مگر اُس نے کوئی چوتھے پانچویں ہی دن اپنے حصّے کے دونوں نقشے نہایت صحت اور صفائی کے ساتھ بنا پیش کر دیئے اور اُلٹا منت پذیر ہوا ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم	منت شناس زو کہ بخدمت بداشتت

سررشتہ دار نے ایک چھوٹا اور آسان سا ٹکڑا ایک مسلمان بھائی کے لیئے بھی رکھا تھا اُن کو کہیں پہلے سے اس بیگار کی خبر لگ گئی۔ اب بلاتے ہیں تو ٹلے ٹلے پھرتے ہیں۔ بارے لوگوں کے سمجھانے

لہ جس سے صلاح پوچھی جائے وہ ایک طرح کا امانت دار ہوتا ہی ۱۲۔

سے آئے تو آتے کے ساتھ کڑک کر سررشتہ دار سے بولے کیوں منشی جی یہ کس جرم کے لیے میرے
نام کا وارنٹ جاری ہوا ہے۔ عوضیاں ہوں تو لالہ بھائی گھر سے بلائے جائیں اور بیگار ہو تو ہم پکڑے
پکڑے پھریں۔ اور میں اجلاس کے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تجویز لکھ رہا ہوں۔ میں نے سررشتہ دار کو
کہتے سُنا کہ از برائے خدا ذرا آہستہ آہستہ بولو صدر اعلیٰ صاحب تجویز لکھ رہے ہیں۔

مسلمان امیدوار۔ تم نے تو صدر اعلیٰ کو خدا سے بھی بڑھا دیا کہ اُس کے یہاں بھی پانچ نمازوں میں
سے تین جہری ہیں سُن لیں گے تو بندہ کچھ ان کا دیا نہیں کھاتا۔

سررشتہ دار۔ ارے یار کیوں ناشکری کرتے ہو ابھی اسی مہینے میں تم کو اُس تقسیم کے مقدمے
میں بیٹھے بٹھائے تیس روپے مل گئے یہ تو میں جانتا ہوں نوکروں سے اچھے پڑ رہتے ہو۔ بھلا خیر یہ
ایک چھوٹا سا نقشہ ہے مہربانی فرما کر ذری اس کو تو بنا دیجئے۔

امیدوار۔ بس مجکو تو ایسے اخلاص سے معاف فرمائیے۔

سررشتہ دار۔ یہ تو آپ کو ہماری خاطر سے بنانا ہی پڑے گا۔

امیدوار۔ منشی جی تم تو ہم کو بہت ہی ستاتے ہو۔ (نقشہ دیکھ کر) اُفو نقشہ ہے کہ شیطان کی آنتڑی
ہے۔ صاحب یہ میرے بوتے کا نہیں۔

سررشتہ دار۔ ذرا صبر تو کیجئے یہ سارا نقشہ آپ کو نہیں بنانا پڑے گا۔ یہ صرف چار خانے آپ کو
بھر دینے ہیں بستہ بردار مثلیں لا لا کر آپ کے سامنے رکھ دے گا۔ آپ ان چار مدوں کی کھتونی کر ڈالیے۔

امیدوار۔ آپ نے تو ایک ٹکا بھر کی جیبھ (زبان) ہلا دی آپ سمجھتے بھی ہیں کہ یہ چار خانے کا
تھان گز گز کا لمبا ہوگا۔ بھلا کتنے دنوں میں نقشہ درکار ہوگا۔

سررشتہ دار۔ بہت سے بہت چار پانچ دن۔

امیدوار۔ کیا خوب آپ کو خبر بھی ہے آج کے پندرھویں دن رمضان شریف کا پہلا روزہ ہے
روزے میں تو بندے کے حواس برجا رہتے نہیں۔ بعد رمضان بات سو بات۔

امیدوار تو نقشے کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا لیکن لوگوں نے کہا ارے میاں کیوں غضب کرتے ہو یہ کام ہی ہو

نقشہ لے لو ایسا ہی ہوگا تو ہم تمھاری مدد کردیں گے۔ بیر آخر اُلقشہ لے بڑبڑاتے ہوئے نکلے نہ دانہ نہ
گھاس سواری دو دو وقت لعنت اس امیدواری پر اور لعنت اس کچہری پر سو واقع ہیں جیسا کہا
تھا ویسا ہی کیا سارے رمضان میر منشی نے شکل ہی نہ دکھائی۔ نقشہ تو کیا رک سکتا تھا۔ بیچارے
سلامت رائے رام آدھین غریب داس نے لگ لپٹ کر وقت سے پہلے اُس کو پورا کیا۔ مسلمان بھائی
عید کے بھی کوئی دس دن بعد مکان پر تشریف لائے اور دور ہی سے السلام علیکم کہکر باسی
تو اسی بھی نہیں دسواسی عید کے معانقے کے لیے آگے بڑھے۔ ناچار اُٹھنا پڑا نہ صرف مجکو بلکہ سینہ پڑ
بیس اَور بھلے مانسوں کو بھی جو اُس وقت موجود تھے اور غالباً ایک بھی اُن کا روشناس نہ تھا۔
معانقوں سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے ساری محفل کو ایک نظر دیکھا۔ میں تو حقہ پیتا نہیں مگر
ایک مہمان عزیز آئے ہوئے تھے اور وہ حقہ پی رہے تھے۔ امیدوار صاحب حقے کے لالچ سے۔
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ[۱۵] کہکر زبردستی اُن کے بیچ
میں گھسے اور مجھ سے مخاطب ہوکر بولے عید کی مبارک کے بعد سوائے مجکو ایک امر اَور بھی عرض کرنا
تھا کہ سرشتہ دار نے ایک نقشہ مجھے بنانے کو دیا تھا۔ وہ بیچارہ ہندو رمضان کی کیا قدر
جانے عجب نہیں نقشے کا منتظر ہو آپ کو تو ماہ مبارک کی صعوبتوں کا خود تجربہ ہوا ہوگا۔ رمضان میں تو
کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بندہ ستۃ العید[۲] کا بھی پابند ہے۔ غرض الحمد للہ اب روزوں سے فراغ حاصل
ہوا صرف تکان ہے سو ہفتے عشرے میں مزاج بحال ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ شوال ہی شوال میں نقشہ حاضر
کردوں گا۔ شوال گیا ذی قعدہ گیا ذی الحجہ گیا محرم میں نقشے لائے تو کیا بیان کروں رول تک سیدھا
نہ تھا جا بجا سیاہی پڑی ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کسی کم سواد لڑکے سے لکھوالیا ہے۔ سو واقع میں مسلمانوں
کے سر پر ایک یہ بھی شامت سوار ہے کہ چھوٹی حالت میں اِن سے رہا نہیں جاتا اور بدون اس کے
گزر نہیں۔ تو جو لوگ مسلمانوں کی حالت کو درست کرنا چاہتے ہیں اُن کو ضرور ہے کہ مسلمانوں سے

---

[۱۵] مسلمانوں جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جایا کرو کہ خدا اس حسن خلق کے عوض تم کو
بہشت کی کھلی جگہیں بٹھائے گا ۱۲۔ [۲] شش عید کے روزوں کا ۱۲۔

جھوٹی شیخی اور بے جا تعظیم طلبی کی عادت ترک کرائیں بڑا مشکل کام ہی کہ طبیعت میں دنائت اور کمینگی
بھی نہ آنے پائے یعنی خودداری رہے اور غرور بھی نہ ہو سو مجکو مسلمانوں کے پچھلے کارنامے سُن کر ہمیشہ
یہ خدشہ واقع ہوا کرتا ہی کہ کہیں مسلمان شیخی میں نہ آجائیں میں نے بھی سلطنت اسلام کا تذکرہ کیا مگر اُس کے
زوال کا اور وہ بھی اس پیرائے میں کہ سلطنتوں کے جاتے رہنے کی میں اتنی بھی تو پروا نہیں کرتا جتنی کہ
ایک مٹی کے ٹھیکرے کے ٹوٹ جانے کی ہوتی ہی جو جانوانی دودھ دہی کے ساتھ مفت دیا کرتے
ہیں سلطنت کے ساتھ اقتدار ہی تو ویسے ہی اُس کے ساتھ جھگڑے بھی ہیں۔ دنیا اور دین کی
عافیت تو اسی میں ہی کہ نہ سلطنت کے جاتے رہنے کا افسوس ہو اور نہ اُس کے حاصل ہونے کی
آرزو۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ سلطنت خوشی کا صرف ذریعہ نہ تھی تو بڑا ذریعہ ضرور تھی۔ اب علم و ہنر
کا دور دورہ ہی۔ اسی کی سلطنت ہی اسی کی حکومت اسی کی دولت اسی کی ثروت اسی کی عزت
غرض اسی کی دنیا اور میں پکارے کہتا ہوں اسی کا دین۔ اب سلطنت بھی بے علم و ہنر کے نہیں
چل سکتی۔ اور نہ صرف سلطنت بلکہ سچ پوچھو تو بے علم و ہنر زندگی حرام ہی۔ اور جیسی زندگی ہم لوگ
بسر کر رہے ہیں۔ کہ سوئی اور چاقو اور دیاسلائی اپنی ضرورت کی کل چیزوں کے لیے یورپ کے
دست نگر ہیں میں تو اس کو زندگی نہیں سمجھتا۔ جن کو جینے کا سلیقہ نہیں ایسے نااہلوں کو اول تو
سلطنت ملنے ہی کیوں لگی ع

دولت نہ بماندے کسے را بگذاشت

اور بالفرض محال مل بھی جائے تو جانو کہ ملک کے حق میں قیامت آئی۔ تو مجکو مسلمانوں کی سلطنت کے
جاتے رہنے کا ذرا بھی افسوس نہیں وہ ایک جانے والی چیز تھی اور گئی تو خوب ہوا اچھا ہوا بہتر ہوا
ہاں افسوس ہی تو اس کا ہی کہ مسلمانوں میں علم و ہنر نہیں یعنی وہ علم و ہنر جس نے یورپ کو
حضیض ذلت سے اُٹھا کر معراج الکمال عزت پر پہنچا دیا ہی۔ اور نہ صرف یہ ہی کہ مسلمانوں میں ایسا
علم و ہنر نہیں سر پیٹ لینے کی بات ہی کہ اُس علم و ہنر کے حاصل کرنے کا جیسا چاہیے شوق
بھی نہیں اور شوق ہو تو کہاں سے۔ ہنوز ابھی انھوں نے اس کی ضرورت ہی کو نہیں پہچانا۔۔

اور اس سے کہ مسلمانوں میں تعلیم کی کچھ تحریک ہو رہی ہے میں نہیں مانتا کہ اِن کو شوق ہے جیسا شوق ہونا چاہیئے اور اُنھوں نے علم کی ضرورت کو سمجھا ہے جیسا سمجھنا چاہیئے۔ ہمارے خاندان کا دستور ہے کہ جب تک بچّوں کو صرف کہہ دینا کافی ہوتا ہے اُن کو کہہ کہہ کر نماز پڑھوائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ عمر کی اُس حد کو پہنچتے ہیں کہ صرف کہنا بس نہیں کرتا تو اُن کو لالچ دیا جاتا ہے یعنی پیسہ یا ٹکا نماز مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ پیسوں کی طمع سے نماز پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بڑے ہو کر خدا کے فضل سے بڑے پکے نمازی ہو جاتے ہیں۔ اور بعض صاحبِ ترتیب بھی ہوئے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اور ہاں پیسوں کا لالچ دینے کے علاوہ ہم اُن کو اپنا نمونہ بھی دکھاتے ہیں ورنہ ہم بے نماز ہوں تو کہنا اور لالچ دکھانا کچھ بھی کام نہ آئے۔ تو اگر مسلمانوں کو یعنے بعض مسلمانوں کو تعلیم کا شوق ہے بھی تو وہ اسی قسم کا شوق ہے جیسا لالچی بچّوں کو نماز کا۔ جس طرح وہ نماز پیسوں کے لالچ سے پڑھتے ہیں اسی طرح یہ لوگ نوکری کے لالچ سے تعلیم پا رہے ہیں نہ اُن کی نماز نماز ہے نہ اُن کی تعلیم تعلیم۔ شوق ہمیشہ نتیجہ ہوتا ہے قدر کرنے کا جو بچے لالچ سے نماز پڑھتے ہیں۔ اگر کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے نماز کی قدر جانی۔ اگر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کو نماز کا شوق ہے تو جو لوگ نوکری کے لالچ سے تعلیم پاتے ہیں اُن کو بھی کہا جائے گا کہ اُنھوں نے تعلیم کی قدر جانی کہا جائے گا کہ اِن کو تعلیم کا شوق ہے۔ نوکری اول تو اس کثرت سے ہے نہیں اور ہو سکتی بھی نہیں۔ اور ہو بھی تو وہ ایک نہایت مبتذل منفعت ہے جو تعلیم پر متفرع ہو سکتی ہے بشرطیکہ تعلیم تعلیم ہو یعنے اعلیٰ درجے کی۔ اور یہ تعلیم جو ہو رہی ہے شاید نوکری کے لیئے تو کافی ہو بھی مگر قومی ترقی کے لیئے تو میں اس کو تعلیم کی ابجد سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔ انسان کی طبیعت ایسی تنگ چشم واقع ہوئی ہے کہ یہ ساری فضیلتوں ساری برکتوں ساری نعمتوں کو اپنے لیئے اور خاص اپنے ہی لیئے سمیٹنا چاہتا ہے[۱] و احضرت الانفس الشح تو مشکل سے اُس کے ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ شخصی فائدوں سے قومی فائدے کہیں زیادہ سود مند اور قابل قدر ہیں مثلاً اہلِ یورپ کے حال پر نظر کرو کہ ایک گورا ایک لوہار ایک موچی یہاں تک کہ ایک لوفر (گدا) بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بڑے شہروں کے

---

[۱] اور بخل تو سبھی کے نفوس کے ساتھ لگا ہے ۱۲۔

بڑے بازاروں میں شام کے وقت لوگوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہوتا ہے اور رستہ
چلنا دشوار ہے میں نے ایک نواب صاحب کو دیکھا کہ دو گھوڑوں کی بگھی پر سوار ہیں۔ دو سوار آگے دو
پیچھے۔ سائیس اور سوار بہتیرا بھیڑ کو ہٹانا چاہتے ہیں لوگ ہٹو بڑھو کا غل سن کر پیچھے کو مڑکر دیکھ تو لیتے ہیں
مگر جگہ سے نہیں ٹلتے۔ اتنے میں تو ایک گورا آتا ہوا دکھائی دیا۔ اکیلا۔ مونہہ میں پُپ اور ہاتھ میں
تین چار فٹ کا بید۔ وہ نہ ہٹو کہتا ہے اور نہ بڑھو کہتا ہے۔ اور مزہ یہ ہے کہ سیٹی بھی نہیں بجاتا۔ مگر لوگ ہیں کہ
کہ آپ سے آپ کائی کی طرح پھٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیا۔ قومی حکومت قومی رعب پھر ان کی قوم کا
چمار بھی ہے تو بھی کہلائے گا صاحب ہی۔ یہ کیا۔ قومی عزت قومی ادب۔ پھر ہمارے فقیر پہروں
کھڑے چلایا کریں۔ دعائیں دیں۔ مناجاتیں سنائیں جسمانی روگ دکھائیں کسی نے بہت دیا تو ایک
پیسہ وہ بھی جمعہ رات کے دن۔ لیکن اگر انگریز لو فر جا کھڑا ہو تو دور سے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوں اور
بے دریغ کم سے کم ایک ابیض منقوش اُن کی نذر کریں۔ یہ کیا۔ قومی اقبال قومی تمول تو معلوم ہوا
کہ جب ایک قوم کی اکثر افراد کو ایک نعمت حاصل ہوتی ہے اُس قوم کی ساری افراد پر کسا بیش
اُس نعمت کا اثر پڑتا ہے۔ اگرچہ مجھکو ساری عمر انگریزوں کی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر
طالب العلمی کے زمانے میں نوکری کی حالت میں انگریزوں سے سابقہ پڑتا رہا ہے اور اب کہ مجکو اتنی
انگریزی آتی ہے کہ ہر قسم کی کتابیں اور اخبار سمجھ لیتا ہوں تو جتنی دیر انگریزی کتاب یا اخبار دیکھتا ہوں
تو بس یہی سمجھتا ہوں کہ اتنی دیر انگریزی سوسائٹی میں ہوں اور یہاں نیچریوں سے ملاقات ہے دوستی ہے
گو کھان پان نہیں۔ ان کی سوسائٹی بھی من وجہ انگریزی سوسائٹی ہے بلکہ انگریزوں سے تو آتکٹ
د داب مجلس کا کوئی فریضہ متروک ہو بھی جائے نیچریوں سے کسی مستحب کا متروک ہونا بھی ممکن
نہیں۔ شریعت کی پابندی جیسی نو مسلم سے ہو سکتی ہے موروثی مسلمان سے نہیں ہو سکتی۔ غرض انگریزوں
کے حال سے مجکو پوری آگہی نہیں تو محض ناواقفیت بھی نہیں۔ میں نے بعض انگریز تو نہایت لایق
دیکھے اور اکثر ہماری طرح کے معمولی آدمی۔ تو مجکو حیرت ہوا کرتی تھی کہ یہی لوگ ہیں اور اپنے ہی
لوگ ہیں تو یورپ میں طوفان ترقی کہاں سے آگیا ہوگا۔ ۔۔۔۔ ان لوگوں ۔۔۔ ایجادات

لہ مجلس ۔ ۔

ظاہر ہوتا ہی۔ آخر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ آدمی تو عموماً ہماری ہی طرح کے ہیں کچھ ایسا بڑا تفاوت نہیں مگر
ان میں تعلیم یافتہ اکثر ہیں اور عموم تعلیم کا سوسائٹی پر ایسا اثر پڑا ہی کہ جو وہاں کا جاہل ہی وہ صرف اس وجہ
سے جاہل سمجھا جا سکتا ہی کہ اُس نے سبقاً سبقاً سکول یا کالج میں تعلیم نہیں پائی۔ مگر وہاں کی سوسائٹی
بجائے خود معلم کا حکم رکھتی ہی اور چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے باتوں باتوں میں لوگ ایک دوسرے سے
بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ تم لوگ جو تعلیم کے لئے کوشش کر رہے ہو شخصی تعلیم کے لئے کر رہے ہو وہ
بھی سسک سسک کر قومی تعلیم کے نہ تم فائدے سمجھتے ہو نہ تم اس کی قدر کرتے ہو۔ اور جب
سرے سے قدر ہی نہیں کرتے تو اُس کے لئے کوشش کیوں ہو۔ ہم میں جو بڑا روشن خیال ہی وہ یہ تو کریگا
کہ اپنے بیٹوں بھتیجوں رشتہ داروں کو تعلیم دلانا چاہتا ہی غرض اُس کی کوشش اُس کے گھر کے اندر
محدود ہی مگر قوم اُس کے گھر کے باہر تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہی اُس کا ذہن ہی اس طرف منتقل نہیں
ہوتا کہ اس کے عزیزوں کے تعلیم پا جانے سے قوم تعلیم یافتہ نہیں ہو جائے گی اور جب تک قوم تعلیم
یافتہ نہ ہو شخصی تعلیم کی برکتیں بھی محدود رہیں گی۔ جیسے وہ تعلیم خود محدود ہی۔ اس وقت کی تعلیم میں یہ بڑا
نقص ہی کہ اُس کی غرض و غایت نوکری ہی اور ابھی سے لوگوں نے بڑبڑانا شروع کر دیا ہی کہ تعلیم یافتہ
بھی بے معاش پڑے پھرتے ہیں۔ شکر ہی کہ بدمعاش نہیں پڑے پھرتے۔ اور یہ شکایت بالکل صحیح ہی
تعلیم کی گدگدی پیدا ہوتے دیر نہیں ہوئی تھی۔ کہ ری ایکشن (اُلٹا لوٹنا) شروع ہو گیا یعنی تعلیم کی طرف سے
لوگوں کو اُلٹی بے دلی ہوتی جاتی ہی اور اس کا علاج کرنا نہایت ضرور ہی۔ سو جس طرح سے جلے
ہوئے کو آگ سے سینکتے ہیں وہ بے دلی جو تعلیم کی طرف سے پیدا ہو چلی ہی اُسی کا علاج ہی تعلیم۔
میں اُس کی دو مذہبی سندیں رکھتا ہوں ایک شخص کو دستوں کی شکایت تھی وہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوا پوچھنے آیا۔ اُن لوگوں کو آں حضرت کے ساتھ عقیدت ہی اس قسم
کی تھی کہ دنیا اور دین دونوں میں پیغمبر کو اپنا راہ نما سمجھتے تھے اور واقع میں وہ تھے بھی۔ اب ایسے
مسلمان رہ گئے ہیں کہ پیغمبر کی دینی تعلیم میں بھی چون و چرا کرتے ہیں۔ نص صریح دیکھتے ہیں اور اُن کو
تسلی نہیں ہوتی خیر تو وہ شخص دستوں کی دوا پوچھنے آیا۔ آپ نے شہد کے پینے کو فرمایا اس واسطے

کہ خدا نے شہد کے حق میں فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ فرمایا تھا۔ شہد کا پینا تھا کہ دست اور بھی چھوٹ پڑے پھر دوڑا ہوا آیا۔ آپ نے فرمایا وہی شہد پیئے جاؤ جوں جوں شہد پیتا تھا دست زیادہ ہوتے جاتے تھے اور وہ بار بار شکایت کرتا تھا اور ادھر سے شہد ہی کی ہدایت ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ نے فرمایا تیرا پیٹ جھوٹا ہے۔ جا شہد ہی پیئے جا۔ آخر کار جب کامل تنقیہ ہو چکا دست آپ سے آپ بند ہو گئے گھر کے رہتے شہد مسہل تھا مادۂ فاسد کے اخراج کے بعد وہی شہد قابض بن گیا۔

اسی طرح ایک شخص نے عسرت کی شکایت کی اور وہ تھا مجرد۔ آپ نے فرمایا نکاح کر لو وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ[لہ] نکاح کیا تو جورو کے نان نفقے کا بوجھ بڑھا۔ اور تنگی ہوئی۔ پھر شکایت کی۔ فرمایا ایک نکاح اور۔ غرض آخر کار تعددِ نکاح سے خدا نے اُس کو برکت دی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدر درجے کا کاہل۔ ہاتھ پاؤں ہلانا [illegible] خانہ داری کی جھنجٹ میں سے نکلا سیدھا ہو گیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر تعلیم تنگی معاش کا سبب ہے تو اور پڑھو۔ یعنی ہزار نے پڑھ کر فائدہ نہیں اُٹھایا تو ہزار اور پڑھیں اور اسی طرح ہزار ہزار پڑھتے جائیں یہاں تک کہ سب پڑھ جائیں۔ باقی کو جمع ہونے دو وہ اپنا رستہ آپ کرے گا جب لوگ کثرت سے تعلیم یافتہ ہوں گے اور نوکری ملے گی نہیں تو وہ آپ معاش کے دوسرے دوسرے ذرائع ڈھونڈھ نکالیں گے اور تبھی قوم کو آسودگی اور ترقی ہو گی۔ کیوں دلائل عقلی کے منتظر ہو۔ سیدھی سی بات ہے کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم میں اور یورپینز میں کوئی وجہ فارق نہیں۔ جیسے آدمی وہ ویسے آدمی ہم۔ اگر وہ سرد ملک کے رہنے والے گورے ہیں اور ہم گرم ملک کے رہنے والے اور کالے۔ تو مقام اور رنگ کے اختلاف کو ترقی میں کچھ بھی مدخل نہیں۔ پھر وہ کیا چیز ہے جو [illegible] ہم میں نہیں [illegible] جو ان کی ترقی اور ہمارے تنزل کا سبب واقع ہوئی ہے ہاں تو وہ چیز تعلیم ہے کہ وہ اکثر تعلیم یافتہ اور ہم ان کی نسبت جاہل۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قوم ایک رستے پر پڑ لینے سے کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچ گئی ہے تو ہم کو بھی آنکھ بند کر کے

لہ اور اپنی رانڈوں اور اپنے رنڈووں اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں اُن کے نکاح کر دو اگر محتاج ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ ۱۲

اُنھی سننے پر پڑھ لینا چاہیئے۔ یعنی اِس وقت اور اِس زمانے میں اسلام کی حمایت کا یہی ایک متعین پیرایہ ہی کہ مسلمانوں کی قوم کو تعلیم دینے کی کوشش کی جائے۔ سو کچھ کوشش ہو بھی رہی ہی مگر کوانٹٹی (مقدار) اور کوالٹی (درجہ) کے لحاظ سے ناکافی۔ کچھ خبر بھی ہی وہ وقت سر پر چلا آرہا ہی کہ جس علم کے حاصل کرنے کے لیئے تم سے کہا جاتا ہی۔ اور تم نہیں سنتے ایک دن وہی علم جہل کی طرح بے قدر ہوگا۔
اِس واسطے کہ دریافت اور ایجادوں کے اعتبار سے اہل یورپ کا کچھ بہرہ سا کھل گیا ہی یورپ کے مقابلے میں تو خدا کی طرف سے اُس کو فیصل شدہ سمجھو کہ تم اُس کے غبار کو بھی نہیں پا سکتے اور کیوں کر پاسکو گے کہ تم ابھی جگہ سے کھسکے تک نہیں اور وہ لوگ تم سے سو برس یعنی کم سے کم دو نسل کے پہلے کے چلے ہوئے ہیں پہلے پیدل تھے پھر سوار ہوئے اور سوار ہوئے تو پہلے گام پھر دُلکی پھر سرپٹ اور اب تو اکسپرس (سب سے زیادہ تیز ریل انجن) لئے چلے جا رہے ہیں کہیں وہی تو نہ ہو جائے جیسا عوام کو شبہہ ہوا تھا کہ تار میں اندر اندر جادو کی پتلیاں دوڑتی ہیں۔ اور جب ہم تار کی مشینری (کل) ہی سے واقف نہیں تو ہم سے عوام بہتر کہ اُنھوں نے آخر ایک ڈھکوسلا گھڑ تو لیا تھا۔ پس اگر کسی نے تعلیم کی غرض و غایت یہ سمجھی ہو کہ ہم اہل یورپ کی برابر ہو جائیں تو اِس کی نسبت میں یہی کہہ سکتا ہوں ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

ہاں اہلِ یورپ تعلیم کے جس درجے پر اب ہیں اُس کے آدھے تہائی چوتھائی پر بھی ہم پُھنچ جائیں تو ہمارے بدنصیب ملک ہماری بدنصیب قوم کے بھاگ کُھل جائیں وہی جیسا خدا نے اہلِ کتاب کے لیئے فرمایا تھا[1] وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِّنْ رَّبِّھِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ کہیں اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّھِمْ یہی معنی تو نہ تھے کہ سائنس پڑھو کیوں کہ اَکَلُوْا مِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ تو اس درجے کا ہی کہ خدا نکرے کہیں تخمہ نہ ہو جائے۔ غرض اسلام کی حمایت کا ایک پیرایہ تو انگریزی تعلیم کا رواج دینا ہی۔ سو اِس کی بن

[1] اور اگر اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل اور اُن صحیفوں کے حکموں پر قایم رہتے جو خدا کی طرف سے اِن پر نازل ہوئے تھے تو ان کے لیئے اوپر سے رزق برستا اور پاؤں کے تلے سے اُبلتا ۱۲۔

(رستے) ہیں جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہی وہ اسی قدر ہی کہ نہ کرنے سے کچھ بہتر ہی مگر چاہو کہ اس سے حصول مدعا ہو سو ہونا نہیں۔ اب اسلام کی حمایت کا ایک دوسرا پیرایہ اور ہی اور وہ تعلیم کے رواج دینے سے کہیں زیادہ ضروری ہی۔ اور اگر یہ خود نئی بات نہیں تو جس پیرائے میں اس کو میں ادا کرنا چاہتا ہوں وہ اتنا تو ضرور نیا ہی کہ میں نے نہ دیکھا نہ سنا۔ میں پوچھتا ہوں دنیا میں اسلام کے جاری کرنے سے خدا کا کیا مطلب تھا۔ بے شک پیغمبر صاحب آخر الزمان کی بعثت کے وقت ادیان کی بہت ہی تباہ حالت تھی۔ مل تو رہے دوسرے درجے میں اہلِ کتاب تک کے معتقدات خراب ہو گئے تھے اور معتقدات بھی جنت اور دوزخ اور آسمان اور فرشتوں اور شیطان کے بارے میں نہیں بلکہ خود بڑی سرکار یعنے خدا کے بارے میں وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ [1] اس سے زیادہ اہلِ کتاب کے معتقدات کا فساد معلوم کرنا ہو تو قرآن کی طرف رجوع کرو۔ غرض تمام ادیان کیا اہلِ کتاب اور کیا غیر اہلِ کتاب سب جادۂ استقامت سے منحرف تھے۔ اور خدا جو اپنے بندوں پر ہمیشہ سے مہربان ہی اور ہمیشہ مہربان رہے گا۔ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ [2] ان کی یہ تباہ حالت دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اور زمانے کا رنگ پکار رہا تھا کہ کسی پیغمبر کا آنا ضرور ہی اور وہ پیغمبر محمد صلعم تھے جنھوں نے ملکِ عرب میں ظہور کیا اس لئے کہ عرب خرابی اور تباہی اور فسادات کا سنٹر (مرکز) تھا۔ غرض اسلام کے جاری کرنے کا ایک مطلب یہ تھا۔ لیکن ایک مطلب اہم اور بھی مضمر تھا جس کی طرف میں آپ صاحبوں کی توجہ کو منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ میں ابھی اس کو بیان کروں گا لیکن لوگوں کے شوق کو ذرا مشتعل ہو لینے دو دلچسپ افسانے اس دقتے میں گوارا کرنے کو چاہئے ہیں۔

وہ مطلب یہ تھا کہ ساری دنیا میں قرآن لفظوں کو دھیان میں رکھنا ساری دنیا میں ایک کامن برادرہڈ (اخوتِ عامہ) قائم ہو تمام بنی آدم اس برادرہڈ کے ممبر بنائے جائیں اور جملہ اختلافات

[1] اور یہود لگے کہنے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ لگے کہنے مسیح اللہ کے بیٹے ہیں ۱۲ [2] اللہ نے بندوں پر مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہی ۱۲۔

دور ہو کر ساری دنیا میں امن آجائے عام لوگوں کا خیال یہ ہی کہ پیغمبر کو اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیئے معجزوں کا دکھانا ضرور ہی لیکن یہ ایک ادنیٰ درجے کا خیال ہی چشم بصیرت ہیں خدا لور دے تو خود پیغمبر اپنی صداقت کی دلیل ہی ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

در دل ہر قوم کش از حق مزہ ست	روو آواز پیمبر معجز است

وہ حکایت تو سنی ہو گی جس دن پیغمبر صاحب ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ سارے مدینے میں غل تھا اور لوگ جوق جوق حضرت کے دیکھنے کو چلے آتے تھے۔ میں اپنے نخلستان میں تھا۔ میں نے جو پیغمبر صاحب کا آنا سُنا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بھی پیغمبر صاحب کو دیکھنے گیا۔ بس دیکھنا تھا کہ میرے دل نے گواہی دی وَاللہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّابٍ۔ اور فی الحقیقت خدا نے آدمی کے دل اور اُس کے بُشرے میں ایک تعلق رکھا ہی کہ بُشرے سے دل کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں اور اسی پر مبنی ہی علم قیافہ اور اسی سے فرمایا ہی اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہِ تو جس طرح عبداللہ بن سلام نے پیغمبر صاحب کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ اِس شکل و صورت کا آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ میں نے بھی معجزات سے قطع نظر کر کے دوسری دوسری وجوہ سے پیغمبر صاحب کی صداقت کی طرف سے اپنے تئیں مطمئن کر لیا ہی۔ ازاں جملہ یہ کہ تمام دنیا میں کا من برادرہڈ قائم کرنے کا عمدہ اور وسیع خیال پیغمبر کے سوائے ماوشما کسی کے دل میں آ ہی نہیں سکتا ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اُن کا سینہ خدا نے کھول دیا تھا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ تو ویسے ہی عالی اُن کے خیالات تھے اب رہی یہ بات کہ پیغمبر صاحب نے اسلام کے جاری کرنے سے ساری دنیا میں ایک کامن برادرہڈ

لے بخدا اس شخص کا مونھ جھوٹے آدمی کا سا مونھ نہیں ہی ۱۲ لے ایمان دار کی اٹکل سے ڈرتے رہو کیوں کہ وہ نور خدا کی روشنی سے دیکھتا ہی ۱۲ لے اے پیغمبر کیا ہم نے تمہارے خیالات وسیع نہیں کیے ۱۲۔

قائم کرنی چاہی تھی اس کا ثبوت۔ ہاں تو اس کا ثبوت ہی عموم رسالت[1] وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ
اور[2] قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ساری دنیا کا ایک خدا ایک پیغمبر اور ساری دنیا کا ایک دین ہوا اور اُس دین کا
اصل الاصول ہو[3] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تو یہی ساری دنیا کی کامن برادرہڈ ہی۔ اب میں دکھانا
چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب نے اس کامن برادرہڈ کے قایم کرنے کے لیئے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کی
تھیں سب سے بڑی تدبیر تو یہ تھی کہ اُنھوں نے اسلام کی بنیاد ایسے آسان اور سلیس اور عام فہم عقیدے
پر رکھی جس سے کسی فردِ بشر کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اور وہ عقیدہ ساری دنیا کا مجمع علیہ ہی۔ وہ کیا عقیدہ
ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے لیئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہی اور نہ یہ کسی ثبوت کا محتاج ہی ممکن نہیں کہ
کوئی شخص جامۂ بشریت پہنے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معتقد نہ ہو۔ انسان کی خلقت ہی اسی طرح
کی واقع ہوئی ہی کہ اُس کا دل خود بخود لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہی افسوس کہ اسلام غیر مذہب بلکہ مذہب
مخالف سمجھا گیا ہی۔ اور لا الہ الا اللہ ٹھیرا اسلام کا ماٹو (شعار) بلکہ اسلام کا مرادف اس وجہ سے لوگ
لا الہ الا اللہ سے بھڑکتے ہیں۔ ورنہ جتنے خدا کے ماننے والے ہیں سب لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں۔
لا الہ الا اللہ کے معنی یہی ہیں کہ خدا ہی اور خدا ہی تو وہ اپنی ذات اور صفات میں یگانہ بھی ہی۔ ورنہ وہ خدا
ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند اسی قاعدے کو ذرا اور پھیلاؤ۔ ذرا
اس میں اور تعمیم کرو تو کیا ہو جائے گا۔ دو خدا در عالم نگنجند[4] لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا بات
وہی ہی دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند کا سکیل چھوٹا ہی اور لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کا
سکیل بڑا۔ غرض خدا ہی تو وہ اکیلا ایک بھی ہی۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ وہی ہمارا پیدا کرنے والا جلانے
والا اور روزی دینے والا ہی۔ یہ سب لوازم خدائی ہیں۔ اور پیدا کرنے والا جلانے والا روزی دینے والا ہی

[1] اے پیغمبر ہم نے تو تم کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ١٢ [2] اے پیغمبر کہدو کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کے یہاں سے بھیجا گیا ہوں وہ خدا جو آسمان و زمین کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے ١٢ [3] مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں ١٢ [4] اگر آسمان زمین میں کئی خدا ہوتے تو دونوں کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے ١٢

تو وہ ہماری سب سے بڑی تعظیم سب سے زیادہ احسان مندی اور شکر گزاری کا مستحق ہے۔ اور یہی عبادت ہے یہی پرستش ہے اور یہی پوجا ہے۔ بس یہ اسلام ہے اور یہ لا آلہ الا اللہ ہے جس کا اتنا سارا غل پڑا ہوا ہے۔ اس وقت آڈینس میں سبھی قسم کے لوگ موجود ہیں کوئی ایک تو اپنی نسبت کھڑا ہو کر کہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا یا مانتا ہوں تو اس کو مستحق تعظیم نہیں جانتا اور اس آڈینس پر کیا موقوف ہے۔ اس سرے سے اُس سرے تک ساری دنیا چھان مارو ایک متنفس کو منکرِ خدا نہ پاؤ گے۔ مگر یہ کہ اُس کے دماغ میں فتور ہو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے پیدا ہوا اپنے ارادے سے زندہ ہے اور اپنے ارادے سے مرے گا۔ وہی پانی برساتا وہی مخلوق کو روزی دیتا ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوا[1] فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ادنیٰ تامل میں انسان کو اپنی درماندگی اور بے اختیاری کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور یہی درماندگی اور بے اختیاری خدا کو منواتی ہے حقیقت میں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جو شخص خدا کا قائل ہو وہ کیوں اسلام کا قائل نہ ہو۔ کیوں اپنے تئیں مسلمان نہ سمجھے اور کیوں اپنے تئیں مسلمان نہ کہے اور کیوں مسلمان اس کو مسلمان نہ سمجھیں۔ بے شک اسلام میں خدا کے ماننے کے علاوہ اَور بھی باتیں ہیں مسلمانوں کی عبادت کے خاص طریقے ہیں۔ مسلمانوں میں بعض چیزیں حلال ہیں اور بعض چیزیں حرام۔ غرض مسلمانوں کی شریعت ایک علیحدہ شریعت ہے لیکن اصل اسلام وہی لا آلہ اللہ یعنی خدا کا ماننا ہے اور بس۔ اگر کسی مسلمان بھائی کو اس میں عذر ہو تو مہربانی کر کے ذرا تکلیف کریں اور کھڑے ہو کر مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ[2] کے معنی سمجھائیں۔ جو لوگ اصل نسل کے مسلمان ہیں ان میں بھی بعض خدا کے بندے بلکہ اکثر خدا کے بندے نماز نہیں پڑھتے روزے نہیں رکھتے اور بہت سے کام خلافِ شرع کرتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ مسلمان سمجھے جاتے اور اُن کے ساتھ مسلمانوں کی سی مدارات کی جاتی ہے۔ لیکن ہم نے دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں ہمیشہ مضایقہ کیا ہے گویا ہم ایک طرح کے ہندو ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ کوئی فردِ بشر منکرِ خدا ہو نہیں سکتا مگر یہ کہ اُس کے دماغ میں فتور ہو سو لاپروائی اور غفلت اور غلط فہمی کو کہیں انکار نہ سمجھ لیجیے گا۔

---

[1] کیا لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر نظر نہیں کی ۱۲ [2] جو لا آلہ الا اللہ کا قائل ہے جنتی ہے ۱۲۔

قرآن میں انسان کی فطرت کا بیان کئی جگہ ہی ازاں جملہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ۱؎ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ اس سے کیا معلوم ہوا کہ آدمی خوش حالی میں خدا کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ہاں جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہی تو اُس کی اصلی فطرت کھل پڑتی اور وہ خدا کے آگے ناک رگڑنے لگتا ہی۔ اور یہی سبب ہوا ہی کہ بزرگانِ دین نے بڑی مصیبت سے زندگیاں بسر کی ہیں۔ اور نہیں تو ریاضات اور مجاہدات کی مشقتیں اختیار کرکے اپنے تئیں تکلیف میں رکھا ہی ہم تو سنکر خدا اُس کو سمجھیں کہ ۲؎ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ وقت ہو اور یہ اپنی ہیکڑی پر جمار ہے ورنہ

قطعہ

شب دلارام سے گزرتی ہی	صبح اٹھ جام سے گزرتی ہی
عاقبت کی خبر خدا جانے	اب تو آرام سے گزرتی ہی

یہ ساز و سامان ہیں تو خدا کاہے کو یاد آنے لگا۔ یہی حال تو فرعون کا بھی ہوا تھا کہ ساری عمر ۳؎ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ

۱؎ وہی خدا تم کو خشکی میں اور پانی میں چلاتا پھرتا ہی چنانچہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو باد موافق کی مدد سے لے کر چلتی ہی اور لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یکایک باد تند کا جھونکا کشتی کو آ کر ٹکراتا ہی اور لہریں ہیں کہ ہر طرف سے لوگوں پر پڑنے لگتی ہیں اور خیال ہوتا ہی کہ اب ڈوبے اور گھر سے تو سچے دین دار بن کر خدا کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہم کو اس بلا سے نجات دے تو ہم ہمیشہ شکر گزار بندے ہو کر رہیں گے پھر جب خدا ان کو بچا لیتا ہی تو خشکی پر پہنچ کر ناحق ناروا فساد کرنے لگتے ہیں لوگو اس فساد کا وبال تم ہی پر پڑیگا دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدے اٹھا لو پھر تو تم کو ہمارے پاس لوٹ آنا ہی اس وقت ہم تم کو بتا دیں گے کہ دنیا میں تم کیسے عمل کرتے رہے ہو ۱۲ ۲؎ یہاں تک کہ جب جان بدن سے نکل کر ہنسلی گردن میں آ اٹکے اور مرنے والے کے بیمار دار چلا اٹھیں کہ کسی کو ایسا منتر بھی یاد ہی کہ بیمار کو بچا لے اور خود بیمار کو یقین ہو جائے کہ بس اب دنیا سے مفارقت ہوئی۔ اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسرے پاؤں کی پنڈلی سے مل کر لگ اینٹھنے ۱۲ ۳؎ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں ۱۲

بکتارہا۔ ڈوبنے کو ہوا تو ساری شیخی جھڑ گئی[1] حَتّٰی اِذَا اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور فرعون کی کیا تخصیص ہے ؎

ہیچ کس از ماکم از فرعون نیست
لیکن اورا عون ماراعون نیست

ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیان

خدا جو انسان کی فطرت بیان کرے وہی صحیح اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ[2] وہ فرماتا ہی[3] فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور حدیث میں آیا ہی[4] کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ تو قرآن اور حدیث سے کیا معلوم ہوا کہ تمام آدمی فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اور فطرتِ اسلام وہی خدا کا ماننا ہی اور بس۔ اور فطرت بدلی نہیں جاتی۔ اور جو خدا کو مانتے وہ جنتی ہی۔ ذرا ان مقدمات کو ذہن میں جمع کرو تو نتیجہ کیا نکلے گا کہ سب آدمی جنتی ہیں۔ مگر یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ ایک مرتبہ بڑا غل مچا کہ پہاڑ بچہ دینے والا ہی۔ یہ سُن کر تمام خلقت ٹوٹ پڑی کہ ماں کا یہ پھیلاؤ ہی تو دیکھیں بچہ کتنا بڑا ہوتا ہی آخر انتظار بسیار کے بعد چوہیا نکلی۔ لوگ کھسیانے ہو اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ مذہب نے دنیا میں ایسی تعلی چل مچا رکھی ہی اور ٹٹولا تو بات کیا نکلی کہ دین اسلام دین قیم ہی اور انسان اُس پر مجبول و مفطور ہی لیکن میں نے کوئی آیت نہیں بنالی اور میں بیچارہ کم سواد کیا آیت بناتا جب بڑے بڑے فصحاے عرب دم نہ مار سکے تو میں نے کوئی آیت نہیں بنائی کوئی حدیث وضع نہیں کرلی۔ مجکو مَنْ کَذَبَ[5] عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ

[1] یہاں تک کہ جب اُس کو ڈوبنے نے آدبایا تو لگا کہنے کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اب میں بھی اُس پر ایمان لاتا ہوں کہ اُس کے سوائے کوئی دوسرا خدا نہیں اور اب میں اُسی کا حکم مانوں گا ۱۲ [2] کیا ہو سکتا ہی کہ جو خدا مخلوق کو پیدا کرے وہی مخلوق کے حال سے واقف نہ ہو ۱۲ [3] تو اے پیغمبر ایک خدا کے ہو کر اس دین الٰہی کی طرف کو اپنا رخ کرلو یہ خدا کی بنائی ہوئی ساخت ہی جس کے مطابق لوگوں کو بنایا ہی اللہ کی ساخت کو کوئی نہیں بدل سکتا یہی پکا دین ہی مگر اکثر لوگ اس بات سے بیخبر ہیں ۱۲ [4] جتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں سب اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں پھر اُن کے ماں باپ چاہیں اُن کو یہودی بنائیں یا نصرانی بنائیں یا مجوسی بنائیں ۱۲ [5] جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے وہ پہلے دوزخ میں اپنا ٹھکانا کرلے ۱۲

مُقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ کا وعید یاد ہی۔ نتیجہ جو نکلا جس کا جی چاہے اُس کو منطق کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے اِس میں بھی شک کرنے کی جگہ نہیں کہ ہم اپنی جگہ غور کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ خدا کی گواہی انسان کی فطرت میں داخل ہی وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ[1] اور جب خدا کو منظور تھا کہ اسلام یونیورسل یعنی ہو یعنی ساری دنیا کا ایک دین ہو اور اس کا نام ہو اسلام تو ضرور تھا کہ اس کے لیئے اصول بھی ایسے عام اختیار کیے جائیں کہ کوئی فرد بشر اُن کے احاطے سے باہر نہ رہنے پائے اور ایسے اصول بے انضمام فطرت بن نہیں سکتے۔ اور ہم قرآن پر نظر کرتے ہیں تو اُس میں دلیلیں اسلام کے قدہی ہونے کی اس کثرت سے ہیں کہ گویا سارے قرآن کا یہی ایک مطلب ہی یا ایک مطلب نہیں تو ترجیح بند ہونے میں تو شک بھی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو نزولِ قرآن کی غرض وغایت ہی یہ تھی۔ خدا نے استدلال کا طرز ہی یہ اختیار کیا ہی کہ وہ انسان کی فطرت سے گواہی دلوا کر اپنی ذات وصفات کا اقرار کراتا ہی میں نمونے کے طور پر قرآن کا ایک مقام صرف ایک مقام پڑھتا ہوں أَمَّنْ[2] خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ۔ أَمَّن[3] جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ أَمَّن[4] يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ[5]

---

[1] یقین لانے والوں کے لیئے زمین میں اور خود اُن میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں ۱۲ [2] بھلا کس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیئے آسمان سے پانی برسایا پھر پانی سے خوشنما باغ اُگائے تم سے تو نہ بن پڑتا کہ باغوں کے درخت اُگا کھڑے کرتے کیا اس پر بھی لگتا ہے کہ ساتھ دوسرا خدا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ راہ حق سے پھرے ہوئے ہیں ۱۲ [3] بھلا کس نے زمین کو لوگوں کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا اور کس نے اس کے بیچ بیچ میں دریا بہائے اور کس نے زمین کے لیئے پہاڑوں کے لنگر بنائے اور کس نے دو دریاؤں میں زمین کو حد فاصل قرار دیا کیا اس پر بھی اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہی نہیں بلکہ ان میں اکثر کو کچھ نہیں ۱۲ [4] بھلا کوئی بے قرار ہو کر جو اپنی مدد کے لیئے دوسرے کو بلاتا ہے کون ہے جو اس کی فریاد سنے اور اُس کی شکایت رفع کر دے اور تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین کرے کیا اس پر بھی اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہے بلکہ [5] تم لوگ سوچتے نہیں ۱۲۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ دیکھو تو خدا کی ہستی اور توحید کیسی ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔
اگر اس قسم کی آیتیں بالاستیعاب پڑھ سُنانی چاہوں تو اس سے کہیں زیادہ آسان ہوگا کہ پرسوں اترسوں سے رمضان شروع ہونے والا ہے۔ جابجا حفّاظ نماز تراویح میں قرآن سُنائیں گے تم اُن کے پیچھے دھیان کرتے جاتا کہ کس کس ڈھب سے خدا اپنی ہستی قدرت اور اپنی وحدانیت کے ثبوت دیتا ہے مگر ماحصل سب کا وہی ہے جیسا میں نے کہا کہ خدا انسان کی فطرت سے گواہی دلوا کر اپنی ذات اور صفات کا اقرار کراتا ہے لیکن عربی نہیں سمجھتے تو حافظ کے پیچھے دھیان ہی کیا کرو گے مجھ سے ترجمہ پوچھنا چاہو گے اول تو میں ٹھیرنے والا نہیں اور ٹھیرتا بھی تو نہ بتاتا میں نے تو اُس کو اپنی چڑ بنا رکھا ہے کہ مسلمان کو عربی کے معنی سمجھاؤں۔ کوئی شخص مسلمان ہو کر عربی کیوں نہیں پڑھتا۔ بے شک تم عربی سُن کر ترجمے کے لیے بے قرار ہوتے ہو مگر بلا سے میرے اختیار میں تو تمھارے عربی نہ جاننے کی اتنی ہی سزا ہے۔ وہ تو میں دے کر رہوں گا۔ بُرا مانو یا بھلا مانو۔ غرض اسلام کے فطری ہونے میں تو کچھ بھی کلام نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اسلام فطری ہے تو ساری دنیا مسلمان کیوں نہیں ہو گئی۔ اس میں زیادہ تر اُن ہی لوگوں کا قصور ہے جن کو اسلام سے گریز ہے۔ اور کسی قدر خود مسلمانوں کا بھی۔ واقع میں بڑی حیرت کا مقام ہے کہ کیوں لوگوں نے اسلام سے گریز کیا اور کیوں ابھی تک گریز کر رہے ہیں۔
اگر لوگ دو اور دو کا چار ہونا بلا عذر تسلیم کرتے ہیں تو کیوں نہیں اسلام کا دینِ حق ہونا تسلیم کرتے میں تو دونوں باتوں میں کچھ بھی فرق نہیں پاتا جیسا دو اور دو کا چار بدیہی ویسے ہی اسلام کا دینِ حق ہونا بدیہی

ﮯ ۵۱ بھلا کون ہے جو تم کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھائے اور کون بارانِ رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بارش کی خوش خبری سنانے کے لیے بھیجتا ہے کیا اس میں بھی اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہے تمھارے شرک سے اللہ کی شان بہت بلند ہے ۱۲

ﮯ ۵۲ بھلا کون پہلی بار پیدا کرتا اور پھر مارے پیچھے دوبارہ پیدا کرتا ہے اور کون آسمان و زمین سے تم کو روزی دیتا کیا اس میں بھی اللہ کے ساتھ دوسرا خدا ہے اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ سچے ہو تو اپنی دلیل لا پیش کرو ۱۲

مگر یہیں سے تو انسان کی اصل حقیقت کھلتی ہے کہ وہ کیسا متعصب اور ضدی اور جھگڑالو اور خود پسند اور سوسائٹی اور رسم و رواج کا مغلوب ہے۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ جس دن خدا نے پیغمبر صاحب کو خلعت پیغمبری سے سرفراز فرمایا انھوں نے بتقاضائے بشریت ایسا سمجھا ہو تو عجب نہیں کہ جس خدمت پر میں مامور ہوا ہوں اس کا سرانجام ہونا کیا بڑی بات ہے۔ یہی نہ کہ لوگوں سے خدا کے ماننے کا اقرار کرا لیا جائے۔ سو ایسا کون کوڑ مغز ہوگا کہ ایسی موٹی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ مونھ سے نکالنے کی دیر ہے لوگ تو اسلام پر ایسے گریں گے جیسے شہد پر مکھیاں یا شمع پر پروانے یا آج کل کی باتوں سے لو تو تعلیم انگریزی پر پارسی اور بنگالی۔ بات تو واقع میں ایسی ہی تھی مگر جہاں سے اسلام شروع ہوا۔ یعنی عرب وہ لوگ تھے پرلے درجے کے اکھڑ، حسد اور غرور اور بے رحمی اور ظلم اور مکر اور دغا اور جھوٹ اور بے حیائی اور فواحش اور چوری اور راہزنی اور شراب خواری اور قمار بازی اور بدکاری غرض جتنے عیب انسان میں ہو سکتے ہیں سبھی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے (لکچرار نے اپنے مسدس میں سے عرب کے حالات کے چند بند پڑھ کر سنائے۔ یہ مسدس لکچرار کی کتاب محصنات یعنی فسانہ مبتلا کے آخر میں جزو کتاب ہے اور علیحدہ بھی باضافہ چند بند اتمام حجت کے نام سے چھپ گیا ہے)

ایسے لوگوں کو دین سے کیا تعلق، خدا سے کیا سروکار۔ باوجودیکہ ابھی نماز کو نہیں کہا، روزے رکھنے کا حکم نہیں دیا، زکوٰۃ کی چٹی نہیں ڈالی اس پر بھی مجرد خدا کا نام سننے کے ساتھ ساری بھڑیں چھتوں میں سے نکل پڑیں اور کم بختوں نے پیغمبر صاحب کی زندگی دشوار کر دی لیکن پیغمبر صاحب صرف اتنے آسرے پر کہ جو میں کہتا ہوں ان ہی کے فائدے کی کہتا ہوں۔ اور بات ہے معقول یہ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں نہیں سمجھے پھر سمجھیں گے تمام تکالیف کو حسبۃً للہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے کیا ماننے والے تھے احمقوں نے پیغمبر صاحب کے افہام و تفہیم کو اپنی اور اپنے بڑوں کی تحقیق اور اپنے بتوں کی تذلیل سمجھا اور کہا جو کچھ مونھ میں آیا اور کیا جو کچھ ان سے کرتے بن پڑا۔ یہ نہیں کہ ان کو دین اسلام کے

حق ہونے میں کچھ کلام تھا۔ اس میں کلام کی گنجایش ہی کیا تھی۔ مگر مارے حسد اور غرور کے وہ اس عار کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ہم اور دوسرے کے سمجھانے سے سمجھیں وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا[1] وہ تو یوں کہو کہ پیغمبر صاحب قریش کے سب سے بڑے سرداروں کے خاندان کے آدمی تھے اور اس اثنا میں کچھ لوگ پیغمبر صاحب کے سمجھانے سے دین اسلام کے گرویدہ بھی ہو گئے تھے اور بڑی بات تو یہ ہی ہے

چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔ کسے کو پف زند ریشش بسوزد

يُرِيدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ بہتیرے ہی روڑے اٹکائے اسلام کی گاڑی تھی کہ نہ رکی پر نہ رکی۔ ذرا خیال کرنے کی بات ہے کہ تمام جزیرۂ عرب میں قوم قریش کے لوگ بڑے معزز اور قابلِ ادب سمجھے جاتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ بیت اللہ شریف کے مجاور تھے اور اگرچہ عرب بت پرستی کے ماٹھ میں ڈوبے ہوئے تھے مگر ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے اس معبد کی تعظیم میں ان لوگوں نے کبھی کمی نہیں کی اور اسی معبد کی وجہ سے قریش کی بھی آؤ بھگت ہوتی تھی کہ یوں سارے ملک میں کسی مسافر کو امن نہ تھا لیکن قریش سے کوئی معترض نہ ہوتا تھا لِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ إِيْلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ[2] حاجیوں کو پانی پلانا ان کی مہمانداری خانۂ کعبہ کی بست و کشاد یہ سب خدمتیں ان ہی لوگوں میں تھیں اور خود پیغمبر صاحب کے آبا و اجداد سربرآوردہ مجاوران بیت اللہ میں سے تھے۔ ان لوگوں کو حسد اور غرور جو تھا سو تھا اس کا بھی توڑا اندیشہ تھا کہ اگر اسلام پھیلا تو بت پرستی موقوف اور بت پرستی نہیں تو خانۂ کعبہ جو اس وقت سب سے بڑا بت خانہ تھا اور جس پر قریش کی عزت اور معاش کا انحصار تھا۔ کچھ چیز نہیں۔ مجرد یہی روداد پیغمبر صاحب کی صداقت

[1] اور باوجودیکہ کافروں کے دل خدا کی آیتوں کا یقین کر چکے تھے مگر انھوں نے براہ ظلم و زیادتی اُن سے انکار ہی کیا ۱۲۔

[2] اگرچہ قوم قریش پر خدا کے چند در چند احسان ہیں لیکن ان کو چاہیئے کہ صرف ایک احسان کی شکرگزاری میں کہ اُن کو جاڑے گرمی کے سفر تجارت کا خوگر کر دیا ہے خانۂ کعبہ کے خدا کی عبادت کریں کہ اُس نے اُن کو بھوک میں کھانے دیا اور لوٹ مار کے خوف سے امن دیا ۱۲

کے لیئے بس کرتی ہو کہ اُنھوں نے حق کے مقابلے میں اپنی خاندانی ذریعۂ عزت اور وسیلۂ معاش کی ذرا
بھی پروا نہ کی حضرت کے چچا ابوطالب کی معرفت لوگوں نے پیغمبر صاحب کو طرح طرح کے لالچ دکھائے
کہ ہمارے بتوں کے حال سے کچھ بحث نہ کریں اور ابوطالب نے بھتیجے کو سمجھایا بھی مگر پیغمبر صاحب
نے صاف دوٹوک بات کہہ دی کہ چچا جان اگر یہ لوگ آفتاب کو بھی آسمان سے اُتار کر میری گود
میں لے آئیں گے تاہم میں خدائے واحد کی منادی کرنے سے تو باز آنے والا نہیں۔ جب اہل مکہ
نے دیکھا کہ اسلام چپکے چپکے پھیلتا چلا جاتا ہے اور لوگوں کے تیور کچھ بدلے ہوئے سے دکھائی دیتے
ہیں تو اُنھوں نے آخر الدّواء الکیّ[1] پر عمل کرنا چاہا۔ کہ بہت سے آدمی مل کر پیغمبر صاحب کو مار ڈالیں
بہت ہو گا تو دیت دینی آجائے گی۔ سب چندہ کر کے بھر دیں گے۔ وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا[2]
لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ مگر پھر وہی ۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد	کسے کو تف زند ریشش بسوزد

یہ مونھ دیکھتے ہی رہے اور پیغمبر صاحب رات کے وقت چپکے سے نکل مدینے جا براجے۔ یوں
مسلمانوں میں اور مخالفین اسلام میں لڑائی کی بنیاد قائم ہوئی۔ مذہب دو طرح کے ہوتے ہیں
ایک اکسکلیوسو (مانع) جس میں غیر قوم کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا جیسے ہندوؤں کا مذہب۔ اور
دوسرا اس کے برخلاف۔ میں نہیں جانتا اُس کا کیا نام رکھوں مگر میں کہتا ہوں اوپن جس کا دروازہ
کھلا ہے۔ جو چاہے آئے۔ اسلام کو اکسکلیوسو بنانے کا پیغمبر صاحب کا ہرگز منشا نہ تھا اور نہ اسلام میں
اکسکلیوسو ہونے کی کوئی بات ہے۔ اس میں کھانے پینے کی چھوت نہیں۔ شریف و رذیل کا تفرقہ
نہیں۔ آقا اور نوکر کا امتیاز نہیں۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ[3]

[1] زخم کا آخری علاج داغ دینا ہے ۱۲ [2] اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو کہ کافر تمھارے لیئے تدبیریں کر رہے تھے کہ تم کو قید رکھیں
یا مار ڈالیں یا دیس سے نکال باہر کریں ۱۲ [3] لوگو ہم نے تم کو ایک مرد (آدم ۱۲) اور ایک عورت (حوا ۱۲) سے پیدا
کیا اور تمھارے گروہ اور جتھے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں جو سب سے زیادہ
پرہیزگار وہی خدا کے یہاں سب سے زیادہ معزز ۱۲

لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ - اور جب اسلام کو یونیورسل ریلجن بنانا منظور تھا تو وہ اکسکلیوسو ہو ہی نہیں سکتا تھا دنیا میں جتنی ایجادیں ہوا کرتی ہیں اکثر تنکے کے اوجھل پہاڑ ہوتا ہے ایک ذری سی بات ہے میں کانپور میں تھا کہ سلف ایکٹنگ ٹٹی ایجاد ہوئی یعنے خس کی ٹٹی جو اپنے تئیں آپ چھڑک لیا کرے۔ گرم ملکوں میں اُس کی سخت ضرورت ہوتی ہے میں بھی سلف ایکٹنگ ٹٹی کو دیکھنے گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ دروازے کے اوپر کی طرف ڈیڑھ دو فٹ کا ایک چھجہ سا نکال دیا ہے اُس میں سوراخ ہیں سوراخوں پر پانی کے مٹکے رکھے ہیں۔ اُن سے پانی رستا ہے چھجے کے تلے ٹین کی نالی لگی ہے مٹکوں کا پانی اُس نالی میں جمع ہوتا ہے۔ نالی کا مرکز ثقل اس طرح پر رکھا ہے کہ جب نالی بھر جاتی ہے آپ سے آپ ٹٹی پر اُلٹ پڑتی ہے سلف ایکٹنگ ٹٹی بن گئی میں دیر تک خیال کرتا رہا کہ ایسی آسان بات آج تک کسی کا ذہن اس طرف کو کیوں نہیں منتقل ہوا یہی حال ہے اسلام کا کہ شروع سے دنیا میں امن کے قایم کرنے کی ضرورت ہے لوگ اس کی تدبیریں بھی سوچتے اور کرتے ہیں لیکن یہ فخر ہمارے پیغمبر صاحب کے حصے کا تھا کہ ساری دنیا میں کامن برادرہڈ کے قایم کرنے کی تدبیر نکالی۔ آسان اور آسان کے علاوہ مذہبی کہ کوئی فرد بشر مذہب سے بے نیاز نہیں۔ خدا دل میں انصاف دے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سوا سے ساری دنیا میں کامن برادرہڈ کے قایم کرنے کی کوئی اور تدبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلام ہی کا عقیدہ ایک عقیدہ ہے جس پر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو سکتے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے اپنی طرف سے بہتیری کہی کہ میں دنیا میں کامن برادرہڈ قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں میری طرف سے کوئی بات اصل مطلب کے خلاف نہیں ہونی چاہیئے۔ دس برس مشرکوں اور بت پرستوں کے نرغے میں گزار دیئے۔ ان کا تو مذہب ہی کیا تھا مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ[1] - مذہب کچھ تھا تو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا

---

[1] جن لوگوں نے خدا کے سوا سے دوسرے دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اُن کی کہاوت مکڑی کی سی ہے اُس نے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے بودہ گھر مکڑی کا۔ ۱۲

تھا۔ سو پیغمبر صاحب نے یہاں تک اُن کے ساتھ التیام رکھنا چاہا تھا کہ اُن کے پیغمبروں کو پیغمبر مانا اُن کی کتابوں کا منزل من اللہ ہونا تسلیم کیا اور اس شد و مد کے ساتھ کہ تورات کے حق میں فرماتے ہیں [1] اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ پھر تھوڑی دور آگے چل کر انجیل کی نسبت [2] وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اس کے علاوہ مسلمانوں کو تاکید کی [3] وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے مذہب والوں کے ساتھ سازگاری پیدا کرنے اور سازگاری رکھنے کے لیے پیغمبر صاحب اس سے زیادہ کیا کرتے اور کیا کر سکتے تھے اور کوئی کیا کرتا اور کیا کر سکتا تھا۔ اُن کا معاملہ بت پرستوں کے ساتھ اس نہج پر تھا جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

دل سے ملا دیں خاک میں سب وضع داریاں		جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

اور اہل کتاب کے ساتھ میل جول کی یہ کیفیت تھی ؎

مجھ میں اُس میں ربط ہے ای ذوق مثل بو و گل		وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

غرض اسلام اکسکلیوسو [4] تھا اور نہ اکسکلیوسو بننا چاہتا تھا مگر لوگوں نے زبردستی دھکے دے دے کر اُس کو اکسکلیوسو بنایا۔ اسلام نے تھپکنے کے لیے پیٹھوں پر ہاتھ رکھنا ہی چاہا تھا کہ اُنھوں نے

---

[1] ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے ۱۲ [2] اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ان پیغمبروں کے قدم بقدم چلایا کہ وہ تورات کی جو اُن کے وقت میں موجود تھی تصدیق کرتے تھے اور اُن کو بھی انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور انجیل بھی تورات کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود تھی اور خود بھی پرہیزگاروں کے حق میں ہدایت و نصیحت ہے ۱۲

[3] اور مسلمانو! اہل کتاب کے ساتھ بحث بھی کرو تو عمدہ طریقے سے اور ان سے کہو کہ جو کتاب ہم پر اتری (قرآن) اور جو کتابیں تم پر اتریں (تورات انجیل وغیرہ) ہم تو سب پر ایمان لائے اور ہمارا تمہارا اللہ ایک ہے اور ہم اسی کا حکم مانتے ہیں ۱۲ [4] تنگ تملک مانع یعنی جس میں دوسرا داخل نہ ہو سکے ۱۲

بے طرح دولتیاں جھاڑنی شروع کیں۔ پیغمبر اور مسلمان بچارے اپنی جانیں بچا بچا کر گھر بار مال و اسباب دھن دولت زن و فرزند چھوڑ چھاڑ کر مدینے نکل بھاگے اور لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کی امیدیں منقطع ہو گئیں اور اب اسلام پورا پورا اسکلیوسو بنا۔ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا لیکن وہ جو کہتے ہیں ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

لڑے اس غرض سے کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیں اور اسلام اس درخت کی طرح جو قلم کرنے سے اور بڑھتا اور پھولتا پھلتا ہے۔ یوماً فیوماً اپنا احاطہ وسیع کرتا گیا۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ[51] مگر وسعت احاطہ کے ساتھ ساتھ کم بخت اکسکلیوسویس کا رنگ بھی گہرا ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ نبوت کی جگہ خلافت اور خلافت کی جگہ سلطنت آئی۔ اور سلطنت بھی آئی تو شخصی اور بادشاہوں نے اشاعت اسلام کو ملک گیری کا حیلہ بنایا۔ وہ دن اور آج کا دن کہ لوگ ناحق اسلام کی طرف سے بدگمان ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی سہی عداوت سہی بیر سہی مخالفت سہی اور مسلمانوں ہی کا ظلم سہی اُن ہی کی زیادتی سہی مگر اسلام نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ مسلمان دوسری چیز اسلام دوسری چیز۔ کیا کسی دانشمند آدمی کا کام ہے کہ دوسرے کی ضد سے اپنی ناک کٹا لے۔ وہی جیسا شعیبؑ اپنی قوم سے کہتے تھے وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ[52] دنیا نے مسلمانوں کے ایجاد کیے ہوئے علوم جبر و مقابلہ کیمیا۔ ہیئات۔ تاریخ وغیرہ سے فائدے اٹھائے اور اب تک فائدے اٹھائے جا رہے ہیں۔ اسلام کو بھی اسی طرح کا مسلمانوں کا ایجاد کیا ہوا ایک علم سمجھا ہوتا۔ ناحق کی ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی جواب نہیں جس آدمی کے سر میں عقل ہے کسی مذہب اور کسی قوم کا کیوں نہ ہو وہ ضرور اتفاق کی منفعتوں سے واقف ہوگا وہ ضرور چاہتا ہوگا کہ دنیا میں امن رہے۔ مگر کوئی تو بولو

---

[51] اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ سب دینوں پر اس کو غلبہ دے ۱۲۔

[52] لوگو میری ضد سے گناہ کے مرتکب نہ ہو مبادا تم پر وہ آفتیں نازل ہوں جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر نازل ہوئیں رہی قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں سو تم سے کچھ دور نہیں ۱۲۔

از برائے خدا کوئی تو بولو کہ اسلام کے سوا سے اتفاق اور امن کی کوئی اور بھی تدبیر ہے - دنیا میں مذہب ہی
تمام فسادات کی بڑ ہے یہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے خدا جھوٹ نہ بلوائے دنیا میں کروڑوں خون کرائے
ہیں - اور یہ ایک فیصل شدہ بات ہے اور اس کو گھر جا کر اپنی جگہ اچھی طرح سوچ لینا کہ جب تک دنیا کا ایک مذہب
نہیں ہوگا ممکن نہیں کہ لوگوں میں یک دلی اور اتحاد پیدا ہو - اچھا تو وہ کون سا مذہب ہے جس کو ساری دنیا
آسانی کے ساتھ قبول کر سکتی ہے - وہ نہیں ہے مگر اسلام - از روئے فطرت مسلمان ہونا اختیاری بات
نہیں - آدمی ہے تو وہ عقل بھی رکھتا ہے اور عقل رکھتا ہے تو وہ خدا کو بھی مانتا ہے اور خدا کو مانتا ہے تو وہ مسلمان ہے
ہاں اختیاری کیا بات ہے کہ کامن برد رہڈ کی جو سوسائٹی پیغمبر صاحب نے قائم کی اور اس کا نام رکھا
سوسائٹی اسلام - تم اس سوسائٹی کے ممبروں میں اپنا نام لکھواؤ یا نہ لکھواؤ - لیکن اگر تم اسلام کی سوسائٹی
کے ممبروں میں اپنا نام نہیں لکھواؤ گے یعنی موحد مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کرو گے تو سوسائٹی تم کو اپنے ممبروں
میں شمار نہیں کرے گی اور یہ بالکل واجبی بات ہے - لیکن تم عجب عقل کے آدمی ہوگے کہ ممبری کا چندہ
دو اور ممبر نہ بنو خدا کے معتقد ہو اور اپنے تئیں مسلمان نہ کہو - اور ہاں سمجھے رہنا کہ بد عقلی کے سوا تم پر دوسری
اور نا احسان مندی کا الزام بھی عائد ہوگا کہ ایک شخص نے ایسی عمدہ اور مفید سوسائٹی قائم کی تھی تم نے اس کے
شمول سے انکار کیا اور بانی سوسائٹی کا کچھ حق نہ مانا - آخر سر سید احمد خاں کو علی گڑھ محمڈن کالج کا بانی بھائی
شمس دین کو انجمن حمایت اسلام و ما یتعلق بہا کا بانی مانتے ہو اور غالباً احسان مندی سے مانتے ہو اور اب
نہیں بھی مانتے تو آیندہ چل کر مانو گے اور ضرور مانو گے تو پیغمبر صاحب ہی نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ ان کو اسلام کا
بانی امن عام کی تدبیر کا سوجھانے والا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن یعنی رحمۃ للعالمین تسلیم نہ کرو - لوگو انصاف
بھی کوئی چیز ہے - اور کامن برد رہڈ سوسائٹی یعنی اسلام کے ممبروں کی فہرست میں نام لکھوانے اور موحد
اقرار کرنے کی ضرورت بھی اس وجہ سے واقع ہوئی کہ جن لوگوں نے اس سوسائٹی کو اکھیل سوسائٹی
بنایا ورنہ بانی سوسائٹی نے تو سبھی کو سوسائٹی کا ممبر بنایا تھا - دو ہی میں نے کہا کہ اسلام فطری ہے تو ساری دنیا
مسلمان کیوں نہیں ہوگئی اس میں زیادہ تر ان ہی لوگوں کا قصور ہے جن کو اسلام سے گریز ہے اور کسی قدر مسلمانوں
کا بھی جو لوگوں کا قصور تو مثل جیتے شمس نواب اپنا قصور نہ تو سمجھتے پیغمبر صاحب کی ساخت سے تعلق طلب کرتے تو

سمجھا نہیں یا اُن مقاصد کی تکمیل میں تم نے مدد نہیں دی۔ اُس رسالت کا اصلی مطلب کیا تھا۔ وہی کہ
اسلام یونیورسل ریلیجن ہو اور اُس کے ذریعے سے تمام دنیا میں ایک کامن برادرہُڈ قایم کی جائے اچھا
اسلام یونیورسل ریلیجن ہو گیا اور تمام دنیا میں ایک کامن برادرہُڈ قایم ہو چکی؟ میں اس کے جواب میں تمھارے منھ
سے نہیں سننا چاہتا کہ یہ ہمارے اختیار سے خارج ہے یہ فرماؤ کہ تم نے اس لین میں کیا کیا۔ برا ماننے کی
بات نہیں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں تم نے تائید کے عوض اڑنگے لگائے پیغمبر صاحب تم کو اپنا
نمونہ دکھا گئے تھے کہ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لیے کیا تدبیریں کرنی ہوں گی پیغمبر صاحبؐ
کی ہجرت سے پہلے کی زندگی اور سیدھی بات یہی کیوں نہ کہوں رسالت کی عمر کا پہلا نصف ہم مسلمانوں
کے لیے ایک سبق ہے جو ہر مسلمان کو ازبر ہونا چاہیئے۔ خاص کر ان کو جو اسلام کی حمایت کا دم بھرتے
ہیں ہماری حالت کو پیغمبر صاحب کی ہجرت کی بعد کی زندگی کے ساتھ تو کچھ بھی مناسبت نہیں کہاں
اُس وقت کے مسلمان اور اُن کی فتوحات اور کہاں ہم۔ اوروں کی رعایا اوروں کے محکوم اوروں کے
دست نگر۔ مگر ہاں ہجرت سے پہلے کی زندگی میں ہم کو بہت سی باتیں مناسب حالت ملتی ہیں سو ہم
دیکھتے ہیں کہ جس قدر مخالف کھنچتے تھے پیغمبر صاحب ڈھیل دیتے چلے جاتے اور اُسی قدر اُن کی طرف
کو جھکتے تھے تاکہ ان کو گریز و وحشت نہ ہو شروع شروع میں ایک دم سے شرائع کا بوجھ نہ ڈالا۔ ہجرت
تک صرف خداشناسی کی تعلیم کرتے رہے۔ پھر جوں جوں اسلام کی خوبیاں لوگوں کے ذہن نشین
ہوتی گئیں طریق معاشرت میں اصلاح کی عبادت کی رغبت دلائی۔ اور شریعت میں اُس کے سوا
ہر کہیں یہاں تک دل جوئی منظور تھی کہ حطیم کو جانتے تھے کہ جزو کعبہ۔ اور داخل کعبہ ہے۔ مگر چوں کہ ایک زمانے
میں خانہ کعبہ کی تجدید کرتے وقت بے مقدوری کی وجہ سے قریش نے اتنی جگہ چھوڑ دی تھی آپ نے
بھی اُس کو چھوڑ ہی رکھا نماز پڑھا رہے ہیں اور باہر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی اس خیال سے
کہ ایسا نہ ہو اس کی ماں میرے پیچھے نماز میں ہو جلدی جلدی کر کے سلام پھیر دیتے تھے۔ ایک
مدت تک بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھا کیے تاکہ اہل کتاب تبدیل قبلہ سے چونکنے نہ ہوں۔
اب اس کے متوازی ہم نے کیا کیا کہ لوگ ہم سے کھنچے تو ہم بھی اینٹھ گئے۔ پیغمبر صاحب اہل کتاب کی آسمانی کتابوں سے

استدلال واستشہاد کرتے تھے فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا[1]۔ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ[2]۔ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ[3] ہم نے ان کتابوں کو ردی سے زیادہ بے قدر سمجھا۔ کیا عہد عتیق اور عہد جدید کے ہزارہا نسخے چولہوں اور بھاڑوں میں نہیں صرف ہوتے اور مسلمان ان کتابوں کی ایسے بے حرمتی کو ثواب نہیں سمجھتے۔ ذرا مسلمانوں کے علم کلام کی کتابیں دیکھو وہ کہتے ہیں کہ اصلی کتابوں کا کہیں پتہ نہیں اور یہ جو یہودی اور عیسائی لیے پھرتے ہیں یہ سب ان کی اپنی بنائی ہوئی ہیں اس سے زیادہ دل کا دکھانے والا اور کون سا الزام ہو سکتا ہے۔ جھوٹی دستاویز بنانے کی سزا سات برس کی قید ہے نہ کہ آسمانی کتاب اور کلام الٰہی میں جعل کرنا۔ بے شک نہ صرف ہم مسلمانوں کو بلکہ میں کہتا ہوں ساری دنیا کو قرآن کے ہوتے کسی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں اور جس نے عہد عتیق اور عہد جدید اور قرآن کو انصاف کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہوگا وہ خود بول اٹھے گا کہ واقع میں قرآن عمدہ اور مؤثر ہونے کے علاوہ آدمی کو کامل دین دار اور نیک بنانے کے لیے کافی اور وافی ہے۔ مگر قرآن کی خوبیوں کا بیان کرنا اور چیز ہے اور دوسروں کی قابل ادب کتابوں کو غلط اور جھوٹا اور نامعتبر اور جعلی کہنا بالکل دوسری چیز۔ کتاب جس قدر پرانی اسی قدر نامحفوظ الا قرآن کہ اس کی حفاظت کا خدا نے غیب سے ایک سامان مہیا کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس کے زبانی یاد رکھنے کا شوق ہے۔ حافظ قرآن ہونا مسلمانوں میں ایک دینی فضیلت ہے جیسے حاجی ہونا اور کہتے ہیں کہ حافظ کی سات پشتیں بے حساب بخشی جائیں گی۔ پس مسلمانوں میں کثرت سے قرآن کے حافظوں کا ہونا حقیقت میں ایک بڑا زبردست چیک (روک) ہے کہ قرآن میں نہ کوئی تصرف کر سکا ہے اور نہ آیندہ کوئی تصرف کر سکے گا۔ مگر سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو اور اس موضوع کی پچھلی آسمانی کتابیں بھی آگئیں یہ شرف یہ مزیت حاصل نہیں۔ کتاب جتنی پرانی اسی قدر نامحفوظ۔ لوگ گلستاں کو کہتے ہیں کہ اس میں سعدی کا ایک لفظ بھی باقی نہیں۔ اور یقیناً بہت تبدیل اور تصحیف اور تحریف ہوئی ہو سکتی ہو جو شخص ترجمے کی مشکلات سے واقف ہے وہ بے تامل اس کی تصدیق کرے گا کتاب تو

[1] توراۃ لے آؤ اور اس کو پڑھ کر سناؤ ۱۲ [2] جو کتاب تمہارے پاس ہے تو اس کی تصدیق کرتا ہوں ۱۲ [3] یہ پیغمبر ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے زمانے میں ہیں ۱۲

بڑی چیز ہی ایک جملے کے ترجمے میں کیا سے کیا ہو جاتا ہی۔ علاوہ بریں پشین گوئیاں ہمیشہ مبہم ہوا کرتی ہیں۔ اپنے ہی یہاں کے امام مہدی اور دجّال وغیرہ کی پیشین گوئیوں کو کیوں نہیں دیکھتے۔ غرض قدامت اور ترجمہ اور ابہام کی وجہ سے پچھلی آسمانی کتابوں میں کچھ تصرف ہوا ہو تو عجب نہیں مگر ایک دم سے ان کو جعلی بتانا اور یہ کہنا کہ لوگوں نے بے ایمانی سے جعل کیا دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی بات ہی۔ اسی پر چاہتے ہو کہ اہل کتاب تمھاری طرف کو جھکیں۔ کچھ تو مسلمان بادشاہوں کی دست درازیوں نے اور رہا سہا مسلمانوں کی ایسی دل خراش باتوں نے اسلام کو لوگوں کی نظروں میں مبغوض ٹھیرا دیا۔ میں نے ابھی حال میں لارڈ براسی کی ایک تقریر انگریزی اخبار میں دیکھی ہی۔ اور وہ میرے دل پر اس طرح نقش ہو گئی ہی جیسے کسی نے نوک نشتر سے گود دی ہو۔ ولایت سے ایک کمیشن اس بات کی تحقیق کے لیے ہندوستان میں آیا تھا کہ افیوں کے استعمال نے لوگوں کی تن درستی اور اُن کے اخلاق پر کیا اثر کیا ہی اور گورمنٹ نے جو افیون کی کاشت امانی کر رکھی ہی مناسب ہی یا نامناسب۔ لارڈ براسی اس کمیشن کے پریزیڈنٹ تھے اور پریزیڈنسی کی حیثیت سے ہندوستان میں تشریف لائے اور کچھ چلے پھرے بھی اور چند سے ہندوستان میں مقیم رہے۔ اب وہ وکٹوریہ کالونی کے گورنر مقرر ہو گئے ہیں۔ دستور کے مطابق انکو لندن میں ڈنر دیا گیا۔ اور اس تقریب میں لوگوں نے تقریریں کیں۔ ازاں جملہ لارڈ براسی نے بھی ایک تقریر کی جس میں اُنھوں نے فرمایا اور فرمایا بھی تو اس وثوق کے ساتھ کہ گویا وہ ہندوستانیوں کے حال سے خوب واقف ہیں۔ اس واسطے کہ وہ ہندوستان میں چند سال نہیں بلکہ چند روز رہ گئے ہیں۔ شکر ہی کہ لارڈ براسی نہ سکرٹری آف سٹیٹ ہیں نہ وایسرائے نہ ہندوستان کے کوئی اور حاکم با اختیار۔ لیکن اگر برٹش گورمنٹ کو ایک دریا فرض کریں تو ہم مچھلیاں ہیں اور مچھلیوں میں بھی بھینگے اور لارڈ براسی ایک مگرمچھ۔ اُنھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا محمڈنز ہیو نور بین اینڈ نو کین [illegible] فیل [illegible] کنڈیشن آف سبارڈینیشن ٹو اے کرسچن پاور یعنی مسلمان عیسائیوں کے ماتحت ہو کر رہنے سے نہ کبھی پورے پورے خوش ہوئے اور نہ آئندہ کبھی رضامند ہو سکتے ہیں۔

[illegible] کی ہلچل ہے۔ دل میں غصے اور [illegible] تاب نہ لا سکنے کی حالت میں رہا کہ

یہ تو ایک طرح کا حملہ اسلام پر ہی کیوں کہ اُنھوں نے مطلقاً مسلمانوں کو الزام دیا۔ اور ہمارا حال یہ ہی کہ ہم کانگرس تک کے پاس بھی جاکر نہیں کھڑے ہوئے نہ اس خیال سے کہ لارڈ ڈپراسی اور اُن کی طرح کے دوسرے ناواقف انگریز کیا خیال کریں گے بلکہ کانگرس کی شرکت سے ہم کو خدا کا وہ فرمان روکتا تھا اور اب بھی روکتا ہی جہاں اُس نے ارشاد کیا ہی اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ[1] ہم اگر برٹش گورمنٹ کی دل سے قدر نہ کریں تو ہم مروت اور حق شناسی اور احسان مندی اور انسانیت یعنے اسلام سے بے نصیب ہوں اور لارڈ ڈپراسی نے تو عام مسلمانوں کی دل شکنی کرنے میں کوئی کسر نہیں کی مگر ہم بھی ان کو ایسا فضیحت کریں کہ وہ بھی یاد رکھیں یعنے پہلے سے بھی برٹش گورمنٹ کی دوگنی چوگنی خیرخواہی اور اطاعت گزاری اور فرماں برداری کر دکھائیں تو سہی لیکن لارڈ ڈپراسی نے یہ خیال غلط کہاں سے پیدا کیا ہو نہ ہو یہ اُن کا مذہبی خیال ہی اور مسلمانوں کی اُن ہی جلی کٹی باتوں سے پیدا ہوا ہی جو متکلمین علم کلام کی کتابوں میں لکھ مارا کرتے ہیں۔ نہ تو لارڈ ڈپراسی ہی نے اوپیم کمیشن کے پریذیڈنٹ ہو کر اپنی بات کے نتائج پر نظر کی کہ عام مسلمانوں پر ایک غلط اور بے اصل الزام لگا دیا۔ اور نہ مسلمان بھائی ہی اپنی اس بات کے نتائج پر نظر کرتے ہیں کہ بے تامل پچھلی آسمانی کتابوں کو جھوٹا اور جعلی لکھ بیٹھتے ہیں لیکن مسلمانوں کی یہ حرکت بانی اسلام کے منشاء کے بالکل خلاف ہی۔ پھر قرآن نے اہل کتاب کے کھانے کو درست بتایا کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی۔ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ[2]۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے اور

[1] مسلمانو خدا اور رسول اور اپنے حاکموں کا حکم مانو ۱۲ [2] مسلمانو آج تمھارے لیے تمام ستھری چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے اور تمھارا کھانا اہل کتاب کے لیے حلال اور مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہی تم نکاح میں لا سکتے ہو بشرطیکہ ان عورتوں کے مہر دو اور [illegible] نہ علانیہ [illegible] چوری چھپے آشنائی [illegible] ۱۲

میں کہتا ہوں اسی لیئے کہ اہلِ کتاب میں اور اہلِ اسلام میں اختلاط و ارتباط پیدا ہو مسلمانوں نے ہائے مجھے کہنا پڑتا ہی مسلمانوں نے اختلاط و ارتباط پیدا کرنا کیسا اہلِ کتاب کی طرح کھانے اہل کتاب سے کے سے لباس پہننے کو بھی حرام بلکہ موجبِ کفر سمجھا۔ یقین نہ ہو تو حرمت اور کفر دونوں کے فتوی سید احمد خاں کے پاس ضرور محفوظ ہوں گے کہ وہی تو اُن کے سچے مسلمان ہونے کے سرٹیفکٹ ہیں لے کر دیکھو۔ پیغمبر صاحب کو بڑی تمنا تھی کہ مسلمان کثرت سے ہوں اور فرمایا کرتے تھے اُبَاھِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ۔ سو مسلمانوں نے اچھا اس تمنا کو نباہا کہ غیروں کو اپنے میں ملانے کی کوشش تو درکنار اگلوں کی محنت سے جو صورتیں اسلام میں دکھائی دیتی ہیں اِن ہی کے نکالنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ اس وقت اسلام میں جتنے فرقے ہیں نیچریوں کو چھوڑ کر کہ تم بھی اُن کو مسلمان نہیں سمجھتے اور وہ بھی اس سے خوش ہیں۔ ہر ایک فرقے کے مولوی کو سامنے بٹھاؤ اور مسلمانوں کی مردم شماری کا رجسٹر رکھوا گے اور جو جس کو کافر کہتا جائے کاٹتے چلے جاؤ۔ انجام یہ ہوگا کہ خدا نے چاہا سارے ہندوستان میں ایک متنفس مسلمان باقی نہیں رہے گا۔ سنیوں کو شیعے کافر کہیں گے۔ شیعوں کو سُنی۔ وہابیوں کو بدعتی بدعتیوں کو وہابی۔ مقلدوں کو غیر مقلد غیر مقلدوں کو مقلد۔ مجکو تم کو ہیں۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا کی کیا خوب تعمیل ہو۔ کیوں جی وَلَا تَفَرَّقُوْا کے معنے کیا ہیں مسلمانوں میں جو تفرق واقع ہوا ہو اختلاف رائے کی وجہ سے واقع ہوا ہو اور رائے اپنی ہو یا غیر کی اختیاری بات نہیں۔ تو کیا لَا تَفَرَّقُوْا معاذ اللہ حکم مہمل ہی یا خدا ہم سے طلب محال کرتا ہی۔ نہ حکم مہمل ہی اور نہ طلب محال ہی بلکہ لَا تَفَرَّقُوْا کے یہ معنے ہیں کہ گو تم میں اختلاف ہوں بھی تاہم تم ایک کو دوسرے سے جدا نہ سمجھو ان اختلافات سے نفس اسلام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ پیغمبر صاحب نے تو بس ایک ہی بات پکڑ رکھی تھی لا اِلٰہ الا اللہ اور وہ اہل کتاب سے پکارے کہتے تھے تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاۤءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ۔

سلہ میں تمھاری وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا ۱۲ سلہ اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے علیحدگی مت اختیار کرو ۱۲ سلہ اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جنھوں نے آپس میں پھوٹ ڈالی اور اختلافات پیدا کیے ۱۲ سلہ اے اہل کتاب آؤ ہم تم یکساں [illegible] بات [illegible] کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ خدا کے سوا سے

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ ایک صحابی نے کسی قصور پر اپنی لونڈی کو طمانچہ مار دیا۔ پیغمبر صاحب کو خبر ہوئی اور اُس
لونڈی کا کفر و اسلام بھی مشتبہ تھا۔ آپ نے اُس لونڈی کو بلوا کر پوچھا کہ تو خدا کو بھی جانتی ہے؟ اُس نے آسمان
کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں۔ بولی آپ اُسی کے بھیجے ہوئے رسول
ہیں۔ اس پر پیغمبر صاحب نے اُن صحابی سے فرمایا یہ تو اچھی خاصی مسلمان ہے اس کو آزاد کرو۔ سبحان اللہ اسلام کا کیسا
آسان امتحان تھا۔ خدا نہ کرے کہ آج کل کے مولوی اگزیمینر (ممتحن) ہوں تو یہ مجھ جیسے جنید مسلمان کو
بھی فیل کر دیں۔ یہ مجھ سے کہلوا کر دیکھیں دواد اور ذواد تو میں کیا بتاؤں۔ دواد اور ذواد تو کیا ادا ہوگا
ہم سے تم پنجابیوں کی طرح بھائی تو کہا ہی نہیں جاتا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا حضرت میں کاشتکاری
کرتا ہوں دن بھر کھیتی کے کام کاج میں لگا رہتا ہوں رات کو تھکا ماندہ آتا ہوں تو صبح سویرے میری
آنکھ نہیں کھلتی یعنی نماز صبح قضا ہو جاتی ہے اور یوں بھی مجھ سے پانچ نمازیں نہیں ہو سکتیں۔ فرمایا ایک دو
جو تم سے ہو سکے۔ کیا اس سے یہ نکلا کہ پانچ وقت کی نماز ضروری نہیں نہیں بلکہ یہ بھی پڑھانے کی ایک تدبیر
تھی کہ مطلق نماز کا خوگر ہوگا تو رفتہ رفتہ اُس کو نماز میں مزہ آنے لگے گا اور مزہ آئے پیچھے پانچ نمازیں
کیسی یہ تو پڑھے گا صلوٰۃ التسبیح تمہارے ذہن ان تدبیروں اور حکمتوں سے آشنا ہی نہیں۔ سبب دیکھو جنت
کے دروازے پر لٹھ لیے کھڑے ہو کسی نے اندر جانے کا نام لیا اور تم نے لٹھ رسید کیا۔ یہ تو تم نے اچھی
طرح سمجھ لیا کہ دین اسلام کا لب لباب ہے لا الٰہ الا اللہ یعنی خداشناسی۔ لیکن عالم اسباب میں اس خیال کا
قایم رکھنا ذرا ہی مشکل۔ اور یہی تو پانی کے مرنے کی جگہ ہے اور یہیں سے شرک اور بُت پرستی نے
نشو و نما پایا ہے۔ سو یہ بھی انسانی طبیعت کا ایک ضعف ہے اور ہمارے وقتوں کے مسلمان خود کب
اس ضعف سے خالی ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں میں توحید کے بارے میں ہر سال کچھ نہ کچھ کہا جاتا ہوں
اور یہی وہ مضمون ہے جس کے صلے میں تم [illegible] کا خطاب ملا ہوا تھا
یاد ہو یا نہیں۔ وقت نہیں ہے ورنہ اسی مضمون کو [illegible]
[illegible]

کوئی اور بھڑکتا ہوا سا خطاب لیتا اور عدالت میں مقدمہ دائر کرکے اُس کی رجسٹری کراتا۔ میں نے بار بار کہا ہی اور پھر کہتا ہوں اور جب تک مقدمہ دائر کرنے کے لئے میری جیب میں پیسے ہیں نہیں بلکہ جب تک زندہ ہوں کہا کروں گا کہ ہم مسلمانوں کی نبی موحد کا کلمہ پھرنے والوں کی توحید بھی ویسی ہی اور اُسی کے قریب قریب متزلزل ہی جیسی اہلِ کتاب کی اور جیسی اُن لوگوں کی جن کو ہم مشرک اور بُت پرست بتاتے ہیں فرق اگر ہی تو اسی قدر کہ اُنھوں نے اپنے بزرگوں کو بڑھایا چڑھایا اور ہم نے اپنے بزرگوں کو وہ بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ ھٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ[۱] ہم بھی تاویلیں کرتے ہیں۔ بھلا اس ہیکڑی کا کہیں ٹھکانا ہی کہ جن افعال کی وجہ سے ہم دوسروں کو مشرک اور بُت پرست قرار دیں وہی اور ویسے ہی افعال ہم کریں اور پھر بھی پکّے مسلمان پکّے موحد کہلائیں کہ اسلام نہیں ہی مگر توحید اور توحید نہیں ہی مگر اسلام۔ بات یہ ہی کہ ہم آدمی آدمی سب یکساں ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا[۲] کُھلے سے جیسے ہم خارج نہیں اور لوگ بھی خارج نہیں اسباب کے جال میں جیسے ہم پھنسے ہیں اور بھی پھنسے ہیں۔ اور خدا کا پتہ لگانا ہی بس کو آج تک کسی فردِ بشر نے اور نہ صرف فردِ بشر نے بلکہ فرشتوں نے بھی دیکھا تک نہیں جبریلؑ جیسے فرشتے مقرب حاملِ وحی کی نارسائی تو سعدی کے بیان سے ظاہر ہی کہ وہ فرماتے ہیں نظم۔

چناں گرم در تیہ قربت براند
که جبریل در سدره زو باز ماند

بدو گفت سالارِ بیت الحرام
که ای حاملِ وحی برتر خرام

که چوں در طلب صادقم یافتے
عنانم ز صحبت چیرا تافتے

بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم که نیروے بالم نماند

اگر یک سرِ موے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

اور ہم بنی آدم میں سے تو ایک حضرت موسیٰ نے ایسی حرکت کی تھی رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ[۳] سوال کو بھی خدا نے پہلے ایک ڈانٹ بتائی لَنْ تَرٰىنِیْ[۴] پھر اُن کا اصرار دیکھا تو فرمایا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ[۵]

[۱] خدا کے یہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں ۱۲ [۲] انسان کمزور پیدا کیا گیا ہی ۱۲ [۳] اے خدا مجھے ایک نظر اپنے تئیں دیکھ لینے دے ۱۲ [۴] تم ہرگز ہم کو نہیں دیکھ سکو گے ۱۲ [۵] لیکن پہاڑ کی طرف نظر کرو اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہا تو شاید تم بھی ہم کو دیکھ سکو گے ۱۲

ترانی اس پر بھی موسیٰ اڑے رہے تو دیکھا جو دیکھا فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا
اپنی جرات کا خمیازہ بھگت لیا تو آگے کو کان اینٹھا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُؤْمِنِیْنَ غرض انسان کی درماندگی کا یہ حال اور منزل دور کچھ تو اپنے ابنائے جنس کے حال پر
رحم کرنا چاہیئے۔ اپنی چھاچھ کو اپنے مونھ میٹھا کہنے سے چھاچھ میٹھی نہیں ہو جائے گی۔ ہم کو تیرہ سو
برس سے اسی ایک بات کی مشق کرائی جا رہی ہے اور جیسی چاہیئے آج تک رواں نہیں ہوئی
تو دوسروں میں ایسا کہاں کا سرخاب کا پر لگا ہے کہ سننے کے ساتھ اور سننا بھی اس طرح کا سننا کہ غل غپاڑے
میں کان پڑی آواز نہ سنائی دے۔ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ دوسرے لوگ جن کو بھڑکانے میں ہم نے
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا سننے کے ساتھ یا دن تو لے پاؤ رتی کے ٹکسالی مسلمان ٹکسالی موحد
ہو جائیں میرا مستحکم عقیدہ ہے کہ مسلمان جتنی رعایت اپنی قوم کے ساتھ کرتے ہیں زیادہ نہیں تو اتنی ہی
رعایت دوسروں کے حق میں جائز رکھیں تو امن کا من برادرہڈ کو جس کا قائم کرنا بانی اسلام کا اصلی
مقصود تھا کیسی کچھ ترقی ہو۔ لیکن جو روش مسلمانوں نے اختیار کی ہے وہ یقیناً کامن برادرہڈ کو توڑ پھوڑ
کر ایک نہ ایک دن معدوم کر کے رہے گی ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی		کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

ابھی تو میں تمہاری نبض ٹٹولتا ہوں جب ان باتوں سے تمہارے کان آشنا ہو جائیں گے تو مجھ کو تم سے
بہت کچھ کہنا ہے

بائیسواں لیکچر جو مدرسۂ طبیہ دہلی کے چھٹے سالانہ جلسے میں ۱۸۹۵ء کو دیا گیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ کیا شور و غوغا ہے کاہے کا غل ہے		نہ آواز نے ہے نہ بانگ دہل ہے
نہ کچھ ساز و سامان دل بستگی ہے		نہ رقاص ہے اور نہ ساقی نہ گل ہے

سنا تھا کہ دل قوم کے مر گئے ہیں
ان ہی میں کسی مرنے والے کا قُل ہی

محرم کی مجلس ہے یہ میں اُس کا ذاکر؟
و یا بزم میلاد ختم الرسُل ؟ ہی

نہ یہ ہی نہ وہ ہی تو پھر کیا سبب ہی
کہ اتنا بڑا صحن لوگوں سے فل ہی

اگر یے سبب ٹوٹ آئی ہی خلقت
تو کیا اِن کے پیروں میں ناحق کی چُل ہی

نہیں - مدرسے کا ہی سالانہ جلسہ
یہ تقریب معمول و معلوم کُل ہی

طبابت میں فصلِ بہار آ رہی ہی
کھلا اِس کے گلشن میں یہ تازہ گل ہی

یہ بہتی ہی اک بحرِ مواجِ آفت
طب اُس پہ سے ہو کر گزرنے کا پُل ہی

مگر کون طب جس کا ماخذ ہی یوناں
کہ محفوظ و مامون و خیر السُّبل ہی

نہ وہ طب کہ جس سے ذرا آنکھ چوکی
تو یہاں مشعلِ زندگانی ہی گُل ہی

جس طرح ہاتھی کے کھانے کے دانت اَور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور - اِسی طرح یہ کالج ہوئے سکول ہوئے اِن کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں اندرونی اور بیرونی - اندرونی حالت کو پروفیسر پرنسپل کے سوا کوئی جان نہیں سکتا خصوصًا اِس مدرسے کی اندرونی حالت کہ اُس کے سب سے بہتر جج صرف عبد الحمید خاں صاحب ہیں اور بس - کیوں کہ یہ بانی اور پروفیسر اور سکرٹری یعنے مدرسے کے ہمہ اوست اور ہمہ ازوست ہیں - ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

سو عبد الحمید خاں صاحب نے اپنے ذہن میں ایک آئیڈل (خیالی) مدرسہ بنا رکھا ہی اور چاہتے ہیں کہ ویسا ہی مدرسہ خارج میں بھی موجود ہو جائے - ویدکی اور یونانی اور انگریزی طبابتوں کا جامع علمِ طبابت اور عملِ طبابت دونوں پر حاوی کہیں اِس لڑائی کی تقریب میں جو اِن دنوں ہو رہی ہی اِن کو چین اور جاپان کے علاجوں کی خبر نہ لگ گئی ہو کہ اُن کو بھی اپنے مدرسے کے کورس میں شامل کر بیٹھیں اور بیچارے طالب العلموں کی جان پر مصیبت پڑے - ع

پیماست در سرایں مردم محال اندیش

تھیئوریٹیکلی (سمجھنے کے طور پر) تو یہ آئیڈیل سکول نہایت عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر پریکٹیکلی (عملاً) بہت لوگ
اس کو شیخ چلی کا منصوبہ ہی سمجھتے ہیں لیکن دنیا میں جتنے بڑے نام و نمود کے کام ہوئے ہیں۔ ابتدا میں
شیخ چلی کے منصوبے ہی سمجھے گئے ہیں اور ہمت والے لوگوں نے اُن کو اپنے استقلال سے واقعات کر دکھایا
ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ مدرسہ بھی فی علم اللہ ایسے ہی بڑے کاموں میں سے ہو۔ تاہم بہت بڑا فرق ہے امکانِ
وقوع اور وقوع میں ہم لوگ۔ توقعات سننے کے لیئے نہیں آئے واقعات دیکھنے کے لیئے آئے ہیں
سو توقعات کے مقابلے میں واقعات ہماری ہی نظر میں نہیں جچتے تو عبدالمجید خاں صاحب کی نظر
میں کیا جچتے ہوں گے۔ ہم نے سید احمد خاں کو دیکھا ہے کہ علی گڈھ محمڈن کالج میں سحر کر دکھایا۔
مگر اُن سے پوچھو تو ابھی آٹے میں نمک بھی نہیں عبدالمجید خاں بھی سید احمد خاں ہی کے ٹائپ
(طرز) کے آدمی ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے کیونکہ سید احمد خاں نے ولایت
جاکر کالجوں اور یونیورسٹیوں کو دیکھا اور ان ہی کے نمونے پر علی گڈھ محمدن کالج جا ہی کیا۔ عبدالمجید خاں
نے یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے ذہن سے ایک بات ایجاد کی جو کسی کو بھی نہیں سوجھی کہ مختلف زمانوں اور
مختلف ملکوں کی طبابت کو ملا کر ایک معجون طبابت بنائی جائے۔ تو سید احمد خاں پھر بھی مقلد ہیں
اور عبدالمجید خاں موبد و شتّان بینہما تاہم ایک مزیت عبدالمجید خاں کو اور بھی ہے کہ انھوں نے
اپنی وضع نہیں بدلی۔ مگر اُن کے افتاد مزاج سے تو ڈر لگتا ہے جب سید احمد خاں کے سر میں
اس طرح کے خیالات گونجنے شروع ہوئے تو وہ بھی ہماری ہی وضع رکھتے تھے غرض سید احمد خاں کیا اور
عبدالمجید خاں کیا۔ یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ تو جب سید احمد خاں نے باوجود یکہ
علی گڈھ محمدن کالج میں ونڈرز (عجائبات) کر دکھائے اور اُن کو آٹے میں نمک بھی نہ سمجھا یوں کر
اطمینان ہو سکتا ہے کہ عبدالمجید خاں سے ہم کو مدرسے کی اندرونی حالت ٹھیک ٹھیک معلوم ہوگی
یعنے ٹروتھ ہول ٹروتھ نتھنگ بٹ ٹروتھ (سچ اور بالکل سچ اور سچ کے سوائے کچھ نہیں) بات یہ ہے
کہ یہ زمانہ ناولٹی (جدت) کا زمانہ ہے ہزاروں نئی نئی چیزیں دریافت اور ایجاد ہوتی چلی جاتی ہیں۔
اسی طرح نئی نئی بیماریاں [illegible]

تام بھی نہیں سنا تھا یا اب یہ حال ہے کہ تمام روئے زمین پر انفلوئنزا کا تہلکہ مچا ہوا ہے۔ زندگی اور تندرستی کا مسئلہ کچھ ہی دقیق کہ آج تک کوئی اس کو اچھی طرح حل نہیں کرسکا۔ جتنا چھان کر کرا جس قدر فلسفر کرو گے دلا۔ کاوش و تفتیش سے وہم کو ترقی ہوتی جاتی ہے ہوتا ہوا تا کچھ بھی نہیں میں ایک انگریزی اخبار کا مدتوں سے سبسکرائبر (خریدار) ہوں۔ اُس میں جہاں اور مضامین ہوتے ہیں ایک کالم برتھس میریجز اینڈ ڈیتھس (پیدائش شادی بیاہ اور موت) کا بھی ہوتا ہے تو میں اور بد اکراموات کو اکثر دیکھا کرتا ہوں اس خیال سے کہ انگریزوں نے فن طبابت میں بڑی ترقی کی ہے دیکھیں ان لوگوں کی زندگی کتنی دراز ہوتی ہے میں سچ کہتا ہوں میں نے تو آج تک ان لوگوں میں کوئی غیر معمولی بات پائی نہیں یہی ساٹھ ستر برس گھسیٹ کر علی الاکثر ہم بھی مرتے ہیں یہ بھی مرتے ہیں۔ ہاں جس نزاکت سے یہ لوگ مرتے ہیں وہ البتہ عجیب ہے۔

شاید لارڈ رے کو بمبئی کی بی بی کا مذکور ہے کہ وہ ہیضہ کرکے مریں تھا ان کے مرے پیچھے اس کی تحقیقات ہونے لگی کہ انھوں نے کیوں ہیضہ کیا۔ ان لوگوں میں یہ تو بڑی صفت ہے کہ ہر ایک واقعے کے سبب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں بے شک تحقیقات اُن مرنے والے کے حق میں تو کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی تھی مگر بعد الوقوع بہت سے اسباب دریافت ہوئے ہیں انسداد پذیر اور اُن سے باقی ماندگان نے بڑے فائدے اُٹھائے ہیں ہزاروں جانیں مرگ بے ہنگام سے محفوظ رہیں۔ ہماری طرح نہیں کہ رو کے دھو کے تقدیر پر صبر شکر کر کے بیٹھ رہے۔ غرض لیڈی صاحبہ کے مرے پیچھے تحقیقات ہونے لگی کہ اُنھوں نے کیوں ہیضہ کیا۔ آخر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہوس میں جس گھوسی کے یہاں سے چائے کے لئے دودھ آتا تھا اُس کی بھینسیں کسی گاؤں سے [illegible] پانی پینے جایا کرتی تھیں اور ان لیڈی صاحبہ کے مرنے سے کوئی دو یا تین مہینے پہلے اس گاؤں میں چند آدمی ہیضے سے مرے تھے۔ اول تو سرے سے ہیضے کے متعدی ہونے میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہے اور کوانٹاین (قرنطینہ) کے بارے میں اس پر بڑی بحث ہو چکی ہے۔ مگر خیر ہم ہیضے کو متعدی (متعدی) مانے لیتے ہیں تو اب ذرا اس تسلسل کو دیکھئے کہ ایک گاؤں میں چند آدمیوں نے ہیضہ کیا۔ مہینوں پیچھے اُن کے ہیضے کا اثر تالاب میں آیا۔ پھر تالاب سے پانی میں۔ پھر پانی سے بھینسوں میں۔ بھینس

بھینسوں سے دودھ ہیں۔ پھر دودھ سے لیڈی صاحبہ ہیں۔ خیر لیڈی صاحبہ تو بڑی آدمی تھیں ان کو
ہیضے کی ریشہ دوانیاں پہلے سے معلوم ہوتیں تو وہ شاید اس کا انسداد کر بھی سکتیں تھیں مگر یہ تو فرمایئے کہ ہم
جیسے غریب آدمیوں سے بھی ایسا تحرز ممکن ہے ہرگز نہیں۔ لیکن جیسے تحرز ممکن نہیں ویسے ہی خدا کے فضل
سے ہم چھوئی موئی بھی نہیں۔ مجھ کو اگر ان بھینسوں کا دودھ پینے کو ملا ہوتا تو مرنے کی جگہ پی پی کر ایسا موٹا
ہوتا کہ پہچان بھی نہ پڑتا۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ یہی پانی جس کو پیتے اور یہی ہوا جس کو تنفس کرتے
اور جس پر ہر ایک ذی حیات کی زندگی کا مدار ہے ان میں بھی زہر گھلا ہے۔ پیا اور مرے سانس لیا اور ٹیں بولے
ڈاکٹروں سے لڑے کون۔ بے شک جو یہ فرماتے ہیں بجا اور جو یہ تجویز کرتے ہیں درست۔ مگر زمین آسمان کے
درمیان سے کدھر نکل جائیں۔ کہاں جا کر بسیں۔ غرض ڈاکٹروں نے بات بات میں بال کی کھال
نکال کر زندگی کو ورتھ لیونگ دیئے کے قابل نہیں رکھا تو جہاں [illegible]
سنا تھا کہ ڈراپسی (استسقا) ایک بیماری ہوتی ہے جتنا پانی پیے جاؤ اور پیاس لگتی چلی آتی ہے پھر اس کی قسمیں
سنی تھیں کہ زقی ہوتا ہے لحمی ہوتا ہے اور شاید اور بھی قسمیں ہوں مگر ان دنوں ایک نئی قسم کا استسقا چلا ہے
استسقاء درمی کہ آدمی اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے روپیہ جمع کرتا ہے اور جس قدر روپیہ بڑھتا جاتا ہے اس کی
حرص بڑھتی جاتی ہے اس مرض کا اگر اس کو مرض سے تعبیر کیا جائے نشوونما اس طرح ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ
اپنے کسی خاص بندے پر اپنی رحمت عامہ کا پرتو ڈالتا ہے ع خاص کند بندہ مصلحت عام را۔ وہ سب سے
پہلے اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتا پھر دوسری قوموں کی حالت سے اس کا مقابلہ کرتا اور اپنی قوم کو پاتا
مفلس بے ہنر بے وقعت کاہل جاہل انسانیت سے دور حیوانیت سے نزدیک اور وہ قوم کی مصیبت
کو دیکھ کر بے قرار ہوتا اور اس کے دفع کرنے کی تدبیریں سوچتا [illegible]
رکھتی ہے وہ قوم کو ملامت کرتا اور قوم کے لیے قوم سے لڑتا [illegible] استسقا
درمی جس کا میں نے تذکرہ کیا اس کے [illegible]
[illegible] کی ہمت نہ ان کا سا استقلال [illegible] کام کو کیا سمجھتے ہیں کہ وہ کیا کرتا
[illegible] اور کیا کر رہا ہے [illegible]

نہیں دے سکتا۔ اس واسطے کہ میں پروفیشنل مین (طبابت پیشہ) نہیں مجکو اسی مدرسے کی رئیل ورتھ
کے جانچنے کی لیاقت نہیں۔ ہاں ظاہری اوپری چند موٹی موٹی باتیں ہیں جن کی نسبت میں کچھ
رننگ ریمارکس (بیان سرسری) کر سکتا ہوں۔ مدرسوں کی کامیابی خاص چند باتوں سے جانچی جاتی
ہی۔ سب سے پہلے مالی حالت کیوں کہ تمام کامیابیاں متفرع ہیں اسی منقوش پر۔ فنڈز نہ ہوں تو کسی کی حکمت
بھی پیش نہیں جاتی۔ سو خدا کا فضل ہی کہ مدرسے کی مالی حالت اگرچہ عبدالمجید خاں کے آئیڈیل
سکول پر نظر کرتے تو پیاسے کے لیے اونس ہی۔ مگر قوم کی حالت کے اعتبار سے غنیمت ہی اور یہی بات تو
یہ ہی کہ مجکو اس مدرسے کے فنڈز کی طرف سے کبھی بھی تردد نہیں ہوا۔ ہمارے حکیم صاحب کو عمل مقناطیسی
ہی ایسا یاد ہی کہ ذرا دبا کر اس سے کام لیں تو روپیہ آپ سے آپ گھسٹا ہوا چلا آئے۔ چندہ بھی تو آدمی ہی
دیں گے اور آدمی بھی با مقدور۔ اور گو یہ لوگ مدرسے کی قدر نہ بھی کریں اپنی زندگی اور تندرستی کی تو
سب سے زیادہ قدر کرتے ہیں اور آدمی ہیں تو مارٹل (فانی) بھی ہیں اور مارٹل ہیں تو کبھی نہ کبھی حکیم صاحب کے
قابو میں آئیں گے ضرور بشرطیکہ مجھ جیسے گراں جان نہ ہوں مگر نہ کوئی میری طرح وقت اور عادت کو
قصداً کرے گا اور نہ اس عمر میں تنا کرارا ہوگا جتنا کہ ماشاءاللہ چشم بد دور میں ہوں۔ ہمارے ہاں روگی ہونا
تمغۂ امارت ہی۔ موجبات ترغیب جو خدا نے امیروں کو دے رکھے ہیں وہ ان کو ریزسٹ (مدافعت)
کر نہیں سکتے۔ اور ان کا بیمار ہونا بلکہ بیمار رہنا تعجب کی بات نہیں بلکہ ان کا تن درست رہنا بلکہ مطلق
جینا تعجب کی بات ہی۔ غرض فنڈز کے جمع ہونے میں دیر ہو تو ہو وہ بھی اس سے کہ عبدالمجید خاں
سب سے سستی کو ڈھیلا چھوڑتے رہیں گے۔ فنڈز تو جمع ہوں گے اور ضرور جمع ہوں گے اور خاطر خواہ
جمع ہوں گے۔ فنڈز کا جمع کر لینا کچھ مشکل نہیں فنڈز کا ہینڈل (ضبط و انتظام) کرنا البتہ مشکل ہی اور وہ
عبدالمجید خاں صاحب کا کام ہی۔ بے شک سب سے زیادہ ان ہی کو زحمت ہی مگر جیسی زحمت ہی ویسی ہی
ناموری بھی ویسا ہی اجر عاقبت ہی بشرطیکہ نیت بخیر ہو۔ اور چشم بد دور ان کے استغنا سے ظاہر ہی کہ نیت
کے بخیر ہونے میں تو ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ فنڈز کے بارے میں عبدالمجید خاں صاحب کی مسلمہ حذاقت
سے [illegible] عمر کی تو [illegible] بھی اطمینان کا باعث [illegible]

اُٹھایا ہے تو اِن کو کافی مدد کیوں نہ دی جائے۔ اہے وہ عبدالمجید خاں کا آئیڈیل سکول نہ سہی۔ نری
طبِ یونانی ہی ایسی کہاں کی گئی گزری ہے۔ اب تک تو طبِ انگریزی اُس کو ٹسکی (متزلزل) نہیں کر سکی۔
اور ٹسکی کرتی ہوئی معلوم ہوتی بھی نہیں۔ اب بھی سو میں شاید ننانوے آدمی اُس کے گرویدہ ہیں۔ اور
سُنے سنائے گرویدہ نہیں بلکہ سینکڑوں برس کے متواتر تجربے کے بعد گرویدہ ہوئے ہیں۔ تو جب طبِ
یونانی کی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ وہ کسی کے اُکھاڑے اُکھڑ نہیں سکتی اور وہ جیسی مفید ہے ویسی ہی اصلاح طلب
بھی ہے تو اُس کی اصلاح گورنمنٹ کا عین فرض ہے کیوں کہ گورنمنٹ نے رعایا کی ہر طرح کی حفاظت
اپنے ذمے لی ہے۔ ازاں جملہ رعایا کی ہلتھ (تن درستی) کی بھی اور حفاظت اپنے ذمے لی ہے تو کچھ مفت نہیں
لی اس کے بدلے ہم خراج بھرتے ہیں ٹیکس دیتے ہیں اور باوجودیکہ سرکار ہماری ہم وطن نہیں ہم قوم نہیں
ہم مذہب نہیں ہزاروں کوس دور بیٹھے ہم اس کی جے مناتے ہیں۔ کم سے کم اتنا تو چاہیے کہ گورنمنٹ اِس
سکول کو رِکگنائز (تسلیم) کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر جیوں ہی یونیورسٹی امتحان دے کر ڈپلومہ حاصل کرتے پھر
اُن کو سرکاری نوکری مل جاتی اور کام پر مسلط ہوتے ہی لوگ بے تامل اُن سے علاج کرانے لگتے ہیں۔
ہمارے اِن طالب العلموں کو یہ مشکل در پیش ہے کہ پڑھا بھی اور مطلب بھی کیا امتحان بھی دیا پاس بھی ہوئے
اور شاید تمغے اور انعام بھی پائے اور آخر میں سند بھی ملی مگر چوں کہ وہ سند سرکاری سند نہیں اُس میں
اُن کے پُش کرنے (آگے بڑھانے) کی قوت نہیں۔ اِن بیچاروں کو دوہری مصیبت ہے امتحان کا پاس
کرنا ایک مصیبت اور امتحان کے پاس کیے پیچھے پریکٹس (مطب) کا جمانا دوسری مصیبت۔ امتحان کا
پاس کرنا تو بھی اختیاری بات ہے۔ مگر پریکٹس کا جمانا لوگوں کے دلوں میں اپنی عقیدت کا بٹھانا محض بخت و
اتفاق پر موقوف ہے مگر یہ کہ خوش نصیبی سے وہ شخص طبیب زادہ ہو لیکن طبیب زادہ ہو کر اُس دشمنِ عقل نے
پڑھنے کی تکلیف بھی ناحق ہی کی وہ نہ پڑھتا تو بھی طبیب مانا جاتا۔ اور یہ جو نیٹو ڈاکٹر بلا ڈپلومہ اپنا پریکٹس
آسانی سے اسٹیبلش (قایم) کر لیتے ہیں اور تمام شہروں میں یوماً فیوماً اُن کی کثرت ہوتی چلی جاتی ہے۔
اس میں بھی اِن [illegible] دواؤں کے انگریزی ناموں کا شرف ہے۔ طبابت کی بھی کیا ہی مٹی خوار
[illegible] آدمی [illegible] تعویذ [illegible] جھاڑ پھونک چڑھاوے اُتارے جھو منتر کے طبی خواص کے

معتقد ہیں ان کو پانی کی جگہ آگوا اور بوند کی جگہ ڈراپ لکھ کر پھسلا لینا کیا بڑی بات ہے۔ ہاں پانی کو پانی اور بوند کو بوند کہیں اور پھر بیماروں کو بہم سے توڑے جائیں تو جانیں۔

فنڈز کے لوبیکول کی کامیابی کا ٹسٹ (معیار) ہی طالب العلموں کی تعداد اُن کا اوسط حاضری اُن کا نتیجۂ امتحان ہے۔ اگر یہاں کے طالب العلم عمدہ طبیب ہو کر نکلتے ہیں تو اُن کا شمار کم اور بہت کم ہے۔ اور اگر نیم حکیم بن کر نکلتے ہیں تو ان کا شمار زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ اور اس کے فیصلے کو مدتیں چاہئیں۔

بحمد اللہ والمنۃ کہ مجموعہ لکچر کی جلد اول تمام ہوئی۔ حجم کے اعتبار سے جلد دوم بھی اسی کے قریب قریب ہی۔ جنگ یورپ سے پہلے کاغذ کوڑیوں کے مول تھا اور اب ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ کہاں ڈیڑھ دو آنے پونڈ کہاں آٹھ ساڑھے آٹھ آنے پونڈ ہو گئے کا فرق۔ غرض اس زمانے میں کتاب چھپوانا ایک ایسی مصیبت ہے جو دھری جائے نہ اٹھائی جائے۔ مگر دنیا کے کام بند نہیں ہوتے کسی نہ کسی طرح چلے ہی جاتے ہیں۔ پہلے جو کتاب چار آنے کو ملتی تھی اب منافع گھٹا کر کم سے کم بھی لکھو تو آٹھ آنے تو کہیں گئے نہیں۔ باوجود علم ان مصائب کے لوگ گرانی قیمت کی شکایت کرتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ کاغذ تو خیر زیادہ تر انگلستان سے آتا تھا لیکن وہ چیزیں جو روزمرہ کے استعمال کی ہیں اور یہیں پیدا ہوتی ہیں اُن کو بھی تو آگ لگی ہوئی ہے۔ ایک گھی ہی کو لیجئے سیر کی جگہ چھٹانکوں پر آ گیا۔ روئی کو دیکھئے کہاں چوسیری اور کہاں پورے سیر بھر کی بھی نہیں۔ بقول شخصے

زندگی ہے کہ اک طوفان ہے | ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

غریبوں کی کچھ نہ پوچھئے امیروں کی عمدہ آمدنی میں [illegible] نہیں ہوتی۔ ہر شخص اسی حالت میں گرفتار ہے۔ خدا اس عذاب کو اپنے [illegible] جان اسے بھی تو ان سے [illegible]

اللّٰھم احفظنا من کل بلاء الدنیا [illegible]

	قیمت	محصول ڈاک
...ری ہیں۔ جو شخص ذرا بھی سمجھ رکھتا ہو وہ بخوبی تصفیہ کرسکتا ہو کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب ہی تو وہ اسلام ہی ہی" کا فرتوانی شد نا چار مسلمان شو"	عصر	۴ر
(۹) حیات النذیر۔ مولانا ے مرحوم کی مکمل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی بلاک کے ۴۹۶ صفحات۔	عمہ/۸	۸ر
(۱۰) نظم بے نظیر۔ مولانا ے مرحوم کی کل نظموں کا مجموعہ مع صراحت اس امر کے کہ کس جلسہ اور تقریب کے لیئے لکھی گئی تھی۔	عصر	۳ر
(۱۱) مراۃ العروس لڑکیوں کو امور خانہ داری اور سلیقہ سکھلانے کی بے نظیر کتاب جس پر گورمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	۸ر	۳ر
(۱۲) بنات النعش گویا کہ مراۃ العروس کا حصۂ دوم ہی جس میں لڑکیوں کی علمی حالت اور تمدن ہیں اُن کو زیادہ تر بکار آمد بنانے کے لیئے عمدہ عمدہ تعلیمی مضامین لکھے ہیں۔ اس پر گورمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا ہی۔	۸ر	۳ر
(۱۳) توبۃ النصوح۔ نیک کرداری۔ اخلاق اور مذہبی تعلیم کا بیش بہا ذخیرہ جس پر گورمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔	۸ر	۳ر
(۱۴) محصنات۔ یعنی فسانۂ مبتلا جس میں دو شادیاں کرنے کی مصیبتوں کو نہایت دردناک طور سے بیان کیا گیا ہی اور آخر میں ایک مخمس بھی ہی۔	۱۴ر	۳ر
(۱۵) ایامیٰ۔ بیواؤں کی دکھ بھری کہانی خود اُن کی زبانی۔ اُن کے اصلی حالات اور دلی جذبات کا فوٹو اُن کی مشکلات کا بس یہی حل ہی کہ بیواؤں کا نکاح ثانی کیا جائے	۱۴ر	۳ر
(۱۶) ابن الوقت۔ انگریزی کورانہ تقلید کی خرابیاں نتیجہ یہ کہ از یں سو راندہ و زاں سو درماندہ۔ مذہبی مسائل پر نہایت عمدہ معقول اور مسکت مباحث۔	عصر	۴ر
(۱۷) موعظۂ حسنہ۔ وہ تمام نصیحت آمیز خطوط جو مولانا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔	۱۲ر	۳ر

نام کتاب	قیمت	محصولڈاک
(۱۸) منتخب الحکایات۔ بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیاں۔......	۶/	۲/
(۱۹) چند پند۔ بچوں کے لیے عمدہ عمدہ نصیحت آمیز مضامین......	۶/	۲/
(۲۰) صرف صغیر۔ فارسی زبان کے قواعد سلیس اردو میں......	۴/	۲/
(۲۱) نصاب خسرو۔ امیر خسرو کی ترمیم شدہ خالق باری.........	۴/	۲/
(۲۲) رسم الخط۔ املا و انشار کے نوآموز بچوں کے لیے سلیس قواعد......	۴/	۲/
(۲۳) مبادی الحکمت۔ علم منطق کے قواعد سلیس اور عام فہم اردو میں جس پر گورنمنٹ سے پانسو روپیہ انعام ملا........................	۸/	۳/
(۲۴) مالغینک فی الصرف۔ صرف عربی کے قواعد زبان اردو میں...	۸/	۳/

زیر طبع

(۲۵) امہات الامہ۔ یہ وہ کتاب ہے جسے سوختنی قرار دے کر مولانا پر کفر کا فتویٰ ہوا تھا۔ اب چند مستند علما کی نظر ثانی ترمیم اور تعدیل کے بعد خواہش مندوں کے سخت اصرار پر زیر طبع ہے۔ خواہش مند اپنا نام رجسٹر کرالیں۔

مولانائے مغفور کی آخری اور نا تمام تصنیف

(۲۶) مطالب القرآن۔ کلام مجید کی کل اردو تفسیر کا حصہ اول جو مشتمل ہے صفحہ (۲۲۸) کا۔ پوری تفسیر کو چھ حصوں میں ختم کرنا مد نظر تھا اور تفسیر لکھی جاتی تھی اتنی ہی چھپ بھی جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ مولانا کی زندگی نے چند دے دور وفا نہ کی اور کتاب ادھوری رہ گئی۔ اب جتنی اور جس حیثیت سے طیار تھی۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے...................... عمر محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار پنشنر کھاری باؤلی دہلی